ضیاء النبی ﷺ
پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی - پاکستان

ضیاء النبی ﷺ
پیر محمد کرم شاہ الازہری
ضیاء القرآن پبلی کیشنز
گنج بخش روڈ، لاہور

ضیاء النبی ﷺ

جلد چہارم

غزوۂ خندق، فرضیت حج، غزوۂ حدیبیہ، غزوۂ خیبر، غزوۂ موتہ، غزوۂ فتح مکہ، غزوۂ حنین، غزوۂ تبوک، قبائل عرب کے وفود کی آمد، حجۃ الوداع، وفات شریف، سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پیر محمد کرم شاہ الازہری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
گنج بخش روڈ۔ لاہور

نام کتاب — ضیاء النبی ﷺ (جلد چہارم)

مصنف — پیر محمد کرم شاہ الازہری

سجادہ نشین آستانہ عالیہ امیریہ، بھیرہ شریف

پرنسپل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ

جج سپریم کورٹ آف پاکستان

کمپوزنگ — الفاروق کمپیوٹرز، لاہور

تعداد — پانچ ہزار

تاریخ اشاعت — ربیع الاول 1420 ہجری

ایڈیشن — بار دوم

طابع — تخلیق مرکز پرنٹرز، لاہور

ناشر — محمد حفیظ البرکات شاہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ، لاہور۔

فہرست مضامین

غزوۂ خندق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾

اور جب ایمان والوں نے (کفّار کے) لشکروں کو دیکھا ... تو (فرطِ جوش سے) پکار اُٹھے یہ ہے وُہ لشکر جس کا وعدہ اللہ اور اُس کے رسُول نے فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اُس کے رسُول نے۔ اور دُشمن کے لشکرِ جرّار نے اُن کے ایمان اور جذبۂ تسلیم میں اور اضافہ کر دیا۔

(الاحزاب : ۲۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿٢٢﴾

اور جب ایمان والوں نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا ... تو
(فرطِ جوش سے) پکار اُٹھے یہ ہے وُہ لشکر جس کا وعدہ اللہ اور
اُس کے رسُول نے فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اُس کے
رسُول نے ۔ اور دُشمن کے لشکرِ جرّار نے اُن کے ایمان اور جذبۂ تسلیم
میں اور اضافہ کر دیا۔

(الاحزاب: ٢٢)

غزوۂ خندق

غزوۂ احزاب کی چند امتیازی خصوصیات

نبی محتشم ﷺ کے غزوات میں غزوہ خندق کو مختلف حیثیتوں سے دیگر غزوات پر چند امتیازی خصوصیات حاصل ہیں۔

جزیرۂ عرب میں اسلام دشمن طاقتوں نے علیحدہ علیحدہ فرزندان اسلام سے جنگیں کیں اور ہمیشہ ان کو منہ کی کھانی پڑی۔ جبکہ غزوہ خندق کی انفرادی شان یہ ہے کہ اس غزوہ میں ساری اسلام دشمن قوتوں نے متحد ہو کر مرکز اسلام مدینہ طیبہ پر حملہ کیا۔

اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دفاع کے لئے مروج اور روایتی طریقوں سے ہٹ کر ایک انوکھا طریقہ اپنایا جس نے کفار کے اس لشکر جرار کو ذہنی طور پر ششدر اور مرعوب کر دیا۔ چند ایام وہاں گزارنے کے بعد رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اپنا محاصرہ اٹھا کر بے نیل مرام واپس لوٹ گئے۔

اس غزوہ کی سب سے اہم انفرادی خصوصیت یہ ہے کہ دشمنان اسلام کے جارحانہ حملوں کی یہ آخری کڑی تھی۔ اس کے بعد وہ کبھی مرکز اسلام پر حملہ کرنے کی جرات نہ کر سکے بلکہ ہمیشہ دفاعی جنگیں لڑنے پر انہیں اکتفا کرنا پڑا۔

صحیح روایت کے مطابق یہ غزوہ 5 ہجری کے ماہ شوال بمطابق فروری 627ء میں وقوع پذیر ہوا کیونکہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ غزوہ احد 3 ہجری میں ہوا۔ ابو سفیان نے احد سے واپسی کے وقت آئندہ سال میدان بدر میں مسلمانوں کو جنگ کا چیلنج دیا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اسے قبول فرمایا اور حسب وعدہ اپنے پندرہ سو مجاہدین کو ہمراہ لے کر مقررہ وقت پر بدر کے میدان میں پہنچے۔ لیکن ابو سفیان نے قحط سالی کا بہانہ بنا کر میدان بدر میں مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے سے گریز کیا، اس کے ایک سال بعد ابو سفیان یہودی قبائل سے ساز باز کر کے مختلف مشرک قبائل کو لے کر مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوا اور یہ ہجرت کا

پانچواں سال ہی بنتا ہے۔ اہلِ سیر اور مغازی کی اکثریت اس تاریخ پر متفق ہے لیکن موسیٰ بن عقبہ نے اس کا سال وقوع 4 ہجری بتایا ہے۔ علامہ ابن حزم ان کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وَ هٰذَا هُوَ الصَّحِيْحُ الَّذِيْ لَا شَكَّ فِيْهِ۔ "یعنی موسیٰ بن عقبہ کا قول ہی صحیح ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

انہوں نے صحیحین کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر وہ بارگاہ رسالت میں پیش ہوئے جب کہ ان کی عمر چودہ برس تھی لیکن حضور نے کم سنی کی وجہ سے انہیں جہاد میں شرکت کی اجازت نہ دی۔ پھر غزوہ خندق کے موقع پر وہ پیش ہوئے تو حضور نے انہیں اجازت مرحمت فرمائی، اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی۔ اس سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ احد کے دوسرے سال غزوہ خندق وقوع پذیر ہوا اور وہ چار ہجری تھا۔

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں: پہلا یہ کہ بیشک غزوہ احد کے وقت وہ کم سن تھے، ان کی عمر چودہ سال تھی لیکن جب پانچ ہجری میں غزوہ خندق ہوا تو عمر کے لحاظ سے وہ اس قابل ہوگئے کہ جہاد میں شرکت کرسکیں اس لئے انہیں اجازت مرحمت فرمادی گئی۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے احد کے وقت وہ اپنے چودھویں سال کے پہلے مہینوں میں ہوں اور غزوہ خندق کے موقع پر وہ اپنے پندرہویں سال کے آخری مہینہ میں ہوں۔ اس اعتبار سے حضرت ابن عمر کی روایت کہ غزوہ خندق پانچویں سال میں وقوع پذیر ہوا، کے منافی نہیں۔(1)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح الصحیح للبخاری میں پانچویں سال کی روایت کو ترجیح دی ہے:

وَالْخَنْدَقُ فِي الْخَامِسَةِ وَهُوَ الْمُعْتَمَدُ (2)

اس وقت اسلام کی دشمنی اور عداوت میں تین قومیں پیش پیش تھیں:

1۔ قریش مکہ

2۔ عرب کے مشرک قبائل

1۔ ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر قیم الجوزیہ (691-751ھ)، "زاد المعاد فی ہدی خیر العباد" بیروت، مکتبہ المنار الاسلامیہ، 1985ء، طبع 7، جلد 3، صفحہ 479

2۔ علامہ احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م 856ھ) "فتح الباری شرح البخاری" القاہرہ، المطبعۃ البہیۃ المصریہ، بے ت، جلد 7، صفحہ 315

3۔مدینہ طیبہ میں آباد یہودی قبائل

ان پانچ سالوں میں ہر فریق نے اسلام کے چراغ کو بجھانے کے لئے سارے جتن کر کے دیکھ لئے تھے اور رحمت عالم ﷺ کی روز افزوں قوت و ثروت کو پامال کرنے کے ارمان پورے کر لئے تھے۔ چنانچہ ہر فریق پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو چکی تھی کہ وہ علیحدہ علیحدہ کسی طرح بھی محمد عربی (ﷺ) کے ان مٹھی بھر دیوانوں کو شکست نہیں دے سکتے۔ لیکن انہوں نے عزم کر رکھا تھا کہ وہ اپنے بتوں کا بھرم ہر قیمت پر برقرار رکھیں گے۔ مکہ اور بیرون مکہ کے مشرک قبائل کو اپنے خداؤں کی خدائی کا ڈولتا ہوا سنگھاسن چین سے نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔ یہود کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف حسد و عناد کے جو طوفان موجزن تھے، وہ انہیں مجبور کر رہے تھے کہ وہ ہر قیمت پر اسلام کے پرچم کو سرنگوں کر کے چھوڑیں گے۔ اب انہوں نے طے کر لیا کہ اگر وہ الگ الگ رہ کر اس مہم کو سر نہیں کر سکتے تو وہ سب متحد و متفق ہو کر اسلام کے مرکز پر لشکر جرار سے حملہ کریں گے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دیں گے۔ یہ خیال ہر فریق کو بے چین کر رہا تھا لیکن اس کو عملی جامہ پہنانے کی صورت کیا ہو گی، اس کا کسی کو علم نہ تھا۔

آپ پڑھ آئے ہیں کہ بار بار کی عہد شکنی اور عملی سازشوں کے ارتکاب کے باعث بنی نضیر کو مدینہ طیبہ سے جلاوطن کر دیا گیا۔ ان کے چند خاندان شام چلے گئے اور اکثریت خیبر میں رہائش پذیر ہو گئی۔ اس جلاوطنی نے ان کے جذبہ حسد و عناد کو مزید بھڑکا دیا۔ ان کی راتیں اور ان کے دن مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے جال بننے میں ہی بسر ہوتے۔ آخر کار طویل سوچ بچار کے بعد انہوں نے ایک منصوبہ تیار کیا اور ان کا وفد اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مکہ روانہ ہوا۔

اس وفد میں ان کے مندرجہ ذیل اکابر شریک تھے --- سلام بن ابی الحقیق، سلام بن مشکم، کنانہ بن ربیع اور حیی بن اخطب۔ ان چاروں کا تعلق قبیلہ بنی نضیر سے تھا اور بنو وائل قبیلہ کے ہوذہ بن قیس اور ابو عمارہ۔ ان سرکردہ افراد کے علاوہ ابو عامر فاسق بھی اس وفد میں شامل ہو گیا۔ چنانچہ چوبیس افراد پر مشتمل یہ وفد یثرب سے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے قریش کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف جنگ پر ابھارنا شروع

کیااور انہیں یقین دلایا کہ وہ اس جنگ میں ان کے ساتھ ہوں گے، یہاں تک کہ اسلام اور بانی اسلام کو ختم کر کے دم لیں گے۔ اس وفد کی ملاقات جب ابو سفیان سے ہوئی تو اس نے ان کا بڑا پر تپاک خیر مقدم کیااور انہیں کہا کہ ہمارے نزدیک سب سے پسندیدہ لوگ وہ ہیں جو محمد (فداہ روحی) کی عداوت پر ہمارے ساتھ معاہدہ کرتے ہیں۔ یہود اور کیا چاہتے تھے، انہوں نے ابو سفیان کی اس آمادگی کو دیکھ کر کہا کہ آپ قریش میں سے پچاس سردار چن لیں اور آپ بھی ان میں ہوں۔ پھر ہم سب جا کر کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر اور اپنے سینے کعبہ کی دیواروں کے ساتھ لگا کر وعدہ کریں کہ ہم پیغمبر اسلام کی عداوت میں سیسہ پلائی دیوار بن جائیں گے۔ جب تک ہم میں سے ایک شخص بھی زندہ رہا وہ اسلام کے خلاف جنگ جاری رکھے گا۔ چنانچہ قریش کے پچاس سرداروں اور یہودیوں کے اس وفد نے کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر اور اپنے سینوں کو اس کی دیوار کے ساتھ لگا کر اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کا معاہدہ کیا۔(1)

اسی موقع پر ابو سفیان نے یہودیوں کے وفد سے یہ پوچھا کہ اے گروہ یہود! تم صاحب کتاب ہو اور صاحب علم و فضل ہو۔ تم جانتے ہو کہ محمد (فداہ ابی وامی) سے ہم برسرپیکار ہیں۔ ہمیں ذرا یہ تو بتاؤ کہ ہم راہ راست پر ہیں یا وہ۔ یہودی وفد جو ان کے احبار (ماہرین) اور سرداروں پر مشتمل تھا، انہیں اچھی طرح علم تھا کہ قریش مکہ بتوں کے پرستار ہیں۔ وہ کعبہ مقدسہ جس کو حضرت ابراہیم خلیل نے جو ان یہودیوں کے بھی جد اعلیٰ تھے، فقط اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لئے تعمیر کیا تھا۔ اس مقدس گھر میں ان ظالموں نے تین سو ساٹھ بت سجا رکھے ہیں اور ان کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ ان کے برعکس مسلمان ان کے مخالف سہی لیکن وہ کسی بت کو نہیں پوجتے فقط اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی جبینیں سجدہ ریز ہوتی ہیں۔ ان تمام حقائق کو جانتے ہوئے ایک موہوم فائدہ کے لئے انہوں نے اتنا جھوٹ بولا جسے صدہا سال گزر جانے کے باوجود تاریخ نہ ہضم کر سکی ہے اور نہ اس کو فراموش کر سکی ہے۔ ان کے اپنے انصاف پسند مصنفین نے بھی ان کی اس حرکت پر انہیں سخت لعن طعن کیا ہے۔ "تاریخ الیہود فی بلاد العرب" کے مصنف پروفیسر ولسن نے صفحہ 142 پر لکھا ہے:

جو چیز ہر مومن کے دل کو دکھاتی ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی، وہ اس یہودی

1۔ الامام محمد بن یوسف الصالحی الشامی (م942ھ)، "سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد"، القاہرۃ لجنۃ احیاء التراث الاسلامی، 1983ء جلد 4 صفحہ 512

وفد کی مشرکین مکہ کے ساتھ گفتگو ہے۔ جس میں انہوں نے مکہ کے بت پرستوں کو ان مسلمانوں پر فضیلت دی ہے جو خداوند وحدہ لاشریک پر محکم ایمان رکھتے تھے۔(1)

جب تک یہ دنیا قائم ہے، اہل حق کی محفل میں یہ دروغ گوئی کی وجہ سے آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ کر سکیں گے۔ وہ بولے اے قریش مکہ! (اے لات و ہبل کے پرستارو) تم محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے کہیں زیادہ حق کا دامن پکڑے ہوئے ہو کیونکہ تم اس گھر کی تعظیم کرتے ہو۔ حاجیوں کو پانی پلاتے ہو فربہ اونٹوں کو ذبح کرتے ہو اور ان خداؤں کی پرستش کرتے ہو جن کی پرستش تمہارے آباؤاجداد کیا کرتے تھے۔(2)

ابوسفیان نے انہیں کہا، اے یہودی رئیسو! ہمیں تمہاری اس بات پر اس وقت تک یقین نہیں آسکتا جب تک تم ہمارے معبودوں کو سجدہ نہ کرو۔ چنانچہ سب ''یہودیوں نے جن میں ان کے چوٹی کے علماء بھی تھے'' بتوں کو سجدہ کیا۔(3)

اللہ تعالیٰ نے فوراً یہ آیات اپنے محبوب کریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم پر نازل فرما کر ان کی کذب بیانی پر مہر ثبت کر دی۔ ارشاد الٰہی ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا (4)

''کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ (اب) اعتقاد رکھنے لگے ہیں جبت اور طاغوت پر اور کہتے ہیں ان کے بارے میں جنہوں نے کفر کیا کہ وہ کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو ایمان لائے ہیں۔''

قریش نے یہود سے اپنے بارے میں جب یہ فتویٰ سنا تو مارے خوشی کے اچھلنے لگے اور انہیں

1۔ پروفیسر ولسن، ''تاریخ الیہود فی بلاد العرب''، صفحہ 142
2۔ ''سبل الہدیٰ''، جلد چہارم، صفحہ 512
3۔ شوقی ابو خلیل، ''الخندق''، دمشق، دارالفکر، ب ت، صفحہ 66
4۔ سورۃ النساء: 50

مزید یقین دہانیاں کرانے لگے کہ وہ اس مہم میں آخری سانس تک ان کا ساتھ دیں گے۔

یہاں سے وہ وفد بنو غطفان کے پاس پہنچا، انہیں اسلام کے خلاف خوب بھڑکایا، قریش کے ساتھ جو طے پایا تھا اسے بھی خوب نمک مرچ لگا کر بیان کیا اور ساتھ ہی انہیں یہ لالچ بھی دیا کہ اگر وہ اس جنگ میں ان کا ساتھ دیں گے تو خیبر کے باغات کی کھجوروں کا سارا پھل وہ اس سال ان کی نذر کر دیں گے۔

چنانچہ بنی غطفان کا سردار عیینہ بن حصن اپنے قبیلہ سمیت اس سازش میں شریک ہو گیا۔ عیینہ اپنے دوست قبائل بنی اسد، بنی مرہ، اشجع اور بنی فزارہ کو بھی اس جنگ میں شرکت کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی۔

چنانچہ وقت مقررہ پر چار ہزار کا قریشی لشکر ابو سفیان کی قیادت میں نکلا۔ ان میں تین سو گھڑ سوار تھے اور ایک ہزار اونٹ تھے۔ جب یہ لشکر مر الظہران کے مقام پر پہنچا تو بنو اسد، طلیحہ الاسدی کی قیادت میں، بنی سلیم ابو الاعور کی قیادت میں، بنو مرہ حارث بن عوف المری کی قیادت میں اور اشجع مسعود بن رخیلہ کی قیادت میں نکلے اور مر الظہران کے مقام پر یہ سارا لشکر جمع ہوا۔ ان تمام افواج کی تعداد دس بارہ ہزار تک پہنچ گئی۔ یہ لشکر جرار ایک چھوٹی سی بستی مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔

ابو سفیان کا حضور نبی مکرم ﷺ کے نام خط

علامہ المقریزی نے اس خط کا بھی ذکر کیا ہے جو اس موقع پر ابو سفیان نے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں لکھا تھا:

بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ - فَإِنِّي أَحْلِفُ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى لَقَدْ سِرْتُ إِلَيْكَ فِي جَمْعِنَا وَإِنَّا نُرِيْدُ أَنْ لَا نَعُوْدَ أَبَدًا. حَتّٰى نَسْتَأْصِلَكُمْ فَرَأَيْتُكَ قَدْ كَرِهْتَ لِقَاءَنَا وَجَعَلْتَ مَضَائِقَ وَخَنَادِقَ وَلَيْتَ شِعْرِيْ مَنْ عَلَّمَكَ هٰذَا فَإِنْ نَرْجِعْ عَنْكُمْ فَلَكُمْ مِنَّا يَوْمٌ كَيَوْمِ أُحُدٍ. (1)

1۔ العلامۃ احمد بن علی المقریزی (م 845ھ)، "امتاع الاسماع بالرسول من الانباء والاموال والحفدۃ والمتاع"، القاہرۃ، دار الانصار، 1989م، جلد 1، صفحہ 189

"اے اللہ تیرے نام کے ساتھ! لات اور عزی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں آپ کی طرف ایک لشکر عظیم لے کر آیا ہوں۔ ہم نے یہ پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ ہم اس وقت تک واپس نہیں لوٹیں گے جب تک تمہاری جڑیں اکھیڑ کر نہ رکھ دیں گے۔ میں نے دیکھا ہے کہ آپ نے ہمارے ساتھ مقابلہ کرنے کو مکروہ جانا ہے اور ہمارے راستہ میں خندقیں کھود دی ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے، یہ چیز آپ کو کس نے سکھائی ہے۔ اگر ہم بفرض محال اس دفعہ واپس چلے گئے تو ہم پھر آئیں گے اور احد کی جنگ کی یاد کو تازہ کریں گے۔"

یہ خط اس نے ابو اثامہ الجشمی کے ہاتھ بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے خیمہ میں تشریف فرما تھے جہاں حضرت ابی بن کعب نے خط پڑھ کر سنایا۔ سرکار دو عالم نے اس کے جواب میں یہ گرامی نامہ تحریر فرمایا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا جوابی مکتوب

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى اَبِيْ سُفْيَانَ بْنِ حَرْبٍ اَمَّا بَعْدُ! فَقَدِيْمًا غَرَّكَ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ اَمَّا ذَكَرْتَ اَنَّكَ سِرْتَ اِلَيْنَا فِيْ جَمْعِكُمْ وَاَنَّكَ لَا تُرِيْدُ اَنْ تَعُوْدَ حَتّٰى تَسْتَاْصِلَنَا فَذٰلِكَ اَمْرٌ يَحُوْلُ اللّٰهُ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ وَيَجْعَلُ لَنَا الْعَاقِبَةَ حَتّٰى لَا تَذْكُرَ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى ... وَلَيَاْتِيَنَّ عَلَيْكَ يَوْمٌ اَكْسِرُ فِيْهِ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى وَاَسَافَ وَنَائِلَةَ وَهُبَلَ حَتّٰى اُذَكِّرَكَ ذٰلِكَ يَا سَفِيْهَ بَنِيْ غَالِبٍ (1)

"یہ خط محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے ابو سفیان بن حرب کی طرف ہے۔ اما بعد! عرصہ دراز سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں شیطان تجھے دھوکہ دے رہا ہے اور یہ بات جو تو نے لکھی ہے کہ تم اپنا لشکر جرار لے کر ہماری طرف آئے ہو اور تم نے یہ پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ اس

1۔ ایضاً واحمد بن زینی دحلان (م 1886م)، "السیرۃ النبویۃ"، بیروت، المطبعۃ الاهلیۃ، 1983م، جلد 2، صفحہ 131

وقت تک واپس نہیں جاؤ گے جب تک ہمارا خاتمہ نہ کر دو۔ تو یہ ایسی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے درمیان اور اس چیز کے درمیان خود حائل ہو جائے گا۔ اور تم اس میں کامیاب نہیں ہو گے اور انجام کار فتح ہماری ہو گی۔ یہاں تک کہ لات وعزیٰ کو کوئی یاد نہیں کرے گا...... اور یقیناً وہ دن آئے گا جب میں لات، عزیٰ، اساف، نائلہ اور ہبل کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دوں گا اور اے خاندان بنی غالب کے احمق! میں تجھے اس روز یہ بات یاد کراؤں گا۔"

اللہ تعالیٰ کا محبوب کریم بھی اپنے دشمنوں کے عزائم سے بے خبر نہ تھا۔ مختلف قبائل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو غلام تھے، انہوں نے ساری تفصیلات سے آگاہ کر دیا۔ حضور نے صحابہ کرام کو مشورہ کے لئے طلب فرمایا۔ حالات بڑے نازک تھے، ایک چھوٹی سی بستی پر اتنے بڑے لشکر جرار کی یلغار کیسے روکی جائے؟ جب کہ اس بستی میں بھی مارہائے آستین کی کمی نہ تھی۔ حضرت سلمان فارسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے ملک فارس میں جب دشمن یوں حملہ کرنے کی نیت سے دھاوا بول دیتا تو ہم اپنے شہر کے ارد گرد خندق کھود کر اس کی پیش قدمی کو روک دیتے تھے۔ ارشاد ہو تو مدینہ طیبہ کے ارد گرد خندق کھودی جائے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس تجویز کو بہت پسند فرمایا اور شہر کی اس جانب جدھر سے چڑھائی کا خدشہ تھا، خندق کھودنے کے لئے نشانات لگا دیئے گئے۔ ہر دس آدمیوں کو چالیس گز خندق جو پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری ہو، کھودنے کا فریضہ سونپا گیا۔ خندق کھودنے کے کام میں سب مسلمان شریک تھے کوئی بھی مستثنیٰ نہ تھا۔ فخر دو جہاں سرور کون و مکاں اپنے دست مبارک میں کدال لئے اپنے غلاموں کے دوش بدوش خندق کھودنے میں مصروف تھے اور مٹی اٹھا اٹھا کر باہر پھینک رہے تھے۔ صحابہ کرام کہتے ہیں کہ شکم مبارک کے بال مٹی سے اٹ گئے تھے اور جلد مبارک دکھائی نہیں دیتی تھی۔

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

جاڑے کا موسم تھا، غضب کی سردی تھی، صحابہ کرام بھوک سے نڈھال تھے اور تھکاوٹ سے چور لیکن اپنے محبوب قائد کے ارشاد کی تعمیل میں سرگرم عمل تھے۔ شمع توحید کے ان پروانوں کو اللہ تعالیٰ کے

پیارے حبیب نے جانبازی اور فدائیت کا یوں مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَہ

"یعنی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ میرے پروردگار انصار و مہاجرین کو بخش دے۔"

اپنے حق میں یہ دعا سن کر صحابہ کرام پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ کیف و سرور سے بے خود ہو کر یہ شعر گانے لگے:

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

"یعنی ہم منزل عشق و محبت کے وہ مسافر ہیں جنہوں نے اپنے ہادی و مرشد کے دست مبارک پر اس بات کے لئے بیعت کی ہے کہ جب تک ہم زندہ رہیں گے کلمہ حق کو بلند کرنے کے لئے مصروف جہاد رہیں گے۔"

نبی مکرم ﷺ کبھی کبھی اپنے شیریں اور دلنواز لہجہ سے اپنے غلام حضرت عبداللہ بن رواحہ کے یہ شعر بھی پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَیْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

"اے میرے مولا کریم اگر تیری مہربانی نہ ہوتی تو ہم راہ ہدایت پر گامزن نہ ہوتے، نہ ہم زکوۃ دیتے اور نہ ہمیں نماز کی توفیق ملتی۔"

فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَیْنَا

"اے اللہ! ہم پر اطمینان و سکون نازل فرما۔ اور اگر ہمارا مقابلہ دشمنوں سے ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔"

عمرو بن عوف کہتے ہیں کہ میں، سلمان، حذیفہ، نعمان بن مقرن المزنی اور چھ انصاری اپنے حصہ کی چالیس گز خندق کھود رہے تھے کہ اتفاق سے ایک چٹان آ گئی۔ ہم نے سارا زور لگایا، بڑے جتن کئے لیکن وہ نہ ٹوٹی۔ میں نے حضرت سلمان سے کہا کہ آپ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کریں تاکہ جو ارشاد ہو اس پر عمل کیا جائے۔ حضرت سلمان خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور چٹان کے متعلق گزارش کی کہ ہمارے

بازو شل ہو گئے ہیں ہماری کدالیں کند ہو گئی ہیں لیکن وہ ٹوٹنے کا نام نہیں لیتی۔ یہ سن کر حضور خود اٹھے اور اس جگہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر حضرت سلمان کے ہاتھ سے گینتی پکڑی اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر ضرب لگائی۔ اس سے اتنی روشنی پیدا ہوئی جیسے کسی نے گھپ اندھیرے میں اچانک چراغ جلا دیا ہو۔ اور اس کا تیسرا حصہ ٹوٹ کر الگ جا گرا۔ حضور نے فرمایا اَللّٰهُ اَكْبَرُ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الشَّامِ "مجھے ملک شام کی کنجیاں دے دی گئیں۔"

دوسری مرتبہ پھر حضور نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ضرب لگائی پھر اسی طرح روشنی نمودار ہوئی اور دوسرا حصہ ٹوٹ گیا۔ حضور نے فرمایا اَللّٰهُ اَكْبَرُ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ فَارِسَ "مجھے ایران کی کنجیاں بخش دی گئیں۔"

تیسری مرتبہ ضرب لگائی تو باقی ماندہ چٹان بھی ریزہ ریزہ ہو گئی۔ حضور نے فرمایا اَللّٰهُ اَكْبَرُ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الْيَمَنِ مجھے یمن کی کنجیاں مرحمت کر دی گئیں۔"

اس طرح نبی مکرم ﷺ نے اپنی ضربوں سے نہ صرف اس چٹان کو پارہ پارہ کر دیا بلکہ دنیا کی دو بڑی طاقتوں روم اور ایران کے سنگین قلعوں کو بھی ہلا کر رکھ دیا اور ان ممالک کی فتح کی نوید بھی اپنے غلاموں کو سنا دی۔ ظاہری حالات کی نزاکت کسی سے مخفی نہ تھی۔ سارا عرب اُمڈ کر آ رہا ہے۔ مدینہ کا ماحول بھی سازگار نہیں، یہاں بھی یہودیوں اور منافقوں کی ایک بھاری جمعیت موجود ہے۔ فوج کے لئے نہ سازوسامان ہے، نہ خوراک کا معقول انتظام۔ ان حالات میں جب دشمن کے اس زبردست حملہ کے باعث اپنی سلامتی بھی بظاہر مشکوک ہو۔ اتنی عظیم مملکتوں کے فتح کی بشارت۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول ہی دے سکتا ہے۔ جس کی نگاہ نبوت کے سامنے مستقبل کے واقعات بھی آشکارا اور عیاں ہیں۔

ان حالات میں یہ ارشادات تمام حاضر صحابہ کرام نے سنے، کسی دل میں کوئی شک پیدا نہیں ہوا لیکن منافقین کا ایک گروہ تھا جو اپنے بغض باطن کو مخفی نہ رکھ سکا۔ وہ کہنے لگے۔

اَلَا تَعْجَبُوْنَ مِنْ مُحَمَّدٍ يُمَنِّيْكُمْ وَيَعِدُكُمُ الْبَاطِلَ وَيُخْبِرُكُمْ اَنَّهٗ يُبْصِرُ مِنْ يَثْرِبَ قُصُوْرَ الْحِيْرَةِ وَمَدَائِنَ كِسْرٰى وَاَنَّهَا تُفْتَحُ لَكُمْ وَاَنْتُمْ اِنَّمَا تَحْفِرُوْنَ الْخَنْدَقَ مِنَ الْفَرَقِ لَا تَسْتَطِيْعُوْنَ اَنْ تَبْرُزُوْا۔ (1)

1۔ الامام ابو الفدا اسماعیل بن عمر بن کثیر (701-774ھ)، "السیرۃ النبویۃ"، بیروت، دار الفکر، 1978ء، طبع 2، جلد 3، صفحہ 192

"کیا تم کو محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی ان باتوں سے تعجب نہیں ہوتا کہ وہ تمہیں امیدیں دلا رہے ہیں اور جھوٹے وعدے کر رہے ہیں-- کہ تم قیصرو کسریٰ کے ملکوں کو فتح کرو گے حالانکہ تم دشمن کے خوف سے خندقیں کھودنے پر مجبور ہو اور تم قضائے حاجت کے لئے باہر بھی نہیں جا سکتے۔"

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :

وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا (1)

"کہتے ہیں منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ نہیں وعدہ کیا ہم سے اللہ نے اور رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لئے۔"

یہاں ایک اور بات غور طلب ہے۔ حضور ﷺ نے بشارت دیتے ہوئے ہر بار یہ فرمایا۔ "اُعْطِیْتُ" کہ مجھے ان ملکوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ اور سب جانتے ہیں کہ یہ ملک حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتح ہوئے اور حضور کی یہ بشارت پوری ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم، حضور نبی کریم کے خلیفہ برحق تھے۔ اسی لئے جو ممالک آپ کی خلافت کے زمانہ میں فتح ہونے والے تھے انہیں حضور نے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا۔ اگر آپ خلیفہ برحق نہ ہوتے بلکہ غاصب اور ظالم ہوتے، جیسے بعض نادان لوگ کہا کرتے ہیں تو اس بشارت کا قطعاً کوئی محل نہ ہوتا۔ کبھی کوئی شخص اپنے مخالف کی فتوحات کو اپنی طرف منسوب نہیں کیا کرتا۔ ہمیشہ اپنوں کی فتوحات اور انہیں کے کارناموں کو اپنی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن ملکوں کی فتح کا وعدہ اپنے حبیب کریم ﷺ سے کیا تھا، اس وعدہ کا خلافت فاروقی میں پورا ہونا آپ کے خلیفہ برحق ہونے کی اتنی روشن دلیل ہے کہ کسی حق پسند اور منصف مزاج کو کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

یہ روایت صرف اہلِ سنت کی کتابوں میں ہی نہیں تاکہ کوئی یہ کہہ کر اپنے دل کو بہلا لے کہ یہ سنیوں کی گھڑی ہوئی روایت ہے بلکہ شیعہ حضرات کی صحیح ترین حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ جس سے خلفائے راشدین کی خلافت کی حقانیت ثابت ہوتی ہے۔

1۔ سورۃ الاحزاب: 12

قارئین کے فائدہ کے لئے شیعہ کتب کی روایت بھی درج ہے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی برکت سے اسے کسی کی ہدایت کا سبب بنادے۔

"فروع کافی"، جلد دوم، کتاب الروضہ صفحہ 25، مطبوعہ تہران میں درج ہے:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ لَمَّا حَفَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ الْخَنْدَقَ مَرُّوْا بِكُدْيَةٍ فَتَنَاوَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ الْمِعْوَلَ مِنْ يَدِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَوْمِنْ يَدِ سَلْمَانَ فَضَرَبَ بِهَا ضَرْبَةً فَتَفَرَّقَتْ بِثَلَاثِ فِرَقٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فُتِحَ عَلَیَّ فِیْ ضَرْبَتِیْ هٰذِهٖ كُنُوْزُ كِسْرٰی وَقَيْصَرَ۔ (1)

"یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضور ﷺ نے خندق کھودنے کا حکم دیا، تو ایک چٹان آگئی۔ حضور نے حضرت امیر المومنین یا حضرت سلمان کے ہاتھ سے کدال پکڑی اور اس چٹان پر ضرب لگائی۔ اس کے تین ٹکڑے ہوگئے۔ حضور نے فرمایا۔ میری اس ضرب سے میرے لئے کسریٰ اور قیصر کے خزانے فتح ہوگئے ہیں۔"

"حملہ حیدری" میں اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا گیا ہے۔

بپاسخ چنیں گفت خیر البشر — کہ چوں جست برق نخست از حجر

حضور نے جواب فرمایا کہ جب پہلی ضرب سے پتھر سے آگ نکلی (بجلی کوندی)

نمودند ایوان کسریٰ بمن — دوم قصر روم سوم از یمن

مجھے کسریٰ کے محلات دکھائے گئے اور دوسری ضرب پر روم کا محل، تیسری ضرب کے وقت یمن۔

سبب را چنیں گفت روح الامین — کہ بعد از من اعوان وانصار دین

جبرئیل علیہ السلام نے اس کا سبب یہ بیان کیا کہ میرے بعد دین اسلام کے مددگار اور جاں نثار

بریں مملکت با مسلط شوند — بآئین من اہل آں بگروند

1۔ علامہ کلینی، "فروع کافی"، جلد 2، صفحہ 25، کتاب الروضہ

ان ملکوں پر قابض ہوں گے اور وہاں میری شریعت کا قانون نافذ کریں گے۔

بریں مژدہ و شکر و لطف خدا　　بہر بار تکبیر کردم ادا

اس بشارت اور اللہ تعالیٰ کے لطف پر میں نے ہر بار تکبیر کہی۔

شنیدند آں مژدہ چوں مومناں　　کشیدند تکبیر شادی کناں(1)

مومنوں نے جب یہ مژدہ سنا، تو سب نے خوش ہو کر نعرہ تکبیر بلند کیا اس طرح دیگر کتابوں میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔

خندق کی کھدائی، فاقہ کشی اور برکات الٰہی کا ظہور

سخت سردی ہے، یخ بستہ ہوائیں چل رہی ہیں اور پتھریلی زمین میں خندق کی کھدائی کا کام بڑے جوش و خروش سے جاری ہے۔ دشمن کی پیش قدمی کی لحظہ بہ لحظہ اطلاعات مل رہی ہیں۔ دشمن کے یہاں پہنچنے سے پہلے اس خندق کو ہر قیمت پر مکمل کرنا ہے۔ اگر اس کا قلیل حصہ بھی نامکمل رہ گیا تو ساری محنت اکارت چلی جائے گی۔ دشمن اس حصّہ کو پل کے طور پر استعمال کر کے شہر میں گھس آئے گا۔ اس لئے تھکن، بھوک اور موسم کی ناسازگاری کو پس پشت ڈال کر ہر مجاہد اپنے حصہ کی خندق مکمل کرنے میں مصروف ہے۔ وہ اکیلا تو رنج و محن سے نبرد آزما نہیں، اس کا آقا و مولا، اس کے پروردگار کا حبیب و محبوب غازیان اسلام کی آنکھوں کا نور اور دلوں کا سرور خود بھی ان کی طرح مصروف ہے۔ وہ دیکھو چٹان توڑ رہا ہے، مٹی کھود رہا ہے، تگاریاں بھر بھر کر باہر پھینک رہا ہے۔

اسلام کے اس مرکز کی دفاعی سرگرمیوں میں ہر کسی سے آگے عنبر فشاں زلفیں گرد آلود ہیں شکم مبارک پر تہ در تہ غبار جم رہی ہے۔ ادائیگی فرض کے احساس نے سب تھکاوٹوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔ تین دن گزر گئے ہیں، صحابہ کو ایک لقمہ تک میسر نہیں آیا۔ اپنی کمر کو سیدھا رکھنے کے لئے انہوں نے اپنے پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھ رکھا ہے۔ فاقہ کشی کی تکلیف جب ناقابل برداشت ہونے لگتی ہے تو اس کا شکوہ اپنے کریم آقا سے کرتے ہیں۔ حضور اپنے شکم مبارک سے قمیص اٹھاتے ہیں، صحابہ کو عجیب منظر دکھائی دیتا ہے، سب نے ایک ایک پتھر پیٹ پر باندھ رکھا لیکن اس سلطان دو عالم نے اپنے شکم مقدس

1۔ "حملہ حیدری"

پر دو پتھر باندھ رکھے ہیں سب شکوے دور اور سب کلفتیں کافور ہو جاتی ہیں۔

حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ جب یہ منظر دیکھتے ہیں تو تاب صبر نہیں رہتی۔ سرکار دو عالم ﷺ سے اذن طلب کر کے اپنے گھر آتے ہیں اور اپنی اہلیہ کو بتاتے ہیں کہ میں نے آج نبی کریم کو انتہائی فاقہ کے عالم میں دیکھا ہے، تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے۔ اس نیک بخت نے کہا میرے پاس چند سیر جو ہیں اور ایک بکری کا بچہ بھی موجود ہے۔ حضرت جابر بیان فرماتے ہیں کہ اس نے وہ برتن نکالا جس میں جو رکھے تھے، اور جو پیسے، آٹا گوندھا۔ میں نے بکری کے اس بچے کو ذبح کیا، گوشت ہنڈیا میں پکانے کے لئے رکھا۔ شام کا وقت قریب آگیا۔ ہمارا معمول یہ تھا کہ دن بھر خندق کھودتے شام کو گھروں میں واپس چلے آتے۔ سرکار دو عالم بھی شام کو واپس تشریف لے جاتے۔ میں جب واپس جانے لگا تو میری بیوی نے کہا کہ مجھے حضور اور صحابہ کے سامنے شرمندہ نہ کرنا یعنی زیادہ آدمیوں کو ساتھ لے کر نہ آجانا۔ میں نے اس کو مطمئن کیا اور حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں آیا اور بڑی رازداری سے عرض کی یارسول اللہ! بڑی قلیل مقدار میں کھانا پکایا ہے حضور تشریف لے چلیں، ایک یا دو آدمی اپنے ساتھ بھی لے جائیے۔ سرکار نے اپنی انگشت ہائے مبارک میری انگلیوں میں ڈال کر فرمایا۔ کتنا کھانا پکایا ہے۔ میں نے عرض کر دیا۔ حضور نے فرمایا کَثِیْرٌ طَیِّبٌ" یہ تو بہت زیادہ ہے اور بہت پاکیزہ ہے۔" دیکھو میرے آنے سے پہلے ہنڈیا نیچے نہ اتارنا اور نہ روٹیاں پکانا۔ پھر حضور نے بلند آواز سے اعلان فرمایا اے خندق والو! جابر نے تمہارے لئے کھانا پکایا ہے، آؤ سب کھاؤ۔

رسول مکرم ﷺ آگے آگے تھے اور لوگ پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ میں شرم کے مارے پانی پانی ہو رہا تھا۔ میری حالت کو بس اللہ کی ذات جانتی تھی۔ میں نے دل میں کہا خلق خدا آگئی ہے، بخدا بڑی رسوائی ہو گی، چند سیر جو اور ایک چھوٹا سا بکری کا بچہ۔ میں جب گھر پہنچا تو میں نے بیوی سے کہا۔ اے نیک بخت! سرور عالم مع مہاجرین وانصار تشریف لے آئے ہیں، ان کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں۔ اس نے پوچھا کیا حضور نے تم سے دریافت فرمایا تھا۔ میں نے کہا ہاں! دوسری روایت میں ہے کہ بیوی نے کہا جابر! ان لوگوں کو تم نے دعوت دی ہے یا حضور نے۔ میں نے کہا نہیں تو حضور نے دعوت دی ہے۔ اس نے کہا اب فکر کی ضرورت نہیں، سب کو آنے دو اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ "اللہ اور اس کا رسول

بہت بہتر جانتا ہے۔" جو کچھ ہمارے پاس تھا، ہم نے اس کی اطلاع دے دی۔ اس کے ایسا کہنے سے میری ساری تشویش جاتی رہی۔ پھر سرور انبیاء تشریف لے آئے۔ حکم دیا دس دس آدمیوں کو بلاتے جاؤ۔ میں نے گوندھا ہوا آٹا پیش کیا، حضور نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی۔ پھر جہاں ہماری ہنڈیا رکھی تھی، وہاں تشریف لے گئے۔ اس میں بھی لعاب دہن مبارک ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی۔ پھر حکم دیا، روٹیاں پکاتے جاؤ۔ ہنڈیا سے سالن ڈالتے جاؤ اور ہنڈیا کو ڈھانپے رکھو۔ کھانا کھلانے کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن ہماری حیرت کی حد نہ رہی کہ اتنے آدمی کھا گئے نہ آٹا کم ہوا اور نہ ہنڈیا میں سالن کم ہوا۔ ایک ہزار آدمی نے کھانا کھایا، ہنڈیا لبالب بھری رہی اور آٹے میں ذرا کمی نہ ہوئی۔ حضور نے فرمایا اب خود بھی کھاؤ اور اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو بھی تحفہ کے طور پر تقسیم کرو کیونکہ سب لوگ قحط سالی کا شکار ہیں۔ ہم دیر تک بانٹتے رہے اور سرور عالم تشریف فرما رہے۔ جب حضور تشریف لے گئے تو ہر چیز ختم ہو گئی۔ رواہ الشیخان وحاکم والطبرانی۔(1)

حضرت نعمان بن بشیر کی ہمشیرہ سے مروی ہے کہ وہ کہتی ہیں ایک روز میری والدہ نے مجھے کھجوروں سے بھرا ہوا ایک ڈونگا دے کر بھیجا کہ میں یہ اپنے باپ اور اپنے ماموں عبداللہ بن رواحہ کو دے آؤں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب وہ خندق کھودنے میں مشغول تھے۔ میں جب یہ لے کر جا رہی تھی تو رحمت عالم نے مجھے دیکھ لیا اور مجھے اپنے پاس بلایا۔ جب میں حاضر ہوئی تو حضور نے وہ کھجوریں مجھ سے لے لیں اور ایک چادر بچھا کر انہیں اس پر بکھیر دیا۔ پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ باآواز بلند اعلان کر دو اے اہل خندق! آؤ کھانا تیار ہے۔ سب اکٹھے ہو گئے سب نے سیر ہو کر کھایا۔ جب تک وہ کھاتے رہے کھجوریں بڑھتی ہی رہیں۔(2)

ابن عساکر سے مروی ہے کہ ام عامر اشہلیہ نے ایک برتن میں حیس (ایک قسم کا حلوہ) ڈال کر بارگاہ رسالت میں بھیجا۔ اس وقت حضور ﷺ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ کے خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت ام سلمہ نے اپنی مرضی کے مطابق اسے تناول فرمایا، بقیہ لے کر حضور باہر تشریف لائے اور اہل لشکر میں اعلان کر دیا گیا کہ لشکر والے رات کا کھانا حضور کے ہاں کھائیں۔ سب آئے خوب سیر ہو کر کھایا اور وہ حلوہ جوں کا توں تھا۔(3)

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 4، صفحہ 520-522

2۔ ایضاً

3۔ ایضاً

الغرض نبی مکرم ﷺ اور جان نثار فرزندان اسلام کی شبانہ روز کوشش سے چھ دن کی قلیل مدت میں خندق کی کھدائی کا کام مکمل ہو گیا۔ جب خندق کی کھدائی کا کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تو رحمت عالم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور خود جبل سلع کے دامن میں آکر اپنا خیمہ نصب کیا۔ سلع کی پہاڑی پشت کے پیچھے تھی اور خندق سامنے۔ اسلامی لشکر جس کی تعداد تین ہزار تھی، اس کو مناسب مقامات پر متعین فرمایا۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہ کو اور انصار کا حضرت سعد بن عبادہ کو مرحمت فرمایا گیا۔ مسلم خواتین اور بچوں کو ان مضبوط گڑھیوں میں ٹھہرایا گیا جو شہر کے اندرونی حصوں میں تھیں۔ شہر کے بڑے بڑے راستوں پر دیواریں چن دی گئیں۔ اس طرح سارا شہر ایک قلعہ کی مانند محفوظ ہو گیا۔ امہات المومنین اور حضرت صفیہ سرکار دو عالم کی پھوپھی صاحبہ اور چند خاص خواتین کو ایک گڑھی میں ٹھہرایا گیا، اس گڑھی کا نام فارع تھا۔ حضرت حسان بن ثابت کو بھی اس مقام پر ٹھہرنے کی اجازت دی گئی۔

حضرت سعد بن معاذ ایک روز قلعہ کے باہر سے گزرے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ انہوں نے زرہ پہنی ہوئی ہے اور وہ زرہ چھوٹی ہے۔ ان کے بازو باہر نکلے ہوئے ہیں اور ننگے ہیں۔ انہوں نے چھوٹا نیزہ پکڑا ہوا ہے اور اسے لہراتے ہوئے تیز تیز جا رہے ہیں۔ ان کی والدہ بھی اس قلعہ میں ٹھہری ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو فرمایا بیٹا جلدی پہنچو۔ تمہیں دیر ہو چکی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا، اے سعد کی ماں! تم نے سعد کو چھوٹی زرہ پہنائی ہے، اتنی کھلی ہونی چاہئے تھی کہ ہاتھوں کو بھی ڈھانپ لیتی۔ اس مومنہ صادقہ نے عرض کی۔ **يَقْضِ اللّٰهُ مَا هُوَ قَاضٍ** "جو فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کرنا ہے وہ کر دے گا۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان کے بازو کے اس حصہ پر جو ننگا تھا، تیر لگا جو آپ کی شہادت کا باعث بنا۔(1)

لشکر کفار کی آمد اور ان کا پڑاؤ

مسلمان جب اپنی تیاریاں مکمل کر چکے تو مشرکین عرب کا یہ لشکر بھی مدینہ طیبہ کی حدود میں داخل ہو گیا۔ یہ لشکر دو اہم فریقوں پر مشتمل تھا۔ ایک فریق قریش اور ان کے

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 4، صفحہ 520-522

حلیفوں کا تھا جن میں کنانہ، تہامہ اور احابیش شریک تھے۔
مجتمع الاسیال۔ یعنی وہ جگہ جہاں برسات کے موسم میں برساتی نالوں کا پانی آکر اکٹھا ہوتا تھا، وہ لمبی چوڑی تھی۔ یہاں دو مقام تھے جرف اور زغابہ۔ قریش اور ان کے حلیفوں نے ان دو مقامات پر اپنے خیمے نصب کئے۔ ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ دوسرا فریق ان قبائل پر مشتمل تھا جو نجد کی طرف سے آئے تھے، ان میں بنو غطفان اور ان کے حلیف قبیلے شریک تھے۔ یہ فریق کوہ احد کی ترائی میں ذنب نقمی کے مقام پر فروکش ہوا۔ ان کی تعداد چھ ہزار تھی۔ ان کے سفر کا مقصد اگرچہ ایک تھا لیکن اس لشکر کی قیادت کسی ایک سالار افواج کے پاس نہ تھی بلکہ ہر قبیلہ کا الگ قائد تھا جو ان کے باطنی اختلاف کی غمازی کر رہا تھا۔
جنگ کے بارے میں مشرکین کا پروگرام تو یہ تھا کہ وہ امڈتے ہوئے سیلاب کی طرح مدینہ کی چھوٹی سی بستی پر چڑھ دوڑیں گے اور ان کا ایک ہی ریلا مسلمانوں اور ان کے دفاعی منصوبوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا اور وہ چند ساعتوں میں مسلمانوں کا قیمہ کر کے رکھ دیں گے۔ ان کی عورتوں کو اپنی باندیاں اور ان کے بچوں، بچیوں کو غلام بنا کر لے جائیں گے۔ لیکن جب وہاں پہنچے اور اتنی گہری اور چوڑی خندق کو اپنے راستے میں حائل پایا۔ جسے نہ وہ چھلانگ لگا کر عبور کر سکتے تھے اور نہ ہی ان کے برق رفتار گھوڑے زقند لگا کر پار جا سکتے تھے تو انہوں نے اپنی فتح کے جو ہوائی قلعے تعمیر کئے تھے، وہ یکدم ہوا میں تحلیل ہو گئے۔ مسلمانوں کی اس جنگی تدبیر نے ان کے اوسان خطا کر دیئے۔ انہوں نے تو اس قسم کی رکاوٹ کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہ تھا۔
ان کے جنگی ماہرین نے کوئی متبادل تدبیر سوچنے کے لئے غور و خوض شروع کیا۔ طویل سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر بنی قریظہ جو ابھی تک مدینہ شہر کے اندر آباد ہیں، وہ اگر ہمارے ساتھ تعاون کریں تو کوئی صورت نکل سکتی ہے۔ وہ اندر سے مسلمانوں پر ہلہ بول دیں ہم باہر سے مسلمانوں پر سنگ باری کریں، تب مسلمانوں کو شکست دے سکتے ہیں۔ حیی بن اخطب نے انہیں یقین دلایا تھا کہ بنی قریظہ اس مہم میں ان کا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ حیی بن اخطب کو بلا کر کہا گیا کہ جاؤ اور بنو قریظہ کو کہو کہ وہ اس نازک وقت میں اپنا فرض ادا کریں۔
شب و روز کی محنت شاقہ سے کفار کے آنے سے پہلے خندق تیار کر لی گئی۔ مدینہ طیبہ کے تین اطراف ایسے تھے، جہاں سے عمومی حملہ کی توقع نہ تھی۔ جنوب کی طرف گھنے

باغات تھے۔ مشرق اور مغرب کی طرف پتھریلا علاقہ اور سخت چٹانیں تھیں۔ جہاں جگہ جگہ گہری اور چوڑی دراڑیں تھیں۔ صرف شمال کی سمت ہی کھلی اور غیر محفوظ تھی اور حملہ کا اسی جانب سے خطرہ تھا۔ چنانچہ کوہ سلع کو پشت کی طرف رکھ کر شہر کی شمالی جانب پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھود کر مکمل کرلی گئی۔ دشمن کے وہاں پہنچنے سے پہلے حضور تین ہزار جان نثاروں کو لے کر موزوں مقامات پر خیمہ زن ہوگئے۔ کفار کا لشکر جو ایک طوفان کی صورت میں آگے بڑھا چلا آرہا تھا، اسے یہ خیال تھا کہ وہ مدینہ کی بستی کو پہلے ہلہ میں نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔ انہوں نے جب اپنے سامنے اتنی چوڑی اور گہری خندق دیکھی تو حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ ان کی جنگی منصوبہ بندی میں ایسی تدبیر کا سان گمان بھی نہ تھا۔ مجبوراً خندق کی دوسری طرف ہی انہوں نے اپنے خیمے نصب کرلئے اور مسلمانوں کو اپنے محاصرہ میں لے لیا اور حملہ کے لئے مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے۔

ایک روز ابو جہل کا بیٹا عکرمہ اور عمرو بن عبدودّ عرب کا مشہور شہ سوار اور جنگجو اپنے کئی ساتھیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر خندق کا چکر کاٹنے لگے۔ ایک جگہ خندق نسبتاً تنگ تھی۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا بجلی کی سرعت کے ساتھ کود کر خندق کے دوسرے کنارے پر جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اس نے بلند آواز سے للکارا۔ هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ
"ہے کوئی میرے ساتھ مقابلہ کرنے والا۔"

کافر کی یہ للکار سن کر اللہ اور اس کے رسول کے شیر علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، اپنی تلوار ہوا میں لہراتے ہوئے سامنے جا کھڑے ہوئے اور فرمایا "اے عبدودّ کے بیٹے! میں نے سنا ہے کہ تو نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ اگر کوئی قریشی تجھ سے دو چیزوں کا مطالبہ کرے گا تو ان دو میں سے ایک تو ضرور دے گا۔" اس نے بڑی نخوت سے کہا، ہاں، میں نے ایسا عہد کیا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا اَدْعُوْكَ اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ وَاِلَى الْاِسْلَامِ "میں تجھ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک پر ایمان لے آ اور اسلام قبول کرلے۔"

اس نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

شیر خدا نے فرمایا پھر میری درخواست یہ ہے کہ آ اور میرے ساتھ مقابلہ کر۔ وہ کہنے لگا! میرے، آپ کے والد ابو طالب کے ساتھ بڑے دوستانہ مراسم تھے۔ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ آپ میری تلوار سے قتل ہوں۔ اسلام کے شیر نے کفر کی لومڑی کو فرمایا! لیکن میں

اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ میری ذوالفقار تیرا سر قلم کرے۔ یہ سن کر وہ غصہ سے دیوانہ ہو گیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی پشت سے چھلانگ لگا دی۔ اس کی کونچوں کو کاٹ دیا اور حیدر کرار سے پنجہ آزمائی کے لئے آگے بڑھا۔ سارا کفر سارے اسلام کے مدمقابل تھا۔ دونوں نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پے در پے حملے کرنے کے لئے ایک دوسرے پر جھپٹتے رہے، اتنی گردوغبار اڑی کہ دونوں اس میں چھپ گئے۔ دونوں لشکر اپنے اپنے بہادروں کی تلواروں کی جھنکار اور ان کے آپس میں ٹکرانے کی آواز سن رہے تھے، دکھائی کچھ نہیں دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا محبوب اپنی چشم اشکبار سے سیدنا علی کی کامیابی کے لئے مصروف دعا ہو گیا۔ علی کی تلوار صاعقہ (بجلی) بن کر چمکی، اس کے فولادی خود کو اور اس کی زرہ کو چیرتی ہوئی دشمن خدا کو دو ٹکڑے کرتی ہوئی زمین پر آرکی۔ چند لمحوں کے لئے سناٹا چھا گیا۔ یہ لمحے مسلمانوں کے لئے قیامت کے لمحے تھے۔ جب غبار چھٹا تو دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا شیر، مصطفیٰ کریم کی آغوش ناز میں پروان چڑھنے والا بھائی اور حسنین کریمین کا پدر بزرگوار اس کافر کی چھاتی پر چڑھا بیٹھا ہے اور تلوار سے اس کا سر تن سے جدا کر رہا ہے۔ مسلمانوں کی خوشی کا کیا عالم ہو گا! حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مسرت و شادمانی کی کیا کیفیت ہو گی، اس کا حال اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ یہی وہ ضرب حیدری ہے جس نے کفر کے چھکے چھڑا دیئے اور ان کے سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔

اس وقت سیدنا علی مرتضیٰ نے فی البدیہہ یہ اشعار فرمائے:

نَصَرَ الْحِجَارَةَ مِنْ سَفَاهَةِ رَأْيِهٖ وَنَصَرْتُ رَبَّ مُحَمَّدٍ بِصَوَابِ

"عمرو بن عبدود نے اپنی حماقت کی وجہ سے پتھروں کی مدد کی اور میں نے عقل و ہوش سے کام لیتے ہوئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پروردگار کی مدد کی۔"

فَصَدَرْتُ حِيْنَ تَرَكْتُهٗ مُتَجَدِّلًا كَالْجِذْعِ بَيْنَ دَكَادِكٍ دَرَوَابِيْ

"میں وہاں سے نکلا اس حالت میں کہ میں نے اسے نرم ریت کے ڈھیروں اور ٹیلوں میں درخت کے مڈھ کی طرح مٹی میں لت پت چھوڑا۔"

لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ خَاذِلَ دِيْنِهٖ وَنَبِيِّهٖ يَا مَعْشَرَ الْاَحْزَابِ (1)

1۔ سلیمان بن موسیٰ (م 634ھ)، "الاکتفاء فی مغازی رسول اللہ و ثلاثۃ خلفاء" القاہرۃ، مکتبۃ الخانجی، ب ت، جلد 2، صفحہ 169

"اے مشرکوں کے گروہو! تم ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین
اور اپنے نبی کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گا۔"

اس واقعہ کے بعد ایک مہینہ کے قریب کفار محاصرہ کیے رہے لیکن پھر کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے شیروں کے کچھار کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

اگرچہ یہ سب ہنگامہ یہود کے ایک قبیلہ بنی نضیر کی ریشہ دوانیوں سے رونما ہوا تھا، لیکن دوسرا یہودی قبیلہ بنی قریظہ اس میں بالکل ملوث نہیں تھا۔ اس کے سردار کا نام کعب بن اسد قرظی تھا۔ یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ کیے ہوئے دوستی کے معاہدہ کی پوری پابندی کر رہے تھے۔ ایک دن موقع پا کر بنی نضیر کا رئیس حیی بن اخطب بنی قریظہ کے سردار کعب کو ملنے کے لئے گیا تاکہ اس کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرے۔ جب کعب کو اس کے آنے کی خبر ہوئی تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے اندازہ کر لیا کہ ضرور کوئی خباثت کرے گا۔ اس نے اپنے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور اس کو ملنے سے انکار کر دیا۔ حیی نے کہا: اے کعب! دروازہ کھول۔ کعب نے کہا تم بدبخت آدمی ہو، مجھے بھی تم کسی بلا میں مبتلا کر دو گے، اس لئے میں تمہارے لئے دروازہ نہیں کھولوں گا۔ حیی نے اسے طعنہ دیتے ہوئے کہا تم اس لئے دروازہ نہیں کھول رہے کہ تمہیں روٹی نہ کھلانی پڑے۔ بخل کا یہ الزام کعب کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ اس نے بادل نخواستہ دروازہ کھول دیا۔ جب دونوں تنہائی میں بیٹھے، تو حیی نے کہا:

يَا كَعْبُ! جِئْتُكَ بِعِزِّ الدَّهْرِ بِبَحْرٍ طَامٍ، جِئْتُكَ بِقُرَيْشٍ عَلَى قَادَتِهَا وَسَادَتِهَا

"اے کعب! میں تمہارے پاس زمانہ بھر کی عزت لے کر آیا ہوں۔ ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے پاس قریش کے جنگجو، ان کے سرداروں سمیت لے کر آیا ہوں۔"

بنی غطفان اور کئی دوسرے قبائل کے نوجوان بھی اس لشکر جرار میں شامل ہیں۔ ہم نے یہ پختہ وعدہ کیا ہے کہ جب تک ہم حضور کا خاتمہ نہ کر دیں گے اور اسلام کو جڑوں سے اکھیڑ کر نہ پھینک دیں گے، اس وقت تک یہاں سے نہ نکلیں گے۔ اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کا ایسا زریں موقع پھر نہ ملے گا۔ اس موقع کو غنیمت جانو اور ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ ہم باہر سے حملہ کریں گے اور تم پشت کی طرف سے بلہ بول دینا۔ کعب نے پہلے تو

صاف انکار کردیا اور کہا:

جِئْتَنِيْ بِذُلِّ الدَّهْرِ وَبِجَهَامٍ قَدْ أُهْرِقَ مَاءُهُ

"اے حیی تم میرے پاس زمانہ بھر کی عزت نہیں لائے بلکہ جہان بھر کی ذلت اور رسوائی لے کر آئے ہو۔"

اور جو لشکر تمہارے ساتھ ہے یہ ایسا بادل ہے جو صرف گرجنا اور کڑکنا جانتا ہے۔ اس میں بارش کا ایک قطرہ بھی نہیں۔ پیغمبر اسلام سے ہمارا دوستی کا معاہدہ ہے اور آج تک ان کی طرف سے اس کی معمولی خلاف ورزی بھی نہیں ہوئی۔ میں اس معاہدہ کو توڑنا نہیں چاہتا۔ لیکن حیی اس کو عہد شکنی پر برانگیختہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ کامیاب ہو گیا اور کعب نے آخر کار مسلمانوں سے دوستی کے معاہدے کو بالائے طاق رکھ دیا اور حیی اور لشکر کفار کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر دی۔

حضور ﷺ نے جب یہ بات سنی تو اس کی تصدیق کے لئے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ اور خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ کو چند خاص آدمیوں کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ اگر یہ اطلاع غلط ہو تو بھرے مجمع میں آکر بتا دینا۔ لیکن اگر درست ہو تو کنایۃً بتانا۔ ایسا نہ ہو کہ اس حادثہ سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ یہ حضرات جب بنی قریظہ کی گڑھی میں پہنچے تو وہاں کا سماں ہی بالکل نرالا تھا۔ جنگ کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ تلواریں، بھالے اور تیر کمانیں اسلحے خانے سے نکال کر تقسیم کی جا رہی تھیں۔ انہوں نے کعب سے گفتگو کرنا چاہی اور اسے سمجھانا چاہا، لیکن وہاں تو نیتوں میں فتور پیدا ہو چکا تھا، وہ کوئی معقول بات سننے کے لئے تیار نہ تھے۔ تو تو، میں میں تک نوبت پہنچی۔ بنی قریظہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارے درمیان اور محمد (ﷺ) کے درمیان قطعاً کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ حضرت سعد بن معاذ نے اپنے ساتھیوں کو ان کے ساتھ الجھنے سے روکا اور فرمایا اب یہ معاملہ گالی گلوچ سے طے نہیں ہو گا، اب معاملہ بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ واپس آکر انہوں نے اس عہد شکنی کی اطلاع حضور کی خدمت میں اشارۃً کر دی۔ رفتہ رفتہ یہ بات عام ہو گئی۔ مسلمانوں کی پریشانی کی حد ہو گئی۔ پہلے تو صرف بیرونی حملہ آور سے مقابلہ تھا، اب گھر بھی محفوظ نہ رہا۔ بنی قریظہ کے نوجوان کسی وقت بھی عقب سے حملہ کر کے حالات سنگین بنا سکتے تھے۔

ان غیر یقینی حالات میں حضور علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا:

اَبْشِرُوْا یَا مَعْشَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِنَصْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَعَوْنِہٖ (1)

"اے گروہ مسلمانان! تمہیں خوشخبری ہو کہ اللہ کی نصرت و مدد تمہارے ساتھ ہو گی۔"

بنو قریظہ نے جب عہد شکنی کا فیصلہ کر لیا تو ان میں سے عمرو بن سعدی نے انہیں اس کے برے نتائج سے ڈرایا اور نصیحت کی کہ وہ یہ غلطی نہ کریں لیکن وہ اس پر بضد رہے۔ اس نے انہیں یہ بھی کہا کہ اگر تم اس نازک موقع پر حضور کی امداد نہیں کرتے، تمہاری مرضی لیکن تم غیر جانبدار رہو، ان کو آپس میں لڑنے دو لیکن وہ نہ مانے۔ البتہ ان میں سے تین خوش نصیب اسد، اسید اور ثعلبہ، جن کا تعلق اس قبیلہ کی شاخ بنو سعنہ سے تھا، وہ اس معاہدہ پر ثابت قدم رہے اور لشکر اسلام میں جا کر شامل ہو گئے۔ بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔(2)

بنو قریظہ نے ایک رات یہ ارادہ کیا کہ مدینہ طیبہ پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیں۔ جب مسلمانوں کو ان کے منصوبے کا علم ہوا تو ان کی پریشانی کی حد نہ رہی لیکن رحمت عالم علیہ السلام نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے فوری طور پر سلمہ بن اسلم الاشہلی کی قیادت میں دو سو مجاہدین اور زید بن حارثہ کی قیادت میں تین سو مجاہدین کو مدینہ طیبہ کی حفاظت کے لئے بھیج دیا وہ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں چکر لگاتے تھے اور بلند آواز سے نعرہ تکبیر کہتے تھے جس سے سارا مدینہ گونج جاتا تھا۔ اس بروقت اقدام نے بنی قریظہ کے سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ مسلمان غافل نہیں ہیں اور اگر انہوں نے کوئی ایسی احمقانہ حرکت کی تو انہیں اس کی ایسی سزا ملے گی کہ آئندہ نسلیں بھی اسے یاد رکھیں گی۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں جنگ خندق میں سرور عالم علیہ السلام کے ہمراہ تھی۔ ان دنوں کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ سید عالم علیہ السلام اپنے خیمہ میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ کافی دیر تک حضور نماز پڑھتے رہے پھر خیمہ سے باہر تشریف لے گئے اور کافی دیر تک گردوپیش کا جائزہ لیتے رہے پھر میں نے

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 4، صفحہ 527

2۔ ایضاً

حضور کو یہ فرماتے سنا:

کہ مشرکین کے سوار ہیں جو خندق کا طواف کر رہے ہیں۔ حضور نے عباد بن بشر کو آواز دی۔ انہوں نے عرض کی لبیک یا رسول اللہ! حضور نے پوچھا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔ عرض کی میرے ساتھ مجاہدین کا ایک گروہ ہے۔ ہم حضور کے خیمہ کے ارد گرد پہرہ دے رہے ہیں۔ فرمایا اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے لو اور خندق کا چکر کاٹو۔ مجھے مشرکین کے گھڑ سوار نظر آرہے ہیں جو خندق کے گرد گھوم رہے ہیں۔ وہ اس تلاش میں ہیں کہ انہیں کوئی تنگ جگہ ملے اور وہاں سے وہ داخل ہو کر اچانک تم پر حملہ کر دیں۔ پھر نبی رحمت نے دست دعا بارگاہ رب العزت میں دراز کر کے عرض کی:

اَللّٰھُمَّ فَادْفَعْ عَنَّا شَرَّھُمْ وَانْصُرْنَا عَلَیْھِمْ۔ وَاغْلِبْھُمْ وَلَا یَغْلِبُھُمْ اَحَدٌ غَیْرُکَ

"اے اللہ! ان کے شر کو ہم سے دور کر دے اور ہمیں ان پر فتح عطا فرما۔
اے اللہ! ان کو مغلوب کر دے۔ تیرے سوا ان کو کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔"

تعمیل ارشاد کے لئے حضرت عباد، اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر خندق کا چکر لگانے کے لئے روانہ ہوئے۔ اچانک وہ کیا دیکھتے ہیں کہ ابو سفیان چند گھڑ سواروں کو اپنے ہمراہ لے کر خندق کی ایک تنگ جگہ سے گھسنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مجاہدین نے ان کو للکارا اور ان پر پتھر اور تیر برسانے شروع کر دیئے۔ تیروں کی ایسی بارش کی کہ وہ سراسیمہ ہو کر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت عباد کہتے ہیں کہ ہم جب واپس آئے تو نبی مکرم نماز میں مصروف تھے۔ ہم نے سارا ماجرا عرض کیا۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں:

یَرْحَمُ اللّٰہُ عَبَّادَ بْنَ بِشْرٍ فَاِنَّہٗ کَانَ اَلْزَمَ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِقُبَّتِہٖ یَحْرُسُھَا اَبَدًا۔

"اللہ تعالیٰ عباد پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے یہ ہر وقت حضور کے خیمہ کے پاس رہتے تھے اور اس کا پہرہ دینے میں ذرا غفلت نہ کرتے تھے۔"

مشرکین نے خندق کو عبور کرنے کی بار بار کوشش کی لیکن انہیں کبھی کامیابی نہ ہوئی۔ دونوں طرف سے ایک دوسرے پر سنگ باری اور تیر اندازی کا سلسلہ جاری رہتا۔

مشرکین نے باری مقرر کر رکھی تھی۔ ایک دن ابوسفیان اپنی فوج کے دستہ کو لے کر خندق کے کنارے پر آکر کھڑا ہو جاتا، دوسرے روز عکرمہ بن ابی جہل اور تیسرے روز ضرار بن خطاب الفہری۔ یہ لوگ اپنے گھوڑے دوڑاتے، مسلمانوں پر تیر برساتے اور حملہ کے وقت اپنے تیر اندازوں کو اپنے آگے آگے رکھتے۔(1)

جب کفار کی انفرادی کوششیں ناکامی سے دوچار ہو گئیں تو ایک رات انہوں نے طے کیا کہ صبح سویرے سارا لشکر اجتماعی طور پر اس جگہ حملہ کرے گا جہاں حضور سرور عالم ﷺ کا خیمہ نصب ہے۔ ساری رات تیاریاں کرنے اور منصوبہ بنانے میں گزار دی۔ نبیٔ رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی غیر معمولی سرگرمیوں کو دیکھ کر خطرہ کا احساس فرمالیا اور اسلام کے سارے جانبازوں کو حکم دیا کہ سب ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں۔ کفار اگر حملہ کریں تو ان کا منہ توڑ جواب دیں۔ سرکار دو عالم نے انہیں فرمایا اگر تم جنگ میں صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو گے اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو گے تو فتح و کامرانی تمہارے قدم چومے گی۔ صبح ہوتے ہی کفار کے دستوں نے مختلف اطراف سے محاصرہ کر لیا اور ان کا وہ دستہ، جو نہایت منظم اور پوری طرح مسلح تھا، اس نے سارا زور اس قبۂ مبارکہ پر حملہ کرنے میں لگا دیا جس میں رحمت عالم تشریف فرما تھے۔ اس دستہ کی قیادت خالد بن ولید کے ہاتھ میں تھی۔ سارا دن جنگ جاری رہی۔ کچھ کچھ وقفہ کے بعد ان کے تازہ دم سپاہی اپنی پوزیشنیں سنبھال لیتے اور مسلمانوں پر تازہ جوش و خروش سے حملہ کرتے۔ مسلمانوں نے بھی اپنے آقا کی حفاظت اور اسلامی پرچم کو بلند رکھنے کے لئے جان کی بازی لگادی۔ سارا دن گھمسان کا رن پڑتا رہا۔ سرکار دو عالم ﷺ اور جان نثار غلام صبح سے غروب آفتاب تک اپنی اپنی جگہ پر ڈٹے رہے، کوئی شخص ایک انچ ادھر ادھر نہیں سرکا۔ یہاں تک کہ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کرنے کی بھی کسی کو فرصت نہ ملی۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو کفار کی فوجیں اپنی اپنی خیمہ گاہوں میں واپس آگئیں۔ مسلمان بھی اپنے مورچوں میں لوٹ آئے۔ واپسی سے پہلے سرکار دو جہاں ﷺ نے اسید بن حضیر کو حکم دیا کہ وہ دو سو مجاہدین کے ساتھ خندق کی حفاظت کریں۔ اچانک خالد کی قیادت میں مشرکوں کے سواروں کا ایک دستہ پلٹ کر حملہ آور ہوا انہیں یہ غلط فہمی تھی کہ دن بھر کے تھکے ماندے مسلمان آرام کر رہے

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 4، صفحہ 530

ہوں گے لیکن جب دو سو مجاہدین کی کمانوں سے نکلنے والے تیروں نے ان کو اپنا نشانہ بنانا شروع کیا تو انہیں خائب وخاسر واپس لوٹنا پڑا۔ خالد کے اس دستہ میں وحشی بھی تھا۔ اس نے اپنا چھوٹا نیزہ سنبھالا، اسے لہرایا اور تاک کر طفیل بن نعمان یا طفیل بن مالک بن نعمان انصاری کو مارا جس سے آپ شہید ہو گئے۔ رسول اکرم ﷺ اپنے خیمہ میں واپس تشریف لائے۔ حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا پھر انہوں نے اقامت کہی اور سب نے اپنے آقا کی اقتدا میں ظہر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں اقامت کے ساتھ ادا کی گئیں۔ اگرچہ صبح سے نصف شب تک مصروف جہاد رہنے کے باعث جسم تھکاوٹ سے چور چور تھے لیکن جب اپنے کریم اور رحیم رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کے لئے حاضر ہوئے تو گویا تھکن کا نام ونشان تک نہ تھا، بالکل تازہ دم تھے۔

وَصَلّٰی کُلُّ صَلٰوۃٍ کَاَحْسَنِ مَاکَانَ یُصَلِّیْهَا فِیْ وَقْتِهَا (1)

"حضور ﷺ نے ہر نماز اس حسن وخوبی سے ادا کی جس طرح حضور کا معمول تھا۔"

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی بہادری

یہودیوں کے پانچ پانچ یا دس دس آدمیوں کی ٹولیوں نے اس اثناء میں ان قلعوں کے ارد گرد چکر لگانے شروع کر دیئے جہاں مسلم خواتین اور بچے ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت صفیہ، سرور عالم ﷺ کی پھوپھی صاحبہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک یہودی کو مشکوک حالت میں اپنے قلعہ کے ارد گرد گھومتے دیکھا۔ میں نے حضرت حسان کو کہا کہ آپ اس یہودی کو بار بار ادھر آتے دیکھ رہے ہیں، مجھے اندیشہ ہے کہ یہ دوسرے یہودیوں کو جا کر بتائے گا کہ ہماری حفاظت کے لئے کوئی پہرہ دار نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ہم پر حملہ کر دیں۔ حضور انور اور صحابہ کرام سب دشمن کے سامنے صف بستہ ہیں، بہتر ہے کہ آپ نیچے اتریں اور اس یہودی کا کام تمام کر دیں انہوں نے کہا:

یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكِ یَا ابْنَةَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَاللّٰهِ لَقَدْ عَرَفْتِ مَا اَنَا بِصَاحِبِ هٰذَا۔

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 185

”اے عبدالمطلب کی صاجزادی! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔
بخدا آپ جانتی ہیں کہ یہ کام میرے بس کا نہیں۔“

ان کا یہ جواب سنا تو میں نے اپنا کمر بند کس کر باندھ لیا۔ ایک لٹھ پڑی ہوئی تھی، اسے اٹھا لیا اور نیچے اتر آئی۔ جب وہ یہودی میرے پاس سے گزرا تو میں نے وہ لٹھ اس کے سر پر دے ماری اسی وقت اس کی جان نکل گئی اس سے فارغ ہو کر میں اوپر آئی حضرت حسان کو بتایا کہ میں نے اس منحوس کا کام تمام کر دیا ہے اگر وہ مرد نہ ہوتا تو میں اس کا لباس اتار لیتی۔ آپ جائیں اور اس کا لباس اتار لائیں۔ انہوں نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے کہا اب اس مردے کا سر کاٹ کر تو یہودیوں کی طرف پھینک دو۔ آپ نے انکار کر دیا میں نے اس کا سر کاٹا اور یہودیوں کی بستیوں کی طرف پھینک دیا۔ جب انہوں نے ایک یہودی کا کٹا ہوا سر اپنے ہاں دیکھا تو انہیں یقین ہو گیا کہ مسلم خواتین کے محافظ موجود ہیں۔ اگر نیت بد سے کسی نے ادھر جانے کا قصد کیا تو اس کا انجام بڑا عبرتناک ہوگا۔ پھر کوئی یہودی ہمارے قلعے کی طرف نہیں آیا۔

منافقین جواب تک مصلحت بنی کے پیش نظر بادل نخواستہ اسلامی لشکر میں شامل تھے، انہوں نے برملا کھسکنا شروع کر دیا۔ وہ طرح طرح کی بہانہ سازیاں کرنے لگے، لیکن اللہ تعالیٰ کے محبوب کے سچے خادم ان حالات میں بھی ثابت قدمی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفار کی جمعیت اور طاقت کو منتشر کرنے کے لئے بنی غطفان کے سرداروں عیینہ بن حصن اور ابوالحارث بن عمرو سے بات چیت شروع کی۔ انہیں فرمایا اگر تم محاصرہ اٹھا کر چلے جاؤ تو مدینہ کی کھجوروں کا تیسرا حصہ تمہیں دے دیا جائے گا، انہوں نے آمادگی کا اظہار کیا۔ اسی اثناء میں اسید بن حضیر تشریف لے آئے، انہوں نے دیکھا کہ عیینہ بن حصن اپنے پاؤں پھیلائے حضور کے سامنے بیٹھا ہے۔ ان سے یہ گستاخانہ حرکت برداشت نہ ہو سکی اسے ڈانٹ کر کہا:

يَا عَيْنَ الْهِجْرِسِ اَتَمُدُّ رِجْلَكَ بَيْنَ يَدَىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَاللّٰهِ لَوْلَا مَجْلِسُ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَاَنْفَذْتُ جَنْبَكَ بِهٰذَا الرُّمْحِ۔ (1)

1۔ القاضی حسین بن محمد بن الحسن الدیار بکری (م 966ھ)، ”تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس“، بیروت، مؤسسۃ شعبان، ب ت، جلد 1، صفحہ 486

"اے بندر کی آنکھوں والے کیا تم اللہ کے پیارے رسول ﷺ کے سامنے یوں پاؤں پھیلا کر بیٹھے ہوئے ہو۔ اگر یہ رسول اللہ کی مجلس نہ ہوتی تو بخدا میں اس نیزے سے تمہارا پیٹ پھاڑ دیتا۔"

ابھی یہ بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو مشورہ کے لئے طلب فرمایا۔ وہ حاضر ہوئے تو انہیں ساری گفتگو سے آگاہ کر دیا۔ انہوں نے عرض کی: اے ہمارے آقا! اگر یہ معاہدہ حضور کو پسند ہے اور خوشی کا باعث ہے تو ہمیں منظور ہے۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تو بھی ہمیں مجال انکار نہیں۔ اگر حضور محض ہماری سلامتی کے پیش نظر یہ معاہدہ کر رہے ہیں، تو پھر ہم یہ معاہدہ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جب ہم کافر اور مشرک تھے، اس وقت بھی ہم ان قبائل کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ بطور مہمان یا خرید کر تو یہ مدینہ کی کھجوریں کھا سکتے تھے، ویسے زبردستی کسی کو کھجور کا ایک دانہ لینے کی بھی جرأت نہیں تھی۔ اب تو ہمیں اللہ تعالیٰ نے عزت اسلام سے مشرف کیا ہے۔ ہماری غیرت ایمانی اور حمیت اسلامی کب گوارا کر سکتی ہے کہ وہ یونہی ہماری کھجوروں میں حصہ دار بن جائیں۔ رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے محض تمہاری سلامتی کے پیش نظر ان سے یہ بات چیت شروع کی ہے۔ اس تاریک ماحول میں، ان صبر آزما مشکلات میں غیرت و جرأت کا یہ مظاہرہ دیکھ کر حضور کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے عرض کی:

وَاللّٰہِ لَا نُعْطِیْهِمْ اِلَّا السَّیْفَ حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰہُ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ (1)

"ہمارے پاس انہیں دینے کے لئے صرف تلوار ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان فیصلہ فرمائے۔"

اہل ایمان کے صبر و خلوص کا جب امتحان ہو چکا تو نصرت خداوندی رونما ہونے لگی۔ بنی غطفان کا ایک نوجوان نعیم بن مسعود عامر بن غطفان بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، اور عرض کرنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو نور ایمان سے منور کر دیا ہے۔ میرے مسلمان ہونے کی کسی کو خبر نہیں، اگر میں کسی خدمت کے قابل ہوں تو ارشاد فرمائیے، دل و جان سے حاضر ہوں۔ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم تنہا تو اس آڑے وقت میں

1۔ القاضی حسین بن محمد بن الحسن الدیار بکری (م 966ھ)، تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس، بیروت، مؤسسہ شعبان، ب ت، جلد 1، صفحہ 486

اسلام کی کوئی نمایاں خدمت نہیں کر سکتے۔ البتہ اگر کسی طرح تم دشمن کی صفوں میں انتشار پیدا کر دو تو یہ ہماری بڑی امداد ہو گی۔ "اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ" یہ جنگ ہے اور جنگ میں ایسی تدبیر جائز ہے۔

نعیم کے بنی قریظہ کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ وہ اپنے قبیلہ سے کھسک کر ان کے ہاں گیا اور انہیں جا کر کہا میری جو دلی محبت اور دیرینہ تعلقات تمہارے ساتھ ہیں، ان کا تمہیں بخوبی علم ہے۔ انہوں نے کہا بیشک ہمیں تم پر کسی قسم کا شبہ نہیں۔ پھر اس نے بڑے رازدارانہ انداز میں کہا: قریش اور غطفان کے قبائل مدینہ پر حملہ کے لئے آئے ہیں اور تم نے مسلمانوں سے دوستانہ معاہدہ توڑ کر ان کی امداد کا اعلان کر دیا۔ لیکن تمہاری اور ان کی حالت یکساں نہیں۔ تمہاری یہاں رہائش ہے، تمہارے بال بچے، مال و منال اور زمین و مکان سب یہیں ہیں۔ تم کسی حالت میں انہیں چھوڑ کر یہاں سے نہیں جا سکتے۔ لیکن ان کے اہل و عیال اور مال و متاع یہاں سے بہت دور اپنے اپنے علاقہ میں محفوظ ہیں۔ انہیں موقع ملا تو وہ مسلمانوں پر حملہ کریں گے اور کامیابی کی صورت میں ان کی ہر چیز پر قبضہ کر لیں گے بصورت دیگر وہ یہاں سے چلے جائیں گے اور تمہیں تنہا چھوڑ دیں گے۔ خود سوچ لو، کیا ایسی صورت میں تم تنہا اس شخص کا مقابلہ کر سکتے ہو۔ میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ تم جنگ چھیڑنے سے پہلے انہیں کہو کہ وہ چند مقتدر لوگ تمہارے پاس بطور یرغمال بھیج دیں تا کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ وہ کسی حال میں تمہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اپنے وطن نہیں لوٹیں گے۔ یہود قریظہ اس کی بات سے بڑے متاثر ہوئے۔ کہنے لگے: قَدْ اَشَرْتَ بِالنُّصْحِ "تم نے ہمیں صحیح مشورہ دیا ہے۔"

وہاں سے نکل کر وہ قریش کے پاس آیا اور ابو سفیان اور چند چیدہ قریشیوں سے جا کر ملا اور کہا، میرے تمہارے ساتھ عرصہ دراز سے دوستانہ مراسم ہیں، اسے تم خوب جانتے ہو۔ اور پیغمبر اسلام سے مجھے جو عداوت ہے وہ بھی تمہیں معلوم ہے۔ مجھے ایک خبر ملی ہے، دوستی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ میں تمہارے گوش گزار کر دوں لیکن خدارا کسی نہ بتانا اور یہ راز فاش نہ کرنا۔ انہوں نے اسے یقین دلایا کہ یہ راز افشا نہیں ہونے دیا جائے گا۔ نعیم نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ بنی قریظہ کا دوستانہ معاہدہ مسلمانوں کے ساتھ تھا جو انہوں نے توڑ دیا اور تمہارے ساتھ مل گئے۔ اب وہ اس عہد شکنی پر بڑے پچھتا رہے ہیں۔ انہوں نے اظہار

ندامت کرتے ہوئے معاہدہ کی تجدید کے لئے گفت وشنید شروع کر دی ہے۔ انہوں نے حضور کو کہا ہے کہ ہم اپنی وفاداری کے اظہار کے لئے قریش اور غطفان کے چند مقتدر آدمی کسی طرح بلا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ آپ ان کو قتل کر دیجئے۔ پھر ہم آپ کے ساتھ مل کر کفار پر حملہ کر دیں گے اور انہیں مار بھگائیں گے۔ پیغمبر اسلام نے ان کی یہ تجویز منظور کر لی ہے۔ اگر یہودی تم سے بطور رہن چند آدمی طلب کریں، تو خبردار ایک آدمی بھی نہ بھیجنا۔ بعینہ یہ بات اس نے غطفان کے سرداروں کو جا کر بتائی۔

اتفاق کی بات ہے کہ ہفتہ کی رات کو ابو سفیان نے عکرمہ بن ابی جہل اور ورقہ بن غطفان کو چند دوسرے سرداروں کے ساتھ یہود کے پاس روانہ کیا اور انہیں کہلا بھیجا کہ ہم یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے۔ حالت سفر میں ہمارے جانور ہلاک ہو رہے ہیں اور خود ہم بھی طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ محاصرہ کو اب مزید طول دینا ہمارے لئے ممکن نہیں، اس لئے اب مزید تاخیر کئے بغیر ہمیں کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانا چاہئے۔ کل ہم سامنے سے مسلمانوں پر حملہ کریں گے اور تم پیچھے سے ہلہ بول دو تاکہ اس مخمصہ سے جان چھوٹے اور ہم فارغ ہو کر اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ یہود نے جواب دیا کہ کل یوم سبت (ہفتہ) ہے اور ہم اس روز کوئی کام نہیں کرتے۔ دوسرا ہم مسلمانوں سے دشمنی کا خطرہ مول لینے سے پہلے یہ یقین کرنا چاہتے ہیں کہ تم کسی وقت ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے نہیں جاؤ گے اور ہمیں تب یقین آئے گا جب چند معزز آدمی تم ہمارے پاس بطور رہن بھیج دو۔ اگر تمہیں یہ شرط منظور نہیں، تو پھر ہم محمد (فداہ ابی وامی) کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے۔ تم تو کل گھروں کو چلے جاؤ گے۔ ہم یہاں سے بھاگ کر کہاں سر چھپائیں گے۔ جب وفد نے بنی قریظہ کی گفتگو ابو سفیان وغیرہ کو جا کر بتائی، تو وہ کہنے لگا بخدا نعیم نے جو اطلاع ہمیں دی تھی، وہ درست ہے۔ ابو سفیان نے ان کی یہ شرط ماننے سے صاف صاف انکار کر دیا۔ اس طرح بنی قریظہ کو یقین ہو گیا کہ نعیم نے جو مشورہ دیا تھا، وہ صحیح تھا۔ انہوں نے حملہ آور لشکر کو کہلا بھیجا کہ جب تک تم اپنے آدمی بطور یرغمال ہمارے پاس نہیں بھیجو گے، ہم تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ وہ ایک دوسرے سے بدگمان ہو گئے اور اسلام کے خلاف ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔

جاڑے کا موسم تھا۔ بلا کی سردی پڑ رہی تھی، سامان رسد بھی آہستہ آہستہ ختم ہو رہا

تھا۔ یہود کے ساتھ تعلقات بھی ٹوٹ چکے تھے۔ حوصلے پست اور ہمت ٹوٹ چکی تھی۔ ایک رات کو سخت آندھی آئی۔ ان کے خیموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں۔ ہانڈیاں الٹ گئیں۔ گھوڑے رسے تڑا کر بھاگ نکلے۔ سارے لشکر میں سراسیمگی پھیل گئی۔ وہ سمجھے کہ یہ تند و تیز آندھی انہیں تباہ کر کے رکھ دے گی۔ ابو سفیان جو اس ساری شرارت کا سرغنہ تھا، اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور کہا یارو! میں تو جا رہا ہوں تم بھی کوچ کرو۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ جھکڑ کیا قیامت ڈھا رہا ہے۔ ابو سفیان پر ایسی بدحواسی طاری تھی کہ اونٹ پر سوار ہونے سے پہلے اس کا عقال (رسی) کھولنا یاد نہ رہا۔ جب اس نے اسے ایڑ لگا کر اٹھانا چاہا تب اسے پتہ چلا کہ اس کا پاؤں رسی سے بندھا ہوا ہے۔ اسی حالت میں اس نے عقال کو تلوار سے کاٹا اور سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ قریش اور غطفان نے جب اپنے کمانڈر انچیف کو یوں بزدلی کا مظاہرہ کرتے اور فرار ہوتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے بھی بھاگ جانے میں عافیت سمجھی۔

حضرت حذیفہ نے ابو سفیان اور اس کے لشکر کے فرار کا آنکھوں دیکھا حال بارگاہ رسالت میں عرض کیا تو رحمت مجسم علیہ الصلوٰۃ والسلام خوشی سے ہنس پڑے۔ یہاں تک کہ حضور کے دندان مبارک کی سپیدی ظاہر ہو گئی۔ مسلمان جب صبح بیدار ہوئے اور لشکر کفار کے پڑاؤ کی طرف دیکھا تو وہاں ٹوٹی ہوئی طنابوں، الٹی ہوئی ہانڈیوں، بجھی ہوئی آگ اور بکھرے ہوئے سامان کے سوا کوئی چیز نظر نہ آئی۔ کفر کی کالی گھنا ناپید ہو چکی تھی۔ یثرب نگر کا مطلع صاف ہو چکا تھا۔ جہاں سورج کی سنہری کرنیں، مسرت، کامیابی اور اطمینان کی نوید سنا رہی تھیں۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اگر حضور کو رحمت للعالمین بنا کر نہ بھیجا ہوتا تو یہ آندھی لشکر کفار کے ہر سپاہی کو ہلاک کر دیتی۔ حضور ﷺ کی شان رحمت للعالمینی کے طفیل کفار کو بھی عذاب الٰہی سے پناہ ملی۔ خطرات میں ہر لحظہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ایک لشکر جرار نے مسلمانوں کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ بنو قریظہ کے حملہ آور ہونے کا خدشہ برقرار تھا تقریباً ایک ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ مسلمانوں کو رات کو چین نصیب تھا نہ دن کو آرام۔ حضور تین روز لگاتار۔ سوموار، منگل اور بدھ کو ظہر اور عصر کی نماز کے درمیان مسجد احزاب میں تشریف لاتے اور لشکر کفار کی شکست کے لئے اپنے رب کریم سے التجا کرتے۔ تیسرے روز حضور کے رخ انور پر بشارت کے انوار چمکنے لگے۔ جب سورج ڈھل گیا تو نبی مکرم

ﷺ نے اپنے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فَإِنْ لَقِيتُمُ الْعَدُوَّ فَاصْبِرُوْا وَاعْلَمُوْا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ۔

"اے لوگو! دشمن سے ملاقات کی تمنا نہ کرو۔ اللہ سے عافیت کی دعا مانگو اور جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو صبر کرو۔ اور خوب جان لو کہ جنت، تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔"

پھر حضور انور نے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ - سَرِيْعَ الْحِسَابِ - اِهْزِمِ الْاَحْزَابَ - اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا

"اے اللہ! اے کتاب نازل کرنے والے۔ اے جلدی حساب کرنے والے۔ اے گروہوں کو شکست دینے والے۔ اے اللہ! ان مشرکین کو شکست دے اور ہمیں ان پر نصرت عطا فرما۔"

ایک روز صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! شدت خوف سے دل حلق تک آگئے ہیں۔ کوئی ایسا ورد بتائیے جو ایسے اوقات میں ہم پڑھیں تو دلوں کو قرار اور سکون نصیب ہو۔ رحمت عالم نے فرمایا یوں کہا کرو:

اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا

"اے اللہ! ہمارے پردے کی جگہوں پر پردہ ڈال دے اور ہمارے خوفوں کو امن سے بدل دے۔"

صحابہ نے جب یہ ورد کیا تو سارے خوف کافور ہو گئے۔

شہداء خندق کے اسماء گرامی

1۔ سعد بن معاذ۔ جن کی شہادت کا مفصل تذکرہ آپ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے۔

2۔ انس بن اوس

3۔ عبداللہ بن سہل

4۔ طفیل بن نعمان

5۔ ثعلبہ بن غنمہ

6۔ کعب بن زید النجاری

حافظ الدمیاطی نے "الانساب" میں تین ناموں کا اور اضافہ کیا ہے جنہیں شرف شہادت نصیب ہوا۔

7۔ قیس بن زید بن عامر

8۔ عبداللہ بن ابی خالد

9۔ ابو سنان بن سیفی بن صخر

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ وَعَنْ سَائِرِ الشُّھَدَآءِ وَالْمُجَاھِدِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِكَ وَمَوْتًا فِیْ بَلَدِ حَبِیْبِكَ

مقتولین کفار

اس جنگ میں کفار کے صرف تین آدمی قتل ہوئے۔

1۔ عمرو بن عبدود۔ جس کو سیدنا علی مرتضٰی کی شمشیر خارہ شگاف نے واصل جہنم کیا۔

2۔ نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ۔ جس کو حضرت زبیر بن العوام نے موت کے گھاٹ اتارا۔

3۔ اور عثمان بن منبہ

نوفل کے بارے میں ہے کہ حضرت زبیر نے اپنی تلوار سے جب اس پر وار کیا تو اسکے دو ٹکڑے کر دیئے حتی کہ اس کی زین کو بھی درمیان سے کاٹ دیا۔ کسی نے داد دیتے ہوئے کہا:

یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ مَا رَاَیْنَا مِثْلَ سَیْفِكَ

"اے زبیر ہم نے آپ کی تلوار جیسی کوئی تلوار نہیں دیکھی۔ آپ نے فرمایا:

وَاللّٰہِ مَا ھُوَ السَّیْفُ وَلٰکِنَّھَا السَّاعِدُ (1)

1۔ "سبل الہدی"، جلد 4، صفحہ 535

"بخدا یہ تلوار کا کمال نہیں بلکہ اس بازو کا کمال ہے جس نے تلوار چلائی۔"

کفار نے عمرو بن عبدود اور نوفل کی لاشوں کی واپسی کے لئے دس دس ہزار درہم معاوضہ پیش کیا لیکن حضور نے ارشاد فرمایا:

لَا نَاْكُلُ ثَمَنَ الْمَوْتٰى (1)

"ہم مردوں کو بیچ کر ان کی رقم نہیں کھایا کرتے۔ اور ان کی لاشوں کو بلا معاوضہ واپس کر دیا۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

اس غزوہ میں اسلام کے بطل جلیل حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے۔ حبان بن قیس بن العرقہ نے حضرت سعد کو تاڑ کر تیر مارا جو آپ کے بازو کی شہ رگ میں آ کر پیوست ہو گیا جس سے شہ رگ کٹ گئی۔ جب حبان کا تیر آپکو لگا تو اس نے نعرہ لگایا۔
خُذْهَا وَاَنَا ابْنُ الْعَرِقَةِ "یہ تیر سنبھالو۔ میں ہوں عرقہ کا بیٹا۔"
حضور کریم ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا: عَرَّقَ اللّٰهُ وَجْهَكَ فِى النَّارِ "اللہ تعالیٰ تیرے چہرہ کو آگ میں عرق آلود کرے۔"
اپنے زخم کو خطرناک خیال کرتے ہوئے حضرت سعد نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے اور عرض کی:

اے اللہ! اگر قریش کے ساتھ مزید جنگ ہونی ہے تو پھر مجھے اس کے لئے زندہ رکھ کیونکہ اس قوم کے ساتھ جنگ کرنا مجھے بہت پسند ہے جس نے تیرے رسول کو اذیت پہنچائی، اسے اپنے وطن سے نکالا اور اس کو جھٹلایا۔
اے اللہ! اگر ان کے ساتھ یہ آخری جنگ تھی تو اس زخم کو میرے لئے شہادت کا سبب بنا دے اور مجھے اس وقت تک موت نہ دے جب تک میری آنکھیں بنو قریظہ سے ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 1، صفحہ 492

جب سورج طلوع ہوا اور اس کی روشنی سے کوہ ودمن میں اجالا ہو گیا تو مسلمانوں نے دیکھا کہ کفار و مشرکین کے عساکر کا وہاں نام و نشان تک بھی نہیں، سب بھاگ گئے تھے۔
اس وقت اس بشیر و نذیر نبی نے اپنے جاں نثاروں کو اس مژدہ جاں فزا سے خورسند فرمایا:

اَلْاٰنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا نَحْنُ نَسِيْرُ اِلَيْهِمْ۔ (1)

"اب ہم ان پر حملہ کیا کریں گے، وہ ہم پر حملہ آور نہیں ہو سکیں گے،

اب ہم ان کی طرف جائیں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب کی زبان سے نکلے ہوئے ان کلمات طیبات کو پورا کیا۔ اس کے بعد کفار مکہ کو کبھی جرأت نہ ہوئی کہ وہ مسلمانوں پر لشکر کشی کر سکیں۔ ہمیشہ حضور سرور عالم ﷺ ہی ان پر حملہ آور ہوتے رہے، یہاں تک کہ مکہ معظمہ فتح ہوا۔
نبی رؤف و رحیم ﷺ اپنے رب کے اس احسان عظیم کو ہمیشہ یاد کرتے تھے اور اس پر اظہار تشکر فرمایا کرتے۔ یہ جملہ اکثر اوقات زبان مبارک پر ہوتا:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ۔ اَعَزَّ جُنْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

"اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنے لشکر کو فتح کی عزت

بخشی۔ اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تمام احزاب کو تنہا شکست دی۔"

جب سارا میدان کفار کے اس لشکر جرار سے خالی ہو گیا تو حضور پر نور نے مجاہدین اسلام کو اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت دی۔ وہ اپنے رب قدوس کی حمد و ثنا کے گیت گاتے ہوئے، اس کی تائید و نصرت پر اس کا شکر بجالاتے ہوئے مظفر و منصور ہو کر شاداں و فرحاں اپنے اہل و عیال میں واپس تشریف لے گئے۔

غزوۂ خندق کے دوررس اثرات

جزیرۂ عرب کی متعدد اسلام دشمن قوتوں نے اپنی تمام افرادی قوت اور مادی وسائل کو مجتمع کر کے بڑے جوش و خروش سے مرکز اسلام پر حملہ کیا تھا۔ اس حملہ کے ساتھ انہوں نے بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں لیکن ان کی یہ متحدہ مہم جس مایوس کن ناکامی سے

1۔ صحیح بخاری

دوچار ہوئی، اس نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ اتنی قوت وہ دوبارہ ہرگز فراہم نہیں کر سکتے اس لئے اب اس نوخیز اسلامی مملکت اور اس کے دین کو وہ قطعاً کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے اس شکست نے ان کی امیدوں کے قلعوں کو پیوند خاک کر دیا۔

غزوہ احد میں مسلمانوں کے جانی نقصان کے باعث جو توقعات قائم کی گئی تھیں، وہ یکایک چور چور ہو گئیں۔ دوسرا اثر یہ ہوا کہ یہود جو مدینہ طیبہ میں عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے بازاروں اور تجارتی منڈیوں میں ان کو بالادستی حاصل تھی۔ زرعی زمینیں، باغات اور نخلستان ان کی ملکیت میں تھے۔ باہمی معاہدہ کی وجہ سے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اس کے باوجود ان کے دلوں میں اسلام کے بارے میں بغض و عناد کے جذبات جوش مارتے رہتے تھے۔ اس غزوہ کے باعث ان کی اسلام دشمنی کا پردہ چاک ہو گیا۔ معاہدہ توڑنے میں انہوں نے پہل کی۔ ان سنگین حالات میں ان کی عہد شکنی اور خیانت سے مسلمانوں کے لئے ان مارہائے آستین سے نپٹنا آسان ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ باقی نہ رہا۔ اب مسلمان ان کو ان کے کرتوتوں کی سزا دینے میں آزاد ہو گئے۔

اس غزوہ کا تیسرا اثر یہ ہوا کہ جنگ خندق کے ایام میں رحمت عالم ﷺ سے ایسے ایسے معجزات ظہور پذیر ہوئے تھے جن کے باعث بہت سے لوگوں کی آنکھوں سے جہالت اور تعصب کی پٹی اتر گئی تھی اور نور حق انہیں نظر آنے لگا تھا۔ ان کے اسلام قبول کرنے کے راستہ میں جو رکاوٹیں تھیں، وہ سب دور ہونے لگی تھیں اور وہ اسلام قبول کرنے لگے تھے۔

اس جنگ کا ایک اہم اثر یہ بھی ہوا کہ مشرکین اور کفار کے ظاہری اتحاد کا پول کھل گیا۔ یہ لشکر اگرچہ بظاہر متحد تھے لیکن کفر و شرک کی وجہ سے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے بارے میں شکوک و شبہات تھے۔ اسی لئے وہ کسی ایک سپہ سالار پر متفق نہیں ہو سکے تھے۔

نیز دنیا پر یہ حقیقت بھی آشکارا ہو گئی کہ ان کا اپنے مذہب کے ساتھ تعلق کتنا مضبوط ہے۔ ذاتی منفعت کے لالچ میں آ کر اجتماعی مفاد کو قربان کر دینا ان کے لئے قطعاً مشکل بات نہ تھی۔ عینیہ اور حارث کو جب اس شرط پر مدینہ کی کھجوروں کی پیداوار کا 1/3 حصہ دینے کی تجویز پیش کی گئی کہ وہ اپنے قبائل کو ساتھ لے کر واپس چلے جائیں تو انہوں نے فوراً آمادگی کا اظہار کر دیا۔ اسی طرح مشرکین مکہ اور بنو قریظہ کے درمیان بڑی آسانی سے شدید قسم کی

غلط فہمیاں پیدا کر دی گئیں۔ ان کا اتحاد تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتّٰى کا منظر پیش کر رہا تھا۔
ان تمام واقعات نے ثابت کر دیا کہ وہ اتحاد و اتفاق کے ہزار دعوے کریں مگر ان میں نہ اتحاد ہے اور نہ اتفاق۔
اسی لئے بشیر و نذیر نبی ﷺ نے صاف الفاظ میں اپنے صحابہ کرام کو یہ مژدہ جاں فزا سنا دیا تھا کہ

لَا تَغْزُوْكُمْ قُرَيْشٌ بَعْدَ عَامِكُمْ هٰذَا وَلٰكِنَّكُمْ تَغْزُوْنَهُمْ

"اس سال کے بعد قریش تم پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کریں گے بلکہ اب تم ان پر حملہ کیا کرو گے۔"

غزوۂ بنو قریظہ

آپ بنو قریظہ کی غداری اور عہد شکنی کا تذکرہ تفصیلاً پڑھ چکے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے عالم غیب سے اسباب پیدا کر کے ان کے منصوبوں کو خاک میں نہ ملا دیا ہوتا تو مسلمانوں پر جو گزرتی اس کا تصور کرنا مشکل نہیں، لیکن جب تقدیر الٰہی نے تدبیر کے شاطروں کو مات دے دی۔ قریش و غطفان اور بنی اسد وغیرہ قبائل اپنے جنگ جو بہادروں سمیت پسپا ہو گئے تو اب بنو قریظہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ حضور ایک ماہ تک کھلے میدان میں کفار کے سامنے سینہ سپر رہنے کے بعد اپنے غلاموں سمیت گھروں میں پہنچے ہی تھے اور سر مبارک دھونے کی تیاری ہی فرما رہے تھے کہ جبرائیل نمودار ہوئے۔ عرض کی یا رسول اللہ! ہم نے تو ابھی تک ہتھیار اتارے ہی نہیں اور آپ نے اتار بھی دیئے۔ میں ملائکہ کے ایک گروہ کے ساتھ کفار کے تعاقب میں تھا اور انہیں روحاء تک بھگا کر واپس آیا اور حکم خداوندی یہ ہے کہ جب تک بنی قریظہ کا خاتمہ نہ کر لیا جائے، اس وقت تک ہتھیار اتارنے کی اجازت نہیں۔ فرمان الٰہی ملتے ہی حضور نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ اذان دے اور بلند آواز سے یہ اعلان کر دے:

مَنْ كَانَ سَامِعًا مُطِيعًا فَلَا يُصَلِّيَنَّ الْعَصْرَ إِلَّا بِبَنِي قُرَيْظَةَ

"یعنی ہر اطاعت گزار مسلمان عصر کی نماز بنی قریظہ میں ادا کرے۔"

مدینہ طیبہ میں منادی کرنے کے لئے ایک اور آدمی دوڑایا جو یہ اعلان کر رہا تھا۔

یَا خَیْلَ اللّٰہِ ارْکَبِیْ اے اللہ تعالیٰ کے شہ سوارو! اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ۔"

یہ اعلان سنتے ہی مسلمان ہتھیار سجائے اپنے گھروں سے نکلنے لگے۔ حضور گھوڑے پر سوار تھے جس کا نام "لحیف" تھا۔ سو صحابہ کے ایک دستے نے گھوڑوں پر سوار ہو کر حضور ﷺ کے اردگرد حلقہ بنالیا جن کے پاس سواری کا انتظام نہ تھا، وہ پاپیادہ چل پڑے۔ اس روز لشکر اسلام کا پرچم سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو عطا فرمایا گیا۔ یہ لشکر جلد ہی بنو قریظہ کی گڑھی کے قریب پہنچ گیا۔ حضرت علی نے قلعہ کی دیوار کے نزدیک پرچم گاڑ دیا۔ یہودیوں نے جب مسلمانوں کو آتے ہوئے دیکھا تو دروازے بند کر دیئے اور مرد و زن چھت پر چڑھ گئے اور مسلمانوں پر گالیوں کی بوچھاڑ کرنے لگے۔ حضرت اُسید بن حضیر نے ان کی اس حرکت پر غضبناک ہو کر فرمایا:

یَا اَعْدَاءَ اللّٰہِ لَا نَبْرَحُ عَنْ حُصُوْنِکُمْ حَتّٰی تَمُوْتُوْا جُوْعًا۔

"اے اللہ کے دشمنو! ہم تمہارے قلعوں کا ایسا محاصرہ کریں گے کہ تم بھوکے مر جاؤ گے۔"

انہوں نے اپنی دیرینہ دوستی کا واسطہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان سب تعلقات منقطع ہو گئے ہیں۔ حضور نے رات وہاں بسر کی۔ صبح ہوتے ہی ان کے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور مختلف مقامات پر تیر انداز بٹھا دیئے۔ یہود بھی پتھر اور تیر برساتے رہے۔ مسلمان بھی ان کا مؤثر جواب دیتے رہے۔ جب ان کی شرارت شدت اختیار کرنے لگی تو حضور کے ارشاد سے مسلمانوں نے انہیں باقاعدہ اپنی زد میں لے لیا۔ انہوں نے پتھر برسانے بند کر دیئے اور گفتگو کرنے کی اجازت طلب کی جو انہیں بخشی گئی۔

یہود نے نباش بن قیس کو اپنا نمائندہ بنا کر بارگاہ رسالت میں بھیجا۔ اس نے آکر کہا کہ جن شرائط پر آپ نے بنو نضیر کو یہاں سے نکلنے کی اجازت دی تھی، انہی شرائط پر ہمیں بھی یہاں سے نکل جانے کی اجازت دے دیجئے۔ ہم اپنی عورتوں، بچوں اور بار شتر کے ساتھ مدینہ چھوڑ جاتے ہیں، باقی ہر چیز آپ سنبھالئے۔ حضور نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے کہا کہ ہم سارا مال و متاع یہاں چھوڑ جاتے ہیں، صرف ہماری جان بخشی کی جائے۔ یہ تجویز بھی

مسترد کر دی گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم اپنے متعلق میرا فیصلہ اگر ماننے کے لئے تیار ہو تو تمہارے ساتھ مفاہمت کی بات چیت کی جا سکتی ہے۔ وہ مشورہ کرنے کے لئے قلعہ میں واپس گیا اور سارا ماجرا انہیں کہہ سنایا۔

ان کے سردار کعب ابن اسد نے کہا اے میری قوم! تین تجویزیں ہیں، ان میں سے کوئی ایک پسند کر لو۔ انہوں نے پوچھا بتایئے۔ اس نے کہا سب سے بہتر تو یہ ہے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ اب اس امر میں ذرا شبہ نہیں رہا کہ محمد (ﷺ) وہی رسول مکرم ہے جس کی بشارت اور ذکر ہماری کتابوں میں موجود ہے۔ آج تک محض حسد کے باعث ہم ان کی مخالفت کرتے رہے۔ اب وقت ہے ایمان لے آؤ۔ تم تمہارا بال بچہ اور مال و متاع سب بچ جائے گا اور نعمت ہدایت سے بھی مالا مال ہو جاؤ گے۔ میں تو مسلمانوں سے کئے ہوئے معاہدہ کو توڑنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس بدبخت (حیی بن اخطب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کی نحوست نے ہمیں اس مصیبت میں مبتلا کیا۔ قوم نے کہا کہ ہم ایمان تو کسی قیمت پر لانے کے لئے تیار نہیں۔ اس نے کہا دوسری تجویز یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو اپنی تلواروں سے کاٹ ڈالو اور پھر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑو، نتیجہ دیکھا جائے گا۔ قوم نے کہا ان معصوم بچوں اور عورتوں کو بلا گناہ ذبح کر دینا کہاں کی انسانیت ہے، ہم ایسا نہیں کریں گے۔ اس نے کہا تیسری تجویز یہ ہے کہ آج سبت کی رات ہے۔ مسلمانوں کو علم ہے کہ یہودی آج حملہ نہیں کریں گے، وہ بالکل مطمئن اور بے خوف و خطر بیٹھے ہوں گے۔ آؤ ان کی اس بے خبری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اچانک ان پر ہلہ بول دیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم انہیں شکست دے دیں۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تو ہمیں سبت کی بے حرمتی کرنے کی ترغیب دے رہا ہے۔ پہلے جن لوگوں نے اس کی بے حرمتی کی تھی انہیں عبرتناک سزا ملی۔ ان کے سردار کعب نے کہا:

مَا بَاتَ مِنْكُمْ مُنْذُ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ لَيْلَةً وَاحِدَةً حَازِمًا :

"تم سب ہمیشہ سے گومگو کا شکار رہتے ہو، کسی چیز کے متعلق فیصلہ کن بات کرنے کی تم میں صلاحیت بھی نہیں۔"

پچیس دن تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار جب وہ عاجز آگئے اور ان میں تاب مقاومت نہ رہی تو حضور کریم ﷺ کے فیصلہ کو قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے چنانچہ ان کے جوانوں کو الگ

کر کے انہیں رسیوں میں جکڑ دیا گیا اور بچوں اور عورتوں کو الگ ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا گیا۔ مسلمان جب ان کے قلعہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے اسلحہ کے وہ انبار دیکھے جو یہودیوں نے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کرنے کے لئے تیار کر رکھے تھے۔ ان میں پندرہ سو تلواریں، دو ہزار نیزے، پانچ صد ڈھالیں اور دیگر اسلحہ تھا۔ اس کے علاوہ شراب کے مٹکوں کے مٹکے بھرے ہوئے رکھے تھے۔ شراب تو ساری کی ساری انڈیل دی گئی۔ دوسرے ساز و سامان پر قبضہ کر لیا گیا۔ ان میں کثیر التعداد مویشی اور اونٹ وغیرہ تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام الگ ایک جگہ تشریف فرما تھے کہ بنی اوس قبیلہ کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! یہودی قبیلہ بنو نضیر کے دوستانہ تعلقات بنی خزرج کے ساتھ تھے، ان کی سفارش پر حضور نے بنی نضیر کی جان بخشی فرما دی اور ہر آدمی کو ایک بار شتر لے جانے کی بھی اجازت دے دی۔ بنی قریظہ کے ساتھ ہمارے قدیم سے دوستانہ تعلقات ہیں۔ اب وہ اپنی غلطی پر از حد پشیمان بھی ہیں، اس لئے حضور نے جس طرح بنو خزرج کی عزت افزائی فرمائی تھی، اسی طرح ہماری وجہ سے ہمارے اس دوست قبیلہ کو بھی بخش دیں۔ وہ بار بار اپنی یہ درخواست پیش کرتے رہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش رہے۔ جب ان کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تمہارے قبیلہ اوس میں سے کوئی شخص ان کے متعلق فیصلہ کر دے۔ انہوں نے عرض کی، بجا ہے۔ حضور نے فرمایا میں سعد بن معاذ کو حکم مقرر کرتا ہوں۔ انہوں نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ منظور ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ یہودیوں نے خود حضرت سعد کا نام تجویز کیا تھا۔ حضرت سعد خندق میں زخمی ہو گئے تھے۔ حضور نے انہیں مسجد کے قریب رفیدہ کے خیمہ میں ٹھہرایا ہوا تھا تاکہ اپنی نگرانی میں ان کی مرہم پٹی کرائی جائے اور ان کی عیادت میں آسانی ہو۔ بنی اوس اپنی حسب پسند حضرت سعد کو حکم مقرر کرا کے ان کو لینے کے لئے خیمہ میں گئے اور ایک گدھے پر سوار کر کے انہیں بارگاہ رسالت میں لے آئے۔ راستہ میں آپ کو ہموار کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ آپ حکم مقرر ہوئے ہیں۔ بنی قریظہ سے ہمارے قدیمی دوستانہ تعلقات ہیں، ان کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا۔ تم نے دیکھا نہیں بنی خزرج نے بنی نضیر کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ جب انہوں نے افہام و تفہیم اور منت و سماجت کی حد

کردی تو سعد نے صرف اتنا جواب دیا:

قَدْ اٰنَ لِسَعْدٍ اَنْ لَّا یَاْخُذَہٗ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃُ لَائِمٍ

"اب سعد کا ایسا وقت آ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اسے متاثر نہیں کر سکتی۔"

سعد کی سواری حضور کی قیام گاہ کے قریب پہنچی تو حضور نے حاضرین کو فرمایا:

قُوْمُوْا لِسَیِّدِکُمْ

"اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔"

سعد کو اتارا گیا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اُحْکُمْ فِیْہِمْ یَا سَعْدُ

"اے سعد! ان کے بارے میں فیصلہ کرو۔"

انہوں نے عرض کی:

اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ بِالْحُکْمِ

"کہ اللہ اور اس کا رسول ہی فیصلہ فرمانے کا حق دار ہے۔"

ارشاد ہوا:

اَمَرَکَ اللّٰہُ اَنْ تَحْکُمَ فِیْہِمْ

"اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم ان کے بارے میں فیصلہ کرو۔"

سعد نے پھر اپنی قوم سے پوچھا کہ بنی قریظہ کے بارے میں جو حکم کروں، تمہیں منظور ہے۔ انہوں نے کہا بیشک منظور ہے۔ آپ نے فرمایا: میرا فیصلہ تو یہ ہے کہ ان کے بالغوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کے مال اور جائیدادیں مہاجرین و انصار میں تقسیم کر دی جائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

لَقَدْ حَکَمْتَ فِیْہِمْ بِحُکْمِ اللّٰہِ مِنْ فَوْقِ سَبْعَۃِ اَرْقِعَۃٍ۔

"اے سعد! تم نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر فیصلہ فرمایا ہے۔"

ابو لبابہ اور ان کی توبہ

جب لشکر اسلام نے سختی سے ان کا محاصرہ کرلیا اور حالات کی سنگینی نے انہیں خوفزدہ کر دیا تو انہوں نے بارگاہ رسالت میں گزارش کی کہ ابو لبابہ بن منذر کو ان کے پاس بھیجا جائے، وہ ان سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ابو لبابہ کو فرمایا کہ تمہارے حلیف تمہیں بلا رہے ہیں۔ تم ان کے پاس جاسکتے ہو۔ جب وہ ان کے پاس پہنچے تو ان کے سارے مرد تعظیماً کھڑے ہوگئے، ان کی عورتوں اور بچوں نے ان کے گرد حلقہ بنا کر رونا چیخنا شروع کردیا۔ ابو لبابہ کے ان سے دیرینہ تعلقات تو تھے ہی۔ ان کی اس حالت زار کو دیکھ کر ان کا دل پسیج گیا۔ انہوں نے پوچھا ابو لبابہ ہمیں مشورہ دو، کیا ہم محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اپنا حکم تسلیم کرلیں اور اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار انہیں تفویض کردیں۔ زبان سے تو آپ نے ہاں کہا لیکن بے اختیاری کی حالت میں اپنے حلق کی طرف اشارہ کردیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ تمہارے قتل کا فیصلہ کریں گے۔ ابو لبابہ کہتے ہیں کہ فوراً میرے نفس لوامہ نے مجھے جھنجھوڑا مجھے خیال آیا کہ ایسا کر کے میں نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے۔ وہاں سے نکلے اور سیدھے مسجد کی راہ لی۔ یہ جرأت نہ ہوئی کہ اس خیانت کے بعد سرور عالم کے روبرو حاضر ہوں۔ مسجد میں جا کر اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا اور کہا میں اس جگہ سے نہیں جاؤں گا جب تک اللہ تعالیٰ میرا قصور معاف نہ کردے اور اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ وہ پھر بنی قریظہ کے ہاں ہرگز نہیں جائیں گے۔ جب کئی دنوں تک ابو لبابہ حاضر خدمت نہ ہوئے تو رسول اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں پوچھا۔ ان کا ماجرا بیان کیا گیا۔ فرمایا: غلطی کرنے کے بعد سیدھا اگر میرے پاس حاضر ہو جاتا تو میں اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا۔ اب جب اس نے یہ راستہ اختیار کیا تو میں اس کو اس ستون سے نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہ فرمالے۔ چھ دن اور چھ راتیں اسی ستون کے ساتھ بندھے رہے جب نماز کا وقت ہوتا، ان کی زوجہ وہاں جاتیں، ان کو کھولتیں، وہ وضو وغیرہ کر کے نماز ادا کرتے پھر ان کو اسی ستون کے ساتھ باندھ کر واپس آجاتیں۔ ایک رات سرکار دو عالم ام المومنین حضرت ام سلمہ کے حجرہ مبارکہ میں شب باش تھے تو سحری کے وقت حضرت ام سلمہ نے دیکھا کہ حضور ہنس رہے ہیں۔ عرض کی:

مِمَّ تَضْحَكُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَضْحَكَ اللهُ سِنَّكَ

"یارسول اللہ! حضور کیوں ہنس رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو ہنستا رکھے۔"

فرمایا: ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی ہے۔ عرض کی، اجازت ہو تو میں انہیں یہ خوشخبری سناؤں۔ فرمایا: جیسی تمہاری مرضی۔ ام المومنین حجرہ شریفہ کے دروازہ پر آکر کھڑی ہو گئیں۔ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب کہ پردہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ حضرت ام سلمہ روایت فرماتی ہیں کہ میں نے بلند آواز سے کہا، ابولبابہ! مبارک باد! تمہاری توبہ کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا ہے۔ لوگوں نے بھی یہ آواز سن لی۔ دوڑے تاکہ ان کی زنجیر کھول دیں۔ آپ نے سب کو ایسا کرنے سے روک دیا اور کہا:

لَا وَاللهِ حَتّٰى يَكُوْنَ رَسُوْلُ اللهِ هُوَ الَّذِيْ يُطْلِقُنِيْ بِيَدِهٖ

"خدارا مجھے کوئی نہ کھولے۔ یہاں تک کہ حضور خود تشریف لائیں اور اپنے دست مبارک سے مجھے رہا فرمائیں۔"

دلنواز آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز صبح ادا کرنے کے لئے جب تشریف لائے تو ان کے پاس سے گزرے اور زنجیر کھول کر انہیں آزاد فرمایا۔

حضرت ابولبابہ کے دل میں اس لغزش سے جو احساس ندامت پیدا ہوا وہ اس قدر شدید تھا کہ بارگاہ حبیب میں حاضری کی جرأت نہ کر سکے۔ ان چھ راتوں میں جب سناٹا چھا جاتا ہو گا، ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا جو مینہ چھم چھم برستا ہو گا، دل دردمند سے جو جگر سوز آہیں اٹھتی ہوں گی اور بار خجالت نے کمر ہمت دوہری کر دی ہو گی، اس کا صحیح علم تو اس رب العالمین کو ہے جو عرق انفعال میں شرابور اپنے بندوں کے حال زار کو خوب جانتا ہے اور ان کو اپنی رحمت بے پایاں سے مایوس نہیں ہونے دیتا۔

حضرت علامہ اقبال کی یہ رباعی اسی قسم کے جذبات عالیہ کی عکاسی کرتی ہے ؎

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر، روز محشر عذر ہائے من پذیر
گر تو می بینی حسابم ناگزیر، از نگاہ مصطفی پنہاں بگیر

یہودی مردوں کا قتل

ان کو قتل کرنے کے لئے مختلف مقامات پر گڑھے کھودے گئے۔ انہیں رسیوں میں باندھا گیا۔ ٹولیوں کی صورت میں وہ لائے جاتے اور قتل کر کے ان کی لاشیں ان گڑھوں میں پھینک دی جاتیں۔ ان مقتولوں کی تعداد چھ سات سو کے قریب تھی۔ ان میں ان کا سردار کعب بن اسد اور اس سارے فتنہ کی جڑ حیی بن اخطب بھی تھا۔ جب حیی کو قتل کرنے کے لئے لایا گیا تو اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ جکڑے ہوئے تھے۔ اس نے سرخ رنگ کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا جسے اس نے جگہ جگہ سے کاٹ دیا تھا تا کہ کسی کے کام نہ آسکے۔ جب اس ازلی بدبخت نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا اس وقت بھی وہ خبث باطن کے اظہار سے باز نہ آیا۔ کہنے لگا:

وَمَا وَاللّٰهِ مَالُمْتُ نَفْسِيْ فِيْ عَدَاوَتِكَ وَلٰكِنَّهُ مَنْ يَّخْذُلِ اللّٰهُ يُخْذَلْ۔

"میں آج تک آپ سے عداوت کرتا رہا ہوں، میں نے اس بارے میں اپنے نفس کو کبھی ملامت نہیں کی لیکن اللہ تعالیٰ جس کو ذلیل و رسوا کرے وہ ذلیل و خوار ہو کر رہتا ہے۔"

بنی قریظہ کے سرداروں میں سے ایک کا نام زبیر بن باطا تھا جو بہت بوڑھا تھا اور اندھا ہو گیا تھا۔ اس نے زمانہ جاہلیت کی ایک لڑائی میں جو یوم بعاث کے نام سے معروف ہے، ثابت بن قیس بن شماس کے ساتھ کوئی احسان کیا تھا۔ یہ ثابت مسلمان ہو گئے تھے۔ انہوں نے جب اپنے محسن کو اس حالت میں دیکھا تو اس کے احسان کا بدلہ چکانا چاہا۔ انہوں نے زبیر سے پوچھا اے ابا عبدالرحمٰن! کیا تم نے مجھے پہچانا۔ اس نے کہا کہ میرے جیسا آدمی تیرے جیسے آدمی کو فراموش کر سکتا ہے۔ حضرت ثابت نے کہا میں آج تیرے احسان کا بدلہ دینا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: کریم النفس لوگ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ثابت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور زبیر کی جان بخشی کے لئے التجا کی۔ حضور نے منظور فرمالی۔ انہوں نے آکر اس کو بتایا وہ بولا:

شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَا اَهْلَ لَهُ وَلَا وَلَدَ فَمَا يَصْنَعُ بِالْحَيَاةِ

"یعنی ایک پیر فرتوت جس کی نہ بیوی ہے نہ اولاد وہ زندہ رہ کر کیا کرے گا۔"

ثابت پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور نے اس کی بیوی اور اس کی اولاد کو بھی آزاد کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ جب اس کو بتایا تو وہ بولا وہ گھرانہ جس کی حجاز میں کوئی جائیداد نہ ہو۔ وہ کیسے زندہ رہے گا۔ ثابت نے حاضر ہو کر پھر گزارش کی۔ حضور نے ازراہ کرم اس کا مال واسباب اور اس کی جائیداد بھی اس کو واپس فرمادی۔ جب ثابت نے اس کرم گستری کے بارے میں اسے مطلع کیا تو وہ بولا اس شخص پر کیا گزری جس کا چہرہ چینی آئینہ کی مانند شفاف تھا کہ کنواری لڑکیاں اس میں اپنا چہرہ دیکھتی تھیں یعنی کعب بن اسد۔ انہوں نے بتایا کہ وہ تو قتل کر دیا گیا۔ پھر اس نے پوچھا شہروں اور دیہات کے سردار حیی بن اخطب کا کیا بنا۔ بتایا گیا کہ وہ بھی کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ پھر دریافت کیا کہ اس بہادر پر کیا گزری کہ جب ہم حملہ کرتے تھے تو وہ مقدمۃ الجیش میں ہوتا تھا۔ اور جب بھاگتے تھے تو وہ پیچھے رہ کر ہماری حفاظت کرتا تھا یعنی عزال بن شموال۔ بتایا گیا وہ بھی تہ تیغ کر دیا گیا۔ پھر اس نے پوچھا: بنی کعب بن قریظہ اور بنی عمرو بن قریظہ کا کیا حال ہے۔ بتایا گیا وہ بھی ختم ہو گئے۔ زبیر کہنے لگا، ان کے چلے جانے کے بعد اب زندگی میں کوئی لطف نہیں۔ ثابت میں تجھے اس احسان کا واسطہ دیتا ہوں جو میں نے تجھ پر کیا تھا کہ مجھے بھی ان سے ملا دو۔ لمحہ بھر کی اذیت کے بعد اپنے پیاروں سے ملاقات ہو جائے گی۔ چنانچہ اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

حضرت صدیق اکبر نے جب اس کی بات سنی کہ ابھی اس کی ملاقات اس کے پیارے دوستوں سے ہوگی۔ تو آپ نے فرمایا:

يَلْقَاهُمُ اللهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا مُخَلَّدًا (1)

"یہ ان سے ملاقات تو کرے گا لیکن آتش جہنم میں جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پھینک دیا جائے گا۔"

اس پیکر جود و کرم نے اپنے غلام کی دل داری کے لئے اس پیکر بغض و عناد یہودی پر اپنے لطف و کرم کی انتہا کر دی لیکن جن کی پیشانی پر ابدی شقاوت کی مہر لگ چکی ہو، وہ انجام بد

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویۃ"، جلد 3، صفحہ 241

سے کیونکر بچ سکتا ہے۔

یہودی مردوں کی طرح ان کی عورتیں بھی اگرچہ اسلام دشمنی میں کسی طرح کم نہ تھیں لیکن رحمت عالم نے ان کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی، صرف ان کی ایک عورت کو موت کی سزادی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب مسلمان ان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، اس نے چکی کا ایک پاٹ حضرت خلاد بن سوید الخزرجی کے سر پر دے مارا۔ جس سے آپ کا سر کچلا گیا اور آپ شہید ہوگئے۔ کیونکہ اس نے جرم قتل کا ارتکاب کیا تھا، اس لئے بطور قصاص اسے قتل کیا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خلاد کے بارے میں فرمایا: انہیں دو شہیدوں کا اجر دیا جائے گا۔ (1)

سلمہ بنت قیس صحابیہ نے رفاعہ بن شموال کے بارے میں عرض کی تو حضور نے اسے بھی معاف کر دیا، وہ بعد میں مسلمان ہو گیا۔

بنی قریظہ کے مردوں کو قتل کرنے پر اعتراض

کہا جاتا ہے کہ بنو قریظہ کے سب مردوں کو قتل کرنے کا فیصلہ بہت سخت تھا۔ ہم ایسا کہنے والوں سے صرف اتنا پوچھتے ہیں کہ وہ یہ فرمائیں کہ یہ حکم سخت سہی لیکن یہ عادلانہ تھا یا ظالمانہ۔ ہر شخص جس نے بنی قریظہ کے حالات کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے اور اس میں حق گوئی کی جرأت بھی ہے، وہ یہ کہنے پر مجبور ہے کہ یہ فیصلہ سراسر عدل وانصاف پر مبنی تھا۔ آپ کو خوب علم ہے کہ رحمت عالم ﷺ جب ہجرت کر کے یثرب میں رونق افروز ہوئے تو اس وقت یہود کے تین قبیلے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ سکونت پذیر تھے۔ حضور نے ان سب کے ساتھ دوستی کے معاہدے کئے۔ جن معاہدوں کے ذریعہ ان کو مکمل مذہبی آزادی دی گئی۔ وہ اپنے مذہبی شعائر اور تقریبات کو کسی روک ٹوک کے بغیر منا سکتے تھے۔ انہیں کاروبار کرنے، زراعت اور دیگر معاشرتی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا حق دیا گیا تھا اور انہیں ان کی جان، آبرو اور مال کا تحفظ دیا گیا تھا۔ ان سے فقط یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ نہ وہ خود مسلمانوں پر حملہ کریں گے، نہ کسی حملہ آور دشمن کا ساتھ دیں گے اور نہ وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کریں گے۔ ہجرت کے پانچویں سال غزوۂ خندق ہوا۔ اس سارے عرصہ

1۔ ایضاً، صفحہ 243، و "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 195

میں ان قبائل نے ایک دن بھی مسلمانوں کے ساتھ شریفانہ برتاؤ نہیں کیا۔ جب بھی ان کا بس چلا انہوں نے سرکار دو عالم کو اذیت پہنچائی اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں ذرا دریغ نہ کیا۔

بنو نضیر نے تو حضور کو شہید کرنے کی ناپاک سازش کی۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی خود حفاظت نہ فرماتا تو وہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب ہو ہی چکے تھے۔ بنی قریظہ نے تو اپنے دو ہم مذہب قبیلوں کے جذبہ اسلام دشمنی کو بھی مات کر دیا۔ عین اس وقت جب سارا عرب دس بارہ ہزار کا لشکر جرار لے کر مدینہ طیبہ کو روندڈالنے اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دینے کے ارادہ سے چڑھ دوڑا تھا۔ کڑکڑاتا جاڑا، سامان خورد و نوش کی شدید قلت، جب مسلمان اپنی زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے اور حالات از حد سنگین تھے اس وقت بنو قریظہ نے وہ وعدہ توڑ دیا جس کے سائے میں انہوں نے پانچ سال تک عزت و خوشحالی کی زندگی بسر کی تھی۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سعد بن معاذ اوسی، جو ان کے دیرینہ حلیف تھے اور سعد بن عبادہ کو اس واقعہ کی تحقیق کے لئے بھیجا تو وہاں کا منظر ہی ہوشربا تھا۔ تلواروں کی دھاریں تیز کی جا رہی تھیں۔ تیروں کے پیکان درست کئے جا رہے تھے، نیزوں کی انیوں کو چمکایا جا رہا تھا۔ مختلف قسم کا اسلحہ ڈھالیں اور زرہیں تقسیم کی جا رہی تھیں۔ حضرت سعد جو ان کے دیرینہ حلیف تھے، ان کو وہ معاہدہ یاد دلایا جو انہوں نے رسول اللہ کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ انہوں نے ادب و احترام کے سارے ضابطوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے اور اپنے دیرینہ حلیف کا ذرا لحاظ کئے بغیر کہا: مَنْ رَّسُوْلُ اللّٰہِ "کون رسول"۔ ہم کسی کو نہیں جانتے لَا عَہْدَ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مُحَمَّدٍ وَّلَا عَقْدَ "ہمارے درمیان اور ان کے درمیان کسی قسم کا کوئی عہد و پیمان نہیں۔"

حیی بن اخطب کی انگیخت پر انہوں نے مسلمانوں سے اپنے تعلقات منقطع کر کے ان مشرکین کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر دی جو مدینہ طیبہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لئے آئے تھے۔

اللہ تعالیٰ اگر اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے اپنے حبیب مکرم ﷺ اور ان کے جاں نثار غلاموں کی خود حفاظت نہ فرماتا اور ان کی مدد و نصرت نہ کرتا اور ایسے اسباب پیدا نہ

کرتا جنہوں نے مخالفت کے ان پہاڑوں کو هَبَآءً مَّنْثُوْرًا بنا دیا اور کفار اپنے طے شدہ منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے قابل ہو جاتے۔ باہر سے وہ حملہ کرتے اور اندر سے یہودی ٹوٹ پڑتے۔ ازراہ انصاف آپ خود بتائیے کہ مسلمانوں میں سے کسی کو زندہ چھوڑ دیا جاتا۔ ان کے بچوں، بیماروں، ناتواں بوڑھوں بے بس عورتوں پر جو مظالم توڑے جاتے انہیں بیان کرنے کے لئے بھی شائد کوئی نہ بچتا۔ یہ تو اللہ کا آخری نبی تھا جو اس کا آخری دین لے کر آیا تھا۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اس نے اٹھائی ہوئی تھی ورنہ بنو قریظہ نے تو مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ انہیں قتل نہ کیا جاتا اور صرف جلاوطن کر دیا جاتا تو یہ سزا بھی ان کے لئے بہت کافی تھی۔

میں ان مہربانوں سے پوچھتا ہوں کہ ان کے برادر قبیلہ بنی نضیر کو اپنے اہل و عیال، بار شتر کے ساتھ زندہ و سلامت چلے جانے کی اجازت دی گئی تھی۔ کیا ان لوگوں نے اس احسان کی کوئی قدر و قیمت پہچانی۔ کیا یہ سارا طوفان بنو نضیر کے ان سرکردہ افراد کا ہی اٹھایا ہوا نہیں تھا جنہیں مدینہ طیبہ سے زندہ چلے جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ یہ حیی بن اخطب، سلام بن مشکم، وغیرہ جو وفد کی صورت میں مکہ گئے تھے اور قریش کو بھڑکایا تھا۔ پھر دوسرے صحرا نشین قبائل کے پاس گئے اور انہیں مشتعل کیا، یہ کون لوگ تھے۔ اگر بنو قریظہ کو بھی زندہ نکل جانے کی اجازت مل جاتی تو معلوم نہیں وہ اپنی فتنہ انگیزیوں سے ملت اسلامیہ پر کیسی کیسی قیامتیں برپا کرتے۔

ان کے دلوں میں ہادیٔ برحق محمد رسول اللہ ﷺ، اسلام اور ملت مسلمہ کے بارے میں حسد و عناد کے جو آتش کدے بھڑک رہے تھے انہوں نے انہیں عقل و فہم سے بے بہرہ کر دیا تھا۔ یہ سب جانتے تھے کہ حضور انور ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں، ان کے ذکر جمیل سے ان کی آسمانی کتب آراستہ ہیں۔ مگر یہ سب کچھ جاننے کے باوجود وہ ایمان لانے کے لئے تیار نہ تھے۔ آپ نے ابھی پڑھا کہ ان کے رئیس کعب بن اسد نے ایک تجویز ان کے سامنے یہ پیش کی تھی کہ ہم سب جانتے ہیں کہ یہ وہی نبی مکرم ہیں جن کی بشارت تورات میں مذکور ہے۔ آؤ ان پر ایمان لے آئیں اور اپنی دنیا و آخرت سنوار لیں۔ لیکن انہوں نے اس نازک گھڑی میں بھی اپنے سردار کی اس تجویز کو مسترد کر دیا تھا۔ ان کے دلوں میں جو بغض تھا، ان کا حال آپ نے زبیر بن باطا کے واقعہ میں بھی پڑھا ہے۔ حضرت ثابت کی گزارش پر اس کی

جان بخشی فرمادی۔ پھر اس کی بیوی اور بچوں کو آزاد کیا۔ پھر اس کی منقولہ غیر منقولہ اموال اسے واپس کئے رحمت کی اس مسلسل رم جھم سے اس کی عداوت کی آگ بجھی نہیں بلکہ مزید تیز تر ہوتی گئی۔ حیی بن اخطب کے کرتوتوں کے باعث جب اس کا سر قلم کیا جانے لگا۔ تو آپ کو یاد ہے کہ حضور پر نور کو دیکھ کر اس نے اپنے خبث باطن کا کیسے اظہار کیا۔

ایسے لاعلاج بیماروں کا یہی علاج تھا جو کیا گیا تھا۔ انسانی بدن میں جو عضو سرطان سے ناکارہ ہو جائے، اس کے کاٹ دینے میں ہی باقی جسم کی بہتری ہے۔ یہ سرطان زدہ قبیلہ اس سزا کا مستحق تھا جو اسے دی گئی۔ جو لوگ ظالم پر رحم کرتے ہیں، وہ مظلوم پر مزید ظلم ڈھانے کے مرتکب ہوتے ہیں۔

نیز غور طلب امر یہ ہے کہ بنی قریظہ کے لئے یہ حکم سرور عالم ﷺ نے نہیں دیا بلکہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے دیا۔

ایک روایت کے مطابق بنو قریظہ نے خود انہیں اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے حکم (ثالث) مقرر کیا۔ بنی اوس نے اس پر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔ حضرت سعد لائے گئے تو فیصلہ سنانے سے پہلے آپ نے فریقین سے پوچھا کیا میں فیصلہ کروں۔ سب نے کہا، آپ فیصلہ کریں۔ پھر پوچھا، سب کو میرا فیصلہ منظور ہے۔ سب نے کہا منظور ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے بھی اپنی طرف سے منظوری دے دی۔ تب انہوں نے یہ فیصلہ سنایا۔ موجودہ قانون و رواج میں بھی یہ بات طے شدہ ہے کہ فریقین کی رضامندی سے جو ثالث مقرر کیا جائے، اس کا فیصلہ فریقین کے لئے واجب التسلیم ہوتا ہے اور بعد میں کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں رہتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طرز عمل

اس فیصلہ کے سلسلہ میں اسلام اور پیغمبر اسلام پر جو لوگ زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ کاش وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس کردار کا بھی مطالعہ کرتے جس کا تذکرہ کتاب مقدس میں متعدد مقامات پر کیا گیا۔ اگر انہوں نے یہ زحمت گوارا کی ہوتی تو شائد یہ اعتراض کرنے کی انہیں ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ یہاں ہم تورات مقدس کے متعدد حوالوں میں سے صرف دو حوالے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

کتاب استثناء، باب 20 کی آیات 10 تا 14 ملاحظہ ہوں:

"جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے۔ تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لئے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باجگزار بن کر تیری خدمت کریں اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو ان کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دی ہو، کھانا۔"

اور کتاب گنتی، باب 31، آیت 7 تا 10 ملاحظہ فرمائیے:

"اور جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا اس کے مطابق انہوں نے مدیانیوں سے جنگ کی اور سب مردوں کو قتل کر دیا اور انہوں نے ان مقتولوں کے سوا عدی اور رقم اور صور اور حور اور ربع کو جو مدیان کے پانچ بادشاہ تھے جان سے مارا۔ اور بعور کے بیٹے بلعام کو بھی تلوار سے قتل کیا اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو اسیر کیا اور ان کے چوپائے اور بھیڑ بکریاں اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا۔ اور ان کی سکونت گاہوں کے سب شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کی سب چھاؤنیوں کو آگ سے پھونک دیا۔"

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات

آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ کی شہ رگ میں تیر لگا جس نے اسے کاٹ دیا۔ جنگ خندق کے اختتام کے بعد ان کو مدینہ طیبہ لایا گیا۔ حضور اقدس ﷺ کے حکم سے ان کے لئے مسجد نبوی میں خیمہ نصب کیا گیا تا کہ رفیدہ بنت سعد الاسلمیہ، ان کی مرہم پٹی آسانی سے کر سکے۔ ☆

☆ رفیدہ، بنی اسلم قبیلہ کی ایک خاتون تھی جو بڑی ماہر جراحہ تھی اور جہاد میں زخمی ہونے والوں کا مفت علاج کیا کرتی تھی۔ ان کا خیمہ مسجد نبوی کے بالکل قریب تھا، اس میں وہ اپنے زخمی مریضوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ کے خصوصی حکم سے حضرت سعد کو علاج کے لئے ان کے کیمپ میں داخل کیا گیا۔ مسجد کے قرب کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

نیز سرکار دو عالم ہر وقت ان کی مزاج پرسی کر سکیں۔ بنی قریظہ کے بارے میں اپنا فیصلہ سنانے کے بعد آپ کو پھر خیمہ میں لایا گیا۔ زخم مزید بگڑ گیا۔ خون جاری ہو گیا۔ وہ کسی طرح بند ہی نہ ہوتا تھا۔ جس مقصد کے لئے انہوں نے زندگی مانگی تھی، وہ پورا ہو گیا۔ اب حیات فانی کا جامہ اتار کر حیات جاودانی کی خلعت فاخرہ زیب تن کرنے کی گھڑی آ پہنچی۔ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے اور اس کے نبی مکرم کی شمع جمال کے پروانے کی رخصتی کا وقت آ گیا۔

آپ کی میت آپ کے گھر لے جائی گئی۔ اکابر انصار -- حارث بن اوس، اسید بن حضیر اور سلمہ بن سلامہ نے اس عاشق صادق کو اپنے آقا کی موجودگی میں غسل دیا اور کفن پہنایا۔ ان کی چارپائی کو اٹھا کر جب لے چلے تو ان اٹھانے والوں میں ایک اللہ کا محبوب بھی تھا۔ جنازہ کے جلوس کی پیشوائی بھی حضور نے کی اور امام الانبیاء نے خود ہی ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ قبر تیار ہوئی تو چار حضرات نے آپ کو قبر انور میں اتارا۔ رحمت عالم ﷺ بھی پاس ہی کھڑے تھے۔ جب انہیں لحد میں رکھا گیا تو یکایک رخ انور کا رنگ تبدیل ہو گیا، سرکار دو عالم ﷺ نے تین بار سبحان اللہ اور تین بار اللہ اکبر فرمایا۔ صحابہ کرام نے بڑے جوش سے تین بار نعرہ لگایا، ہر بار جنت البقیع کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا۔ رخ انور کے تغیر کے بارے میں استفسار کیا گیا۔ تو فرمایا قبر نے ان کو بھینچا تھا اگر اس سے کوئی بچ سکتا تو سعد بچے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر رحم فرمایا اور یہ تنگی دور فرمائی۔

اپنے شیر دل بیٹے کی تدفین کا منظر دیکھنے کے لئے ان کی والدہ بھی آئیں اور فرمایا:

اَحْتَسِبُكَ عِنْدَ اللّٰهِ

"اے میرے نور نظر! تیری جدائی کے اس صدمے پر صبر کر کے میں اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید کرتی ہوں۔"

رحمت عالم نے بھی ان کو دلاسا دیا۔ دلجوئی فرمائی اور مٹی ڈال کر قبر ہموار کر دی گئی تو اس پر پانی چھڑکا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے مزار پر کھڑے ہو کر ان کے لئے دعا فرمائی۔ (1)

تپید یک دم و کرد ند زیب فتراکش　　خوشا نصیب غزالے کہ زخم او کاریست

باعث حضور کے لئے ان کی عیادت اور خبر گیری بھی آسان تھی۔ اپنے پیارے اور مخلص صحابی کو علاج کے لئے ان کے پاس بھیجنا اس فن میں ان کی مہارت کی دلیل ہے۔

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 197

لشکر کفار کی واپسی سے تقریباً پچیس روز بعد آپ کی وفات ہوئی۔ اگر کفار کی آمد ۵ ؍شوال کو ہوئی اور ایک ماہ وہ یہاں رہے ہوں تو ان کی واپسی کے بعد حضور نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا جو تقریباً پچیس روز تک جاری رہا، اس حساب سے ان کی وفات ذی قعدہ کے آخری دنوں میں یا اوائل ذی الحجہ میں ہوئی۔ قریظہ کی فتح بھی ذی قعد کے اواخر میں یا ذی الحجہ کے ابتدائی دنوں میں ہوئی۔

جس رات کو حضرت سعد نے وصال فرمایا، جبرائیل امین پھولدار ریشمی عمامہ باندھے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ پوچھا، آج کون فوت ہوا ہے جس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے اور خداوند رحمٰن کا عرش جھومنے لگا۔ فرمایا، وہ حضرت سعد تھے۔ (1)

عرش کے جھومنے کی وجہ علماء کرام نے یہ لکھی ہے۔ اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ فَرَحًا بِرُوْحِهٖ "ان کی روح کی آمد کے باعث فرط مسرت سے عرش رحمٰن میں جنبش پیدا ہوئی"۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ نَزَلَ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ مَا وَطِئُوا الْاَرْضَ قَبْلَهَا۔ (2)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت سعد بن معاذ کی وفات پر ستر ہزار ایسے فرشتے زمین پر اترے جو آج تک کبھی زمین پر نہیں اترے تھے۔"

غزوہ خندق اور غزوہ قریظہ کے متعلق شرعی احکام

غزوہ خندق کے حالات میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ جس روز کفار نے سرور عالم ﷺ کے خیمہ کو اپنے اجتماعی حملہ کا ہدف بنایا تھا تو حضور پُر نور سمیت سارے مجاہدین کو نماز ظہر، عصر اور مغرب بروقت پڑھنے کی فرصت نہ ملی۔ دشمن کے پیہم حملوں کو روکنے کے لئے کوئی بھی اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتا تھا۔ رات کو جب دشمن پسپا ہوا تو حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم ملا۔ امام الانبیاء کی اقتدا میں پہلے ظہر کی نماز ادا کی گئی، اس کے بعد باقی نمازیں

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویۃ"، جلد 3، صفحہ 250

2۔ ایضاً، صفحہ 246-249

باجماعت ادا کی گئیں ان نمازوں کی جماعت سے پہلے صرف اقامت پر اکتفا کیا گیا۔

ایک دوسرے موقع پر دشمن کے حملہ کی وجہ سے سرکار دوعالم ﷺ اور صحابہ کرام عصر کی نماز بروقت ادا نہ کر سکے اور عصر اور مغرب کی نمازیں ایک ساتھ ملا کر پڑھیں۔ اسی کے بارے میں سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ مَنْ حَبَسَنَا عَنِ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی فَامْلَأْ بُیُوْتَھُمْ نَارًا وَّامْلَأْ قُبُوْرَھُمْ نَارًا۔ (1)

"اے اللہ! جن لوگوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ (نماز عصر) پڑھنے سے روکا ہے، ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے۔"

بنو قریظہ کے محاصرہ کے دن حضور نے اعلان فرمایا کہ سب لوگ نماز عصر بنو قریظہ کے محلہ میں جا کر پڑھیں۔ جو لوگ بروقت وہاں پہنچ گئے انہوں نے نماز عصر وقت پر پڑھ لی۔ بعض لوگ جنگ کے لئے تیاری کرتے رہے، اسلحہ لیا، زرہیں پہنیں اور خود سر پر سجائے۔ ان امور میں کچھ دیر ہو گئی۔ جنگ کے لئے مکمل تیاری کے بعد تعمیل ارشاد میں بنو قریظہ کی آبادی کی طرف چل پڑے۔ ان میں سے بعض نے دیکھا کہ وقت تنگ ہو رہا ہے، ایسا نہ ہو کہ سورج غروب ہو جائے اور نماز قضا ہو جائے۔ اس لئے انہوں نے راستہ میں ہی نماز پڑھ لی اور دوسرے حضرات نے کہا کہ نبی مکرم کا حکم ہے کہ نماز عصر بنو قریظہ کے محلّہ میں پہنچ کر پڑھو۔ ہم تو جب وہاں پہنچیں گے، اس وقت عصر کی نماز ادا کریں گے۔ اس سے پہلے ہمارے لئے جائز ہی نہیں کہ ہم نماز عصر ادا کریں۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر مغرب اور عصر کی نماز غروب آفتاب کے بعد پڑھی۔ نبی کریم ﷺ نے کسی کو ملامت نہیں کی۔

علماء کرام نے ان واقعات سے یہ حکم مستنبط کیا ہے کہ جنگ کے حالات میں نمازوں کو مؤخر کر کے پڑھنا جائز ہے۔ وہ نمازیں جو اس وجہ سے بعد از وقت پڑھی جائیں گی، وہ قضا شمار نہیں ہوں گی بلکہ ادا ہوں گی۔

بعض علماء نے جنگ کے علاوہ دوسرے اعذار کے باعث بھی نمازوں کو یکجا کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ عذر حقیقی ہو۔ بنی قریظہ کے غزوہ میں بعض نے ظاہری نص پر عمل

1۔ ایضاً، صفحہ 211

کیا۔ ارشاد نبوی ہے: اَلَا لَا تُصَلُّوا الْعَصْرَ اِلَّا فِیْ بَنِیْ قُرَیْظَۃَ "خبردار! عصر نماز نہ پڑھو مگر بنی قریظہ میں پہنچ کر۔"

لیکن بعض نے اجتہاد کیا کہ حضور کے اس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ جلد از جلد وہاں پہنچو تاخیر کئے بغیر۔

نماز قضا کے خوف سے، وہاں پہنچنے سے پہلے جنہوں نے نماز پڑھ لی، انہوں نے بھی درست کیا۔ رُفِعَ عَنْ اُمَّتِیَ الْخَطَأُ وَالنِّسْیَانُ میری امت سے خطا اور نسیان پر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔" اس حدیث کی بھی وضاحت ہوگئی۔ دونوں میں سے ایک فریق ضرور غلطی پر تھا لیکن یہ غلطی خطا سے سرزد ہوئی تھی اس لئے اس پر مواخذہ نہیں ہوا۔

تقسیم غنائم

علامہ ابن کثیر کی تحقیق کے مطابق وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ غزوہ بدر میں حاصل ہونے والے اموال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر نازل ہوئی۔ لیکن اس کی صحیح تطبیق اور اس پر پوری طرح عمل بنی قریظہ سے حاصل ہونے والے اموال غنیمت کی تقسیم کے وقت ہوا۔ اس سے پہلے جو اموال غنیمت مسلمانوں کے قبضہ میں آئے وہ کچھ زیادہ مالیت کے نہ تھے۔ بنی نضیر کو جب جلاوطن کیا گیا تو وہ اپنا قیمتی سامان، زیورات، جواہرات اور ملبوسات، یہاں تک کہ دروازوں کی چوکھٹیں بھی اکھاڑ کے لے گئے۔ جو اشیاء پیچھے رہ گئیں وہ زیادہ مالیت کی نہ تھیں۔ البتہ بنو قریظہ کے سارے اموال مسلمانوں کے تصرف میں آگئے اور اس آیت کے مطابق ان کو تقسیم کیا گیا۔ ہر قسم کے متروکہ اموال سے خمس (پانچواں حصہ) نکال دیا گیا، بقایا 4/5 حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے گئے۔ گھڑسوار کو تین حصے ملے۔ ایک حصہ اس کا اپنا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔ اور پیدل مجاہد کو ایک حصہ۔ اس لشکر میں چھتیس گھوڑے اور تین ہزار مجاہد۔ سارے اموال غنیمت کو تین ہزار بہتر حصوں میں تقسیم کر کے ہر سوار کو تین حصے اور ہر پیدل کو ایک حصہ ملا۔ غزوہ بدر میں صرف ایک گھوڑا تھا۔ اس لئے اس وقت گھوڑوں کے حصوں کا تعین عمل میں نہ آیا۔ (1)

غزوہ بنی قریظہ کے وقت رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ تین گھوڑے تھے لیکن مال غنیمت

1۔ الامام محمد ابوزہرۃ، "خاتم النبیین"، القاہرۃ، دار الفکر العربی، ب ت، جلد 2، صفحہ 804

سے صرف ایک گھوڑے کے دو حصے وصول فرمائے۔(1)

بہت سی عورتیں اور نابالغ بچے بھی جنگی قیدی بنالئے گئے تھے جب انہیں مجاہدین میں تقسیم کیا جانے لگا تو رحمت عالمیان نے حکم دیا۔

لَا يُفَرَّقُ بَيْنَ الْأُمِّ وَوَلَدِهَا حَتّٰى يَبْلُغُوْا

"ماں اور اس کے بچوں کو جدا نہ کیا جائے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائیں۔"

اس طرح اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو فروخت کرنا چاہے تو اس کو بھی ماں اور اس کی اولاد کو علیحدہ کرنے سے منع فرمادیا۔

وَنَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّفَرَّقَ فِي الْبَيْعِ بَيْنَ النِّسَآءِ وَالذُّرِّيَّةِ۔ (2)

"اور حضور کریم ﷺ نے عورت اور اس کے بچوں کو جدا کرنے سے منع فرمایا۔"

جنگی قیدی جو خمس میں بیت المال کو ملے، ان میں سے کچھ قیدیوں کو سعد بن عبادہ کی سربراہی میں شام بھیجا گیا۔ وہاں انہیں فروخت کیا گیا جو قیمت وصول ہوئی اس سے اسلحہ اور گھوڑے خریدے گئے۔(3)

دیگر شرعی احکام

مذکورہ بالا احکام شرعیہ کے علاوہ کئی دیگر اہم شرعی احکام کا نفاذ عمل میں آیا۔

عرب میں ایک قدیمی رواج تھا کہ متبنیٰ، حقیقی بیٹا خیال کیا جاتا تھا۔ وہ اپنے متبنیٰ بنانے والے کا وارث بھی ہوتا تھا۔ خاندان کی جو مستورات حقیقی بیٹے پر حرام تھیں وہ متبنیٰ پر بھی حرام ہوتی تھیں۔ جس طرح باپ حقیقی بیٹے کی بیوی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا تھا، اسی طرح وہ متبنیٰ کی بیوہ یا مطلقہ بیوی کے ساتھ بھی نکاح نہیں کر سکتا تھا۔

اس سورت کی متعدد آیات نازل فرما کر اس قدیم رواج کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور اس کی بیخ کنی کے لئے اپنے محبوب رسول کو خود نمونہ پیش کرنے کا حکم دیا۔ ان آیات کے نزول سے پہلے حضرت زید کو زید بن محمد ﷺ کہہ کر پکارا جاتا تھا کیونکہ حضور نے انہیں

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 196

2۔ ایضاً، صفحہ 97

3۔ ایضاً

متبنیٰ بنایا ہوا تھا۔ اب یہ طریقہ ختم ہو گیا۔ یوں انہیں زید بن حارثہ کہہ کر پکارا جانے لگا۔ ان کی شادی حضرت زینب کے ساتھ ہوئی تھی۔ جب انہوں نے باہمی تعلقات ناخوشگوار ہونے کے باعث طلاق دے دی تو عدت کی مدت گزرنے کے بعد رب العرش نے حضرت زینب کا نکاح سرور عالم ﷺ کے ساتھ کر دیا۔ فَزَوَّجْنَاكَهَا مخالفین نے اگرچہ طوفان بدتمیزی برپا کیا لیکن سرور عالم ﷺ خود یہ قربانی نہ دیتے تو انسانیت اس عذاب سے رستگاری حاصل نہ کر سکتی۔

حضرت فاروق اعظم عرصہ سے بارگاہ نبوت میں عرض کر رہے تھے کہ حضور ازواج مطہرات کو پردہ فرمانے کا حکم دیں۔ حضور جواب دیتے کہ جب تک میرا رب یہ حکم نازل نہ کرے، میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کر سکتا۔ اس موقع پر پردہ کی آیات نازل ہوئیں۔

5 ہجری میں ظہور پذیر ہونے والے دوسرے واقعات کا مختصرہ تذکرہ

ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کا عبرتناک انجام

اللہ تعالیٰ نے اپنے خالص لطف و کرم سے اوس و خزرج دو قبیلوں کے دلوں میں اپنے محبوب مکرم ﷺ کی عقیدت و محبت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ دونوں قبیلے خدمت اسلام میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں کوشاں رہتے تھے۔ کعب بن اشرف یہودی کو اس کی ہذیان سرائی، بہتان تراشی اور اذیت رسانی کے باعث سرکار دو عالم ﷺ کے ارشاد کے مطابق قبیلہ اوس کے چند جوانمردوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ خزرج کے نوجوانوں کے دلوں میں جذبہ مسابقت ہر لحظہ تازہ رہتا تھا۔ وہ ایسا ہی کارنامہ انجام دے کر اپنے ترازو کا پلڑا برابر کرنا چاہتے تھے۔ کفار سے پے در پے جنگوں میں مصروفیت کی وجہ سے وہ یہ حسرت پوری نہ کر سکے۔ اب جب قریش بھی بے نیل مرام پسپا ہو گئے اور بنی قریظہ کا قصہ بھی تمام ہو گیا تو اب انہوں نے اپنے ارمانوں کو پورا کرنے کے لئے غور و خوض شروع کر دیا۔

یہودیوں کا وہ وفد جو مدینہ طیبہ سے مکہ کے قریش اور صحرائے عرب کے دیگر قبائل کو مشتعل کرنے کے لئے آیا تھا، سلام بن ابی الحقیق اس کا رکن رکین تھا۔ خزرج کے نوجوانوں نے سوچا کہ اس وفد کا ایک رکن حیی بن اخطب تو ہلاک ہو گیا لیکن سلام ابھی تک زندہ ہے

اور اسلام کے خلاف زہر فشانی میں مصروف رہتا ہے۔ اگر اس کو کیفر کردار تک پہنچادیا جائے تو ایک بڑے فتنہ باز کی شر انگیزی سے اسلام محفوظ ہو جائے گا۔ سلام کی رہائش خیبر میں تھی اور اس کا اپنا محفوظ قلعہ تھا جس میں یہ سکونت پذیر تھا۔ خزرجیوں نے اپنے دل میں یہ منصوبہ طے کر کے سرور عالم کی خدمت میں گزارش کی اور اذن طلب کیا۔ سرور عالم ﷺ نے انہیں اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی اجازت دے دی۔

اس سے آگے ہم اس واقعہ کو صحیح بخاری سے نقل کرتے ہیں:

جب یہ دستہ قلعہ کے قریب پہنچا تو سورج غروب ہونے لگا اور لوگ اپنے مویشی ہانک کر گھروں کو لوٹنے لگے۔ اس دستہ کے امیر حضرت عبداللہ نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ تم یہاں بیٹھو، میں جاتا ہوں اور قلعہ کے دربان کے ساتھ حیلہ کر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کروں گا۔ جب وہ دروازہ کے قریب پہنچا تو اس نے چادر سے اپنے آپ کو ڈھانپ لیا اور اس طرح بیٹھ گیا جس طرح وہ پیشاب کر رہا ہو۔ جب لوگ قلعہ میں داخل ہو گئے تو بواب نے کہا اے بندہ خدا اگر تم نے اندر داخل ہونا ہے تو جلدی کرو میں دروازہ بند کرنے لگا ہوں۔ حضرت عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ میں جلدی سے قلعہ میں داخل ہو گیا اور ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا اور سارے لوگ قلعہ کے اندر داخل ہو گئے اس نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور چابیوں کے گچھے کو کھونٹی کے ساتھ لٹکا دیا۔ میں اٹھا اس چابی کے گچھے کو اٹھالیا اور قفل کھول دیا۔

ابو رافع کا یہ معمول تھا کہ رات کو اس کی مجلس ہوتی تھی۔ لوگ اس میں قصے کہانیاں سناتے تھے اور موجودہ حالات پر بحث و تمحیص کرتے تھے۔ جب وہ مجلس برخاست ہوئی اور لوگ گھروں کو چلے گئے تو میں اوپر چڑھا۔ جب میں کسی کمرے میں داخل ہوتا تو اندر سے قفل لگا دیتا تاکہ ان لوگوں کو اگر پتہ بھی چل جائے تو اس سے پیشتر کہ وہ مجھے آکر پکڑلیں میں سلام کا کام تمام کردوں۔

جب میں اس کمرے تک پہنچا جس میں وہ رہائش پذیر تھا۔ میں نے دیکھا کہ چراغ بجھا ہوا ہے۔ ہر طرف اندھیرا ہے۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں لیٹا ہے۔ میں نے بلند آواز سے کہا یا ابا رافع۔ اس نے جواب دیا۔ کون ہے؟ میں سیدھا اس آواز کی طرف گیا اور اس پر تلوار کا وار کیا۔ لیکن وہ وار کارگر ثابت نہ ہوا اس نے چلانا شروع کر دیا۔ اتنے میں کمرے سے باہر نکل

آیا اور چند قدموں کے فاصلہ پر رک گیا۔ پھر دوبارہ میں اس کے مددگار کی حیثیت سے کمرے میں داخل ہوا۔ میں نے اپنی آواز بدل لی اور کہا ابو رافع یہ کیا آواز تھی۔ اس نے کہا، تیری ماں مرے۔ کوئی آدمی کمرے میں داخل ہوا ہے۔ اس نے مجھ پر تلوار کا وار کیا ہے۔ میں پھر اس پر جھپٹا اور اس پر تلوار کا وار کیا اور تلوار کی دھار اس کے پیٹ پر رکھی اور اس پر اپنا سارا زور ڈال دیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب اس کا کام تمام ہو گیا ہے۔ پھر میں وہاں سے دوڑا دروازوں کو کھولتا ہوا باہر نکلتا آیا۔ آخری سیڑھی کا مجھے خیال نہ رہا۔ میں نے پاؤں رکھا تو وہ فرش پر جا پڑا جس سے میری پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی، میں نے اس کو اپنی پگڑی سے کس کر باندھ لیا۔ باہر نکل کر دروازے کے پاس بیٹھ گیا۔ میں نے کہا، اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک اس کی موت کی تصدیق نہ ہو جائے۔ جب سحری کے وقت مرغ نے اذان دی تو قلعہ کی فصیل پر کھڑے ہو کر کسی شخص نے اس کی موت کا اعلان کیا تو میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔ میں نے انہیں کہا بھاگو بھاگو اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو ہلاک کر دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے سارا ماجرا بیان کیا۔ حضور نے فرمایا اپنا پاؤں آگے کرو۔ حضور نے اپنا دست مبارک اس ٹوٹی ہوئی ہڈی پر پھیرا تو وہ اس طرح درست ہو گئی گویا اسے کبھی کوئی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔ (1)

خالد بن سفیان ابن نُبیح الہُذلی

عساکر کفار کی ناکامی، پسپائی اور بنو قریظہ کی خانماں بربادی کے باوجود چند بد باطن ابھی تک اپنی کینہ پروری سے باز نہیں آ رہے تھے اور اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے سرگرم عمل تھے۔ ان میں سے ایک خالد بن سفیان بن نبیح تھا جو اپنے دوستوں اور حلیفوں کو اکٹھا کر رہا تھا تاکہ وہ مسلمانوں پر حملہ کر کے دل کے پھپھولے پھوڑے۔ نبی کریم ﷺ کو اطلاع ملی تو حضور نے اپنے معمول کے مطابق اس فتنہ کو اولین مرحلہ میں ہی نیست و نابود کرنے کا ارادہ فرمایا۔

حضور نے عبد اللہ بن انیس کو یاد فرمایا۔ اسے بتایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ خالد الہُذلی ہم پر حملہ کرنے کے لئے لوگوں کو اکٹھا کر رہا ہے۔ تم جاؤ اور اس فتنہ کی سرکوبی کرو۔ اشارہ پاتے ہی حضرت عبد اللہ نے تلوار کو حمائل کیا اور اس کی طرف روانہ ہو گئے۔ نماز کا وقت

1۔ دلائل النبوۃ، جلد 4، صفحہ 38

آ پہنچا تھا۔ انہیں یہ خطرہ تھا کہ وہ کہیں مصروف ہو جائیں اور نماز کا وقت نہ گزر جائے۔ نیز دشمن کے علاقہ میں صحیح طور پر نماز بھی ادا نہیں کر سکتے تھے ورنہ ان کا پردہ فاش ہو جاتا اور وہ اس مہم کو سر کرنے میں ناکام ہو جاتے۔ آپ نے نماز کی نیت باندھ لی۔ چلتے بھی رہے اور اشارہ سے ارکان نماز ادا بھی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ خالد مذکور کے پاس پہنچ گئے۔ اس نے ایک اجنبی کو اپنے پاس دیکھا تو پوچھا: مَنِ الرَّجُلُ "تم کون ہو۔" انہوں نے جواب دیا میں ایک عربی ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ مسلمانوں کی بیخ کنی کے لئے تم تیاری کر رہے ہو، اس سلسلہ میں اگر میں کوئی خدمت انجام دے سکتا ہوں تو اس کے لئے بسر و چشم حاضر ہوں۔ خالد نے کہا بیشک میں اس کے لئے تیاری کر رہا ہوں۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے کر چلا۔ تھوڑی دور تک چلے ہوں گے تو حضرت عبداللہ نے اسے اپنی طرف سے مطمئن پایا۔ سوچا اب بہترین وقت ہے۔ انہوں نے اپنی تلوار کو بے نیام کیا، اسے لہرایا اور بجلی کی سرعت سے اس پر وار کر کے اسے واصل جہنم کر دیا۔ (1)

حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ اس کو تہ تیغ کرنے کے بعد رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں واپس آیا۔ حضور نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا أَفْلَحَ الْوَجْهُ "یہ چہرہ کامیاب ہے۔" میں نے عرض کی: میں نے اس کو قتل کر دیا ہے۔ فرمایا: تم سچ کہتے ہو۔ آپ مجھے لے کر اپنے کاشانہ اقدس کی طرف تشریف لے گئے اور اندر سے مجھے ایک عصا لا کر مرحمت فرمایا اور حکم دیا اے انیس کے فرزند! اسے اپنے پاس رکھنا۔ میں عصا لے کر لوگوں کی طرف آیا۔ انہوں نے پوچھا: اے عبداللہ! یہ کیسا عصا ہے۔ میں نے بتایا کہ مجھے حضور نے یہ دیا ہے اور حکم فرمایا ہے کہ میں اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھوں۔ لوگوں نے کہا: کیا تم حاضر خدمت ہو کر اس کی وجہ نہیں پوچھتے۔ میں لوٹ کر گیا، عرض کی: آقا! یہ عصا کیوں عنایت فرمایا ہے۔

فرمایا:

آيَةٌ بَيْنِي وَبَيْنَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ أَقَلَّ النَّاسِ الْمُتَخَصِّرُونَ يَوْمَئِذٍ۔

"یہ میرے اور تیرے درمیان قیامت کے روز نشانی ہو گی اس روز بہت ہی کم لوگ ایسے ہوں گے جو کو لہوں پر ٹیک لگائے ہوں گے۔"

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویۃ"، جلد 3، صفحہ 267

حضرت عبداللہ نے عمر بھر اس عصا کو اپنے سے جدا نہ کیا جب انتقال فرمایا تو وصیت کی کہ اسے میرے کفن اور جسم کے درمیان رکھ دینا اور ایسا ہی کیا گیا۔(1)

اس سے معلوم ہوا کہ جو دشمن حملہ کرنے کی تیاریاں مکمل کر چکا ہو اس پر حملہ کر کے موت کے گھاٹ اتار دینا غدر اور دھوکہ بازی نہیں۔ نیز یہ ثابت ہوا کہ حالت جنگ میں رکوع و سجود نہ کر سکے تو اشارہ سے بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو شرف زوجیت

سورۃ الاحزاب۔ جس میں غزوہ خندق اور بنی قریظہ کا ایمان افروز تذکرہ ہے، اس سورت میں ہادیٔ انس و جان علیہ السلام کا حضرت زینب بنت جحش کو شرف زوجیت سے سرفراز کرنے کا بیان بھی ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حیات نبوی کے جن واقعات کو قرآن کریم نے یکجا ذکر کیا ہے، انہیں سیرت میں بھی اکٹھا لکھا جائے۔ اس نکاح کی تاریخ کے بارے میں اگرچہ ایک قول یہ بھی ہے جو امام یافعی کی طرف منسوب ہے کہ 3 ہجری میں ہوا لیکن اکثر علماء کے نزدیک ماہ ذی قعدہ 5 ہجری میں انعقاد پذیر ہوا۔

علامہ ابن اثیر نے "اسد الغابہ" میں اور "المنتقی" میں یہی قول ذکر کیا ہے۔

امام بخاری، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت زینب کو شرف زوجیت بخشنے کے بعد حضور نبی کریم علیہ السلام نے تمام احباب کو ولیمہ میں شرکت کی دعوت دی، روٹی اور گوشت سے سب مہمانوں کی تواضع فرمائی۔ مجھے سب صحابہ کو بلانے کے لئے مقرر فرمایا۔ ایک گروہ آتا تھا، کھانا کھا کر چلا جاتا تھا، پھر دوسرا گروہ آجاتا تھا۔ یہ سلسلہ سارا دن جاری رہا۔ شام کے بعد مہمانوں کی آمد پھر شروع ہو گئی یہاں تک کہ کافی رات گزر گئی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے حضور کی طرف سے دعوت سب کو دی ہے، کسی کو نہیں چھوڑا۔ سب نے بصد مسرت اس دعوت کو قبول کیا اور شریک ہوئے اور کوئی آدمی باقی نہیں رہ گیا۔ فرمایا کھانے کے برتن اٹھا لو اور دستر خوان بڑھا لو۔ ہم نے تعمیل کی۔ سب لوگ چلے گئے لیکن تین آدمی بیٹھے رہے۔ انہوں نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا۔ حضور از حد باحیا اور شرمیلے تھے۔ حضور نے مناسب نہ سمجھا کہ ان کو چلے

1۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 268

جانے کے لئے فرمائیں۔ حضور پھر کچھ دیر کے لئے اس گھر سے تشریف لے گئے۔ اس اثناء میں ازواج مطہرات سے ملاقات کی اور خیریت مزاج دریافت کی۔ پہلا حجرہ حضرت صدیقہ کا تھا۔ وہاں گئے اور فرمایا السلام علیکم اہل البیت ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ انہوں نے عرض کی: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، پھر پوچھا: كَيْفَ وَجَدْتَ اَهْلَكَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ "آپ نے اپنی اہلیہ کو کیسے پایا۔ اللہ تعالیٰ کی برکتیں حضور کے شامل حال ہوں۔"

اسی طرح تمام امہات المومنین کے حجرات میں قدم رنجہ فرمایا اور انہیں اپنی زیارت سے شاد کام کیا۔

حضور واپس تشریف لائے تو ابھی تک وہ ٹولی خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ حضور نے ازراہ حیا پھر بھی ان کو چلے جانے کا حکم نہیں دیا۔ حضور پھر حضرت صدیقہ کی طرف لوٹ گئے۔ اس اثناء میں کسی کے کہنے پر یا از خود یہ لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت انس فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کی یا کسی اور نے بتایا کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں۔ حضور واپس تشریف لائے، میں ساتھ ساتھ تھا۔ حضور نے ایک قدم مبارک اندر رکھا دوسرا ابھی باہر تھا کہ پردہ لٹکا دیا گیا، اس روز آیت حجاب نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا (1)

"اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کریم کے گھر میں بجز اس صورت کہ تم کو کھانے کے لئے آنے کی اجازت دی جائے (اور) نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو۔ لیکن جب تمہیں بلایا جائے، اندر چلے آؤ۔ پس جب کھانا

1۔ سورۃ الاحزاب 53

کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ۔ اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے کی باتیں شروع کر دیا کرو۔ تمہاری یہ حرکتیں (میرے) نبی کے لئے تکلیف کا باعث بنتی ہیں۔ پس وہ تم سے حیا کرتے ہیں اور چپ رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کسی کی شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے میں اور جب تم مانگو ان سے کوئی چیز، تو مانگو پس پردہ ہو کر۔ یہ طریقہ پاکیزہ تر ہے تمہارے دلوں کے لئے نیز ان کے دلوں کے لئے اور تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسول کو۔ اور تمہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی۔ بیشک ایسا کرنا اللہ کے نزدیک گناہ عظیم ہے۔"

حضرت زینب ان مومنات قانتات میں سے تھیں جنہوں نے سب سے پہلے ہجرت کی۔ خیرات و صدقات کثرت سے کیا کرتی تھیں۔ ان کا اصل نام "برہ" تھا۔ حضور انور نے ان کا نام تبدیل کر کے زینب رکھ دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے بارے میں فرمایا کرتیں:

مَا رَاَيْتُ اِمْرَاَةً قَطُّ خَيْرًا فِي الدِّيْنِ مِنْ زَيْنَبَ. وَاتْقٰى لِلّٰهِ وَاَصْدَقَ حَدِيْثًا وَّاَوْصَلَ لِلرَّحِمِ وَاَعْظَمَ اَمَانَةً وَّصَدَقَةً

"میں نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو دین کے معاملہ میں یا تقویٰ میں، راست گوئی، صلہ رحمی میں اور امانت و صداقت میں حضرت زینب سے زیادہ بہتر ہو۔"

حضرت صدیقہ سے ہی مروی ہے کہ محبوب رب العالمین ﷺ نے فرمایا:

اَسْرَعُكُنَّ لُحُوْقًا بِيْ اَطْوَلُكُنَّ يَدًا

"یعنی تم میں سے جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے وہ سب سے پہلے مجھ سے آ کر ملے گی۔"

ہم آپس میں اپنے ہاتھ ملاتی تھیں کہ کس کے ہاتھ لمبے ہیں اور وہ کون خوش نصیب ہے جو سب سے پہلے بارگاہ رسالت میں شرف باریابی حاصل کرے گی۔ لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینب فوت ہوئیں تو ہمیں پتہ چلا کہ لمبے ہاتھوں سے مراد سخاوت اور فیاضی تھی۔

وَكَانَتْ زَيْنَبُ اَطْوَلَنَا يَدًا لِاَنَّهَا كَانَتْ تَعْمَلُ بِيَدِهَا وَتَصَدَّقُ

"اور حضرت زینب جو سب سے زیادہ اس لحاظ سے لمبے ہاتھ والی تھیں
کہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھیں اور صدقہ و خیرات کرتی تھیں۔"

امہات المومنین میں سے سرکار دوعالم کے بعد سب سے پہلے آپ کا انتقال ہوا۔ آپ خلافت فاروقی میں 20ھ میں راہی ملک بقا ہوئیں۔ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع میں آپ کا مزار پر انوار ہے۔(1)

رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وَعَنْ سَآئِرِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَرْضَاهُنَّ
عَنَّا وَجَزَاهُنَّ عَنِ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ

آپ سے سرکار دوعالم علیہ کے نکاح کا ایک تاریخی پس منظر ہے جو شرعی، معاشرتی اور اخلاقی نقطہ نظر سے بہت اہم ہے۔ اس لئے ہم ضیاء القرآن کا ایک اقتباس ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ امید ہے اس کے مطالعہ سے آپ مستفید ہوں گے۔

"جو رسمیں کسی معاشرے میں جڑ پکڑتی ہیں، لوگ ان کے اتنے گرویدہ ہو جاتے ہیں کہ ان سے دستکش ہونا پسند نہیں کرتے۔ خواہ وہ رسمیں لغو اور بیہودہ کیوں نہ ہوں۔ عوام الناس تو محض قدامت پسندی اور کورانہ تقلید کے باعث ان رسوم کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور اہل دانش و فہم اس خوف سے ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرتے کہ اس طرح ان کا معاشرتی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ قوم ذہنی انتشار میں مبتلا ہو جائے گی۔ اور لاقانونیت پھیل جائے گی۔ اس لئے عوام اپنے نقطہ نظر سے اور خواص اپنے اندیشوں کے باعث مروجہ رسوم کو نہیں چھیڑتے اور اگر کوئی شخص ان میں ردوبدل اور اصلاح کی کوشش کرتا ہے تو اس کے خلاف مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ عرب میں دیگر لغو رسموں کے علاوہ یہ بیہودہ رسم بھی تھی کہ جب کوئی شخص کسی کو اپنا متبنیٰ بنالیتا تو اسے وہی حقوق حاصل ہو جاتے جو حقیقی فرزند کو حاصل ہوتے۔ وہ متبنیٰ بنانے والے کے مرنے کے بعد اس کا وارث ہوتا۔ اس کی زوجہ کی بھی وہی حیثیت ہوتی جو سگے بیٹے کی بیوی کی ہوتی۔ وہ اجنبی لڑکا اس قبیلہ کا فرد شمار ہونے لگتا۔ اس طرح اس رسم کے باعث طرح طرح کی خرابیاں مرتب ہو رہی تھیں۔ نسب میں خلط ہو رہا تھا۔ بیٹا وہ کسی کا ہوتا لیکن متبنیٰ بننے سے اپنے خاندان سے کٹ جاتا اور دوسرے خاندان کا فرد شمار ہوتا۔ اگر کسی کی حقیقی اولاد نہ ہو تو اس کے دوسرے

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویۃ"، جلد 3، صفحہ 271-284

قریبی رشتہ دار اس کے مال متروکہ کے حق دار بنتے ہیں۔ لیکن متبنٰی ہونے کی صورت میں یہ اجنبی بچہ ان کے سارے حقوق کو غصب کر لیتا اور خونی اور نسبی قرابت رکھنے والے قریبی رشتہ دار بھائی اور بھتیجے محروم کر دیئے جاتے یہ صریح ظلم تھا۔ پھر ایسے متبنٰی کی بہو کے ساتھ اگر بعینہ وہی سلوک کیا جائے تو حرمت مصاہرت کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ متبنٰی بنانے والے پر اس کے متبنٰی کی بیوی حرام، اس کی بیوی کی ماں حرام، اگر کوئی اس کی بیٹی ہو تو وہ حرام۔ یہ عورتیں جن سے نکاح حلال ہے، ان سے اس رسم کے باعث نکاح حرام ہو جاتا تھا۔ اس جاہلانہ رسم سے طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو رہی تھیں اور معاشرہ گونا گوں مشکلات میں مبتلا تھا۔ لیکن سماج کے اس رواج کی اصلاح کرنے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر رحم فرماتے ہوئے جب حضور اکرم ﷺ کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا تو حضور نے ان تمام رسوم و رواج کو ختم کر دیا۔ اگر حضور ﷺ سوسائٹی کے دباؤ کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسا جرأت مندانہ اقدام نہ فرماتے تو اور کون اصلاح کرتا۔ اگر یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل جاتا تو قیامت تک ان محرومیوں کا سلسلہ جاری رہتا۔

سورہ پاک کے آغاز میں حکم دیا کہ متبنٰی تمہارا حقیقی بیٹا نہیں۔ یوں ہی صرف زبان ہلا دینے سے کسی کا بیٹا، اپنا بیٹا نہیں بن سکتا۔ اس لئے نہ ان کو اپنا بیٹا سمجھو، نہ زبان سے اس کی فرزندی کی نسبت اپنی طرف کرو۔ اس ارشاد پر عمل کی ابتداء بھی ذات رسالت مآب سے ہوئی۔ حضرت زید جنہیں زید بن محمد (ﷺ) کہہ کر پکارا جاتا تھا، اب پھر اپنے حقیقی باپ کی طرف منسوب ہو کر زید بن حارثہ کہے جانے لگے۔

لیکن ابھی تک اس رسم و رواج کے کئی غلط اثرات باقی تھے جن کے متعلق قوم کے جذبات از حد حساس واقع ہوئے تھے، ان کے خلاف سوچنا بھی ان کے اختیار میں نہ تھا۔ اپنے متبنٰی کی زوجہ ان کے نزدیک بعینہ اس حیثیت کی مالک تھی جو اپنے حقیقی بیٹے کی بہو کی حیثیت تھی۔ عرب کا قانون بھی اپنے بیٹے کی بیوی مطلقہ ہو یا بیوہ سے نکاح کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ قرآن نے بھی اس کی حرمت کو برقرار رکھا۔ متبنٰی کی بیوی کی حیثیت بھی وہی تھی، اس کے حرام ہونے میں انہیں قطعاً کوئی شبہ نہ تھا۔ اسلام نے اس قبیح رسم اور اس پر مترتب ہونے والے نتائج کو منسوخ کر دیا۔ جب حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دے دی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق انہیں اپنی زوجیت

کا شرف بخشا۔ اس طرح اس رسم بد پر کاری ضرب لگا کر ہمیشہ کے لئے اس کا خاتمہ کر دیا۔"(1)

واقعہ کی صحیح صورت تو یہ ہے جو آپ کے سامنے بلا کم و کاست پیش کر دی گئی۔ لیکن یورپ کے متعصب اور تنگ نظر پادریوں نے جنہوں نے دنیا کو دھوکا دینے کے لئے مؤرخ، محقق اور مستشرق کا لباس اوڑھ رکھا ہے، تاریخ اسلام کے اس سادہ سے واقعے کو یوں اچھالا اور اسے ایسا رنگ دیا کہ اچھے اچھے سمجھ داران کے دام فریب میں پھنس گئے اور دولت ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آیئے! قرآن کریم کے کلمات طیبات کو سمجھنے کی کوشش کریں اور جہاں جہاں انہوں نے ٹھوکر کھائی یا دانستہ اپنی بد باطنی کا مظاہرہ کیا ہے، اس کی نشاندہی کریں تاکہ حقیقت اپنی رعنائیوں کے ساتھ آشکارا ہو جائے۔

بعض غلط اور بالکل باطل روایات کا سہارا لے کر یہ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت زینب کا نکاح حضرت زید سے ہو گیا۔ تو ایک روز اچانک حضور ان کے گھر تشریف لے گئے وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ حضرت زینب بے دھیانی کے عالم میں بیٹھی تھیں۔ اچانک جب ان پر نظر پڑی تو حضور ان پر فریفتہ ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے "سُبْحَانَ اللهِ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ" پاک ہے دلوں کو بدلنے والا۔" یہ آواز حضرت زینب نے سن لی۔ زید آئے تو ساری بات کہہ سنائی۔ حضرت زید نے یوں ہی مناسب سمجھا کہ وہ اپنی زوجہ کو طلاق دے دیں تاکہ حضور ان سے نکاح کر سکیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ حضور نے زبان سے تو یہ فرمایا کہ زید اپنی زوجہ کو طلاق نہ دے اور اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ لیکن حضور کی دلی خواہش یہی تھی کہ زید طلاق دے دے تو حضور ان سے نکاح کریں۔ محض ظاہر داری کے طور پر نبی کریم نے انہیں طلاق دینے سے منع فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر عتاب فرمایا اور کہا کہ تم زبان سے کچھ کہہ رہے ہو اور دل میں کچھ چھپاتے ہو۔ میں تمہارے دل کے پوشیدہ رازوں کو ظاہر کر دوں گا۔ چنانچہ ان بد باطنوں نے اس آیت کے ان جملوں اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللهُ مُبْدِيْهِ کے یہی معنی لئے ہیں اور اپنی خبث باطنی کے باعث بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات میں گستاخی کی جرأت کی ہے۔

1۔ تفسیر "ضیاء القرآن"، جلد 4، صفحہ 60

دل ہر گز برداشت نہیں کرتا کہ ان کی اس یاوہ گوئی کو لکھنے کی جرأت کرے لیکن جب تک اسے لکھا نہ جاتا، اس کارد ممکن نہ تھا۔

میں آپ کو ایک عقیدت مند کی حیثیت سے نہیں ایک حقیقت پسند کی حیثیت سے ان کی اس ہرزہ سرائی میں غور کرنے کی دعوت دیتا ہوں، صداقت خود بخود نکھر کر سامنے آ جائے گی۔

اگر حضرت زینب ایک اجنبی خاتون ہوتیں، کسی غیر قبیلہ کی فرد ہوتیں جنہیں حضور نے کبھی نہ دیکھا ہوتا، تو پھر ان کی اس بے سروپا حکایت کو ماننے کی وجہ بھی ہوتی کہ اچانک دیکھا اور دل میں ان کی خوبصورتی کو دیکھ کر جذبہ الفت پیدا ہوا۔ حالانکہ واقعہ ایسا نہیں۔ آپ حضور کی پھوپھی زاد ہیں اور حضرت عبد المطلب کی نواسی ہیں۔ حضور کے سامنے ولادت ہوئی اور حضور کے گھر کے صحن میں ان کا بچپن گزرا۔ حضور کی آنکھوں کے سامنے وہ جوان ہوئیں۔ صبح و شام اپنی پھوپھی کے ہاں آمد و رفت رہتی۔ کونسی ایسی بات تھی جس کا حضور کو علم نہ تھا۔ ان کی زندگی کا کون سا ایسا پہلو تھا جو حضور پر مخفی تھا اور اس روز اچانک آشکارا ہوا اور محبت کا طوفان امڈ آیا۔ نعوذ باللہ

اور سنئے۔ حضرت زینب ان سعادت مند خواتین میں سے تھیں جو اسلام کے ابتدائی دور میں ایمان سے مشرف ہوئیں۔ پھر حضور کی ہجرت کے بعد مکہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ میں آگئیں۔

مزید غور فرمائیے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں حضرت زید کے لئے شادی کا پیغام بھیجا تو انہوں نے اور ان کے بھائی نے یہ خیال کیا کہ حضور اپنی ذات اقدس کے لئے رشتہ طلب فرما رہے ہیں، اس خیال کے پیش نظر انہوں نے بطیب خاطر بصد مسرت اس پیغام کو قبول کیا۔ لیکن جب پتہ چلا کہ یہ پیغام زید کے لئے تھا، تو پھر وہ صورت حالات پیدا ہوئی جس کا ذکر ابھی گزر چکا ہے۔

جب حقیقت حال یہ ہے تو کوئی غیرت مند اور حقیقت پسند شخص اس داستان سراپا ہذیان کو قبول نہیں کر سکتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ جب حضرت زینب کنواری تھیں اور حضور کے حرم کی زینت بننے کو اپنے لئے اور اپنے کنبہ کے لئے باعث صد عزت محسوس کرتی تھیں، اس وقت تو حضور کے دل میں کوئی کشش پیدا نہ ہوئی اور جب ایک سال سے زائد عرصہ آپ کے آزاد کردہ غلام کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کر چکیں تو اچانک یہ

صورت پیدا ہو گئی جو ان عقل کے اندھوں کو نظر آنے لگی۔

آپ پوچھ سکتے ہیں کہ پھر قرآن کریم کے ان جملوں کا مطلب کیا ہے۔

۱۔ اَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ "حضور کو یہ فرمانے کی کیا وجہ تھی؟

2۔ تُخۡفِيۡ فِيۡ نَفۡسِكَ "وہ کیا بات تھی جسے حضور اپنے دل میں چھپانا چاہتے تھے۔"

3۔ تَخۡشَى النَّاسَ کے معنی کیا ہیں۔ "حضور لوگوں سے کیوں خوف فرما رہے تھے؟

آیئے یہ بھی سن لیجئے تاکہ آپ کے دل کی ہر خلش دور ہو جائے۔ بفضلہٖ تعالیٰ۔

حضرت زینب نے ارشاد نبوی کے مطابق حضرت زید سے نکاح تو کر لیا تھا لیکن مزاج اور طبیعت کا تفاوت قائم رہا۔ آپ کو اپنے عالی خاندان اور شریف النسب ہونے پر جو فخر تھا، اس سے ان کی خانگی زندگی تلخیوں سے دوچار ہوتی رہتی تھی۔ وہ اپنے خاوند کے ساتھ وہ سلوک روا نہ رکھتیں جو روا رکھنا چاہئے تھا۔ تلخ کلامی اور تو تو، میں میں کی نوبت اکثر آتی رہتی تھی۔ حضرت زید بھی غیرت مند جوان تھے۔ وہ آئے دن کی یہ بے عزتی اور تذلیل برداشت کرتے کرتے تھک گئے تھے، ان کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے ان کی ساری کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ سال بھر کی ترش کلامی کے باعث زید دل برداشتہ ہو گئے۔ باہمی مؤدت والفت کی جگہ شدید نفرت نے لے لی اور طلاق کے بغیر اس الجھن کا انہیں کوئی حل نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن نکاح حضور ﷺ نے خود کیا تھا، اس لئے ان کی یہ مجال نہ تھی کہ چپکے سے طلاق دے کر انہیں فارغ کر دیتے۔ حضور کی خدمت میں عرض کرنا ضروری تھا، چنانچہ حاضر ہوئے اور اپنی ساری بپتا کہہ سنائی۔ حضور کو بھی زید کے اس ارادے سے بڑی تشویش ہوئی اور یہ بالکل قدرتی عمل تھا۔ کل اتنا مجبور کر کے نکاح کیا اور آج زید نے طلاق دے دی، لوگ کیا کہیں گے۔ چنانچہ حضور نے انہیں یہی سمجھایا کہ تم طلاق دینے سے باز آؤ اور اس معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ کل میں نے بڑے شوق سے تمہارا نکاح کیا ہے۔ آج اگر تم طلاق دے دو تو حضرت زینب اور ان کے عزیزوں کی دل شکنی ہو گی لیکن حضرت زید کے لئے یہ ممکن نہ رہا تھا، اصلاح احوال کے لئے انہوں نے سارے جتن کئے تھے اور ہر امکانی کوشش کی تھی، لیکن حضرت زینب کے مزاج کو بدلنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اس جملہ سے یہ معنی اخذ کرنا کہ حضور محض ظاہر داری کی وجہ سے یہ فرما رہے تھے انسانیت، شرافت اور حقیقت حال کے ساتھ بہت بڑی بے انصافی ہے۔ بلکہ اس جملہ کا یہ مفہوم ہے جو میں نے عرض کیا۔ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ پر ان عیاروں نے بڑی لے دے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس چیز کو چھپا رہے تھے، وہ حضرت زینب سے محبت تھی، لیکن ان کی اس ہرزہ سرائی کو آیت کا اگلا حصہ باطل کر دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ یعنی آپ وہ چیز دل میں چھپا رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے۔ معلوم ہوا جسے حضور چھپا رہے تھے، وہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔ اب آپ یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس چیز کو ظاہر فرمایا ہے تو جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا وہی وہ چیز ہے جس کو حضور چھپا رہے تھے ۔اس کے علاوہ کسی اور چیز کا تصور کرنا باطل، کذب اور محض افتراء ہے۔ خود بتائیے کسی جگہ اللہ تعالیٰ نے اس عشق و محبت کو ظاہر کیا، صراحۃً نہ سہی کنایۃً، لفظاً نہ سہی اشارۃً اگر ایسی کسی بات کا نام و نشان نہیں تو پھر تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ کے یہ معنی بیان کرنا جو ان لوگوں نے کیے ہیں، کتنی بڑی گستاخی ہے۔

وہ بات جسے حضور چھپا رہے تھے اور جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا، وہ کیا تھی۔ اس کے متعلق وضاحت سیدنا امام زین العابدین علی بن حسین علیہ وعلیٰ ابیہ وجدہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے اس بیان سے ہوتی ہے:

"اَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی مَآ اَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی بِہٖ اَنَّ زَیْنَبَ سَیُطَلِّقُھَا زَیْدٌ وَتَتَزَوَّجُھَا بَعْدَہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اِلٰی ھٰذَا ذَھَبَ اَھْلُ التَّحْقِیْقِ مِنَ الْمُفَسِّرِیْنَ کَالزُّھْرِیِّ وَبَکْرِ بْنِ عَلَاءِ وَالْقُشَیْرِیِّ وَالْقَاضِیْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ الْعَرَبِیِّ وَغَیْرِھِمْ۔" (1)

"یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر یہ وحی فرمائی تھی کہ زید حضرت زینب کو طلاق دے دیں گے اور آپ ان سے نکاح فرمائیں گے۔ مفسرین میں سے اہل تحقیق کا یہی قول ہے۔"

کیونکہ یہی وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زَوَّجْنٰکَھَا سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کی حکمت بھی خود ہی بیان فرمادی کہ پہلے جو رسم چلی آرہی ہے کہ اپنے متبنیٰ کی زوجہ سے نکاح حرام

1۔ علامہ قرطبی روح المعانی

ہے، اس کا خاتمہ کر دیا جائے تا کہ لوگ اس رسم قبیح کے باعث جن پریشانیوں سے دو چار ہیں، ان کا ازالہ ہو سکے۔

ایک بار پھر وَتَخْشَى النَّاسَ کے کلمات پر بھی غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو بتا دیا کہ اس رسم بد کو ختم کرنے کے لئے اس کا فیصلہ یہ ہے کہ زید طلاق دے گا اور آپ ان سے نکاح کریں گے۔ حضور جانتے تھے کہ کفار و منافقین اس پر بہتان طرازی کا طوفان برپا کر دیں گے۔ حقیقت کو مسخ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کریں گے اور پراپیگنڈہ کا جو مؤثر موقع انہیں ملا ہے، اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔ ان کی زبان درازیوں کے باعث ہو سکتا تھا کہ بعض کمزور ایمان والے پھسل جائیں۔ یہ اندیشہ تھا جو حضور دل ہی دل میں محسوس فرما رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند نہیں کہ ایسے اندیشوں کو اس کا محبوب رسول پر کاہ کی بھی وقعت دے۔ جھوٹ کے طوفان باندھنے والے، باندھا کریں۔ دین اسلام کا پرچم سرنگوں نہیں ہوگا۔ حضور کی عزت و عظمت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اگر کوئی بدبخت ان کی ہرزہ سرائی سے متاثر ہو کر اسلام سے اپنا رشتہ توڑتا ہے۔ تو آپ کو میرے محبوب! کیا پروا ایک بار نہیں سو بار انہیں روٹھنے دو۔ اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا کا مطلب یہ ہے کہ جب زید طلاق دے دے اور وہ عدت گزار لیں اور زید کا ان کے ساتھ رابطہ کلی طور پر منقطع ہو جائے۔ اس کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ زید حضرت زینب کو طلاق دینے کے لئے بڑے بے چین ہیں، وہ اپنی اس خواہش کو پورا کر لیں۔ قَضَاءُ الْوَطَرِ كِنَايَةٌ عَنِ الطَّلَاقِ آخر میں ایک چیز کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ تم خواہ مخواہ یورپ کے مستشرقین اور مؤرخین پر برس رہے ہو۔ یہ باتیں انہوں نے اپنے پاس سے تو نہیں گھڑیں، تفسیر کی کتابوں میں ایسی روایتیں موجود ہیں، اس میں ان کا کیا قصور؟

جواباً گزارش ہے کہ علماء کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ہر روایت قابل قبول نہیں۔ صرف وہ روایت ہی مقبول ہے جو نقد و بحث کی کسوٹی پر پوری اترے۔ ہمارے علماء محققین نے اس روایت کو مسترد کر دیا ہے۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

ذَكَرَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ وَابْنُ جَرِيرٍ هٰهُنَا آثَارًا عَنْ بَعْضِ السَّلَفِ أَحْبَبْنَا أَنْ نَضْرِبَ عَنْهَا صَفْحًا لِعَدَمِ صِحَّتِهَا فَلَا نُورِدُهَا۔

کہ "بعض علماء نے یہاں کئی روایتیں نقل کی ہیں لیکن وہ صحیح نہیں، اس

لئے ہم ان کا ذکر نہیں کرتے۔"

علامہ ابن حیان الاندلسی نے لکھا ہے کہ

لِبَعْضِ الْمُفَسِّرِیْنَ کَلَامٌ فِی الْاٰیَۃِ یَقْتَضِی النَّقْصَ مِنْ مَنْصَبِ النُّبُوَّۃِ ضَرَبْنَا عَنْہُ صَفْحًا۔

"بعض مفسرین نے یہاں ایسی باتیں کی ہیں جو شان رسالت کے منافی ہیں، اس لئے ہم نے ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔"

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

اَمَّا مَا رُوِیَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ھَوٰی زَیْنَبَ امْرَاَۃَ زَیْدٍ وَرُبَّمَا اَطْلَقَ بَعْضُ الْمُجَّانِ لَفْظَ عِشْقٍ فَھٰذَا اِنَّمَا یَصْدُرُ عَنْ جَاھِلٍ بِعِصْمَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ عَلٰی مِثْلِ ھٰذَا اَوْ مُسْتَخِفٍ بِحُرْمَتِہٖ

"یہاں جو افسانہ گھڑا گیا ہے یہ ان لوگوں کی طرف سے ہے جنہیں نبی کریم کی عصمت کا علم نہیں ہے یا انہوں نے دانستہ شان نبوت کو گھٹانے کی کوشش کی۔" علامہ آلوسی کی بھی یہی رائے ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا، اس پر عمل ضروری تھا۔ چنانچہ اس کے رسول مقبول ﷺ نے اس کی تعمیل کر کے اس جاہلانہ رسم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر کے رکھ دیا۔(1)

حضرت ام حبیبہ مشکوئے نبوت میں

ابو سفیان اور اس کی بیوی ہندہ، اسلام کے بدترین دشمنوں میں سے تھے لیکن ان کے گھر میں پیدا ہونے والی اور ان کے آغوش میں نشوونما پانے والی ام حبیبہ ان خوش بخت خواتین میں سے تھیں جنہوں نے اسلام کے بالکل ابتدائی ایام میں نور ایمان سے اپنے دل اور اپنے سینہ کو منور کیا۔ یہ اپنے خاوند عبید اللہ بن جحش کے ہمراہ ہجرت کر کے حبشہ گئیں۔ کچھ عرصہ بعد عبید اللہ مرتد ہو کر عیسائی بن گیا اور وہیں مر گیا لیکن ام حبیبہ اپنے ایمان پر ثابت رہیں۔ 5 ہجری میں حضور سرور عالم ﷺ نے اپنے بدترین دشمن ابو سفیان کی بیٹی کی

1۔ تفسیر "ضیاء القرآن"، جلد 4، صفحہ 61-64

بیوگی اور غریب الوطنی پر ترس کھاتے ہوئے نجاشی شاہ حبشہ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ ام حبیبہ کا نکاح حضور کے ساتھ پڑھا جائے۔ اس واقعہ کو آپ اسی نیک بخت خاتون کی زبان سے سنئے فرماتی ہیں:

ایک روز میں اپنے مکان میں بیٹھی تھی کہ نجاشی کی لونڈی جس کا نام ابرہہ تھا، اس کا پیغام لے کر میرے پاس آئی۔ یہ خادمہ نجاشی کا لباس تبدیل کراتی، اس کے بالوں میں تیل ڈالتی اور کنگھی کیا کرتی۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا اندر آنے کا اذن طلب کیا، میں نے اس کو اجازت دی۔ وہ آئی اور آکر اس نے مجھے کہا کہ مجھے بادشاہ نے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میری طرف تحریر فرمایا ہے کہ میں آپ کا نکاح حضور کے ساتھ کر دوں۔ اب آپ کسی کو وکیل مقرر کریں جو آپ کی طرف سے نکاح کی قبولیت کرے۔ یہ پیغام سن کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میں نے اسے دعائیں دیں اور یہ خوشخبری لانے کی خوشی میں میں نے اپنے دو کڑے، چاندی کی پازیبیں اور انگوٹھیاں اتار کر اسے دے دیں اور خالد بن سعید بن عاص کو اپنا وکیل مقرر کر دیا۔

عشاء کے وقت نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب اور دیگر مسلمانوں کو اپنے پاس بلایا، خود خطبہ نکاح پڑھا اور چار سو دینار مہر مقرر کیا۔ کئی دینار حاضرین مجلس پر نچھاور کئے اور مہر کی رقم خالد بن سعید کے حوالے کی اس کے بعد جب یہ حضرات اٹھ کر جانے لگے تو نجاشی نے کہا، تشریف رکھئے! انبیاء کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد کھانا تناول کیا جاتا ہے۔ چنانچہ دستر خوان بچھایا گیا اس پر کھانا چنا گیا، سب نے کھایا اور رخصت ہو گئے۔ امام بیہقی نے متعدد علماء کے حوالہ سے اس کی تاریخ ۶ ہجری رقم کی جبکہ بعض نے 7 ہجری لکھی ہے۔ امام بیہقی نے یہ آخری قول لکھنے کے بعد تحریر کیا ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان ذی شان کو عملی جامہ پہنا کر جن دلوں میں نبی الانبیاء اور ان کے حلقہ بگوشوں کیلئے بغض و عناد کے انگارے دہک رہے تھے، انہیں محبت و اخوت کے گلہائے رنگین میں بدلنے کا آغاز فرما دیا۔ ارشاد الٰہی ہے:

عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۚ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (1)

1۔ سورۃ الممتحنۃ 7

"یقیناً اللہ تعالیٰ پیدا فرمادے گا تمہارے درمیان اوران کے درمیان
جن سے تم (اس کی رضا کے لئے) دشمنی رکھتے ہو محبت۔ اللہ تعالیٰ بڑی
قدرت والا اور غفور رحیم ہے۔"

آپ کی تاریخ وفات کے بارے میں بھی دو روایتیں ہیں:۔
ایک روایت کے مطابق آپ کا انتقال 44 ہجری میں ہوا۔اس کے راوی ابو عبیدہ القاسم بن سلام ہیں جبکہ دوسری روایت کے مطابق آپ کی وفات 59ھ میں ہوئی۔اس کے راوی ابو بکر بن ابی خیثمہ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

چند دوسرے واقعات جو 5 ہجری میں وقوع پذیر ہوئے

ان کا مختصر تذکرہ

غزوۂ دومتہ الجندل کے سلسلہ میں حضور نبی کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ سے باہر تھے تو حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ ماجدہ ام سعد کا انتقال ہو گیا رضی اللہ عنہا۔ یہ وہ خوش بخت خاتون تھی جس نے مکہ مکرمہ میں حاضر ہو کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ جب سرکار دو عالم واپس تشریف لائے تو آپ اپنی مخلص خادمہ کی مرقد پر تشریف لے گئے اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ اپنے آقا اور اپنے نبی کو سر بالیں دیکھ کر اس خلد آشیانی کی مسرت کا کیا عالم ہو گا حضرت امیر خسرو نے شائد اسی منظر سے متاثر ہو کر یہ کہا تھا۔

کشتہ کہ عشق دارد نگذاردت بدیں سا   بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

ان کے فرزند ارجمند حضرت سعد نے عرض کی یا رسول اللہ! میری والدہ اچانک وفات پا گئیں، اگر انہیں بات کرنے کی مہلت ملتی تو ضرور صدقہ کرتیں۔ کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کروں۔ حضور نے فرمایا، ہاں صدقہ کرو۔ پھر پوچھا اَیُّ الصَّدَقَۃِ اَفْضَلُ "کس صدقہ میں زیادہ فضیلت ہے۔" فرمایا، پانی۔ چنانچہ انہوں نے کنواں کھدوایا اور کہا ھٰذِہٖ لِاُمِّ سَعْدٍ "یہ کنواں ام سعد کا کنواں ہے۔"

اس ایک روایت سے میت کیلئے صدقہ کے بارے میں سارے شبہات کا رد ہو گیا۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس کے لئے صدقہ کیا جائے، اگر اس چیز پر اس شخص کا نام لیا جائے یا اس شخص کے نام سے اسے شہرت مل جائے تو وہ چیز حرام نہیں ہوتی جس طرح کہ بعض

حضرات کو غلط فہمی لاحق ہے۔

وفد بلال بن حارث کی آمد

قبیلہ مزینہ کا ایک سردار بلال بن حارث اپنے چودہ ساتھیوں کے ہمراہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کر کے نعمت ایمان سے مالامال ہوا۔ بیرونی علاقوں سے آنے والے وفود میں یہ سب سے پہلا وفد تھا جس کو یہ سعادت ارزانی ہوئی۔ ضروریات دین کی تعلیم سے انہیں بہرہ ور کرنے کے بعد نبی اکرم نے فرمایا:

اِرْجِعُوْا فَاَيْنَمَا تَكُوْنُوْا فَاَنْتُمْ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ (1)

"اپنے وطن واپس چلے جاؤ تم جہاں بھی رہو گے تمہارا شمار مہاجرین کے خوش نصیب زمرہ میں ہوگا۔"

زلزلہ

اس سال مدینہ طیبہ میں زلزلہ آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَسْتَعْتِبُكُمْ فَاَعْتِبُوْهُ (2) "اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ تم توبہ کر کے اس کو راضی کرو۔ پس تم اس کو راضی کرو۔"

گھڑ دوڑ

اہلِ عرب کے پاس دو قسم کے گھوڑے ہوتے تھے، ایک عام قسم کے اور دوسرے خاص قسم کے جنہیں ایک خاص طریقہ سے لمبی دوڑ کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ گھوڑے کو ایک جگہ باندھ دیا جاتا اور اس کو خوب خوراک کھلائی جاتی یہاں تک کہ وہ خوب موٹا تازہ ہو جاتا۔ پھر اس کی خوراک اور پانی میں تدریجی طور پر کمی کی جاتی اور اس کو دوڑانا شروع کر دیتے۔ پہلے تھوڑے فاصلہ تک پھر آہستہ آہستہ فاصلہ بڑھاتے جاتے یہاں تک کہ وہ دبلا پتلا ہو جاتا۔

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 1، صفحہ 470

2۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 502

شہسوار لامکاں ﷺ خود بھی گھوڑوں سے بہت محبت کرتے اور اس کی سواری کو بہت پسند فرماتے اور صحابہ کرام کے دلوں میں بھی مختلف طریقوں سے ان گھوڑوں کو پالنے کا شوق پیدا کرتے۔ بسا اوقات گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ کرایا جاتا اور سب شوقین حضرات کو اس میں شرکت کی دعوت دی جاتی۔ اس قسم کی ایک گھڑ دوڑ اس سال بھی منعقد ہوئی۔ مضمر (تیار کردہ) گھوڑوں کی دوڑ کے لئے حفیا سے ثنیۃ الوداع سے مسجد زریق کا فاصلہ مقرر تھا جو تقریباً ایک میل تھا۔ اونٹوں کی دوڑ کے مقابلے بھی ہوتے تھے۔ سرور انبیاء کی ایک ناقہ تھی جس کا نام عضباء تھا، دوڑ میں وہ ہمیشہ سب سے آگے ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک بدو اپنے جواں اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور مقابلہ میں شریک ہوا۔ یہ اونٹ عضباء سے بازی لے گیا۔ مسلمانوں کو اس بات کا بڑا رنج ہوا۔ نبی رحمت ﷺ نے یہ فرما کر سب کے رنج و غم کو دور کر دیا:

حَقٌّ عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی اَنْ لَّا یَرْتَفِعَ شَیْءٌ مِّنَ الدُّنْیَا اِلَّا وَضَعَہٗ (1)

"اللہ تعالیٰ کو حق پہنچتا ہے کہ جو چیز اس دنیا میں اونچی ہو اس کو نیچا کرے۔"

فرضیت حج

حج کی فرضیت کا حکم کب نازل ہوا۔ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ 5 ہجری میں اس کی فرضیت کا حکم نازل ہوا۔ صاحب "تاریخ الخمیس" نے اس کو اصح الاقوال کہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس فرض کی ادائیگی کو بلا عذر 10 ہجری تک مؤخر فرمایا۔ ۷ ہجری میں قضائے عمرہ کیلئے تشریف لے گئے۔ عمرہ کر کے واپس تشریف لائے، حج ادا نہیں کیا۔ ماہ رمضان 8 ہجری میں مکہ مکرمہ فتح ہوا لیکن حج ادا نہیں کیا۔ 9 ہجری میں حضرت صدیق کو امیر الحج بنا کر بھیجا خود تشریف نہیں لے گئے۔ 10 ہجری میں حجۃ الوداع ادا فرمایا۔

بعض کی رائے یہ ہے کہ حج کی فرضیت کا حکم 6 ہجری میں نازل ہوا۔ امام رافعی اور امام نووی نے اسی قول کو صحیح کہا ہے۔

جمہور علماء کی بھی یہی رائے ہے۔ بعض نے ۷ ہجری، بعض نے ۸ ہجری اور بعض نے

1۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 503

9 ہجری کے بارے میں کہا ہے۔(1)

اس کے بارے میں مزید تحقیق اپنے مقام پر بیان کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

چاند گرہن

اسی سال 5 ہجری ماہ جمادی الثانی میں چاند کو گرہن لگا۔ یہود نے تانبے کے برتنوں کو کاٹنا شروع کر دیا اور کہنے لگے کہ چاند کو جادو کر دیا گیا ہے۔ اس لئے اس کی روشنی سلب ہو گئی ہے۔ لیکن حقائق سے پردہ اٹھانے والے نبی صادق ﷺ نے ان لغویات کے بجائے اپنی امت کو صلوٰۃ الخسوف پڑھنے کا حکم دیا۔ اس وقت حضور نے خود نماز خسوف کی امامت کرائی، صحابہ کرام نے اپنے آقا کی اقتدا میں یہ نماز ادا کی اور اس کے بعد مسلمانوں کا یہ معمول ہو گیا کہ جب بھی چاند کو گرہن لگتا تو وہ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو کر نماز ادا کرتے۔ اس طرح صلوٰۃ الخسوف کا آغاز 5 ہجری ماہ جمادی الثانی سے ہوا۔

1۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 502

ہجرت کا سالِ ششم

ہجرت کا چھٹا سال

اس سال میں پیش آنے والے اہم واقعات

1۔ غزوہ بنی لحیان
2۔ غزوہ ذی قرد یا غزوۃ الغابۃ
3۔ سریہ محمد بن مسلمہ الاشہلی
4۔ ثمامہ بن آثال کی آمد اور قبول اسلام
5۔ سریہ عکاشہ بن محصن الاسدی
6۔ سریہ محمد بن مسلمہ ذی القصہ
7۔ سریہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ
8۔ سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عیص کی طرف
9۔ سریہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
10۔ سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جموم کی طرف
11۔ سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ الطرف کی جانب
12۔ سریہ کرز بن جابر
13۔ سریہ سیدنا علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
14۔ سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام قرفہ کی طرف

غزوہ بنی لحیان

یہ وہی قبیلہ ہے جس کا ایک وفد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور گزارش کی تھی کہ ان کے قبیلہ میں تبلیغ اسلام کیلئے چند مبلغ ان کے ہمراہ بھیجے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں توقع ہے کہ ان کا وعظ سن کر ہمارے قبیلہ کی کثیر تعداد اسلام قبول کرلے گی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے چھ چیدہ افراد ان کے ہمراہ روانہ فرمائے۔ یہ ایک فریب تھا ان کا، اصلی مقصد تو یہ تھا کہ وہ انہیں لے جا کر قیدی بنالیں گے اور مکہ لے جا کر ان کو گراں قیمت پر فروخت کر دیں گے۔ اس طرح کافی

رقم ان کے ہاتھ آجائے گی۔

ان حضرات کو لے جاکر ان ظالموں نے جو وحشیانہ سلوک کیا، اس کی تفصیلات آپ حادثہ رجیع کے عنوان کے ضمن میں پڑھ آئے ہیں۔ اس المناک حادثہ کے بعد رحمت عالم ﷺ کو پے در پے ایسی مصروفیتیں رہیں کہ ان دھوکہ بازوں کی گوشمالی کی طرف توجہ مبذول نہ ہو سکی۔ غزوہ خندق اور غزوہ بنو قریظہ سے 5 ہجری کے آخری مہینہ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں فراغت ہوئی۔ اس کے بعد چھ ماہ کا عرصہ مدینہ طیبہ میں گزرا۔ یہ عرصہ فرزندان اسلام کی تعلیم و تربیت میں صرف ہوا۔ وعظ و ارشاد اور ذکر الٰہی کی محفلیں منعقد کر کے ان کے تزکیہ نفس کا اہتمام کیا جاتا رہا۔ اس کام کی اہمیت کا آپ اس بات سے بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سرور کون و مکان نے ظاہری دشمنوں کے ساتھ جنگ و قتال کو جہاد اصغر اور نفس کی اصلاح کیلئے جدوجہد کو جہاد اکبر فرمایا ہے۔ چنانچہ چھ ماہ کی یہ مدت نبوت کے اس اہم ترین فریضہ کو انجام دینے میں بسر ہوئی۔

اس سال ماہ جمادی الاول میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دو سو جاں نثاروں کو ہمراہ لے کر بنی لحیان کے انسانیت دشمن افراد کو مزا چکھانے کے لئے روانہ ہوئے۔ ظاہر یہ کیا گیا کہ اطراف شام کا قصد ہے۔ مدینہ منورہ سے اسی راستہ پر یہ لشکر روانہ ہوا جو شام کی طرف جاتا تھا۔ کافی دور جا کر حضور نے اپنا رخ بنی لحیان کے علاقہ کی طرف موڑا۔ حضور نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ مقصد یہ تھا کہ اچانک ان پر حملہ کیا جائے لیکن انہیں کسی طرح اس لشکر کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ وہ اپنی بستیوں کو چھوڑ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے اور غاروں میں چھپ گئے۔ پہاڑیوں میں ان کا تعاقب مشکل تھا اور اس لق ودق صحرا میں ان کے انتظار میں رکنا بھی مناسب نہ تھا، اس لئے سرکار دو عالم اپنے جانثاروں سمیت عسفان تشریف لے آئے اور یہاں فروکش ہو گئے۔ یہاں سے چھوٹی چھوٹی ٹولیاں اس علاقے میں بھیجی گئیں۔ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر کو دس سواروں کے ساتھ بھیجا۔ آپ کراع الغمیم تک گئے مگر کسی کافر سے سامنا نہ ہوا اور واپس تشریف لے آئے۔ اس سفر سے بظاہر وہ مقصد تو پورا نہ ہوا جس کے لئے یہ طویل اور کٹھن سفر کیا گیا تھا۔ لیکن اس علاقہ میں قیام کرنے سے بہت سے قبائل تک اسلام کا پیغام پہنچایا گیا۔ ان لوگوں کو قرآن کریم کی آیات سننے، نبی رحمت کی زیارت اور صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا ان علاقوں کے جغرافیائی حالات سے

آگاہی ہوئی اور یہاں آباد مختلف قبائل سے تعارف ہوا۔ یہ چیزیں مستقبل قریب میں اسلام کی اشاعت کے لئے بہت مفید ثابت ہوئیں۔ چودہ روز کے بعد سرور عالم ﷺ واپس تشریف لائے۔ حضور جب عسفان سے مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہونے لگے تو یہ دعا مانگی۔

آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ

"ہم لوٹ کر آنے والے ہیں، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔"

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ عَلَى الْاَهْلِ

"اے اللہ! سفر میں تو ہمارا ساتھی ہے اور ہماری غیر حاضری میں ہمارے اہل پر تو ہمارا خلیفہ ہے۔"

اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ۔

"اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں سفر کی صعوبت سے اور تکلیف دہ واپسی سے اور اپنے اہل ومال میں برے منظر سے۔"

اَللّٰهُمَّ بَلِّغْنَا بَلَاغًا صَالِحًا يَبْلُغُ اِلٰى خَيْرٍ

"یا اللہ! ہمیں نیک مقصد تک پہنچا جو ہمیں خیر تک پہنچائے۔"

مَغْفِرَةً مِّنْكَ وَرِضْوَانًا (1)

"میں تجھ سے طلب کرتا ہوں مغفرت کو اور تیری رضا کو۔"

غزوۂ ذی قرد یا غزوۃ الغابہ

عینیہ بن حصین، جب خائب وخاسر ہو کر غزوۂ خندق سے واپس آیا تو مسلمانوں سے اس کے بغض میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ جنگ میں شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا، مسلمانوں کو لوٹ کر اپنے گھر بھرنے کی امیدیں خاک میں مل گئیں نیز اس پر ایک ذاتی رنجش کا اضافہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے اسے مدینہ کی کھجوروں کا 1/3 حصہ دینے کا لالچ دیا اور اس نے مشرکین قریش کا ساتھ چھوڑ دینے کا وعدہ کر لیا مگر وہ معاہدہ بھی پایہ تکمیل کو نہ پہنچا اور عینیہ اپنے

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویۃ"، جلد 3، صفحہ 285

حلیفوں کی نظروں میں بھی ذلیل ورسوا ہوا اب وہ مسلمانوں سے اس رسوائی کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ کھلے میدان میں مقابلہ کی ہمت تو نہ ہوئی البتہ راہزنوں اور قزاقوں کے گھٹیا طرز عمل کو اپنانے پر وہ مجبور ہو گیا۔

مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلہ پر ایک چراگاہ تھی جسے "غابہ" کہا جاتا تھا، وہاں رسول اکرم ﷺ کی شیر دار اونٹنیاں چرا کرتی تھیں۔ بنی غفار قبیلہ کا ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ ان کی نگرانی کے لئے مقرر تھا۔ شام کے وقت وہ ان اونٹنیوں کا دودھ لے کر آتا اور حضور کی خدمت میں پیش کرتا۔ سرور عالم کو سفر سے واپس آئے، صرف چند راتیں ہی گزری تھیں کہ ایک روز عیینہ بن حصین نے اپنے سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ وہاں ڈاکہ مارا، اس چرواہے کو قتل کر دیا اس کی بیوی اور بیس اونٹنیوں کو ہانک کرلے گیا۔

اس واقعہ کی اطلاع سب سے پہلے سلمہ بن عمرو بن الاکوع کو ہوئی۔ اس روز یہ صبح سویرے طابا جانے کے لئے گھر سے نکلے، کمان اور ترکش کو حمائل کیا۔ طلحہ بن عبید اللہ کا ایک غلام جوان کا گھوڑا لے کر جارہا تھا وہ ان کے ہمراہ تھا۔

جب وہ ثنیۃ الوداع پر پہنچے، اس کی بلندی سے انہوں نے گھوڑے دیکھے جو ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ انہیں شک ہوا کہ یہ دشمن کے گھوڑے ہیں۔ عرب کے دستور کے مطابق انہوں نے تین مرتبہ بلند آواز سے "واصباحا" کا نعرہ لگایا۔ پھر کسی کا انتظار کئے بغیر ان گھوڑوں کی طرف دوڑ پڑے۔ آپ چیتے کی طرح برق رفتار تھے، چند لمحوں میں وہاں پہنچ گئے اور ان گھڑ سواروں پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ جب تیر مارتے تو ساتھ ہی یہ رجز پڑھتے:

خُذْهَا وَاَنَا ابْنُ الْاَكْوَعِ   اَلْيَوْمَ يَوْمُ الرُّضَّعِ

"یہ لو تیر! مجھے جانتے ہو میں کون ہوں۔ میں اکوع کا بیٹا ہوں۔ آج کا دن کمینوں اور لعینوں کی ہلاکت کا دن ہے۔"

ابن اکوع کے واصباحا کے نعرہ کی اطلاع حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی پہنچ گئی۔ حضور نے مدینہ میں اعلان کرا دیا الفزع الفزع خطرہ، خطرہ! مدد کو پہنچو، مدد کو پہنچو۔" یہ آواز سنتے ہی صحابہ کرام پروانوں کی طرح دوڑے چلے آئے۔ سب سے پہلے مقداد بن اسود پہنچے، ان کے بعد انصار میں سے بنی اشہل کے دو جوان عباد بن بشر اور سعد بن زید پہنچے۔ پھر بنو اسد

کے دو سوار عکاشہ بن محصن اور محرز بن نضرہ اور ابو قتادہ الحارث بن ربعی اور بنو زریق سے ابو عیاش حاضر خدمت ہوئے۔ حضور نے دستہ کا قائد حضرت سعد بن زید کو مقرر فرمایا۔ حکم دیا کہ تم دشمن کے تعاقب میں نکلو، میں بھی لوگوں کو لے کر تمہارے پیچھے پیچھے آرہا ہوں۔(1)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابو عیاش کو فرمایا، اے ابو عیاش! تم اپنا گھوڑا اگر اپنے سے ماہر سوار کو دے دو تو بہتر ہوگا۔ انہوں نے عرض کی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَنَا اَفْرَسُ النَّاسِ میں خود سب سے ماہر شہسوار ہوں۔ وہ خود بتاتے ہیں کہ میں نے ابھی پچاس گز کا فاصلہ طے نہیں کیا تھا کہ گھوڑے نے مجھے زمین پر پٹخ دیا۔ حضور نے ان کا گھوڑا معاذ بن ماعص کو عطا فرمادیا۔

یہ آٹھ بہادر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر برق رفتاری سے دشمن کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے جو سوار دشمن کے قریب پہنچا وہ محرز بن نضرہ اسدی تھا، اسے اخرم بھی کہا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ محمود بن مسلمہ کا گھوڑا ان کے باغ میں کھجور کے تنے کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ جب خطرہ کا اعلان ہوا اور مسلمان اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر دشمن کے تعاقب میں روانہ ہوئے تو گھوڑے ہنہنائے، یہ گھوڑا بھی ہنہنانے لگا اور کھجور کے اردگرد چکر لگانے لگا اور اپنے سموں کو زور زور سے زمین پر مارنے لگا۔ محرز پاس سے گزر رہے تھے بنی اشہل کی کسی خاتون نے کہا کہ کیا تم اس گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن کے تعاقب میں جانا پسند کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ اس خاتون نے انہیں گھوڑا پیش کیا۔ یہ اس پر سوار ہو کر روانہ ہوئے تو یہ ہوا سے باتیں کرنے لگا اور سب سے پہلے دشمن تک جا پہنچا۔ محرز بولے اے کمینی ماں کے بچو! ذرا ٹھہرو، ابھی مہاجر و انصار پہنچ رہے ہیں۔ جب مسلمان سواروں کے دستہ نے تعاقب کرتے ہوئے دشمن کو جالیا تو ابو قتادہ نے عیینہ کے بیٹے حبیب کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کی لاش کے اوپر اپنی چادر ڈال دی۔ پھر دشمن کے تعاقب میں دوڑے۔ اتنے میں حضور نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ وہاں پہنچے۔ صحابہ نے ایک لاش پر ابو قتادہ کی چادر دیکھی۔ انہوں نے انا للہ، پڑھا اور کہا، ابو قتادہ قتل ہو گئے۔ حضور نے فرمایا:

لَيْسَ بِاَبِیْ قَتَادَةَ وَلٰكِنَّهٗ قَتِيْلٌ لِاَبِیْ قَتَادَةَ (2)

1۔ ایضاً، صفحہ 286-287

2۔ "الاکتفاء"، جلد 2، صفحہ 208-209

"یہ ابو قتادہ نہیں بلکہ وہ شخص ہے جس کو ابو قتادہ نے قتل کیا ہے۔"

اس ڈھانپی ہوئی لاش سے پہلے لوگوں نے ابو قتادہ کا گھوڑا دیکھا جو گرا پڑا تھا اور اس کی کونچیں کٹی ہوئی تھیں انہیں یقین ہو گیا کہ یہ نعش یقیناً ابو قتادہ کی ہے۔ جب نبی کریم نے فرمایا کہ یہ نعش ابو قتادہ کی نہیں بلکہ قتیل ابو قتادہ کی ہے تو لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ ان کی اس حیرت کو دور کرنے کے لئے حضرت صدیق و فاروق آگے بڑھے اور چادر اٹھادی تو وہ مسعدہ کی لاش تھی۔

فَقَالَا اَللّٰهُ اَكْبَرُ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مَسْعَدَةُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ

"ان دونوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور کہا، اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے۔ اے اللہ کے رسول! یہ مسعدہ کی لاش ہے۔"

لوگوں نے بھی جواباً نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اتنے میں حضرت ابو قتادہ بھی پہنچ گئے۔ وہ ان کے سامنے ان اونٹنیوں کو اکٹھا کر کے لا رہے تھے جو ان لٹیروں نے لوٹی تھیں۔ انہیں دیکھ کر حضور نے فرمایا:

اَفْلَحَ وَجْهُكَ يَا اَبَا قَتَادَةَ : اَبُوْ قَتَادَةَ سَيِّدُ الْفُرْسَانِ۔
بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ يَا اَبَا قَتَادَةَ۔

"اے ابو قتادہ! تیرے چہرے کو اللہ تعالیٰ کامیاب کرے۔ ابو قتادہ سواروں کا سردار ہے۔ اے ابو قتادہ! اللہ تعالیٰ تجھے اپنی برکتوں سے نوازے۔"

حضور نے فرمایا اُدْنُ مِنِّیْ یَا اَبَا قَتَادَۃَ میرے نزدیک ہو جاؤ۔ میں نزدیک ہو گیا۔ حضور نے بڑی نرمی سے تیر کا پیکان میرے چہرے سے نکالا۔ پھر اپنا لعاب دھن اس پر ملا اور اپنی ہتھیلی مبارک اس پر رکھی۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں۔

فَوَالَّذِیْ اَکْرَمَ مُحَمَّدًا بِالنُّبُوَّۃِ مَا ضَرَبَ عَلَیَّ سَاعَۃً قَطُّ وَلَا قَرَحَ قَطْرَ عَلَیَّ۔

"اس ذات پاک کی قسم! جس نے میرے آقا کو نبوت سے مکرم و معزز فرمایا۔ یوں محسوس ہوتا تھا نہ مجھے کوئی چوٹ لگی ہے اور نہ مجھے کوئی زخم آیا ہے۔"

حضور نے فرمایا اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَهٗ فِي شَعْرِهٖ وَبَشَرِهٖ "یا اللہ! اس کے بالوں میں اور اس کے چہرہ کی رنگت میں برکت دے۔" آپ کا جب وصال ہوا تو آپ کی عمر ستر سال تھی لیکن یوں محسوس ہوتا تھا کہ پندرہ سال کا نوجوان ہے۔ (1)

عکاشہ بن محصن نے گھوڑا دوڑایا۔ اوبار اور اس کا بیٹا عمرو دونوں ایک اونٹ پر سوار تھے۔ عکاشہ نے ایک ہی وار سے دونوں کو نیزے میں پرو لیا۔ اور کیفر کردار تک پہنچا دیا اور ان سے کچھ اونٹنیاں چھین لیں۔ سرور عالم اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ان کے تعاقب میں چلتے رہے یہاں تک کہ ذی قرد نامی پہاڑ تک پہنچ کر قیام فرمایا۔ ایک دن اور ایک رات یہاں خیمہ زن رہے۔ حضرت ابن اکوع نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر حضور ایک سو مجاہد مجھے عطا فرمادیں تو میں باقی ماندہ اونٹ بھی ان سے چھین کر لے آؤں اور ان سب کو رسیوں میں باندھ کر حضور کی خدمت میں پیش کروں۔ حضور نے فرمایا وہ اب یہاں کہاں، وہ تو غطفان پہنچ کر رات کی شراب (غبوق) نوش کر رہے ہوں گے۔ (2)

امام مسلم نے اپنی صحیح میں سلمہ بن اکوع والی حدیث کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

حضرت سلمہ بن اکوع نے ان ڈاکوؤں کے قبضہ سے نبی کریم ﷺ کی ساری اونٹنیاں چھین لیں۔ سلمہ فرماتے ہیں، بخدا! میں ان پر تیروں کا مینھ برساتا رہا اور انہیں خاک و خون میں تڑپاتا رہا۔ جب ان کا کوئی سوار مجھ پر حملہ کرنے کے لئے مڑتا تو میں کسی درخت کے تنے کی اوٹ میں چھپ جاتا اور وہاں سے اس پر تیر چلاتا اور اس کو لہولہان کر دیتا۔ جب وہ کسی تنگ گھاٹی میں داخل ہوتے تو پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتا اور ان پر پتھر برسا کر انہیں نڈھال کر دیتا۔ نبی اکرم کی جتنی اونٹنیاں لے کر وہ بھاگے تھے، وہ ایک ایک کر کے میں ان سے چھینتا رہا اور انہیں اپنی پشت کے پیچھے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ سب اونٹنیاں میں نے ان سے چھین لیں۔ پھر وہ آگے بڑھے اور میں ان کے پیچھے پیچھے ان پر تیر برساتا گیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی تیس چادریں اور تیس نیزے پھینک دیئے تاکہ ان کا بوجھ ہلکا ہو اور وہ تیزی سے بھاگ کر جان بچا سکیں۔ جو چیز وہ پھینکتے جاتے میں اس پر پتھر جوڑ کر نشان زد کر دیتا

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 159-159

2۔ "الاکتفاء"، جلد 2، صفحہ 209

تاکہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کی معیت میں یہاں سے گزریں تو ان کو پہچان کر اپنے قبضہ میں لے لیں۔ آخر وہ ایک جگہ آکر ٹھہرے تاکہ صبح کا کھانا کھائیں، اس اثناء میں فلاں بن بدر الفزاری ☆ ان کے پاس آیا، میں سامنے پہاڑ کی ایک چوٹی پر بیٹھا تھا، اس فزاری نے ان سے پوچھا یہ سامنے کون شخص بیٹھا ہے۔ انہوں نے اسے بتایا کہ اس شخص نے ہمیں مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ صبح سے یہ ہم پر تیر برسا رہا ہے جو چیزیں ہمارے قبضہ میں تھیں سب اس نے چھین لی ہیں فزاری نے کہا اب وقت ہے، تم میں سے چار آدمی اٹھیں اور جا کر اس کا کام تمام کر دیں۔ چنانچہ ان کے چار آدمی میری طرف پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے لگے۔ جب وہ اتنے قریب آگئے کہ میں ان سے گفتگو کر سکوں تو میں نے انہیں کہا هَلْ تَعْرِفُوْنِيْ (یوں ہی منہ اٹھائے چلے آرہے ہو یا) مجھے پہچانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، بتاؤ تم کون ہو۔ آپ نے جواب دیا۔

أَنَا سَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ . وَالَّذِيْ كَرَّمَ وَجْهَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَطْلُبُ رَجُلًا مِنْكُمْ إِلَّا أَدْرَكْتُهُ وَلَا يَطْلُبُنِيْ فَيُدْرِكَنِيْ

"میرا نام سلمہ بن اکوع ہے۔ اس خدا کی قسم جس نے ہمارے آقا محمد ﷺ کے چہرہ کو منور اور مکرم فرمایا ہے۔ اگر میں تم میں سے کسی کو پکڑنا چاہوں تو فوراً پکڑ لوں اور تم میں سے کوئی مجھے پکڑنا چاہے تو وہ مجھے پکڑ نہیں سکے گا۔"

ان میں سے ایک انہیں کہنے لگا، میرے خیال میں یہ سچ کہہ رہا ہے اور وہ چاروں واپس لوٹ گئے۔ میں پہاڑ کی اس چوٹی پر بیٹھا رہا یہاں تک کہ رسول اکرم کے سواروں کو درختوں کے درمیان میں سے آتے ہوئے دیکھا۔ سب سے آگے اخرم الاسدی تھے، ان کے پیچھے ابو قتادہ انصاری اور ان کے پیچھے مقداد بن اسود کندی۔ میں نے اخرم (انہی کا نام محرز ہے) کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا اخرم! ان سے محتاط رہو، ایسا نہ ہو کہ وہ پکڑ لیں اور بھگا کر لے جائیں۔ انتظار کرو یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان یہاں پہنچ جائیں۔

اخرم نے کہا یا سلمہ! اگر تم اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور یہ جانتے ہو کہ

☆ "سبل الہدی"، جلد 5، صفحہ 151، میں فلاں کے بجائے عیینہ بن بدر الفزاری درج ہے۔

جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے تو میرے درمیان اور شہادت کے درمیان رکاوٹ نہ بنو۔ اب میرے لئے اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا کہ میں لیلائے شہادت کے اس عاشق صادق کے راستہ سے ہٹ جاؤں، وہ آگے بڑھے اور عیینہ کے بیٹے عبدالرحمٰن سے ان کا مقابلہ ہوا۔ عبدالرحمٰن نے نیزہ سے ان پر حملہ کیا اور وہ جاں بحق ہو گئے۔ یوں آن واحد میں مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔

اتنے میں بارگاہ رسالت کے شہسوار حضرت ابو قتادہ پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنے نیزے کی انی عبدالرحمٰن کے سینہ میں گھونپ دی اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔(1)

حضرت محرز کی اس بیتابی کی وجہ یہ تھی کہ ایک روز پہلے انہوں نے خواب دیکھا کہ ان کے لئے آسمان کا دروازہ کھل گیا اور وہ آسمان اول میں داخل ہو گئے۔ یہاں تک اسی طرح دروازے کھلتے گئے اور وہ اوپر چڑھتے گئے۔ وہ فرماتے ہیں ساتویں آسمان کے بعد جب میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا تو مجھے کہا گیا یہ ہے تمہاری منزل۔ آپ کہتے ہیں کہ میں نے یہ خواب حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) سے بیان کیا کیونکہ خوابوں کی تعبیر بتانے میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ انہوں نے فرمایا: اَبْشِرْ بِالشَّهَادَةِ تمہیں شہادت کی خوشخبری ہو۔ اس خواب کے صرف ایک روز بعد یہ خلعت شہادت سے سرفراز کئے گئے۔(2)

ایک دلچسپ واقعہ

آپ نے پڑھا کہ حضرت ابوذر کے بیٹے کو تو عیینہ کے آدمیوں نے قتل کر دیا اور ان کی بیوی کو پکڑ کر ساتھ لے گئے۔ ان کا یہ طریقہ تھا کہ وہ انہیں اونٹوں کو رسی سے باندھ کر اپنی حویلی کے صحن میں باندھا کرتے تھے۔ ایک رات جب سب لوگ میٹھی نیند کے مزے لوٹ رہے تھے، یہ خاتون اٹھیں اور کسی طرح ان رسیوں کو کاٹنے میں کامیاب ہو گئیں جن کے ساتھ انہیں جکڑا گیا تھا۔ وہاں سے اٹھ کر اونٹوں کے باڑے میں آئیں۔ اب جس اونٹ کے قریب جاتی ہیں وہ آواز نکالتا ہے آخر وہ حضور کی اونٹنی "عضباء" کے پاس پہنچیں، یہ خاموش رہی۔ وہ اس پر سوار ہو گئیں، اسے ایڑ لگائی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی، اب مہار کو جھٹکا دیا

1۔ صحیح مسلم
2۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 155

وہ چل پڑی۔ ان لوگوں کو پتہ چلا تو وہ ان کو پکڑنے کے لئے دوڑے لیکن عضباء اتنی تیز رفتار تھی کہ وہ اس کی گرد پھانکتے رہ گئے اور یہ مدینہ طیبہ پہنچی۔ جب ان کا تعاقب ہو رہا تھا تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر میں بسلامت مدینہ طیبہ پہنچ گئی تو یہ اونٹنی ذبح کر کے اس کا گوشت فقراء و مساکین میں تقسیم کر دوں گی۔

"الاکتفاء" میں ہے کہ وہ غفاری خاتون بخیریت مدینہ منورہ پہنچی تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کیا، پھر اپنی نذر کے بارے میں بتایا:

فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَمَا جَزَيْتِهَا اِنْ حَمَلَكِ اللّٰهُ عَلَيْهَا وَنَجَّاكِ بِهَا ثُمَّ تَنْحَرِيْنَهَا۔

"رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات سن کر تبسم فرمایا اور کہا تم نے اس اونٹنی کو بہت برا بدلہ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے اس پر سوار کیا اور اس کے ذریعہ تمہیں نجات دی، پھر تم اسے ذبح کرنا چاہتی ہو۔"

آخر میں شریعت کا ایک مسئلہ بیان فرمادیا:

اِنَّهٗ لَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا فِيْمَا لَا تَمْلِكِيْنَ۔
اِنَّمَا هِيَ نَاقَةٌ مِنْ اِبِلِيْ اِرْجِعِيْ اِلٰى اَهْلِكِ عَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ

"اللہ کی نافرمانی میں جو نذر مانی جائے یا کسی ایسی چیز میں جو تمہاری ملکیت نہ ہو تو وہ نذر ناجائز ہے۔ اس نذر کو پورا کرنا ضروری نہیں۔ یہ میری ناقہ ہے۔ تم اسے یہاں چھوڑ و اور خود اپنے گھر تشریف لے جاؤ۔ اللہ تمہیں برکت دے۔"

سریہ محمد بن مسلمہ الاشہلی

دس محرم ۶ ہجری کو نبی رؤف رحیم ﷺ نے تیس سواروں کا ایک دستہ حضرت محمد بن مسلمہ کی قیادت میں بنی بکر کے ایک بطن القرطا کی گوشمالی کے لئے روانہ فرمایا۔ یہ لوگ ضریہ نامی گاؤں میں سکونت پذیر تھے۔ حضور نے ابن مسلمہ کو وصیت کی کہ انہیں اپنے حملہ سے بے خبر رکھنا اور اچانک ان پر حملہ کر دینا۔ ضریہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان سات رات کی مسافت ہے۔ رازداری کے پیش نظر مجاہدین رات کی تاریکی میں سفر کرتے اور دن میں

کسی محفوظ جگہ پر آرام کرتے۔ انہوں نے ان پر اچانک حملہ کیا۔ ان کے کئی آدمیوں کو تہ تیغ کیا جبکہ کافی لوگ بھاگ گئے۔ مسلمانوں کو ڈیڑھ سو اونٹ تین ہزار بکریاں بطور غنیمت ہاتھ آئیں۔ اس مہم میں انہیں انیس روز لگ گئے محرم کی آخری تاریخ کو ان کی واپسی ہوئی۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خمس نکالنے کے بعد مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔

ان لوگوں نے بنو حنیفہ کے ایک سردار کو بھی پکڑ لیا، انہیں علم نہ تھا کہ یہ کون ہے۔ رحمت عالم نے ان سے پوچھا: جانتے ہو تم کس کو جنگی اسیر بنا کر لے آئے ہو۔ یہ ثمامہ بن اثال الحنفی ہیں، ان کے آرام و راحت کا ہر طرح خیال رکھنا۔ پھر حضور گھر تشریف لے آئے اور اہل خانہ کو فرمایا کہ کھانے پینے کی جو چیز تمہارے پاس ہے۔ وہ ثمامہ کے لئے بھجواؤ۔ تعمیل حکم کی گئی۔ نیز حضور نے فرمایا کہ میری شیر دار اونٹنی کا دودھ بھی پینے کے لئے صبح و شام انہیں دیا کرو۔ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ جب بھی ثمامہ سے ملاقات ہوتی، حضور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے۔

ایک روز حضور نے پوچھا: ثمامہ تمہارے پاس کیا ہے۔ کہنے لگا، میرے پاس خیر ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایسے شخص کو قتل کریں گے جو قتل کئے جانے کا سزاوار ہے۔ اور اگر آپ معاف کر کے احسان فرمائیں گے تو ایک ایسے شخص پر احسان ہو گا جو اس احسان کے لئے عمر بھر شکر گزار رہے گا۔ اگر آپ کو مال کی ضرورت ہے تو فرمائیے جتنا حکم دیں گے، اتنا مال پیش کر دوں گا۔ اتنی بات ہوئی اور نبی مکرم تشریف لے گئے۔ دوسرے روز پھر تشریف لائے۔ بعینہ یہی گفتگو ہوئی۔ تیسرے روز بھی یہی مکالمہ ہوا۔ تیسرے روز حضور نے حکم دیا کہ اسے آزاد کر دیا جائے۔ وہ چلا گیا۔ مسجد کے قریب ایک نخلستان تھا جس میں کنواں تھا، وہاں گیا، غسل کیا، پاک صاف ہو کر پھر حاضر خدمت ہوا اور اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ کہہ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

حسب معمول رات کو اس کے لئے کھانا آیا، اس نے پہلے سے بہت کم مقدار میں کھانا کھایا۔ اب دودھ پیش کیا گیا، اس نے وہ بھی چند گھونٹ پیئے اور بقیہ واپس کر دیا۔ حضور کی خدمت میں اس کی یہ کیفیت بیان کی گئی۔ تو فرمایا مومن اور کافر کے کھانے میں اتنا ہی فرق ہوتا ہے۔ کافر حرص اور لالچ کی وجہ سے گویا سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مومن سیر چشم اور دل کا غنی ہوتا ہے، وہ گویا ایک آنت میں کھاتا ہے۔

ثمامہ عرض کرنے لگا، یارسول اللہ! پہلے آپ کا چہرہ مجھے از حد ناپسند تھا، اب تمام لوگوں کے چہروں سے مجھے زیادہ دلکش اور حسین معلوم ہوتا ہے۔ پہلے آپ کا دین مجھے تمام مذاہب سے برا لگتا تھا، اب میں اسے دل و جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں۔ پہلے آپ کے شہر سے مجھے قلبی نفرت تھی، اب اس کی محبت میرے رگ و پے میں سرایت کر گئی ہے۔ میں عمرہ کی نیت سے جارہا تھا کہ آپ کے سپاہیوں نے مجھے قیدی بنالیا، اب میرے بارے میں کیا حکم ہے۔ نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے عمرہ کی قبولیت کا مژدہ سنایا۔ فرمایا، اب جاؤ اور عمرہ کرو۔ جب وہ مکہ پہنچا تو اہل مکہ نے اس پر طعن و تشنیع کے تیر چلانے شروع کر دیئے۔ کہنے لگے، تم بے دین ہو گئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، ایسا نہیں۔ بلکہ میں نے تو اب سچا دین قبول کیا ہے۔ اللہ کے رسول کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی ہے۔ انہوں نے زیادہ تنگ کیا تو آپ نے دھمکی دیتے ہوئے کہا، اب تمہیں یمامہ کی گندم سے ایک دانہ بھی نہ ملے گا جب تک رسول مکرم اذن نہیں دیں گے۔

یہ دھمکی دے کر وہ اپنے وطن یمامہ واپس چلا گیا۔ وہاں جاکر اس نے یہ حکم نافذ کر دیا کہ آج سے مکہ والوں کو غلہ گندم کی ترسیل مکمل طور پر بند کر دی جائے۔ جب غلہ کی درآمد کا سلسلہ بند ہو گیا تو اہل مکہ کے حواس باختہ ہو گئے۔ اب اس ہستی سے رحم و کرم کی التجائیں کرنے لگے جن کے ساتھ انہوں نے رحم و کرم کا سلوک کبھی نہیں کیا تھا۔ اب اس ہستی کو صلہ رحمی کے واسطے دینے لگے جس کے ساتھ انہوں نے کبھی قرابت داری کا لحاظ نہیں کیا تھا۔ رؤف و رحیم نبی سے ان کی یہ حالت زار نہ دیکھی گئی۔ فوراً حضرت ثمامہ کو حکم لکھا کہ اس پابندی کو ختم کر دو۔ انہوں نے اپنے آقا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور گندم بھیجنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔(1)

سریۂ عکاشہ بن محصن الاسدی

اسی سال ربیع الاول کے مہینے میں نبی مکرم ﷺ نے حضرت عکاشہ بن محصن الاسدی کی قیادت میں چالیس مجاہدین کا ایک دستہ روانہ فرمایا تاکہ بنی اسد کے ایک چشمہ جو غمر مرزوق کے نام سے مشہور تھا، وہاں آباد لوگوں کی شرارتوں کا سدباب کریں۔ ان کے پہنچنے

1۔ "تاریخ خمیس"، جلد 2، صفحہ 2-3، عیون الاثر، جلد 2، صفحہ 79

سے پہلے ہی انہیں اطلاع مل گئی تھی اور وہ بھاگ گئے تھے۔ مسلمان وہاں پہنچے تو ان کی آبادیوں میں الو بول رہے تھے۔ مسلمان ان کے بلند علاقہ میں خیمہ زن ہوئے اور شجاع بن وھب کو چند مجاہدین کے ساتھ بھیجا گیا کہ وہ ان کا سراغ لگائیں۔ اور تو کوئی نہ ملا، صرف ایک آدمی پکڑا گیا۔ اس نے بتایا کہ ان کے اونٹ فلاں فلاں وادی میں چر رہے ہیں۔ وہ گئے اور ان کے سارے اونٹ ہانک کر لے آئے اور حضور کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ اس سفر میں دشمن سے جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

سریّہ محمد بن مسلمہ

مدینہ طیبہ سے چوبیس میل کے فاصلہ پر ایک آبادی ذی القصہ کے نام سے مشہور ہے۔ محمد بن مسلمہ کو دس مجاہدین کے ساتھ ان کی اصلاح احوال کے لئے بھیجا گیا۔ یہ رات کے وقت وہاں پہنچے اور آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ ان لوگوں کو پتہ چلا تو ان کے سو آدمی مسلح ہو کر آگئے انہوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا اور سب کو تہ تیغ کر دیا۔ صرف محمد بن مسلمہ بچ گئے اور وہ بھی شدید زخمی تھے۔ انہوں نے مسلمان شہداء کے کپڑے اتار لئے۔ وہاں سے ایک مسلمان کا اتفاقاً گزر ہوا۔ وہ حضرت محمد بن مسلمہ کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے مدینہ طیبہ لے آئے۔(1)

سریّہ ابی عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس سال ماہ ربیع الاول میں سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو چالیس مجاہدین کا امیر بنا کر ذی القصہ کی طرف روانہ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بنی ثعلبہ اور انمار کے علاقوں میں سخت خشک سالی تھی جس علاقہ میں انہیں بادل برسنے کی اطلاع ملتی وہاں پہنچ جاتے۔ انہیں پتہ چلا کہ المراض سے تغلمین تک خوب بارش ہوئی ہے۔ مراض، مدینہ طیبہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔ بنو محارب، بنو ثعلبہ اور انمار تینوں قبیلے وہاں پہنچ گئے۔ جب اسلام دشمن قبائل وہاں جمع ہوئے تو ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کی ایک چراگاہ ھیفاء پر حملہ کریں جہاں مویشی چرا کرتے تھے اور جو مدینہ سے

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 206

سات میل کے فاصلہ پر تھی۔ ان کے اس ارادے کی اطلاع جب سرور عالم کو ملی تو ان کی سرکوبی کے لئے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو چالیس مجاہدین کی معیت میں روانہ فرمایا۔ نماز مغرب کے بعد یہ دستہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوا، ساری رات چلتے رہے اور صبح طلوع ہوتے ہی یہ وہاں پہنچ گئے۔ ابھی کافی اندھیرا تھا کہ ان لوگوں کو مسلمانوں کی آمد کی بھنک پڑی تو وہ پہاڑوں کی طرف بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا لیکن وہ ہاتھ نہ آئے۔ ان کا صرف ایک آدمی پکڑا گیا۔ مسلمانوں نے اونٹوں کا گلہ اور کچھ گھریلو سامان اٹھایا اور واپس آگئے۔ اس شخص نے اسلام قبول کر لیا اس لئے اسے رہا کر دیا گیا۔ مال غنیمت حسب قاعدہ تقسیم کیا گیا۔(1)

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

یہ اطلاع ملی کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ عراق کے راستہ سے شام جا رہا ہے اور اس کے پاس بڑا ساز و سامان ہے اور چاندی کی کافی مقدار بھی۔ فرات بن حیان العجلی اس قافلہ کا راہبر ہے۔ رحمت عالمیان ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ کو ایک سو ستر سواروں کا امیر بنا کر اس قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ ابو العاص بن ربیع حضور کی صاحبزادی حضرت زینب کے شوہر اور مغیرہ بن معاویہ بن العاص گرفتار کر لئے گئے اور سارے سامان پر قبضہ کر لیا گیا۔ ابو العاص نے حضرت زینب سے پناہ مانگی، آپ نے اس کو پناہ دے دی۔ سرور عالم نے بھی اس پناہ کو قبول فرما لیا۔ سارا مال بھی واپس کر دیا گیا۔ یہی حسن خلق ابو العاص کے ایمان کا سبب بن گیا۔ اس کا مفصل تذکرہ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔

سریہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

6 ہجری ماہ شعبان میں نبی کریم ﷺ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کو یاد فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ دومتہ الجندل میں جا کر بنی کلب قبیلہ کو اسلام کی دعوت دیں۔ سات سو مجاہد آپ کے ساتھ روانہ کئے۔ انہیں رخصت کرنے سے پہلے اپنے سامنے بٹھایا جو عمامہ انہوں نے باندھا ہوا تھا، اسے کھول کر اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا۔ نیچے والا

1۔ امتاع الاسماع، جلد 1، صفحہ 206

شملہ ان کے کندھوں کے درمیان لٹکا دیا۔ پھر فرمایا اے عوف کے فرزند! عمامہ اس طرح باندھا کرو۔ پھر فرمایا:

اُغْدُ بِاسْمِ اللّٰهِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَقَاتِلْ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ وَلَا تَغُلَّ وَلَا تَغْدِرْ وَلَا تَقْتُلْ وَلِيدًا۔

"اللہ کا نام لے کر اور اس کے راستہ میں رخصت ہو جاؤ جو اللہ کا انکار کرے، اس کے ساتھ جنگ کرو اور کسی کے ساتھ دھوکہ نہ کرنا۔ بد عہدی نہ کرنا اور کسی بچے کو قتل نہ کرنا۔"

پھر مرشد انسانیت نے اپنا دست مبارک پھیلا دیا اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا خَمْسًا قَبْلَ أَنْ تَحُلَّ بِكُمْ

"یعنی اے لوگو! پانچ چیزوں سے بچو، اس سے پیشتر کہ تم پر اللہ کا عذاب نازل ہو۔"

مَا نَقَصَ مِكْيَالُ قَوْمٍ إِلَّا أَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ

"جب کسی قوم کا پیمانہ کم ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو قحط اور پیداوار کی کمی سے دوچار کر دیتا ہے تاکہ وہ راہ راست کی طرف لوٹ آئیں۔"

مَا نَكَثَ قَوْمٌ عَهْدَهُمْ إِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ عَدُوَّهُمْ

"اور جب کوئی قوم اپنا وعدہ توڑ دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمن کو مسلط کر دیتا ہے۔"

وَمَا مَنَعَ قَوْمٌ الزَّكَاةَ إِلَّا أَمْسَكَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَطْرَ السَّمَاءِ وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُسْقَوْا

"اور جو قوم زکوٰۃ دینے سے ہاتھ روک لیتی ہے، اللہ تعالیٰ اس پر بارش کا نزول روک لیتا ہے، اور اگر بے زبان جانور نہ ہوں تو انہیں پینے کے لئے ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہو۔"

مَا ظَهَرَتِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ إِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الطَّاعُونَ

"اور جس قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ وبائی بیماری

طاعون کو مسلط کر دیتا ہے۔"

وَمَا حَكَمَ قَوْمٌ بِغَيْرِ آيِ الْقُرْآنِ إِلَّا أَلْبَسَهُمْ شِيَعًا
وَأَذَاقَ بَعْضَهُمْ بَأْسَ بَعْضٍ

"اور جو قوم احکام قرآنی کے بغیر فیصلہ کرتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کی ملی وحدت کو پارہ پارہ کر دیتا ہے اور وہ ایک دوسرے پر ظلم و تشدد کرنے لگ جاتے ہیں۔"

حضرت عبدالرحمٰن اپنے آقا کی دعاؤں اور توجہات کے سائے میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر حسب ہدایت انہوں نے تبلیغ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ پہلے دن بھی وعظ و تذکیر کا کوئی اثر نہ ہوا۔ دوسرے روز بھی آپ نے بڑی دل سوزی سے انہیں دعوت حق دی لیکن بے سود۔ وہ جنگ کرنے کے لئے تلواریں تیز کرتے رہے۔ تیسرے روز جب محمدی درویش نے اپنے رب قدوس کا نام لے کر نعرہ حق بلند کیا تو کفر کے قلعہ میں شگاف پڑنے لگے۔ ان کے رئیس نے سب سے پہلے دعوت اسلام کو قبول کیا۔ یہ خود اور اس کا قبیلہ، سارا نصرانی تھا، سب سے پہلے اس نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کی۔ پھر تو اسلام لانے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ چند آدمیوں کے علاوہ سارا قبیلہ مشرف باسلام ہو گیا اور جو لوگ عیسائیت پر اڑے رہے، انہوں نے جزیہ دے کر اسلامی مملکت کا پرامن شہری بن کر رہنا منظور کر لیا۔

ان کے رئیس کا نام اصبغ بن عمرو الکلبی تھا۔ اس کی ایک دختر نیک اختر تھی، اس کا نام تماضر تھا۔ اصبغ نے اس کا رشتہ برضا و رغبت حضرت عبدالرحمٰن کو دیا۔ آپ نے نبی رحمت کی نصیحت کے مطابق اس سے نکاح کر لیا۔ پھر یہ خوش نصیب بچی مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئی۔ محبوب رب العرش العظیم کی زیارت کر کے شرف صحابیت سے بہرہ ور ہوئی۔ اس کے شکم سے اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالرحمٰن کو ایک چاند سا بیٹا عطا فرمایا جس کا نام ابو سلمہ رکھا گیا۔ اس کے بارے میں علماء جرح و تعدیل کی رائے ہے۔

"یہ حافظ تھے، ثقہ تھے، بکثرت حدیثیں روایت کرتے تھے، علماء کے پیشوا تھے، تابعین کے سربر آوردہ تھے، ان کا نام عبداللہ تھا۔ ان کی وفات ۹۴ ہجری میں ہوئی۔"(1)

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویۃ"، جلد 2، صفحہ 161

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اسی ماہ ربیع الثانی میں بنی سلیم کے علاقہ جموم کی طرف زید بن حارثہ کو بھیجا گیا۔ جموم، مدینہ طیبہ سے چار میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے۔ بنی مزینہ قبیلہ کی ایک عورت حلیمہ اور اس کے خاوند کو گرفتار کیا گیا۔ حلیمہ نے حضرت زید کی بنو سلیم کی جائے رہائش کی طرف راہنمائی کی جس کی وجہ سے آپ نے بہت سے اونٹ بکریاں بطور غنیمت اپنے قبضہ میں لے لیں اور بہت سے لوگوں کو قیدی بنالیا۔ ان میں حلیمہ کا خاوند بھی تھا۔ جب ان سب کو لے کر حضرت زید بارگاہ رسالت میں پہنچے تو حضور نے حلیمہ کو اور اس کی وجہ سے اس کے خاوند کو بھی آزاد کر دیا۔

سریہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ طُرف کی جانب

مدینہ منورہ سے چھتیس میل کی مسافت پر ایک بستی ہے جس کا نام طرف ہے۔ یہاں ایک چشمہ ہے جہاں بنو ثعلبہ سکونت پذیر تھے۔ حضرت زید کو پندرہ مجاہدین کے ہمراہ ادھر بھیجا گیا۔ بنو ثعلبہ کے لوگ بھاگ گئے۔ بہت سے اونٹ اور بکریاں قبضہ میں آئیں۔ حضرت زید صبح سویرے بیس اونٹ لے کر مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ اس سفر میں جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ اس مہم پر چار دن صرف ہوئے۔

سریہ کرز بن جابر

چھٹے سال ماہ جمادی الثانی میں یہ واقعہ پیش آیا۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت انس سے جو روایت نقل کی ہے اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"حضرت انس سے مروی ہے کہ قبیلہ عُکل یا عُرَینہ کے چند لوگ مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے لیکن وہاں کی آب و ہوا انہیں موافق نہ آئی اور وہ بیمار ہو گئے۔ حضور کریم ﷺ نے انہیں وہاں جانے کا حکم دیا جہاں بیت المال کی شیر دار اونٹنیاں چرتی تھیں اور انہیں فرمایا کہ تم ان اونٹنیوں کا بول اور دودھ پیا کرنا۔ وہ وہاں چلے گئے اور ایسا کرنے سے جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے اونٹنیوں کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹنیاں لے کر بھاگ گئے۔ صبح سویرے اس کی

اطلاع حضور کو ہوئی۔ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے تعاقب میں سوار بھیجے۔ جب کافی دن چڑھ آیا تو یہ سوار ان کو پکڑ کر لے آئے۔ حضور کے حکم پر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیں پھیری گئیں۔ انہیں دھوپ میں ڈال دیا گیا، وہ پانی طلب کرتے تھے اور انہیں پانی نہیں دیا جاتا تھا۔"(1)

بعض لوگ اس واقعہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر کر دھوپ میں پھینک دیا جائے اور وہ پیاس سے تڑپتے رہیں لیکن انہیں پانی تک نہ دیا جائے۔ اگر معترضین تھوڑی سی زحمت اٹھاتے اور کتب احادیث میں اس اجمال کی تفصیل تلاش کرتے تو اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوتے۔

ان ستم گروں نے ان چرواہوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل سطور پر نظر ڈالئے۔ طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے تعاقب میں کرز بن جابر الفہری کو بیس سواروں کے ساتھ بھیجا اہل عرینہ کی تعداد آٹھ تھی وہ شیر دار اونٹنیاں ذی الجدر کی چراگاہ میں چرتی تھیں۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے چھ میل دور قبا کے نواح میں تھی سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آزاد کردہ غلام یسار نے مع اپنے چند رفقاء کے انہیں جالیا اور ان سے لڑنا شروع کر دیا ان ظالموں نے حضرت یسار کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے اور ان کی زبان اور آنکھوں میں کانٹے چبھو دیئے اور اس حالت میں انہیں پھینک دیا اور انہوں نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی جس وقت مجرم گرفتار ہو کر عدالت نبوت کے کٹہرے میں کھڑے کیے گئے تو اقلیم عدل و انصاف کے شہنشاہ نے ان کے ساتھ وہی برتاؤ کرنے کا حکم دیا جو انہوں نے کیا تھا۔ اور یہ عین فرمان الٰہی کے مطابق تھا۔ ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّمَا جَزَاؤُا الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (2)

1۔ "صحیح بخاری"

2۔ سورۃ المائدہ 33

”بلاشبہ سزا ان لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے۔ اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی یہ ہے کہ انہیں چن چن کر قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مختلف طرفوں سے یا جلاوطن کر دیئے جائیں یہ تو ان کے لئے رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں اس سے بھی بڑی سزا ہے۔“

سریّہ سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ

بنو سعد بن بکر کا قبیلہ فدک کے علاقہ میں آباد تھا۔ ان کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ لشکر جمع کر رہے ہیں تاکہ یہودیوں کی امداد کریں۔ نبی مکرم ﷺ نے فتنہ کی اس آگ کو بروقت بجھانے کے لئے ماہ شعبان ۶ ہجری میں سیدنا علی مرتضٰی کو ایک سو مجاہدین کا دستہ دے کر ان کی گوشمالی کے لئے روانہ فرمایا۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ رات کو سفر کرتے اور دن کو آرام فرماتے۔ فدک اور خیبر کے درمیان غمج نامی چشمہ پر پہنچے تو آپ کو ایک آدمی ملا۔ اس سے پوچھا گیا تم کون ہو۔ اس نے بتایا کہ اپنے گمشدہ جانور کو تلاش کر رہا ہوں۔ انہوں نے پھر پوچھا بتاؤ بنو سعد نے جو لشکر اکٹھا کیا ہے اس کے بارے میں تجھے کچھ علم ہے، اس نے کہا مجھے کوئی علم نہیں۔ مسلمانوں نے جب اس پر تشدد کیا تو اس نے اعتراف کیا کہ میں بنو سعد کا جاسوس ہوں۔ مجھے انہوں نے خیبر بھیجا تھا تاکہ میں یہودیوں سے وہ شرائط طے کروں جن کی بنیاد پر بنی سعد ان کی امداد کر سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ یہودیوں نے جس طرح دوسرے قبائل کے ساتھ خیبر کی کھجوروں کا مقررہ حصہ دینے کا وعدہ کیا ہے اسی طرح کا وعدہ بنو سعد کے ساتھ بھی کریں تو بنو سعد ان کی امداد کریں گے مسلمانوں نے اس سے پوچھا بتاؤ بنو سعد نے لشکر کہاں اکٹھا کر رکھا ہے۔ اس نے کہا جب میں ان کے پاس سے گیا تھا اس وقت تک دو سو آدمی جمع ہو چکے تھے۔ انہوں نے کہا ہمیں وہاں لے چل۔ اس نے کہا مجھے جان کی امان دو، میں تمہیں وہاں لے چلتا ہوں۔ مسلمانوں نے کہا اگر تو نے ہماری صحیح راہنمائی کی یعنی جہاں وہ جمع ہو رہے ہیں وہاں لے گیا اور جس جگہ ان کے مویشی ہیں اس جگہ کی نشاندہی کی تو تجھے امان ہے۔ اس نے کہا مجھے منظور ہے۔ وہ مسلمانوں کو لے کر ایک ہموار

میدان میں گیا جہاں بہت سے اونٹ اور بہت سی بکریاں چر رہی تھیں۔ اس نے بتایا یہ ہیں ان کے اونٹ اور یہ ہیں ان کی بکریاں۔ اب مجھے جانے کی اجازت ہے۔ مسلمانوں نے کہا جب تک ان کے لشکر کی جگہ تک ہم نہ پہنچ جائیں تمہیں اجازت نہیں۔ وہ انہیں اس جگہ لے گیا لیکن وہاں کوئی بھی نہ تھا، سب تتر بتر ہوگئے تھے۔ اس وقت اسے چھوڑ دیا گیا۔ مسلمان ان کے پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں ہانک کر اپنے ساتھ لے آئے۔ بنو سعد مسلمانوں کی آمد کا سن کر بھاگ گئے۔ سیدنا علی مرتضیٰ اپنے مجاہدین کو ہمراہ لے کر اور تمام مویشیوں کو ہانکتے ہوئے مدینہ طیبہ بخیریت پہنچ گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہود کے ساتھ ساز باز کر کے مسلمانوں کے خلاف مقابلہ میں آنے کی بنو سعد کو جرأت نہ ہوئی۔(1)

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام قرفہ کی طرف

ام قرفہ ایک عورت کا نام ہے، یہ ربیعہ بن بدر فزاری کی بیٹی تھی۔ اپنی قوت اور اپنے حفاظتی انتظامات میں اس کا نام بطور ضرب المثل زبان زد عام تھا۔ عرب کہتے تھے اَعَزُّ وَاَمْنَعُ مِنْ اُمِّ قِرْفَةَ "یہ تو ام قرفہ سے بھی بڑھ کر غالب آنے والا اور حفاظت کرنے والا ہے۔" اس کے گھر میں ہر وقت پچاس تلواریں آویزاں رہتی تھیں۔ پچاس مردان شمشیر زن ہر وقت موجود رہتے تھے اور یہ سب کے سب اس کے بیٹے اور اس کے پوتے تھے۔ اس کے ایک بیٹے کا نام قرفہ تھا، اسی کی وجہ سے اس کی کنیت ام قرفہ تھی جبکہ اس کا اصل نام فاطمہ بنت ربیعہ تھا۔ اس کا گھر وادی القریٰ کے ایک جانب تھا جو مدینہ طیبہ سے سات رات کی مسافت پر تھا۔

یہ سریہ ماہ رمضان ۶ ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت زید بن حارثہ تجارت کی غرض سے شام کی طرف روانہ ہوئے، ان کے پاس دیگر صحابہ کرام کے اموال تجارت بھی تھے۔ جب وہ وادی القریٰ میں پہنچے تو قبیلہ فزارہ کی ایک شاخ بنی بدر کے بہت سے آدمی نکل آئے۔ انہوں نے حضرت زید اور ان کے ساتھیوں کو سخت مارا پیٹا اور سارا سامان بھی چھین لیا۔ انہوں نے واپس آکر بارگاہ رسالت میں یہ ماجرا عرض کیا۔ نبی کریم ﷺ نے ایک جیش (لشکر) ان کے ساتھ بھیجا تاکہ ان لٹیروں کی گوشمالی کرے۔ اس

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویۃ"، جلد 2، صفحہ 162، و "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 209، و "عیون الاثر"، جلد 2، صفحہ 109

لشکر کو حضور نے نصیحت کی کہ دن کے وقت آرام کریں اور رات کو سفر کریں۔ بنی بدر کے اندازہ کے مطابق جس صبح کو اس لشکر نے پہنچنا تھا، اس صبح کو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کی پوری تیاری کر رکھی تھی۔ حسن اتفاق کہ لشکر اسلام کا راہبر راستہ بھول گیا اور یہ لشکر اس صبح کو وہاں نہ پہنچ سکا۔ انتظار کے بعد وہ لوگ تتر بتر ہو گئے۔ مسلمان دوسری صبح کو ایسے وقت پہنچے جب دشمن غفلت کی نیند سو رہا تھا۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ ان کے کئی آدمی مارے گئے۔ ام قرفہ اور اس کی لڑکی جاریہ کو قید کر لیا گیا۔ قیس بن محسر نے ان دونوں کو گرفتار کیا۔ قرفہ بوڑھی عورت تھی لیکن پرلے درجے کی گستاخ اور زبان دراز تھی۔ بارگاہ رسالت میں دشنام طرازی سے بھی باز نہ آتی تھی۔ ایک دفعہ اس نے اپنے تیس بیٹوں اور پوتوں کا ایک دستہ تیار کیا اور انہیں کہا اُغْزُوا الْمَدِيْنَةَ وَاقْتُلُوْا مُحَمَّدًا (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) کہ "مدینہ پر چڑھائی کرو اور حضور کو قتل کر دو۔" اس لئے مسلمانوں نے اس فتانہ (فتنہ باز عورت) کو کیفر کردار تک پہنچا دیا اور اس کی لڑکی کو اسیر بنا لیا۔ ان قزاقوں کو ان کے کرتوتوں کا مزا چکھانے کے بعد حضرت زید اپنے ساتھیوں سمیت شاداں و فرحاں واپس آئے۔ در اقدس پر حاضر ہو کر دستک دی، نبی مکرم ﷺ کو اطلاع ملی تو حضور تیزی سے تشریف لائے، حضرت زید کو گلے لگا لیا اور انہیں چوما۔ حضرت زید نے سارا ماجرا عرض کیا تو حضور بڑے خوش ہوئے۔ وہ لڑکی سلمہ بن اکوع کے ماموں حزن بن ابی وہب کو عطا کر دی گئی کیونکہ یہ دونوں مشرک تھے۔ (1)

ام رومان رضی اللہ عنہا کی وفات

اسی سال ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ محترمہ ام رومان بنت عامر بن عویمر نے وفات پائی۔ آپ نے دعوت اسلامی کے آغاز میں اسلام قبول کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ان کے بطن سے ایک صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن اور ایک صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ تولد ہوئیں۔ جب ان کی قبر تیار ہو گئی تو رسول کریم ﷺ خود اس قبر میں تشریف لے گئے اور ان کو لحد میں رکھا اور ارشاد فرمایا:

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویۃ" جلد 2، صفحہ 162، و "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 209، و "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 12

مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی امْرَاَۃٍ مِّنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی ھٰذِہٖ

”جو شخص حوروں میں سے کسی خاتون کی زیارت کرنا چاہتا ہے، وہ ان کی زیارت کر لے۔“

ابن سعد کے نزدیک انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں وفات پائی۔ (1)

1۔ ”تاریخ خمیس“، جلد 2، صفحہ 26

غزوۂ حُدیبیّہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿١﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢﴾

یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی ہے

تاکہ دور فرمادے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ (ہجرت سے)

پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے اور مکمل فرمادے

اپنے انعام کو آپ پر اور چلائے

آپ کو سیدھی راہ پر۔

(الفتح: ۱،۲)

غزوہ حدیبیہ

حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام تھا۔ اس کے ارد گرد جو گاؤں آباد ہوا وہ بھی اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ اس کا کچھ رقبہ حدود حرم میں ہے اور کچھ حدود حرم سے باہر ہے۔ محب طبری لکھتے ہیں کہ یہ گاؤں کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کے قریب ہے اور اس کا زیادہ رقبہ حرم میں ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے نو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

محققین کے نزدیک یہ غزوہ 6ہجری کے ماہ ذی قعدہ میں وقوع پذیر ہوا۔ امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کیے۔ ایک عمرہ کے سوا باقی تینوں عمرے ماہ ذی قعدہ میں ادا فرمائے۔ چوتھا عمرہ جو حج کے ساتھ ادا کیا وہ ذی الحجہ میں فرمایا۔ (1)

تاریخی پس منظر

مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر مسلمان مکہ چھوڑ کر اڑھائی تین سو میل دور مدینہ طیبہ میں جا کر آباد ہوئے مگر کفار نے یہاں بھی انہیں آرام کا سانس نہ لینے دیا۔ اکا دکا جھڑپوں کے علاوہ یکے بعد دیگرے بدر، احد اور خندق کی جنگیں ہوئیں۔ جنگ و جدال کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اہل مکہ نے مسلمانوں کے لئے مکہ کے دروازے بند کر دیئے تھے۔ خانہ کعبہ کے طواف اور زیارت کے لئے سرزمین عرب کا ہر شخص آسکتا تھا لیکن مسلمانوں پر یہ قدغن تھی کہ وہ حرم شریف کی زیارت کا قصد نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس ناروا اقدام کی متعدد مقامات پر مذمت کی ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (2)

"اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کو کیوں عذاب نہ دے حالانکہ انہوں نے اہل

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویۃ"

2۔ سورۃ الانفال: 34

ایمان کو مسجد حرام میں آنے سے روک دیا ہے۔"

مدینہ طیبہ میں مہاجرین وانصار کو بیت اللہ شریف کی زیارت کا شوق ہر وقت بے چین رکھتا تھا۔ اپنی اس خواہش کا اظہار وہ بارگاہ رسالت میں بھی کرتے رہتے تھے۔ حضور انہیں صبر کی تلقین کے ساتھ ساتھ یقین دلاتے کہ عنقریب وہ دن آنے والا ہے جب یہ ساری رکاوٹیں دور ہو جائیں گی اور تم بڑی آزادی سے حج وعمرہ کے ارکان ادا کر سکو گے۔ ایک روز نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو یہ نوید جان فزا سنائی کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ہم سب امن وسلامتی کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ سنکر صحابہ کرام کی خوشی کی حد نہ رہی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کے نعرے بلند کئے۔ یہ خبر آن واحد میں سارے شہر میں پھیل گئی۔ صحابہ کرام یہ جانتے تھے کہ نبی کریم کا خواب عام خواب نہیں ہے بلکہ یہ وحی الٰہی ہے اور اس میں ہماری دیرینہ آرزو کے بر آنے کی بشارت دی گئی ہے۔ اتنا تو انہیں یقین تھا کہ ایسا ضرور ہوگا لیکن کس طرح ہوگا، اس کے بارے میں مختلف وسوسے ان کو پریشان کرنے لگے۔

کیا قریش کے ساتھ جنگ ہوگی اور وہ انہیں شکست دے کر مسجد حرام میں داخل ہوں گے؟

کیا وہ زور بازو سے اہل مکہ کو شہر خالی کرنے پر مجبور کر دیں گے؟

کیا اہل مکہ خود بخود ان کے لئے شہر کے دروازے کھول دیں گے؟

بہر حال سفر کی تیاریاں زور شور سے شروع ہو گئیں۔ مدینہ طیبہ سے باہر جو قبائل مسلمان ہو چکے تھے، انہیں بھی دعوت دی گئی کہ وہ بھی اس سفر میں شریک ہوں تاکہ مسلمانوں کی زیادہ جمعیت دیکھ کر کفار مکہ مزاحمت کی جرأت نہ کر سکیں۔ بنو بکر، مزینہ اور جہینہ کو بھی ساتھ چلنے کی ترغیب دی گئی۔ ان قبائل نے اپنی مصروفیتوں، اپنے اہل وعیال اور مال ڈنگر کی حفاظت کا بہانہ بنایا اور ساتھ چلنے سے معذرت کر دی۔ یہ لوگ آپس میں ازراہ تمسخر کہتے کہ محمد (ﷺ) چاہتے ہیں کہ ہم ایسی قوم کے ساتھ جا کر جنگ کریں جو پوری طرح مسلح ہے۔ مُحَمَّدٌ (فِدَاهُ أَبِي وَ أُمِّي) اور اس کے ساتھی صرف اونٹوں کا گوشت بھون کر کھانا جانتے ہیں، دیکھنا اس دفعہ ان میں سے کوئی بچ کر نہیں آئے گا۔ یہ ان لوگوں کے گھر جا رہے ہیں جو اعلیٰ درجے کے بہادر اور ہتھیاروں سے پوری طرح لیس ہیں جبکہ ان کے پاس تو جنگی اسلحہ برائے نام ہے اور تعداد بھی بہت کم ہے۔(1)

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 57

مدینہ طیبہ سے روانگی سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت نمیلہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔(1)

بعض کی رائے ہے کہ عبد اللہ بن ام مکتوم کو مدینہ طیبہ کا والی مقرر فرمایا۔(2)

یکم ذی قعدہ کو حضور نبی کریم ﷺ کی قیادت میں عشاق کا یہ قافلہ سوئے حرم روانہ ہوا۔ اس کی تعداد چودہ سو اور پندرہ سو کے درمیان تھی۔ حضور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار تھے۔ ستر اونٹ قربانی کے لئے ساتھ تھے اور ان کے گلوں میں قلادے ڈال دیئے گئے تھے تا کہ پہچان ہو سکے کہ یہ قربانی کے جانور ہیں۔ یہ قافلہ جب مدینہ طیبہ سے چھ سات میل دور ذوالحلیفہ نامی گاؤں میں پہنچا تو سب نے عمرہ کا احرام باندھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلے دو رکعتیں پڑھیں پھر مسجد کے دروازے کے پاس سے اونٹنی پر سوار ہوئے۔ جب اونٹنی اٹھی اور اس کا منہ قبلہ کی طرف ہوا تو حضور نے احرام کی نیت باندھی تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حضور کا یہ سفر بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے ہے۔ پھر تلبیہ کہا:

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

اکثر صحابہ نے یہاں سے ہی احرام باندھا اور بعض نے جحفہ کے مقام پر عمرہ کا احرام باندھا۔ ان کے پاس ایک ایک تلوار تھی جو نیام میں بند تھی، اس کے علاوہ کوئی ہتھیار نہ تھا۔

ازواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس سفر میں حضور کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کے علاوہ چند اور مخلص خواتین ام عمارہ، اسماء بنت عمرو اور ام عامر الاشہلیہ وغیر ھن بھی ساتھ تھیں۔(3)

بنو خزاعہ قبیلہ کی دلی ہمدردیاں حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھیں اس میں ان کے مسلم اور غیر مسلم سب برابر تھے۔ سرور عالم نے یہاں سے اس قبیلہ کے ایک شخص بشر بن سفیان کو بھیجا کہ وہ مکہ جائے، وہاں کے حالات کا پورا جائزہ لے اور قریش کی سرگرمیوں اور ارادوں سے مطلع کرے۔ نیز مہاجرین اور انصار کے بیس افراد پر مشتمل ایک جتھہ تیار کیا

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویۃ"، جلد 3، صفحہ 312

2۔ "مصدر سابق"، جلد 5، صفحہ 56

3۔ ایضاً

جس کی قیادت عباد بن بشر کو تفویض فرمائی اور بطور طلیعہ لشکر اسلام کے آگے آگے چلنے کا انہیں حکم دیا۔ جحفہ کے مقام پر پہنچے تو قیام فرمایا اور ایک سایہ دار درخت کے نیچے جھاڑو دینے کا حکم دیا۔ جب صفائی ہو گئی تو خود وہاں تشریف لائے اور صحابہ کرام کو ایک ایمان افروز خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ کا ایک جملہ یہ ہے:

اِنِّیْ کَائِنٌ لَکُمْ فَرَطًا قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِہٖ لَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ نَبِیِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (1)

"میں تمہارا پیشرو ہوں اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔ ﷺ۔"

قریش کو جب نبی مکرم ﷺ کی روانگی کی اطلاع ملی تو ان کے دلوں میں وسوسوں اور اندیشوں کے طوفان اٹھ آئے۔ انہوں نے یہ خیال کیا کہ عمرہ محض بہانہ ہے، اصل مقصد مکہ پر قبضہ کرنا ہے۔ انہوں نے طے کر لیا کہ وہ کسی قیمت پر مسلمانوں کو شہر میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ حضور جب عسفان کے مقام پر پہنچے جو مکہ سے تقریباً دو دن کی مسافت پر ہے تو حضور کا فرستادہ بشر بن سفیان قریش کی سرگرمیوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد اس مقام پر حاضر خدمت ہوا۔ اس نے بتایا کہ قریش کو حضور کی روانگی کی خبر پہنچ گئی ہے اور وہ مکہ سے نکل کی ذوطوی کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے ہیں۔ انہوں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ حضور کو مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہونے دیں گے۔ نیز انہوں نے حضور کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے دو سو شہسواروں کا دستہ دے کر خالد بن ولید کو کراع الغمیم کی طرف بھیج دیا ہے۔ یہ بستی عسفان سے صرف آٹھ میل کے فاصلہ پر تھی۔ (2)

یہ سن کر حضور نے فرمایا صد حیف! قریش کو جنگوں نے کھوکھلا کر دیا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی ضد سے باز نہیں آئے۔ کیا حرج تھا اگر وہ میرے اور دیگر عرب قبائل کے درمیان حائل نہ ہوتے۔ اگر عرب قبائل ہمارا خاتمہ کر دیتے تو ان کا مقصد پورا ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان پر غلبہ بخشتا تو وہ اپنی عددی کثرت کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جاتے۔ اگر

1۔ ایضاً، صفحہ 59

2۔ ایضاً، صفحہ 61

اس وقت بھی اسلام قبول کرنے کے لئے وہ آمادہ نہ ہوتے تو پھر مجھ سے جنگ کرتے کیونکہ اس وقت وہ طاقتور ہوتے۔

آخر میں حضور نے فرمایا:

فَمَا تَظُنُّ قُرَيْشٌ فَوَاللّٰهِ لَا أَزَالُ أُجَاهِدُ عَلَى الَّذِيْ بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ أَوْ تَنْفَرِدَ هٰذِهِ السَّالِفَةُ (1)

"قریش کیا سوچ رہے ہیں، بخدا! میں اس وقت تک اس دین کے لئے جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غالب کردے یا میری زندگی ختم ہو جائے۔"

جب اہل مکہ کے عزائم کے بارے میں اطلاعات ملیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجلس مشاورت طلب کی اور حمد و ثنا کے بعد صحابہ کرام سے پوچھا کہ ان حالات میں ہمیں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔ حضرت صدیق اکبر نے عرض کی:

اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّمَا جِئْنَا مُعْتَمِرِيْنَ وَلَمْ نَجِئْ لِقِتَالِ أَحَدٍ وَنَرٰى أَنْ نَمْضِيَ لِوَجْهِنَا فَمَنْ صَدَّنَا عَنِ الْبَيْتِ قَاتَلْنَاهُ۔ (2)

"اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں یا رسول اللہ! ہم عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں، کسی سے جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ ہم جس مقصد کے لئے آئے ہیں اسی کی طرف رواں دواں رہیں۔ جس نے ہمیں بیت اللہ شریف کے طواف سے روکا، ہم اس کے ساتھ جنگ کریں گے۔"

اسید بن حضیر نے بھی اس رائے کی تائید کی۔ حضور نے ارشاد فرمایا فَسِيْرُوْا عَلٰى اِسْمِ اللّٰهِ "اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنگ و قتال سے بچنے کے لئے یہ مناسب سمجھا کہ اس مشہور راستہ کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کر کے مکہ پہنچیں۔ حضور نے پوچھا کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو کسی غیر معروف راستہ سے ہمیں مکہ لے

1۔ ایضاً، صفحہ 61، و ابن کثیر، "السیرۃ النبویۃ"، جلد 3، صفحہ 312

2۔ مصدر سابق، صفحہ 62

جائے۔ ایک شخص نے حامی بھرلی۔ چنانچہ ایک نہایت ہی کٹھن اور دشوار گزار راستہ پر چل کر حضور حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ یہ جگہ حرم شریف کی سرحد پر واقع ہے۔ اس طرح خالد کے گھڑ سوار دستے سے ٹکراؤ کا خطرہ ٹل گیا اور قریش کی یہ تدبیر ناکام ہو گئی کہ مسلمانوں کو راستہ میں ہی الجھادیا جائے۔

راستہ میں جو واقعات رونپذیر ہوئے، ان میں بھی ہمارے لئے درس ہدایت ہے۔ اس لئے ان کا ذکر بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

حمار وحشی کا شکار

جس طرح پہلے عرض کیا کہ بعض صحابہ نے ذوالحلیفہ کے مقام پر احرام نہیں باندھا تھا، ان میں سے ایک ابو قتادہ بھی تھے۔ صحابہ نے جو حالت احرام میں تھے، ابواء کے مقام پر ایک جنگلی حمار دیکھا۔ ابو قتادہ اپنی جوتی گانٹھنے میں مشغول تھے، آپ نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ صحابہ کی خواہش تھی کہ ابو قتادہ اسے دیکھیں لیکن نہ انہیں زبان سے بتا سکتے تھے، نہ اشارہ کر سکتے تھے ورنہ شکار میں اعانت کے مرتکب ہوتے اور کفارہ ادا کرنا پڑتا۔ ابو قتادہ کہتے ہیں کہ اچانک میں نے سر اٹھایا تو میری نظر اس پر پڑگئی۔ میں فوراً اٹھا، گھوڑے پر زین کسی اور سوار ہو گیا لیکن جلدی میں عصا اور نیزہ لینا بھول گیا۔ میں نے اپنے احباب کی بڑی منت کی کہ مجھے میرا نیزہ پکڑادو لیکن سب نے اس بارے میں میری مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ میں غصہ سے خود نیچے اترا، عصا اور نیزہ پکڑا، گھوڑے پر سوار ہوا اور اس جنگلی حمار (گدھے) کے پیچھے دوڑادیا۔ چند قدم پر ہی اسے مار گرایا۔ میں نے اسے ذبح کیا اور پکایا مگر میرے دوست اس کے کھانے میں بھی متامل تھے۔ ہم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسئلہ پوچھا۔ حضور نے صحابہ سے دریافت کیا، کیا تم میں سے کسی نے ان کی امداد کی ہے یا اس جانور کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سب نے عرض کی نہیں۔ فرمایا، یہ تمہارے لئے حلال ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری ضیافت ہے، خوب کھاؤ، پھر پوچھا کچھ گوشت بچا بھی ہے۔ میں نے عرض کی، ایک بازو میں نے حضور کے لئے بچار کھا ہے۔ حضور نے احرام کی حالت میں اسے تناول فرمالیا۔(1)

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 58

اس سے دو مسئلے معلوم ہو گئے۔

1۔ محرم کے لئے نہ شکار کرنا جائز ہے اور نہ کسی دوسرے شکاری کی اس سلسلہ میں امداد کرنا جائز ہے۔

2۔ اگر غیر محرم شکار کرے اور جس محرم نے اس سلسلہ میں اس کی امداد بھی نہ کی ہو، وہ اس شکار کا گوشت کھا سکتا ہے۔

ہدیہ بنی نہد

روحاء کے مقام پر بنو نہد قبیلہ کے افراد حاضر خدمت ہوئے سرور عالم ﷺ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جو انہوں نے قبول نہ کی۔ پھر انہوں نے اپنی اونٹنیوں کا دودھ حضور کی خدمت میں بھیجا حضور نے اسے واپس کر دیا اور فرمایا لَا اَقْبَلُ هَدِيَّةً مِّنْ مُّشْرِكٍ کہ "میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کیا کرتا۔" (1)

ہدیہ ایماء بن رحضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بنو غفار قبیلہ کا ایک شخص جن کا نام ایماء بن رحضہ تھا، سو بکریاں اور دو اونٹنیاں لے کر حاضر ہوئے۔ یہ سارے جانور شیر دار تھے۔ سرور عالم نے انہیں قبول فرمایا اور انہیں دعا دی: بَارَكَ اللّٰهُ فِيكُمْ انہوں نے چند مقامی ترکاریاں بھی پیش کیں جو حضور نے بہت پسند فرمائیں اور ان میں سے کچھ چیزیں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجیں۔ (2)

کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابواء کے مقام پر جب یہ قافلہ پہنچا تو حضور نے حضرت کعب بن عجرہ کو دیکھا کہ ان کے بالوں سے جوئیں گر رہی ہیں اور آپ حالت احرام میں ہیں۔ رحمت عالم نے پوچھا هَلْ تُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ يَا كَعْبُ اے کعب! کیا یہ جوئیں تمہیں تکلیف دے رہی ہیں، عرض کی۔ یا رسول اللہ! انہوں نے تو میرا ناک میں دم کر رکھا ہے لیکن مجبور ہوں۔ فرمایا، سر کے بال منڈا دو اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 214

2۔ ایضاً، صفحہ 215

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ (1)

"پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اسے کچھ تکلیف ہو سر میں اور وہ سر منڈا لے تو وہ فدیہ دے دے روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے۔"

حضور نے انہیں فرمایا، یا بکری ذبح کر دو یا تین روزے رکھو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔ آپ نے بکری کی جگہ ایک گائے صدقہ کر دی۔(2)

ایک منافق کا انجام

سنگلاخ اور دشوار گزار راستہ کو طے کرتے ہوئے سرور عالم ﷺ جب ہموار میدان میں پہنچے تو فرمایا، سب کہو نَسْتَغْفِرُ اللهَ وَنَتُوبُ إِلَيْهِ "ہم اللہ سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔" سب نے یہ جملے دہرائے۔ حضور نے فرمایا یہی وہ بات تھی جو بنی اسرائیل کے سامنے پیش کی گئی لیکن انہوں نے یہ کہنے سے انکار کر دیا۔ اس کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں کیا گیا ہے: وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ (3)

"اور کہتے چلے جانا بخش دے (ہمیں)، ہم بخش دیں گے تمہاری خطائیں۔"

صبح ہوئی تو سب نے امام الانبیاء کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ حضور نے فرمایا كُلُّكُمْ مَغْفُورٌ لَهُ إِلَّا صَاحِبَ الْجَمَلِ الْأَحْمَرِ "تم سب کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے سوائے سرخ اونٹ والے کے۔" حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم نے اسے کہا کہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو جاؤ اور عرض کرو کہ حضور تمہارے لئے مغفرت کی دعا مانگیں۔ وہ بولا میں تو اپنے گمشدہ اونٹ کو تلاش کرنے میں مصروف ہوں، مجھے میرا اونٹ مل جائے، مجھے یہ اس سے زیادہ محبوب ہے کہ آپ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ وہ اپنے اونٹ کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ ایک پتھر سے اس کا پاؤں پھسلا، وہ لڑھکتا ہوا نیچے جا گرا اور مر گیا۔ جنگلی درندے اس کی لاش پر ٹوٹ پڑے اور اس کو چیر پھاڑ کر کھا گئے۔(4)

1۔ سورۃ البقرہ 196
2۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 215
3۔ سورۃ البقرہ 58
4۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 65-66

حدیبیہ میں حضور کا قیام

نبی مکرم ﷺ جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو حضور کی ناقہ قصویٰ بیٹھ گئی۔ لوگوں نے خیال کیا کہ تھکاوٹ کی وجہ سے بیٹھ گئی ہے۔ نبی کریم نے فرمایا: اِنَّمَا حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيْلِ عَنْ مَكَّةَ "اسے اس ذات نے آگے بڑھنے سے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کو مکہ جانے سے روکا تھا۔" حضور نے حکم دیا کہ یہیں فروکش ہو جاؤ۔ لوگوں نے عرض کی:

یارسول اللہ! یہاں تو پانی کی ایک بوند نہیں، سارے کنویں خشک پڑے ہیں۔ یہاں لشکر اسلام نے قیام کیا تو پانی کی نایابی کی وجہ سے بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حبیب کبریا نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور ایک صحابی کو حکم دیا کہ کسی کنویں میں اتر جائے اور یہ تیر اس میں گاڑ دے۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کی تیر گاڑنے کی دیر تھی کہ پانی جوش مار کر ابلنا شروع ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کنواں پانی سے بھر گیا۔

اہلِ مکہ کی تشویش اور باہمی مذاکرات

قریش بضد تھے کہ وہ کسی قیمت پر حضور کو آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔ حضور کی خواہش تھی کہ جنگ نہ ہونے پائے اور سارے معاملات حسن وخوبی سے طے پا جائیں۔ اسی اثناء میں بدیل بن ورقاء جو بنی خزاعہ قبیلہ کا سردار تھا۔ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حضور کی خدمت میں آیا اور حضور (ﷺ) سے یہاں آمد کا مقصد پوچھا۔ حضور نے اسے بتایا کہ بیت اللہ شریف کی زیارت کا شوق ہمیں کشاں کشاں یہاں لے کر آیا ہے۔ جنگ کرنے کا ہمارا قطعاً کوئی ارادہ نہیں اور نہ ہم کسی بہانے سے مکہ پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ احرام کی دو چادریں ہمارے زیب تن ہیں۔ قربانی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں۔ کیا تم یہ باور کر سکتے ہو کہ ایک تلوار لے کر ہم تمہارے ساتھ اتنی مسافت طے کر کے لڑنے کے ارادے سے آئے ہیں۔ بدیل کو اطمینان ہو گیا۔ چنانچہ وہ اہل مکہ کے پاس گیا اور انہیں جا کر کہا کہ مسلمان صرف کعبہ کی زیارت اور طواف کے لئے آئے ہیں، جنگ کرنے کا ان کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں، اس لئے تم ان کا راستہ نہ روکو۔ قریش نے اسے ڈانٹ دیا اور صاف کہا کہ تم بدو لوگ ان باریکیوں کو نہیں سمجھتے۔ ہم کسی قیمت پر مسلمانوں کو شہر میں داخل ہونے کی

اجازت نہیں دے سکتے۔

چند قبائل جنہیں احابیش کہا جاتا تھا، مکہ کے نواح میں آباد تھے۔ قریش کے ساتھ ان کا دوستانہ معاہدہ تھا۔ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اہل مکہ کو ان کی بڑی ضرورت تھی۔ یہ لوگ بلا کے تیر انداز اور جنگ جو تھے۔ اہل مکہ نے ان کے سردار حلیس بن علقمہ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضور کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ مجبور کرے کہ حضور واپس چلے جائیں۔ ان کا خیال تھا کہ اگر حضور نے اس کی بات نہ مانی تو وہ برافروختہ ہو کر مسلمانوں کے خلاف اپنی پوری قوت استعمال کرے گا۔

حضور نے جب اسے اپنی لشکر گاہ کی طرف آتے دیکھا تو صحابہ کو ارشاد فرمایا کہ قربانی کے جانوروں کی قطاریں اس کے سامنے سے گزارو۔ حلیس نے جب یہ منظر دیکھا تو بہت متاثر ہوا۔ حضور سے گفتگو کیۓ بغیر قریش کے پاس واپس آگیا اور جو کچھ دیکھا تھا وہ آکر بیان کر دیا اور انہیں یقین دلایا کہ مسلمان نہ جنگ کرنے کی غرض سے آئے ہیں اور نہ مکہ پر قبضہ کرنے کا کوئی ارادہ ہے۔ اس کی بات سن کر قریش کے غیظ و غضب کی حد نہ رہی۔ اسے کہا او بدو! بیٹھ جاؤ، تمہیں ان چیزوں کا کیا علم ہے۔ حلیس غصہ سے بے قابو ہو گیا اور انہیں کہا کہ ہم نے تمہارے ساتھ اس لئے دوستی نہیں کی کہ زائرین کعبہ کا راستہ روکنے کے لئے تمہاری امداد کریں۔ اگر تم اپنی ضد سے باز نہ آئے تو میں اپنے قبیلہ کے لوگوں کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔ قریش اس کی منت سماجت کرنے لگے کہ ذرا صبر سے کام لو، ہمیں سوچنے کا موقع دو۔ اس کے بعد اہل مکہ نے عروہ بن مسعود ثقفی کو کہا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جا کر گفتگو کرے اور انہیں واپس چلے جانے پر آمادہ کرے۔

اپنے پہلے سفیروں کے ساتھ انہوں نے جو برتاؤ کیا تھا۔ وہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ تم میرے ساتھ بھی وہی سلوک کرو گے اس لئے میں یہ خدمت انجام دینے سے قاصر ہوں۔ قریش نے اسے یقین دلایا کہ اس کی شخصیت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اس کی دانائی اور فراست پر انہیں کلی اعتماد ہے۔ چنانچہ وہاں سے روانہ ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور بڑی سلیقہ مندی سے گفتگو کا آغاز کیا۔ کہنے لگا، مکہ آپ کی قوم کا مرکز ہے۔ اگر آپ ان آوارہ منش لوگوں کی فوج اکٹھی کر کے اس پر حملہ کر کے اس کو ویران کر دیں گے اور یہاں کے باشندوں میں قتل و غارت کا بازار گرم

کر دیں گے تو یہ داغ پھر کبھی نہیں مٹے گا اور اگر جنگ کی نوبت آئی، تو آپ کے یہ ساتھی آپ کو تنہا چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ جائیں گے۔ حضرت صدیق اکبر اس کی یہ گفتگو سن رہے تھے۔ جب اس نے یہ آخری بات کہی تو آپ کو یارائے ضبط نہ رہا اور کڑک کر فرمایا۔ اولات کے غلیظ چیتھڑے کو چومنے والے! تم نے کیا کہا۔ کیا ہم حضور کو چھوڑ کر چلے جائیں گے؟ عروہ نے یہ سنا تو ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔

عرب کے دستور کے مطابق عروہ اثنائے گفتگو کبھی کبھی اپنے ہاتھ سے سرور عالم ﷺ کی ریش مبارک کو چھو لیتا۔ حضرت مغیرہ جو پاس کھڑے تھے، اس کے ہاتھ کو سختی سے جھٹک دیتے۔ اگرچہ آپ عروہ کے ممنون احسان تھے کہ اس نے ان کی طرف سے تیرہ آدمیوں کا خون بہا ادا کیا تھا جو ان سے قبل از اسلام قتل ہوئے تھے۔ جب وہ باز نہ آیا تو مغیرہ نے غضبناک ہو کر کہا: اب اگر تو نے ہاتھ لگایا تو واپس نہیں جائے گا: عروہ بولا مَا أَفَظَّكَ وَ أَغْلَظَكَ "تم کتنے کرخت مزاج اور سخت کلام ہو۔" حضور سے پوچھنے لگا، یہ کون ہے۔ فرمایا، یہ تیرا بھتیجا مغیرہ ہے۔ (1)

عروہ نے حضور سے تبادلہ خیال کیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ حضور کا مقصد نہ اہل مکہ سے جنگ کرنا ہے اور نہ مکہ پر قبضہ کرنا ہے۔ بلکہ حضور اپنے مخلص ساتھیوں کے ساتھ بیت اللہ کا عمرہ کرنے کیلئے یہاں آئے ہیں۔ چنانچہ اسلامی کیمپ میں کچھ وقت گزارنے کے بعد جب وہ واپس گیا تو اس نے اہل مکہ کو اپنے مشاہدات کے نتیجہ سے آگاہ کیا اور انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ مسلمانوں کی مزاحمت کا ارادہ ترک کر دیں۔ انہیں عمرہ و زیارت بیت اللہ سے نہ روکیں۔ وہ چند دن یہاں ٹھہر کر واپس مدینہ چلے جائیں گے۔ اس نے انہیں یہ بھی بتایا کہ وہ قیصر و کسریٰ اور کئی دوسرے بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہے لیکن جاں نثاری اور عقیدت کے جو جذبات اس نے غلامان محمد (ﷺ) کے دلوں میں موجزن دیکھے ہیں، ان کی نظیر اسے کہیں بھی نظر نہیں آئی۔ وہ اگر تھوکتے ہیں تو لعاب دہن کو تبرک سمجھ کر ہاتھوں پر لے لیتے ہیں۔ اگر وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کے پانی کا ایک قطرہ زمین پر نہیں گرنے دیتے بلکہ آگے بڑھ کر اسے اپنے چہروں اور سینوں پر مل لیتے ہیں۔ اگر کوئی کام کرنے کا اشارہ کرتے ہیں تو حکم بجالانے میں سب ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے بیتاب ہو

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویۃ"، جلد 3، صفحہ 316-317

جاتے ہیں۔ میں نے اطاعت کیشی، جاں نثاری، خلوص اور محبت کے یہ دلکش مناظر کسی شاہی دربار میں نہیں دیکھے۔ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ مشکل وقت میں مسلمان اپنے نبی کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ میں نے حقیقت حال سے تمہیں آگاہ کر دیا ہے۔ اب جو تم مناسب سمجھو وہ کرو۔

قریش نے مسلمانوں کے خلاف جو روش اختیار کر رکھی تھی۔ انہیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ جزیرۂ عرب کے طول و عرض میں اس کا رد عمل ان کے خلاف ہو گا اور لوگ یہ سمجھنے لگیں گے کہ قریش کعبہ کے خادم نہیں ہیں بلکہ مالک ہیں۔ انہیں یہ اختیار ہے جس کو چاہیں وہاں آنے دیں اور جس کو چاہیں وہاں آنے سے روک دیں۔ قریش کی کوشش تھی کہ اہل عرب کے اذہان میں ان کے متعلق یہ تاثر پیدا نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ جس کے باعث وہ مسلمانوں پر برملا حملہ کرنے سے گریزاں تھے۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ مسلمان مشتعل ہو کر جنگ کا آغاز کریں۔ چنانچہ انہوں نے بار بار ایسی حرکتیں کیں جس سے جنگ کے شعلے بھڑک سکتے تھے۔ ایک دفعہ رات کی تاریکی میں ان کے چالیس پچاس آدمی اسلامی کیمپ میں گھس آئے اور مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کی بارش شروع کر دی۔ مسلمانوں نے صبر و ضبط سے کام لے کر جنگ کو پھیلنے نہیں دیا بلکہ ان سب کو گرفتار کر کے حضور کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی سے انتقام نہیں لیا بلکہ سب کو رہا کر دیا۔ اس طرح قریش کی اس سازش کو ناکام بنا دیا۔

ایک روز مسلمان صبح کی نماز ادا کرنے میں مصروف تھے کہ تنعیم کی طرف سے اسی آدمیوں کے ایک دستہ نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے ان سب کو بھی گرفتار کر لیا لیکن سرور عالم نے ان کے لئے بھی عفو عام کا اعلان کر دیا۔ یوں قریش کی دوسری سازش بھی ناکام بنا دی گئی۔

حالات کوئی فیصلہ کن صورت اختیار نہیں کر رہے تھے اہل مکہ نے جتنے سفیر بھیجے مسلمانوں کی حسن نیت کے بارے میں وہ خود تو مطمئن ہو کر آئے تھے لیکن اہل مکہ کو مطمئن نہ کر سکے۔

نبی مکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یاد فرمایا تاکہ انہیں اہل مکہ کے پاس بھیجیں۔ آپ حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ! میرے دل میں مشرکین مکہ کے لئے

جو بغض و عداوت ہے، وہ اس سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ میرے خاندان بنی عدی کا کوئی آدمی وہاں موجود نہیں جو آڑے وقت میں میری مدد کرے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے نقصان پہنچائیں گے۔ میری تجویز یہ ہے کہ حضور اگر حضرت عثمان کو اپنا سفیر بنا کر بھیجیں تو ان کی کامیابی کے امکانات زیادہ روشن ہیں۔ ان کے خاندان کے کافرافراد وہاں موجود ہیں اور وہ اثر و رسوخ کے مالک ہیں۔ ان پر کوئی دست درازی کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ نیز وہ لوگ ان کی بات توجہ سے سنیں گے۔ سرور عالم ﷺ کو یہ تجویز پسند آئی۔ چنانچہ نبی مکرم ﷺ نے حضرت عثمان کو اپنا سفیر بنا کر اہل مکہ کی طرف بھیجا تا کہ یہ اپنی ذاتی وجاہت اور خاندانی اثر و رسوخ کے باعث اہل مکہ کی غلط فہمیوں کو دور کر سکیں اور قریش کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ مسلمانوں کو زیارت و طواف کعبہ سے نہ روکیں۔ حضور نے حضرت عثمان کو یہ بھی فرمایا کہ وہاں جو مسلمان مرد اور عورتیں بیکسی اور مظلومیت کی زندگی بسر کر رہی ہیں، ان سے ملاقات کریں اور انہیں یہ مژدہ سنائیں کہ ان کی مظلومیت اور مقہوریت کے دن ختم ہونے والے ہیں۔ مکہ عنقریب فتح ہوگا اور یہاں دین حق کو غلبہ نصیب ہوگا۔(1)

آپ تعمیل ارشاد کے لئے روانہ ہوئے مکہ سے باہر ہی آپ کی ملاقات ابان بن سعید سے ہوگئی۔ یہ آپ کا چچازاد بھائی تھا جو بعد میں مشرف باسلام ہوا۔ آپ نے اسے اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ اس نے آپ کو اپنی پناہ میں لے لیا اور کہا اب آزادی اور اطمینان سے اپنا فرض ادا کرو۔

حضرت عثمان نے مکہ پہنچ کر رؤساء قریش سے ملاقات کی اور صحیح صورت حال سے انہیں آگاہ کیا۔ آپ نے انہیں بتایا کہ ہم جنگ کرنے کی غرض سے نہیں آئے، ہم نے احرام باندھا ہوا ہے، قربانی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں اور اسلحہ ہمارے پاس نہیں۔ اگر ہمارا ارادہ مکہ پر قبضہ کرنے کا یا تم سے جنگ آزمائی کا ہوتا تو کیا ہم اس بے سر و سامانی کی حالت میں یہاں آتے۔ آپ نے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ ہم یہاں چند روز قیام کرنے کے بعد واپس چلے جائیں گے۔ لیکن وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے قسم کھائی ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ آپ لوگ اس وقت واپس چلے جائیں البتہ آئندہ سال کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ، جلد 2، صفحہ 185

بیعت رضوان کا پس منظر

اہلِ مکہ نے حضرت عثمان کو اپنے پاس روک لیا تا کہ بات چیت کا سلسلہ جاری رہے۔ اس اثناء میں کفار نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ کسی دوسرے مسلمان کو تو نہ ہم مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں گے اور نہ وہ کعبہ کا طواف کر سکیں گے البتہ آپ ہمارے مہمان ہیں، آپ کو اجازت ہے کہ آپ خانہ کعبہ کا طواف کر لیں۔ وہ تو سمجھتے تھے کہ عثمان ہماری اس اجازت کو بصد تشکر قبول کریں گے اور فوراً طواف کعبہ میں مشغول ہو جائیں گے لیکن اس عاشق صادق کا جواب سن کر ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ

مَا كُنْتُ لِأَفْعَلَ حَتّٰى يَطُوْفَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ (1)

"میں اس وقت تک کعبہ کا طواف نہیں کروں گا جب تک میرا محبوب میرے اللہ کا رسول طواف نہیں کرے گا۔"

حضرت عثمان کے مکہ روانہ ہونے کے بعد بعض صحابہ کے دل میں رہ رہ کر یہ خیال چٹکیاں لینے لگا کہ کتنا خوش نصیب ہے عثمان اسے مکہ مکرمہ جانے کا موقع مل گیا ہے۔ وہ بیت اللہ کی زیارت کر کے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے گا۔ اس کا طواف کر کے دل کی حسرت پوری کرے گا۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے گا اور احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جائے گا۔ معلوم نہیں ہمیں یہ سعادت نصیب ہوتی ہے یا نہیں۔

اپنے ان جذبات کا اظہار انہوں نے بارگاہ رسالت میں بھی کر دیا۔ حضور نے فرمایا!

مَا اَظُنُّهٗ طَافَ بِالْبَيْتِ وَنَحْنُ مَحْصُوْرُوْنَ "میرا خیال ہے کہ وہ کعبہ کا طواف ہرگز نہیں کریں گے جبکہ ہم محصور ہیں اور ہمیں مکہ میں داخلہ کی اجازت بھی نہیں۔"

حضرت عثمان جب واپس آئے تو صحابہ نے پوچھا کہ آپ نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ اس مومن صادق نے جواب دیا:

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ مَكَثْتُ بِهَا مُعْتَمِرًا كَذَا وَكَذَا سَنَةً وَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقِيْمٌ بِالْحُدَيْبِيَةِ مَا طُفْتُ

1۔ ایضاً

حَتّٰی یَطُوْفَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (1)

"اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ اگر میں احرام کی حالت میں کئی سال بھی مکہ میں رہتا۔ تو میں ہر گز طواف نہ کرتا۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول طواف نہ فرماتا۔"

علامہ ابن قیم نے حضرت عثمان کا جواب یوں رقم کیا ہے آپ نے فرمایا۔

بِئْسَمَا ظَنَنْتُمْ بِیْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ مَکَثْتُ بِھَا سَنَۃً وَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُقِیْمٌ بِالْحُدَیْبِیَّۃِ مَا طُفْتُ بِھَا حَتّٰی یَطُوْفَ بِھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (2)

"تم نے میرے بارے میں بہت برا گمان کیا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر میں مکہ میں ایک سال بھی رہتا اور حضور حدیبیہ میں تشریف فرما رہتے تو میں ہر گز کعبہ کا طواف نہ کرتا جب تک کہ میرے آقا علیہ السلام طواف نہ کرتے۔"

حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ یہ واقعہ صرف اہل سنت کی کتابوں میں موجود نہیں بلکہ اہل شیعہ کی معتبر کتاب "فروع کافی" میں بعینہ اسی طرح موجود ہے۔ ان کی عبارت مع ترجمہ پیش خدمت ہے:

فَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ طُوْبٰی لِعُثْمَانَ قَدْ طَافَ بِالْبَیْتِ وَسَعٰی بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ وَاَحَلَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا کَانَ لِیَفْعَلَ۔ فَلَمَّا جَآءَ عُثْمَانُ قَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَطُفْتَ بِالْبَیْتِ؟ فَقَالَ مَا کُنْتُ لِاَطُوْفَ بِالْبَیْتِ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ لَمْ یَطُفْ بِہٖ۔ (3)

"مسلمانوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! عثمان بڑا خوش نصیب ہے، اس نے بیت اللہ شریف کے طواف کی سعادت حاصل کی، صفا اور مروہ

1۔ ایضاً

2۔ "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 291

3۔ "فروع کافی"، جلد 2، صفحہ 238، کتاب الروضہ

کے درمیان سعی کی اور احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عثمان ایسا ہرگز نہیں کرے گا۔ جب حضرت عثمان واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا اے عثمان! کیا تو نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپ نے عرض کی، میں بیت اللہ کا کیسے طواف کر سکتا تھا حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا طواف نہیں کیا تھا۔"

جب اہل مکہ نے بات چیت کے لئے حضرت عثمان کو وہاں روک لیا تو اس اثناء میں یہ افواہ پھیل گئی کہ اہل مکہ نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان فرمایا کہ جب تک عثمان کے خون کا بدلہ نہیں لے لیں گے، یہاں سے نہیں ہٹیں گے۔ صحابہ کو حکم دیا کہ وہ جان کی بازی لگا دینے کے لئے بیعت کریں۔ یہ اعلان حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضور کے حکم سے فرمایا:

وَقَدْ نَادٰی عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَزَلَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَاَمَرَ بِالْبَیْعَةِ فَاخْرُجُوْا عَلٰی اسْمِ اللّٰهِ وَبَایِعُوْا۔ (1)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا لوگو! سنو، اللہ کے رسول ﷺ پر جبرائیل امین نازل ہوئے ہیں اور لوگوں سے بیعت لینے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نکلو اور آکر بیعت کرو۔"

چنانچہ سب غلامان مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم پروانوں کی طرح دوڑتے آتے اور بیعت کرتے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات پر بیعت کی عَلٰی اَنْ لَّا یَفِرُّوْا یعنی حالات کتنے سنگین ہوں دشمن کا دباؤ کتنا ہی شدید ہو، وہ جان دے دیں گے، سر کٹا دیں گے لیکن بھاگیں گے نہیں۔

سب سے پہلے جس کو بیعت کا شرف حاصل ہوا، وہ سنان بن ابی سنان بن وہب بن محصن تھے۔ بیعت کرتے ہوئے اس جان نثار غلام نے عرض کی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُبَایِعُكَ عَلٰی مَا فِیْ نَفْسِكَ جو آپ کے جی میں ہے، میں اسی پر بیعت کرتا ہوں۔" حضور علیہ السلام نے سب کو سنان کی شرط پر بیعت کیا اور سب نے اس شرط پر بیعت کی۔ خود سپردگی کا کیا عالم تھا کہ جس

1۔ "مستدرک امام حاکم"، جلد 1، صفحہ 224

سے سارے غلامان حبیب کبریاء علیہ افضل التحیۃ واجمل الثناسر شار تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرور عالم کا دست مبارک پکڑے ہوئے تھے اور لوگ ذوق و شوق سے بیعت سے مشرف ہو رہے تھے۔ سب نے یہ سعادت عظمیٰ حاصل کی لیکن ایک بدقسمت محروم رہا۔ اس کا نام جد بن قیس تھا، یہ منافق تھا۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو دیکھا کہ لوگ تو دوڑ دوڑ کر بیعت کر رہے تھے اور یہ اپنے اونٹ کی بغلوں کے ساتھ چمٹا ہوا تھا تا کہ کوئی اسے دیکھ نہ لے۔

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے تین بار بیعت کی، ابتداء میں بھی، درمیان میں بھی اور آخر میں بھی۔ آپ فرماتے ہیں:

بَايَعْنَاهُ وَبَايَعَ النَّاسُ عَلٰى عَدَمِ الْفِرَارِ وَاَنَّهٗ اِمَّا الْفَتْحُ وَاِمَّا الشَّهَادَةُ۔

"ہم نے اس شرط پر بیعت کی کہ ہم فرار نہیں ہوں گے یا فتح حاصل کریں گے یا شہادت کا تاج پہنیں گے۔"

جب سب صحابہ کرام بیعت کر چکے تو آخر میں سرور عالم ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی:

اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ عَنْ عُثْمَانَ فَاِنَّهٗ فِيْ حَاجَتِكَ وَحَاجَةِ رَسُوْلِكَ (1)

"اے اللہ! یہ ہاتھ عثمان کی طرف سے ہے کیونکہ وہ تیرے اور تیرے رسول کے حکم کی تعمیل میں گیا ہوا ہے۔"

اس کے بعد علامہ احمد بن زینی دحلان تحریر فرماتے ہیں:

وَمَا ذٰلِكَ اِلَّا لِاَنَّهٗ عَلِمَ بِعَدَمِ صِحَّةِ الْقَوْلِ بِقَتْلِهٖ (2)

"حضرت عثمان کی طرف سے یہ بیعت حضور نے اس لئے فرمائی کہ حضور کو علم تھا کہ آپ کے قتل کی خبر صحیح نہیں ہے۔"

بیعت لینے میں حکمت یہ تھی کہ کفار مکہ مسلمانوں کے عزم مصمم کے بارے میں سن کر مرعوب ہو جائیں اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے خیال کو اپنے دل سے نکال

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویۃ"، جلد 2، صفحہ 185

2۔ ایضاً

دیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے سہیل بن عمرو کو صلح کیلئے گفتگو کرنے کی غرض سے بھیجا۔
اسے بھی حسن اتفاق ہی کہیے یا حضرت عثمان کے خلوص اور للّٰہیت کا نتیجہ سمجھئے کہ اہل شیعہ کی معتبر کتاب "فروع کافی" میں یہ واقعہ بعینہ اسی طرح مذکور ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

وَبَايَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمِيْنَ وَضَرَبَ بِإِحْدَى يَدَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى لِعُثْمَانَ۔ (1)

"رسول اللہ ﷺ نے سب مسلمانوں سے بیعت لی۔ پھر اپنا ایک ہاتھ دوسرے دست مبارک پر رکھا اور فرمایا میں یہ بیعت عثمان کی طرف سے کر رہا ہوں۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خوش بختی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ باقی تمام صحابہ نے اپنے اپنے ہاتھ نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر رکھ کر بیعت کی۔ لیکن حضرت عثمان کی بیعت کی جب باری آئی تو ان کے ہاتھ کے بجائے نبی کریم نے اپنا دست مبارک اپنے دوسرے دست مبارک پر رکھ کر ان کے طرف سے بیعت کی۔ سبحان اللہ! یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

سرور عالم ﷺ ایک درخت کے نیچے جلوہ افروز ہیں۔ صحابہ کرام پروانوں کی طرح شوق شہادت سے سرشار بیعت کر رہے ہیں۔ انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ اپنے مرکز سے تقریباً اڑھائی سو میل دور ہیں۔ ان کی تعداد صرف چودہ، پندرہ سو ہے۔ جنگ کیلئے جس قسم کے اسلحہ اور ساز و سامان کی ضرورت ہوتی ہے، اس کا فقدان ہے۔ بادیہ نشین قبائل میں سے کوئی بھی ان کی مدد کرنے کیلئے تیار نہیں۔ دشمن اپنے علاقہ میں ہے اور وہ مکہ کے سارے جنگجوؤں کو میدان میں لا سکتا ہے۔ نیز ضرورت کے وقت دوست قبائل بھی ان کی مدد کو پہنچ سکتے ہیں۔ ان حالات کو سمجھتے ہوئے بھی وہ عشق اور ایمان کے تقاضوں سے باخبر ہیں اور ان کو عمدگی سے پورا کرنے کی جرأت بھی رکھتے ہیں۔ نتائج سے بے نیاز ہو کر وہ اپنے ہادی و مرشد کے دست مبارک پر سر کٹانے اور جان دینے کی بیعت کر رہے ہیں۔ سرفروشی اور جان نثاری کا یہ روح پرور منظر چشم فلک پیر نے کب دیکھا ہوگا۔ ان پاکباز اور نیک نہاد عشاق کے جذبہ ایثار پر عالم بالا کے مکینوں کو بھی وجد آگیا ہوگا۔ اسی

1۔ "فروع کافی"، جلد 3، صفحہ 238، کتاب الروضہ

حالت میں جبرائیل امین آئے اور شمع جمال مصطفوی کے پروانوں کو خداوند کریم کی طرف سے یہ مژدہ جانفزا سنایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ (1)

"بیشک راضی ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ مومنین سے جب وہ درخت کے نیچے آپ کے دست حق پرست پر سر دھڑ کی بازی لگانے کی بیعت کر رہے تھے۔"

یہ بیعت، تاریخ اسلام میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ آج بھی اس کے تذکرہ سے ایمان کو جلا اور عشق کو نئی توانائیاں نصیب ہوتی ہیں۔

اس بیعت کی اطلاع جب اہل مکہ کو ملی تو ان کے اوسان خطا ہو گئے اور جس ہٹ دھرمی کا وہ اب تک مظاہرہ کرتے رہے تھے، اس کی تندی کافور ہو گئی۔ ان میں سے جو لوگ زیرک اور دور اندیش تھے، وہ سر جوڑ کر بیٹھے اور اس سنگین صورت حال سے عہدہ بر آ ہونے کے لئے غور و فکر کرنے لگے۔ طویل بحث و تمحیص کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ بہتری اسی میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کیا جائے اور انہیں یہ کہا جائے کہ وہ اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال آکر عمرہ کریں۔ یہ لوگ مکہ کو تین دن کے لئے خالی کر دیں گے۔ وہ تین دن یہاں رہیں، نماز پڑھیں اور طواف کریں۔ صفا مروہ کے درمیان سعی کریں، قربانیاں دیں اور تین روز کے بعد واپس چلے جائیں۔ جب اس تجویز پر وہ سب لوگ متفق ہو گئے تو انہوں نے سہیل بن عمرو، حویطب اور مکرز کو اپنے نمائندے بنا کر بارگاہ رسالت میں بھیجا۔ انہوں نے سہیل کو خاص طور پر تاکید کی کہ تم جاؤ صلح کے لئے بات چیت کرو لیکن اس شرط میں کوئی لچک نہ دکھاؤ۔ وہ اس سال ضرور واپس جائیں ورنہ سارے عرب میں ہماری رسوائی ہو گی کہ مسلمانوں نے اہل مکہ کی منشا کے خلاف بزور شمشیر عمرہ کیا ہے۔ سہیل اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر بارگاہ سرور انبیاء میں حاضر ہوا۔ حضور نے جب سہیل کو دور سے آتے دیکھا تو فرمایا قوم نے اس شخص کو بھیجا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ صلح کرنے پر آمادہ ہیں۔ نیز فرمایا: قَدْ سَهُلَ اَمْرُكُمْ اور تمہارا کام آسان ہو گیا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چار زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ عبادہ بن بشر اور سلمہ بن اسلم جنہوں

1۔ سورۃ الفتح: 17

نے سروں پر خود پہنے ہوئے تھے، وہ پیچھے کی طرف مؤدب کھڑے ہوگئے۔ سہیل آیا اور دو زانو ہو کر بیٹھ گیا، صلح کے بارے میں گفتگو شروع کی۔ سلسلہ کلام کافی دیر تک جاری رہا۔ اثنائے گفتگو آوازیں بلند و پست ہوتی رہیں۔ عباد بن بشر سے نہ رہا گیا، انہوں نے سہیل کو کہا، بارگاہ رسالت میں بلند آواز سے بات مت کرو۔ سارے صحابہ سرور عالم ﷺ کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے ہوئے تھے۔ طویل گفت و شنید کے بعد جب صلح کی شرائط پر اتفاق رائے ہو گیا تو صلح نامہ کو ضبط تحریر میں لانے کے لئے قلم دوات اور کاغذ منگوایا گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اوس بن خولی کو فرمایا کہ وہ صلح نامہ لکھیں۔ سہیل نے کہا کہ نہیں صلح نامہ یا آپ کے چچازاد حضرت علی لکھیں گے یا حضرت عثمان۔ حضور نے حضرت علی کو لکھنے کا حکم دیا۔ فرمایا لکھ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سہیل تڑپ اٹھا، کہنے لگا: ہم رحمٰن کو نہیں جانتے۔ وہ لکھو جو ہم لکھا کرتے ہیں یعنی بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ مسلمانوں کو اس کی یہ تجویز سخت ناگوار گزری۔ انہوں نے کہا بیشک اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے اور ہم یہی لکھیں گے۔ اس نے کہا اگر اس بات پر مصر ہیں تو ہم اس بات چیت کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ امن و سلامتی کے نبی نے حکم دیا لکھو بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمان رسالت کے مطابق لکھا بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ پھر فرمایا لکھو۔ هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی ہے۔" رسول اللہ کا لفظ سن کر سہیل پھر پھڑ کا کہنے لگا:

سارا جھگڑا تو یہی ہے، اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ کی مخالفت کیوں کرتے۔ آپ لکھیں محمد بن عبد اللہ۔ مسلمان، سہیل کی پہلی تجویز سے ہی بھرے بیٹھے تھے، اب اس کی دوسری تجویز نے ان کو سراپا احتجاج بنا دیا۔ سب نے کہا، محمد رسول اللہ ہی لکھا جائے اور غلامان مصطفیٰ اس بات پر مصر تھے کہ محمد رسول اللہ ہی لکھا جائے گا۔ آپس میں تلخ کلامی ہو رہی تھی اور آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ پیکر رحمت و رأفت ﷺ دونوں کو خاموش ہونے کی ترغیب دے رہے تھے اور دست مبارک سے خاموش ہونے کا اشارہ کر رہے تھے۔ سہیل کا ایک ساتھی حویطب اس منظر پر تصویر حیرت بنا ہوا تھا اور اپنے تیسرے ساتھی مکرز کو کہہ رہا تھا مَا رَأَيْتُ قَوْمًا اَحْوَطَ لِدِيْنِهِمْ مِنْ هٰؤُلَاءِ کہ میں نے کسی قوم کو اپنے دین کے بارے میں اس شدت سے احتیاط کرنے والا نہیں دیکھا۔ پھر اللہ کے رسول نے حکم دیا، اے علی! اُكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ فَاكْتُبْ میں محمد بن عبد اللہ ہوں آپ یہی لفظ لکھیں۔"(1)

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 227

یہاں ہم پہلے اس صلح نامہ کی ہو بہو عبارت نقل کرتے ہیں: اس کے بعد جن شرائط پر صحابہ کرام کے قلوب میں اضطراب و بے چینی پیدا ہوئی اس کا تذکرہ کریں گے:

بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ هٰذَا مَا اصْطَلَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو اصْطَلَحَا عَلٰى وَضْعِ الْحَرْبِ عَشْرَ سِنِيْنَ يَأْمَنُ فِيْهَا النَّاسُ وَيَكُفُّ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ، عَلٰى اَنَّهٗ لَا اِسْلَالَ وَلَا اِغْلَالَ - وَاِنَّ بَيْنَنَا عَيْبَةٌ مَكْفُوْفَةٌ وَاِنَّهٗ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَدْخُلَ فِيْ عَهْدِ مُحَمَّدٍ وَعَقْدِهٖ فَعَلَ وَاِنَّهٗ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَدْخُلَ فِيْ عَهْدِ قُرَيْشٍ وَعَقْدِهَا فَعَلَ وَاِنَّهٗ مَنْ اَتٰى مُحَمَّدًا مِنْهُمْ بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهٖ رَدَّهٗ مُحَمَّدٌ اِلَيْهِ وَاِنَّهٗ مَنْ اَتٰى قُرَيْشًا مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ لَمْ يَرُدُّوْهُ - وَاِنَّ مُحَمَّدًا يَرْجِعُ عَنَّا عَامَهٗ هٰذَا بِاَصْحَابِهٖ وَيَدْخُلُ عَلَيْنَا مِنْ قَابِلٍ فِيْ اَصْحَابِهٖ وَيُقِيْمُ بِهَا ثَلَاثًا - وَلَا يَدْخُلُ عَلَيْنَا بِسِلَاحٍ اِلَّا سِلَاحَ الْمُسَافِرِ السُّيُوْفُ فِي الْقُرُبِ -

(1)

''اے اللہ تیرے نام سے۔ یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبد اللہ اور سہیل بن عمرو نے صلح کی ہے۔ انہوں نے اس بات پر صلح کی ہے کہ دس سال تک فریقین میں جنگ نہیں ہوگی۔ لوگ امن سے رہیں گے اور کوئی کسی دوسرے پر دست درازی نہیں کرے گا۔ کوئی چوری اور خیانت کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ ہم ایک دوسرے کے راز افشا نہیں کریں گے۔ اور جس قبیلہ کی مرضی ہو وہ محمد (رسول اللہ ﷺ) کے ساتھ معاہدہ کرے اور جس کی مرضی ہو وہ قریش کے ساتھ معاہدہ کر لے۔ مکہ والوں میں سے جو شخص اپنے ولی کے اذن کے بغیر محمد (رسول اللہ ﷺ) کے پاس آئے گا تو آپ اسے واپس کر دیں گے اور اگر حضور کے اصحاب سے کوئی آدمی قریش کے پاس آئے گا تو وہ واپس نہیں کریں گے اور محمد (رسول اللہ ﷺ) اس سال اپنے صحابہ سمیت واپس

1۔ ایضاً

چلے جائیں گے اور آئندہ سال اپنے صحابہ سمیت عمرہ ادا کرنے کے لئے
آئیں گے اور مکہ میں تین روز قیام کریں گے اور تلوار کے بغیر ان کے پاس
اور کوئی ہتھیار نہ ہو گا اور تلواریں بھی نیاموں میں بند ہوں گی۔"

اس معاہدہ پر حضور سرور عالم ﷺ کی طرف سے سیدنا ابو بکر صدیق سیدنا عمر بن خطاب، عبد الرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، عثمان بن عفان، ابو عبیدہ بن جراح اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم نے اور مشرکین مکہ کی طرف سے حویطب بن عبد العزیٰ، مکرز بن حفص نے دستخط کئے جبکہ صلح نامہ لکھنے کا شرف سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو حاصل ہوا۔

اس معاہدہ کا اصل سرکار دو عالم ﷺ کے پاس رہا اور اس کی ایک نقل سہیل کو دے دی گئی۔ جب عرب قبائل نے معاہدہ کی یہ شق سنی کہ ہر قبیلہ آزاد ہے جس فریق کے ساتھ چاہے اپنی دوستی کا معاہدہ کرلے تو بنی خزاعہ نے اسی وقت اعلان کر دیا۔ نَحْنُ نَدْخُلُ فِي عَهْدِ مُحَمَّدٍ وَعَقْدِهٖ ہم محمد (رسول اللہ ﷺ) کے ساتھ معاہدہ کرتے ہیں۔" بنو بکر نے کہا کہ ہم قریش کے ساتھ معاہدہ کرتے ہیں۔

مسلمانوں نے معاہدہ کی جب یہ شرائط سنیں تو ان پر رنج واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ان کی غیرت ایمانی یہ کب گوارا کر سکتی تھی کہ حق و صداقت کے علمبردار ہوتے ہوئے وہ باطل سے دب کر صلح کریں۔ راہ حق میں جان دے دینا اور سر کٹا دینا انہیں ہرگز گراں نہ تھا لیکن یہ بات ان کے لئے ناقابل برداشت تھی کہ کفار من مانی شرائط پر ان سے صلح کرلیں۔ ہر شخص رنجیدہ خاطر تھا۔ ہر دل میں بے چینی اور بے قراری تھی حتیٰ کہ حضرت فاروق اعظم جیسا بالغ نظر بھی مضطربانہ حالت میں اپنے قلبی اضطراب کا اظہار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ایک اللہ تعالیٰ کا نبی تھا جس کی نگاہ نبوت ان خوش آئند نتائج اور عواقب کو دیکھ رہی تھی جو مستقبل قریب پر اس معاہدے کے مرتب ہونے والے تھے اور ایک یار غار صدیق اکبر کی شخصیت تھی جس کے دل میں اطمینان اور سکون تھا۔ اسے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کا رسول جو کرتا ہے، اپنے رب کے حکم سے کرتا ہے اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں بندوں کی بھلائی اور سرفرازی ہے۔

صحابہ کرام خصوصاً حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اضطراب اور بے کلی کی وجہ

محض یہ تھی کہ انہیں بظاہر ان شرائط میں کفار کی بالادستی نظر آرہی تھی۔ جیتے جی انہیں گوارا نہ تھا کہ وہ زندہ بھی ہوں اور پتھروں کے پجاری اپنی من مانی شرائط پر صلح کرالیں۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کی عظمت و شوکت کے بارے میں جتنا کسی کا جذبہ شدید تھا، اتنی ہی اس کی بے چینی زیادہ تھی۔ حضرت عمر جو اپنے محبوب ہادی ﷺ کی شوکت و سطوت کے سامنے کسی سلطان دوراں کی شوکت و سطوت کو پرکاہ کے برابر بھی نہ سمجھتے تھے۔ جس کی خاک پا پر گنبد نیلوفری پر چمکنے والے مہر و ماہ اور کہکشاں قربان کئے جا سکتے تھے، اس سلطان گردوں سریر کے سامنے ابو سفیان اور اس کے حواری آواز اونچی کرنے کی جرأت کریں، ان چودہ سو مسلمانوں کی غیرت کیلئے ایک چیلنج تھا۔ اگرچہ اس اضطراب کا منبع جذبہ ایمانی تھا لیکن اس کی یہ وجہ بھی تھی کہ وہ نتائج جو پردہ غیب کے پیچھے پنہاں تھے اور جو حکمتیں اس معاہدہ کو تسلیم کرنے میں مضمر تھیں، وہاں تک ہر ایک کی رسائی نہ تھی۔ انہیں مصطفیٰ کریم کی چشم مازاغ دیکھ رہی تھی۔ اور جو کچھ وہ ذات دیکھ رہی تھی۔ اس کے صدیق کی شان صدیقیت بن دیکھے پوری وثوق کے ساتھ اس کی تصدیق کر رہی تھی۔ اگر حضرت صدیق کی شان تسلیم قابل صد آفرین ہے تو حضرت فاروق کی تڑپ اور بے کلی بھی قابل صد تحسین ہے۔ آیئے! دونوں کا مکالمہ انہیں کے الفاظ میں سماعت فرمایئے۔ دونوں کے سینوں میں شمع ایمان روشن ہے اور دونوں کی شانیں آپ کا دل موہ لیں گی۔

بارگاہ رسالت میں اپنے جذبات کے اظہار کے بعد حضرت صدیق کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت فاروق اپنے بے قابو جذبات کو یوں زبان دیتے ہیں:

يَا اَبَا بَكْرٍ اَلَيْسَ هٰذَا نَبِيُّ اللّٰهِ حَقًّا "اے ابو بکر! "کیا حضور اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں۔"

قَالَ بَلٰى "انہوں نے جواب دیا، بیشک حضور اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔"

اَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَهُمْ عَلَى الْبَاطِلِ "کیا ہم حق پر نہیں۔ کیا وہ باطل پر نہیں۔"

اَلَيْسَ قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمْ فِي النَّارِ "کیا ہمارے مقتول جنت میں نہیں۔ کیا ان کے مقتول دوزخ میں نہیں۔"

قَالَ بَلٰى "آپ نے فرمایا بیشک ایسا ہی ہے۔"

فَعَلَامَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِي دِيْنِنَا وَ "پھر ہم دین کے معاملہ میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں،

نَرْجِعُ وَلَمْ يَحْكُمِ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَ — اور عمرہ کئے بغیر لوٹ جائیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی

بَيْنَهُمْ — ہمارے درمیان اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا۔"

اب شان صدیقی لب کشا ہوتی ہے، فرمایا:

اَيُّهَا الرَّجُلُ اِنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ — "اے شخص! حضور اللہ کے رسول ہیں۔ وہ اپنے رب کی

لَيْسَ يَعْصِيْ رَبَّهٗ — نافرمانی نہیں کرتے

وَهُوَ نَاصِرُهٗ — اور وہ آپ کا مددگار ہے۔"

فَاسْتَمْسِكْ بِغَرْزِهٖ حَتّٰى تَمُوْتَ — "اس لئے حضور کے رکاب کو آخر دم تک مضبوطی سے پکڑے رہو۔"

فَوَاللّٰهِ اِنَّهٗ عَلَى الْحَقِّ وَاِنَّهٗ — "خدا کی قسم! وہ حق پر ہیں اور وہ اللہ کے سچے رسول

رَسُوْلُ اللّٰهِ — ہیں۔"

حضرت عمر نے فوراً کہا:

وَاَنَا اَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ — "میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضور اللہ کے سچے رسول ہیں"

حضرت عمر کے ذہن میں ایک خلش اور بھی تھی، اس کو دور کرنے کے لئے رازدان اسرار نبوت سے پوچھا:

اَوَلَيْسَ كَانَ يُحَدِّثُنَا اَنَّهٗ — "کیا حضور نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کی زیارت

سَنَأْتِي الْبَيْتَ — کریں گے

وَنَطُوْفُ بِهٖ۔ — اور اس کا طواف کریں گے۔"

حضرت صدیق نے جواب دیا:

بَلٰى — "بیشک حضور نے یہ بیان کیا تھا۔"

اَفَاَخْبَرَكَ اَنَّكَ تَأْتِيْهِ الْعَامَ — "کیا حضور نے یہ فرمایا تھا کہ تم اس سال خانہ کعبہ کا طواف کرو گے۔"

حضرت عمر نے کہا، نہیں۔ حضرت صدیق نے کہا:

فَاِنَّكَ اٰتِيْهِ — "یقیناً تم کعبہ شریف کے پاس جانے والے ہو اور اس کا طواف کرنے والے ہو۔"

یہ کلمات جو ان کی زبان سے نکلے اگرچہ ان کا محرک جذبہ محبت تھا۔ اگرچہ اس کا باعث

غیرت وحمیت ایمانی تھی، معاذ اللہ کوئی بے ادبی یا گستاخی نہ تھی لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ اس پر افسوس کرتے رہے۔ آپ کے اپنے الفاظ سنئے :

فَمَا زِلْتُ اَتَصَدَّقُ وَاَصُوْمُ وَاُصَلِّیْ وَاُعْتِقُ مِنَ الَّذِیْ صَنَعْتُ یَوْمَئِذٍ مَخَافَةَ کَلَامِی الَّذِیْ تَکَلَّمْتُ بِهٖ حَتّٰی رَجَوْتُ اَنْ یَکُوْنَ خَیْرًا۔ (1)

"یہ کلمات جو میری زبان سے نکلے، ان کی تلافی کیلئے میں صدقے کرتا رہا۔ روزے رکھتا رہا، نوافل پڑھتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا تاکہ جو لغزش مجھ سے اس دن سرزد ہوئی تھی وہ معاف کردی جائے۔ یہ سلسلہ میں نے جاری رکھا یہاں تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے رحمت و بھلائی کی قوی امید ہو گئی۔"

جب ان شرائط پر اتفاق ہو گیا تو سہیل نے کہا اب آپ اسے تحریر کردیں تاکہ کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ سرور عالم علیہ الصلوۃ والسلام نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو یاد فرمایا۔ آپ حاضر ہوئے تو معاہدہ تحریر کرنے کا حکم فرمایا۔

محمد رسول اللہ لکھنے پر جو نازک صورت حال رونما ہوئی، وہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ سیدنا علی کا اصرار تھا کہ میں رسول اللہ کا لفظ نہیں مٹاؤں گا۔ حضرت اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ بھی آپ کو مجبور کر رہے تھے کہ آپ یہ لفظ نہ مٹائیں۔ حضور نے فرمایا، علی! رسول اللہ کے لفظ مٹادو۔ اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھو۔ حضرت علی نے عرض کی، یا رسول اللہ! مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا۔ حضور نے فرمایا مجھے دکھاؤ تم نے کہاں لکھا ہے۔ حضور نے خود یہ لفظ محو کر دیئے اور حکم دیا اُکْتُبْ مُحَمَّدَ ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ کہ اس کی جگہ لکھو محمد بن عبد اللہ (ﷺ)۔ امام بیہقی نے جو روایت لکھی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

قَالَ لِعَلِیٍّ اُمْحُهُ۔ فَاَبٰی فَمَحَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِیَدِهٖ وَکَتَبَ هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَیْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ (2)

"حضور نے حضرت علی کو فرمایا، اس کو مٹادو۔ آپ نے انکار کر دیا اور

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 87

2۔ الامام البیہقی، "دلائل النبوۃ"، جلد 4، صفحہ 146

رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسے مٹایا اور اس کی جگہ لکھا هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبد اللہ نے کفار مکہ کے ساتھ صلح کی ہے۔"

جب یہ شق لکھی جانے لگی کہ اگر کوئی مسلمان مکہ واپس لوٹ جائے گا تو اہل مکہ واپس نہیں کریں گے اور اگر کوئی مکہ کا آدمی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مسلمانوں کے پاس آ جائے گا تو مسلمانوں پر لازم ہو گا کہ وہ اسے واپس کر دیں۔

اس شق سے صحابہ کرام میں بے چینی اور اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ مسلمانوں کی زبانوں سے نکلا:

أَيُكْتَبُ هٰذَا كَيْفَ يُرَدُّ إِلَى الْمُشْرِكِيْنَ وَقَدْ جَاءَ مُسْلِمًا

"سبحان اللہ! کیا یہ شرط بھی لکھی جائے گی، ایک شخص جو مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئے گا، اسے ہم کس طرح کافروں کے حوالے کر دیں گے۔"

سرکار دو عالم ﷺ نے ایک جملہ سے اس طوفان کو خاموش کر دیا، فرمایا:

نَعَمْ إِنَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا إِلَيْهِمْ فَأَبْعَدَهُ اللهُ وَمَنْ جَاءَ مِنْهُمْ إِلَيْنَا سَيَجْعَلُ اللهُ لَهُ فَرَجًا وَمَخْرَجًا (1)

"ہاں! لکھی جائے گی، جو شخص ہمیں چھوڑ کر ان کے پاس چلا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنے در رحمت سے دور کر دے گا اور جو ان میں سے ہمارے پاس آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کشادگی اور نجات کا راستہ پیدا فرما دے گا۔"

سیدنا علی مرتضیٰ کا رسول اللہ کے لفظ کو مٹانے سے انکار یا اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ کا اصرار کہ محمد رسول اللہ ہی لکھا جائے، معاذ اللہ کسی نافرمانی یا گستاخی کے باعث نہ تھا بلکہ ذات پاک مصطفیٰ سے جو قلبی وابستگی ان کو تھی، یہ سب اس کے تقاضے اور کرشمے تھے۔ اسی لئے حضور نے ان پر کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ ان کی طمانیت خاطر کا اہتمام فرماتے رہے۔ بعینہ یہ معاملہ حضرت فاروق اعظم کی بے چینی کا تھا۔ سرکار نے اس

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 89

پر بھی قطعاً کسی برہمی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ ان کے اطمینان قلب کے لئے انہیں اپنے منصب نبوت اور علم خداداد کی طرف متوجہ کرتے رہے۔

ابھی معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ کفار کے نمائندے سہیل بن عمرو کا لڑکا ابو جندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور جسے زنجیروں میں جکڑ دیا گیا تھا، زنجیروں کو گھسیٹتا ہوا حدیبیہ کے میدان میں پہنچ گیا۔ مسلمانوں نے دیکھا تو ان کی خوشی کی حد نہ رہی۔ بڑے تپاک سے ابو جندل کو خوش آمدید کہا۔ اس کا باپ سہیل ابھی وہیں تھا، اس نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو غصہ سے بے تاب ہو گیا۔ ایک خاردار ٹہنی پکڑی اور اس کے منہ پر پیہم ضربیں لگانا شروع کر دیں، اسے گریبان سے پکڑ کر گھسیٹنے لگا اور کہنے لگا، یا محمد (ﷺ) یہ پہلا آدمی ہے، اس کی واپسی کا میں آپ سے مطالبہ کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا، ابھی معاہدہ لکھا جا رہا ہے، اس پر دستخط بھی نہیں ہوئے۔ معاہدہ اس وقت واجب العمل ہوتا ہے جب فریقین اس پر دستخط کر دیں۔ اس نے کہا اگر آپ میرے لڑکے کو واپس نہیں کریں گے تو میں سارے معاہدہ کو کالعدم قرار دے دوں گا۔ حضور نے سہیل کو کہا، سہیل! میرے لئے تو اس کو معاف کر دے اور ہمارے پاس رہنے دے۔ لیکن اس نے اس منت کی بھی پروا نہ کی۔ ابو جندل نے دیکھا کہ مجھے پھر ظالم باپ کی تحویل میں دے دیا جائے گا اور وہ مجھ پر پہلے سے بھی زیادہ مشق ستم کرے گا تو اس نے فریاد کرنا شروع کی۔ غریب پرور نبی نے ابو جندل کو اپنے پاس بلایا اور اسے فرمایا:

يَا اَبَا جَنْدَلْ اِصْبِرْ وَاحْتَسِبْ فَاِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ لَكَ وَلِمَنْ مَّعَكَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا فَاِنَّا قَدْ عَقَدْنَا مَعَ الْقَوْمِ صُلْحًا وَّاَعْطَيْنَاهُمْ وَاَعْطَوْنَا عَلٰى ذٰلِكَ عَهْدًا وَّاِنَّا لَا نَغْدِرُ (1)

"اے ابو جندل! صبر کرو اور اس کے اجر کی اللہ سے امید رکھو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تیرے لئے اور تیرے کمزور ساتھیوں کے لئے نجات کا راستہ بنانے (ہی) والا ہے۔ ہم نے قوم کے ساتھ صلح کی اور ان کے ساتھ عہد و پیمان کیا ہے، اب ہم عہد شکنی نہیں کر سکتے۔"

اس چیز نے صحابہ کے زخمی جذبات پر نمک پاشی کا کام کیا لیکن کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ حضور ﷺ نے وہیں احرام کھول دیا اور اپنی قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا۔ حضور

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 226، و "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 852

کے سارے ساتھیوں نے اپنے آقا کے عمل کی اقتداء کرتے ہوئے احرام کھول دیئے اور اپنے جانوروں کو ذبح کر دیا اور یہیں سے یہ پیکران تسلیم و رضا مراجعت فرمائے مدینہ طیبہ ہوئے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو دیگر اموال غنیمت کے علاوہ ابو جہل کا نامی گرامی اونٹ بھی غنیمت میں ملا تھا۔ ان ستر اونٹوں میں جن کو قربانی کے لئے حضور ہمراہ لائے تھے، یہ اونٹ بھی تھا۔ ایک روز یہ دوسرے اونٹوں کے ساتھ چر رہا تھا کہ وہاں سے بھاگ نکلا اور حدیبیہ سے گزرتا ہوا یہ مکہ پہنچا اور ابو جہل کے گھر میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ عامر بن غنمہ انصاری اس کی تلاش میں پیچھے پیچھے گئے اور اسے ڈھونڈ نکالا۔ اس کے گلے میں قلادہ تھا۔ اس کے کندھے کو زخمی کر کے خون بہا دیا گیا تھا جو اس بات کی نشانی تھی کہ یہ اونٹ حرم میں ذبح کرنے کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ احمق لوگوں نے اس اونٹ کو واپس کر دینے سے انکار کر دیا۔ سہیل بن عمرو کو پتہ چلا تو اس نے حکم دیا کہ وہ اونٹ واپس کر دیں۔ انہوں نے اس کے بدلے میں سو اونٹ دینے کی پیشکش کی۔ سرکار دو عالم نے فرمایا، اگر میں نے اس کو قربانی کے لئے نامزد نہ کیا ہوتا تو ہم ایسا کر لیتے لیکن اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس اونٹ کو حضور نے ذبح فرمایا اور کئی دوسرے صحابہ کو بھی اس میں شریک کیا۔ ہر اونٹ میں سات سات آدمی شریک کئے گئے۔ نبی رحمت نے ان اونٹوں میں سے بیس اونٹ مکہ بھیجے تاکہ مروہ کے پاس حضور کی طرف سے انہیں ذبح کیا جائے۔ طلحہ بن عبید اللہ، عبد الرحمٰن بن عوف، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم اپنی اپنی قربانی کے اونٹ ساتھ لے گئے تھے نبی مکرم ﷺ جب جانوروں کی قربانی سے فارغ ہوئے تو اپنے خیمہ میں تشریف لائے جو سرخ چمڑے سے بنا ہوا تھا وہاں اپنے حجام خراش بن امیہ الکعبی کو طلب کیا سر مبارک کا حلق کرایا گیسوہائے مبارک پاس ہی ایک درخت تھا اس پر ڈال دیئے گئے لوگ آتے تھے یہ موئے مبارک لے جاتے تھے جس کے پاس زیادہ ہوتے وہ دوسروں کو بھی حصہ دیتا۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے بھی کافی موئے مبارک لے لئے ان کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی شخص بیمار ہوتا تو آپ ان گیسوؤں کو دھوتیں اور یہ دھوون اس بیمار کو پلاتیں۔ وہ بیمار اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور دھوون کی برکت سے شفایاب ہو جاتا تھا۔ (1)

حضور انور ﷺ حدیبیہ میں انیس یا بیس دن قیام فرما رہے اس عرصہ میں صحابہ کرام

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 93

اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام جنہیں دیکھ کر ان کے ایمان وایقان میں مزید پختگی ہوئی اپنے محبوب کے خداداد کمالات کو دیکھ کر ان کی محبت اور عقیدت میں بے انداز اضافہ ہوا۔ ان تمام واقعات کا احاطہ تو شائد یہاں ممکن نہ ہو لیکن ان سے بالکل صرف نظر کرنا بھی محرومی ہے۔ اس لئے بطور تبرک چند واقعات اجمالی طور پر پیش خدمت ہیں۔

عمرہ کرنے والوں کے اس کاروان میں جو لوگ شریک تھے ان کی تعداد پندرہ سو کے قریب تھی ان کے علاوہ ان کی سواری کے جانور تھے ان اونٹوں کا گلا تھا جو قربانی کے لئے ساتھ تھے جہاں اتنا مجمع ہو وہاں مختلف اغراض سے آنے والوں کا تانتا لگا رہتا ہے۔ موسم بھی شدید گرمی کا تھا۔ ان سب ضرورتوں کے لئے جس قدر کثیر مقدار میں پانی کی ضرورت تھی اس کا آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں اور جس جگہ اس کاروان نے اپنا پڑاؤ کیا وہاں جتنے کنوئیں تھے وہ سارے خشک ہو چکے تھے قرب وجوار میں کوئی چشمہ یا ندی نالہ نہ تھا۔ سب سے پہلے جس دشواری کا مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑا وہ پانی کی قلت تھی امام بیہقی، امام بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے قیام کے دوران ایک روز لوگوں کو پیاس کی سخت تکلیف محسوس ہوئی نبی رحمت ﷺ تشریف فرما تھے ایک چھوٹا سا برتن سامنے رکھا تھا اس سے حضور وضو فرما رہے تھے لوگ گھبرائے ہوئے حضور کی طرف لپکے۔ پوچھا مالکم۔ کیا بات ہے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! ہمارے پاس پانی نہیں ہے تاکہ ہم پئیں نہ وضو کے لئے پانی ہے بجز اس پانی کے۔ جو حضور کے سامنے رکھا ہوا ہے۔

فَوَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ فِي الرَّكْوَةِ وَ
جَعَلَ الْمَاءُ يَثُوْرُ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ مِثْلَ الْعُيُوْنِ۔ فَشَرِبُوْا وَتَوَضَّأُوْا
قَالَ كَمْ كُنْتُمْ قَالَ لَوْ كُنَّا مِائَةَ اَلْفٍ كَفَانَا كُنَّا خَمْسَةَ عَشَرَةَ مِائَةً (1)

حضور کی انگلیوں سے یوں پانی ابلنے لگا جس طرح چشموں سے پانی ابلتا ہے سب لوگوں نے پانی پیا وضو کیا۔ میں نے پوچھا تم کتنے لوگ تھے حضرت جابر نے کہا اگر ہم ایک لاکھ ہوتے تب بھی کافی تھا۔ ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔

ایک دفعہ حضور انور ﷺ کو اطلاع ملی کہ پانی نایاب ہے لوگ بہت پریشان ہیں حضور تشریف لائے۔ ایک کنوئیں کی منڈیر پر جلوس فرمایا پانی منگوایا اس سے کلی فرمائی اور دعا مانگی

1۔ ''دلائل النبوۃ''، جلد 4، صفحہ 116

پھر وہ پانی اس کنوئیں میں ڈال دیا کچھ دیر کے بعد وہ کنواں لبالب پانی سے بھر گیا خود سیر ہو کر پیا اپنی سواریوں کو پلایا۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ مسلمانوں نے یہاں سے کوچ کیا آخری وقت تک وہ کنواں بھرا رہا۔(1)

اسی سفر میں واپسی کے وقت جب مرالظہران سے گزر کر عسفان پہنچے تو وہاں سامان خوراک ختم ہو گیا فاقہ کی وجہ سے لوگ بہت پریشان ہو گئے صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! اجازت ہو تو چند سواری کے جانور ذبح کر لئے جائیں ان کا گوشت پکا کر کھالیں گے۔ ان کی چربی سے بالوں کو تر کر کے کنگھی کر لیں گے اور ان کے چمڑے سے جوتے بنالیں گے۔ حضور نے اجازت دیدی۔ حضرت عمر کو معلوم ہوا تو دوڑے آئے عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ! ابھی سفر بہت لمبا ہے اگر اس طرح سواری کے جانور ہم نے ذبح کرنے شروع کر دیئے تو مدینہ طیبہ کیسے پہنچیں گے اور اگر راستہ میں کسی دشمن سے آمنا سامنا ہو گیا تو اس سے کیسے نمٹیں گے۔ میری گزارش ہے کہ حضور سب کو حکم دیں کہ جس کسی کے پاس کھانے کی کوئی چیز پس انداز ہے وہ لے آئے۔ یہ ساری چیزیں ایک چادر پر اکٹھی کر دی جائیں۔

ثُمَّ تَدْعُوا فِيهَا بِالْبَرَكَةِ فَإِنَّ اللّٰهَ سَيُبَلِّغُنَا بِدَعْوَتِكَ

"پھر آپ اس پر برکت کی دعا فرمائیں، یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے ہمیں اپنی منزل پر پہنچادے گا۔"

چمڑے کا ایک دستر خوان بچھا دیا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب کو حکم دیا۔ جو کچھ کسی کے پاس تھا، وہ لے آیا۔ کوئی مٹھی بھر کھانا لا رہا تھا اور کوئی چند کھجوریں لا رہا تھا۔ جب سب سامان اکٹھا ہو گیا تو وہ ڈھیر اتنا تھا جیسے ایک بیٹھی ہوئی بکری جبکہ صحابہ کرام کی تعداد چودہ سو سے زیادہ تھی۔ رحمت عالمیاں اس ڈھیر کے پاس تشریف لائے اور زمینوں اور آسمانوں کے مالک خدا سے دعا مانگی پھر سب کو کھانے کی دعوت دی گئی۔ ڈیڑھ ہزار آدمی نے سیر ہو کر کھایا اور اپنے برتنوں اور تھیلوں کو خوب بھر لیا اس کے باوجود وہ ڈھیر ویسے کا ویسے ہی تھا، اس میں ذرا کمی نہ ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی جود و عطا کا یہ منظر دیکھ کر حضور ہنس پڑے۔ وَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے اور فرمایا:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ لَا يَلْقَى اللّٰهَ

1۔ "تاریخ خمیس"، جلد 2، صفحہ 18

عَبْدٌ مُؤْمِنٌ بِهِمَا اِلَّا حُجِبَ مِنَ النَّارِ۔ (1)

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خدا نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ بخدا! نہیں ملاقات کرے گا اللہ تعالیٰ سے کوئی بندہ جو ان دو حقیقتوں پر ایمان رکھتا ہے مگر اس کو آگ کے عذاب سے بچالیا جائے گا۔"

حضور نبی کریم ﷺ جب صحنان کے مقام پر پہنچے جو مکہ سے پچیس میل کے فاصلہ پر ہے یا بقول بعض کراع الغمیم کے مقام پر پہنچے تو یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی جس کی پہلی آیت " اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا " (الفتح) نے اس حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ جس صلح سے تم کبیدہ خاطر ہو اور جن شرائط کے باعث تمہارے دل غمزدہ ہو گئے ہیں، یہ حقیقت میں فتح مبین ہے۔ چنانچہ چند سال میں ہی جب اس معاہدہ میں مضمر برکات کا ظہور ہوا تو ہر ایک کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ واقعی یہ صلح اسلام اور ہادی اسلام کے مشن کی تکمیل کے لئے اور امت مسلمہ کے لئے ایک عظیم الشان فتح تھی۔ کفار نے ان شرائط کو مان کر مسلمانوں کی آزاد حیثیت کو گویا تسلیم کر لیا تھا۔ وہ اب اپنی قوم سے بھکے ہوئے چند افراد کی ٹولی نہیں تھے بلکہ ایک آزاد قوم تھے جن کی آزاد مملکت تھی جس کے اپنے مساویانہ حقوق تھے اور وہ لوگ جو اس کی اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے، انہوں نے بھی آج اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا۔ نیز صلح ہو جانے کے بعد مکہ اور مدینہ کے درمیان حالت جنگ کی کیفیت اختتام پذیر ہو گئی اور آنے جانے پر پابندیاں اٹھ گئی تھیں۔ چنانچہ تبلیغ اسلام کا کام اس زور شور سے ہوا اور ایسی کامیابیاں حاصل ہوئیں کہ گزشتہ انیس سال کی جدوجہد ایک طرف اور صلح کے بعد دو سال کی جدوجہد ایک طرف۔ قبائل کے قبائل فوج در فوج مدینہ طیبہ کا رخ کر رہے تھے اور حضور کے دست حق پرست پر اسلام قبول کر رہے تھے۔ اس سفر میں حضور کے ہمراہیوں کی تعداد چودہ سو کے قریب تھی اور دو سال بعد جب فتح مکہ کے لئے حضور روانہ ہوئے تو دس ہزار کا لشکر جرار ہمراہ تھا۔ نیز امن قائم ہو جانے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ موقع مل گیا کہ جو علاقے اسلام کے زیر نگین ہو چکے تھے، ان میں اسلامی حکومت کو مستحکم بنیادوں پر قائم کر دیا جائے اور اسلامی قانون کے نفاذ سے مسلم معاشرہ کو ایک نئی اور پاکیزہ تہذیب اور تمدن کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 95

اس صلح کا یہ فائدہ بھی کچھ کم اہم نہیں کہ قریش کی جانب سے جب اطمینان ہوا تو حضور ﷺ نے شمالی عرب اور وسط عرب کی مخالف طاقتوں کو مسخر کرنے کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ صلح حدیبیہ کے تین ماہ بعد یہودیوں کے اہم مراکز خیبر، فدک، وادی القری، تیمہ اور تبوک پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور وسط عرب میں پھیلے ہوئے بادیہ نشین قبائل جو پہلے قریش کے حلیف تھے، ایک ایک کر کے حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے یا انہوں نے حضور کی اطاعت قبول کر لی۔

اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رحمت للعالمین ﷺ نے اپنے صحابہ کو فرمایا:

اُنْزِلَتْ عَلَیَّ ضُحًی اٰیَۃٌ ھِیَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا جَمِیْعًا ثَلَاثًا قُلْنَا ھَنِیْئًا مَرِیْئًا لَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ قَدْ بَیَّنَ اللّٰہُ لَکَ مَاذَا یَفْعَلُ بِکَ وَمَاذَا یَفْعَلُ بِنَا۔ وَنَزَلَتْ عَلَیْہِ لِیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَیُکَفِّرَ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَکَانَ ذٰلِکَ عِنْدَ اللّٰہِ فَوْزًا عَظِیْمًا (1)

"چاشت کے وقت مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔ (یہ بات حضور نے تین بار فرمائی۔) صحابہ نے عرض کی، یارسول اللہ! آپ کو ان گنت مبارکیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تو بتا دیا کہ وہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا۔ آپ فرمائیے! ہمارے ساتھ ہمارا رب کیا معاملہ کرے گا۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

لِیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَوْزًا عَظِیْمًا (2) "یعنی تاکہ داخل کر دے ایمان والوں اور ایمان والیوں کو باغوں میں، رواں ہیں جن کے نیچے نہریں۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور دور فرما دے گا ان سے ان کی برائیوں کو اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔"

1۔ ایضاً، صفحہ 97

2۔ سورۃ فتح 5

جبرائیل امین نے حاضر ہو کر ہدیہ تہنیت پیش کیا۔ پھر تمام صحابہ نے اپنے آقا کی فتح مبین پر دل کی گہرائیوں سے بصد خلوص مبارک باد عرض کی۔

آئندہ سال جب نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کو ہمراہ لے کر عمرہ قضا کرنے کے لئے تشریف لائے اور حلق کیا تو فرمایا یہ ہے جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ جب ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا اور کعبہ کے کلید بردار نے کعبہ کی کلید بارگاہ رسالت میں پیش کی تو حضور نے فرمایا: عمر بن خطاب کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔ جب حاضر ہوئے تو چابی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا هٰذَا الَّذِیْ قُلْتُ لَکُمْ یہ وہ چیز ہے جو میں نے تم کو کہی تھی۔" اور جب ۱۰ ہجری کو حجتہ الوداع کے لئے حضور نے عرفات میں وقوف فرمایا تو حضور نے فرمایا: اے عمر! هٰذَا الَّذِیْ قُلْتُ لَکُمْ یہ ہے وہ جو میں نے تمہیں کہا تھا۔" حضرت عمر نے عرض کی، یا رسول اللہ! اسلام میں کوئی فتح، صلح حدیبیہ سے بڑی نہیں ہے۔(1)

حضرت صدیق اکبر کا ایک ارشاد بڑا ایمان افروز ہے۔ آپ بھی سماعت فرمائیے:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام میں کوئی فتح، فتح حدیبیہ سے بڑی نہیں۔ لیکن لوگوں کی عقلیں اس راز کو سمجھنے سے قاصر تھیں جو محمد مصطفیٰ (ﷺ) اور آپ کے رب کے درمیان تھا۔ بندے جلد بازی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندوں کی طرح جلد بازی نہیں کرتا یہاں تک کہ سارے امور اپنے انجام تک پہنچ جائیں۔ آپ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میں نے حجتہ الوداع کے موقع پر سہیل بن عمرو کو دیکھا کہ جب حضور قربانی کے جانور ذبح کر رہے تھے تو وہ ان جانوروں کو پکڑ کر حضور کے قریب لے آتا تھا اور جب حجام نے سرور عالم (ﷺ) کا حلق کیا تو میں نے دیکھا وہی سہیل ان موہائے مبارک کو چن رہا ہے اور میں دیکھتا تھا کہ وہ انہیں اپنی آنکھوں پر رکھتا تھا۔ اس وقت مجھے سہیل کا وہ انکار یاد آگیا جو حدیبیہ کے دن اس نے کیا تھا۔ بسم اللہ شریف لکھنے سے بھی اس نے انکار کیا اور محمد رسول اللہ لکھنے سے بھی اس نے انکار کیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی اس بات پر حمد و ثنا کی جس نے اس کو اسلام قبول کرنے کی توفیق بخشی۔

فَصَلَوٰتُ اللّٰهِ تَعَالٰی وَبَرَكَاتُهٗ عَلٰی نَبِيِّ الرَّحْمَةِ الَّذِیْ هَدَانَا بِهٖ وَاَنْقَذَنَا بِهٖ مِنَ الْهَلَكَةِ۔ (2)

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 227

2۔ ایضاً

"اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں اس نبی رحمت پر جس کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں ہلاکت سے نجات عطا فرمائی۔"

ابو بصیر کی مدینہ طیبہ آمد

بڑے اشتعال انگیز حالات میں جنہوں نے بڑے بڑے ژرف نگاہوں اور عالی ظرفوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا حضور نے صلح کا معاہدہ کر کے سرزمین حرم کو انسانی خونریزی سے بچالیا اور صلح و امن کے اس معاہدہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے بعد رحمت عالمیان ﷺ اپنے غلامان وفاشعار اور عاشقان دلفگار کے ہمراہ مدینہ طیبہ میں مراجعت فرما ہوئے۔ ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ مکہ سے ایک نوجوان جو دعوت حق قبول کرنے کی پاداش میں عرصہ دراز سے اپنے خاندان کے جور و ستم کا تختہ مشق بنا ہوا تھا اور جسے انہوں نے آہنی زنجیروں میں جکڑ کر ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں قید کر رکھا تھا۔ کسی طرح اپنی زنجیروں کو کاٹ کر ان کے عقوبت خانہ سے نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔ راہ عشق و وفا کا یہ آبلہ پا مسافر سینکڑوں میلوں کی مسافت پاپیادہ طے کر کے اپنے محبوب کے قدموں میں حاضر ہو گیا۔ روئے جاناں دیکھ کر قید و بند کی صعوبتیں اور راہ کی کوفتیں سب فراموش ہو گئیں۔ گویا وہ دوزخ سے نکل کر فردوس بریں میں آ گیا ہو۔ اسے یہاں آئے ہوئے بمشکل تین دن گزرے ہوں گے کہ ایک نئی آزمائش نے اس کے دروازے پر دستک دی اور اسے چونکا دیا۔ اس کے دو قریبی رشتہ داروں اخنس بن شریق اور ازہر بن عبد عوف الزہری نے اپنا خط دے کر خنیس بن جابر کو بھیجا۔ یہ خط انہوں نے نبی مکرم کی طرف لکھا تھا کہ ہمارا ایک عزیز ابو بصیر ہماری اجازت کے بغیر یہاں سے بھاگ کر آپ کے پاس پہنچ گیا ہے۔ طے شدہ معاہدہ کے مطابق اسے ہمارے ان دو آدمیوں کے ہمراہ بھیج دیں۔ خنیس عامری کے ساتھ جو دوسرا آدمی آیا اس کا نام کوثر تھا۔ حضرت ابی بن کعب نے وہ خط پڑھ کر حضور اکرم ﷺ کو سنایا نبی مکرم نے ابو بصیر کو بلایا اور ان دو آدمیوں کے حوالے کر دیا اور فرمایا تم ان دونوں کے ساتھ چلے جاؤ۔ اس نے عرض کی، یارسول اللہ! آپ مجھے کافروں کے پاس بھیج رہے ہیں، وہ مجھے آزمائش میں مبتلا کر کے مجھے میرے ایمان سے محروم نہ کر دیں۔ رحمت

عالم نے بڑے پیارے انداز سے اپنے عاشق دلفگار کو فرمایا:

يَا اَبَا بَصِيْرٍ اِنَّا قَدْ اَعْطَيْنَا هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ مَا قَدْ عَلِمْتَ وَلَا يَصْلُحُ لَنَا فِيْ دِيْنِنَا الْغَدْرُ وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى جَاعِلٌ لَكَ وَ لِمَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا۔ (1)

"اے ابو بصیر! تم جانتے ہو ہم نے اس قوم کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے اور ہمارا دین، ہمیں غدر کی اجازت نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور تمہارے ساتھ جو مسلمان ہیں، ان کے لئے نجات کا راستہ ہموار کر دے گا۔"

اس نے پھر عرض کی، یا رسول اللہ! آپ مجھے مشرکین کے حوالے کر رہے ہیں۔ حضور نے فرمایا:

اِنْطَلِقْ يَا اَبَا بَصِيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ سَيَجْعَلُ لَكَ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا (2)

"ابو بصیر چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد تیری نجات اور رہائی کا دروازہ کھول دے گا۔"

صحابہ کرام جو سرکار دو عالم کے راز دان تھے۔ حضور کے ارشادات کے دور رس معانی پر جن کی نگاہ تھی، وہ چپکے چپکے اسے بشارتیں دے رہے تھے کہ آقا نے فرمادیا ہے، یقیناً تیری نجات کا بہت جلد انتظام ہونے والا ہے۔

وہ دونوں آدمی ابو بصیر کو اپنی نگرانی میں لے کر روانہ ہو گئے اور ظہر کے وقت ذوالحلیفہ پہنچے۔ ابو بصیر نے مسجد میں دو رکعت نماز ظہر ادا کی۔ ان کے پاس زاد راہ کے طور پر کچھ کھجوریں تھیں وہ نکالیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی دعوت دی کہ وہ بھی آکر کھائیں۔ انہوں نے بھی اپنا توشہ دان کھولا جس میں روٹی کے چند ٹکڑے تھے سب نے جو کچھ تھا، مل کر کھایا۔ خنیس عامری نے اپنی تلوار دیوار سے لٹکا دی تھی اور باتیں کرنے لگے۔ عامری نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور اسے لہرا کر کہنے لگا، میں اپنی اس تلوار سے صبح سے شام تک اوس و خزرج کا قتل عام کروں گا۔ ابو بصیر نے کہا، تمہاری تلوار کاٹتی بھی ہے یا یوں ہی شیخی بگھار

1۔ ایضاً
2۔ ایضاً

رہے ہو۔ اس نے کہا، بیشک اس کی دھار بڑی تیز ہے۔ ابو بصیر نے کہا، ذرا مجھے دو میں بھی دیکھوں۔ جب تلوار ابو بصیر کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے بجلی کی سرعت کے ساتھ وار کر کے خنیس کا کام تمام کر دیا۔ پھر وہ کوثر پر جھپٹے لیکن وہ بھاگ نکلا۔ انہوں نے اس کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن وہ قابو نہ آیا۔ وہ وہاں سے بھاگا اور سیدھا مدینہ طیبہ پہنچا۔ نبی مکرم نماز عصر سے فارغ ہو کر صحابہ کرام کے ساتھ ہم کلام تھے کہ کوثر دکھائی دیا، سانس پھولا ہوا ہے، پسینہ بہہ رہا ہے اور چہرہ پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ جب خدمت اقدس میں پہنچا تو حضور نے دریافت کیا "وَیْحَکَ مَالَکَ کیا بنی" وہ کہنے لگا، آپ کے آدمی نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا ہے اور میں بڑی مشکل سے جان بچا کر یہاں آیا ہوں، وہ بھی آ رہا ہے، وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ رحمت عالم سے جان کی امان مانگی۔ حضور نے اس کو پناہ دے دی۔ اتنے میں ابو بصیر بھی پہنچ گیا۔ وہ عامری کے اونٹ پر سوار تھا۔ مسجد کے دروازے پر اونٹ بٹھایا اور اس کی تلوار گلے میں حمائل کئے ہوئے حاضر ہو گیا۔ یارسول اللہ۔ آپ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا۔ آپ نے مجھے دشمن کے ہاتھ میں دے دیا۔ میں اپنا دین بچا کر پھر حاضر ہو گیا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

وَیْلُ اُمِّہٖ مِسْعَرُ حَرْبٍ لَوْ کَانَ مَعَہٗ رِجَالٌ

"یعنی اگر اسے آدمی مل جائیں تو یہ جنگ کی آگ خوب بھڑکا سکتا ہے۔"

ابو بصیر نے مقتول عامری کے کپڑے ہتھیار اور اونٹ حضور کی خدمت میں پیش کر دیئے تاکہ اس سے پانچواں حصہ لے لیں۔ حضور نے لینے سے انکار کر دیا۔ فرمایا، اگر میں خمس لوں تو وہ کہیں گے کہ میں نے وعدہ پورا نہیں کیا۔ تو جان اور یہ سامان۔ یہاں سے جدھر تیرا جی چاہتا ہے، چلا جا۔

وہ مدینہ طیبہ سے نکل کر سیف البحر کے مقام پر آ کر قیام پذیر ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کے علاقہ العیص اور ذی المروہ کے درمیان آ کر قیام کیا۔ یہ جگہ سیف البحر کے قریب ہے اور مکہ کے تجارتی راستہ پر واقع ہے۔ جب سہیل بن عمرو نے یہ سنا کہ ابو بصیر نے عامری کو قتل کر دیا ہے تو اسے بڑا رنج ہوا۔ وہ غصہ سے کہنے لگا کہ ہم نے اس لئے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ معاہدہ نہیں کیا تھا۔ دوسرے قریشیوں نے سنا تو کہا کہ حضور نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ ہمارے آدمی کو تمہارے آدمیوں کے حوالے کر دیا۔ راستہ میں اگر اس نے

تمہارے ایک آدمی کو قتل کر دیا تو اس کی ذمہ داری حضور پر عائد نہیں ہوتی۔

ابو بصیر جب مدینہ طیبہ سے نکلے تھے تو ان کے پاس مٹھی بھر کھجوریں تھیں۔ تین دن تک ان پر گزارا کیا۔ جب ساحل پر پہنچے تو مچھلیاں مل گئیں جو سمندر کی موجوں نے ساحل پر پھینکی تھیں۔ انہیں بھون بھون کر پیٹ بھرتے رہے۔ اس بات کی اطلاع ان مظلوم مسلمانوں کو پہنچی جو ابھی تک مکہ میں اپنے رشتہ داروں کے ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ لوگ کھسک کر ان کے پاس پہنچنے لگے۔ واقدی کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم نے ان مظلوموں تک ابو بصیر کے بارے میں جو فقرہ زبان رسالت سے نکلا تھا وہ پہنچا دیا آپ نے انہیں یہ بھی بتایا کہ وہ فلاں جگہ اقامت گزین ہے۔ ابو جندل جس کو اس کا باپ حضور سے زبردستی لے آیا تھا، وہ بھی ستر دیگر مسلمانوں کے ساتھ سیف البحر پہنچ گیا۔ ابو جندل کے پہنچنے سے پہلے ان لوگوں کا امیر ابو بصیر تھا۔ جب ابو جندل پہنچ گئے تو اس گروہ کی قیادت ان کے سپرد کی دی گئی کیونکہ وہ قریشی تھے۔ اس کے بعد مسلمانوں کی امامت ابو جندل کرایا کرتے۔ ان کے بارے میں گرد و نواح کے لوگوں نے سنا تو وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ بنی غفار، اسلم اور جہینہ قبائل کے کئی طالع آزما بھی آ کر ان کے ساتھ مل گئے یہاں تک کہ ان کی تعداد تین سو ہو گئی۔ اکا دکا قریشی اگر ان کے ہتھے چڑھ جاتا تو وہ اسے قتل کر دیتے۔ کوئی تجارتی قافلہ گزرتا تو اسے لوٹ لیتے۔ اگر کوئی مقابلہ کرتا تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ ان کی روزمرہ کی کارروائیوں سے اہل مکہ کے اوسان خطا ہو گئے۔ آخر لاچار اور مجبور ہو کر انہوں نے کفر و شرک کے سالار اعظم ابو سفیان بن حرب کو مجبور کیا کہ وہ حاضر خدمت ہو کر عرض کرے کہ آپ اپنے آدمیوں کو اپنے پاس بلا لیں۔ ہم کوئی اعتراض نہیں کریں گے اور اس کے بعد ہمارا جو آدمی آپ کے پاس جائے، اسے آپ اپنے پاس رکھئے۔ ہم صلح نامے کی اس شرط کو منسوخ کرتے ہیں۔ ابو سفیان اپنے وفد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ بڑی منت سماجت اور عجز و نیاز سے یہ درخواست پیش کی کہ اس شرط کو منسوخ کر دیں اور ابو بصیر اور ابو جندل کو واپس بلا لیں۔

رحمت عالم نے ان کی درخواست کو شرف قبول بخشا اور اپنے دونوں مجاہدوں ابو جندل اور ابو بصیر کی طرف نوازش نامہ لکھا کہ وہ اپنے مسلمان ساتھیوں کو ہمراہ لے کر مدینہ طیبہ پہنچ جائیں اور باقی لوگوں کو اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جانے کی ہدایت کر دیں۔ آج کے

بعد کسی قریشی پر اور ان کے کسی کاروان پر دست تعدی دراز نہ کریں۔

جب سرور عالم کا گرامی نامہ ابو بصیر اور ابو جندل کے پاس پہنچا تو اس وقت ابو بصیر حالت نزع میں تھے، انہوں نے اپنے آقا کا عاطفت نامہ اپنے ہاتھ میں لے کر پڑھنا شروع کیا کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" ابو جندل نے تجہیز و تکفین کے بعد نماز جنازہ پڑھائی۔ اس جگہ آپ کی قبر کھودی گئی اور اس کشتہ ناوک جمال مصطفوی ﷺ کو لحد میں رکھ کر سپرد خاک کر دیا گیا۔ تقریباً تمام سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ "وَجَعَلَ عِنْدَ قَبْرِهٖ مَسْجِدًا" اور ان کے مزار پر انوار کے پاس ہی مسجد تعمیر کر دی تاکہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے جب اس مسجد میں اپنے پروردگار کو سجدہ کرنے سے فارغ ہوں تو انہیں ایک عاشق رسالت مآب کی مرقد منور کی زیارت ہو جائے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَمَنْ اَحَبَّہٗ وَاتَّبَعَہٗ وَسَلَّمَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ حضرت ابو بصیر ابتلاء و آزمائش اور رنج و محن کی قلیل مدت بسر کرنے کے بعد اب وہ ابدی وصال کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

خوشا نصیبے غزالے کہ زخم او کاربست   تپید یک دم و کردند زیب فتراکش

شجرۂ بیعت

وہ درخت جس کے نیچے بیٹھ کر رحمت عالم ﷺ نے یہ بیعت لی، اس کے بارے میں کچھ عرض کرنا فائدہ سے خالی نہ ہو گا۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ، طارق بن عبد الرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے کہا کہ میں حج کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ میرا گزر ایک ایسی قوم کے پاس سے ہوا جو نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی۔ میں وہاں سے حضرت سعید بن مسیب کے پاس آیا اور میں نے جو دیکھا تھا، وہ بیان کیا۔ حضرت سعید نے فرمایا:

حَدَّثَنِیْ اَبِیْ اَنَّہٗ کَانَ فِیْمَنْ بَایَعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ نَسِیْنَاھَا فَلَمْ نَقْدِرْ عَلَیْہِ فَقَالَ سَعِیْدٌ اِنَّ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَعْلَمُوْھَا وَعَلِمْتُمُوْھَا اَنْتُمْ، فَاَنْتُمْ اَعْلَمُ (1)

1۔ بخاری شریف

"مجھے میرے والد مسیب نے بتایا کہ وہ ان لوگوں سے تھے جنہوں نے اس درخت کے نیچے سرور عالم سے بیعت رضوان کی تھی۔ انہوں نے فرمایا اگلے سال جب ہم حج یا عمرہ کرنے کے لئے وہاں سے گزرے تو ہمیں وہ درخت فراموش ہو گیا کہ کون سا تھا ہم اس کو پہچاننے میں کامیاب نہ ہوئے۔ اپنے والد کا یہ ارشاد نقل کرنے کے بعد حضرت سعید نے کہا کہ رسول اللہ کے صحابہ کو تو درخت معلوم نہ ہوا اور تمہیں معلوم ہو گیا کہ یہ وہ درخت ہے، تو تم بہتر جانتے ہو۔"

دوسری روایت ہے کہ

إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَرَّ بِذٰلِكَ الْمَقَامِ بَعْدَ ذِهَابِ الشَّجَرَةِ فَقَالَ أَيْنَ كَانَتْ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَقُولُ هٰهُنَا وَبَعْضُهُمْ يَقُولُ هٰهُنَا فَلَمَّا كَثُرَ اخْتِلَافُهُمْ قَالَ سِيْرُوْا فَقَدْ ذَهَبَتِ الشَّجَرَةُ۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جگہ سے گزرے جہاں سے وہ درخت غائب کر دیا گیا تھا۔ آپ نے پوچھا، وہ درخت کس جگہ تھا۔ کسی نے کہا، اس جگہ تھا۔ کسی نے کہا اس جگہ تھا۔ جب لوگوں کا اس درخت کی جگہ میں اختلاف بڑھا تو آپ نے فرمایا، چلو آگے چلو، وہ درخت غائب کر دیا گیا ہے۔"

اس درخت کو غائب کرنے میں کیا حکمتیں تھیں، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ ایک بات واضح ہو گئی کہ سیدنا عمر پر یہ الزام غلط ہے کہ آپ نے اس درخت کو کاٹ ڈالا جس کے نیچے بیعت رضوان لی گئی تھی۔ وہ درخت قدرت الٰہی سے غائب ہو گیا مگر لوگ کسی دوسرے درخت کو وہ درخت سمجھنے لگے تھے اس لئے حضرت عمر نے اس درخت کو کاٹنے کا حکم دے دیا۔ (1)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الَّذِيْ بِتَوْفِيْقِهٖ وَصَلْتُ إِلٰى هٰذَا الْمَقَامِ مِنَ السِّيْرَةِ النَّبَوِيَّةِ الشَّرِيْفَةِ النَّيِّرَةِ الطَّاهِرَةِ الْعَطِرَةِ

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 2

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عَبْدِہٖ وَنَبِیِّہٖ وَحَبِیْبِہٖ وَصَفِیِّہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الْمَبْعُوْثِ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ وَعَلٰی اَزْوَاجِہِ الطَّاہِرَاتِ اُمَّہَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَعَلٰی اَصْحَابِہِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِیْنَ وَمَنْ اَحَبَّ وَاتَّبَعَہٗ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىہُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ رَبِّ ارْحَمْہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا۔ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔ یَا اَکْرَمَ الْمَسْئُوْلِیْنَ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ وَاَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ

اَلْعَبْدُ الْمِسْکِیْن
مُحَمَّد کَرَم شَاہ

سال ششم میں جو نئے شرعی احکام نافذ ہوئے

1۔ فرضیت حج

اس سال حج کی فرضیت کا حکم نازل ہوا۔ (1)

2۔ حالت احرام میں جنگلی جانوروں کے شکار پر پابندی۔

اس کی تفصیل آپ صلح حدیبیہ کے آغاز میں پڑھ آئے ہیں، اس کے تکرار کی ضرورت نہیں۔

3۔ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو جوؤں کی وجہ سے حالت احرام میں سر منڈانے کی اجازت دے دی گئی، اس کی تفصیل بھی آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔

4۔ نماز استسقاء کی ابتداء۔

اس سال ماہ رمضان میں صحابہ کرام نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی، یارسول اللہ! عرصہ دراز گزر گیا ہے بارش کا ایک قطرہ تک نہیں ٹپکا۔ پانی کے ذخائر ختم ہوگئے ہیں، گھاس خشک ہو گئی ہے، درختوں کے پتے اور کھال تک سوکھ گئی ہے، مویشی بھوک سے ہلاک ہو رہے ہیں، غذائی اجناس کی نایابی کے باعث لوگ بھی فاقہ کشی پر مجبور ہیں۔ فَاسْتَسْقِ لَنَا رَبَّنَا اپنے رب کریم سے ہمارے لئے بارش کی التجا کیجئے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے صحابہ کے بڑے سکون و وقار کے ساتھ عید گاہ کی طرف پیدل روانہ ہوئے۔ جب عید گاہ تک پہنچے تو امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باجماعت دو رکعت نماز استسقاء ادا فرمائی۔ دونوں رکعتوں میں بالجہر قرأت کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اور دوسری رکعت میں هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ تلاوت فرمائیں۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ نماز عیدین اور نماز استسقاء میں یہی دو سورتیں تلاوت فرمایا کرتے۔ نماز سے فراغت کے بعد لوگوں کی طرف رخ انور کیا فَلَمَّا قَضَى صَلَوٰتَهُ اِسْتَقْبَلَ النَّاسَ بِوَجْهِهِ پھر چادر مبارک کو الٹا کر کے اوڑھا، پھر اپنے

1۔ ابو الفداء اسمٰعیل بن کثیر (701-774ھ)، "السیرۃ النبویۃ"، بیروت، دار الفکر، 1978ء طبع 2، جلد 3، صفحہ 342

گھٹنوں کے بل بیٹھے اور دست دعاء اٹھائے۔ پہلے تکبیر کہی، پھر بایں الفاظ بارگاہ مجیب الدعاء میں بارش کے لئے التجاء کی:

اَللّٰهُمَّ اُسْقِنَا وَ اَغِثْنَا غَيْثًا مُغِيْثًا وَحَيَاءً رَبِيْعًا وَجْدًا طَبَقًا غَدَقًا مُغْدِقًا عَامًّا هَنِيْئًا مَرِيْئًا مَرِيْعًا مُرْتِعًا وَابِلًا شَامِلًا مُسْبِلًا مُجَلِّلًا دَائِمًا وَدَرًّا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ رَائِثٍ غَيْثًا۔ اَللّٰهُمَّ تُحْيِيْ بِهِ الْبِلَادَ وَتُغِيْثُ بِهِ الْعِبَادَ وَتَجْعَلُهُ بَلَاغًا صَالِحًا لِلْحَاضِرِ وَالْبَادِ۔ اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْ فِيْ اَرْضِنَا زِيْنَتَهَا وَاَنْزِلْ عَلَيْهَا سَكَنَهَا۔ اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَاءً طَهُوْرًا تُحْيِيْ بِهِ بَلْدَةً مَيْتَةً وَ اَسْقِهٖ مِمَّا خَلَقْتَ اَنْعَامًا وَاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا۔ (1)

”اے اللہ! ہم پر (رحمت کی) بارش نازل فرما۔ ایسی بارش سے ہماری مدد فرما جو مخلوق کو سیراب کر دے۔ ایسی بارش جو تر و تازہ کرنے والی ہو، جو خوشی و شادمانی لانے والی ہو۔ جو اپنے دامن میں خیر کثیر لئے ہو اور مسلسل ہو۔ ہر قسم کے نقصان سے خالی اور اچھے اثرات والی ہو۔ حسن فطرت کو نکھارنے والی اور جانوروں کی سیرابی کا سامان کرنے والی ہو۔ موسلا دھار ہو اور ہر سو برسنے والی ہو۔ جل تھل کرنے والی ہو اور ساری زمین کو محیط ہو۔ مفید ہو۔ مضر نہ ہو۔ جلد برسے، تاخیر سے نہ برسے۔ اے اللہ! اس (بارش) کے ذریعے شہروں کو حیات نو عطا کر۔ اس کے ذریعے اپنے بندوں کی مدد فرما۔ اسے ایسی بارش بنا جو شہروں اور دیہات میں رہنے والوں کے لئے مفید ہو اور کافی ہو۔ اے اللہ! ہماری زمین پر اس کا حسن اور اس کی برکت نازل فرما۔ اے اللہ! ہم پر آسمان سے پاک پانی نازل فرما جس کے ذریعے تو مردہ زمینوں کو حیات بخشے اور اس پانی سے اپنی مخلوق میں سے کثیر تعداد میں انسانوں اور جانوروں کو

1۔ القاضی حسین بن محمد بن الحسن الدیار بکری (م 966ھ)، ”تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس“ بیروت، مؤسسۃ شعبان، ب ت، جلد 2، صفحہ 14

سیراب کرے۔"

لوگ ابھی بیٹھے تھے کہ بادل کے ٹکڑے آسمان پر نمودار ہوئے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ آپس میں جڑتے چلے گئے اور سارے آسمان پر بادل چھا گیا۔ پھر مینہ برسنا شروع ہوا اور لگا تار سات دن اور سات رات برستا رہا۔ پھر مسلمان حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ! زمین پانی میں غرق ہوگئی، مکانات گر گئے، سارے راستے منقطع ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اس بارش کو ہم سے دور کر دے۔ لوگوں کے اس قدر جلدی بارش سے تنگ آجانے پر حضور ہنس پڑے یہاں تک کہ دندان مبارک دکھائی دینے لگے۔ پھر بادل کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا **حَوَالَيْنَا لَا عَلَيْنَا** ہمارے اردگرد برسو، ہم پر مت برسو۔ فوراً مدینہ کے افق سے بادل ہٹ گیا۔ پھر عرض کی **اَللّٰهُمَّ عَلٰى رُءُوْسِ الظِّرَابِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ وَظُهُوْرِ الْاٰكَامِ** اے اللہ! چٹانوں کے سروں پر، درختوں کے جھنڈوں پر، وادیوں کے اندر اور ٹیلوں کی پشتوں پر بارش نازل فرما۔

اسی وقت مدینہ طیبہ کے اوپر سے بادل چھٹ گیا۔ بارش رک گئی اور اردگرد کے پہاڑوں پر مینہ برستا رہا۔ حضور پرنور نے فرمایا کہ آج اگر ابوطالب زندہ ہوتے تو یہ منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔ کون ہے جو ان کے وہ اشعار سنائے؟ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کھڑے ہوگئے اور مندرجہ ذیل اشعار پڑھ کر سنائے:

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْيَتَامٰى وَعِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

"وہ گوری رنگت والے جس کے رخ انور کے طفیل بادل پانی مانگتے ہیں اور وہ یتیموں کی پناہ اور بیواؤں کی عصمت کا محافظ ہے۔"

يَلُوْذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ
فَهُمْ عِنْدَهٗ فِيْ نِعْمَةٍ وَّفَوَاضِلِ

"آل ہاشم کے ہلاک ہونے والے مساکین اس کے دامن میں پناہ لیتے ہیں اور جنہیں اس کے پاس پناہ ملتی ہے وہ انعام واکرام اور فضل واحسان میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔"

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللّٰهِ يُبْزٰى مُحَمَّدٌ
وَلَمَّا نُقَاتِلْ دُوْنَهٗ وَنُنَاضِلِ

"اللہ کے گھر کی قسم! تم جھوٹ کہہ رہے ہو کہ محمد مصطفیٰ کو ہلاک کر دیا جائے گا جب تک ہم ان کے سامنے قتل نہ ہو جائیں اور جہاد نہ کریں۔"

وَنُسْلِمُهٗ حَتّٰی نُصَرَّعَ حَوْلَهٗ
وَنَذْهَلُ عَنْ اَبْنَاۗئِنَا وَالْحَلَائِلِ (1)

"وہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ان کے حوالے کر دیں گے اس سے پہلے کہ ہماری لاشیں ان کے ارد گرد تڑپ رہی ہوں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں سے بے خبر ہو گئے ہوں۔"

5۔ حکمِ ظہار

اسی سال ظہار کے بارے میں سورۃ المجادلہ کی یہ آیات (1۔4) نازل ہوئیں:
قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ اوس بن صامت اپنی زوجہ خولہ بنت ثعلبہ سے ناراض ہو گئے اور اسے کہا اَنْتِ عَلَیَّ كَظَهْرِ اُمِّیْ "تم مجھ پر اس طرح ہو جس طرح میری ماں کی پیٹھ۔" جاہلیت میں ظہار کو طلاق شمار کیا جاتا تھا۔ اسلام میں ظہار کا یہ پہلا واقعہ رونپذیر ہوا۔ کچھ دیر کے بعد جب حضرت اوس کا غصہ فرو ہوا تو بڑے نادم ہوئے۔ حضرت خولہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں۔ اس وقت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور کا سر مبارک دھلا رہی تھیں۔ عرض کی، یارسول اللہ! میرے خاوند اوس بن صامت نے میرے ساتھ جب شادی کی تھی اس وقت میں مالدار بھی تھی اور میرے خاندان والے بھی زندہ تھے۔ جب انہوں نے میرا مال کھا لیا اور میرا شباب رخصت ہو گیا، میں بچے جننے کے قابل نہ رہی اور میرے خاندان والے منتشر ہو گئے تو اس نے میرے ساتھ ظہار کر لیا۔ نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ تو اس پر حرام ہو گئی ہے۔ اس نے یہ ارشاد سنا تو رونا چلانا شروع کر دیا اور کہنے لگی میں اپنے فقر و فاقہ، اپنے رنج و غم اور اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کی کسمپرسی کا شکوہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں کرتی ہوں۔ اگر میں انہیں اپنے شوہر کے حوالے کرتی ہوں تو وہ ضائع ہو جائیں گے اور

1۔ ایضاً

اگر انہیں اپنے پاس رکھتی ہوں تو وہ بھوکے رہیں گے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ التسلیم نے فرمایا۔ میرے نزدیک تو اس پر حرام ہوگئی ہے۔ یہ ارشاد سن کر اس نے بلند آواز سے رونا شروع کر دیا اور کہنے لگی الٰہی! میں اپنے دکھ درد کا شکوہ تیری بارگاہ میں کرتی ہوں۔

اسی اثناء میں حضور انور ﷺ پر نزول وحی کے آثار ظاہر ہونے لگے اور جبرائیل امین یہ آیات مبارکہ لے کر حاضر ہوگئے:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ (1)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لی اس کی بات جو تکرار کر رہی تھی آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں (اور ساتھ ہی) شکوہ کئے جاتی تھی اللہ سے (اپنے رنج و غم کا) اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کی باتیں سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔"

سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت اوس کو بلایا اور یہ آیات پڑھ کر سنائیں اور فرمایا:

جو جملہ تم نے بولا ہے اس کے کفارہ کے لئے غلام آزاد کرو۔ انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ! میری تو یہ بساط نہیں۔ میں اسے کیسے خرید کر آزاد کروں۔ حضور نے فرمایا، پھر دو ماہ تک لگا تار روزے رکھو۔ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں اگر دن میں دو بار کھانا نہ کھاؤں تو میری بینائی کمزور ہو جاتی ہے۔ حضور نے فرمایا، پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ انہوں نے عرض کی، میں تو اتنے مسکینوں کو اس وقت ہی کھانا کھلا سکتا ہوں کہ حضور میری مدد فرمائیں۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ نے انہیں پندرہ صاع غلہ دیا اور پندرہ صاع غلہ خود ان کے پاس تھا، اس طرح نصف صاع فی کس کے حساب سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا انتظام ہوا۔(2)

6۔ حرمت شراب کا حکم

شراب کی حرمت کا حکم کس سال میں نازل ہوا؟ اگرچہ اس بارے میں متعدد اقوال ہیں

1۔ سورۃ المجادلۃ: 1
2۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 25

لیکن علامہ قسطلانی کی تحقیق یہ ہے کہ حرمت خمر کا یہ حکم چھٹے سال نازل ہوا۔ علامہ ابن اسحاق کے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ شراب کی حرمت کا حکم سنہ 4 ہجری میں نازل ہوا۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

کیونکہ شراب اہل عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، گنتی کے چند افراد کے علاوہ سب اس کے دلدادہ تھے، اس لئے بڑے حکیمانہ انداز سے تدریجاً اس کی حرمت کے احکام نازل ہوئے۔ سب سے پہلے اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ (1)

"اور (ہم پلاتے ہیں تمہیں) کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم بناتے ہو اس سے میٹھا رس اور پاک رزق۔ بلاشبہ اس میں بھی ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھدار ہیں۔"

اس وقت مسلمان بھی اسے پیتے تھے اور اس کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ کچھ عرصہ بعد یہ آیت نازل ہوئی:

يَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْـمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ (2)

"وہ پوچھتے ہیں آپ سے شراب اور جوئے کی بابت۔ آپ فرمایئے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کے لئے اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے۔"

اس آیت کے نزول کے بعد بعض لوگوں نے شراب پینا چھوڑ دی اور دوسرے لوگ بدستور پیتے رہے۔ اسی اثناء میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو مدعو کیا۔ کھانے کے بعد شراب کا دور چلا۔ شراب پی کر وہ مخمور ہوگئے۔ اسی اثناء میں نماز مغرب کا وقت ہو گیا، ایک صاحب امامت کے لئے مصلی پر کھڑے ہوئے، انہوں نے پہلی رکعت میں سورۂ کافرون کی تلاوت کچھ اس طرح شروع کی قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اَعْبُدُ

1۔ سورۃ النحل 67

2۔ سورۃ البقرۃ 219

مَا تَعْبُدُوْنَ اسی طرح آخر سورت تک "لا" گراتے گئے۔ جس سے سورت کے معنی ہی بدل کر رہ گئے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ (1)

"اے ایمان والو! نہ قریب جاؤ نماز کے جبکہ تم نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو (زبان سے) کہتے ہو۔"

اس آیت کے نزول سے اوقات نماز میں شراب نوشی ممنوع قرار دے دی گئی۔ لوگ ایسے اوقات میں اب یہ شوق پورا کرتے جن میں کوئی نماز نہ ادا کی جاتی۔ اکثر عشاء کی نماز کے بعد تاکہ نماز فجر تک نشہ ختم ہو جائے یا نماز صبح کے بعد تاکہ نماز ظہر تک انسان ہوش میں آجائے۔

پھر ایک مرتبہ حضرت عتبان بن مالک نے احباب کی دعوت کی۔ ان مدعوین میں حضرت سعد بن ابی وقاص بھی تھے۔ میزبان نے اونٹ کا بھونا ہوا سر پیش کیا اور اس کے بعد شراب سے مہمانوں کی تواضع کی یہاں تک کہ وہ اس کے نشہ سے مخمور ہو گئے۔ مدہوشی کے عالم میں انہوں نے اپنی مدح اور اپنے خاندان اور قبیلہ کی مدح وستائش میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے شروع کر دیئے۔ حضرت سعد نے مدہوشی کی حالت میں ایسے شعر پڑھے جن میں انصار کی ہجو تھی۔ ایک انصاری غصہ سے بے قابو ہو گیا۔ اس نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھائی اور حضرت سعد کے سر پر دے ماری، وہ شدید زخمی ہو گئے۔ حضرت سعد نے بارگاہ رسالت میں شکایت کی، حضرت عمر بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے سنا تو کہا اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا رَأْيَكَ فِي الْخَمْرِ بَيَانًا شَافِيًا اے اللہ! شراب کے بارے میں کوئی واضح حکم نازل فرما۔ اس وقت سورۃ المائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (اِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى) فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔ (2)

1۔ سورۃ النساء: 43

2۔ سورۃ المائدہ: 90-91

”اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں، شیطان کی کارستانیاں ہیں۔ سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ...... یہی تو چاہتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض شراب اور جوئے کے ذریعے اور روک دے تمہیں یاد الٰہی سے اور نماز سے، تو کیا تم باز آنے والے ہو؟“

حضرت عمر نے یہ حکم الٰہی سن کر عرض کی اِنْتَهَيْنَا يَا رَبِّ: ”اے ہمارے پروردگار ہم باز آ گئے۔“

حرمت شراب کے بارے میں یہ قطعی حکم تھا۔ مسلمانوں نے اپنے رب حکیم کا جب یہ فرمان سنا تو سر تسلیم خم کر دیا۔ شراب کے بھرے ہوئے مٹکے انڈیل دیئے گئے۔ جہاں ناؤ نوش کی محفلیں سجی تھیں اور مینا و جام گردش میں تھے، یہ حکم سنتے ہی سارے مینا و جام اوندے کر دیئے گئے۔ اس روز مدینہ طیبہ کی گلیوں میں شراب ناب یوں بہ رہی تھی جیسے بارش کا پانی۔ اس کے بعد کسی مسلمان نے شراب پینے کی جرأت تو کیا خواہش تک نہ کی۔ اطاعت خدا اور اطاعت رسول ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔

7۔ مسلم خواتین، مشرکین پر حرام قرار دے دی گئیں

صلح حدیبیہ سے پہلے مسلم مرد، مشرک عورتوں سے اور مشرک مرد، مسلم عورتوں سے شادیاں کیا کرتے تھے۔ جب حدیبیہ کے مقام پر صلح نامہ لکھا گیا تو اس کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی شخص مکہ سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مدینہ طیبہ آ جائے گا تو مسلمانوں پر لازم ہو گا کہ وہ اسے واپس کر دیں۔ ابو جندل اور ابو بصیر رضی اللہ عنہما کا واقعہ آپ پڑھ آئے ہیں۔ اسی اثناء میں عقبہ بن ابی معیط جو گبر، کافر اور اسلام کا کٹر دشمن تھا، اس کی بیٹی ام کلثوم جو مسلمان ہو چکی تھی اور مکہ میں اپنے اہل خانہ کے پاس مقہوریت اور مظلومیت کے دن گزار رہی تھی، وہ موقع پا کر مدینہ طیبہ پہنچ گئی۔ اسے واپس لانے کے لئے اس کے دو بھائی عمارہ اور ولید اس کے تعاقب میں مدینہ پہنچے اور بارگاہ رسالت میں اس معاہدہ کے حوالے سے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی اس درخواست کو مسترد کر دیا۔ فرمایا، یہ معاہدہ صرف مردوں کی واپسی کے لئے ہوا ہے، عورتیں اس میں داخل

نہیں۔ اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ۔ (1)

"اے ایمان والو! جب آجائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی جانچ پڑتال کر لو۔ اللہ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو۔ پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو نہیں کفار کی طرف مت واپس کرو۔ نہ وہ حلال ہیں کفار کے لئے اور نہ وہ کفار حلال ہیں مومنات کے لئے۔"

8۔ مومن مردوں کے لئے مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کی ممانعت

اسی آیت میں دوسرا حکم بھی بیان کر دیا کہ جس طرح مومن عورت کسی کافر کی بیوی نہیں بن سکتی اسی طرح مومن مرد کسی مشرک عورت سے شادی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (2)

"اسی طرح تم بھی نہ روکے رکھو اپنے نکاح میں کافر عورتوں کو۔"

1۔ سورۃ الممتحنۃ: 10

2۔ ایضاً

ہجرت کا سالِ ہفتم

ہجرت کا سال ہفتم

اسلام کی فتح مندیوں کا عہد زرّیں

ہجرت سے مسلمانوں کی انتہائی بے بسی اور مظلومیت کے دور کا اختتام ہوا۔ غزوہ خندق میں مشرکین کے لشکر جرار کی رسوا کن پسپائی سے ان کے جارحانہ قوت کا طلسم ٹوٹ گیا، غرور و نخوت سے ان کی اکڑی ہوئی گردنیں خم ہو گئیں اور اس کے بعد ان میں مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی جرأت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اسی وقت ارشاد فرمادیا:

اَلْاٰنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا نَحْنُ نَسِيْرُ اِلَيْهِمْ (1)

"اب ہم ان پر حملہ کیا کریں گے وہ ہم پر چڑھائی نہیں کر سکیں گے۔"

چھٹے سال کے آخر میں حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان جو معاہدۂ صلح طے پایا، اس نے ان کے غبارے سے ہمیشہ کے لئے ہوا نکال دی۔ دس سال تک باہمی جنگ نہ کرنے کی شرط پر مشرکین متفق ہو گئے۔ مسلمانوں کو مکہ مکرمہ اور عرب کے دیگر علاقوں میں آمد و رفت کی آزادی حاصل ہو گئی۔ اسی طرح ہجرت کے صرف چھ سال بعد کفار و مشرکین کی متحدہ قوت کا جنازہ نکل گیا۔ جب ساتویں سال ہجرت کا آغاز ہوا تو اس کے ساتھ ہی اسلام کے عہد زریں کی صبح سعید طلوع ہوئی۔ جس سے اسلام کی فتح یابیوں اور ظفر مندیوں کا ایسا سلسلہ شروع ہوا، جس کے باعث تین معلوم براعظموں، ایشیاء، افریقہ اور یورپ میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ قریش مکہ سے جنگ کے اختتام کے باعث حضور نے اسلام کے دوسرے دشمنوں کی تسخیر کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ حضور نے اب تبلیغ اسلام کا کام پوری سرگرمی سے شروع کیا۔ عرب کے صحراؤں میں آباد قبائل کے علاوہ شاہان عالم کو بھی اپنا پیغام رسالت پہنچانے کے لئے قاصد روانہ کئے۔

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 27

شاہان عالم کو دعوت اسلام

ہجرت کے ساتویں سال ماہ محرم میں مندرجہ ذیل بادشاہوں کی طرف نبی کریم ﷺ نے اپنے گرامی نامے تحریر فرمائے جن میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ یہ گرامی نامے مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سلاطین کے پاس لے کر گئے:

1۔ عمرو بن امیہ الضمری کو — حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس گرامی نامہ دے کر بھیجا۔

2۔ دحیہ بن خلیفہ الکلبی کو — ہرقل قیصر روم کے پاس گرامی نامہ دے کر روانہ فرمایا۔

3۔ عبداللہ بن حذافہ السہمی کو — پرویز بن ہرمز بن نوشیروان کسریٰ ایران کی طرف گرامی نامہ دے کر بھیجا۔

4۔ حاطب بن ابی بلتعہ کو — اسکندریہ بھیجا تاکہ مقوقس شاہ مصر کو گرامی نامہ پہنچائے۔

5۔ سلیط بن عمرو العامری کو — ہوذہ بن علی الحنفی کی طرف دعوت نامہ دے کر بھیجا۔

6۔ شجاع بن وہب کو — نصاریٰ عرب کے سردار حارث بن ابی شمر الغسانی کی طرف روانہ فرمایا۔

یہ حارث ان عیسائیوں کا رئیس تھا جو عربی النسل تھے اور شام کے سرحدی علاقوں میں سکونت پذیر تھے۔

یہ مکاتیب، سیرت اور حدیث کی جملہ امہات الکتب میں مروی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے قارئین کرام کو نبی امی ﷺ کے اسلوب تحریر اور انداز دعوت پر آگاہی ہوگی کہ دنیا کے بڑے بڑے شہنشاہوں کو کس سادگی کے ساتھ تکلفات سے بالاتر رہتے ہوئے حضور ﷺ نے پیغام ہدایت دیا اور اس سادگی کے باوجود یہ دعوت کتنی دل نشین اور اثر انگیز ثابت ہوئی کہ ان میں سے اکثر کے قلوب و اذہان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنے ہم عصر بادشاہوں کو اپنے مکاتیب کے ذریعہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دینے کا ارادہ فرمایا تو واقفان حال نے عرض کی، یارسول اللہ! سلاطین ممالک صرف ان خطوط کو درخور اعتناء سمجھتے ہیں جو سربمہر ہوں، جن خطوط پر مہر نہ لگی ہو ان کو وہ وصول ہی نہیں کرتے۔ چنانچہ ہادی برحق ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا۔ اس میں محمد رسول اللہ کے کلمات طیبات بایں صورت کندہ

کرائے:

الله

رسول

محمد

سب سے اوپر ''اللہ'' جل جلالہ کا اسم مبارک، درمیان میں کلمہ ''رسول'' اور نیچے نام نامی ''محمد'' ﷺ۔

رحمت عالمیان ﷺ کا یہ بھی ایک معجزہ تھا کہ آپ نے جس قاصد کو جس ملک کے حکمران کی طرف روانہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کو اس ملک کی زبان کا ماہر بنا دیا کہ بے تکلفی سے وہ اظہار مدعا کر سکے۔(1)

مکتوب گرامی بنام نجاشی بادشاہ حبشہ

سب سے پہلے رحمت عالم ﷺ نے اپنے صحابی عمرو بن امیہ الضمری کو اپنا مکتوب گرامی دے کر نجاشی کی طرف بھیجا۔ انہوں نے جب وہ والا نامہ نجاشی کو پیش کیا تو اس نے بڑے ادب واحترام سے اسے وصول کیا، اسے اپنی آنکھوں پر رکھا اور از راہ ادب و تواضع اپنے تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور اس گرامی نامہ کو پڑھا۔ گرامی نامہ کا عربی متن درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللهِ إِلَى النَّجَاشِيْ مَلِكِ الْحَبَشَةِ
أَمَّا بَعْدُ! فَإِنِّيْ أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللهَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ
الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ وَأَشْهَدُ أَنَّ عِيْسَى
بْنَ مَرْيَمَ رُوْحُ اللهِ وَكَلِمَتُهٗ أَلْقٰهَا إِلٰى مَرْيَمَ الْبَتُوْلِ
الطَّاهِرَةِ الْمُطَهَّرَةِ الطَّيِّبَةِ الْحَصِيْنَةِ فَحَمَلَتْ بِعِيْسٰى
فَخَلَقَهُ اللهُ مِنْ رُوْحِهٖ وَنَفْخِهٖ كَمَا خَلَقَ اٰدَمَ بِيَدِهٖ
وَإِنِّيْ أَدْعُوْكَ إِلَى اللهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَالْمُوَالَاةِ
عَلٰى طَاعَتِهٖ فَإِنْ تَابَعْتَنِيْ وَتُؤْمِنَ بِالَّذِيْ جَاءَنِيْ

1۔ ایضاً، صفحہ 29 و ابو عبد اللہ محمد ابن سعد (169-231ھ)، ''الطبقات الکبریٰ'' بیروت دار بیروت للطباعۃ والنشر، 1957ء، جلد 1، صفحہ 258

فَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ وَجُنُوْدَکَ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی وَقَدْ بَلَّغْتُ وَنَصَحْتُ فَاقْبَلُوْا نُصْحِیْ وَقَدْ بَعَثْتُ اِلَیْکَ اِبْنَ عَمِّیْ جَعْفَرًا وَمَعَہٗ نَفَرٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔ (1) ☆

"یہ مکتوب محمد رسول اللہ کی طرف سے بنام نجاشی فرمانروائے حبشہ۔

اَمّا بعد:

میں تیرے سامنے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں۔ جس کے بغیر اور کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ حقیقی ہے، ہر عیب سے پاک ہے، سلامت رکھنے والا ہے، امان دینے والا ہے، نگہبان ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم روح اللہ ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جو اس نے مریم کو القاء کیا، وہ مریم جو اللہ تعالیٰ سے لولگائے ہے، پاک ہے، مطہر ہے، خوشبودار ہے، پاک دامن ہے۔ جو عیسیٰ سے حاملہ ہوئی۔ اللہ نے پیدا کیا اسے اپنی روح سے اور پھونکا اس روح کو مریم میں جس طرح آدم کو اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا۔

(اے نجاشی!) میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ ایمان لاؤ اللہ پر جو وحدہ لاشریک ہے اور ہمیشہ اس کی اطاعت کرو۔ پس اگر تو میری پیروی کرے گا اور ایمان لائے گا اس پر جو میں لے کر آیا ہوں تو بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، میں تجھے اور تیرے سارے لشکر کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں۔ میں نے پیغام حق تمہیں پہنچادیا اور نصیحت کا فرض ادا کردیا۔ پس میری نصیحت قبول کرلو۔ میں نے تمہاری طرف اپنے چچا زاد بھائی جعفر کو اور اس کے ساتھ چند مسلمانوں کو بھیجا ہے۔ پس اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کا اتباع کرے۔"

1۔ "تاریخ قمیس"، جلد 2، صفحہ 30

☆۔ کتب تاریخ میں اس گرامی نامہ کی عبارت میں معمولی اختلاف پایا جاتا ہے۔ حبشی اطالوی جنگ سے قبل بعض مستشرقین سے اصل گرامی نامہ دریافت ہوچکا ہے۔ اس کے اصل ہونے کی تصدیق ممتاز محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بھی کی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ان کی کتاب "رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی" کراچی، دارالاشاعت، 1984ء، طبع 6، صفحات 140-158

قاصد نے یہ گرامی نامہ نجاشی کو دیا تو اس نے بصد ادب اسے وصول کیا اور پڑھ کر کہا:

أَشْهَدُ بِاللهِ أَنَّهُ النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ الَّذِي يَنْتَظِرُهُ أَهْلُ الْكِتٰبِ

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ہی وہ نبی امی ہیں جن کا اہل کتاب انتظار کر رہے ہیں۔

آپ ہی کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی کہ آپ راکب حمار ہیں۔

آپ ہی کے بارے میں حضرت عیسیٰ نے شہادت دی تھی کہ آپ شتر سوار ہیں۔"

اور کہا کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں خود حاضر خدمت ہوتا۔ اس نے حضور کی بارگاہ میں ایک عریضہ لکھا جس کا عربی متن درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنَ النَّجَاشِيِّ أَصْحَمَةَ سَلَامٌ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

اَللهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الَّذِي هَدَانِي لِلْإِسْلَامِ

أَمَّا بَعْدُ!

فَقَدْ بَلَغَنِي كِتَابُكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَمَا ذَكَرْتَ مِنْ أَمْرِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَنَّ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَزِيْدُ عَلٰى مَا ذَكَرْتَ ثُفْرُوْقًا أَنَّهُ كَمَا قُلْتَ وَقَدْ عَرَفْنَا مَا بَعَثْتَ بِهِ إِلَيْنَا وَقَدِمَ ابْنُ عَمِّكَ وَأَصْحَابُهُ وَأَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ صَادِقًا مُصَدِّقًا وَقَدْ بَايَعْتُكَ وَبَايَعْتُ ابْنَ عَمِّكَ وَأَسْلَمْتُ عَلٰى يَدَيْهِ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَقَدْ بَعَثْتُ إِلَيْكَ بِابْنِي أَرْهَا فَإِنْ شِئْتَ أَنْ آتِيَكَ بِنَفْسِي فَعَلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَإِنِّي أَشْهَدُ أَنَّ مَا تَقُوْلُ حَقٌّ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ (1)

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 30 و ڈاکٹر محمد حمید اللہ، "الوثائق السیاسیۃ"، بیروت، دار النفائس، 1983، طبع 1، صفحہ 104-105

"یہ عریضہ نجاشی اصحمہ کی طرف سے ہے۔ یارسول اللہ! آپ پر اللہ تعالیٰ کے سلام، رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ وہ اللہ جس کے بغیر اور کوئی معبود نہیں، جس نے مجھے اسلام قبول کرنے کی ہدایت دی۔

اما بعد: یارسول اللہ! حضور کا گرامی نامہ مجھے موصول ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰ کے بارے میں حضور نے جو ذکر کیا ہے زمین و آسمان کے پروردگار کی قسم! حضرت عیسیٰ اس سے ذرہ برابر بھی کم و بیش نہیں۔ آپ کے چچازاد بھائی جعفرؓ اور دوسرے مسلمان یہاں پہنچ گئے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ میں نے حضور کی بیعت کی اور حضور کے ابن عم کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین پر ایمان لے آیا ہوں۔ اپنے بیٹے ارھا، کو حضور کی خدمت اقدس میں بھیج رہا ہوں، اگر حکم ہو تو میں خود بھی حاضر ہونے کے لئے تیار ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور کا ہر فرمان حق ہے۔ والسلام علیک یارسول اللہ و رحمتہ اللہ و برکاتہ"

نبی کریم ﷺ نے اس کے بعد نجاشی کو ایک اور گرامی نامہ تحریر فرمایا جس میں ام حبیبہ کے ساتھ حضور کے عقد نکاح کرنے کا حکم تھا۔

نجاشی نے حضور کے ان دونوں گرامی ناموں کو ہاتھی دانت کی ایک ڈبیا میں بڑے اہتمام و احترام سے رکھا اور کہا:

لَنْ تَزَالَ الْحَبَشَةُ بِخَيْرٍ مَا كَانَ هٰذَانِ الْكِتَابَانِ بَيْنَ أَظْهُرِهَا۔ (1)

"کہ حبشہ میں ہر طرح خیریت رہے گی جب تک یہ دو گرامی نامے اس کے پاس رہیں گے۔"

نجاشی کے نام رسالت مآب کے اس مکتوب گرامی کے بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ کہتے ہیں:

ابھی حال میں حبشی اطالوی جنگ کی ابتداء میں اخباروں نے (ہمدم نے مصر کے اخبار "البلاغ" سے اور اس نے ادیس ابابا کے اخبار "برہان اسلام" سے نقل کر

1۔ ابن سعد، "الطبقات الکبریٰ"، جلد 1، صفحہ 259

کے) یہ خبر شائع کی تھی کہ نجاشی نے اپنے خزانے سے آنحضرت ﷺ کا یہ خط جواب تک محفوظ ہے نکال کر مسلمانوں کے ایک وفد کو دکھایا(1)۔

"المواھب اللدنیہ" میں مرقوم ہے کہ اس نجاشی کا نام اصحمہ تھا۔ مسلمان سنہ 5 بعثت میں ہجرت کر کے حبشہ آئے۔ یہ گرامی نامہ اسی نجاشی کے نام حضرت عمرو بن امیہ الضمری سنہ 7 ہجری میں لے کر اس کے پاس پہنچے۔ اس نے اسلام قبول کیا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی۔ اس کی وفات 9 ہجری میں ہوئی جب سرکار دو عالم ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔

ایک روز نماز صبح کے بعد حضور نے اس کی موت کی خبر دی۔ ارشاد فرمایا قَدْ تُوُفِّیَ فِیْ هٰذِهِ السَّاعَةِ فَاخْرُجُوْا بِنَا اِلَی الْمُصَلّٰی کہ نجاشی نے ابھی ابھی وفات پائی ہے، سب مسلمان عیدگاہ میں چلیں اور اس کی نماز جنازہ میں شریک ہوں۔ مسلمانوں کا ایک جم غفیر اکٹھا ہو گیا، امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس خوش بخت کی نماز جنازہ خود پڑھائی۔ اس کی وفات کے بعد جو نجاشی حبشہ کے تخت پر متمکن ہوا اس کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نے اسلام قبول کیا یا نہیں۔ (2)

مکتوب گرامی بنام قیصر روم

ہادیٔ برحق، سرور انبیاء محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک گرامی نامہ سلطنت رومہ کے مطلق العنان شہنشاہ ہرقل کے نام لکھا۔ یہ گرامی نامہ لے جانے کے لئے حضور انور کی نظر انتخاب حضرت دحیہ بن خلیفہ الکلبی رضی اللہ عنہ پر پڑی جو اپنے حسن و جمال کے باعث اپنے ہم عصروں میں ایک امتیازی شان کے مالک تھے۔

حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف "مدارج النبوۃ" سے اکتساب فیض کرتے ہوئے میں یہ واقعہ سپرد قلم کر رہا ہوں:

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت دحیہ کو جب گرامی نامہ دے کر بھیجا تو انہیں ہدایت فرمائی کہ وہ پہلے بصریٰ کے حاکم حارث بن ابی شمر کے پاس جائیں، وہ ان کے ساتھ

1۔ ڈاکٹر حمید اللہ، "رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی"، صفحات 114-115

2۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 31

اپنا کوئی خاص آدمی بھیجے گا، اس طرح وہ بآسانی قیصر تک رسائی حاصل کر سکیں گے۔ حارث نے اپنے مصاحب خاص عدی بن حاتم کو حضرت دحیہ کے ساتھ بھیجا کہ وہ یہ دعوت نامہ ہرقل کو پہنچانے میں ان کی اعانت کرے۔ ہرقل ان دنوں بیت المقدس آیا ہوا تھا تاکہ جو نذر اس نے مانی تھی وہ پوری کرے۔ خسرو پرویز نے مملکت روم پر حملہ کر کے اس کے کئی زرخیز صوبے ان سے چھین لئے تھے اور بیت المقدس کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد وہاں سے ان کی مقدس صلیب بھی چھین کر لے گیا تھا۔ ہرقل نے جب مملکت رومہ کی زمام اقتدار سنبھالی اور اپنے مفتوحہ علاقوں کو ایرانیوں سے واپس لینے کے لئے کمر ہمت باندھی تو اس وقت اس نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے ایرانیوں پر فتح عطا فرمائی تو وہ ننگے پاؤں پا پیادہ قسطنطنیہ سے روانہ ہو کر بیت المقدس جائے گا، وہاں مسجد اقصیٰ کی زیارت کرے گا اور نماز پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فتح مبین عطا فرمائی۔ اس نے کسریٰ سے اپنے سارے علاقے بھی واپس لے لئے اور مقدس صلیب بھی ان سے چھین لی۔ اب وہ اس نذر کو پورا کرنے کے لئے قسطنطنیہ سے پیدل روانہ ہوا تھا۔ اس کی رعایا اس کے راستہ میں جہاں سے اس کا گزر ہوتا قیمتی قالینیں بچھاتی اور اس پر گل و ریحان کی پتیاں نچھاور کرتی۔ یہ طویل سفر اسی طرح طے کر کے وہ بیت المقدس پہنچ چکا تھا۔ ابن ناطور جو ایلیا کا گورنر اور ہرقل کا گہرا دوست تھا اور شام کے نصاریٰ کا مذہبی پیشوا تھا، وہ بیان کرتا ہے کہ قیصر علم نجوم کا ماہر تھا۔ بیت المقدس میں قیام کے دوران اس نے ایک رات ستاروں میں غور کیا تو اسے وہ ستارہ نظر آیا جو اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ اب اس قوم کا بادشاہ ظاہر ہو گیا ہے جو ختنہ کرایا کرتی ہے۔ یہ معلوم کر کے اس کی طبیعت مکدر ہو گئی۔ اس کو اپنی عظیم مملکت کے انحطاط و زوال کے اندیشوں نے مغموم و افسردہ کر دیا، اس کے چہرہ کی شگفتگی، پژمردگی میں تبدیل ہو گئی۔ صبح جب اس کے امراء و اعیان مملکت اس کے پاس آئے تو اس کے چہرے کی بدلی ہوئی رنگت کو دیکھ کر پوچھنے لگے کہ جہاں پناہ! آپ یوں افسردہ و پریشان کیوں ہیں؟ اس نے اس کی وجہ بتائی کہ عنقریب وہ قوم جس کے مرد ختنہ کرایا کرتے ہیں ان ممالک پر قابض ہو جائے گی۔ پھر اس نے پوچھا اس علاقہ میں کون لوگ ہیں جو ختنہ کرایا کرتے ہیں۔ اسے بتایا گیا کہ یہاں تو صرف یہودیوں کے ہاں ختنہ کا رواج ہے لیکن ان کی تعداد بہت قلیل ہے۔ وہ کسی طرح آپ کے لئے خطرہ کا باعث نہیں بن سکتے۔ اگر آپ چاہیں تو ان کے جو چند ہزار

نفوس آپ کے ملک میں آباد ہیں، ان کو تہ تیغ کرنے کا حکم صادر کر کے ان کا صفایا بھی کر سکتے ہیں، اس طرح ان کی طرف سے خطرہ کا امکان تک بھی نہ رہے گا۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کسی نے آکر قیصر کو بتایا کہ ملک عرب سے ایک آدمی آیا ہے۔ وہ وہاں کے عجیب و غریب حالات سنا رہا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ وہاں ایک نبی ظاہر ہوا ہے اور اس کے آنے سے وہاں عجیب قسم کے واقعات رو پذیر ہو رہے ہیں۔ ہر قل نے حکم دیا کہ اس شخص کا معائنہ کر کے بتاؤ کہ یہ ختنہ شدہ ہے یا نہیں۔ جب انہوں نے معائنہ کیا تو بتایا کہ وہ مختون ہے۔ قیصر نے کہا کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے غلبہ کے بارے میں رات کو وہ ستارہ نمودار ہوا ہے۔

چند لمحوں کے بعد عدی بن حاتم، حضرت دحیہ کو اپنے ہمراہ لے کر قیصر کے پاس آیا اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گرامی نامہ پیش کیا۔ ہر قل نے والا نامہ کھول کر پڑھا اس کا عربی متن مع ترجمہ درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ
سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى
أَمَّا بَعْدُ؛ فَإِنِّيْ أَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ وَ أَسْلِمْ يُعْطِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْعَرِيْسِيِّيْنَ، وَيَا أَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ، فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔

اللہ
رسول
محمد

(1)

"یہ خط محمد کی طرف سے ہے جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ہر قل کی طرف جو روم کا بڑا ہے۔ سلامتی ہو ہر اس شخص پر جو ہدایت کا

1۔ "الوثائق السیاسیۃ"، صفحہ 109۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 33

پیروکار ہے۔

اما بعد۔ میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں، تو اسلام لے آ تو سلامت رہے گا۔ تو اسلام لے آ، اللہ تعالیٰ تجھے دو چند اجر عطا فرمائے گا اور اگر تو نے اس دعوت کو قبول کرنے سے روگردانی کی تو تمہارے کسانوں کے انکار کا گناہ بھی تیری گردن پر ہوگا۔ اے اہل کتاب! آ جاؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور کسی چیز کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے اور ہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو اپنا رب نہیں بنائیں گے۔ اگر اس دعوت کے باوجود وہ روگردانی کریں تو تم یہ کہو اے روگردانی کرنے والو! گواہ رہنا ہم مسلمان ہیں۔"

اللہ
رسول
محمد

ہر قل نے جب اسے پڑھا تو جلال نبوت سے وہ مارے خوف کے پسینہ پسینہ ہو گیا اور اس کی پیشانی سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے اور حاضرین محفل نے آہ و فغاں شروع کر دی۔ اس نے اپنے امراء کو حکم دیا کہ اگر اس علاقہ کے کچھ لوگ ہمارے ملک میں آئے ہوئے ہوں تو انہیں تلاش کر کے میرے پاس لے آؤ تاکہ ان سے حقیقت حال دریافت کی جائے۔

صلح حدیبیہ میں فریقین کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ دس سال تک جنگ نہیں ہوگی۔ اس طرح راستے پرامن ہو گئے تھے۔ تجارتی کاروانوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی۔ ابو سفیان بھی اپنے تجارتی قافلہ سمیت غزہ آیا ہوا تھا۔ قیصر کے آدمیوں کو ان کا علم ہوا تو غزہ پہنچے اور وہاں سے انہیں قیصر کے پاس بیت المقدس لے آئے اور دربار میں پیش کیا۔ اس سے آگے کے واقعات حضرت ابن عباس نے خود ابو سفیان سے سن کر روایت کئے ہیں اور امام بخاری نے انہیں بالتفصیل اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

ابو سفیان کہتے ہیں کہ جب ہم قیصر کے سامنے پیش کئے گئے تو اس نے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ تم میں سے اس شخص کا قریب ترین رشتہ دار کون ہے۔ میں نے کہا کہ ان کا سب

سے قریبی رشتہ دار میں ہوں، میرے چچا کے لڑکے ہیں۔ ہرقل نے مجھے اپنے سامنے سب سے آگے بیٹھنے کا حکم دیا اور میرے دوسرے ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھا دیا اور ترجمان کے ذریعے میرے ساتھیوں کو کہا کہ میں ابوسفیان سے اس شخص کے بارے میں چند سوالات پوچھوں گا۔ اگر یہ کوئی غلط جواب دے تو فوراً بتانا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ابوسفیان کہتے تھے کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگوں میں میں جھوٹا مشہور ہو جاؤں گا تو میں ان جوابات میں جھوٹ کی ملاوٹ ضرور کرتا لیکن اس خوف سے میں اس سے باز رہا۔

پھر قیصر اور ابوسفیان کے درمیان سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا:

قیصر : ان کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان : یہ عرب کے شریف ترین خاندان (بنوہاشم) کے فرد ہیں۔

قیصر : کیا ان سے پہلے ان کے بزرگوں میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان : نہیں۔

قیصر : کیا ان کے اسلاف میں کوئی بادشاہ ہو گزرا ہے؟

ابوسفیان : نہیں۔

قیصر : ان کے پیروکار غریب لوگ ہیں یا دولت مند؟

ابوسفیان : غریب وضعیف لوگ ہیں۔

قیصر : ان کے ماننے والوں کی تعداد آئے روز بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟

ابوسفیان : بڑھ رہی ہے۔

قیصر : کیا ان کا دین قبول کرنے کے بعد کوئی شخص ان کے دین سے بیزار ہو کر مرتد بھی ہوا ہے؟

ابوسفیان : نہیں۔

قیصر : نبوت کے دعویٰ سے پہلے کیا لوگ ان پر جھوٹ بولنے کا الزام بھی لگاتے تھے؟

ابوسفیان : ہرگز نہیں۔

قیصر : کیا انہوں نے کبھی کسی سے عہد شکنی کی ہے؟

ابوسفیان : اب تک نہیں کی۔ البتہ ہمارے ساتھ ان کا معاہدہ ہوا ہے، معلوم نہیں وہ ایفاء عہد کرتے ہیں یا نہیں۔ (ابوسفیان کہا کرتے کہ اپنے جوابات میں اس

جملہ کے علاوہ میں کوئی اور لفظ نہ بڑھا سکا لیکن قیصر نے میرے اس جملہ کو ہر گز در خور اعتناء نہ سمجھا۔)

قیصر : کیا تمہاری آپس میں کبھی جنگ بھی ہوئی ہے؟

ابو سفیان : ہمارے مابین جنگیں ہوئی ہیں۔

قیصر : ان کا نتیجہ کیا نکلا؟

ابو سفیان : کبھی وہ غالب آئے اور کبھی ہم۔

قیصر : وہ تمہیں کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟

ابو سفیان : وہ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ وہ ہمیں نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، صدقہ کرنے، سچ بولنے، عفت اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔

ان سوالات و جوابات کے بعد ہرقل نے ترجمان کو کہا کہ وہ سامعین کو بتائے۔

کہ میں نے تم سے ان کا نسب پوچھا۔ تم نے کہا، وہ تم میں عالی نسب ہیں۔ اللہ کے رسول ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جس قوم میں وہ مبعوث ہوتے ہیں وہ اس میں افضل اور عالی نسب ہوتے ہیں۔

میں نے تم سے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی اور نے یہ بات کہی ہے یعنی نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ تم نے کہا نہیں۔ میں نے خیال کیا کہ اگر ان سے پہلے کسی اور نے یہ بات کہی ہوتی تو میں جانتا کہ یہ شخص اس بات کی اقتداء کرتا ہے جو اس سے پہلے کہی گئی ہے۔

میں نے تم سے پوچھا کہ ان کے آباء و اجداد میں کوئی بادشاہ ہو گزرا ہے؟ تم نے کہا نہیں۔ میں نے خیال کیا کہ اگر ان کے آباء و اجداد میں کوئی بادشاہ ہوتا تو میں یہ سمجھ سکتا کہ وہ نبوت کا دعوی کر کے اپنے باپ کا ملک طلب کر رہے ہیں۔

میں نے تم سے پوچھا کہ دعوائے نبوت سے پہلے تم اس پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ تم نے کہا نہیں۔ یقیناً میں جانتا ہوں کہ جو شخص لوگوں کے ساتھ جھوٹ نہیں بولتا وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کبھی جھوٹ نہیں بولے گا۔

میں نے تم سے پوچھا کہ رئیس لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں یا کمزور لوگ؟ تم نے کہا کمزور لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ رسولوں کے تابعدار اکثر کمزور لوگ ہی ہوتے ہیں۔

میں نے تم سے پوچھا کہ کیا وہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟ تم نے کہا بڑھ رہے ہیں۔ ایمان کا یہی حال ہے حتی کہ وہ مکمل ہو جائے۔

میں نے تم سے پوچھا کیا ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص ان کے دین سے ناراض ہو کر مرتد بھی ہوا ہے؟ تم نے کہا نہیں۔ ایمان کا یہی حال ہے۔ جب اس کی مٹھاس اور حلاوت دل میں سرایت کر جاتی ہے تو پھر وہ نکلتی نہیں۔

میں نے تم سے پوچھا کہ وہ تمہیں کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ تم نے بتایا کہ وہ حکم دیتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ وہ ہمیں نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، صدقہ کرنے، سچ بولنے اور عفت وصلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ جو کچھ تم نے بتایا اگر وہ حق ہے تو عنقریب وہ میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کے مالک بن جائیں گے۔ میں یقیناً جانتا تھا کہ وہ ظاہر ہونے والے ہیں مگر میرا یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم سے ہوں گے۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ان تک پہنچ سکوں گا تو ان کی ملاقات کے لئے سفر کی مشقت اٹھاتا۔ اگر مجھے وہاں حاضری کی سعادت نصیب ہوتی تو میں ان کے قدموں کو دھوتا۔

تحقیق احوال کے بعد اس نے وہ گرامی نامہ طلب کیا جو حضرت دحیہ کلبی بوساطت حاکم بصرای لے کر آئے تھے۔ چنانچہ اس نے اس کا مطالعہ کیا۔ اس مکتوب کا اردو ترجمہ آپ پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں۔

ابوسفیان نے کہا کہ جو کچھ ہرقل نے کہنا تھا جب وہ کہہ چکا اور حضور کا گرامی نامہ پڑھنے سے فارغ ہوا تو اس کے امراء اور مصاحبین نے شور وغل مچانا شروع کر دیا اور ان کی آوازیں بلند ہونے لگیں تو انہوں نے ہمیں باہر چلے جانے کا حکم دیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو کہا خدا کی قسم! ابو کبشہ ☆ کے بیٹے (سرور عالم) کا کام بڑا عظیم ہو گیا ہے، اب اس سے رومیوں کا بادشاہ بھی خوف کھانے لگا ہے۔ میں ہمیشہ یہ یقین کرتا رہا کہ وہ عنقریب غالب ہو جائے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے قبول اسلام کے دروازے کھول دیئے۔

حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں۔ ہرقل حضرت دحیہ

☆ ابو کبشہ آنحضرت کے رضاعی والد تھے۔ ابوسفیان جو اس وقت تک کافر تھا، نے ازراہ تحقیر آپ کو کبشہ کا بیٹا کہا تھا۔ (ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاری (م 256ھ)، "صحیح البخاری" (محققہ)، القاہرۃ، لجنۃ احیاء کتب السنۃ، 1386ھ، جلد 1، صفحہ 14، باب "کیف کان بدء الوحی"

کو تنہائی میں لے گیا اور انہیں کہا کہ بخدا! میں جانتا ہوں کہ حضور اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔ ہماری کتابوں میں ان کی ساری صفات مذکور ہیں لیکن مجھے ڈر ہے اگر میں ان پر ایمان لانے کا اعلان کروں گا تو رومی مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ قیصر نے حضرت دحیہ کو اپنا خط دے کر اپنی مملکت کے ایک عظیم پیشوا کے پاس بھیجا۔ اس کا نام صغاطر تھا، وہ روم میں رہائش پذیر تھا۔ ساری رومی مملکت میں اس کے پایہ کا کوئی عالم نہ تھا۔ سب لوگ اس کی دل سے عزت کرتے تھے۔ حضرت دحیہ اس کے پاس روم گئے، اسے قیصر کا خط دیا اور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دین اسلام کے بارے میں بالتفصیل اس سے گفتگو کی۔ وہ بول اٹھا، خدائے بزرگ و برتر کی قسم! محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ ان کی جن صفات کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ سب ہماری مذہبی کتب میں موجود ہیں۔ مجھے ان کی نبوت کے بارے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر کلیسا میں گیا۔ سارے عیسائیوں کو مخاطب کر کے اس نے کہا:

> اے میرے رومی بھائیو! کان کھول کر سنو، میرے پاس احمد عربی کے بارے میں خط آیا ہے۔ اس خط میں انہوں نے ہمیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ہے۔ ان کی رسالت آفتاب سے روشن تر ہے۔ اٹھو، سب کہو اللہ ایک ہے اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔

جب ان عیسائیوں نے اس کی زبان سے یہ دعوت سنی تو بپھر گئے اور اس پر حملہ کر دیا۔ اس پر اتنے تیر چلائے اور اتنے وار کئے کہ وہ جاں بحق ہو گیا۔ حضرت دحیہ وہاں سے بچ کر ہرقل کے پاس واپس آئے۔

صغاطر پر جو بیتی تھی اسے آ کر بتائی۔ اس نے کہا یہ شخص ان کے نزدیک مجھ سے کہیں زیادہ محترم اور معزز تھا۔ جب اس کے ساتھ انہوں نے یہ سلوک کیا ہے تو معلوم نہیں وہ میرے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے؟ (1)

اس کے بعد قیصر، بیت المقدس سے حمص واپس چلا آیا۔ حمص اس کا پایہ تخت تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دربار شاہی منعقد کیا۔ تمام امراء سلطنت اور اعیان مملکت کو اس میں شرکت کی دعوت دی۔ یہ دربار شاہی اپنے محل سرائے کے وسیع صحن میں منعقد کیا۔ اس کے

1۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی، "مدارج النبوۃ"، لکھنؤ مطبع نولکشور، س ن، جلد 2، صفحہ 297-298

ارد گرد چاروں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ جب سب مہمان آگئے تو اس نے تمام بیرونی دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا۔ خود محل کے شاہ نشین سے نمودار ہوا اور قوم کو یوں خطاب کیا:

اے مملکت روم کے شہریو! اگر تمہاری یہ خواہش ہے کہ تمہیں فلاح و کامیابی نصیب ہو اور ہمیشہ راہ راست پر چلتے رہو اور تمہارا ملک اور حکومت ہمیشہ قائم دائم رہے تو اٹھو، اس نبی کا دامن پکڑ لو جو تمہارے درمیان ظاہر ہوا ہے۔

یہ سنتے ہی حاضرین میں ایک بھگدڑ مچ گئی۔ سب جنگلی گدھوں کی طرح دولتیاں جھاڑنے لگے۔ وہ دوڑے کہ محل کے صحن سے باہر نکل جائیں، جب آگے بڑھے تو سارے دروازے مقفل تھے، باہر نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ وہ ان بھاگنے والوں کو اس کے پاس واپس لائیں۔ جب وہ سب اس کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے تو اس نے ان کا غصہ فرو کرنے کے لئے کہا کہ میں نے یہ بات محض تمہیں آزمانے کے لئے کہی تھی کہ مجھے پتا چل جائے کہ تم اپنے عقیدہ میں کہاں تک پختہ ہو؟ اپنے عقیدہ اور مذہب کے ساتھ تمہاری یہ دل بستگی دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی ہے۔ ہرقل کی یہ بات سن کر وہ بھی خوش ہو گئے اور اس کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہرقل کی اسلام کے بارے میں یہ آخری اطلاع ہے۔ (1)

مکتوب گرامی کی تعظیم و تکریم

ڈاکٹر حمید اللہ نے "الوثائق السیاسیہ" میں ایک دوسرے خط کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ گرامی نامہ حضور نے قیصر کی طرف اس وقت ارسال فرمایا جب حضور میدان تبوک میں خیمہ زن تھے اور یہ گرامی نامہ لے جانے کے لئے بھی حضرت دحیہ کو ہی منتخب فرمایا گیا۔ اس کا عربی متن اور اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللهِ إِلٰى صَاحِبِ الرُّوْمِ
إِنِّيْ أَدْعُوْكَ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَسْلَمْتَ فَلَكَ مَا لِلْمُسْلِمِيْنَ وَعَلَيْكَ مَا عَلَيْهِمْ فَإِنْ لَّمْ تَدْخُلْ فِيْ

1۔ "بخاری شریف"، کتاب کیف کان بدء الوحی

الْإِسْلَامِ فَأَعْطِ الْجِزْيَةَ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ:
(قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ
لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ
الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ
عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ) وَإِلَّا فَلَا تَحُلْ بَيْنَ الْفَلَّاحِيْنَ
وَبَيْنَ الْإِسْلَامِ أَنْ يَّدْخُلُوْا فِيْهِ أَوْ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ۔ (1)

"محمد رسول کی طرف سے بنام شاہ روم

میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں، اگر تم اسلام لے آؤ تو تم پہلے مسلمانوں کی طرح ہو جاؤ گے تو جو حقوق ان کے ہیں وہی حقوق تمہیں حاصل ہوں گے اور جو ذمہ داریاں ان پر عائد ہیں وہ تم پر بھی عائد ہوں گی۔ اگر تم اسلام کو قبول نہیں کرتے تو پھر جزیہ دینا قبول کر لو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (ترجمہ آیت) "جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور روز قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ وہ دیں جزیہ اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں" اگر تمہیں یہ بھی منظور نہیں تو پھر اپنی رعایا کو آزاد چھوڑ دو، چاہے وہ مسلمان ہو جائیں، چاہے وہ جزیہ دینا منظور کر لیں۔"

سعید بن راشد کہتے ہیں کہ جب میں شام (دمشق) گیا تو مجھے بتایا گیا کہ سامنے والے گرجا میں وہ شخص رہتا ہے جسے قیصر نے اپنا قاصد بنا کر بارگاہ رسالت میں بھیجا تھا۔ چنانچہ ہم اس گرجا میں گئے، وہاں ہماری ملاقات ایک پیر فرتوت سے ہوئی۔ میں نے اس سے پوچھا، کیا تم قیصر کے قاصد بن کر سرور عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے؟ اس نے کہا ہاں! پھر میں نے کہا، وہ واقعہ تو سناؤ۔ اس نے کہا کہ نبی کریم ﷺ جب تبوک کے مقام پر تشریف فرما

1۔ "الوثائق السیاسیہ"، صفحہ 110، احمد بن علی القلقشندی (م 821ھ)، "صبح الاعشیٰ"، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1987ء، طبع 1، جلد 6، صفحہ 363

ہوئے تو حضور نے حضرت دحیہ کلبی کو اپنا گرامی نامہ دے کر قیصر کی طرف روانہ کیا۔ جب قیصر کو یہ والا نامہ ملا۔ اس نے اپنے سارے قسیسوں اور بطریقوں کو اپنے دربار میں طلب کیا اور سارے دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے سب حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ شخص (نبی کریم) جس جگہ آکر خیمہ زن ہوا ہے، اسے تم جانتے ہو۔ اس نے میری طرف لکھا ہے کہ میں ان باتوں میں سے کوئی ایک بات تسلیم کر لوں۔ 1۔ یا تو ہم اسلام قبول کرلیں۔ 2۔ یا انہیں جزیہ ادا کرنا منظور کرلیں۔ 3۔ یا جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ قیصر نے کہا۔ اے نصرانیت کے عالمو! تم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ وہ اس زمین پر ضرور قابض ہو جائے گا جہاں میں اب قدم رکھے ہوئے ہوں۔ پس آؤ ہم اس کا دین قبول کرلیں یا اس کو جزیہ دینا منظور کرلیں۔ یہ سنتے ہی ان سب نے بیک آواز غرانا شروع کر دیا۔ انہوں نے اپنی کلاہیں اتار کر پھینک دیں اور کہنے لگے۔ کیا تم ہمیں اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ ہم نصرانیت کو ترک کر دیں اور حجاز سے آنے والے ایک عرب کے غلام بن جائیں؟ جب قیصر نے یہ دیکھا کہ یہ لوگ ہرگز اسلام کو قبول نہیں کریں گے اور اگر اسی حالت میں وہ یہاں سے باہر نکل گئے تو لوگوں کو اس کے خلاف بھڑکا کر ایک قیامت برپا کر دیں گے تو اس نے اپنا پینترا بدلا۔ کہنے لگا، میں نے تو یہ ساری باتیں تمہیں آزمانے کے لئے کہی ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ تم اپنے عقیدہ پر کہاں تک پختہ ہو۔

پھر اس نے حاضرین کو کہا کہ مجھے ایک ایسا آدمی چاہئے جو سخن فہم اور عربی زبان کا بھی ماہر ہو تاکہ ان کے ساتھ عربی میں بے تکلفی سے گفتگو کر سکے۔ چنانچہ مجھے اس کام کے لئے منتخب کیا گیا۔ قیصر نے اپنا خط میرے حوالے کیا اور مجھے کہا میرا یہ خط ان کے پاس لے جاؤ اور جو وہ کہیں اس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا لیکن اگر تم ان کی ساری گفتگو کو اپنے حافظہ میں محفوظ نہ کر سکو تو ان تین باتوں کو ہرگز فراموش نہ ہونے دینا۔ پہلی بات یہ ہے کہ کیا انہوں نے اثنائے گفتگو کہیں میرے پہلے خط کا حوالہ دیا ہے یا نہیں۔ دوسری یہ بات کہ اثنائے گفتگو انہوں نے لیل و نہار (رات دن) کا کہیں ذکر کیا ہے یا نہیں۔ تیسری بات یہ کہ ان کی پشت کی طرف غور سے دیکھنا اگر کوئی تعجب آمیز چیز تمہیں دکھائی دے تو وہ بتانا۔

تنوخی کہتا ہے کہ قیصر کا خط لے کر میں تبوک آیا، نبی کریم ﷺ اپنے حلقہ احباب میں تشریف فرما تھے۔ میں نے کسی سے پوچھا، آپ کے نبی کہاں ہیں؟ مجھے بتایا گیا وہ سامنے

تشریف فرما ہیں۔ میں گیا اور حضور کی خدمت میں سامنے بیٹھ گیا اور ہرقل کا خط نکال کر پیش کر دیا۔ حضور نے اسے پکڑا اور اپنے پاس رکھ لیا۔ اور مجھ سے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے عرض کی، کہ میں قبیلہ تنوخ کا ایک فرد ہوں۔ فرمایا، کیا اسلام کو قبول کرنا پسند کرو گے کیونکہ یہ دین تو تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ میں نے عرض کی، میں ایک قوم کی طرف سے سفیر بن کر آیا ہوں اور میرا دین وہی ہے جو میری قوم کا دین ہے۔ جب تک میں اپنی قوم کے پاس لوٹ کر نہ چلا جاؤں میں اپنا مذہب نہیں بدلوں گا۔

میرا یہ جواب سن کر حضور اکرم ہنس پڑے اور یہ آیت تلاوت کی:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ۔ (1)

"بیشک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں البتہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں کو۔"

پھر فرمایا، اے تنوخی بھائی! میں نے ایک دعوت نامہ کسریٰ کی طرف بھیجا تھا۔ اس نے اس کو پھاڑ کر پارہ پارہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کی مملکت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ میں نے تیرے بادشاہ کی طرف دعوت نامہ ارسال کیا۔ اس نے اسے عزت واحترام سے وصول کیا، لوگ اس کی قوت سے خائف رہیں گے جب تک اس کی زندگی میں خیر ہو گی۔

تنوخی کہتا ہے کہ میں نے یہ جملہ سنا تو مجھے یاد آگیا کہ یہ ان تین باتوں میں سے ایک ہے جن کو یاد رکھنے کا قیصر نے مجھے تاکیدی حکم دیا تھا۔ میں نے بطور یادداشت تیر کی نوک سے اپنی تلوار کی میان پر اس کو لکھ لیا۔

حضور نے وہ خط اپنے بائیں ہاتھ بیٹھے ہوئے شخص کو پڑھنے کے لئے دیا۔ میں نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ ان کا نام معاویہ ہے۔ قیصر کے خط میں ایک اعتراض تھا کہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے وَعَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ کہ سارے آسمانوں اور زمین کو ملایا جائے تو جنت کا عرض اس کے برابر ہوگا۔ اس نے پوچھا دوزخ کہاں ہوگا؟ حضور نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا سُبْحَانَ اللّٰهِ أَيْنَ اللَّيْلُ إِذَا جَاءَ

1۔ سورۃ القصص 56

اَلنَّهَارُ؟ کہ رات کہاں ہوتی ہے جب دن آجاتا ہے۔

یہ دوسری بات تھی جو میں نے بطور یادداشت لکھ لی۔

جب قیصر کا خط پڑھنے سے حضور فارغ ہوئے تو مجھے فرمایا کہ تو ہمارے پاس قیصر کا قاصد بن کر آیا ہے، تیری خاطر مدارت اور تیری تکریم ہم پر لازم ہے لیکن ہم حالت سفر میں ہیں اور ہمارا زاد راہ بھی قریب الاختتام ہے ورنہ ہم ضرور تمہیں انعام واکرام سے نوازتے۔ صحابہ کرام میں سے ایک شخص نے عرض کی، میں اسے انعام پیش کرتا ہوں، اس نے اپنا سامان کھولا۔ صفوریہ کی بنی ہوئی ایک خلعت اٹھائی اور میرے سامنے آکر رکھ دی۔ میں نے اس شخص کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ ان کا نام عثمان ہے۔ پھر نبی کریم نے فرمایا، تم میں سے کون اس کا میزبان بنے گا۔ ایک انصاری جوان نے بڑھ کر عرض کی، میں یارسول اللہ! چنانچہ وہ انصاری مجھے لے کر اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب میں اس محفل سے باہر نکل آیا تو نبی کریم نے فرمایا، اے تنوخی! ادھر آؤ۔ میں حاضر ہوا۔ تو ارشاد فرمایا هٰهُنَا، اِمْضِ لِمَا اُمِرْتَ لَهٗ یہاں سے گزرو جیسے تمہیں حکم دیا گیا تھا۔ مجھے قیصر کی بات یاد آگئی۔ میں حضور کی پشت کی طرف آیا وہاں کندھوں کے درمیان مجھے مہر نبوت نظر آئی جو نمایاں ہو رہی تھی۔

اس طرح قیصر نے جن باتوں کے بارے میں تنوخی کو تاکید کی تھی۔ ان میں سے تیسری بات بھی پوری ہو چکی تھی اللہ کے نبی نے اپنے خداداد علم سے بھی پردہ اٹھادیا۔ اب جان بوجھ کر کوئی شان محمدی اور علوم مصطفوی کا انکار کرتا ہے تو یہ اس کی بدنصیبی ہے دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا کی شان والے ہادئ برحق نے تو تمام شکوک واعتراضات کے تسلی بخش جوابات دے دیئے۔(1)

مکتوب گرامی کی تعظیم و تکریم

علامہ بدرالدین عینی شارح صحیح بخاری رقم طراز ہیں کہ ہرقل نے نبی کریم ﷺ کے گرامی نامہ کو سونے کی ایک نلکی میں بڑے اہتمام سے محفوظ کر دیا۔ اور قیصر کے وارث سارے رومی بادشاہ اس گرامی نامہ کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے رہے اور اسے ہمیشہ بڑے

1۔ "الوثائق السیاسیہ"، صفحہ 110 تا 114

معزز مقام پر رکھا کرتے۔ ایک قیصر جس کا نام اذفرنش تھا، جس نے سپین کے مشہور شہر طلیطلہ اور دیگر علاقوں پر قبضہ کیا۔ یہ مکتوب گرامی اس کے پاس تھا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے شلیطن کو ورثہ میں ملا۔ مروی ہے کہ سلطان منصور قلاوون نے سیف الدین طلح المنصوری کو مغرب کے بادشاہ کے پاس ایک ہدیہ دے کر بھیجا، مغرب کے بادشاہ نے سیف الدین مذکور کو اندلس کے ایک بادشاہ کے پاس ایک معاملہ میں سفارشی بنا کر بھیجا، اس افرنگی بادشاہ نے وہ سفارش قبول کر لی اور سیف الدین سے درخواست کی کہ وہ اس کے پاس ہی ہمیشہ کے لئے رہائش اختیار کرے لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے معذرت کی۔ بادشاہ نے انہیں کہا کہ اگر آپ میری یہ گزارش مان لیں گے تو میں آپ کو گراں بہا تحفہ دوں گا۔ اس نے ایک صندوق نکالا جو سونے کے پتروں سے منڈھا ہوا تھا۔ اس سے ایک زریں قلم دان نکالا، پھر اسے کھول کر ایک خط نکالا اور کہا یہ تمہارے نبی کریم ﷺ کا نوازش نامہ ہے جو آپ نے میرے دادا قیصر کو لکھا تھا، ہم اسے نسلاً بعد نسل محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ ہمارے آباء و اجداد نے ہمیں وصیت کی ہے کہ مَادَامَ هٰذَا الْكِتَابُ عِنْدَنَا لَا يَزَالُ الْمُلْكُ فِيْنَا۔ یعنی جب تک یہ گرامی نامہ ہمارے پاس رہے گا حکومت ہم میں باقی رہے گی۔ اس لئے ہم اسے بڑی حفاظت سے اپنے پاس رکھتے ہیں اور اس کا بڑا ادب کرتے ہیں اور کسی عیسائی کو اس پر مطلع نہیں ہونے دیتے۔(1)

مکتوب گرامی بنام مقوقس شاہ مصر

ہادیٔ برحق ﷺ نے ایک والا نامہ مقوقس شاہ مصر کے نام لکھا، اسے سربمہر کیا اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو حکم دیا کہ وہ اس گرامی نامہ کو مکتوب الیہ تک پہنچائے۔ حضرت حاطب اسکندریہ پہنچے، مقوقس سے ملاقات کرنے کے لئے اس کے محل میں گئے۔ پہلے اس کے دربان سے ملاقات ہوئی تو آپ نے اسے اپنی آمد کی غرض وغایت بتائی۔ دربان بڑی عزت و تکریم سے پیش آیا۔ فوراً مقوقس کی خدمت میں باریاب کر دیا، حالانکہ کئی لوگ ایک ماہ سے آئے ہوئے تھے لیکن ابھی تک ان کی ملاقات کی باری نہیں آئی تھی۔ بادشاہ نے بھی آپ کی بڑی عزت کی اور بڑے ادب و احترام سے گرامی نامہ وصول کیا۔ اس خط کا

1۔ العلامۃ بدر الدین محمود بن احمد العینی (855ھ)، "عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری"، القاہرۃ، دار المعرفۃ، 1348ھ، جلد 1، صفحہ 111

عربی متن مع اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اِلٰی مُقَوْقَسَ عَظِیْمِ الْقِبْطِ

سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی

اَمَّا بَعْدُ: فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ بِدِعَایَۃِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ، یُعْطِکَ اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَعَلَیْکَ اِثْمُ الْقِبْطِ۔ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔

اللہ
رسول
محمد (1)

”یہ خط محمد کی طرف سے جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں مقوقس کی طرف جو قبطیوں کا سردار ہے۔ سلامتی ہو ہر اس شخص پر جو ہدایت کا پیروکار ہے۔

امابعد! میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ تجھے دوگنا اجر عطا فرمائے گا۔ اگر تم روگردانی کرو تو سارے قبطیوں کی گمراہی کا گناہ تیری گردن پر ہوگا۔

اے اہل کتاب! آجاؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور کسی چیز کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور ہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو اپنا رب نہیں بنائیں گے اور اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو کہو اے منکرو! گواہ رہنا ہم مسلمان ہیں۔

اللہ
رسول
محمد

1۔ ”الوثائق السیاسیۃ“، صفحہ 135، ”صبح الاعشیٰ“، جلد 6، صفحہ 364، ”تاریخ الخمیس“، جلد 2، صفحہ 36-37

حضرت حاطب نے اس والا نامہ کے مضمون کی تائید کرتے ہوئے کئی نافرمانوں اور سرکشوں کے عبرت ناک انجام کی طرف اس کو متوجہ کیا جو اعلیٰ اقتدار کے مالک تھے اور ان کی دولت و ثروت کا شمار مشکل تھا لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ آپ نے مقوقس کو کہا، بجائے اس کے کہ لوگ تم سے عبرت حاصل کریں بہتر یہ ہے کہ تم ان سے عبرت حاصل کرو۔

مقوقس نے ہاتھی دانت کی ایک خوبصورت ڈبیا منگوائی، بڑے ادب و احترام سے یہ گرامی نامہ اس میں رکھا، اسے سر بمہر کیا اور اپنی خاص کنیز کے حوالے کر دیا اور اسے حکم دیا کہ وہ اسے حفاظت سے رکھ لے۔ پھر ایک عربی دان کاتب کو بلایا اور اسے بارگاہ رسالت میں پیش کرنے کے لئے ایک عریضہ املاء کرلیا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
لِمُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مِنَ الْمُقَوْقِسِ عَظِيْمِ الْقِبْطِ
سَلَامٌ عَلَيْكَ
أَمَّا بَعْدُ: قَدْ قَرَأْتُ كِتَابَكَ وَفَهِمْتُ مَا ذَكَرْتَ فِيْهِ وَمَا تَدْعُوْ إِلَيْهِ وَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّ نَبِيًّا بَقِيَ وَكُنْتُ أَظُنُّ أَنَّهُ يَخْرُجُ بِالشَّامِ وَقَدْ أَكْرَمْتُ رَسُوْلَكَ وَبَعَثْتُ إِلَيْكَ بِجَارِيَتَيْنِ لَهُمَا مَكَانٌ فِي الْقِبْطِ عَظِيْمٌ وَبِكِسْوَةٍ وَأَهْدَيْتُ إِلَيْكَ بَغْلَةً لِتَرْكَبَهَا وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ (1)

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد بن عبداللہ (ﷺ) کی خدمت میں (مقوقس عظیم قبط کی طرف سے)، آپ پر سلام

امابعد! میں نے آپ کا مکتوب گرامی پڑھا۔ اس کے مندرجات کو اور جس دین کو قبول کرنے کی آپ نے دعوت دی ہے، اسے سمجھا۔ مجھے اس بات کا علم تھا کہ ایک نبی کی آمد ہو گی لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ملک شام سے ظاہر ہو گا۔ میں نے آپ کے قاصد کی عزت و تکریم کی ہے۔ میں حضور کی خدمت میں دو کنیزیں بھیج رہا ہوں جن کی اہل قبط کی

1۔ "تاریخ خمیس"، جلد 2، صفحہ 37

نگاہوں میں بڑی قدر و منزلت ہے۔ ایک خلعت اور ایک خچر حضور کی سواری کے لئے پیش ہے۔ والسلام علیک۔"

اس نے اپنے اسلام قبول کرنے کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ ان دو کنیزوں میں سے ایک کا نام ماریہ تھا جس کو حضور نے کاشانہ نبوت میں شمولیت کا اعزاز بخشا۔ انہی کے بطن سے سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء کے فرزند حضرت ابراہیم تولد ہوئے جنہوں نے کمسنی میں اٹھارہ ماہ کی عمر میں وفات پائی۔ دوسری کنیز کا نام "سیرین" تھا جو شاعر دربار رسالت حضرت حسان کو مرحمت فرمائی۔ ان کے بطن سے حضرت حسان کے فرزند عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔ مقوقس نے جو خچر بھیجا تھا، اس کا رنگ سفید تھا، دلدل کے نام سے مشہور ہوا اور حضرت امیر معاویہ کے زمانہ تک زندہ رہا۔

واقدی لکھتے ہیں کہ ایک رات مقوقس نے حضرت حاطب کو تنہائی میں اپنے پاس بلایا اور سرور انبیاء ﷺ کے متعلق چند استفسارات کئے۔ کہنے لگا کہ ہم ایک نبی کی آمد کے لئے چشم براہ تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ نبی ملک شام سے ظاہر ہوگا لیکن اب وہ عرب سے مبعوث ہوئے ہیں۔ عرب ایسا ملک ہے جہاں قحط سالی، تنگ دستی اور افلاس ہے چنانچہ میری قوم اس دین کو قبول نہیں کرے گی۔ اگر میں اسلام قبول کرلوں تو مجھے یہاں کے تاج و تخت سے دستبردار ہونا پڑے گا جس کو میں پسند نہیں کرتا۔ حضرت حاطب نے سرور انبیاء ﷺ کو جب اس کی یہ باتیں بتائیں تو حضور نے فرمایا:

ضَنَّ الْخَبِيْثُ بِمُلْكِهٖ وَلَا بَقَاءَ لِمُلْكِهٖ (1)

"خبیث نے اپنے ملک کے سلسلہ میں بخیلی کی ہے لیکن اس کا ملک باقی نہیں رہے گا۔"

علامہ بلاذری، "انساب الاشراف" میں رقم طراز ہیں کہ:

حضرت حاطب، جب گرامی نامہ لے کر پہنچے تو مقوقس نے اس گرامی نامہ کی بڑی عزت و تکریم کی اور کہا لَوْلَا الْمُلْكُ (يَعْنِيْ مَلِكُ الرُّوْمِ) لَاَسْلَمْتُ اگر مجھے شاہ روم کا خوف نہ ہوتا تو میں اسلام قبول کر لیتا۔ پھر اس نے دو کنیزیں، ماریہ اور سیرین بطور ہدیہ ارسال کیں۔ ان کے علاوہ ایک ہزار مثقال سونا، بیس

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 39-38

خلعتیں، ایک سفید خچر سواری کے لئے اور ایک یعفور نامی گدھا۔(1)

حضرت ماریہ کو حضور نے کاشانہ نبوت کی زینت بننے کا شرف بخشا۔ انہی کے بطن سے حضرت ابراہیم تولد ہوئے لیکن جب ان کی عمر اٹھارہ ماہ ہوئی تو انہوں نے انتقال فرمایا۔ اس صدمہ سے حضور کی آنکھیں اشکبار ہوئیں۔ صحابہ نے عرض کی یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اَنْتَ اَحَقُّ مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ حَقَّہٗ فِیْمَا اَعْطَاہُ وَاَخَذَ اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ جو عطا فرماتا ہے اور جو واپس لیتا ہے اس کو صحیح طور پر سب سے زیادہ سمجھنے والے حضور ہیں۔ تو پھر یہ گریہ کیسا؟ تو مرشد برحق نے فرمایا:

تَدْمَعُ الْعَیْنُ وَیَحْزَنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُوْلُ مَا یُسْخِطُ الرَّبَّ وَاِنَّا عَلَیْكَ یَا اِبْرَاهِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔ (2)

"آنکھیں اشکبار ہیں دل غمزدہ ہے لیکن ہم اپنی زبان پر کوئی ایسا حرف نہیں لاتے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہو۔ اے ابراہیم! ہم تیری جدائی پر غمگین ہیں۔"

جس روز حضرت ابراہیم نے وفات پائی اس روز سورج کو گرہن لگا۔ لوگ کہنے لگے کہ سورج بھی اس حادثہ کے باعث گرہن سے دوچار ہوا ہے۔ حضور نے سنا تو حقیقت حال سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا۔

اِنَّهَا لَا تَكْسِفُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَیَاتِہٖ (3)

"سورج کو کسی کی موت اور کسی زندگی سے گرہن نہیں لگا کرتا۔"

مکتوب گرامی بنام حارث بن ابی شمر الغسانی

رحمت عالم ﷺ نے شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو اپنا مکتوب گرامی دے کر حارث کی طرف روانہ کیا۔ حارث کو قیصر نے اس غسانی ریاست کا حکمران مقرر کیا تھا۔ شجاع کہتے ہیں کہ جب میں حارث کے پاس پہنچا تو دو روز تک میں اس کے دروازے پر بیٹھا رہا لیکن ملاقات کی کوئی صورت نہ نکلی۔ آخر میں نے اس کے دربان سے رابطہ قائم کیا، اسے بتایا کہ میں

1۔ علامہ بلاذری، "انساب الاشراف"، جلد 1، صفحہ 449

2۔ ایضاً، صفحہ 451

3۔ محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المالکی، "شرح المواہب اللدنیہ"، مصر، المطبعۃ الازہریہ، ب ت، ج 3، صفحہ 214

رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں اور حارث کے نام حضور کا خط لایا ہوں۔ مجھے یہاں آئے دو دن گزر گئے ہیں لیکن ابھی تک میری ملاقات نہیں ہوئی۔ دربان نے بتایا کہ حارث فلاں دن باہر آئے گا، اس سے پہلے ملاقات ممکن نہیں۔ چنانچہ مجھے مجبوراً وہاں رکنا پڑا۔ اس اثناء میں وہ دربان میرے پاس آیا کرتا اور نبی کریم ﷺ کے بارے میں سوالات کیا کرتا۔ پھر میں اسے سرکار کے ایمان افروز حالات سناتا۔ سنتے سنتے بسااوقات اس کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگتے۔ وہ کہتا کہ انجیل میں آنے والے نبی کی جو علامتیں پڑھی ہیں وہ ساری ان میں پائی جاتی ہیں۔ میں ان پر ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ اگر مجھے حارث کا خوف نہ ہوتا تو میں اپنے ایمان لانے کا اعلان کر دیتا۔ وہ دربان میری بڑی عزت کیا کرتا اور میری خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتا۔ اس نے مجھے بتایا کہ حارث سے امید نہ رکھو کہ وہ اسلام قبول کرلے گا کیونکہ وہ قیصر سے ڈرتا ہے۔

جس روز حارث باہر نکلا، شجاع نے گرامی نامہ اسے پہنچایا، اس نے کھول کر پڑھا۔ اس میں درج تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ إِلَى الْحَارِثِ بْنِ أَبِي شَمِرٍ
سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى
وَاٰمَنَ بِهٖ وَصَدَّقَ وَإِنِّيْ أَدْعُوْكَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ
لَا شَرِيْكَ لَهٗ يَبْقٰى لَكَ مُلْكُكَ۔ (1)

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے حارث بن ابی شمر کے نام۔

ہر اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کا پیروکار ہے۔ اور اس پر ایمان لے آیا ہے اور اس کی تصدیق کی ہے۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لے آؤ۔ تمہارا ملک باقی رہے گا۔"

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

"اس نے خط پڑھا غصہ سے بے قابو ہو گیا اور گرامی نامہ کو زمین پر دے مارا۔ بڑبڑا کر کہنے لگا

1۔ "الوثائق السیاسیۃ"، صفحہ 126

کون ہے جو مجھ سے میری حکومت چھیننا چاہتا ہے؟ میں اس پر حملہ کروں گا۔ اس نے گھوڑوں کی نعل بندی اور لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ پھر قیصر کو اپنے ارادہ سے مطلع کیا۔ قیصر نے اسے فوراً جواب لکھا کہ اس خیال خام کو دماغ سے نکال دو اور ان پر حملہ کرنے کا مت ارادہ کرو اور جلدی میرے پاس پہنچو۔" (1)

جب حارث کو قیصر کا خط موصول ہوا جس میں اس نے اسے تاکید کی تھی کہ ان پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کردے اور فوراً ایلیا، اس کے پاس پہنچے تو اب اس کا مزاج درست ہو گیا اور اس کی وہ تندی کافور ہو گئی جس کا مظاہرہ اس نے حضور کا گرامی نامہ پڑھ کر کیا تھا۔ شجاع کہتے ہیں، اس نے مجھے بلایا اور دریافت کیا کہ تمہارا واپسی کا کب ارادہ ہے؟ میں نے بتایا کہ میں کل عازم مدینہ ہو جاؤں گا۔ چنانچہ اس نے ایک سو مثقال سونا مجھے ہدیۃً پیش کیا۔

محبوب رب العالمین کا گرامی نامہ شہنشاہ ایران خسرو پرویز کے نام

اللہ تعالیٰ کے سچے اور پیارے رسول علیہ افضل الصلوٰۃ واطیب السلام نے اپنے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ ایران کے فرمانروا خسرو پرویز کو حضور اکرم ﷺ کا گرامی نامہ پہنچائیں۔ یہ خط سر بمہر تھا۔ اس کا متن مندرجہ ذیل ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى كِسْرٰى عَظِيْمِ فَارِسَ

سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَاٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ وَاَدْعُوْكَ بِدَاعِيَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔ فَاِنِّيْ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً لِاُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ اَسْلِمْ تَسْلَمْ فَاِنْ اَبَيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ۔ (2)

"یہ خط محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کسریٰ شاہ ایران کے نام ہے۔

سلامتی ہو ہر اس شخص پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور اللہ اور اس

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 39

2۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 34

کے رسول پر ایمان لے آیا اور یہ گواہی دی کہ اللہ وحدہ لاشریک کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اے کسریٰ! میں تمہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں اللہ عزوجل کا رسول ہوں تمام لوگوں کی طرف تاکہ میں بروقت متنبہ کروں جو زندہ ہیں اور تاکہ حجت تمام کردوں کفار پر۔ اسلام قبول کرلے سلامت رہے گا اور اگر تو اسلام قبول کرنے سے انکار کرے گا تو تیری گردن پر سارے مجوسیوں کی گمراہی کا گناہ ہوگا۔"

جب اس پیکر نخوت وغرور نے یہ ہدایت نامہ پڑھا تو فرط غضب سے آپے سے باہر ہوگیا اور اس کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہا کہ میرا ایک غلام مجھے اس قسم کا خط لکھنے کی جسارت کرتا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کو جب اس کی گستاخی کے بارے میں عرض کی گئی تو ارشاد فرمایا مَزَّقَ كِتَابِيْ مَزَّقَ اللهُ مُلْكَهٗ اس نے میرے گرامی نامہ کو پارہ پارہ کردیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے ملک کو پارہ پارہ کردیا ہے۔

کسریٰ نے یمن میں اپنے مقرر کردہ گورنر باذان کو حکم نامہ لکھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ تیرے علاقہ میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اسے فوراً ہتھکڑی لگا کر میرے پاس بھیجو۔ باذان نے اپنے ایک وزیر مسمی بانویہ کو ایک فارسی النسل شخص کے ساتھ مدینہ طیبہ روانہ کیا جس کا نام خرخسرہ تھا۔ نیز اس نے ایک خط بھی حضور ﷺ کے نام لکھ کر انہیں دیا۔ اس میں تحریر تھا کہ آپ ان دونوں کے ہمراہ کسریٰ کے پاس فوراً پہنچیں۔

جب یہ لوگ طائف پہنچے تو وہاں قریش مکہ کے کئی سردار آئے ہوئے تھے۔ ابوسفیان اور صفوان بن امیہ وغیرہما۔ انہوں نے جب باذان کا خط بنام رسول اکرم پڑھا تو خوشی سے ان کی باچھیں کھل گئیں۔ کہنے لگے اب ان کی ٹکر کسریٰ سے ہوئی ہے، ان کا خاتمہ اب زیادہ دور نہیں۔ بانویہ اور خرخسرہ وہاں سے چل کر مدینہ طیبہ پہنچے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے انہیں خوش آمدید کہا اور ان کے طعام و قیام کا خاطر خواہ انتظام فرمایا۔ پھر ایک صبح انہیں اپنے پاس بلوایا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دونوں دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔ بانویہ نے سلسلہ کلام کا آغاز کیا، اس نے کہا، شہنشاہ ایران نے ہمارے فرمانروا باذان کو خط لکھا ہے،

اس میں حکم دیا ہے کہ وہ آپ کی طرف اپنے آدمی بھیجے جو آپ کو پکڑ کر اس کے دربار میں پیش کریں۔ باذان نے یہ ڈیوٹی ہمارے سپرد کی ہے، آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ اگر آپ اس کا فرمان بجالائیں گے تو باذان آپ کے لئے سفارشی خط شہنشاہ کو تحریر کر دے گا۔ جس سے آپ کو فائدہ ہوگا اور وہ آپ کو کوئی اذیت نہیں پہنچائے گا۔ اور اگر آپ اس کا حکم بجا نہیں لائیں گے اور ہمارے ساتھ چلنے سے انکار کر دیں گے تو اس کا نتیجہ آپ کو معلوم ہی ہے۔ وہ آپ کو اور آپ کی ساری قوم کو تباہ کر دے گا اور آپ کے شہروں کو برباد کر کے رکھ دے گا۔ سرکار دو عالم نے وہ خط پڑھا اور ان کی دھمکی آمیز گفتگو سنی تو تبسم فرمایا۔ پھر انہیں بڑے محبت بھرے انداز میں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ وہ گفتگو تو بڑی جرأت سے کر رہے تھے لیکن جلال نبوت سے ان کے دل ان کے سینوں میں تھر تھر کانپ رہے تھے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ جانے کیلئے تیار نہیں تو ہمارے بادشاہ باذان کے نام جوابی خط لکھ دیجئے۔ حضور انور نے فرمایا، اب جاؤ آرام کرو۔ کل صبح پھر ملاقات ہوگی۔

رات کو جبرئیل امین بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اس مغرور پرویز پر اس کے بیٹے شیرویہ کو مسلط کر دیا ہے۔ اس نے اس کے پیٹ میں چھرا گھونپ کر رات کو فلاں وقت اس کا کام تمام کر دیا ہے۔ جب صبح بانویہ اور خرخسرہ دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا:

أَبْلِغَا صَاحِبَكُمَا إِنَّ رَبِّيْ قَدْ قَتَلَ رَبَّهُ كِسْرٰى فِيْ هٰذِهِ
اللَّيْلَةِ لِسَبْعِ سَاعَاتٍ مَضَتْ مِنْهَا۔ (1)

"جاؤ اور اپنے صاحب کو جا کر بتا دو کہ میرے رب نے اس کے رب کسریٰ کو آج رات قتل کر دیا ہے جب کہ رات کے سات پہر گزر چکے تھے۔ اس کے بیٹے شیرویہ نے اس کی چھاتی پر چڑھ کر اس کا پیٹ پھاڑ ڈالا ہے۔ جاؤ اور باذان کو جا کر اس کے شہنشاہ کی ہلاکت کی اطلاع دو۔ وہ کہنے لگے آپ کو علم ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اس کے نتائج کتنے خوفناک ہوں گے جو آپ نے کہا ہے؟ ہم اپنے بادشاہ کو لکھ دیں گے اور وہ اس کی اذیت ناک سزا دے گا۔"

1۔ ابن سعد، "الطبقات الکبریٰ"، جلد 1، صفحہ 260

(یہ منگل کی رات اور جمادی الاول کی دسویں تاریخ تھی اور ہجرت کا ساتواں سال تھا)

حضور انور نے فرمایا، بے شک یہ ساری باتیں اسے جا کر بتاؤ اور ساتھ ہی یہ بھی بتانا کہ میرا دین اور میری حکومت کسریٰ کی مملکت کی آخری سرحدوں تک پہنچے گی بلکہ وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کوئی کھر والا جانور یا سم والا جانور موجود ہے۔ اور اسے میری طرف سے یہ بھی کہنا کہ اگر تم اسلام قبول کر لو گے تو تمہارا ملک اور تمہارا ساز و سامان تمہارے پاس ہی رہنے دیا جائے گا۔

جب باذان کے قاصد واپس جانے لگے تو سرکار دو عالم ﷺ نے ایک کمر بند جو سونے اور چاندی سے مرصع تھا، خرخسرہ کو بطور تحفہ عطا فرمایا اور انہیں رخصت کیا۔ وہاں سے چل کر وہ باذان کے پاس پہنچے۔ جو واقعات رونپذیر ہوئے تھے وہ اسے کہہ سنائے۔ باذان نے کہا کہ یہ گفتگو کسی بادشاہ کی نہیں بلکہ نبی کی معلوم ہوتی ہے۔ اگر ان کی بتائی ہوئی یہ خبر سچی نکلی تو سب بادشاہوں سے پہلے میں ان پر ایمان لے آؤں گا۔ چند روز ہی گزرے تھے کہ شیرویہ کا خط اس کے نام موصول ہوا جس میں اس نے اپنے باپ کو قتل کرنے کی اطلاع دی تھی۔ اور باذان کو لکھا تھا کہ اسے کسریٰ تسلیم کر لے۔ یہ خط پڑھنے کے بعد اسے یقین ہو گیا کہ سرور کائنات اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ چنانچہ اس نے اور کئی فارسی النسل لوگوں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا اور اپنے ساتھیوں کے مسلمان ہونے کی اطلاع بارگاہ رسالت میں بھیج دی۔ (1)

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 36-37 و "مدارج النبوۃ"، جلد 2، صفحہ 224

غزوۂ خیبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور بہت سی غنیمتیں بھی (عطا کیں) جن کو وہ (عنقریب) حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ سب سے زبردست بڑا دانا ہے۔

(الفتح آیت ۱۹)

غزوہ خیبر

غزوۂ خیبر کا پس منظر

نوع انسانی کے ہادیٔ برحق رحمت عالم ﷺ کی یثرب تشریف آوری سے پہلے وہاں اوس و خزرج کے علاوہ یہودیوں کے تین مشہور قبائل آباد تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔

یثرب کی تجارت ان کے قبضہ میں تھی۔ پھلوں کے باغات اور اناج کی منڈیاں ان کے تصرف میں تھیں۔ یثرب کے بیشتر مزروعہ رقبہ کے بھی یہی مالک تھے۔ دفاعی ضرورتوں کے پیش نظر ہر قبیلہ کا اپنا اپنا محلّہ تھا جس میں وہ سکونت پذیر تھے۔ اپنے اپنے علاقہ میں انہوں نے مضبوط قلعے اور گڑھیاں تعمیر کر رکھی تھیں تاکہ اگر کوئی بیرونی طاقت ان پر حملہ آور ہو تو وہ ان قلعوں اور گڑھیوں میں مورچہ بند ہو کر اپنا دفاع کر سکیں۔

سرور عالم ﷺ جب یثرب تشریف لے آئے تو حضور نے تمام یہودی قبائل کے ساتھ دوستی کے معاہدے کئے تاکہ یہاں کے سارے باشندے بلا امتیاز مذہب اور نسب امن و آشتی کی زندگی بسر کر سکیں۔ اس معاہدہ کا مفصل تذکرہ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔ محض یاددہانی کیلئے اس کی اہم دفعات پیش خدمت ہیں :

1۔ اس معاہدہ میں شرکت کرنے والے ہر فریق کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی۔

2۔ ہر فرقہ اپنے مذہبی شعائر کو کسی روک ٹوک کے بغیر ادا کر سکے گا۔

3۔ ہر فرقہ کی عبادت گاہوں کا تحفظ کیا جائے گا۔

4۔ ان کی معاشی سرگرمیوں پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہو گی۔

اس سے پہلے انہوں نے اوس و خزرج کے قبائل میں سے جس قبیلہ کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا ہوا ہے وہ برقرار رہے گا۔ اس معاہدے کے جملہ فریق ایک دوسرے کی تائید و

نصرت کے پابند ہوں گے۔

5۔ وہ ایک دوسرے سے دھوکا اور غدر نہیں کریں گے۔

6۔ وہ دشمن کے لئے جاسوسی نہیں کریں گے۔

7۔ وہ دشمن قبائل کی مدد نہیں کریں گے۔

8۔ وہ کسی پر دست تعدی دراز نہیں کریں گے۔(1)

ان حکیمانہ انتظامات کے باعث اہل یثرب بڑی پرسکون زندگی بسر کرنے لگے۔

جب اسلام اپنے فطری حسن و جمال کے باعث لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے لگا اور مسلمانوں کی تعداد میں آئے دن بیش قدر اضافہ ہونے لگا تو یہودی قبائل کے دلوں میں مسلمانوں کے بارے میں حسد و عناد کی آگ بھڑکنے لگی اور انہوں نے رفتہ رفتہ ان تمام معاہدوں کو پس پشت ڈالنا شروع کر دیا۔

میدان بدر میں اسلام کی فتح مبین اور کفار کی شکست فاش نے انہیں بیخ پا کر دیا اور ان کی توقعات کو خاک میں ملا دیا۔ وہ اس امید پر زندہ تھے کہ قریش کا لشکر مسلمانوں کا کچومر نکال دے گا لیکن جب جنگ کا نتیجہ ان کی توقعات کے بالکل برعکس نکلا تو ان کے حسد و عناد کے شعلے مزید بھڑک اٹھے اور اس معاہدہ کو توڑنے کے لئے وہ بہانے تلاش کرنے لگے۔ سب سے پہلے عہد شکنی کا آغاز بنو قینقاع نے کیا۔ ان کو سمجھانے کے لئے نبی کریم ﷺ ان کے بازار میں تشریف لے گئے اور انہیں کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں، تم مجھ پر ایمان لاؤ مبادا اللہ تعالیٰ تم پر بھی اپنا عذاب نازل کرے اور تمہیں بھی اہل مکہ کے سے عبرت ناک انجام سے دوچار ہونا پڑے۔ انہوں نے برملا کہہ دیا کہ آپ نے اہل مکہ کو شکست دے کر یہ سمجھ لیا ہے کہ آپ ہمیں بھی شکست دے دیں گے۔ وہ اناڑی لوگ تھے، فن سپہ گری سے بالکل ناآشنا۔ جس روز آپ نے ہمارے ساتھ جنگ کی تو اس روز آپ کو پتا چلے گا کہ ہم کیسے بہادر لوگ ہیں۔

رحمت عالم ﷺ نے ان کی اس گستاخی پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ اس کے فوراً بعد ایک مسلمان خاتون کی پردہ دری کا سانحہ پیش آیا۔ چنانچہ حضور نے جب ان کا محاصرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا ایسا خوف پیدا کیا کہ انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور

1۔ محمد عزہ دروزہ، تاریخ بنی اسرائیل من اسفارہم، بیروت، منشورات المکتبۃ العصریہ، 1969ء، صفحہ 455

اپنے حلیف عبداللہ بن ابی کے ذریعہ حضور کی خدمت میں گزارش کی کہ انہیں اور ان کے اہل و عیال کو تہ تیغ نہ کیا جائے بلکہ انہیں یہاں سے چلے جانے کی اجازت دی جائے۔

غزوۂ احد کے بعد 4 ہجری میں بنو نضیر کی عہد شکنی کا واقعہ رونما ہوا۔ سرکار دو عالم ﷺ ایک روز ان کے ہاں تشریف لے گئے تا کہ حسب وعدہ دو مقتولوں کے خون بہا میں اپنا حصہ ادا کرنے کے لئے انہیں کہیں۔ انہوں نے ایک دیوار کے ساتھ پلنگ بچھا دیا اور حضور کو اس پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ان بد بختوں نے نبی کریم ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ایک یہودی عمرو بن جحاش کو کہا کہ چھت پر بھاری پتھر پڑا ہوا ہے اس کو آپ پر لڑھکا دے، اس طرح وہ پیغمبر اسلام سے خلاصی پالیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو ان خبیث النفس یہودیوں کی اس سازش سے بروقت مطلع فرما دیا۔ حضور چپکے سے اٹھ کر وہاں سے چلے گئے۔ اس کھلی غداری کے بعد ان کی جلا وطنی کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیلات بھی آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔ یہ لوگ وہاں سے خیبر میں آکر فروکش ہو گئے لیکن یہاں آکر بھی انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف اپنی سازشوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کے سرکردہ افراد کا ایک وفد جو سلام بن ابی الحقیق، حیی بن اخطب اور کنانہ بن ابی الحقیق وغیرہ پر مشتمل تھا مکہ آیا اور مکہ والوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ پھر دیگر قبائل عرب کے پاس جا کر اسلام کے خلاف اس اجتماعی کوشش میں شریک ہونے پر برانگیختہ کیا۔ انہیں کی تگ و دو سے غزوۂ احزاب پیش آیا جس کے تفصیلی حالات کا آپ ابھی ابھی مطالعہ کر چکے ہیں۔

انہیں ایام میں جب مسلمان خندق کھود کر اپنا دفاع کر رہے تھے تو بنی نضیر کا سربراہ حیی بن اخطب رات کی تاریکی میں بنی قریظہ کے رئیس کعب بن اسد کے پاس آیا اور اسے مجبور کر دیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کئے ہوئے معاہدہ کو توڑ کر اس اجتماعی مہم میں ان کے ساتھ شریک ہو جائے۔

اس کی تفصیلات اور بنو قریظہ کے عبرت ناک انجام کے حالات بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ جب بنو قریظہ کی شکست فاش اور ان کے عبرت ناک انجام کی اطلاع خیبر کے یہودیوں کو ملی تو مشورہ کے لئے وہ اپنے رئیس سلام بن مشکم کے پاس اکٹھے ہوئے۔ اس نے کہا کہ ہمیں اس دفعہ اپنی قوت پر بھروسا کر کے مسلمانوں پر یلغار کر دینی چاہئے۔ خیبر کے

تمام یہودی نوجوان پوری طرح مسلح ہو کر مسلمانوں پر حملہ کریں۔ اگر مزید کمک کی ضرورت ہوئی تو ہم تیماء، فدک اور وادی القریٰ میں آباد اپنے یہودی بھائیوں کو دعوت دیں کہ اس تاریخ ساز حملہ میں وہ ہماری امداد کریں۔ اس نے کہا کہ اس دفعہ ہم عرب کو اس جنگ میں شرکت کی دعوت نہیں دیں گے۔ غزوۂ خندق میں انہوں نے جو برتاؤ ہم سے کیا ہے ہم اسے فراموش نہیں کر سکتے۔ صرف یہودی سرفروشوں کا لشکر جرار تیار کر کے ہم مرکز اسلام پر حملہ آور ہوں گے۔ تمام یہودیوں نے سلام بن مشکم کی تجویز کو بہت سراہا اور بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ لیکن ان کے عاقبت اندیش زعماء نے اس تجویز کی تائید نہ کی۔ انہوں نے کہا، ان نازک حالات میں ہمیں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہئے جہاں شکست کا احتمال ہو۔ پہلے ہمیں وہ تمام ممکنہ وسائل مجتمع کر لینے چاہئیں جن کی وجہ سے ہماری فتح اور مسلمانوں کی شکست یقینی ہو۔ (1)

چنانچہ اسی پر سب متفق ہوئے کہ ہمیں اپنی فوجی قوت کے علاوہ دیگر مشرک عرب قبائل سے بھی مدد لینی چاہئے۔ چنانچہ ان کا ایک وفد جو چودہ افراد پر مشتمل تھا کنانہ بن ابی الحقیق کی قیادت میں غطفان پہنچا اور ان کو اس مہم میں شریک ہونے کی دعوت دی اور ان سے وعدہ کیا کہ وہ انہیں اس امداد کے عوض اپنے نخلستانوں کی نصف پیداوار کھجوریں دیں گے۔ (2)

اس کے ساتھ ساتھ عبداللہ بن ابی، رئیس المنافقین جو مدینہ طیبہ میں ایک بااثر شخصیت تھا، اپنے منصوبہ کے بارے میں اس سے بھی نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس نے خیبر کے یہودیوں کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں کہا کہ مسلمانوں سے تمہیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے مقابلہ میں ان کی تعداد بہت کم ہے۔ ان کے پاس اسلحہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اگر تم استقامت کا مظاہرہ کرو گے تو ان کو نیست و نابود کر کے رکھ دو گے۔

1۔ ڈاکٹر عماد الدین خلیل، "الدراسات فی السیرۃ"، بیروت، دار النفائس، 1982م، طبع 6، صفحہ 349-350، محمد حسین ہیکل، "حیاۃ محمد"، القاہرۃ دار احیاء التراث العربی، 1979م، صفحہ 387

2۔ تقی الدین احمد بن علی المقریزی (م 845ھ)، "امتاع الاسماع"، القاہرۃ دار الانصار، 1989ء، جلد 1، صفحہ 236، دیگر کتب سیرت

غزوۂ خیبر کی تاریخ

سرور عالم ﷺ سفر حدیبیہ سے ماہ ذی الحجہ سنہ 6 ہجری میں مراجعت فرمائے مدینہ طیبہ ہوئے۔ یہاں آکر حضور کو ان سازشوں کے بارے میں آگاہی ہوئی جو خیبر کے یہودی، دیگر مشرک قبائل کے ساتھ مل کر مدینہ طیبہ پر چڑھائی کرنے کے لئے کر رہے تھے۔ اس سنگین صورت حال کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ نے وقت ضائع کئے بغیر ان کی گوشمالی کے لئے فوری اقدام ضروری سمجھا۔ چنانچہ اس مہم کو سر کرنے کے لئے صرف ان جانباز مجاہدوں کو شمولیت کی دعوت دی جو حدیبیہ کی مہم میں ہم رکاب تھے۔ کیونکہ دین اسلام سے ان کی گہری عقیدت اور اپنے رسول مکرم سے بے پایاں محبت ہر شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ دوسرے لوگوں کے لئے یہ اعلان فرمایا کہ صرف وہ لوگ ہی اس سفر میں ہم رکابی کا شرف حاصل کر سکتے ہیں جو اموال غنیمت کے طلب گار نہ ہوں اور جن کے دلوں میں صرف کلمہ حق کو بلند کرنے کا شوق موجزن ہو۔ چنانچہ مدینہ طیبہ میں بیس پچیس روز قیام کے بعد ماہ محرم سنہ 7 ہجری میں حضور انور ﷺ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت سباع بن عرفطہ الغفاری کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ ابن ہشام نے نمیلہ بن عبد اللہ اللیثی کا نام لیا ہے۔ لشکر اسلام کی تعداد سولہ سو تھی، جن میں سے چودہ سو پیادے اور دو سو گھڑ سوار تھے۔(1) مقدمۃ الجیش کی کمان حضرت عکاشہ بن محصن الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کی۔ میمنہ پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر مقرر فرمایا اور میسرہ پر ایک دوسرے صحابی کو متعین کیا۔ بنو اشجع قبیلہ کے دو آدمی جو اس راستہ کے پیچ و خم سے بخوبی آگاہ تھے، انہیں راستہ دکھانے کی ذمہ داری سونپی۔(2)

امہات المومنین میں سے اس سفر میں ام المومنین حضرت ام سلمہ کو معیت کا شرف حاصل ہوا۔ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ جب بنو غطفان کو اطلاع ملی کہ نبی کریم ﷺ خیبر پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو گئے ہیں تو انہوں نے اپنے تمام جنگجو جوانوں کو اکٹھا کیا تاکہ اہل خیبر کی امداد کے لئے روانہ ہوں۔ جب وہ خیبر کی طرف ایک منزل طے کر چکے تو انہیں پیچھے

1۔ ایضاً، صفحہ 235 و دیگر کتب سیرت

2۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 43

سے شور سنائی دیا جیسے کسی نے ان کے اہل و عیال پر حملہ کر دیا ہو۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں مسلمانوں نے ان کے اہل و عیال کو بے یار و مددگار پا کر ان پر دھاوا نہ بول دیا ہو۔ اس خیال سے وہ لرز اٹھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ خیبر کے یہودیوں کی امداد کے لئے آگے بڑھنے کے بجائے انہیں چاہئے کہ وہ لوٹیں اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کریں۔ چنانچہ انہوں نے خیبر کے یہودیوں کو ان کے حال پر چھوڑا اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے لئے لوٹ آئے۔(1)

"الحرکات العسکریہ" کے مصنف نے بنو غطفان کے واپس لوٹ آنے کی ایک اور وجہ لکھی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیبر کی طرف پیش قدمی جاری رکھی لیکن لشکر اسلام کا ایک دستہ بنو غطفان کی آبادی کو سراسیمہ اور خوفزدہ کرنے کے لئے ان کے علاقہ کی طرف روانہ کیا۔ جب یہ دستہ وہاں پہنچا تو وہاں بچوں اور عورتوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ غطفانیوں کو اطلاع ملی تو ان کے حواس باختہ ہو گئے۔ وہ اپنے حلیف یہودیوں کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ کر واپس دوڑے تاکہ اپنے اہل و عیال کی حفاظت کر سکیں۔(2)

اگرچہ مدینہ طیبہ سے خیبر کی مسافت آٹھ برید (8×12=96 میل، 156 کلومیٹر) تھی لیکن اس سفر میں راز داری اور تیز رفتاری کو ملحوظ رکھا گیا۔ سرکار دو عالم ﷺ یہ طویل مسافت صرف تین رات میں طے کر کے خیبر کی حدود میں داخل ہو گئے۔(3)

اثنائے سفر ایک رات یہ کارواں سرگرم سفر تھا اور ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا کہ ایک صاحب نے حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کو فرمائش کی کہ اپنا کچھ کلام سنائیں۔ وہ اپنی سواری سے اترے اور حدی کی لے میں مندرجہ ذیل اشعار پڑھنے شروع کئے:

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا   وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

"اے اللہ! اگر تو ہماری دستگیری نہ فرماتا تو نہ ہمیں صدقہ دینے کی توفیق ہوتی اور نہ نماز پڑھنے کی۔"

1۔ ابو محمد عبد الملک ابن ہشام (م 213ھ)، "سیرۃ الامام ابن ہشام"، مصر، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، ب ت، جلد 3، صفحہ 381-380

2۔ سیف الدین سعید ال یحیٰ، "الحرکات العسکریۃ للرسول الاعظم، بیروت، الدار العربیۃ للموسوعات، 1983، طبع 1، جلد 2، صفحہ 381

3۔ محمد حسین ہیکل، "حیاۃ سیدنا محمد"، صفحہ 374

فَاغْفِرْ فِدَاءً لَكَ مَا اقْتَفَيْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا

"ہم تجھ پر نثار! ہم نے شیطان کی پیروی کرتے ہوئے جو گناہ کئے ہیں وہ ہمیں بخش دے اور جب دشمن سے ہمارا مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔"

وَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا اِنَّا اِذَا صِيْحَ بِنَا اَتَيْنَا

"ہم پر تسکین نازل فرما۔ ہمیں جب جہاد کے لئے پکارا جاتا ہے تو ہم حاضر ہو جاتے ہیں۔"

وَبِالصِّيَاحِ عَوَّلُوْا عَلَيْنَا وَاِنْ اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا (1)

"انہوں نے چیخ و پکار سے ہم پر حملہ کرنے کی کوشش کی ہے اور جس وقت وہ ہمیں کسی فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اس میں مبتلا ہونے سے انکار کر دیتے ہیں۔"

ان کی آواز میں بلا کا سوز تھا۔ اونٹوں میں مستی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ بڑی تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔ ذکر الٰہی کو اس اثر انگیز لہجہ میں سن کر سب مجاہدین پر بھی کیف و سرور طاری ہو گیا۔ رحمت عالم ﷺ نے دریافت فرمایا مَنْ هٰذَا السَّائِقُ؟ یہ حدی خواں کون ہے؟ عرض کی گئی، یہ عامر ہیں۔ فرمایا رَحِمَهُ اللّٰهُ کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ اپنے آقا کی زبان سے اپنے مجاہد بھائی کے حق میں یہ کلمات دعا سن کر حضرت فاروق اعظم بولے وَجَبَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْلَا اَمْتَعْتَنَا بِهٖ یارسول اللہ! اس کے لئے اب شہادت واجب ہو گئی۔ اے اللہ کے حبیب! اس سے متمتع ہونے کا مزید موقع حضور نے ہمیں کیوں عطا نہ فرمایا۔ (2)

یوں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے نغمے الاپتے ہوئے عاشقان باصفا کا یہ قافلہ اپنی منزل کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ چاندنی رات تھی، سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ سب سے آگے آگے چل رہا ہے اور وہ چاند کی روشنی پڑنے سے جو چادر اس نے اوڑھی ہوئی ہے وہ چمک رہی ہے۔ حضور نے پوچھا یہ کون ہے؟ عرض کی گئی یہ عبس بن جبر

1۔ ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر قیم الجوزیہ (691-751ھ)، "زاد المعاد فی ہدی خیر العباد"، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، 1985م، جلد 3، صفحہ 317-318

2۔ ایضاً

ہیں۔ فرمایا، اس کو پکڑ لو۔ خود عبس کہتے ہیں کہ یہ فرمان سنتے ہی صحابہ نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا۔ میں سوچنے لگا کہ مجھ سے ایسی کون سی خطا سرزد ہوئی ہے جس کی یہ سزا ہے؟ میں اسی سوچ میں غلطاں و پیچاں تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تشریف لے آئے اور پوچھا تم سب ساتھیوں سے الگ آگے آگے کیوں جا رہے تھے؟ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! میری اونٹنی بڑی تیز رفتار اور منہ زور ہے۔ یہ زبردستی آگے بڑھنا چاہتی تھی۔ پھر پوچھا وہ چادر کہاں ہے جو میں نے تمہیں اوڑھائی تھی؟ میں نے عرض کی، جب یہ سفر پیش آیا تو میں نے اسے آٹھ درہم میں فروخت کر دیا۔ دو درہم سے زاد سفر خریدا۔ دو درہم اپنے اہل خانہ کو بطور خرچہ دیئے اور چار درہم کی یہ چادر خرید لی جو اب میں نے اوڑھی ہوئی ہے۔ سرکار دو عالم میری یہ عرضداشت سن کر مسکرا دیئے۔ پھر فرمایا، اے عبس! تم اور تمہارے کنگال دوست بخدا اگر تم لوگ کچھ عرصہ زندہ سلامت رہے تو تمہارے زاد سفر میں بہت اضافہ ہو جائے گا، اپنے اہل خانہ کے لئے تم کثیر رقم بطور خرچہ دے جایا کرو گے اور تمہارے پاس دراہم اور غلاموں کی کثیر تعداد ہو گی وَمَا ذٰلِكَ لَكُمْ بِخَيْرٍ زر و سیم کی اس بہتات میں تمہارے لئے بھلائی نہ ہو گی۔(1)

رسول اکرم ﷺ جب صہباء کے مقام پر پہنچے جو خیبر سے قریب تھا، عصر کی نماز ادا کی، پھر فرمایا، دستر خوان بچھاؤ اور کھانا لاؤ۔ ستو کے بغیر کھانے کے لئے کوئی چیز نہ تھی۔ یہی ستو حضور نے اور سارے لشکر اسلام نے تناول فرمائے۔ پھر کلی کر کے مغرب کی نماز ادا فرمائی۔ پھر کچھ دیر بعد نماز عشاء سے فراغت پائی۔ ان امور سے فارغ ہونے کے بعد راستہ دکھلانے والوں کو طلب کیا، ان میں سے ایک، جس کا نام حسیل بن خارجہ تھا حاضر ہوا اسے حکم دیا کہ ہمارے آگے آگے چلو، ہمیں ان وادیوں کے آخر تک لے جاؤ۔ وہاں سے خیبر اور شام کے درمیان سے گزرتے ہوئے ہمیں اس جگہ لے جاؤ جہاں ہم بنو غطفان اور اہل خیبر کے درمیان حائل ہو جائیں۔ اس نے تعمیل ارشاد کی اور لشکر اسلام کو لے کر ایسے مقام پر پہنچا جہاں سے متعدد راستے نکل رہے تھے۔ اس نے عرض کی، یا نبی اللہ! یہ سارے راستے ہماری منزل کی طرف جاتے ہیں۔ فرمایئے ان میں سے کس راستہ پر چلوں؟ فرمایا، ان کے

1۔ الامام محمد بن یوسف الصالحی الشامی (م 942ھ)، "سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد"، القاہرۃ، لجنۃ احیاء التراث الاسلامی، 1983، جلد 5، صفحہ 183

نام بتاتے جاؤ۔ حضور پر نور کی عادت مبارک تھی کہ ہمیشہ اچھے ناموں کو پسند فرمایا کرتے اور ان سے نیک فال لیتے اور برے ناموں اور بد فالی کو ناپسند کیا کرتے۔

اس نے عرض کی ایک راستہ کا نام حزن (غم) ہے، دوسرے کا شاش اور تیسرے کا نام حاطب (ایندھن اکٹھا کرنے والا) ہے۔ ان تینوں کو حضور نے مسترد کر دیا۔ اب ایک ہی راستہ باقی رہ گیا جس کا نام مرحب تھا، فرمایا اس راستہ پر چلو۔ (1)

لشکر اسلام اس راستہ پر چل کر وادی رجیع میں جا کر قیام پذیر ہوا۔ یہی جگہ تھی جو بنو غطفان اور خیبر کے درمیان واقع تھی۔ یہاں ٹھہرنے کا مقصد یہ تھا کہ بنو غطفان کو یہود خیبر کی مدد کرنے سے روک دیا جائے۔

حدود خیبر میں داخل ہوتے وقت حضور کی دعا

جب یہ کارواں حدود خیبر میں داخل ہوا تو سرور عالم ﷺ نے حکم دیا ٹھہر جاؤ۔ سب ٹھہر گئے۔ پھر ان کلمات طیبات سے یوں دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا أَظْلَلْنَ، وَرَبَّ الْاَرْضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا أَقْلَلْنَ، وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا أَضْلَلْنَ، وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا أَذْرَيْنَ، فَإِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرِ أَهْلِهَا وَخَيْرِ مَا فِيْهَا، وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا۔ (2)

"اے اللہ! اے سات آسمانوں اور جن چیزوں پر یہ سایہ فگن ہیں ان کے رب! اے سات زمینوں اور جو انہوں نے اپنے اوپر اٹھایا ہوا ہے ان سب کے رب!

اے شیطانوں اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہے ان سب کے رب! اے ہواؤں اور جن کو وہ اڑا رہی ہیں ان سب کے رب! ہم تجھ سے ان کے اس گاؤں کی خیر اور اس کے باشندوں کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور ہم

1۔ ایضاً، صفحہ 184 و "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 45

2۔ "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 319-320 و "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 184

اس گاؤں کے شر اور اس کے رہنے والوں کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔"
پھر فرمایا اَقْدِمُوْا بِسْمِ اللّٰہِ ۔اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔
حضور نبی کریم ﷺ ہر گاؤں میں داخل ہوتے وقت یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

خیبر میں داخلہ

اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کا یہ لشکر اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول ﷺ کی قیادت میں آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ خیبر کی بستی کے بالکل نزدیک پہنچ گیا۔ ابھی رات کا اندھیرا تھا۔ وہاں سب نے کچھ دیر آرام کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ رات کے وقت کسی بستی پر حملہ نہ فرمایا کرتے بلکہ صبح صادق کے طلوع کا انتظار فرماتے۔ اگر اس وقت صبح کی اذان سامع نواز ہوتی تو حملہ کا ارادہ ترک فرما دیتے اور اگر اذان کی آواز سنائی نہ دیتی تو پھر حملہ کرنے کا حکم دیتے۔

خیبر کے یہودیوں نے یہ افواہ سن لی تھی کہ سرور عالم ﷺ ان پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں لیکن انہیں یقین تھا کہ مسلمان ان پر حملہ کرنے کی ہرگز جرأت نہیں کریں گے۔ وہ کہتے ہمارا لشکر دس ہزار جنگجو اور بہادر افراد پر مشتمل ہے۔ اسلحہ کے ڈھیر ہم نے اکٹھے کر رکھے ہیں ہمارے قلعے بڑے مستحکم ہیں، ان حالات میں مسلمانوں کے لئے ممکن نہیں کہ وہ ہم پر چڑھائی کر سکیں۔ اس یقین کے باوجود انہوں نے ساری احتیاطی تدابیر اختیار کر رکھی تھیں۔ صبح سویرے ان کا لشکر پریڈ کے لئے جمع ہوتا۔ اس لشکر جرار کو یوں چاق و چوبند دیکھ کر وہ کہتے۔

مُحَمَّدٌ یَغْزُوْنَا هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ! (1)

"کیا محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہم پر حملہ کریں گے؟ ناممکن ناممکن"۔

لیکن جس رات اسلام کے جانبازوں کی فوج ظفر موج ان کے علاقہ میں پہنچی اس رات ان پر ایسی نیند مسلط ہوئی کہ طلوع آفتاب تک ان کی آنکھ تک نہ کھلی۔ نیند کے خمار میں بے سدھ پڑے رہے یہاں تک کہ اس صبح ان کے مرغوں نے اذان تک بھی نہ دی۔

لَمْ یَتَحَرَّكُوْا تِلْكَ اللَّیْلَةَ وَلَمْ یَصِحْ لَهُمْ دِیْكٌ حَتّٰی

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 235

طَلَعَتِ الشَّمْسُ۔ (1)

جب سورج چڑھے ان کی آنکھ کھلی تو ایک گھبراہٹ ان پر مسلط تھی لیکن انہیں یہ سان گمان بھی نہ تھا کہ یہ صبح اپنے دامن میں ان کے لئے ایک فیصلہ کن گھڑی لے کر طلوع ہوئی ہے۔ وہ حسب معمول اپنی کسیاں، کدالیں کندھوں پر اٹھائے اور ہاتھوں میں ٹوکرے ٹوکریاں پکڑے روزمرہ کے کام کے لئے کھیتوں اور باغات کی طرف روانہ ہوئے۔ باہر نکلے تو دیکھا کہ اسلام کے مجاہد اپنے قائد کی قیادت میں ان کے قلعوں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ان کی چیخیں نکل گئیں، بولے محمد والخمیس یہ تو محمد (فداہ ابی وامی) اور ان کا لشکر ہے۔ ہراساں ہو کر پیچھے پلٹے اور اپنی گڑھیوں میں جا کر پناہ لی۔

سرور عالم ﷺ نے جب انہیں سراسیمہ ہو کر پیچھے بھاگتے دیکھا تو فلک شگاف نعرہ لگایا اور اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ، خَرِبَتْ خَيْبَرُ، اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ۔ (2)

"اللہ سب سے بڑا ہے۔ خیبر اجڑ گیا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں خیمہ زن ہوتے ہیں تو جن کو ڈرادیا جاتا ہے ان کی صبح خوفناک ہوتی ہے۔"

یہودی اپنے اپنے قلعوں میں داخل ہو کر مورچہ بند ہو گئے اور اپنے سردار سلام بن مشکم کو صورت حالات سے آگاہ کیا کہ لشکر اسلام نے ان پر چڑھائی کر دی ہے۔ اس نے کہا، تم نے میری بات نہ مانی۔ میں تم کو کہا کرتا تھا کہ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے تم ان پر چڑھائی کر دو۔ اس وقت تم نے میری بات کی پروانہ کی۔ اب میں جو بات تمہیں کہنے لگا ہوں اس کو غور سے سنو اور اس پر عمل کرو۔ میں تمہیں کہتا ہوں کہ اب ان کے ساتھ بہادروں کی طرح جنگ کرو۔ میدان جنگ میں جان قربان کر دینا شکست کھانے اور بھاگتے ہوئے قتل ہونے سے بدرجہا بہتر ہے۔ (3) چنانچہ انہوں نے جان کی بازی لگانے کا عزم مصمم کر لیا۔ انہوں نے اپنے اموال اور اہل و عیال کو کتیبہ کے قلعہ میں مجتمع کر دیا۔ غلہ کے انبار اور

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 185۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 45

2۔ ایضاً

3۔ ایضاً

اسلحہ کے ذخائر قلعہ "ناعم" میں اکٹھے کر دیئے۔ سارے جنگجو بہادروں کو قلعہ "نطاۃ" میں جمع کر دیا۔ سلام بن مشکم اگرچہ سخت بیمار تھا وہ بھی اس قلعہ میں فروکش ہوا تاکہ اپنے لڑاکوں کو جنگ پر برانگیختہ کر سکے۔ سلام، چند روز بعد اسی قلعہ میں ہلاک ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ کو جب یقین ہو گیا کہ یہودی جنگ سے کسی قیمت پر باز نہیں آئیں گے تو حضور نے اسلام کے سارے مجاہدین کو اپنے پاس جمع کیا اور ان کے سامنے جہاد کے موضوع پر ایک اثر انگیز خطاب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے والوں اور سر کٹانے والوں کے فضائل بیان فرمائے اور حاضرین کو یہ مژدہ سنایا کہ اگر تم صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو گے اور دشمن کے سامنے فولاد کی چٹان بن کر ڈٹے رہو گے تو یقیناً فتح و ظفر تمہارے قدم چومے گی اور مال غنیمت کے ڈھیر تمہارے قدموں میں لگا دیئے جائیں گے۔(1)

علامہ مغلطائی اور دیگر علماء سیرت نے لکھا ہے کہ غزوۂ خیبر سے پہلے مسلمان جرنیلوں کے پاس چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں ہوا کرتی تھیں جنہیں لواء کہا جاتا تھا۔ بڑے پرچموں کا رواج نہ تھا، ان کا آغاز غزوۂ خیبر سے ہوا۔

علامہ دمیاطی کہتے ہیں کہ پہلا پرچم جو غزوۂ خیبر میں قائدین لشکر اسلام کو مرحمت فرمایا گیا، وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چادر سے بنایا گیا تھا۔ اس پرچم کا رنگ سیاہ تھا۔ اس کا نام "عقاب" تھا۔ دوسرا پرچم سفید تھا۔ ان کے علاوہ چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں تھیں جو دوسرے جرنیلوں میں تقسیم کی گئیں۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا شعار تھا۔

يَا مَنْصُوْرُ أَمِتْ (2)

حضرت حباب کا دانشمندانہ مشورہ

نبی مکرم ﷺ نے لشکر اسلام کے قیام کے لئے یہودیوں کے نطاۃ کے قلعوں کے قریب ہی اپنے خیمے نصب کر دیئے۔ اتنے میں حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور نے یہاں قیام فرمایا ہے۔ اگر اس جگہ کا انتخاب حکم الٰہی سے ہوا ہے تو پھر ہم اس کے بارے میں کچھ عرض نہیں کریں گے لیکن اگر اس میں مشورہ کی

1۔ ایضاً

2۔ ایضاً، صفحہ 46

گنجائش ہے تو میں کچھ گزارش کی اجازت چاہوں گا۔ حضور نے فرمایا، یہاں قیام اپنی رائے سے ہوا ہے تم مشورہ دے سکتے ہو۔ حضرت حباب عرض پرداز ہوئے، یارسول اللہ! حضور نے یہودیوں کے قلعوں کے بالکل قریب اپنے خیمے نصب کئے ہیں اور کھجور کے درختوں کے جھرمٹ میں قیام فرمایا ہے۔ سیم کے پانی کے جوہڑ بھی یہاں آس پاس ہیں، میں نطاۃ کے قلعوں کے مکینوں کو خوب جانتا ہوں، وہ بلا کے تیر انداز ہیں۔ یہ دور سے تیر چلاتے ہیں اور ان کا نشانہ خطا نہیں جاتا۔ نیز ہم نشیب میں ہیں اور وہ بلندی پر، وہ بآسانی ہمیں اپنے تیروں کا نشانہ بنا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ قوی اندیشہ بھی ہے کہ وہ درختوں کے جھنڈوں میں چھپ کر ہم پر شب خون ماریں گے۔ یارسول اللہ! میری گزارش یہ ہے کہ ہم یہاں سے اپنے خیمے اکھاڑ کر ایسی جگہ لے جا کر انہیں نصب کریں کہ ان کے تیر بآسانی ہم تک نہ پہنچ سکیں، جہاں کھلا میدان ہو۔ وہ گھنے درختوں کی آڑ لے کر ہم پر اچانک حملہ نہ کر سکیں اور سیم کے پانی کے تالاب بھی وہاں نہ ہوں۔

رحمت عالم ﷺ نے حضرت حباب کی اس دانشمندانہ رائے کو بہت پسند فرمایا اور اس پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا۔ فرمایا أَشَرْتَ بِالرَّأْيِ تونے صحیح مشورہ دیا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ کو یاد فرمایا۔ وہ حاضر ہوئے تو انہیں حکم دیا کہ لشکر اسلام کے لئے ایسی جگہ تلاش کرو جو یہود کے قلعوں سے دور ہو، وبائی بیماریوں سے محفوظ ہو اور جہاں وہ ہم پر شب خون نہ مار سکیں۔

نبی کریم کے ارشاد کی تعمیل میں انہوں نے اس سارے علاقے کا سروے کیا اور واپس آ کر عرض کی، آقا! حسب ارشاد میں نے جگہ تلاش کر لی ہے۔ حضور نے صحابہ کو حکم دیا اللہ کا نام لے کر اپنی نئی قیام گاہ میں منتقل ہو جاؤ۔ محمد بن مسلمہ نے رجیع کی وادی کو رہائش کیلئے منتخب فرمایا تھا۔ اس مقام میں وہ ساری خوبیاں پائی جاتی تھیں جن کی ضرورت تھی۔(1)

علامہ یاقوت حموی، "معجم البلدان" میں لکھتے ہیں کہ "رجیع" نام کے دو مقام ہیں۔ ایک وہ مقام جہاں عضل اور قارہ کے چند اوباشوں نے دھوکا سے حضرت خبیب اور ان کے چھ ساتھیوں کو شہید کیا تھا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) یہ مقام مکہ اور طائف کے درمیان

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 186 و "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 46

ہے۔ دوسرا وہ مقام جہاں خیبر پر حملہ کرتے وقت لشکر اسلام نے قیام کیا تھا۔ لشکر اسلام کے یہاں قیام کرنے سے بنو غطفان کے لئے ممکن نہ رہا کہ وہ خیبر کے یہودیوں کی امداد کے لئے اپنا لشکر لے کر وہاں پہنچیں۔ یہ دونوں شہر ایک دوسرے سے پندرہ دن کی مسافت پر ہیں۔(1)

فتح خیبر کے لئے سرورِ عالم کی جنگی حکمت عملی

آپ نے ابھی پڑھا ہے کہ خیبر کا علاقہ متعدد قطعات میں منقسم تھا۔ ہر حصہ میں متعدد قلعے تھے۔ اگر ایک وقت میں صرف ایک قلعہ پر حملہ کیا جاتا تو اس بات کا اغلب امکان تھا کہ دوسرے قلعوں والے یہودی سب اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ میں نکل آتے اور لشکر اسلام کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس لئے قائد لشکر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیبر پر لشکر کشی کے لئے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ مسلمان مجاہدوں کے چھوٹے چھوٹے دستے ترتیب دیئے اور ہر دستہ کو ایک ایک قلعہ کے لئے مخصوص کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ ہر قلعہ کے مکین اپنے دفاع میں مصروف رہیں اور اپنی بکھری ہوئی طاقت کو متحد کر کے لشکر اسلام کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ لشکر اسلام کا بڑا حصہ اپنی طاقت ایک قلعہ پر مرکوز کر کے حملہ آور ہوتا۔ اس کو فتح کرنے کے بعد یہی لشکر دوسرے قلعے پر حملہ کرتا اور دیگر مختصر دستے دوسرے قلعوں کے مکینوں کو اپنا بچاؤ کرنے میں مصروف رکھتے۔(2)

خیبر کا محل وقوع

علامہ محمد رضا مصری، اپنی کتاب "محمد رسول اللہ" میں خیبر کے بارے میں لکھتے ہیں:

"خیبر، ایک وسیع و عریض زرخیز قطعہ زمین کا نام ہے جو مدینہ طیبہ سے شام کی طرف آٹھ برید کے فاصلہ پر واقع ہے ایک برید، بارہ میلوں کی مسافت کو کہتے ہیں، چنانچہ مدینہ طیبہ سے خیبر کی کل مسافت چھیانوے عربی میل بنتی ہے۔ یہاں کے سارے باشندے یہودی تھے۔ اس علاقہ میں متعدد قلعے، بے شمار کھیت اور کثیر التعداد نخلستان تھے۔

1۔ ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی (1129-1178ء)، "معجم البلدان"، بیروت، دار صادر، 1957، جلد 3، صفحہ 29

2۔ "الحرکات العسکریۃ"، جلد 2، صفحہ 383

یہاں کے باشندے متعدد وادیوں میں بکھرے ہوئے تھے، وہ وادیاں باہم قریب قریب تھیں۔ انہوں نے اپنے کھیتوں کے درمیان قلعے تعمیر کئے ہوئے تھے۔" (1)

حصون خیبر

خیبر کا خطہ بنیادی طور پر تین حصوں میں منقسم تھا اور ہر حصہ متعدد قلعوں پر مشتمل تھا۔

1۔ حصون النطاۃ: اس حصہ میں یہ تین قلعے تھے (ا) الناعم (ب) الصعب (ج) قلۃ زبیر

2۔ حصون الشق: اس حصہ میں دو قلعے تھے (ا) حصن ابی (ب) حصن براء۔ اس قلعہ کو البرید بھی کہا جاتا تھا۔

3۔ حصون الکتیبہ: اس حصہ میں تین قلعے تھے (ا) حصن القموص (ب) الوطیح (ج) سلالم

خیبر کے گردونواح میں یہودیوں کی اور کئی بستیاں بھی تھیں مثلاً فدک اور تیماء جبکہ تیماء اور خیبر کے درمیان ایک وادی میں چھوٹے چھوٹے دیہات واقع تھے اس لئے اس وادی کو "وادی القریٰ" کہا جاتا ہے۔ یہ ساری آبادیاں اور ان سے ملحقہ زمینیں یہودیوں کے تصرف میں تھیں۔ یہاں کی آب و ہوا صحت کے لئے بہت مضر تھی جس کی وجہ سے یہاں اکثر وبائی امراض بخار وغیرہ کا دور دورہ رہتا تھا۔

جنگ کا آغاز

سب سے پہلے حضور نبی کریم ﷺ نے نطاۃ کے قلعوں کو فتح کرنے کا عزم فرمایا۔ اور نطاۃ کے قلعوں میں سب سے پہلے قلعہ ناعم کا محاصرہ کیا۔ اس دن نبی کریم ﷺ نے مجاہدین اسلام کو یہ ہدایات فرمائیں:

لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ مَا تُبْتَلُوْنَ بِهٖ مِنْهُمْ فَإِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَقُوْلُوا اللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبُّنَا وَرَبُّهُمْ نَوَاصِيْنَا وَنَوَاصِيْهِمْ بِيَدِكَ إِنَّمَا تَقْتُلُهُمْ أَنْتَ ثُمَّ الْزَمُوا الْأَرْضَ جُلُوْسًا فَإِذَا غَشُوْكُمْ فَانْهَضُوْا وَكَبِّرُوْا (2)

1۔ محمد رضا، "محمد رسول اللہ"، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، 1975، صفحہ 275

2۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 187

"دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت اور سلامتی کا سوال کرتے رہو۔ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ دشمن کے مقابلہ میں تمہیں کس طرح آزمایا جائے گا لیکن جب دشمن سے مقابلے کئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو اور آمنا سامنا ہو جائے تو یہ دعا مانگو، اے اللہ! ہمارا بھی تو ہی رب ہے اور ان کا بھی تو ہی رب ہے۔ ہماری پیشانیاں اور ان کی پیشانیاں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ تو ہی ان کو موت کے گھاٹ اتارنے والا ہے۔ یہ دعا مانگنے کے بعد زمین پر جم کر بیٹھ جاؤ، جب وہ تم پر حملہ کریں تو کھڑے ہو جاؤ اور نعرہ تکبیر بلند کرو اور جنگ شروع کر دو۔"

نبی کریم ﷺ کی اجازت سے مسلمانوں نے سب سے پہلے حصن ناعم کا محاصرہ کیا۔ سارا دن جنگ ہوتی رہی اور فریقین داد شجاعت دیتے رہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس روز سر مبارک پر خود سجایا ہوا تھا، دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں، ہاتھوں میں نیزہ اور ڈھال تھی اور جس گھوڑے پر حضور سوار تھے اس کا نام "الظرب" تھا۔ یہودی لشکر اسلام پر تیر برساتے رہے۔ مسلمان انہی تیروں کو چن چن کر یہودیوں کی طرف لوٹاتے رہے۔ جب شام ہو گئی تو حضور ﷺ مع صحابہ کرام اس مقام پر لوٹ آئے جو محمد بن مسلمہ نے لشکر اسلام کی قیام گاہ کے لئے تجویز کیا تھا۔ ہر صبح مسلمان اس قلعہ پر حملہ کرتے اور شام کو واپس آ جاتے۔(1)

خیبر کا قلعہ ناعم جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا

علامہ ابن کثیر نے اپنی کتاب "السیرۃ النبویہ" میں، علامہ مقریزی نے "امتاع الاسماع" میں اور دیگر متعدد سیرت نگاروں نے اپنی اپنی تالیفات میں لکھا ہے کہ مرحب، اپنے بھائیوں کے ہمراہ اسی قلعہ میں موجود تھا اور سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے اس کی جنگ اسی قلعہ کے دروازے کے سامنے ہوئی جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی کبھی درد شقیقہ کی تکلیف ہوتی تھی۔ یہ تکلیف ایک دو روز جاری رہتی تھی۔ جب حضور خیبر میں تشریف لائے تو پھر اس درد شقیقہ کی تکلیف ہو گئی۔ جس کی وجہ سے آپ باہر تشریف نہ لا سکے۔

1۔ ایضاً، صفحہ 188

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا پرچم عطا فرما کر بھیجا جنہوں نے ان کے ساتھ شدید جنگ کی لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ دوسرے روز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار دو عالم ﷺ کا پرچم لے کر قلعہ پر حملہ کیا اور شدید جنگ کی جو پہلے دن سے بھی زیادہ سخت تھی لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ بارگاہ رسالت میں صورت حال عرض کی گئی، حضور نے فرمایا:

لَاُعْطِیَنَّ رَایَةً غَدًا رَجُلًا یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلَیْہِ لَیْسَ بِفَرَّارٍ، یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یَاْخُذُھَا عَنْوَۃً

”کل میں یہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس قلعہ کو فتح فرمائے گا، وہ شخص فرار نہیں ہو گا، وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا ہو گا اور قوت بازو سے اس قلعہ پر قابض ہو جائے گا۔“

حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی سب مجاہدین نے سن لیا۔ ان کی یہ رات پیچ و تاب کھاتے گزری ہر ایک کی خواہش تھی کہ یہ سعادت اس کو نصیب ہو۔ جب صبح ہوئی تو سارے مجاہدین بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ وہ یہ جاننے کے لئے از حد بے قرار تھے کہ وہ کون خوش نصیب ہے جس کو آج پرچم عطا کیا جائے گا۔

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ آشوب چشم کی تکلیف کے باعث مدینہ طیبہ سے حضور کے ہم رکاب خیبر کی طرف روانہ نہیں ہو سکے تھے۔ جب سرکار دو عالم ﷺ مدینہ طیبہ سے روانہ ہو گئے تو علی مرتضیٰ نے اپنے دل میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ جہاد پر تشریف لے جائیں اور میں پیچھے رہ جاؤں؟ بخدا ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ چنانچہ دکھتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اپنے آقا کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ خیبر میں حضور کے قریب جا کر اپنی اونٹنی بٹھائی اور حالت یہ تھی کہ آنکھوں پر پٹی بندھی تھی۔ اس روز جب حضور ﷺ نماز جمعہ ادا فرما چکے تو جھنڈا منگوایا اور کھڑے ہو کر لوگوں کو وعظ فرمایا۔ پھر پوچھا اَیْنَ عَلِیٌّ علی کہاں ہیں؟ عرض کی گئی، ان کی دونوں آنکھیں دکھتی ہیں، اس لئے یہاں موجود نہیں۔ حضور نے انہیں بلا بھیجا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کو بلانے کے لئے میں گیا۔ میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر حضور کی خدمت میں لے آیا۔ رحمت عالم ﷺ نے پوچھا علی! تمہیں کیا ہے؟ عرض کی، یا رسول اللہ! آنکھیں دکھنے لگی ہیں اور مجھے

اپنے سامنے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ آپ نے فرمایا میرے نزدیک آجاؤ۔ سیدنا علی فرماتے ہیں، میں نزدیک ہوا، حضور نے میرا سر اپنی گود مبارک میں رکھا، پھر اپنا لعاب دہن ہاتھوں پر لگا کر میری آنکھوں پر ملا تو میں اسی وقت صحت یاب ہو گیا گویا مجھے کبھی آشوب چشم کی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔ اس لعاب دہن کی برکت سے ساری عمر آپ کی آنکھوں کو کبھی تکلیف نہ ہوئی۔ پھر حضور نے انہیں پرچم عطا فرمایا۔

آپ نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا میں ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں؟ حضور نے فرمایا، آہستہ آہستہ ان کے میدان میں جاؤ اور وہاں پہنچ کر انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دو۔ نیز انہیں بتاؤ کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کون سے حقوق ان پر واجب الاداء ہوں گے۔ اے علی! بخدا! اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لئے اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ تمہیں سرخ اونٹ دیئے جائیں۔

حضرت علی رخصت ہو کر قلعہ کے سامنے تشریف لے گئے اور جا کر اپنا جھنڈا گاڑ دیا۔ ایک یہودی نے اس قلعہ کی چھت سے جھانکا اور آپ کو دیکھ کر پوچھا، آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا، میں علی ہوں، یہودی کے منہ سے نکلا کہ اس خدا کی قسم! جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی، آپ یہودیوں پر غالب آجائیں گے۔

یہودیوں کی طرف سے قلعہ سے جو شخص پہلے نکلا وہ مرحب کا بھائی حارث تھا۔ اس نے آکر دعوت مبارزت دی۔ سیدنا علی مرتضیٰ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے۔ آپ نے پلک جھپکنے میں اس کا کام تمام کر دیا اور جو یہودی حارث کے ساتھ گئے تھے، وہ لوٹ کر اپنے قلعہ میں آگئے۔ پھر ایک دوسرا یہودی جو طویل القامت اور بھرے ہوئے جسم کا تھا، اس کا نام "عامر" تھا، وہ مقابلہ کے لئے نکلا تو حضور نے فرمایا، اس پانچ گزے کو تم دیکھ رہے ہو؟ حضرت علی مرتضیٰ اس کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ آپ نے اس پر کئی وار کئے لیکن اس کا کچھ نہ بگڑا۔ پھر آپ نے اس کی پنڈلیوں پر تلوار کا وار کیا وہ گھٹنوں کے بل گر پڑا اور آپ نے اس کو جہنم رسید کیا اور اس کے ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد ایک اور یہودی میدان میں نکلا۔ اس کا نام "یاسر" تھا اور اس نے رجزیہ اشعار پڑھنے شروع کئے، یہ یہود کے بڑے طاقتور اور بہادر سپاہیوں میں سے تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا نیزہ تھا جس سے وہ لوگوں

کو ہانکتا تھا۔ اس کے مقابلے کے لئے بھی شیر خدا علی مرتضیٰ میدان میں آئے۔ حضرت زبیر بن عوام نے آپ کو کہا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ میرے اور اس کے درمیان حائل نہ ہوں۔ چنانچہ علی مرتضیٰ درمیان سے ہٹ گئے۔ حضرت زبیر کی والدہ اور حضور کی پھوپھی حضرت صفیہ نے جب دیکھا کہ ان کا لخت جگر اس پیل تن یہودی کے سامنے نکل آیا ہے تو عرض کی، یارسول اللہ! کیا یہ شخص میرے بیٹے کو قتل کر دے گا؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

بَلِ ابْنُكَ يَقْتُلُهُ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ

"اس کی کیا مجال کہ آپ کے بیٹے کا بال بیکا کر سکے، آپ کا بیٹا اس کو قتل کر دے گا، ان شاء اللہ"

چنانچہ حضرت زبیر رجز کہتے ہوئے اس کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔ آپ اپنی تلوار کی ایک ہی ضرب سے اس کا کام تمام کر دیا۔ جب حضرت زبیر نے یاسر کو واصل جہنم کیا تو رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ میرا چچا اور خالو تم پر قربان ہوں۔ پھر فرمایا، ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری میری پھوپھی کا لڑکا زبیر ہے۔

امام مسلم نے سلمہ بن اکوع سے روایت کیا ہے کہ مرحب اپنی تلوار ہوا میں لہراتا ہوا میدان میں نکلا، اس کے سر پر زرد رنگ کا خود تھا جو یمن کا بنا ہوا تھا۔ اس نے یہ رجز پڑھتے ہوئے مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي مَرْحَبُ شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ

إِذَا اللُّيُوثُ أَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

"خیبر کے در و دیوار جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں۔ ہتھیاروں سے مسلح ہوں، بہادر ہوں اور تجربہ کار ہوں۔ جب شیر مجھ پر حملہ کرتے ہیں تو میں جوش سے بھڑک اٹھتا ہوں۔"

اس کے مقابلہ کے لئے عامر بن اکوع نکلے اور آپ نے یہ رجز پڑھا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي عَامِرٌ شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُغَامِرٌ

"خیبر جانتا ہے کہ میرا نام عامر ہے۔ میں اسلحہ سے مسلح ہوں، بہادر ہوں اور خطرات میں کود جانے والا ہوں۔"

انہوں نے ایک دوسرے پر وار کیے۔ مرحب کی تلوار حضرت عامر کی ڈھال پر لگی۔ عامر نے جھک کر اس پر اپنی تلوار کا وار کیا۔ آپ کی تلوار زیادہ لمبی نہ تھی اور وہ آپ کے گھٹنے کی ہڈی پر جا لگی جس کے باعث وہ شہید ہو گئے۔ مرحب پھر شیر کی طرح دھاڑتا ہوا میدان میں آیا۔ رجز پڑھا اور مد مقابل کا مطالبہ کیا۔ اب اس کے سر غرور کو خاک مذلت میں ملانے کے لئے اللہ کے شیر سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے۔ آپ نے سرخ رنگ کا جبہ پہنا ہوا تھا اور آپ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرًا كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيهِ الْمَنْظَرِ
أُوفِيهِمْ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهْ

"میں وہ ہوں جس کا نام اس کی ماں نے حیدر رکھا ہے، جنگل کے شیروں کی طرح میں بڑا خوفناک ہوں، میں ان کو ایک صاع کے بدلے بہت بڑے پیالے سے ماپ کر دوں گا۔"

آپ نے اپنی شمشیر خارہ گداز کا وار مرحب کے سر پر کیا۔ آپ کی تلوار اس کے فولادی خود کاٹتی ہوئی اس کے دانتوں تک اتر گئی۔ پھر آپ نے اس کے سر کو کاٹ کر تن سے جدا کر دیا۔

امام احمد سے مروی ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ جب میں نے مرحب کو قتل کیا تو میں اس کا سر کاٹ کر لے آیا اور بارگاہ رسالت میں پیش کیا۔

حضرت جابر کی ایک روایت میں ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ نے قتل کیا تھا۔ لیکن صحیح مسلم میں سلمہ بن اکوع کی روایت سے یہ مروی ہے کہ مرحب کو موت کے گھاٹ اتارنے والے سیدنا علی مرتضیٰ تھے۔

حدیث بریدہ بن الحصیب اور ابی نافع کی حدیث سے اس قول کی تائید ہوتی ہے اور جابر کی روایت سے امام مسلم کی حدیث زیادہ قوی اور اس پر دو وجوہ سے مقدم ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ جس سند سے صحیح مسلم کی حدیث مروی ہے وہ دوسری سند سے اصح ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت جابر خیبر کی جنگ میں شریک نہ تھے، ان کی روایت دید پر نہیں شنید پر موقوف ہے۔ لیکن حضرت سلمہ، بریدہ اور ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ تینوں اس جنگ میں شریک تھے اور انہوں نے چشم دید واقعہ بیان کیا ہے۔ ابو عمر نے بھی اسی روایت کی تصحیح

کی ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ نے مرحب کو قتل کیا تھا۔ اور علامہ ابن اثیر کا یہی قول ہے۔(1)

ایک سیاہ فام غلام کا اسلام قبول کرنا

امام بیہقی نے حضرت جابر، حضرت انس، عروہ اور موسیٰ بن عقبہ سے مندرجہ ذیل واقعہ نقل کیا ہے:

اہل خیبر میں سے کسی یہودی کا ایک سیاہ فام غلام تھا جو اس کا ریوڑ چرایا کرتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے مالک کے قبیلہ والوں نے ہتھیار سجا لئے ہیں اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو اس نے ان سے پوچھا، تمہارا کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے اسے بتایا کہ ہم اس شخص سے لڑنا چاہتے ہیں جو یہ خیال کرتا ہے کہ وہ نبی ہے۔ ان یہودیوں کی زبان سے اس حبشی غلام نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ذکر سنا۔ اس نے اپنا ریوڑ لیا اور اسے چرانے کے لئے باہر لے گیا۔ مسلمانوں نے اس کو پکڑ لیا اور رسول کریم ﷺ کے پاس لے آئے۔ ابن عقبہ کہتے ہیں کہ وہ خود اپنی بھیڑوں کو لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس سے گفتگو فرمائی۔ اس آدمی نے پوچھا، آپ کیا کہتے ہیں اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ حضور نے فرمایا، میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی خدا نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کی عبادت نہ کرنا۔ اس غلام نے پوچھا، اگر میں یہ شہادت دے دوں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ رحمت عالم نے فرمایا، اگر تو ایمان لے آیا تو تجھے جنت ملے گی۔ وہ غلام مسلمان ہو گیا اور عرض کی:

اے اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول! میں ایسا شخص ہوں جس کی رنگت کالی ہے، جس کا چہرہ بد صورت ہے، جس سے بدبو اٹھ رہی ہے، میرے پاس کوئی مال بھی نہیں۔ اگر میں ان یہودیوں کے ساتھ جنگ کروں اور قتل کر دیا جاؤں تو کیا جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟ حضور نے فرمایا، بے شک۔

1۔ابن کثیر، "السیرۃ النبویۃ"، جلد 3، صفحہ 356-359، و"امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 238

اس نے پھر عرض کی، اے اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول! یہ بکریاں میرے پاس ان کے مالکوں کی امانت ہیں، میں ان کا کیا کروں؟ حضور نے فرمایا کہ ان کو لشکر سے نکال کر لے جاؤ اور انہیں کنکریاں مار کر ان کے مالک کی طرف بھگا دو، اللہ تعالیٰ تیری امانت تیری طرف سے ادا فرمائے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ حضور اس کی دیانت داری کے بارے میں سن کر متعجب ہوئے۔ وہ بکریاں اکٹھی ہو کر بڑی تیزی سے اپنے مالکوں کی طرف چل پڑیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی چرواہا انہیں ہانک کر لے جا رہا ہے۔ چنانچہ ہر بکری اپنے اپنے مالک کے پاس پہنچ گئی۔ پھر وہ حبشی غلام میدان جنگ کی طرف گیا اور یہودیوں سے لڑنا شروع کیا۔ اسے ایک تیر لگا جس سے وہ شہید ہو گیا مسلمان ہونے کے بعد اسے ایک سجدہ کرنے کی بھی مہلت نہیں ملی تھی۔ مسلمان اسے اٹھا کر اپنے لشکر کی طرف لے گئے۔ رحمت عالم نے فرمایا، اسے میرے خیمہ میں لے جاؤ۔

چنانچہ اسے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے خیمہ میں داخل کر دیا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے تو خیمہ میں اس کے پاس گئے۔ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ حَسَّنَ اللّٰهُ وَجْهَكَ وَطَيَّبَ رِيْحَكَ وَكَثَّرَ مَالَكَ

"اے حبشی غلام! تیرے چہرے کو اللہ تعالیٰ نے خوبصورت بنا دیا ہے، تیری بدبو کو خوشبو سے بدل دیا ہے اور تیرے مال کو بہت بڑھا دیا ہے۔"

حضور نے فرمایا، میں نے دو حوروں کو دیکھا کہ اس کے چہرے پر لگی گرد و غبار کو جھاڑ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو خاک آلود کرے جس نے تیرے چہرے کو غبار آلود کیا ہے اور اس شخص کو ہلاک کرے جس نے تجھے شہید کیا ہے۔ (1)

محمود بن مسلمہ کی شہادت

قلعہ ناعم کے محاصرہ کے ایام میں ایک روز جب جنگ کی شدت کم ہوئی تو محمود بن مسلمہ قلعہ کی دیوار کے سائے میں ستانے کے لئے بیٹھ گئے۔ چونکہ شدید گرمی تھی اس لئے آپ نے اپنا خود اتار کر نیچے رکھ لیا۔ یہودیوں نے جب آپ کو یوں بیٹھے دیکھا تو انہوں

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویۃ"، جلد 3، صفحہ 361 و "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 239

نے اس موقع کو غنیمت سمجھا ان میں مرحب بھی تھا وہ قلعہ کی چھت پر گیا اور وہاں پڑے ہوئے چکی کے پاٹ کو اس نے آپ کے سر پر گرا کر کچل دیا جس سے بعد میں آپ شہید ہو گئے۔

جب سیدنا علی مرتضیٰ نے مرحب کے پرخچے اڑا دیئے اور اسے واصل جہنم کیا تو سرور عالم ﷺ نے محمود بن مسلمہ کے بھائی محمد بن مسلمہ کو فرمایا:

"اے محمد! تمہیں مبارک ہو، تمہارے بھائی کا قاتل قتل کر دیا گیا ہے۔"

یہ سن کر محمد بن مسلمہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ جس روز محمود بن مسلمہ، اس زخم کی تاب نہ لا کر شہید ہوئے اسی روز مرحب کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔(1)

حصن صعب

قلعہ ناعم کو فتح کرنے کے بعد مسلمانوں نے حصن الصعب، کو اپنے محاصرہ میں لیا اور تین دن تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ یہ بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ ایک یہودی کا ریوڑ چرنے کے لئے قلعہ سے باہر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو اس ریوڑ سے چند بکریاں پکڑ کر لے آئے؟ حضرت کعب بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ غلام حاضر ہے۔ چنانچہ میں اس ریوڑ کے پیچھے دوڑا اور اس ریوڑ سے دو بکریاں پکڑ لیں اور باقی ریوڑ قلعہ میں داخل ہو گیا۔

میں نے ان بکریوں کو اپنی بغل کے نیچے دبایا اور تیزی سے واپس دوڑا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے میں نے کوئی چیز اٹھائی ہی نہیں ہے۔

میں انہیں لے کر حضور، کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضور انور کے حکم سے انہیں ذبح کیا گیا اور لشکر اسلام میں ان کا گوشت تقسیم کر دیا گیا۔ سب مجاہدین نے ان کا گوشت کھایا۔

حضرت کعب سے پوچھا گیا تمہاری تعداد کتنی تھی؟ آپ نے فرمایا بہت بڑی تعداد تھی (لیکن حضور کی برکت سے سب نے سیر ہو کر کھایا)

بنی اسلم قبیلہ کا ایک مجاہد بیان کرتا ہے کہ ہم نے نطاۃ کے قلعوں کا دس دن تک محاصرہ کئے رکھا لیکن ہم کسی ایسے قلعہ کو فتح نہ کر سکے جس میں سامان خوردنی دریافت ہوا ہو۔ مسلسل فاقہ کشی نے ہمارا برا حال کر دیا تھا۔ ہم نے اسماء بن حارثہ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضور کی

1۔ "الامتاع"، جلد 1، صفحہ 239

خدمت میں بھیجا کہ جا کر ہماری حالت زار بیان کرے۔ وہ حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ! اسلم کے قبیلے والے سلام عرض کرتے ہیں، ساتھ ہی یہ التجا کرتے ہیں کہ بھوک اور بیماری نے ہمیں نڈھال کر دیا ہے، ہمارے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائیے۔

جب اسماء نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بنی اسلم کا پیغام پہنچایا تو حضور نے دعا کے لئے بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھائے اور عرض کی:

اَللّٰهُمَّ فَافْتَحْ عَلَيْهِمْ أَعْظَمَ حِصْنٍ فِيهَا أَكْثَرُهَا طَعَامًا وَأَكْثَرُهَا وَدَكًا۔

"اے اللہ! ان قلعوں میں سے بڑا قلعہ ان کے لئے فتح فرما جس میں خورد و نوش کا سامان اور گھی و چربی کثیر مقدار میں ہو۔"

پھر حضور نے اس روز جھنڈا احباب بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا اور لوگوں کو ان کے ساتھ جہاد پر جانے کی ترغیب دی چنانچہ نبی مکرم ﷺ کی دعا کی برکت سے اسی روز شام سے پہلے یہ قلعہ "الصعب" فتح ہو گیا اور اس میں اشیائے خورد و نوش کے بے پناہ ذخائر دستیاب ہوئے۔

سارا دن شدید جنگ ہوتی رہی۔ یہودیوں کی طرف سے ان کا ایک نامور بہادر "یوشع" نامی میدان میں نکلا اور کہا ہے میرے ساتھ کوئی نبرد آزمائی کرنے والا؟ خود حضرت حباب اس کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ ایک دوسرے پر تلوار کے وار کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت حباب کے ایک وار نے اس کا کام تمام کر دیا۔

اس کے بعد ایک اور یہودی جس کا نام "ذیال" تھا، وہ میدان میں نکلا اور مسلمانوں کو للکارا۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے حضرت عمارہ بن عتبہ الغفاری میدان میں آئے اور بجلی کی سرعت سے اس کے سر پر تلوار کا وار کیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ساتھ ہی یہ نعرہ لگایا۔ خُذْهَا وَأَنَا الْغُلَامُ الْغِفَارِيُّ یہ لو تلوار کا وار! "میں ہوں غفاری نوجوان" ان کے اس اعلان پر بعض لوگوں نے کہا کہ ان کا جہاد باطل ہو گیا کہ انہوں نے اپنا نعرہ لگایا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے یہ سنا تو فرمایا:

"بلا شبہ اس کو اجر دیا جائے گا اور اس کی ستائش کی جائے گی۔"

اس ارشاد نبوی سے معلوم ہوا کہ دشمن کے مد مقابل اپنا نام لے کر للکارنا ممنوع نہیں

بلکہ وہ شخص اجر اور ثناء کا مستحق ہوتا ہے۔

اس قلعہ کو فتح کرنے کے لئے جو جنگ ہوئی علامہ مقریزی اس کا خلاصہ یوں بیان کرتے ہیں:

"پہلے دو روز مسلمان اس قلعہ پر حملہ آور ہوتے رہے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ تیسرے روز جب حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے لشکر اسلام کے ساتھ اس قلعہ پر حملہ کیا، آپ کے ہاتھ نبی کریم ﷺ کا عطا فرمودہ پرچم تھا۔ فریقین میں گھمسان کا رن پڑا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس حملہ میں بنفس نفیس شریک تھے۔ جب یہود نے سرور عالم ﷺ کو دیکھا تو تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ مسلمان حضور کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے جتنے تیر یہودیوں کی کمانوں سے نکلتے تھے انہیں اسلام کے جانباز اپنے کشادہ سینوں پر روکتے تھے۔ یہود نے پھر ایک شدید حملہ کیا جس کی تاب نہ لا کر مسلمان سامنے سے ہٹ گئے یہاں تک کہ یہودی سپاہی رسول اکرم ﷺ کے قریب پہنچ گئے۔ حضور اپنے گھوڑے سے اتر کر نیچے کھڑے تھے۔ حضور کے غلام "مدعم" نے گھوڑے کی باگیں پکڑی ہوئی تھیں۔ اس نازک وقت میں بھی حضرت حباب اپنی جوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے سامنے ڈٹ گئے اور اسلام کے پرچم کو لہراتے رہے اور یہودیوں پر تیر برساتے رہے۔

سرور عالم ﷺ نے مسلمانوں کو جہاد کے لئے پکارا تو بکھرے ہوئے مسلمان پروانوں کی طرح ہجوم کر کے شمع نبوت پر قربان ہونے لگے۔ جنگ اپنے شباب پر تھی کہ یہود کی صفوں میں شکست کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ وہ دوڑ کر قلعہ کے اندر گھس گئے اور آہنی دروازے بند کر لئے۔ پھر قلعہ کی فصیل پر کھڑے ہو کر انہوں نے سنگباری شروع کر دی۔ اس بے پناہ سنگباری کے باعث مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ لیکن معاً بعد جوش شہادت سے سرمست ہو کر مسلمانوں نے یہود پر حملہ کر دیا۔ یہودی قلعہ سے باہر آ گئے اور داد شجاعت دینے لگے۔ اس معرکہ میں تین مسلمان شہید ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے دلوں میں مسلمانوں کا خوف وہراس پیدا کر دیا۔ وہ شکست کھا کر واپس بھاگے۔ مسلمان بھی ان کے پیچھے قلعہ میں داخل ہو گئے اور یہودیوں کا

بے دریغ قتل شروع کر دیا اور جو زندہ بچے ان کو قیدی بنالیا۔"(1)

محمد بن مسلمہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی کمان کے چلہ پر تیر رکھ کر ان کو ہدف بنایا تو اس ایک تیر سے سب نڈھال ہو کر پسپا ہو گئے اور مسلمان اس قلعہ میں داخل ہو گئے۔

علامہ مقریزی کہتے ہیں کہ خوراک کے جو ذخائر مسلمانوں کو اس قلعہ سے دستیاب ہوئے ان میں جو، کھجور، گھی، شہد، تیل، چربی اور دیگر بے شمار اشیاء تھیں۔ حضور کے حکم سے ایک منادی کرنے والے نے اعلان کیا کُلُوْا وَاعْلِفُوْا وَلَا تَحْتَمِلُوْا "خود کھاؤ، جانوروں کو کھلاؤ لیکن کوئی چیز اٹھا کر نہ لے جاؤ۔"(2)

اس قلعہ سے مسلمانوں کو یمن سے آئے ہوئے کپڑے کی بیس گانٹھیں دستیاب ہوئیں۔ مختلف قسم کی شرابوں کے مٹکے ملے۔ ان کو توڑ دیا گیا اور شراب بہادی گئی۔ تانبے اور مٹی کے برتن ملے جن میں یہود کھایا پیا کرتے تھے۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ ان کو خوب دھو لو۔ پھر ان میں کھانا پکاؤ اور کھاؤ پیو۔ ان اشیاء کے علاوہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ، گائے کے گلے اور کثیر تعداد میں گدھے بھی ملے۔ ایک یہودی کی نشان دہی پر زیر زمین مکان سے اسلحہ دریافت ہوا جس میں منجنیق اور دبابات وغیرہ کی کثیر تعداد تھی۔ ایک مسلمان جس کا نام عبد اللہ الحمار تھا، اس نے شراب پی۔ حضور نے اس کی جوتوں سے مرمت کی اور جو لوگ موجود تھے انہیں بھی حکم دیا کہ اسے جوتے ماریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں کہا، اس پر خدا کی لعنت ہو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر کو ایسا کہنے سے منع فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا فَإِنَّهٗ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ "کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اس لئے اس پر لعنت مت بھیجو۔"(3)

حصن قلۃ الزبیر

پہاڑ کی چوٹی کو عربی میں قلۃ کہتے ہیں۔ یہ علاقہ کیونکہ حضرت زبیر کے حصہ میں آیا تھا اس لئے اس چوٹی کو آپ کے نام سے موسوم کیا گیا اور یہ قلعہ اس پہاڑ کی چوٹی پر تھا، اس

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 241

2۔ ایضاً

3۔ ایضاً

لئے یہ قلعہ "حصن قلۃ الزبیر" کے نام سے مشہور ہوا۔

ان دونوں قلعوں (ناعم اور صعب) کو فتح کرنے کے بعد مسلمانوں نے حصن قلۃ الزبیر کا محاصرہ کیا کیونکہ پہلے دو قلعوں کے سارے یہودی بھی یہاں جمع ہو گئے تھے۔ تین روز تک اس کا محاصرہ جاری رہا۔ اس اثناء میں ایک یہودی جس کا نام غزال تھا، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، اے ابوالقاسم! اگر آپ مجھے امان دیں تو میں آپ کو ایک راستہ بتاؤں گا جس سے آپ نطاۃ کے سارے قلعوں کو فتح کر کے مطمئن ہو جائیں گے اور اس کے بعد آپ اہل شق کی طرف متوجہ ہو سکیں گے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اس کو اس کے اہل و عیال اور اس کے اموال کو امان دے دی۔ امان پانے کے بعد اس نے کہا، اگر آپ ایک مہینہ بھی اس قلعہ کا محاصرہ جاری رکھیں تو یہود کو ذرا پروانہ ہو گی۔ انہوں نے زیر زمین پانی کے لئے سرنگیں بنا رکھیں ہیں، رات کی تاریکی میں وہ نکلتے ہیں، پانی سے سیراب ہو کر قلعوں میں واپس آتے ہیں اور تازہ دم ہو کر آپ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اگر آپ ان سرنگوں کو کاٹ دیں تو وہ شدت پیاس سے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضور نے ان کی سرنگوں کو کاٹ دیا۔ وہ باہر نکل آئے اور مسلمانوں سے جنگ شروع کی۔ خوب بہادری کے جوہر دکھائے۔ کئی مسلمان بھی شہید ہوئے یہودیوں میں سے دس یہودی لقمہ اجل بنے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول نے اس قلعہ کو بھی فتح کر لیا۔ یہ نطاۃ کے قلعوں میں آخری قلعہ تھا جو فتح ہوا تھا۔

ان سے فارغ ہونے کے بعد سرور عالم ﷺ "شق" کے علاقہ کے قلعوں کو فتح کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ (1)

1۔ شوقی ابو خلیل، "غزوہ خیبر"، دمشق، دار الفکر، 1986ء صفحہ 68

شق کے قلعوں کی فتح

حصن ابی

اس علاقہ میں بھی متعدد قلعے تھے۔ سب سے پہلے جس قلعہ کو فتح کرنے کے لئے حضور متوجہ ہوئے وہ "حصن ابی" تھا۔ یہودیوں میں سے ایک بہادر جس کا نام عزوال تھا، بعض نے اس کا نام عزال بتایا ہے، میدان میں نکلا اور هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ کا نعرہ بلند کیا، حضرت حباب بن منذر اس کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ دونوں ایک دوسروں پر حملہ آور ہوئے۔ کافی دیر تک ایک دوسرے کو اپنی ضربات کا نشانہ بناتے رہے۔ پھر حضرت حباب نے اپنی تلوار کے وار سے اس کا دایاں بازو کاٹ دیا۔ عزوال کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی، وہ پیچھے مڑا تاکہ قلعہ میں داخل ہو لیکن حضرت حباب نے اسے بھاگنے نہ دیا۔ اس کے پاؤں کو کاٹ ڈالا، وہ گر پڑا، اور پھر اس کا کام تمام کر دیا۔

اس کے بعد ایک اور یہودی نکلا۔ اس نے بھی هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ کا نعرہ لگایا۔ اس کے مقابلہ کے لئے ایک مسلمان مجاہد نکلا لیکن اس یہودی نے اس کو شہید کر دیا اور پھر مد مقابل کے لئے چیلنج دیا۔ اب اس کے مقابلہ کے لئے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اپنی شمشیر آبدار لہراتے ہوئے نکلے، آپ نے اس وقت اپنے خود پر سرخ دوپٹہ باندھا ہوا تھا اور بڑے فخر و ناز سے ٹہلتے ہوئے اس کے مقابل آئے۔ ابو دجانہ نے پہلے وار سے ہی اس کی ٹانگیں کاٹ دیں اور اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا، پھر اس کی تلوار، زرہ اور دوسرا سامان لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ہر چیز ابو دجانہ کو عطا فرما دی۔ اس کے بعد کسی یہودی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ میدان میں آکر کسی مسلمان کو للکار سکے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور قلعہ کے دروازوں کو توڑتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ حضرت ابو دجانہ ان حملہ آور مسلمانوں کی قیادت کر رہے تھے۔ جتنے یہودی تھے، سب بھاگ کھڑے ہوئے اور قلعہ کی دیواروں پر چڑھ کر نیچے چھلانگیں لگانے لگے اور وہاں سے

شق کے دوسرے قلعہ "حِصْنُ النِّزَالِ" میں جا کر پناہ لی۔ اس قلعہ میں سے مسلمانوں کو کثیر التعداد بھیڑ بکریاں اور کھانے کا سامان ہاتھ آیا۔(1)

حصن البرای

نطاۃ کے قلعوں کے شکست خوردہ یہودی بھی اسی قلعہ میں اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے قلعہ کے دروازے بند کر لئے اور لشکر اسلام کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ سمیت ان پر ہلہ بول دیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ انہوں نے مسلمانوں پر تیر اور پتھروں کی بوچھاڑ کر دی۔ کئی تیر سرکار دو عالم ﷺ کے لباس کے ساتھ جا کر پیوست ہو گئے۔ حضور نے کنکریوں کی ایک مٹھی لی اور ان کے قلعے کی طرف پھینکی۔ قلعہ کی دیواریں لرزنے لگیں۔ مسلمانوں نے ان پر شدید حملہ کیا اور تمام یہودیوں کو جنگی قیدی بنا لیا۔

حصون کتیبہ

سرور عالم ﷺ نے نطاۃ اور شق کے قلعوں کو جب فتح کر لیا تو ان قلعوں کے شکست خوردہ یہودی کتیبہ کے قلعوں میں آ کر مورچہ بند ہو گئے۔

حصن القموص

کتیبہ کے قلعوں میں القموص سب سے بڑا اور مضبوط قلعہ تھا۔ موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیس روز تک اس قلعہ کا محاصرہ جاری رکھا۔ آخر کار شیر خدا علی مرتضیٰ کی ہمت و شجاعت کے باعث یہ قلعہ بھی فتح ہوا اور اس پر اسلام کا پرچم لہرا دیا گیا۔

اس قلعہ کے بہت سے یہودی مرد و زن کو جنگی قیدی بنا لیا گیا۔ اس قلعہ سے اسیر ہونے والی یہودی عورتوں میں حضرت صفیہ بھی تھیں جو حیی بن اخطب کی بیٹی اور کنانہ بن ابی الحقیق سردار قلعہ کی بیوی تھیں۔ (ان کے بارے میں تفصیل ابھی ملاحظہ کریں گے)

بعض مؤرخین نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور مرحب کی لڑائی کو اس قلعہ کی فتح کے حالات میں ذکر کیا ہے لیکن اکثر علماء سیرت و تاریخ کا یہی فیصلہ ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ کی

1۔ ایضاً، صفحہ 69

جنگ مرحب کے ساتھ قلعہ ناعم پر حملہ کرنے کے دوران میں ہوئی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حصن وطیح وسلالم

خیبر کی مختلف وادیوں میں جو متعدد قلعے تھے، اسلام کے جانباز مجاہدوں نے یکے بعد دیگرے ان سب کو فتح کر کے ان پر اسلام کا پرچم لہرادیا۔ صرف دو قلعے باقی رہ گئے تھے۔ ایک کا نام وطیح اور دوسرے کا نام سلالم تھا۔ دوسرے قلعوں کو فتح کرنے کے بعد رحمت عالمیان ﷺ نے ان دونوں قلعوں کا محاصرہ فرمالیا جو چودہ روز تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں کسی یہودی نے وہاں سے باہر نکل کر مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کی جرأت نہ کی۔ حضور نے ارادہ فرمایا کہ منجنیقیں نصب کر کے ان پر سنگ باری کی جائے۔ ادھر قلعوں میں محصور یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ اگر یہ محاصرہ کچھ روز مزید جاری رہا تو فاقہ کشی کے باعث وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ہلاک ہو جائیں گے۔ نیز جب انہوں نے دیکھا کہ مجاہدین اسلام منجنیقیں نصب کر کے ان کے قلعوں کی دیواروں کو منہدم کر دیں گے اور اس کے بعد انہیں بے دریغ قتل کر دیا جائے گا تو انہوں نے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کیا۔ کنانہ بن ابی الحقیق نے شماخ نامی ایک یہودی کو حضور پرنور کی خدمت میں بھیجا اور اس کے ذریعہ سے عرض کی کہ اجازت ہو تو وہ گفتگو کے لئے حاضر ہو جائے۔ سرکار دو عالم نے اسے حاضر ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ کنانہ اپنے قلعہ سے اتر کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ مختصر مذاکرات کے بعد مندرجہ ذیل شرائط پر رسول اللہ ﷺ سے صلح کا معاہدہ طے ہوا:

1۔ نبی کریم ﷺ قلعہ میں مورچہ بند یہودیوں کا خون معاف فرمادیں گے۔

2۔ ان کی اولاد ان کے حوالے کر دی جائے گی۔

3۔ وہ لوگ خیبر کے قلعوں اور اس کے مزروعہ رقبوں سے نکل جائیں گے اور اپنی اولاد کو بھی ساتھ لے جائیں گے۔

4۔ سونے چاندی کے سارے زیورات، سواری کے جانور، ہر قسم کا اسلحہ اور کپڑوں کے تھان، سب حضور کے حوالے کر دیں گے۔ صرف اتنا کپڑا ساتھ لے جائیں گے جو ان کی پشت پر لدا ہوگا۔

حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم اپنے سامان سے کوئی چیز چھپاؤ گے تو اللہ اور رسول اس صلح کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہوں گے۔

وہ علاقہ جس میں یہ دو قلعے تھے وہ کتیبہ کے نام سے معروف تھا اور یہاں کے نخلستانوں میں کھجور کے چالیس ہزار درخت تھے۔

ان لوگوں نے ان شرائط پر حضور کے ساتھ صلح کی۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ نے مجاہدین اسلام کو بھیجا تا کہ ان کے تمام اموال اپنے قبضہ میں لے لیں۔ ان دو قلعوں میں سے مسلمانوں کو مندرجہ ذیل اسلحہ دستیاب ہوا:

سوزرہیں، چار سو تلواریں، ایک ہزار نیزے اور پانچ سو عربی کمانیں مع ترکشوں کے۔(1)

اس طرح یہ دو قلعے صلح سے فتح ہوئے۔ دوسرے قلعوں کے برعکس یہاں جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

حیی بن اخطب کے خزانہ کے بارے میں مزید استفسار

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صلح کا معاہدہ طے ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے کنانہ اور ربیع کو بلایا۔ کنانہ ابوالحقیق کا بیٹا تھا اور حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہ سے بیاہا ہوا تھا۔ ربیع اس کا حقیقی یا چچازاد بھائی تھا۔ حضور انور نے ان سے دریافت فرمایا کہ وہ زیورات اور دیگر قیمتی اشیاء کہاں ہیں جو مدینہ سے جلاوطنی کے وقت حیی اپنے ساتھ لایا تھا۔ انہوں نے بات ٹالنے کے لئے کہا:

أَذْهَبَتْهُ النَّفَقَاتُ وَالْحُرُوبُ

"کہ جنگوں کے اخراجات کے باعث وہ سارا خزانہ خرچ ہو گیا ہے۔ ان میں سے اب ہمارے پاس پھوٹی کوڑی تک بھی نہیں۔"

اور اپنے قول کو صحیح ثابت کرنے کے لئے انہوں نے شدید قسمیں کھائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اگر وہ خزانہ تمہارے پاس سے دستیاب ہو گیا تو اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔"

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 242 و "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 204 و دیگر کتب سیرت

انہوں نے کہا بے شک! پھر حضور نے فرمایا:

"تمہارے اموال سے جو کچھ میں لوں گا وہ میرے لئے حلال ہو جائے گا اور تمہاری جانوں کا میں مالک ہو جاؤں گا۔"

انہوں نے کہا بیشک!

چنانچہ اس بات پر چند مسلمانوں کو گواہ بنا لیا گیا اور چند یہودیوں کو بھی اس بات کا گواہ بنایا گیا۔ بعد ازاں "سعیہ" نے جو سلام بن ابی الحقیق کا بیٹا تھا، حضور کو ایک کھنڈر کے بارے میں بتایا کہ یہاں خزانہ مدفون ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت زبیر کو چند مجاہدین کے ہمراہ "سعیہ" کے ساتھ بھیجا۔ وہاں کھدائی کی گئی تو اونٹ کے چمڑے میں وہ خزانہ دستیاب ہو گیا اور اس میں ان کے سارے زیورات تھے۔ سب کچھ لا کر حضور کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت زبیر کو حکم دیا کہ وہ کنانہ کی مزید گوشمالی کریں تاکہ جو کچھ اس نے چھپا رکھا ہے وہ سب نکال کر پیش کر دے۔ آپ نے اس کی مرمت کی تو اس نے بقیہ زیورات اور نوادرات بھی نکال کر پیش کر دیئے۔ ایک روایت کے مطابق کنانہ نے محمد بن مسلمہ کے بھائی محمود کو جب وہ قلعہ ناعم کی دیوار کے سائے کے نیچے ستا رہے تھے، چکی کا پاٹ گرا کر شہید کر دیا تھا۔ حضور ﷺ نے کنانہ کو محمد بن مسلمہ کے حوالے کر دیا تاکہ وہ بطور انتقام کنانہ کو قتل کر دیں۔ اس طرح ان دونوں کا خون مباح ہو گیا اور ان کی اولاد کو جنگی قیدی بنا لیا۔ اونٹ کے چمڑے میں لپٹا ہوا جو خزانہ ملا، اس میں سونے کے کڑے، سونے کی چوڑیاں، پازیبیں، کان کے آویزے اور جواہرات و زمرد کے ہار اور سونے کی انگوٹھیاں وغیرہ کافی مقدار میں دستیاب ہوئیں۔(1)

صفیہ بنت حیی کا اسلام لانا

سارے اسیران جنگ مرد و زن کو ایک جگہ جمع کیا گیا۔ ان میں صفیہ بھی تھیں جو اپنے صوری اور معنوی محاسن کے اعتبار سے سب سے ممتاز تھیں۔ یہ کنانہ بن ابی الحقیق کی زوجہ تھیں جو یہودیوں کا حکمران تھا۔ نیز یہودیوں کے ایک دوسرے رئیس اعظم حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ حضور کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت دحیہ کلبی نے اسے حضور کی اجازت

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 242

سے اپنے لئے چن لیا تھا۔ ایک صحابی نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی، یارسول اللہ! حضور نے بنی نضیر اور بنو قریظہ کی مخدومہ سیدہ صفیہ، دحیہ کلبی کو عطا فرما دی ہے حالانکہ یہ خاتون حضور کے ہی شایان شان ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے دحیہ کو یاد فرمایا اور کہا کہ۔

"دحیہ! تم صفیہ کے بجائے کوئی دوسری کنیز چن لو اور اس سے دستبردار ہو جاؤ۔"

دحیہ نے فرمان نبوی سنتے ہی کنانہ کی بہن اپنے لئے پسند کر لی۔ حضرت صفیہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس عالی مرتبت خاتون کو اپنے لئے منتخب فرمالیا۔ پھر حضور نے انہیں اختیار دے دیا کہ اگر ان کی مرضی ہو تو حضور ان کو آزاد کر دیں اور وہ اپنے باقی ماندہ رشتہ داروں کے پاس واپس چلی جائیں یا اسلام قبول کر لیں اور رحمت عالم انہیں اپنی زوجیت کا اعزاز عطا فرمائیں۔ آپ نے عرض کی اَخْتَارُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں اور اپنے خاندان کے لوگوں کے پاس جانے کے لئے تیار نہیں۔(1)

اس ذرہ نواز اور قدر شناس نبی نے حضرت صفیہ پر مزید کرم یہ فرمایا کہ ان کو آزاد کر دیا اور ایک آزاد خاتون کی طرح ان کو اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ ان کا پہلا نام زینب تھا۔ رحمت عالم نے ان کا نام بدل کر صفیہ رکھا۔ اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی۔

علامہ زرقانی "شرح المواہب اللدنیہ" میں رقم طراز ہیں:

"چونکہ یہ اپنی قوم کے بادشاہ کی بیٹی تھیں، اس لئے ان کی دل جوئی اور عزت افزائی کی یہی صورت تھی کہ شہنشاہ کونین ﷺ انہیں اپنی زوجیت کی عزت سے سرفراز فرمائیں۔"(2)

علامہ محمد رضا لکھتے ہیں:

اِنَّهٗ اَخَذَ صَفِيَّةَ لِاَنَّهَا بِنْتُ مَلِكٍ مِنْ مُلُوْكِهِمْ

"یہودیوں کے بادشاہوں سے وہ ایک بادشاہ کی صاحبزادی تھیں اس لئے حضور علیہ السلام نے انہیں اپنے لئے پسند فرمایا۔"(3)

ایک روز صفیہ اپنے پہلے خاوند کنانہ بن ابی الحقیق کے پاس بیٹھی تھیں تو آپ نے اسے

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 57

2۔ علامہ زرقانی، "شرح المواہب اللدنیہ"، جلد 3، صفحہ 25

3۔ "محمد رسول اللہ"، صفحہ 282

اپنا ایک خواب سنایا کہ آسمان کا چاند میری گود میں آگرا ہے۔ جب اس نے یہ خواب سنا تو وہ غصہ سے بے قابو ہو گیا اور کہنے لگا:

مَا هٰذَا اِلَّا اَنَّكِ تَمَنَّيْنَ مَلِكَ الْحِجَازِ مُحَمَّدًا (1)

"اس سے پتا چلتا ہے کہ تیری تمنا یہ ہے کہ تو حجاز کے بادشاہ محمد (ﷺ) کی ملکہ بنے۔"

اس نے غصہ سے ان کے چہرہ پر تھپڑ رسید کیا۔ اس سے ان کی آنکھ سبز ہو گئی۔ حضور کی بارگاہ میں شب زفاف جب حاضر ہوئیں تو حضور نے دریافت کیا، یہ سبز داغ کیا ہے؟ تو انہوں نے سارا واقعہ عرض کیا۔

حضرت ابوایوب انصاری کی پاسبانی

جس رات حضرت صفیہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں تو حضرت ابوایوب انصاری اس خیمہ کے باہر ساری رات جاگ کر پہرہ دیتے رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب ان کے پاؤں کی آہٹ سنی فرمایا، کون ہے؟ عرض کی گئی، یہ ابوایوب ہیں۔ حضور نے انہیں طلب فرمایا اور پوچھا تم کیوں خیمہ کے آس پاس چکر لگا رہے ہو؟ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! اس جنگ میں صفیہ کے چچا، باپ اور خاوند کو مجاہدین اسلام نے قتل کیا تھا اور یہ خاتون نو مسلمہ ہے، مجھے اس سے خدشہ ہوا کہ کوئی ناشائستہ حرکت نہ کرے۔ چنانچہ میں رات بھر جاگ کر پہرہ دیتا رہا۔ رحمت عالم ﷺ اپنے اس غلام کی اس ادائے جاں نثاری پر بہت خوش ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں التجا کی:

اَللّٰهُمَّ احْفَظْ اَبَا اَيُّوْبَ كَمَا بَاتَ يَحْفَظُنِيْ (2)

"اے اللہ! جس طرح ابوایوب رات بھر میری حفاظت میں جاگتا رہا ہے، الٰہی تو بھی اس کی حفاظت فرما۔"

زینب یہودیہ کی سازش

زینب جو حارث کی بیٹی، سلام بن مشکم کی زوجہ اور مرحب کی بہن تھی، اس نے حضور

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویۃ"، جلد 3، صفحہ 374

2۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 57

انور علیہ السلام کو زہر دینے کی سازش کی۔ جب سرکار دو عالم ﷺ فاتحانہ شان سے قلعہ قموص میں داخل ہوئے تو اس یہودن نے بکری کا بھنا ہوا گوشت بطور ہدیہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا۔ اس نے لوگوں سے پوچھا تھا کہ حضور کو بکری کے کس حصہ کا گوشت زیادہ مرغوب ہے۔ اسے بتایا گیا کہ سرکار دو عالم ﷺ بکری کے بازو کا گوشت بہت پسند فرماتے ہیں۔ اس نے اس بکری کے سارے گوشت میں زہر ملا دیا، خصوصاً اس کے بازو کے گوشت میں زیادہ مقدار میں زہر کی ملاوٹ کر دی۔ جب اس بکری کا بھنا ہوا زہر آلود گوشت دستر خوان پر رکھا گیا تو حضور نے اس کا بازو اٹھالیا اور اس کا ایک ٹکڑا تناول فرمایا لیکن چبانے کے بعد فوراً اسے تھوک دیا اور فرمایا:

إِنَّ هٰذَا الْعَظْمَ لَيُخْبِرُنِيْ أَنَّهُ مَسْمُوْمٌ

"اس بازو نے مجھے خبر دی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔"

اس دستر خوان پر حضور کے ہمراہ بشر بن براء اور چند دیگر صحابہ بھی تھے۔ بشر نے بھی گوشت کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈالا، اسے چبایا اور پھر نگل لیا۔ زہر بڑی سخت قسم کا تھا۔ چنانچہ گوشت کا ٹکڑا نگلتے ہی ان کے چہرہ کی رنگت متغیر ہو گئی اور پل بھر میں ان کی موت واقع ہو گئی۔

ایک روایت میں ہے کہ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد ان کی وفات ہوئی۔

حضرت بشر نے عرض کی، یا رسول اللہ! اس خدا کی قسم جس نے آپ کو معزز و محترم بنا کر مبعوث فرمایا، جب میں نے لقمہ منہ میں ڈالا تو مجھے پتا چل گیا کہ یہ زہر آلود ہے لیکن میں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ حضور کی موجودگی میں اس لقمہ کو تھوک دوں۔ مبادا حضور کے مزاج نازک پر میری یہ حرکت گراں گزرے۔ اس لئے میں نے اس لقمہ کو نگل لیا۔ (1)

حضرت بشر اس کی زہر خورانی سے وفات پا گئے تو حضور نے بطور قصاص اس یہودن کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔

صحائف تورات

فتح خیبر سے جو بے شمار اموال غنیمت مسلمانوں کو دستیاب ہوئے ان میں تورات کے متعدد نسخے بھی تھے۔ یہود کو معلوم ہوا تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ تورات

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 52 و دیگر کتب سیرت

ان کی مقدس کتاب ہے اس لئے اس کتاب کے جتنے نسخے مسلمانوں کے پاس ہیں، وہ ہمیں واپس کر دیئے جائیں۔ رحمت عالم ﷺ نے بلا تامل مسلمانوں کو حکم دیا کہ تورات کے جتنے نسخے انہیں ملے ہیں، ادب و احترام کے ساتھ انہیں یہودیوں کو واپس کر دیا جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے امتثال امر کرتے ہوئے تمام نسخے یہودیوں کو واپس کر دیئے۔

ڈاکٹر اسرائیل ویلفنسن نے اپنی تصنیف "تاریخ الیہود فی بلاد العرب" میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کی عالی ظرفی اور کشادہ دلی پر حیران و ششدر ہو کر رہ گیا۔ اس نے حضور کے اس طرز عمل کا موازنہ یہودیوں اور عیسائیوں کے طرز عمل سے کیا ہے، وہ لکھتا ہے:

> "پیغمبر اسلام کے اس کریمانہ سلوک سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ دوسرے مذاہب کے مقدس صحیفوں کا حضور کے قلب مبارک میں کتنا احترام تھا۔ یہودی آج بھی حضور کے اس احسان کے معترف ہیں۔ اس کریمانہ طرز عمل کے برعکس رومیوں نے جب یروشلم پر سنہ 70 بعد مسیح قبضہ کیا تو انہوں نے ان کی مقدس کتابوں کو نذر آتش کر دیا اور اپنے پاؤں تلے انہیں روند ڈالا تھا۔ اسی طرح نصاریٰ نے جب سپین میں یہودیوں کے خلاف مہم چلائی تھی تو انہوں نے بھی تورات کے جتنے نسخے انہیں ملے تھے، انہیں جلا کر خاکستر بنا دیا تھا۔ کتنا واضح تفاوت ہے پیغمبر اسلام کے طرز عمل میں اور دوسرے فاتحین کے طرز عمل میں؟"(1)

معرکہ خیبر میں مسلم خواتین کی شرکت

بنو غفار قبیلہ کی ایک خاتون نے بتایا کہ سرور عالم ﷺ جب فتح خیبر کے لئے روانہ ہوئے تو میں بنی غفار کی چند دیگر خواتین کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی۔ ہم نے عرض کی، یا رسول اللہ! ہم نے ارادہ کیا ہے کہ ہم حضور کے ہمراہ اس سفر میں جائیں گی ہم پیاسوں کو پانی پلائیں گی، زخمیوں کی مرہم پٹی کریں گی اور جہاں تک ممکن ہوا ہم مسلم مجاہدین کی معاون ثابت ہوں گی۔ سرور عالم ﷺ نے ہمیں اجازت دے دی۔ فرمایا، عَلٰى بَرَكَةِ اللهِ

1۔ محمد رضا، "محمد رسول اللہ"، صفحہ 241

اجازت ہے اللہ کی برکتیں تمہارے شامل حال ہوں۔

چنانچہ ہم نبی مکرم ﷺ کے ہمراہ خیبر کی طرف روانہ ہوئیں۔ جب خیبر فتح ہوا اور کثیر تعداد میں مال غنیمت ہمارے قبضہ میں آیا تو سرور عالم ﷺ نے ان مجاہدات کو اموال غنیمت میں سے تو حصہ نہیں دیا لیکن انہیں بالکل محروم بھی نہیں رکھا۔ اموال فئی میں سے کچھ انہیں عطا فرمادیا۔

یہ خاتون کہتی ہیں کہ یہ ہار جو تمہیں میرے گلے میں نظر آرہا ہے، یہ بھی اس روز حضور نے اپنے دست مبارک سے میرے گلے میں ڈالا تھا۔ میں نے آج تک اسے اپنے سے جدا نہیں کیا۔ مرتے وقت بھی ان کی گردن میں یہ ہار آویزاں تھا کیونکہ اس خاتون نے وصیت کی تھی کہ اس ہار کو میرے مرنے کے بعد بھی میرے گلے میں رہنے دیں اور مجھے اس کے ساتھ دفن کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

انسان قربان ہو جائے اس عظمت ایمان پر کہ ہر وہ چیز جس کی نسبت سرور عالم کی طرف ہوتی تھی اسی کو وہ اپنی نجات کا ضامن سمجھتے تھے۔

تاریخ میں ان خواتین کے اسمائے مبارکہ محفوظ ہیں۔ بطور تبرک انہیں یہاں بیان کیا جارہا ہے:

(1) ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔

(2) صفیہ دختر عبد المطلب۔

(4) ام ایمن۔ (4) سلمیٰ۔ نبی کریم کی خادمہ (5) عاصم بن عدی کی زوجہ۔ خیبر میں ہی ان کے بطن سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نامہ سہلہ رکھا گیا۔

(6) ام عمارہ نصیبہ بنت کعب (7) ام منیع (8) ام مطاوع الاسلمیہ (9) ام سلیم بنت ملحان (10) ام الضحاک بنت مسعود الحارثیہ (11) ہند بنت عمرو بن حرام (12) ام العلاء الانصاریہ (13) ام عامر الاشہلیہ (14) ام عطیہ الانصاریہ (15) ام سلیط (16) امیہ بنت قیس الغفاریہ (17) کعیبہ بنت سعد الاسلمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن جمیعاً۔

مال غنیمت کی تقسیم

ہر مال غنیمت سے پانچواں حصہ رسول کریم ﷺ کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ خواہ اس معرکہ میں حضور شریک ہوئے ہوں یا شریک نہ ہوئے ہوں۔

جو مسلمان جنگ میں شریک نہیں ہوتا تھا اس کو مال غنیمت سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ البتہ بدر میں آٹھ ایسے صحابہ کو بھی مال غنیمت سے حصہ دیا گیا جو اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

غزوۂ خیبر سے حاصل ہونے والے اموال غنیمت اہل حدیبیہ کے لئے مخصوص تھے خواہ وہ غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے یا شریک نہ ہوئے۔

ارشاد الٰہی ہے:

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ (1)

"(اے غلامان مصطفیٰ) اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ جنہیں تم (اپنے اپنے وقت پر) حاصل کرو گے۔ پس جلدی دے دیئے ہیں تمہیں یہ اموال غنیمت۔"

اہل حدیبیہ میں سے جو لوگ غزوۂ خیبر میں شریک نہ ہوئے یا اس سے پہلے وفات پا گئے، انہیں بھی مال غنیمت سے حصہ دیا گیا اور ان لوگوں کو بھی حصہ دیا گیا جو اہل فدک کے ساتھ سفارتی سرگرمیوں میں مصروف رہے مگر جنگ میں شریک نہ ہو سکے۔

یہ مال غنیمت اس طرح تقسیم ہوا کہ پیادہ کو ایک حصہ اور سوار کے لئے تین حصے۔ ایک اس کا اپنا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔ اگر کسی سوار کے پاس ایک سے زائد گھوڑے ہوتے تھے تو اس کو بھی صرف ایک گھوڑے کے دو حصے دیئے جاتے۔ اس جنگ میں سرکار دو عالم ﷺ کے تین گھوڑے تھے۔ لزار، ظرب اور سکب۔ حضور ﷺ کے صرف ایک گھوڑے کے دو حصے دیئے گئے۔ (2)

زرعی زمینوں کا انتظام

جب خیبر کے سارے قلعے مسلمانوں نے فتح کر لئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہود کو یہاں سے چلے جانے کا حکم دیا جس طرح معاہدہ صلح میں طے پایا تھا۔ یہود نے عرض کی کہ ہمیں یہیں رہنے دیا جائے۔ ہم یہاں کھیتی باڑی اور باغات کی دیکھ بھال کا سلسلہ جاری

1۔ سورۃ الفتح 2

2۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 246

رکھیں گے اور ہم لوگ امور زراعت کے بارے میں آپ کے صحابہ سے زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔ جو پیداوار ہوگی اس میں نصف ہمارا اور نصف آپ کا ہوگا۔

مسلمانوں کی تعداد اس وقت زیادہ نہ تھی۔ نیز ان کی دیگر ذمہ داریوں سے انہیں فرصت بھی نہیں ملتی تھی۔ ہر وقت کفار کے ساتھ جہاد کا خطرہ درپیش ہوتا تھا۔ اس لئے حضور نے مناسب سمجھا کہ ان شرائط پر یہودیوں کو یہاں ٹھہرنے اور کاروبار زراعت کو سرانجام دینے کی اجازت دے دی جائے لیکن اجازت کے ساتھ حضور نے فرمایا:

نُقِرُّكُمْ فِيهَا عَلَى ذٰلِكَ مَا شِئْنَا (1)

''ہم جب تک چاہیں گے تمہیں یہاں ٹھہرنے کی اجازت دیں گے۔''

سرکار دوعالم ﷺ نے باغات کے پھلوں اور اجناس کی تقسیم کے لئے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو مقرر فرمایا۔ وہ ہر سال تشریف لے جاتے اور طے شدہ معاہدہ کے مطابق ان اجناس اور پھلوں کو تقسیم کرتے۔ نصف یہود کو دے دیا جاتا اور بقیہ نصف بیت المال کے سپرد کر دیا جاتا۔

ایک سال یہودیوں نے آپ کو رشوت دینا چاہی تاکہ غلہ اور زرعی پیداوار کی تقسیم ان کی مرضی کے مطابق کرنے پر آمادہ کر لیا جائے۔ آپ نے جب ان کا وہ طشت دیکھا جس میں سونے کے چمکتے ہوئے زیورات کثیر مقدار میں بطور رشوت انہیں پیش کئے گئے تھے تو آپ نے فرمایا ''اللہ کے دشمنو! کیا تم مجھے حرام کھلانا چاہتے ہو؟ بخدا! میں اس ہستی کے پاس سے آیا ہوں جو مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب اور عزیز ہے اور تم میری نگاہوں میں سب لوگوں سے زیادہ مبغوض ہو۔ میرا تمہیں مبغوض سمجھنا اور اس ذات سے میری محبت، مجھے اس امر پر برانگیختہ نہیں کر سکتی کہ میں اس تقسیم میں ایک دانے کا فرق بھی کروں۔'' آپ کا یہ جواب سن کر ان یہودیوں کے منہ سے بے اختیار نکلا:

بِهٰذَا قَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (2)

''ایسے ہی بے لاگ عدل کے باعث آسمان و زمین قائم ہیں۔''

1۔ ''سبل الہدیٰ''، جلد 5، صفحہ 207

2۔ ایضاً

یہودیوں کے ساتھ بے لاگ عدل وانصاف

یہودیوں کو خیبر کی زرعی زمینیں حصہ پر دے دی گئیں۔ بعض مسلمان ان کی ان زمینوں میں سے کوئی ترکاری اور سبزیاں لے لیتے تھے اور بعض فصل سے چارہ کاٹ لیتے تھے۔ اس کی شکایت ان یہودیوں نے بارگاہ رسالت میں پیش کی۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو حکم دیا کہ اعلان کردو:

اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اِلَّا مُسْلِمٌ (1)

"جماعت تیار ہے اور جنت میں صرف مسلمان داخل ہوں گے۔"

یہ اعلان سن کر سارے مسلمان اکٹھے ہو گئے۔ بے لاگ عدل وانصاف کے علمبردار محمد رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطاب فرمایا۔ پہلے اللہ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا:

"یہود نے یہ شکایت کی ہے کہ تم ان کے مخصوص رقبوں میں داخل ہو جاتے ہو اور وہاں سے سبزیاں اور چارہ وغیرہ لے لیتے ہو۔ حالانکہ ہم نے ان کے ساتھ یہ وعدہ کیا ہے کہ تمہاری جانیں اور تمہارے اموال، جو تمہارے قبضے میں ہیں، ان کی ہم حفاظت کریں گے۔ سنو! جن لوگوں کے ساتھ معاہدہ طے پاتا ہے ان کے اموال پر دست درازی جائز نہیں ہوتی۔"

فَکَانَ الْمُسْلِمُوْنَ لَا یَاْخُذُوْنَ مِنْ بُقُوْلِھِمْ شَیْئًا اِلَّا بِثَمَنٍ (2)

"اس کے بعد مسلمان جو ترکاری ان سے لیتے، اس کی قیمت ادا کرتے۔"

شہداء خیبر

اس غزوہ میں پندرہ مسلمان شہید ہوئے جن میں سے چار مہاجر تھے اور گیارہ انصار۔ یہودیوں کے ترانوے مرد قتل ہوئے۔ (3)

مشرکین مکہ کا شرط بدنا

امام بیہقی روایت کرتے ہیں کہ حویطب بن عبدالعزیٰ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، وہ کہتے ہیں کہ جب صلح حدیبیہ کے بعد میں واپس آیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ محمد (ﷺ)

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 247-248

2۔ ایضاً، 248

3۔ ایضاً

سارے عرب پر غالب آجائیں گے۔ اس کے باوجود مجھے یہ ہمت نہ ہوئی کہ میں اپنے مشرکانہ عقائد کو چھوڑ کر اسلام قبول کروں۔ اسی اثناء میں عباس بن مرداس مکہ آیا اور اس نے کہا کہ محمد (ﷺ) خیبر کے یہودیوں پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو گئے ہیں اور خیبر کے یہودیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر جرار تیار کر رکھا ہے جو پوری طرح مسلح ہے۔ اب محمد ﷺ کا بچ کر واپس آنا بالکل ممکن نہیں۔

عباس نے کہا اگر اس بات پر میرے ساتھ کوئی شرط لگانا چاہے تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔ حویطب کہتے ہیں، میں نے کہا، میں تمہارے ساتھ اس بات پر شرط لگانے کے لئے تیار ہوں۔ صفوان بن امیہ، نوفل بن معاویہ اور چند دوسرے قریشی عباس کے طرف دار تھے۔ چنانچہ ہم نے سو اونٹ کی شرط لگائی۔ اور میرے ساتھی یہ کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) غالب آجائیں گے جبکہ عباس اور اس کا گروہ یہ کہتا تھا کہ اس جنگ میں غلبہ اہل خیبر کو ہوگا۔ آخر کار جب رسول اللہ ﷺ کی کامیابی کی اطلاع آئی تو حویطب اور اس کے ساتھیوں نے عباس اور اس کے ساتھیوں سے ایک سو اونٹ وصول کیے۔ (1)

حجاج بن علاط کا دلچسپ واقعہ

حجاج بن علاط سلمی کو پتا چلا کہ نبی کریم ﷺ خیبر میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ شوق زیارت اسے خیبر لے گیا۔ اس رخ انور کو دیکھتے ہی چشم بصیرت بینا ہو گئی اور اس نے فوراً دست اقدس پر اسلام کی بیعت کر لی۔ اسی اثناء میں خیبر کے سارے قلعوں پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ حجاج نے مکہ واپس جانے کی اجازت طلب کی۔ حضور نے اسے اجازت مرحمت فرمائی۔ انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ! میں دولت مند آدمی ہوں، میری کچھ دولت میری بیوی کے پاس ہے اور کچھ سرمایہ میں نے مکہ کے تجار کو بطور قرضہ دے رکھا ہے۔ اگر انہیں میرے بارے میں یہ پتا چل گیا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور خداوند قدوس کو اپنا پروردگار تسلیم کر لیا ہے تو وہ میری ساری دولت کو ہڑپ کر جائیں گے اور مجھے پھوٹی کوڑی بھی نہیں دیں گے۔ اگر اجازت ہو تو اپنی دولت ان سے واپس لینے کے لئے حیلہ سازی سے کام لوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اجازت دے دی۔ وہاں سے رخصت

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 216

ہو کر حجاج مکہ مکرمہ پہنچے۔ ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے اہل مکہ کو علم ہو گیا تھا کہ پیغمبر اسلام یہودیوں سے جنگ کرنے کے لئے خیبر روانہ ہو گئے ہیں۔ یہ خبر اہل مکہ کے لئے بڑی مسرت آگیں تھی۔ وہ جانتے تھے کہ خیبر کے قلعے بڑے مضبوط ہیں۔ وہاں کے یہودی بلا کے لڑاکے ہیں۔ ان کے پاس ہر قسم کے اسلحہ کے انبار ہیں اور خورونوش کا سامان بھی ان کے پاس کافی مقدار میں ہے۔ انہیں یقین تھا کہ خیبر کے یہودی لشکر اسلام کو بری طرح شکست دے دیں گے۔ مکہ میں چند ایسے آدمی بھی تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ مجاہدین اسلام کو اگر قریش شکست نہیں دے سکے تو یہودی بیچارے کس شمار میں ہیں کہ انہیں شکست دے سکیں۔

دونوں فریق بڑی بے چینی سے اس جنگ کے نتیجہ کا انتظار کرنے لگے۔ مکہ میں جو نووارد آتا وہ اس سے دریافت کرتے کہ خیبر کی جنگ کا کیا انجام ہوا؟

جب اہل مکہ نے حجاج کو دیکھا کہ یہ خیبر سے واپس آیا ہے تو وہ اس کے گرد جمع ہو گئے تاکہ اس سے کوئی تازہ خبر سنیں۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ حجاج مسلمان ہو گیا ہے۔ انہوں نے حجاج سے پوچھا کہ سنا ہے کہ وہ قطع رحمی کرنے والا (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) یہودیوں سے جنگ کرنے کے لئے خیبر روانہ ہوا ہے، اس کے بارے میں کوئی تازہ خبر ہو تو بتاؤ۔ اس نے کہا، میں تمہیں ایسی خبر سناؤں گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ دور و نزدیک سے سارے مکہ والے سمٹ کر اس کے آس پاس جمع ہو گئے۔ اس نے انہیں بتایا کہ محمد (ﷺ) کو خیبر کے یہودیوں نے عبرتناک شکست دی ہے، ان کے ساتھیوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے ہیں اور خود انہیں جنگی قیدی بنا لیا ہے۔ یہودیوں نے یہ طے کیا ہے کہ وہ آپ کو یہاں قتل نہیں کریں گے بلکہ انہیں زنجیروں میں جکڑ کر مکہ بھیجیں گے تاکہ اہل مکہ اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کے لئے انہیں جس طرح چاہیں تہ تیغ کریں۔

یہ خبر سنتے ہی وہ خوشی سے دیوانے ہو گئے۔ وفور مسرت سے ناچنے کودنے لگے۔ ان کے فلک شگاف نعروں سے مکہ کی ساری فضا گونجنے لگی اور گھر گھر خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ حجاج نے ان کے مشتعل جذبات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ وہ اس کی مدد کریں اور اس کے مقروضوں سے اس کی رقوم واپس دلا دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ رقم لے کر میں فوراً خیبر پہنچوں اور وہاں مسلمانوں سے چھینا ہوا مال بازار میں نیلام ہو رہا ہے، اس کو دوسرے تجار کی آمد سے پہلے خرید لوں۔ اہل مکہ نے سرمایہ کی بازیابی میں اس کی موثر امداد

کی۔ چند دنوں میں اس کے مقروضوں سے اس کی رقم لے کر اس کے حوالے کر دی۔ حجاج کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو بھی برانگیختہ کیا کہ میرا جو سرمایہ اس کے پاس ہے وہ واپس کر دے تاکہ اس سرمایہ سے وہ مسلمانوں سے لوٹی ہوئی قیمتی اشیاء ارزاں نرخ پر خرید سکے۔

مسلمانوں کی شکست کی خبر جنگل کی آگ کی طرح مکہ اور اس کے گرد و نواح میں پھیل گئی۔ اس خبر سے جہاں کفار و مشرکین کو بے پایاں خوشی ہوئی وہاں مکہ کے مسلمانوں پر غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ حضرت عباس بن عبد المطلب نے جب یہ خبر سنی تو ان پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اٹھنے کی تاب ہی نہ رہی۔ کچھ دیر بعد انہوں نے اپنا ایک غلام حجاج کے پاس بھیجا تاکہ اس سے براہ راست اس خبر کی تصدیق کرے۔ اس غلام نے حضرت عباس کا پیغام بایں الفاظ حجاج کو پہنچایا:

اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ الَّذِيْ جِئْتَ بِهٖ حَقًّا

"اللہ تعالیٰ اس سے ارفع واعلیٰ ہے کہ تمہاری یہ خبر سچی ہو۔"

حجاج نے اس غلام کو کہا کہ اپنے آقا ابوالفضل کو میرا سلام عرض کرنا اور انہیں کہنا کہ میں ان سے خلوت میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ اور میں انہیں ایسی خبر سناؤں گا کہ وہ خوش ہو جائیں گے۔ غلام نے جب یہ پیغام حضرت عباس کو دیا تو فرط مسرت سے وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے انہیں کوئی تکلیف پہنچی ہی نہ تھی۔ حضرت عباس نے اس بشارت کے عوض غلام کو آزاد کر دیا۔ آپ نے نذر مانی کہ وہ دس مزید غلاموں کو آزاد کریں گے۔ ظہر کے وقت حجاج حضرت عباس سے ملاقات کے لئے آئے اور کہا کہ میں بالکل تنہائی میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ جب وہ علیحدہ کمرے میں اکٹھے ہوئے تو حجاج نے پہلے ان سے وعدہ لیا کہ تین روز تک وہ راز کو افشاء نہیں کریں گے۔ اگر انہوں نے قبل از وقت اس راز کو افشاء کر دیا تو اندیشہ ہے کہ کفار مکہ ان کا تعاقب کر کے انہیں گرفتار کر لیں گے۔ حضرت عباس نے پختہ وعدہ کیا کہ وہ ایسا ہی کریں گے۔ اب حجاج یوں گویا ہوا:

"اے عباس! میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اگر میری بیوی اور مکہ کے تاجروں کو میرے اسلام لانے کی خبر مل گئی تو وہ میرا مال واپس نہیں کریں گے۔ میں خیبر سے اس وقت روانہ ہوا ہوں جب کہ لشکر اسلام نے وہاں کے سارے

قلعوں کو فتح کر لیا تھا اور ان قلعوں سے جتنا مال غنیمت ملا اس کا پانچواں حصہ حضور کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا تھا۔ یہودیوں کے بادشاہ حیی بن اخطب کی بیٹی کے ساتھ حضور نے نکاح کر لیا ہے اور ابن ابی الحقیق قتل کر دیا گیا ہے۔"

شام کے وقت حجاج مکہ سے نکل گیا۔ حضرت عباس کے لئے تین روز تک خاموش رہنا بڑا دشوار تھا لیکن طوعاً و کرہاً انہوں نے اپنا عہد نبھایا۔ جب تین راتیں گزر گئیں تو آپ نے قیمتی لباس زیب تن فرمایا، بہترین خوشبو سے اپنے آپ کو معطر کیا، ایک عصا ہاتھ میں پکڑا اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہاں پہنچے جہاں قریش اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے آپ کو جب بہترین لباس میں ملبوس ہشاش بشاش دیکھا تو آپ کی استقامت اور صبر کی داد دیتے ہوئے بولے:

لَا يُصِيبُكَ إِلَّا خَيْرٌ يَا أَبَا الْفَضْلِ هٰذَا وَاللّٰهِ التَّجَلُّدُ لِحَرِّ الْمُصِيبَةِ۔

"اے ابو الفضل! آپ ہمیشہ خیر و عافیت سے رہیں۔ اتنے المناک لمحات میں اتنا صبر! یہ آپ کو ہی زیب دیتا ہے۔"

آپ نے فرمایا میں تو ہر طرح خیریت سے ہوں کیونکہ حجاج نے مجھے بتایا ہے کہ حضور کو خیبر میں فتح مبین حاصل ہوئی ہے۔ سارے قلعوں پر اسلام کا پرچم لہرا دیا گیا ہے اور ان کے بادشاہ کی بیٹی کو سرکار دو عالم ﷺ کی زوجہ بننے کی سعادت میسر آئی ہے۔

جب حقیقت حال سے پردہ اٹھا تو مشرکین مکہ کی توقعات کے محلات پیوند خاک ہو گئے۔(1)

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کی حبشہ سے واپسی

امام بخاری اپنی صحیح میں ابو موسیٰ اشعری سے یوں روایت کرتے ہیں:

"آپ نے کہا کہ ہم ابھی اپنے وطن یمن میں تھے کہ ہمیں اطلاع ملی کہ نبی رحمت ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ہمارا قافلہ اپنے وطن سے ہجرت کر کے سوئے منزل جاناں ﷺ روانہ ہوا۔ اس قافلہ میں میرے دو بڑے بھائی، ابو بردہ اور ابو رھم بھی شامل تھے۔

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 216

ہمارے علاوہ ہمارے قبیلہ کے باون یا ترپن افراد شریک سفر ہوئے۔ ہم یمن کی بندرگاہ سے کشتی میں سوار ہوئے تاکہ حجاز کی بندرگاہ پر اتریں۔ باد مخالف نے ہماری کشتی کو دھکیل کر حبشہ کے ساحل پر پہنچا دیا۔ ہمیں مجبوراً وہاں اترنا پڑا۔ وہاں ہماری ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالب سے ہوئی۔ ہم ان کی معیت میں وہاں اقامت گزیں ہو گئے اور ہمیں اس وقت حضور کی بارگاہ عالی میں حاضر ہونے کی سعادت میسر آئی جب حضور خیبر کے قلعوں کو فتح کر چکے تھے۔"(1)

بعض لوگوں نے ہمیں کہا کہ ہمیں تم پر یہ شرف حاصل ہے کہ ہم نے تم سے پہلے اللہ کی رضا کے لئے ہجرت کی۔ اسی اثناء میں حضرت اسماء بنت عمیس ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کے لئے گئیں۔ اسماء ان خواتین میں سے تھیں جنہوں نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ آپ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ حضرت عمر تشریف لائے۔ انہوں نے حضرت اسماء کو دیکھا تو پوچھا یہ کون ہے؟ حضرت حفصہ نے جواب دیا کہ یہ اسماء بنت عمیس ہیں۔ آپ نے کہا کیا یہ حبشہ سے آئی ہیں؟ کیا یہ سمندری سفر طے کر کے آئی ہیں؟ اسماء نے جواب دیا ہاں۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ ہم لوگ ہجرت میں تم سے سبقت لے گئے ہیں، اس لئے تم سے زیادہ ہم رسول اللہ ﷺ کے حق دار ہیں۔ یہ سن کر حضرت اسماء کو سخت غصہ آیا اور کہا، ہرگز نہیں، بخدا! تمہیں رسول اللہ ﷺ کی معیت حاصل تھی، تم میں سے اگر کوئی بھوکا ہوتا تو حضور اسے کھانا کھلاتے تھے اور اگر تم میں سے کوئی نادانی سے کسی غلطی کا مرتکب ہوتا تھا تو حضور اس کو وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ ہم نے یہ عرصہ ایک ایسے ملک میں گزارا جو یہاں سے بہت دور تھا اور جس کے باشندوں کی اکثریت ہم سے بغض رکھتی تھی۔ اپنے وطن سے دوری، اپنے اہل و عیال سے مہجوری اور طرح طرح کے شدائد ہم نے محض اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول کے لئے برداشت کئے۔ بخدا! میں اس وقت تک نہ کھاؤں گی، نہ پیئوں گی جب تک میں حضور ﷺ کی خدمت میں جو آپ نے کہا ہے وہ بیان نہ کر دوں اور اپنے بارے میں حضور ﷺ سے دریافت نہ کر لوں۔ بخدا! بارگاہ رسالت میں نہ میں جھوٹ بولوں گی، نہ راہ حق سے بھٹکوں گی اور نہ آپ کی باتوں میں کوئی اضافہ کروں گی۔

1۔ امام بخاری، "الجامع الصحیح"

نبی رحمت ﷺ جب تشریف لائے تو حضرت اسماء عرض پرداز ہوئیں:

اے اللہ کے نبی! حضرت عمر نے ایسا ایسا کہا ہے۔ حضور نے پوچھا، پھر تم نے کیا جواب دیا؟ میں نے جو جواب دیا تھا وہ بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ حضور نے فرمایا:

"تم سے زیادہ مجھ پر کسی کا حق نہیں ہے۔"

حضرت عمر اور ان کے احباب نے صرف ایک ہجرت کی ہے۔ اور اے کشتی والو! تم نے دو ہجرتیں کی ہیں۔

حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ جب اہل سفینہ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ جوق در جوق میرے پاس آتے اور حضور کے ارشاد کے بارے میں دریافت کرتے۔ دنیا میں کوئی چیز اس سے زیادہ ان کے لئے مسرت بخش نہ تھی اور نہ کسی اور چیز کی اہمیت ان کے نفسوں میں ان الفاظ سے زیادہ تھی جو رحمت عالم ﷺ نے فرمائے تھے۔

حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ ابو موسیٰ اشعری بار بار مجھ سے یہ حدیث سنا کرتے تھے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ اگرچہ ہم فتح خیبر میں شریک نہ ہو سکے لیکن حضور نے ہمیں بھی مال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا۔

امام ابن اسحق روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ الضمری کو نجاشی کی طرف بھیجا اور اس سے مطالبہ کیا کہ حضور کے صحابہ جو حبشہ میں موجود ہیں، انہیں واپس بھیج دے۔ چنانچہ سارے صحابہ حضرت جعفر کی معیت میں محبوب کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ اس وقت حضور خیبر میں تشریف فرما تھے۔ وہاں ہی ان سب کو شرف حضوری نصیب ہوا۔ جب حضرت جعفر حضور کی خدمت میں پہنچے، رحمت عالم ﷺ نے انہیں اپنے سینہ سے لگایا اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا:

مَا أَدْرِي بِأَيِّهِمَا أَنَا أَسَرُّ بِفَتْحِ خَيْبَرَ أَمْ بِقُدُومِ جَعْفَرَ (1)

"میں نہیں جانتا کہ مجھے کس بات سے زیادہ خوشی ہوئی ہے۔ فتح خیبر سے یا جعفر کی آمد سے۔"

علامہ ابن کثیر نے تحریر فرمایا ہے کہ مکہ کے مہاجر جو حبشہ میں تھے اور حضرت جعفر کے ساتھ واپس آئے، ان کی تعداد سولہ تھی۔ انہوں نے ان سب کے نام بالتفصیل لکھے ہیں۔ (2)

1۔ [illegible]، جلد 3، صفحہ 389-390

2۔ ایضاً

حضرت ابو ہریرہ اور آپ کے قبیلہ بنی دوس کی آمد

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں:

ہم مدینہ طیبہ پہنچے تو ہمارے ساتھ قبیلہ کے اسی (80) افراد بھی تھے۔ ہم نے نماز فجر سباع بن عرفطہ الغفاری کی اقتداء میں ادا کی، انہوں نے پہلی رکعت میں سورۂ مریم اور دوسری رکعت میں وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ تلاوت کی۔ جب انہوں نے یہ آیت پڑھی الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ (1) "جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں" تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میرے چچا نے تو دو پیمانے بنا رکھے ہیں ایک بڑا پیمانہ اور ایک ناقص پیمانہ۔ جب وہ لیتے ہیں تو بڑے پیمانے سے لیتے ہیں اور جب دیتے ہیں تو چھوٹے سے دیتے ہیں۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ایک شخص نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ خیبر میں ہیں اور اب تمہارے پاس واپس تشریف لانے والے ہیں۔ میں نے کہا مجھے جس جگہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ حضور وہاں تشریف فرما ہیں، میں شرف نیاز حاصل کرنے کے لئے وہاں ہی پہنچوں گا۔ حضرت سباع نے ہمیں زاد راہ مہیا کر دیا اور ہمیں سواری کے لئے جانور بھی دیئے یہاں تک کہ ہم خیبر میں پہنچ گئے۔ اس وقت رحمت عالم نے نطاۃ کے قلعے فتح کر لئے تھے اور اب کتیبہ کے قلعوں کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ہم وہاں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام قلعوں کو فتح فرما دیا۔ حضور ﷺ نے مجاہدین سے مشورہ کر کے مال غنیمت میں سے ہمیں بھی حصہ عطا فرمایا۔ (2)

عیینہ بن حصین اور بنو فزارہ کی آمد

بنو فزارہ نے اہل خیبر کی امداد کرنے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں کہا کہ وہ ان کی امداد نہ کریں اور واپس چلے جائیں۔ اگر انہوں نے یہ بات مان لی تو خیبر کی کھجوروں کے پھل سے انہیں حصہ دیا جائے گا۔ لیکن انہوں نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ خیبر کے یہودی ہمارے حلیف ہیں ہم ان کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ جب اللہ تعالیٰ کی مدد سے نبی کریم ﷺ کو خیبر کے یہودیوں پر فتح حاصل ہوئی تو بنی فزارہ حضور کی خدمت میں

1۔ سورۃ المطففین: 2

2۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 212

حاضر ہوئے اور کہا کہ جو وعدہ آپ نے ہمارے ساتھ کیا تھا، وہ پورا کریں۔ حضور نے فرمایا تمہارا حصہ؟ تمہارے لئے تو ذوالرقیبہ ہے (یہ خیبر کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے)۔ انہوں نے کہا پھر ہم آپ سے جنگ کریں گے۔ حضور نے فرمایا ہم تمہارا چیلنج قبول کرتے ہیں۔ جعف کے مقام پر ہماری تمہاری جنگ ہو گی۔ جب حضور کا یہ فرمان انہوں نے سنا تو ان پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہاں سے راہ فرار اختیار کی۔

عیینہ نے مال غنیمت سے اپنا حصہ طلب کیا اور اپنا یہ احسان جتلایا کہ ہم نے اپنے حلیف یہودیوں کا ساتھ چھوڑ کر آپ کے لئے فتح کا راستہ ہموار کیا ہے۔ اس لئے آپ کی اس فتح میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا تم جھوٹ کہہ رہے ہو کہ ہماری وجہ سے تم نے یہود کی امداد نہیں کی۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ تم نے ایسا شور سنا تھا جس کی وجہ سے تم خوفزدہ ہو گئے تھے اور بھاگ گئے تھے۔ اس نے پھر کہا مال غنیمت سے ہمیں بھی کچھ عطا فرمائیے تو فرمایا تمہارے لئے ذوالرقیبہ ہے۔ اس نے پوچھا ذوالرقیبہ کیا ہے؟ فرمایا وہ ایک پہاڑ جو تم نے خواب میں دیکھا تھا کہ تم نے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ عیینہ مایوس ہو کر لوٹ گیا۔ جب اپنے اہل خانہ کے پاس آیا تو اس کے پاس حارث بن عوف آیا اور کہا، کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے ارادہ سے باز آ جاؤ؟ بخدا! محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) یقیناً فتح یاب ہوں گے اور مشرق و مغرب میں ان کی حکومت کا ڈنکا بجے گا کیونکہ یہودی علماء ہمیں آپ کے بارے میں بتایا کرتے تھے۔ میں نے ابو رافع سلام بن مشکم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم محمد (ﷺ) سے حسد کرتے ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے نبوت بنی ہارون سے نکل کر بنی ہاشم میں آگئی ہے۔ یقیناً وہ نبی مرسل ہیں اور یہود میری اس بات کو نہیں مانتے۔ ان کی خودسری کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ان کا دو مرتبہ قتل عام ہو گا۔ ایک یثرب میں اور دوسرا خیبر میں۔(1)

لیکن یہود اپنی ضد پر اڑے رہے اور ان کو دوبار ان زہرہ گداز حالات سے دوچار ہونا پڑا جن کی پیش گوئی ان کے ایک برادر سلام بن مشکم نے کی تھی۔

غزوۂ خیبر میں جن شرعی احکام کا نفاذ ہوا

جنگوں میں عام طور پر اخلاقی ضابطوں اور قانونی پابندیوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 213

وقت لشکر کے سپاہیوں اور ان کے جرنیلوں کے سامنے ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ ہر قیمت پر دشمن کو شکست دے کر کامیابی حاصل کی جائے۔ طیارے پر امن شہریوں، ہسپتالوں اور درس گاہوں پر بے دریغ بمباری کرتے ہیں۔ توپیں آگ اگلتی ہیں اور ہنستے بستے شہر ویرانوں اور کھنڈروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ جو جنرل اس قسم کے انسانیت سوز جرائم کا ارتکاب کر کے جنگ جیت لیتا ہے، اسے مختلف قسم کے اعزازت سے نوازا جاتا ہے اور شعراء اس کی توصیف میں قصائد لکھتے ہیں۔ قومیں اس کی تکریم کے لئے جلوس نکالتی ہیں اور سربراہان مملکت سنہری تمغوں کو ان کے سینوں پر آویزاں کر کے فخر محسوس کرتے ہیں۔ لیکن حبیب رب العالمین ﷺ کی شان ہی نرالی ہے۔ وہ اس وقت بھی احترام انسانیت کا درس دے رہے ہوتے ہیں۔ وہ اس وقت بھی امانت میں خیانت کرنے والوں کی سرزنش کرتے سنائی دیتے ہیں۔ اس خیانت کا مرتکب عظیم جرنیل ہو یا عام سپاہی، کسی کو معاف نہیں کیا جاتا۔ وہ اس وقت بھی اپنے رب کریم جل مجدہ کے احکام کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں اور بڑی سنجیدگی سے ان کی تنفیذ میں سرگرم عمل ہوتے ہیں۔

خیبر کے معرکوں میں نبی رحمت ﷺ اپنے فرائض نبوت کی بجا آوری میں منہمک نظر آتے ہیں۔ حالات کی نزاکت، فوج کی ممکنہ برہمی کا اندیشہ، دشمن کی عیاریاں، کوئی چیز بھی تو ان کی راہ میں حائل نہیں ہوتی۔ اس عرصہ میں شریعت کے جو احکام نازل ہوئے اور ان کو جس ہمت، خلوص اور دل سوزی سے عملی جامہ پہنایا گیا، اس کا مطالعہ کر کے آپ کے لوح قلب پر عظمت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا نقش یوں ثبت ہو جائے گا کہ اس کی چمک کو کوئی چیز مدہم نہیں کر سکے گی۔

اموال غنیمت میں خیانت کی ممانعت

سرکار دو عالم ﷺ نے ایک غلام کو حکم دیا کہ مجاہدین میں یہ اعلان کر دے:

أَدُّوا الْخِيَاطَ وَالْمِخْيَطَ: فَإِنَّ الْغُلُولَ عَارٌ وَشَنَارٌ وَنَارٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (1)

"جس کے پاس مال غنیمت میں سے دھاگہ اور سوئی بھی ہے، وہ واپس کر

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 2، صفحہ 244

دے، کیونکہ اموال غنیمت میں بددیانتی باعث ننگ و عار ہے، وہ بڑا رذیل جرم ہے اور روز قیامت وہ آگ کا شعلہ بن کر لپکے گا۔"

فروہ نامی صحابی نے سورج کی دھوپ سے بچنے کے لئے ایک پٹکا اپنے سر پر باندھا ہوا تھا۔ حضور نے دیکھا تو اسلام کے اس جانباز سپاہی کو فرمایا۔

عِصَابَۃٌ مِّنْ نَّارٍ عَصَبْتَہٗ بِھَا رَأْسَکَ (1)

"اے فروہ! تو نے آتشیں پٹکا سے اپنا سر لپیٹا ہوا ہے۔"

فروہ نے اسے فوراً اتار کر پھینک دیا۔

ایک مجاہد نے ایک معمولی سی چیز اموال فئے سے مانگی۔ ہادی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مال فئی سے کسی کو دھاگہ یا سوئی تک دینا بھی روا نہیں۔

ایک صاحب نے ایک عقال کے بارے میں سوال کیا۔ فرمایا کہ جب تک مال غنیمت تقسیم نہ ہو جائے میں تمہیں عقال نہیں دوں گا۔ "عقال" اس رسی کو کہتے ہیں جو سر کے رومال پر باندھی جاتی ہے اور اس رسی کو بھی کہتے ہیں جس سے اونٹ کا گھٹنا باندھا جاتا ہے۔

کرکرہ نامی ایک سپاہی جنگ میں مارا گیا۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ اس نے مال غنیمت میں سے ایک چادر لی تھی۔ اس خیانت کے باعث اب وہ آگ میں جل رہا ہے۔

اسی طرح بنی اشجع قبیلہ کا ایک آدمی یہودیوں سے جنگ آزما ہوا اور مارا گیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ایسے مجاہد کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ فرمایا، اس تمہارے دوست نے مال غنیمت میں خیانت کی ہے، اس لئے میں اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا۔ جب اس کے سامان کی تلاشی لی گئی تو صرف کانچ کے دو منکے اس کے سامان سے دستیاب ہوئے جن کی قیمت دو درہم سے بھی کم تھی۔ مال غنیمت میں سے کسی چیز کو فروخت کرنا جائز نہیں جب تک اسے اس کے نام پر نشان زد نہ کر دیا جائے۔

اسی تربیت نبوی کا اثر تھا کہ مسلمانوں میں امانت کا جوہر پیدا ہوا۔ جب کسریٰ ایران کے قصر ابیض پر مسلمانوں نے قبضہ کیا اور اس سے بیش قیمت اور نادر تحائف دستیاب ہوئے۔ انہیں جب مدینہ طیبہ روانہ کیا گیا تو ان میں ایک پائی کے برابر بددیانتی کا سراغ نہیں ملا۔ لوگ اس درجہ امانت کا مظاہرہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

1۔ ایضاً

سرکار دو عالم ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ لوگ سونے کی ڈلیوں کو سونے کے زیوروں سے بطور تخمینہ خرید و فروخت کر رہے ہیں۔ حضور نے اسے بھی روک دیا۔ فرمایا، سونے کو سونے سے اگر فروخت کیا جائے تو وزن بھی برابر ہونا چاہئے اور یہ لین دین بھی دست بدست ہونا چاہئے۔

دیگر شرعی احکام

ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَسْقِ مَاءَهٗ زَرْعَ غَيْرِهٖ۔

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ کسی دوسرے کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرے۔"

اگر کسی غازی کو مال غنیمت سے کوئی کنیز ملے تو اگر وہ کنیز حاملہ ہو تو وضع حمل سے پہلے وہ اس کے ساتھ مقاربت نہیں کر سکتا۔

کیونکہ اس سے خلط نسب کا خطرہ ہوتا ہے، اس لئے اس سے روک دیا۔

وہ کنیز اگر غیر حاملہ ہو تو پھر بھی ایک ماہ تک اس سے مقاربت کی اجازت نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ حاملہ ہو اور اس کا حمل ابھی ظاہر نہ ہوا ہو۔ ایک ماہ کے بعد اگر اس کو حیض آجائے تو اطمینان ہو جائے گا کہ وہ امید سے نہیں ہے۔

گدھوں کی حرمت کا حکم

جنگ خیبر کے ایام میں مسلمانوں کو سامان خورونوش کی قلت کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ فاقہ کشی تک نوبت پہنچ گئی۔ ایک روز مسلمانوں نے یہودیوں کے گدھے پکڑے، انہیں ذبح کیا اور دیگوں میں ان کا گوشت ڈال کر پکانا شروع کیا۔ جب نیم پختہ گوشت کے پکنے سے سوہندی سوہندی خوشبو سے ساری فضا مہکنے لگی تو رحمت عالم تشریف لائے۔ پوچھا، کیا پک رہا ہے؟ عرض کی گئی، پالتو گدھوں کا گوشت پکا رہے ہیں۔ حضور نے ایک صحابی کو حکم دیا کہ یہ

اعلان کردو:

إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ فَإِنَّهَا رِجْسٌ (1)

"یعنی اللہ اور اس کا رسول تمہیں اس بات سے منع فرما رہے ہیں کہ تم گدھوں کا گوشت کھاؤ کیونکہ یہ پلید ہے۔"

خچر کے گوشت کی بھی ممانعت فرما دی۔ اس کے علاوہ فرمایا، جنگلی جانوروں میں سے درندوں کے گوشت کو بھی حرام قرار دے دیا گیا اور جو پرندے تیز ناخنوں سے شکار کرتے ہیں ان کو بھی حرام کر دیا گیا۔

ارشاد فرمایا، کھجور کا پھل جب تک قابل استعمال نہ ہو جائے اس کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

طبقہ نسواں میں جو خرابیاں جڑ پکڑے ہوئے تھیں ان کے بارے میں بھی واضح احکام جاری فرمائے۔ فرمایا۔

لَعَنَ يَوْمَئِذٍ اَلْوَاصِلَةَ وَالْمَوْصُوْلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمَوْشُوْمَةَ وَالْخَامِشَةَ وَجْهَهَا وَالشَّاقَّةَ جَيْبَهَا۔ (2)

رحمت عالم ﷺ نے مندرجہ ذیل عورتوں پر لعنت بھیجی:

1- اَلْوَاصِلَةُ وہ عورت جو دوسری عورتوں کے بال لے کر کسی عورت کے بالوں سے پیوست کر دیتی ہے۔

2 اَلْمَوْصُوْلَةُ جس کے بالوں کے ساتھ کسی دوسری عورت کے بال پیوست کیے جائیں۔

3- اَلْوَاشِمَةُ جو سوئی کی نوک سے کسی خاتون کے چہرے اور ہاتھوں وغیرہ پر نیلے رنگ کے نقش و نگار گوندتی ہے۔

4- اَلْمَوْشُوْمَةُ وہ عورت جس کے جسم پر ایسے نقش و نگار گوندے جاتے ہیں۔

5- اَلْخَامِشَةُ وَجْهَهَا جو کسی عزیز کی موت پر یا کسی دوسرے صدمہ کے وقت اپنے چہرہ کو نوچتی ہے۔

1- ابن کثیر، "السیرۃ النبویۃ"، جلد 3، صفحہ 349، "امتاع الاسماع"، جلد 2، صفحہ 248

2- ایضاً

6۔ اَلشَّاقَّةُ جَیْبَهَا جو کسی عزیز کی موت یا کسی دوسرے صدمہ کے وقت اپنا گریبان پھاڑ دیتی ہے۔

7۔ ان کے علاوہ اَلْمُجَثِّمَةُ ، اَلْخَلِیَّةُ اور اَلنُّهْبَةُ کو بھی حرام قرار دیا۔

المجثمہ: اس جانور کو کہتے ہیں جسے میدان میں کھڑا کر کے اس پر نشانہ بازی کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں ایک جاندار کو بے جا اذیت دی جاتی ہے، اس لئے اسے حرام قرار دے دیا گیا۔

الخلیہ: اس جانور کو کہتے ہیں جسے کسی درندے نے اپنی گرفت میں لے لیا ہو۔ اس کو اس درندہ کی گرفت سے چھڑا لیا جائے لیکن ذبح کرنے سے پہلے وہ مر جائے تو وہ جانور بھی حرام ہوگا۔

النہبہ: زندہ جانور سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لیا جائے۔

8۔ نیز رحمت عالم ﷺ نے میدان جنگ میں کسی عورت کو قتل کرنے سے بھی روک دیا۔(1)

9۔ اس موقع پر سرکار دو عالم ﷺ نے پیدل غازی کے لئے ایک حصہ اور گھڑ سوار کے لئے تین حصے مقرر فرمائے۔ ان تین حصوں میں سے ایک حصہ سوار کے لئے اور دو حصے اس کے گھوڑے کے لئے۔ اگر کسی سوار کے پاس متعدد گھوڑے ہیں تو اسے صرف ایک گھوڑے کے دو حصے ملیں گے۔ باقی گھوڑوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس جنگ میں سرور عالم ﷺ کے پاس تین گھوڑے تھے مگر سرکار نے صرف ایک گھوڑے کے دو حصے لئے۔

مزارعت کا جواز

فتح خیبر کے بعد وہاں کی ساری زرعی زمینیں، وسیع و عریض باغات اور نخلستان، حضور نبی کریم ﷺ کے قبضہ میں آگئے۔ اگر حضور چاہتے تو یہودیوں کو جلاوطن کر دیتے اور تمام زرعی زمینوں پر خود کاشت کرنے کا اہتمام فرما دیتے۔ لیکن رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام

1۔ ایضاً

نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان دشمنان اسلام کو ان کے بغض وعناد کے باوجود ان کے اپنے مکانات اور حویلیوں میں رہائش پذیر رہنے دیا اور زرعی زمینیں مزارعت پر ان کو دے دیں۔ طے یہ پایا کہ زمینوں کے مالک اہل اسلام ہوں گے۔ یہ لوگ ان زمینوں میں کاشتکاری کریں گے اور جو زرعی پیداوار ہو گی وہ مسلمان اور یہودی آپس میں نصف نصف بانٹ لیں گے۔ اسی طرح باغات کی آبپاشی، درختوں کی گوڈی اور ان کی نگہداشت کے ذمہ دار یہودی ہوں گے اور باغات کا پھل باہم برابر برابر تقسیم کر لیا جائے گا۔

سرور عالم ﷺ کے اس طرز عمل سے یہ ثابت ہو گیا کہ اپنی زرعی اراضی کو کاشتکاری کے لئے کسی دوسرے شخص کو مزارعت پر دینا اسلام میں جائز ہے۔ اگر مزارعت ناجائز ہوتی تو سرور کائنات ہرگز اس کی اجازت نہ دیتے۔ بیج اور کھیتی باڑی کی ذمہ داری یہود پر تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ نصف پھل اور نصف اناج یہودیوں کو عطا فرماتے اور نصف خود استعمال میں لاتے۔

متعہ کی حرمت کا اعلان

زمانہ جاہلیت میں متعہ کی اجازت عام تھی۔ ایک شخص کسی عورت کے ساتھ ایک مقررہ مدت تک، ایک مقررہ رقم ادا کر کے اس کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کر سکتا تھا اور اس کو وہاں کا معاشرہ معیوب نہیں سمجھتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے جس طرح زمانہ جاہلیت کی دیگر قبیح رسوم کا قلع قمع فرمایا اسی طرح متعہ کی حیاسوز رسم کا بھی خاتمہ کر دیا اور غزوۂ خیبر کے موقع پر سرکار دو عالم ﷺ نے یہ اعلان کر دیا کہ متعہ حرام ہے، کوئی شخص اس کا مرتکب نہ ہو۔

یہ حیاسوز حرکت اگرچہ اس قابل نہیں کہ اسے زیر بحث لا کر اپنا وقت بھی ضائع کیا جائے اور اپنے قارئین کی برداشت کو جانچا جائے۔ لیکن بدقسمتی سے یہاں ایک ایسا طبقہ بھی پایا جاتا ہے جو نہ صرف متعہ کو جائز اور مباح سمجھتا ہے بلکہ اس کے فضائل و برکات کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ حج و عمرہ جیسے عظیم اعمال صالحہ بھی اس کے سامنے ہیچ نظر آنے لگتے ہیں۔ انہوں نے اس کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ہیں کہ اس شرمناک فعل کا چند بار ارتکاب کرنے والے کا مرتبہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ

سے بھی بلند ہو جاتا ہے۔ العیاذ باللہ

اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس موضوع پر کچھ تفصیل سے بحث کریں تاکہ متعہ کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں کسی قطعی نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ نیز اسلام جیسے پاکیزہ دین فطرت پر فسق وفجور کی قبیح ترین اور شرم ناک حرکت کو مباح اور جائز قرار دینے کا جو الزام ہے، اس کا ازالہ کیا جاسکے۔

وہ شیعہ فرقہ ہے جو اس حیاسوز اور گھناؤنے عمل کو حج وعمرہ سے بھی افضل سمجھتا ہے اور اس کی شان میں جو قصیدہ خوانی ان لوگوں نے کی ہے ایسا سن کر ایک شریف انسان مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں چند سوالات کے تفصیلی جوابات دینا ازحد ضروری ہیں:

1۔ متعہ کس کو کہتے ہیں؟

2۔ شیعہ نے متعہ کے جواز کے لئے کیا دلائل دیئے ہیں؟

3۔ شیعہ نے متعہ کے فضائل میں جو ہرزہ سرائی کی ہے اس کی تردید۔

4۔ اہل سنت کے نزدیک متعہ کی حرمت کے کیا کیا دلائل ہیں؟

1۔ متعہ کیا ہے؟

"ایک مرد اور عورت کا باہمی رضامندی سے ایک مقررہ مدت تک ایک متعین رقم کے عوض میاں بیوی کی طرح ایک ساتھ مباشرت کو متعہ کہتے ہیں۔"

اس میں اور نکاح میں بہت فرق ہے جن میں سے چند فرق درج ذیل ہیں:۔

نکاح	متعہ
1۔ نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے۔	متعہ کے لئے ولی کی اجازت ضروری نہیں۔
2۔ نکاح میں گواہوں کی موجودگی میں دونوں کا ایجاب وقبول لازمی ہے۔	متعہ میں گواہوں کی موجودگی ضروری نہیں۔ دونوں مرد وزن رازداری سے بھی ایجاب وقبول کرسکتے ہیں۔
3۔ نکاح کے بعد علیحدگی کے لئے طلاق	متعہ میں طلاق کی ضرورت نہیں۔ جب

نکاح	متعہ
ضروری ہے۔	مقررہ مدت ختم ہو جائے گی دونوں مرد و عورت خود بخود جدا ہو جائیں گے۔
4۔ نکاح میں ظہار، ایلاء اور لعان کے ضابطے جاری ہوتے ہیں۔	متعہ میں ان امور کی گنجائش نہیں۔
5۔ نکاح کے بعد زوجین میں سے ایک مر جائے تو دوسرا اس کا وارث ہوتا ہے۔	متعہ میں کوئی وراثت نہیں۔
6۔ نکاح کے بعد جو اولاد ہو گی وہ اس کے خاوند کی ہو گی۔ وہ ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ انکار کی صورت میں اس کو لعان کرنا ہو گا۔	متعہ میں لعان کے بغیر بھی مرد انکار کر سکتا ہے۔
7۔ نکاح کے بعد طلاق یا وفات ہو جائے تو عورت کو مقررہ عدت گزارنی پڑتی ہے۔	متعہ سے ممتوعہ کی عدت ہر حال میں صرف دو حیض ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ پینتالیس دن ہے۔

جو شیعہ متعہ کے جواز کے قائل ہیں وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ ان کے درمیان رشتہ ازدواج نہیں، جب ان دونوں کے درمیان رشتہ ازدواج نہیں تو پھر اس عورت کی حیثیت کیا ہے؟ مغرب کے بے غیرت اور بے شرم معاشرہ میں اسے گرل فرینڈ کہتے ہیں۔ عربی میں ایسی عورتوں کو خلائل اور اخدان کہا جاتا ہے۔ "خلائل"۔ خلیلہ کی جمع ہے اور اخدان، خدن کی جمع ہے۔ یہ وہ عورتیں ہیں جن کا کسی مرد کے ساتھ ناجائز تعلق ہو۔ یہ عورتیں نص قرآنی کی رو سے قطعی حرام ہیں۔ اس میں صنف نازک کی حد درجہ توہین و تذلیل ہے۔ جب چاہا اسے اپنے شبستان عشرت کی زینت بنالیا اور جب چاہا پرانے جوتے کی طرح اسے پرے پھینک دیا۔

یہ ہیں وہ حالات جن سے اس غارت گر حمیت و غیرت حرکت کا ارتکاب کرنے والے مرد و زن کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اب ہم ان دلائل کا ذکر کرتے ہیں جو شیعہ لوگ متعہ کے جواز کے لئے پیش کرتے ہیں:

متعہ کے جواز کے دلائل

اجماع: شیعہ کہتے ہیں کہ متعہ کا اذن اجماع سے ثابت ہے۔ شیعہ اور سنی دونوں کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک جنگ کے موقع پر اس کا اذن دیا اور تمام لشکر اسلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس اعلان کو سنا۔ اور جو چیز اجماع سے ثابت ہو وہ قطعی ہے، اس اجماع کو منسوخ قرار دینے کے لئے قطعی دلیل کی ضرورت ہے، اخبار آحاد ظنی ہیں، اور ظنی سے قطعی کی تنسیخ نہیں ہو سکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں، ایک اباحت اور دوسری اذن۔

مباح وہ چیز ہے جو اپنی ذات میں حسن اور خوب ہو۔ اور اذن میں ماذون کا ذاتی طور پر حسن اور خوب ہونا ضروری نہیں۔ بسا اوقات ذاتی طور پر وہ چیز از حد قبیح ہوتی ہے لیکن کسی ضرورت کے پیش نظر اس کو استعمال کرنے کا اذن دے دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر حالت اضطرار میں مردار وغیرہ کھانے کا اذن ہے لیکن در حقیقت یہ چیزیں ذاتی لحاظ سے بہت قبیح اور غلیظ ہیں۔ مردار، خون، خنزیر اور وہ جانور جس کو بتوں کا نام لے کر ذبح کیا جائے، یہ چاروں چیزیں پرلے درجے کی غلیظ اور گندی ہیں۔ صرف اس شخص کو ان کے کھانے کا اذن دیا گیا ہے جس کے پاس کھانے کے لئے کچھ بھی نہ ہو اور اگر چند روز اس کو یہ چیزیں کھانے کی اجازت نہ ملے تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔

اسی طرح متعہ کا فعل از حد حیا سوز اور شرمناک ہے۔ انسانی شرف و کرامت کی قبا کی اس سے دھجیاں اڑ جاتی ہیں۔ عہد جاہلیت میں اس قسم کے بے شمار غلیظ اور گندے اعمال کئے جاتے تھے۔ ان میں یہ متعہ بھی تھا۔ اس کا اذن انتہائی غیر معمولی حالت میں دیا گیا تھا جبکہ مجاہد اپنے اہل خانہ سے بہت دور حالت جنگ میں تھے۔ ایسے لوگوں کو متعہ کا اذن دیا گیا جو عرصہ دراز سے اپنی بیویوں سے دور تھے۔ اور اب ان کے لئے صبر کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ انتہائی مجبوری اور ضرورت کے وقت ایک حد درجہ قبیح چیز کے ارتکاب کا اذن دینا اور چیز ہے اور کسی چیز کو اس کے ذاتی حسن و خوبی کے باعث جائز قرار دینا بالکل مختلف چیز ہے۔

شیعہ کا یہ دعویٰ بھی حقیقت کے خلاف ہے کہ اجماع جو قطعی ہے، خبر واحد سے اس کی تنسیخ کی جارہی ہے حالانکہ یہ ظنی ہے۔

یہ بات درست نہیں کیونکہ جس حدیث میں متعہ کی حرمت کا اعلان ہے وہ خبر واحد اور ظنی نہیں بلکہ پندرہ سو مجاہدین کے سامنے رحمت عالم ﷺ نے اس کی حرمت کا اعلان فرمایا۔ جس ارشاد نبوی کو ڈیڑھ ہزار مجاہدین اپنے کانوں سے سنیں اور دوسروں کو سنائیں، ایسی خبر کو خبر واحد کیونکر کہا جاسکتا ہے۔

سیدنا علی مرتضی کا فیصلہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ آپ نے سنا کہ حضرت ابن عباس، متعہ کے جواز کے قائل ہیں۔ آپ بہت برافروختہ ہوئے اور ازراہ غضب فرمایا اِنَّكَ اِمْرُءٌ تَائِهٌ "تم ایک ایسے شخص ہو جو راہ سے بھٹک گیا ہے۔" نیز جس زمانہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی حرمت کا اعلان کیا اس وقت حضرت ابن عباس کمسن تھے اور اپنے باپ حضرت عباس کے پاس مکہ میں فروکش تھے۔ جب کہ حضور اکرم ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے جاچکے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابن عباس نے اپنے اس فتویٰ سے رجوع کر لیا۔ اس کے بعد وہ ساری امت کی طرح متعہ کو حرام قطعی کہتے تھے۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ شیعہ اس آیت سے بھی متعہ کا جواز ثابت کرتے ہیں۔

اگر آپ اس آیت کے سیاق و سباق کا نظر غائر سے مطالعہ فرمائیں تو یہاں وہ متعہ مراد نہیں جس کے یہ لوگ دلدادہ ہیں۔ بلکہ اس استمتاع سے مراد نکاح ہے۔ اس لئے اس آیت سے متعہ کے جواز کے لئے استدلال کرنا انتہائی بے باکی اور جسارت ہے۔

متعہ کی حرمت کے دلائل

1۔ اب آپ کے سامنے چند آیات قرآنی پیش کر رہا ہوں جن کے مطالعہ سے آپ کو یقین ہو جائے گا کہ یہ فعل ازحد غلیظ اور گندا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے قطعی حرام ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ

هُمُ الْعٰدُوْنَ ۔ (1)

”بے شک دونوں جہان میں بامراد ہو گئے ایمان والے۔ وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں، اور وہ جو ہر بیہودہ امر سے منہ پھیرے ہوتے ہیں، اور وہ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیویوں کے اور ان کنیزوں کے جو ان کے ہاتھوں کی ملکیت ہیں۔ تو بے شک انہیں ملامت نہیں کی جائے گی اور جس نے خواہش کی ان کے ماسوا تو یہی لوگ حد سے بہت زیادہ تجاوز کرنے والے ہیں۔“

2۔ قرآن کریم میں بدکاری کے لئے چوری چھپے یارانے گانٹھنے والوں اور یارانے گانٹھنے والیوں کا ذکر بڑے تحقیر آمیز لہجہ میں کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو ان کی پیروی سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۔ (2)

”پس نکاح کرلو ان سے ان کے سرپرستوں کی اجازت سے اور دو ان کو مہر دستور کے موافق تاکہ نکاح سے وہ پاک دامن بن جائیں، نہ علانیہ زناکار ہوں اور نہ بنانے والی ہوں پوشیدہ یار۔“

3۔ آئمہ اہل بیت کی تصریحات بھی متعہ کے قطعی حرام ہونے پر دلالت کر رہی ہیں۔

بسام صیرفی نے حضرت ابو عبداللہ جعفر الصادق سے متعہ کے بارے میں پوچھا:

فَقَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّهَا الزِّنَا (3)

”آپ نے فرمایا یہ تو زنا ہے۔“

ان لوگوں کے قول و عمل میں جو تضاد ہے اسے دیکھ کر سر چکراتا ہے اور دل ڈوبنے لگتا ہے۔ ایک طرف تو وہ اہل بیت رسالت مآب سے کسی غیر سید کے نکاح کو بھی ناجائز سمجھتے

1۔ سورۃ المؤمنون: 1-7

2۔ سورۃ النساء: 25

3۔ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی (م465ھ)، ”تہذیب الاحکام“، النجف، مطبعہ النعمان، 1377ھ، طبع 2، جلد 7، صفحہ 271

ہیں اور دوسری طرف خاندان نبوت کی عصمت مآب خواتین سے متعہ کرنے کے جواز کے قائل ہیں بلکہ حکم دیتے ہیں۔ شیخ الطائفہ ابو جعفر الطوسی اپنی مشہور کتاب "تہذیب الاحکام" میں لکھتے ہیں:

عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ لَا بَأْسَ بِالتَّمَتُّعِ بِالْهَاشِمِيَّةِ (1)

"یعنی امام جعفر صادق فرماتے ہیں کسی ہاشمی خاتون کے ساتھ متعہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"

پھر اسی صفحہ پر امام جعفر صادق سے ہی ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

قَالَ تَمَتَّعْ بِالْهَاشِمِيَّةِ (2)

"ہاشمیہ خاتون سے متعہ کیا کرو۔"

بنو ہاشم جو خاندان رسالت مآب ﷺ ہے، ان کی عصمت شعار خواتین کے بارے میں ایسی بات لکھنا اور پھر اسے حضرت امام جعفر صادق کی طرف منسوب کرنا، بے حیائی اور بے غیرتی کی کیا انتہاء نہیں؟

اسی کتاب کے صفحہ 250 پر ایک روایت ہے۔ وہ بھی ملاحظہ فرمائیے، آپ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی:

جَاءَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَيْرٍ اللَّيْثِيُّ إِلَى أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لَهُ مَا تَقُولُ فِي مُتْعَةِ النِّسَاءِ فَقَالَ أَحَلَّهَا اللهُ فِي كِتَابِهِ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَهِيَ حَلَالٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ..... فَأَقْبَلَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَيْرٍ فَقَالَ يَسُرُّكَ أَنَّ نِسَاءَكَ وَبَنَاتِكَ وَأَخَوَاتِكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ يَفْعَلْنَ ذَاكَ فَأَعْرَضَ أَبُو جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ حِيْنَ ذَكَرَ نِسَاءَهُ وَبَنَاتِ عَمِّهِ۔ (3)

"عبد اللہ بن عمیر اللیثی ایک مرتبہ امام ابو جعفر محمد باقر علیہ السلام کی

1۔ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی (م 465ھ)، "تہذیب الاحکام"، النجف، مطبعہ النعمان، 1377ھ، طبع 2، جلد 7، صفحہ 271

2۔ ایضاً

3۔ ایضاً، صفحہ 250

خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، عورتوں کے متعہ کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنی نبی کی زبان کے ذریعہ اس چیز کو حلال قرار دیا۔ پس یہ قیامت تک حلال ہے۔ یہ سن کر عبداللہ بن عمیر پھر عرض کرنے لگا۔ اے امام! کیا یہ بات آپ کے لئے مسرت بخش ہے کہ (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) کہ آپ کی عورتیں، آپ کی بیٹیاں اور آپ کی بہنیں، آپ کے چچا کی بیٹیاں یہ کام کریں۔ جب اس شخص نے خاندان نبوت کا نام لیا تو امام محمد باقر نے اس شخص سے اپنا منہ پھیر لیا۔"

اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ یہ قبیح اور گندا فعل ہے اور امام باقر اپنے خاندان کی مستورات کے لئے اس کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اس کے محبوب کریم ﷺ کے نزدیک امت مسلمہ کی تمام عفت شعار بچیوں کی آبرو یکساں طور پر عزیز ہے۔

اسی شیخ الطائفہ جعفر طوسی کی اسی کتاب میں ایک روایت درج ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ متعہ قطعاً حرام ہے۔ وہ روایت آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ قَالَ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ لُحُوْمَ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ وَنِكَاحَ الْمُتْعَةِ (1)

"حضرت زید بن علی نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے روز پالتوں گدھوں کے گوشت اور متعہ کے نکاح کو حرام قرار دینے کا اعلان کیا تھا۔"

جب حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کے فرزند حضرت زید اس حدیث کے راوی ہیں تو اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔☆

1۔ ایضاً، صفحہ 251

☆ زیر نظر موضوع پر مزید مطالعہ کے لئے ملاحظہ کیجئے ہمارا مقالہ "فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور تحریم متعہ"، ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، جلد 4، شمارہ 9،80، "فاروق اعظم نمبر" صفحات 367-376

اہل فدک کے ساتھ معاہدہ صلح

سرور کائنات علیہ الصلوۃ والتحیات کی قیادت میں لشکر اسلام، خیبر کے یہودیوں کی گوشمالی کے لئے خیبر کی طرف رواں دواں تھا۔ جب یہ لشکر خیبر کے نزدیک پہنچ گیا تو سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے ایک صحابی محیصہ بن مسعود کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ تم اہل فدک کے پاس جاؤ، پہلے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دو، اگر وہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو انہیں کہو کہ نبی مکرم ﷺ تم پر بھی اسی طرح لشکر کشی کریں گے جس طرح اہل خیبر پر کی ہے۔ تمہارے میدان میں آکر مجاہدین اسلام خیمہ زن ہو جائیں گے اور اس کا جو نتیجہ نکلے گا وہ تم سے پوشیدہ نہیں۔

محیصہ کہتے ہیں کہ میں وہاں پہنچا۔ انہیں سرکار دو عالم ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ ان کے جواب کے لئے دو روز تک مجھے وہاں ٹھہرنا پڑا۔ وہ لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ نطاۃ کے قلعوں میں یہود کے بہادر سورما عامر، یاسر، حارث اور ساری یہودی امت کا سردار "مرحب" بھی وہاں موجود ہے۔ دس ہزار یہودی لڑاکے پوری طرح مسلح ہیں۔ مسلمانوں کی کیا مجال ہے کہ خیبر پر حملہ کرنے کی جسارت کر سکیں؟ محیصہ فرماتے ہیں، جب میں نے ان کے خبث باطن کا جائزہ لیا تو واپس جانے کی تیاری شروع کر دی۔ انہیں جب میرے اس ارادے کا علم ہوا تو میرے پاس آئے اور کہا، آپ واپس جانے میں جلدی نہ کریں، ہمیں سوچنے اور باہمی مشورہ کرنے کا موقع دیں۔ ہم اپنے چند ذمہ دار آدمی بھیجیں گے جو نبی کریم سے مصالحت کے لئے سلسلہ جنبانی کریں گے۔ یہ ساری باتیں محض ٹال مٹول کے لئے تھیں۔ نطاۃ کے قلعوں کے لئے جو جنگ ہو رہی تھی وہ اس کے نتیجہ کا انتظار کر رہے تھے۔
جب انہیں پتا چلا کہ عامر، یاسر اور حارث، جن کی جنگی مہارت اور شجاعت پر انہیں کامل بھروسہ تھا، اسلام کے مجاہدوں نے انہیں ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ نیز مرحب جو تنہا ایک ہزار آدمی کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتا تھا ذوالفقار حیدری نے اس کے بھی پرخچے اڑا دیئے تو ان کے حواس باختہ ہو گئے۔ اور اب انہوں نے حضور انور ﷺ سے صلح کرنے میں ہی اپنی نجات دیکھی۔ چنانچہ اپنے ایک سردار نون بن یوشع کو چند دیگر یہودیوں کے ہمراہ بارگاہ رسالت میں بھیجا۔ اس یہودی وفد نے صلح کی درخواست کی جو

رحمت عالم ﷺ نے قبول فرمالی اور اہل فدک کے ساتھ مندرجہ ذیل شرائط پر صلح کا معاہدہ طے پایا:

1۔ حضور انور ﷺ سارے یہودیوں کی جان بخشی فرمائیں گے۔

2۔ یہودی فدک کے علاقہ سے نکل جائیں گے۔

3۔ تمام غیر منقولہ جائیدادیں، مکانات، نخلستان اور کھیت، سرور عالم ﷺ کے حوالے کر دیں گے۔

لیکن انہوں نے ان شرائط پر عمل در آمد کرنے میں پس و پیش شروع کی تو حضرت محیصہ نے انہیں سمجھایا کہ ان حرکتوں سے باز آجاؤ۔ حضور نے اگر صرف ایک سو مجاہد بھی تمہاری سرکوبی کے لئے بھیج دیئے تو وہ تم سب کو ہانک کر لے جائیں گے۔ آخر کار اس بات پر صلح ہوئی کہ فدک کی نصف زمین، یہود کی ملکیت میں رہے گی اور دوسرے نصف کے سرکار دو عالم ﷺ مالک ہوں گے۔ اس نصف کی آمدنی سے حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ فرماتے اور خاندان بنو ہاشم کے کم عمر افراد پر اور اس خاندان کی بیواؤں کی شادی پر خرچ فرماتے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب فدک کے یہودیوں کو یہاں سے جلاوطن کرنا ناگزیر ہو گیا تو آپ نے بیت المال سے ان کے نصف حصہ کی قیمت ادا کی تب انہیں جلاوطن کیا۔(1)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے نصف حصہ کی قیمت لگانے کے لئے تین جلیل القدر صحابہ کو مقرر کیا تاکہ وہ وہاں جا کر اس قطعہ زمین اور اس میں اگے ہوئے کھجوروں کے درختوں کی قیمت کا اندازہ لگائیں تاکہ وہ قیمت فدک کے یہودیوں کو ادا کی جائے۔ ان صحابہ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ ابو الہیثم مالک بن تیہان، فروہ بن عمرو بن جبار اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

یہ حضرات وہاں تشریف لے گئے اور فدک کی نصف اراضی جو یہودیوں کی ملکیت تھی اور ان پر جو نخلستان تھے، ان کی قیمت کا تخمینہ لگایا۔ وہ قیمت پچاس ہزار درہم سے زیادہ تھی۔

1۔ العلامة علی بن برہان الدین الحلبی الشافعی (م 1044ھ)، "انسان العیون فی سیرة الامین المامون (المعروف بالسیرة الحلبیہ)، مکتبہ مصطفٰے البابی الحلبی، 1349ھ، جلد 2، صفحہ 183

یہ قیمت ادا کر کے آپ نے دوسرا نصف بھی بیت المال کے لئے خرید لیا اور اس طرح غیر مسلموں کے ساتھ اس رواداری اور تسامح کا برتاؤ کیا جس کی مثال اقوام عالم کی تاریخ میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔(1)

اراضی فدک کی آمدنی اور اس کی تقسیم

مندرجہ بالا تفصیل سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ فدک کو فتح کرنے کے لئے لشکر کشی نہیں کی گئی بلکہ یہ علاقہ بذریعہ صلح سرور عالم ﷺ کے قبضہ میں آیا تھا۔ اس لئے یہ اراضی اموال فئے میں سے تھی اور نبی کریم ﷺ کی ملکیت تھی۔ حضور اس کی آمدن سے ازواج مطہرات، بنو ہاشم کے یتیموں اور ناداروں پر مال خرچ فرمایا کرتے تھے۔ اور جو بچ جاتا اس سے مجاہدین کے لئے اسلحہ، سواری کے جانور اور دیگر ضروریات خریدی جاتی تھیں۔

رحمت عالم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اموال فئے کی دیکھ بھال کی ذمہ داری خلیفۃ الرسول کے سپرد ہوئی۔ آپ ان اراضی کا انتظام فرماتے اور ان سے جو آمدنی ہوتی وہ اس طرح خرچ کرتے جس طرح رحمت عالمیان علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو خرچ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت سیدۃ النساء نے سرور کائنات کی اراضی فئے سے اپنے ورثہ کا مطالبہ کیا تو حضرت صدیق اکبر نے سیدۃ نساء العالمین کی خدمت میں سرور کائنات رحمت للعالمین ﷺ کا یہ فرمان پیش کیا جس میں ہادی برحق نے فرمایا کہ "ہم گروہ انبیاء نہ کسی کی جائیداد کے وارث ہوتے ہیں اور نہ کوئی ہماری جائیداد کا وارث ہوتا ہے۔ جو مال ہم پیچھے چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔"

حضرت زہراء سلام اللہ علیہا نے آپ سے پختہ وعدہ لیا کہ آپ ان زمینوں کی آمدنی اسی طرح خرچ کیا کریں گے جس طرح نبی مکرم ﷺ خرچ کیا کرتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر نے آپ کو یقین دہانی کرائی کہ وہ ایسا ہی کریں گے۔ چنانچہ صدیق اکبر اپنی وفات تک اس معاہدہ کو نبھاتے رہے۔ آپ کے بعد حضرت فاروق اعظم نے اسلامی مملکت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو آپ بھی سرور عالم اور حضور کے خلیفہ برحق کے طریقہ کے مطابق ان

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 215

اراضی کی آمدنی کو صرف فرماتے رہے۔ آپ نے اپنی خلافت کے تیسرے سال ان جائیدادوں کا انتظام سیدنا علی مرتضیٰ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے کر دیا اور ان دونوں حضرات سے کہا کہ وہ اس مد کی آمدنی بعینہ اس طرح خرچ کریں گے جس طرح خود نبی مکرم ﷺ اور آپ کے جانشین صدیق اکبر کیا کرتے تھے۔ خلافت فاروقی میں ایسا ہی ہوتا رہا۔ پھر عہد عثمانی میں بھی اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ یہی دو حضرات اس کا انتظام بھی کیا کرتے اور حسب سابق ان کی آمدنی کو بھی ویسے ہی خرچ کرتے رہے۔ حضرت عثمان کے بعد سیدنا علی نے مسند خلافت کو شرف بخشا آپ کا بھی یہی معمول رہا، اس میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں کیا اور نہ اپنے عہد اقتدار میں اس کو حضور کے وارثوں میں تقسیم کیا۔

آپ نے بھی اپنے پورے عہد خلافت میں اسوہ صدیقی اور فاروقی پر کاربند رہ کر اس بات کی تصدیق فرما دی کہ شیخین کا تعامل برحق تھا۔ اگر خدانخواستہ ان حضرات نے سرور عالم ﷺ کے وارثوں کا حق غصب کیا ہوتا تو حضرت علی مرتضیٰ جب سلطنت اسلامیہ کے خود مختار خلیفہ بنے تو یہ آپ کی اولین ذمہ داری تھی کہ اس ظالمانہ طرز عمل کا خاتمہ کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتہ داروں کو ان کا حق دیتے۔ سیدنا علی کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے تو آپ بھی اسی طریقہ پر گامزن رہے۔ آپ کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کو یہ ذمہ داری تفویض ہوئی اور جناب امام عالی مقام بھی اسی طرح اس کی آمدنی کو خرچ کرتے رہے جس طرح ان سے پہلے اولوالعزم خلفاء کا معمول تھا۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند حضرت زین العابدین اور آپ کے بھتیجے حضرت حسن بن حسن نے مشترکہ طور پر یہ ذمہ داری سنبھالی۔ ان کے بعد حضرت حسن کے فرزند حضرت زید اس فریضہ کو ادا کرتے رہے۔(1)

ان ائمہ اہل بیت اور پیشوایان امت کے اس طرز عمل نے اس حقیقت کو مہر نیمروز کی طرح آشکارا کر دیا کہ ان اموال کے بارے میں ان ائمہ اہل بیت کا طرز عمل بھی وہی تھا جو حضرت ابو بکر نے اختیار کیا تھا۔ بلاشبہ وہ اہل حق تھے اور ان کا طرز عمل بھی برحق تھا۔ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر زبان طعن دراز کرنے والے ذرا یہ تو بتائیں کہ ان ائمہ اہل بیت کے بارے میں ان مفتیان شرع ابن سبا کا کیا فتویٰ ہے؟

1۔ الامام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (194-256ھ)، "الصحیح"، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی 1985ء، جلد 2، صفحہ 575-576

باغ فدک کا مسئلہ کیونکہ امت مسلمہ میں عرصہ دراز سے متنازعہ فیہ رہا ہے اور دشمنان اسلام نے امت مسلمہ کے اتحاد و اتفاق کے قلعہ پر اس مسئلہ کی آڑ لے کر شب خون مارنے کی بارہا کوششیں کی ہیں، اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ کی مزید وضاحت کر دی جائے تاکہ اللہ تعالیٰ، طالبان حق کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ حقیقت کو سمجھ سکیں اور اسلام کے بدخواہوں کا آلہ کار بننے سے بچ سکیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

ہمارے بعض دوست بڑے طمطراق سے یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے باغ فدک چھین لیا، ان پر ظلم کیا، ان کی دل آزاری کی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے ہم نوا اور مؤید تھے وغیرہ وغیرہ۔ اس موقع پر وہ جس شائستگی اور شرافت کی تمام حدود کو پھاند جاتے ہیں ان کے ذکر سے میں دانستہ احتراز کرتا ہوں۔

میرے پیش نظر مسئلہ کو الجھانا نہیں، سلجھانا ہے۔ میں شکوک و شبہات کو ہوا دے کر ماحول کو غبار آلود نہیں کرنا چاہتا۔ تاہم حق و باطل میں امتیاز کرنا آپ کا کام ہے۔

سب سے پہلے میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ فدک کیا ہے؟ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کے بعد قدم بہ قدم سوئے منزل بڑھتے جائیں گے۔

اہل اسلام کو جو اموال و املاک کفار سے حاصل ہوتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

(1) غنیمت (2) فئے۔

مال غنیمت اس کو کہتے ہیں جو لڑائی اور لشکر کشی کے بعد حاصل ہو۔

مال فئے اس کو کہتے ہیں جو لشکر کشی کے بغیر حاصل ہو۔

مال غنیمت اور مال فئے کی یہ تعریف متفقہ ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ دونوں قسم کے اموال کا شرعی حکم قرآن حکیم میں وضاحت سے مذکور ہے۔ اس کے لئے ہمیں پریشان ہونے یا مزید ورق گردانی کی چنداں ضرورت نہیں۔

سورۃ الانفال کی اکتالیسویں آیت میں اموال غنیمت کے احکام صراحتہً ذکر کئے گئے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا (1)

"اور جان لو۔ کہ جو کوئی چیز تم غنیمت میں حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول کے لئے، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جسے ہم نے اتارا اپنے محبوب بندہ پر۔"

اس آیت میں غور کرنے سے واضح ہو گیا کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں گے۔ چار حصے حسب حکم مجاہدوں اور غازیوں میں تقسیم کیے جائیں گے اور پانچویں حصہ کے مصارف اس آیت میں کھول کر ذکر کر دیے گئے ہیں۔

مال فیٔ کے احکام سورہ حشر کی آیت نمبر 7 میں بیان کیے گئے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (2)

"جو مال پلٹا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف ان گاؤں کے رہنے والوں سے تو وہ اللہ کا ہے، اس کے رسول کا ہے اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ مال گردش نہ کرتا رہے تمہارے دولت مندوں کے درمیان۔"

اس سے واضح ہو گیا کہ جو اموال فیٔ ہوں ان میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حصہ ہے، حضور کے رشتہ داروں کا، امت کے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا۔ اموال فیٔ میں ان تمام لوگوں کو حصہ دار بنانے کی حکمت ساتھ ہی بیان فرما دی کہ مال چند اغنیاء میں ہی گردش نہ کرتا رہے اور سمٹ کر چند افراد کے ہاتھوں میں جمع نہ ہو جائے۔

بلکہ اس کی گردش کا دائرہ زیادہ سے زیادہ ہو تاکہ دولت کی تقسیم سے ملت کے زیادہ سے زیادہ افراد مستفید ہوتے رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ کے مختصر جملہ میں اسلامی نظام معیشت کی روح اور اس کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے۔ سرمایہ دارانہ

1۔ سورۃ الانفال: 41

2۔ سورۃ الحشر: 7

معیشت میں دولت سمٹ کر چند افراد کے پاس جمع ہو جاتی ہے۔ ملک کے مٹھی بھر لوگ از حد متمول ہو جاتے ہیں اور قوم کے باقی افراد عسرت و تنگ دستی کا شکار بن جاتے ہیں۔ اسلام نے سرمایہ داری کی پہلے ہی بیخ کنی کر دی اور اسلامی معاشرہ کا مزاج اس طرح بنایا کہ وہاں سرمایہ داری نہ پنپ سکے۔ دولت کو چند ہاتھوں میں مجتمع ہونے سے روکنے کے لئے قبل از وقت احتیاطی تدابیر اختیار کیں اور حفاظتی بند باندھ دیئے۔ اس طرح نہ دولت سمٹے گی، اور نہ قوم از حد امیر اور از حد غریب طبقوں میں بٹے گی اور نہ ان میں باہمی حسد و بغض کی آگ سلگے گی، اور نہ وہ وقت آئے گا کہ غربت کے ماروں کا پیمانہ صبر چھلکنے لگے اور وہ بے اختیار و بے قابو ہو کر آمادہ بغاوت ہو جائیں اور اپنے ہاتھوں اپنی قوم کے خون کے دریا بہادیں۔

غنیمت و فئے کا مفہوم اور ان کے قرآنی احکام ذہن نشین کرنے کے بعد آگے چلئے۔

اہل سنت و جماعت کا موقف یہ ہے کہ اموال فئے کے حقدار بہت سی اقسام کے لوگ ہیں اس لئے ان کو متعین کرنا ممکن نہیں۔ مثلاً آج ایک لڑکا یتیم ہے، کل وہ بالغ ہو کر خوشحال ہو جاتا ہے۔ آج ایک شخص مسکین ہے، کل وہ دولت مند بن جاتا ہے۔ جب تک پہلا یتیم تھا اور دوسرا مسکین تھا وہ ان اموال میں حصہ دار تھے۔ آج ان کی جگہ جو دوسرے لوگ یتیمی اور غربت سے دوچار ہیں وہ حصہ دار بن گئے۔ یہی حال ذوی القربیٰ کا ہے اور یہی حکم ابن السبیل کا ہے۔ جب صورت احوال ایسی ہو تو وہ اموال وقف کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اور ان اموال و املاک کا نظم و نسق خود حاکم وقت یا اس کی طرف سے مقرر کردہ شخص کیا کرتا ہے۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ فدک، جنگ اور لشکر کشی سے نہیں بلکہ صلح سے مسلمانوں کے تصرف میں آیا تھا، اور آیت میں بیان کردہ حکم کے مطابق یہ کسی ایک شخص یا خاندان کی نجی ملکیت نہیں بلکہ اس میں مذکورہ بالا تمام اصناف حصہ دار ہیں، ورنہ دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں آجائے گی۔ قرآن نے كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ سے ارتکاز زر سے بچنے کے لئے جو احکام نافذ کئے ہیں، ان کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔ رحمت دو عالم ﷺ جب تک اس جہان فانی میں رونق افروز رہے، حضور اپنی نگرانی میں اس علاقہ کی آمدنی کو حق داروں میں تقسیم فرماتے تھے اور حضور کی رحلت کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو ان باغات اور مزروعہ اراضی کی نگہداشت اور

اس کی آمدنی کی تقسیم آپ کے سپرد ہوئی۔ آپ اپنے عہد خلافت میں حسب ارشاد خداوندی اور حسب سنت نبوی اس فریضہ کو انجام دیتے رہے اور یہ سلسلہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعد میں آنے والے خلفاء راشدین کے زمانوں میں بھی اسی طرح جاری رہا۔ اور اس طرح اسلامی نظام معیشت کی برکتوں اور سعادتوں سے اسلامی معاشرہ سیراب اور بہرہ مند ہوتا رہا۔

حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ عمل حقیقت میں ارشاد خداوندی کی تعمیل تھی اور سنت نبوی کی صحیح معنوں میں اطاعت تھی اور ان حضرات پر کسی قسم کا الزام واتہام وارد نہیں ہو سکتا بلکہ وہ لائق صد تبریک و تحسین تھے کہ انہوں نے ہر قسم کے دباؤ کا مقابلہ کیا لیکن فرمان الٰہی اور سنت محمدی سے سرمو انحراف نہ کیا۔ ہاں اگر وہ ایسا نہ کرتے تو وہ قابل سرزنش ہوتے، بلکہ اس وقت کا زندہ اور بیدار معاشرہ احکام الٰہی اور سنت نبوی کی اس خلاف ورزی کو ہرگز برداشت نہ کرتا۔ لیکن ہمارے ہاں تو الٹی گنگا بہ رہی ہے۔ تنقید کے تیروں سے ان مردان پاک سرشت کو گھائل کیا جارہا ہے جنہوں نے عہد وفا کو نبھایا اور راہ حق پر استقامت وثبات کے انمٹ اور درخشاں نقوش ثبت کیے۔

یہ تو ہوا اہل سنت کا موقف -- نظری بھی اور عملی بھی۔ اب رہے معترضین، تو ان کا عقیدہ یہ ہے کہ فدک جو فئے ہے یہ حضور کی ذاتی ملکیت تھی۔ حضور کی رحلت کے بعد اس کی وارث صرف حضرت سیدہ تھیں۔ اور شیخین نے ان کو فدک کی اراضی سے محروم کر کے حضور کی نور نظر اور لخت جگر پر بڑا ظلم کیا اور ان کی حق تلفی کی۔

آپ خود انصاف فرمائیے! اگر ایسا ہوتا تو آیت یوں ہوتی مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَهُوَ لِرَسُوْلِهٖ کہ ان گاؤں والوں سے جو مال فئے حاصل ہو اس کا مالک اس کا رسول ہے، بات ختم ہو جاتی اور کسی کو چون وچرا کی مجال تک نہ رہتی۔ لیکن وہاں قرآن کریم کی آیت اس طرح تو نہیں۔ وہاں تو وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (1) کی تفصیل بھی موجود ہے۔

یہ لوگ اپنے دل سے پوچھیں کہ یہ کلمات کیا قرآن کی آیت کا حصہ نہیں؟ اور کیا ان کلمات کا مدعا واضح نہیں جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں یا یہ الفاظ صرف سنانے کے لئے

1- سورۃ الانفال: 41

اور لوگوں کو مرعوب کرنے کے لئے ہیں، عمل سے ان کا کوئی سروکار نہیں؟

جب تک ہم قرآن کریم کو اپنے خداوند کریم کا کلام مانتے ہیں، ہم اس آیت کا انکار نہیں کرسکتے اور اگر انکار نہیں کرسکتے تو پھر اس داستان سرائی کے لئے وجہ جواز کیا ہے؟

یہ ایک سیدھی اور صاف بات ہے۔ اس میں کوئی کجی نہیں، کوئی زیغ نہیں اور کوئی پیچ نہیں، یہ ایک روشن حقیقت ہے جو شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ پھر ہم آفتاب سے تابندہ تر حقیقت کا کیوں انکار کریں۔ اور بے سروپا تاویلات اور من گھڑت مزعومات کی دلدل میں پھنس کر کیوں خود بھی قیامت کے روز شرمسار ہوں اور قرآن واسلام کی تعلیمات کو زک پہنچا کر باطل کو بلاوجہ غرانے کا موقع دیں؟ لیکن جہاں بات کا بتنگڑ بنانا اور بال کی کھال اتارنا محبوب مشغلہ ہو وہاں سادگی اور پرکاری کو کون خاطر میں لاتا ہے؟ سچی بات کو سننا کون گوارا کرتا ہے؟ وہاں تو ایسی ایسی اپچ اور دورازکار تاویلوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ اپنی غلطی کا اعتراف تو بڑے دل گردے کا کام ہے۔ جن کے پیش نظر اپنی لیڈری کو چمکانا ہو، جس لغزش کے پیچھے دیرینہ جذبہ انتقام کی آگ سلگ رہی ہو، وہاں عقل عیار ایسی ایسی اختراعیں کرتی ہے، حقائق اور حقوق کو پس پشت ڈال کر محض جذبات کو ابھارتی ہے۔ اس کے لئے دروغ بافی میں کمال کا ایسا مظاہرہ کرتی ہے کہ اچھے بھلے لوگ سراب کو چشمہ آب حیوان سمجھنے لگتے ہیں۔

اگر ایک لمحہ کے لئے یہ مان بھی لیا جائے، اگرچہ ایسا ماننا حکم خداوندی کی صریح نافرمانی ہے، کہ فدک حضور کی ملکیت تھا اور وصال کے بعد ان املاک کی حیثیت ایسی تھی جو وارثوں میں بانٹ دی جاتی ہے تو پھر وراثت کا حق صرف حضرت سیدہ بتول سلام اللہ علی ابیہا وعلیہا کو کیسے پہنچتا ہے؟ اس میں تو سارے وارث حصہ دار ہوں گے۔ حضرت عباس، امہات المؤمنین اور دیگر ورثاء بھی شریک ہوں گے۔ صرف حضرت سیدہ کو وارث تسلیم کرنا اور باقی ورثاء کو محروم کردینا متعدد آیات قرآنی کی صریح خلاف ورزی ہے اور ہم سیدہ بتول کے بارے میں اس کا تصور تک نہیں کرسکتے۔

جب ان لوگوں کے یہاں بھی قدم نہیں جمتے اور مقصود برآتا دکھائی نہیں دیتا تو پھر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی حیات طیبہ میں ہی فدک کی وسیع وعریض املاک اپنی بیٹی کو ہبہ کردی تھیں اور انہوں نے اسے قبول کرلیا تھا اس لئے فدک وغیرہ کی

واحد حق دار حضرت سیدہ ہی تھیں۔ آپ غور فرمائیں کہ بارگاہ رسالت میں یہ کتنی بڑی گستاخی ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ معاذاللہ، حضور نے باقی تمام ورثاء کو محروم کرنے کے لئے فدک اپنی حیات طیبہ میں ہی حضرت سیدہ کو دے دیا اور دوسرے ورثاء کو محروم رکھا۔ اس گئے گزرے زمانے میں بھی اگر کوئی شخص ایسی بات کرتا ہے کہ اپنے ایک وارث کے نام اپنی ساری جائیداد کا انتقال کرا دیتا ہے اور باقی وارثوں کو محروم کر دیتا ہے تو اس کے عمل کو انتہائی مذموم اور صریح ظلم قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس کی اس بات سے سارے خاندان کا امن وسکون برباد ہو جاتا ہے۔ ان میں خونریزیوں اور مقدمہ بازیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ سوچئے! وہ نبی برحق جو آیا ہی ظلم وزیادتی کو مٹانے کے لئے تھا، جو آیا ہی عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے تھا، اس کی آمد کی برکت سے ٹوٹے ہوئے دل جڑ گئے، دریدہ قباؤں کے چاک رفو ہو گئے، خاندانی عداوتوں کے آتش کدے گلزار بن گئے۔ ایسے یمن وسعادت کے پیامبر کے بارے میں ایسا تصور تک کرنا بھی انتہائی رذالت اور کمینگی ہے۔ اہل بیت کی عقیدت کا روپ دھار کر ناموس نبوت پر حملہ آور ہونا کہاں کی ایمانداری ہے۔ اگر نبی نے خود نعوذ باللہ اپنے خاندان کے افراد میں ظلم وعداوت کا آغاز کیا تو ظلم وستم کی ستائی ہوئی مخلوق اپنے درد کا درماں کرنے اور اپنے زخموں پر مرہم لگوانے کہاں جائے؟

اسی طرح کئی دوسری باتیں بھی ہبہ کے دعوی کی تردید کرتی ہیں۔

فدک کا علاقہ جو بطور فئے حضور کے تصرف میں آیا، کوئی معمولی سا علاقہ نہ تھا۔ یہ ایک وسیع وعریض خطہ ہے جس میں زرخیز میدان اور شاداب باغات کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ بقول ملا باقر مجلسی، اس کی سالانہ آمدنی چوبیس ہزار دینار تھی۔ اس وقت کے حساب کے مطابق دو لاکھ چوبیس ہزار روپیہ۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ خطہ حضرت سیدہ کو ہبہ کر دیا تھا تو پھر آپ مدینہ طیبہ کی متمول اور دولت مند خواتین میں سرفہرست ہوں گی۔ حالانکہ عہد رسالت میں آپ کی عسرت اور تنگی گزران کے قصے زبان زد خاص وعام ہیں۔ آٹا خود اپنے دست مبارک سے چکی میں پیستیں، گھر میں جھاڑو خود دیتیں اور کھانا خود پکاتیں۔ حتیٰ کہ کبھی پانی کا بھرا ہوا مشکیزہ اپنے کندھوں پر اٹھا کر لاتیں۔ جس کی سالانہ آمدنی ڈھائی لاکھ روپیہ ہو وہ تو دس بیس کنیزیں خرید کر رکھ سکتا ہے۔ نیز یہ روایت بھی عند الفریقین مسلم

ہے کہ ایک دفعہ چند کنیزیں اور غلام بارگاہ رسالت میں لائے گئے اور حضرت علی کے ایماء پر حضرت سیدہ لونڈی مانگنے کے لئے حضور کی خدمت میں گئیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا، اے فاطمہ! اے میری لخت جگر! جب تک اہل صفہ کی ضرورتیں پوری نہ ہو جائیں، میں تمہیں لونڈی کیسے دے سکتا ہوں؟ البتہ تمہیں لونڈی سے بھی بہترین تحفہ پیش کرتا ہوں۔ جب سونے لگو تو تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کا ورد کر لیا کرو۔ اس کے علاوہ کئی بار ایسے مواقع آئے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے اپنے صحابہ کو خدمت دین کے لئے مال پیش کرنے کی دعوت دی اور ہر صحابی نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر بطیب خاطر مالی قربانی پیش کی، لیکن کسی روایت میں یہ موجود نہیں کہ حضرت سیدہ نے (ان کے قول کے مطابق) جن کی سالانہ آمدنی اڑھائی لاکھ روپے تھی، انہوں نے بھی کبھی اس میں حصہ لیا ہو۔ غزوۂ تبوک کا واقعہ تو بالاتفاق خیبر و فدک کی فتح کے وقت کا ہے، اس وقت یقیناً آپ اتنی بڑی جاگیر کی مالکہ تھیں۔ مسلمانوں کی مالی حالت مخدوش تھی۔ تبوک کی مہم اخراجات کا تقاضا کر رہی تھی۔ سید عالم ﷺ نے جہاد کی تیاری کے لئے مالی قربانی پیش کرنے کا جب اعلان کیا تو حضرت عثمان ہزاروں دینار لے آئے اور حضور کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے۔ حضور انہیں اپنی جھولی میں ڈال کر مسجد کے صحن میں پھرتے تھے اور حضرت عثمان کو دعاؤں سے نوازتے تھے۔ حضرت عمر اپنا نصف مال لے کر حاضر ہوئے اور حضرت صدیق کی شان ہی نرالی تھی، اپنا سارا اثاثہ اٹھایا اور اپنے آقا کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حتیٰ کہ اپنا لباس بھی اتارا اور بوری کا لباس پہنا۔ ان حضرات کے علاوہ دیگر صحابہ نے بھی ایثار و خلوص کے خوب مظاہرے کئے۔ لیکن کیا کوئی ایسی روایت ہمیں دکھا سکتے ہیں جس میں درج ہو کہ حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اس میں کوئی حصہ ڈالا ہو؟ ایسا بھی نہیں کہ صحابہ کرام کے چندوں کے بعد ضرورت نہ رہی ہو بلکہ قرآن تو صاف بتاتا ہے کہ بعض مجاہد میدان جنگ میں شرکت کے لئے حاضر ہوئے لیکن سواری کا انتظام نہ ہو سکا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُکُمْ عَلَیْہِ میرے پاس تمہاری سواری کے لئے کوئی جانور نہیں ہے۔ ناچار انہیں واپس ہونا پڑا۔ اس وقت ان کے رنج و غم کی یہ حالت تھی کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا (1)

"وہ لوٹے اس حال میں کہ ان کی آنکھوں سے اشک رواں تھے۔"

اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو حضرت سیدہ اتنی جاگیر کی مالکہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک پیسہ خرچ کرنے کی روادار نہ تھیں؟ اس بات کو کوئی ایماندار تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جس گھرانے سے دنیا نے جود و کرم اور بخشش و عطا کا سبق سیکھا ہو وہاں بخل و کنجوسی کا کیا گزر؟ دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور اس کے اہل بیت اطہار کو دنیا کی لذتوں سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ وہاں تو آخر دم تک کئی کئی دن فاقہ سے گزرتے رہے۔ کئی کئی ماہ چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ ان روشن حقائق کے سامنے کیا اس کذب و افتراء کا پردہ چاک نہیں ہو جاتا کہ حضور نے اپنی صاحبزادی کو تمام دوسرے حقداروں کو محروم کرتے ہوئے اتنی بڑی جاگیر ہبہ کر کے مالکہ بنا دیا۔ محبت کے بلند بانگ دعوؤں کے شور و غل میں ناموس مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء اور عظمت اہل بیت رضوان اللہ علیہم پر اس بے دردی اور بے خوفی سے شب خون ہمارے ان دوستوں کو ہی زیب دیتا ہے۔

اب آیئے! ان روایات کی طرف جن کا سہارا لے کر گلشن اسلام کے ان سدا بہار اشجار ثمر بار پر یورش کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں حضور کریم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت سیدہ، صدیق اکبر کے پاس گئیں اور میراث کا مطالبہ کیا اور یہاں تک کہا

اے ابو قحافہ کے بیٹے! آپ تو اپنے باپ کے وارث بنیں اور میں اپنے باپ کے ورثہ سے محروم رہوں؟ یہ بات قرین قیاس نہیں کہ حضور کی جدائی کا زخم ابھی تازہ ہو اور آپ نے حصول میراث کے لئے تگ و دو شروع کر دی ہو۔ نیز آپ کی شان سے بعید ہے کہ آپ خود بنفس نفیس عدالت صدیقی میں تشریف لے گئی ہوں اور دعوی دائر کیا ہو، جیسا کہ عام طور پر کم علم خیال کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے کسی آدمی کے ذریعے اپنے اس مطالبہ کو خلیفہ برحق کے گوش گزار کیا۔ امام بخاری کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَرْسَلَتْ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ تَسْئَلُهُ مِيْرَاثَهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

1۔ سورۃ التوبہ: 92

"یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ نے حضرت ابو بکر کے پاس آدمی بھیجا اور حضور کی میراث کا مطالبہ کیا۔"

اس تصریح کے بعد دوسرے مقامات پر جہاں مطالبہ کرنے کی نسبت خود حضرت سیدہ کی طرف کی گئی ہے، وہ مجاز متصور ہوگا۔

جب حضرت سیدہ کا پیغام حضرت صدیق اکبر کو پہنچا تو آپ نے جو جواب دیا وہ بھی امام بخاری کے الفاظ میں سن لیجئے:

فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَإِنِّي وَاللّٰهِ لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْ صَدَقَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهَا فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَعْمَلَنَّ فِيهَا كَمَا عَمِلَ فِيهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَشَهَّدَ عَلِيٌّ ثُمَّ قَالَ إِنَّا قَدْ عَرَفْنَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَضِيلَتَكَ وَ ذَكَرَ قَرَابَتَهُمْ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَقَّهُمْ فَتَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَرَابَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِي۔ (1)

"حضرت سیدہ کے جواب میں حضرت ابو بکر نے عرض کی، اللہ کے رسول نے ارشاد فرمایا "ہماری مالی وراثت نہیں ہوتی، جو مال ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور آل محمد اس مال سے کھا سکتی ہے" (ابو بکر نے کہا) بخدا! میں حضور کے صدقات میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا۔ جس طرح وہ عہد نبوت میں تھے ویسے ہی رہیں گے اور میں ان میں ایسا ہی کروں گا جس طرح ان میں رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔ سیدنا علی نے اس بات کی تصدیق کی اور فرمایا، اے ابو بکر! ہم آپ

1۔ امام بخاری، "جامع صحیح"، جلد 1، صفحہ 526

کی فضیلت و بزرگی کو جانتے ہیں۔ پھر آپ نے اس رشتہ داری کا ذکر کیا جو انہیں حضور کے ساتھ تھی اور ان کے حق کا ذکر کیا۔ حضرت صدیق اکبر نے یہ سن کر فرمایا، اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی سے کہیں زیادہ مجھے یہ محبوب ہے کہ اللہ کے رسول کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کروں۔"

آپ خود سوچئے! کہ اس جواب میں کوئی قابل اعتراض بات ہے؟ بے ادبی کا ادنیٰ شائبہ بھی اس میں پایا جاتا ہے جس سے اہل بیت کی حق تلفی کا گمان ہو سکتا ہو؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ آپ نے خاتون جنت کی خدمت میں یہ عرض کی کہ اللہ کے پیارے رسول، آپ کے ابا جان اور آقا و مولا کا ارشاد گرامی یہ ہے اور مجھ میں یہ تاب نہیں کہ میں ارشادات نبوی سے سرمو انحراف کر سکوں۔ آپ خود ہی انصاف فرمایئے کہ اس جواب میں کون سا جملہ قابل اعتراض ہے۔

بعض لوگ جوش اور شدت غضب میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت صدیق کی خود ساختہ ہے۔ انہوں نے فقط حضرت سیدہ کا حق غصب کرنے کے لئے یہ حدیث گھڑی ہے۔ حیرت ہے کہ ایسے بے سروپا کلمات زبان سے نکالتے ہوئے انہیں غضب خدا کا خوف یا جگ ہنسائی کی فکر نہیں ہوتی۔ یہ حدیث صرف حضرت صدیق سے ہی مروی نہیں۔ صرف کتب اہل سنت میں ہی مرقوم نہیں بلکہ صحابہ کی کثیر تعداد سے مروی ہے اور معترضین حضرات کی معتبر کتب حدیث میں بھی ائمہ اہل بیت سے منقول ہے۔ ملاحظہ فرمایئے: اصول کافی صفحہ 18 پر حضرت امام جعفر صادق حضور نبی کریم کا ارشاد گرامی روایت کرتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَّ لٰكِنْ اَوْرَثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَ مِنْهُ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، بے شک انبیاء دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ علم کو ورثہ میں دیتے ہیں۔ جس

نے ان کے علم سے حصہ لیا اسے بڑا وافر حصہ ملا۔"

دوسری روایت ملاحظہ فرمائیے:

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ شیر خدا اپنے فرزند ارجمند حضرت محمد بن حنفیہ کو ازراہ وصیت فرماتے ہیں:

وَتَفَقَّهْ فِي الدِّينِ فَإِنَّ الْفُقَهَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلٰكِنَّهُمْ وَرَّثُوا الْعِلْمَ وَمَنْ أَخَذَ مِنْهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔ (1)

"اے میرے فرزند! دین میں تفقہ حاصل کرو۔ کیونکہ فقہاء ہی انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ بے شک انبیاء دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ علم ورثہ میں دیتے ہیں اور جس نے علم نبوت سے کچھ حاصل کیا اس کو حظ وافر نصیب ہوا۔"

تیسری روایت ملاحظہ ہو۔ یہ حضرت امام جعفر صادق کا اپنا ارشاد ہے۔ اس سے حدیث نبوی کی تصدیق اور وصیت مرتضوی کی تصویب ہوتی ہے۔ حضرت امام نے فرمایا:

إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَذٰلِكَ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِرْهَمًا وَلَا دِينَارًا وَلٰكِنَّهُمْ أَوْرَثُوا أَحَادِيثَ مِنْ أَحَادِيثِهِمْ فَمَنْ أَخَذَ بِشَيْءٍ مِنْهَا فَقَدْ أَخَذَ حَظًّا وَافِرًا۔ (2)

"بے شک علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔ کیونکہ انبیاء درہم و دینار ورثہ میں نہیں چھوڑتے بلکہ وہ احادیث (احکام شریعت اور اسرار کتاب) ہی اپنی وراثت میں چھوڑ جاتے ہیں۔ پس جس شخص نے بحر علم سے کچھ حاصل کیا اس کو حظ وافر نصیب ہوا۔"

اہل سنت کی کتب میں یہ ارشاد نبوی کثیر التعداد صحابہ سے مروی ہے۔ بعض کے اسماء گرامی ذہن نشین کر لیجئے۔ حضرت حذیفہ بن یمان، زبیر بن عوام، عباس، علی، عمر، عثمان، عبدالرحمن، سعد بن ابی وقاص، ابودرداء اور ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم

1۔ "من لا یحضرہ الفقیہ"، جلد 2، صفحہ 326

2۔ "اصول کافی"، صفحہ 17

اجمعین۔ جب یہ بات نہیں بنی تو کہتے ہیں کہ یہ حدیث آیات قرآنی کے خلاف ہے کیونکہ قرآن میں ہے یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ (1) تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ وصیت کرتا ہے اور "کُم" میں نبی اور امتی دونوں داخل ہیں۔

اور حدیث صرف وہ معتبر ہوتی ہے جو قرآن کے مطابق ہو۔ بجا فرمایا آپ نے! مخالف قرآن حدیث معتبر نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا رسول قرآن کی تصدیق کے لئے تشریف لاتا ہے اس گی تردید و تکذیب کے لئے نہیں۔ اس لئے جو حدیث قرآن کی کسی آیت کے معارض ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا ارشاد نہیں ہو سکتی۔

لیکن میرے محترم! کبھی آپ نے قرآن کی تفسیر اور قرآن کی تغییر میں جو فرق ہے، اس پر بھی غور کیا؟ اگر بیٹا باپ کو قتل کرے، اگرچہ وہ اس کا بیٹا ہے لیکن اس آیت کی رو سے آپ اس کو وارث بنائیں گے؟ اگر کسی مسلمان کا بیٹا مرتد ہو جائے تو اس کا بیٹا ہونے میں شک نہیں، لیکن کیا وہ مرتد بیٹا اپنے باپ کا وارث ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان احادیث نے اس بات کی تفسیر کر دی کہ کون سا بیٹا اپنے باپ کا وارث ہو سکتا ہے اور کون سا نہیں۔ یہ احادیث آیات قرآنی کی مفسر ہیں مغیر یا ناسخ نہیں۔ اسی طرح کی ایک اور آیت میں غور کریں۔

ارشاد الٰہی ہے۔ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (2) کہ اللہ تعالیٰ نے بیع (خرید و فروخت) کو حلال کر دیا لیکن سود کو حرام قرار دیا۔ اگر اس آیت کو سند بناتے ہوئے کوئی شخص شراب، سور اور مردار کی خرید و فروخت اور کاروبار شروع کر دیتا ہے، کیا آپ اس کے استدلال کو صحیح مانیں گے؟ وہ احادیث جن میں ان حرام چیزوں کے کاروبار کو روکا، انہیں قرآن کی ناسخ اور مخالف گردان کر مسترد کر دیں گے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ آپ یہ فرمائیں گے کہ بیع حلال ہے لیکن ان احادیث میں جو معترضین حضرات کی کتب میں بھی روایت ائمہ معصومین میں منقول ہیں اس آیت کی مفسر ہیں نہ کہ ناسخ۔

نیز جہاں خطاب ہو وہاں ہر جگہ حضور اور امت دونوں مراد نہیں ہوا کرتے۔ بلکہ بعض مقامات پر صرف امت کو خطاب ہوتا ہے۔ مثلاً اسی آیت سے چند سطر پہلے ارشاد ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ

1۔ سورہ النساء: 11

2۔ سورہ البقرۃ: 275

لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (1)

اس آیت میں مخاطبین کو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے لیکن ان میں حضور داخل نہیں کیونکہ حضور کو نو تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے۔ یہاں معترضین حضرات فرماتے ہیں کہ انبیاء کے اموال میں اگر احکام وراثت جاری نہیں ہوتے تو پھر وراثت سلیمان و داوٗد کا کیا مطلب ہوگا؟ اور کیا سلیمان علیہ السلام، داوٗد علیہ السلام کے وارث نہ بنے؟ نیز حضرت زکریا علیہ السلام کیوں یہ دعا مانگتے رہے:

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۚ (2)

"پس بخش دے مجھے اپنے پاس سے ایک وارث۔ جو وارث بنے میرا اور وارث بنے یعقوب (علیہ السلام) کے خاندان کا۔"

اس کے متعلق گزارش ہے کہ پہلی آیت میں جس وراثت کا ذکر ہے وہ داوٗد علیہ السلام کی مالی وراثت نہیں بلکہ کتاب و شریعت کی وراثت ہے۔ کیونکہ مال کی وراثت کا ذکر ہوتا تو آپ کے دوسرے اٹھارہ بھائی بھی آپ کے ساتھ برابر کے حصہ دار ہوتے۔ صرف ایک بیٹے کو اپنی جائیداد دے دینا اور اس کے باقی بھائیوں کو سرے سے محروم کر دینا شان نبوت کے سراسر خلاف ہے۔ اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام اپنے بیٹے کے لئے دامن طلب پھیلا کر دعا مانگا کرتے تھے جو ان کی نبوت کی ذمہ داریوں اور علوم و حکمت کا وارث ہو ورنہ ان کے پاس اپنے خزانے کہاں تھے، جن کے لئے وہ اتنے بے چین رہتے ہوں؟ اور یعقوب علیہ السلام کو گزرے تو صدیاں بیت چکی تھیں اور ان کے بارہ فرزند تھے۔ ہر ایک فرزند کی کثیر اولاد تھی اور ان صدیوں میں ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی ہوگی۔ اگر کوئی بہت بڑا خزانہ حضرت یعقوب نے چھوڑا ہوگا تو وہ تقسیم در تقسیم ناپید ہو چکا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت زکریا علیہ السلام آل یعقوب کی وراثت، جس کے لئے آپ التجا کر رہے ہیں وہ نبوت کے فرائض اور علوم و حکمت کے جواہر آبدار ہیں جن کے ضائع ہونے کا ان کو اندیشہ رہا کرتا تھا اور جو ان کے نزدیک دنیا کے تمام خزانوں سے زیادہ بیش بہا تھا۔

1۔ سورہ نساء: 3

2۔ سورہ مریم: 5-6

آخر میں یہ فقیر بخاری شریف کی ایک حدیث کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہے جسے بکثرت اچھالا جاتا ہے اور سادہ لوح لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرائی جاتی ہے کہ حضرت سیدہ، حضرت صدیق اکبر پر ناراض ہو گئیں اور عمر بھر کے لئے ان سے قطع تعلق کر لیا۔

بخاری شریف میں پانچ مرتبہ فدک کا تذکرہ آیا ہے۔ بخاری شریف کی جلد اول کے صفحہ 526 پر درج حدیث کے الفاظ بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ ورق الٹ کر ایک بار پھر یاد تازہ کر لیجئے (☆) اس میں حضرت سیدہ کی ناراضگی کا کوئی ذکر نہیں بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ صدیق اکبر کے موقف کی تصدیق کرتے ہیں، ان کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں اور صدیق اکبر آخر میں یہ کہتے ہیں کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے حضور کے رشتہ دار مجھے اپنے رشتہ داروں سے کہیں زیادہ عزیز ہیں۔ اسی طرح جلد دوم کے صفحہ 575 پر حدیث مذکور ہے جس میں صراحت سے ذکر ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان املاک کو حضرت علی اور حضرت عباس کے تصرف میں اس شرط پر دیا تھا کہ وہ ان سے حاصل ہونے والی آمدن کو اس طرح خرچ کریں گے جس طرح حضور نبی کریم ﷺ اور ابو بکر صدیق خرچ کیا کرتے تھے۔ بعد میں یہ ساری املاک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قبضہ میں آئیں۔ پھر آپ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن اور ان کے بعد حضرت امام حسین کے قبضہ میں رہیں اور یہ حضرات اپنے اپنے اوقات میں اس آمدنی کو سنت نبوی کے مطابق صرف کرتے رہے۔ حضرت سیدنا امام حسین کی شہادت کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت علی زین العابدین اور حضرت امام حسن بن علی کے صاحبزادے حسین دونوں ان کا باری باری انتظام کرتے رہے۔ پھر زید بن حسن کو یہ خدمت تفویض کی گئی۔

فَكَانَتْ هٰذِهِ الصَّدَقَةُ بِيَدِ عَلِيٍّ مَنَعَهَا عَلِىٌّ عَبَّاسًا
فَغَلَبَهٗ عَلَيْهَا ثُمَّ كَانَ بِيَدِ حَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ ثُمَّ بِيَدِ
حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ثُمَّ بِيَدِ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ وَحَسَنٍ
كُلٌّ يِّهِمَا يَتَدَاوَلَانِهَا ثُمَّ بِيَدِ زَيْدِ بْنِ حَسَنٍ۔ (1)

اس حدیث میں کہیں بھی حضرت سیدہ کی ناراضگی کا ذکر نہیں۔ بلکہ یہاں سے پتا چلتا

☆ ملاحظہ کیجئے صفحہ 110

1۔ "صحیح البخاری"، جلد 2، صفحہ 575

ہے کہ حضرت عمر نے ان علاقوں کا انتظام حضرت علی مرتضیٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ اور یہ سلسلہ چلتا رہا اور مذکورہ بالا حضرات اس کی آمدن کو سنت نبوی کے مطابق صرف کرتے رہے۔ انہوں نے بھی اس کی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ اگر یہ ورثہ ہوتی تو حضرت سیدہ کے سارے وارثوں میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم ہو جاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ ان حضرات کے مسلسل عمل نے حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم کے اس فیصلہ پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ دل میں اگر خوف خدا موجود ہے تو انہیں قطعاً ان حضرات پر زبان طعن دراز کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ سماعت فرمائیے:

عباسی خلیفہ سفاح جب پہلا خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہوا تو ایک آدمی جس نے اپنے گلے میں قرآن مجید حمائل کر رکھا تھا، کہنے لگا:

أَنَا شِدُكَ اللهَ اِلَّا حَكَمْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَصْمِيْ بِهٰذَا الْمُصْحَفِ۔

"اے خلیفہ! میں تجھے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر التجا کرتا ہوں کہ میرے درمیان اور میرے دشمن کے درمیان اس قرآن کی رو سے فیصلہ کرو۔"

خلیفہ نے پوچھا: تمہارا دشمن کون ہے؟ کہنے لگا: اَبُوْبَكْرٍ فِيْ مَنْعِهٖ فِدْكًا ابو بکر میرا دشمن ہے جس نے فدک اہل بیت کو نہیں دیا۔ سفاح نے پوچھا: اَظَلَمَكَ کیا ابو بکر نے تم پر ظلم کیا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ اس طرح پھر عثمان کے بارے میں گفتگو ہوئی اور اس نے کہا کہ عثمان نے بھی مجھ پر ظلم کیا۔ خلیفہ نے پوچھا: کیا علی نے بھی تم پر ظلم کیا۔ اب اس پر سکتہ طاری ہو گیا اور اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ عملی طور پر حضرت علی مرتضیٰ اور ائمہ اہل بیت نے بھی وہی کچھ کیا جو صدیق اور عمر فاروق نے کیا تھا۔ نہ اس زمین میں تبدیلی کی نہ اس زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی میں کسی قسم کا ردوبدل کیا اور نہ کسی کیلئے از راہ وراثت مالکانہ حقوق تسلیم کئے۔ تو پھر بے انصافی کی حد ہے کہ آپ ان حضرات کو تو کچھ نہ کہیں اور اپنا سارا غصہ حضور کے پیارے اور محبوب اور وفا شعار ساتھیوں پر نکالیں جن کا جرم محض یہ ہے کہ انہوں نے سنت نبوی سے انحراف نہ کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ صرف ان کا تو یہ جرم نہیں ورنہ اس جرم میں تو کئی اور حضرات بھی شریک ہیں جن سے یہ لوگ اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ ابو بکر اور عمر کا اصلی قصور جسے وہ کسی قیمت پر معاف نہیں کر سکتے وہ یہ ہے

کہ انہوں نے مشرق و مغرب میں اسلام کا نام بلند کیا، آتش کدے سرد کر دیئے، صلیبوں کو سرنگوں کر دیا۔ شام کے لالہ زاروں اور ایران کے مرغزاروں سے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ" کی دل گداز صدائیں بلند ہونے لگیں۔

اسی طرح بخاری شریف کی دوسری احادیث میں حضرت سیدہ کے غصے اور ناراضگی کا کہیں ذکر نہیں بلکہ ایک حدیث جو جلد اول کے صفحہ 435 پر مذکور ہے وہ غور طلب ہے:

عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے انہیں بتایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور کی وفات کے بعد ابو بکر سے میراث کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابو بکر نے حضور کی حدیث پیش کی لَا نُورِثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ اور پھر معذرت خواہی کرتے ہوئے گزارش کی:

لَسْتُ تَارِكًا شَيْئًا كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْمَلُ بِهٖ إِلَّا أَنِّي عَمِلْتُ بِهٖ فَإِنِّي أَخْشَىٰ إِنْ تَرَكْتُ شَيْئًا مِنْ أَمْرِهٖ أَنْ أَزِيْغَ۔ (1)

"یعنی میں کسی چیز کو ترک نہیں کر سکتا، جس پر حضور کا عمل تھا مگر میں اس پر عمل کروں گا۔ کیونکہ مجھے یہ خوف ہے کہ اگر میں نے حضور کے کسی عمل کو چھوڑا تو مجھ میں کجی پیدا ہو جائے گی۔"

کتنی صاف بات ہے اور کس حسین انداز سے اپنی معذوری کا اظہار کیا گیا ہے۔ آپ کی ساری زندگی اتباع سنت کا زندہ ثبوت ہے۔

اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

فَغَضِبَتْ بِنْتُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَجَرَتْ أَبَا بَكْرٍ وَلَمْ تَزَلْ مُهَاجِرَتَهٗ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ۔ (2)

"کہ حضرت سیدہ، ابو بکر صدیق کی اس بات پر ناراض ہو گئیں اور صدیق اکبر سے قطع تعلق کر لیا۔ یہ قطع تعلقی آپ کے وصال تک جاری رہی۔"

ان الفاظ میں غور طلب چند امور ہیں۔ کیا یہ حضرت سیدہ کا قول ہے کہ میں ابو بکر پر

1۔ "بخاری شریف"، جلد 1، صفحہ 435

2۔ ایضاً

ناراض ہوں، ہرگز نہیں اور نہ ہی حضرت عائشہ کا قول ہے بلکہ ان کے بعد کے راویوں میں سے کسی راوی نے اپنے خیال کے مطابق قیاس آرائی کی۔ لیکن یہ قیاس آرائی شان بتول کے سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپ کے سامنے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا قول پیش کیا جائے اور آپ اسے بخوشی قبول نہ کریں بلکہ الٹا ناراضگی کا اظہار کریں۔ آپ ذرا قرآن کریم کی اس آیت پر غور کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (1)

"اے میرے محبوب! تیرے رب کی قسم! وہ لوگ مسلمان ہو ہی نہیں سکتے یہاں تک کہ وہ اپنے متنازعہ امور میں آپ کو حکم تسلیم نہ کریں اور جو آپ فیصلہ فرمادیں، اس کے بارے میں ان کے دل میں ناگواری کا کوئی اثر نہ ہو اور وہ آپ کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرلیں۔"

جب ایک عام انسان پر لازم ہے کہ وہ حضور کے فیصلے کے سامنے بلا چون وچرا سپر انداز ہو جائے اور اس کے بارے میں کسی قسم کا ملال دل میں نہ لائے تو حضرت خاتون جنت کے متعلق کہنا کہ آپ ارشاد نبوی سن کر ایسی خشم ناک ہو گئیں کہ قطع تعلق کرلیا۔ ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ راوی کا یہ بیان ہے کہ نیک سے نیک آدمی بھی غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور سے واپس آئے اور اپنی قوم کو بچھڑے کی پرستش کرتے ہوئے دیکھا تو غصے سے بے قابو ہوگئے اور یہ خیال کیا کہ شاید اس میں ہارون کی غفلت کا دخل ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں تھا۔ تو اس طرح کی غلط فہمیاں جب اکابر سے ہو جاتی ہیں تو راوی حدیث بے شک عادل اور ثقہ کیوں نہ ہو، اس قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو جائے تو قطعاً بعید از فہم نہیں۔ لیکن اگر ان الفاظ کو حقیقت پر محمول کیا جائے تب بھی ایسی روایات بکثرت موجود ہیں جن سے حضرت سیدہ کی خوشنودی کا ثبوت ملتا ہے۔ صرف ایک قول پر ہی اکتفاء کرتا ہوں۔

علامہ کمال الدین میثم البحرانی "شرح نہج البلاغہ" میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت سیدہ کی گفتگو سن کر صدیق اکبر نے کہا:

1۔ سورۃ نساء 65

يَا خِيَرَةَ النِّسَاءِ وَابْنَةَ خَيْرِ الْآبَاءِ وَاللهِ مَا عَدَوْتُ رَأْيَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا عَمِلْتُ إِلَّا بِأَمْرِهٖ۔

"اے خواتین عالم کی سردار! اے تمام باپوں کے تاجدار کی لخت جگر، خدا کی قسم! میں نے حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے سے ذرا تجاوز نہیں کیا۔ میں نے وہی کیا جس کا حضور نے حکم دیا۔"

اس کے بعد آپ نے عرض کیا:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ مِنْ فَدَكٍ قُوْتَكُمْ يُقَسِّمُ الْبَاقِيْ وَيَحْمِلُ مِنْهُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَعَلَى اللهِ أَنْ أَصْنَعَ بِهَا كَمَا كَانَ يَصْنَعُ فَرَضِيَتْ وَبِذٰلِكَ أَخَذَتِ الْعَهْدَ عَلَيْهِ بِهٖ (1)

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فدک سے ضروریات زندگی (خوراک) لیا کرتے تھے۔ اور باقی کو مستحقین میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور مجاہدین کو سواریاں اسی سے مہیا فرماتے۔ اور میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر اس بات کا وعدہ کرتا ہوں کہ میں بھی وہی کچھ کروں گا جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیا کرتے تھے۔ یہ سن کر آپ راضی ہو گئیں۔ اور اس بات پر عمل پیرا رہنے کا پورا وعدہ کر لیا۔"

اس کے بعد علامہ کمال الدین لکھتے ہیں جس سے امام بخاری کی بھی تصدیق ہوتی ہے۔

وَكَانَ يَأْخُذُ فَيْدَ فَعُ غَلَّتَهَا إِلَيْهِمْ مِنْهَا مَا يَكْفِيْهِمْ ثُمَّ فَعَلَتِ الْخُلَفَاءُ بَعْدَ كَذٰلِكَ۔ (2)

یعنی حضرت ابو بکر صدیق کا یہ معمول تھا کہ فدک وغیرہ کا غلہ اہل بیت کے افراد میں حسب ضرورت تقسیم کرتے۔ آپ کے بعد آنے والے خلفاء بھی اسی طرح کرتے رہے۔

جب ان حقائق کا آپ نے مطالعہ فرما لیا تو حضرت ابو بکر صدیق پہ لگائے جانے والے الزام کی مکمل طور پر بیخ کنی ہو گئی۔ اور اسی طرح حضرت فاروق اعظم کی ذات اقدس واطہر پر جو بہتان تراشی کی جاتی تھی اس کا بھی نام و نشان نہ رہا۔

1-2۔ العلامہ کمال الدین میثم البحرانی، (679ھ)، "شرح نہج البلاغۃ"، طہران، مؤسسۃ النصر، 1378ھ، جلد 5، صفحہ 107

دلائل النبوۃ (معجزات)

غزوۂ خیبر کے ایام میں حضور ﷺ سے متعدد معجزات کا ظہور ہوا جو اس بات کے روشن دلائل تھے کہ حضور نبی برحق ہیں۔ بعض کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اور چند ایک معجزات کا ذکر کرنے کی اب سعادت حاصل کر رہا ہوں:۔

1۔ یزید بن ابی عبید کہتے ہیں کہ میں نے سلمہ بن اکوع کی پنڈلی میں زخم کا ایک نشان دیکھا۔ میں نے کہا، اے ابو مسلم! یہ چوٹ آپ کو کیسے لگی؟ انہوں نے کہا، یہ چوٹ جنگ خیبر میں مجھ کو لگی تھی اور یہ اتنی شدید تھی کہ لوگوں نے کہا کہ سلمہ کے بچنے کی اب کوئی صورت نہیں، سلمہ کی وفات اب یقینی ہے۔ اس حالت میں میں اپنے آپ کو ہو ابار گاہ رسالت میں لے آیا اور آکر اس زخم کے بارے میں عرض کیا۔ رحمت عالم ﷺ نے تین مرتبہ دم فرمایا۔ چشم زدن میں اسی لحظہ اللہ تعالیٰ نے صحت کاملہ عطا فرمائی۔ (1)

2۔ نبی کریم کا فرمانا کہ فلاں آدمی جہنمی ہے۔

سہیل بن سعید روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کی مشرکین سے جنگ ہوئی۔ خوب گھمسان کا رن پڑا۔ مسلمانوں کی طرف سے ایک شخص کفار پر بڑی شدت سے حملہ کرتا تھا۔ جہاں بھی اسے کوئی مشرک دکھائی دیتا تو وہ اس کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ اس کی شجاعت اور بہادری سے متاثر ہو کر لوگوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! آج جس جرأت و بسالت کا مظاہرہ فلاں شخص نے کیا ہے کوئی شخص اس کی ہمسری کا دعوی نہیں کر سکتا۔ حضور نے فرمایا لیکن وہ شخص تو دوزخی ہے۔ یہ بات سن کر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ کہنے لگے، اگر یہ شخص جہنمی ہے تو ہم میں سے اور کون ہے جو جنت کا مستحق ہو؟ لیکن ایک شخص نے کہا کہ یہ شخص اس حالت پر باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ اس نے اس کا تعاقب شروع کیا۔ جب وہ تیزی سے دشمن پر جھپٹتا تو وہ شخص بھی تیزی سے اس کے پیچھے بھاگتا۔ اگر وہ دیر سے حملہ کرتا یا آہستہ تو یہ شخص بھی آہستہ آہستہ اس کے پیچھے جاتا۔ یہاں تک کہ دشمن نے اس کو زخمی کر دیا۔ اس زخم کے درد نے اسے نڈھال کر دیا اور وہ اس پر صبر نہ کر سکا۔ اس نے اپنی تلوار زمین میں گاڑی اور اس کی دھار اپنے سینہ میں چبھو دی اور اس پر اپنا زور ڈال کر

1۔ "صحیح بخاری"، جلد 2، کتاب المغازی، باب غزوۂ خیبر، صفحہ 605

اپنا خاتمہ کر دیا۔ وہ شخص جو اس کا تعاقب کر رہا تھا جب اس نے یہ منظر دیکھا تو دوڑ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ عرض کرنے لگا اَشْهَدُ اَنَّكَ لَرَسُوْلُ اللهِ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ حضور نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے سارا واقعہ سنایا۔ نبی کریم نے ارشاد فرمایا، بسا اوقات کوئی شخص جنتیوں کا سا عمل کرتا ہے حالانکہ وہ جہنمی ہوتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات کوئی شخص بظاہر جہنمیوں کا فعل کرتا ہے اور حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے۔(1)

غزوۂ وادی القریٰ

خیبر کے گردونواح میں یہودیوں کی کئی اور آبادیاں تھیں۔ ان لوگوں کو بھی اپنی قوت و کثرت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ خیبر کے یہودیوں کی شکست کے باوجود وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ مسلمانوں کو بآسانی شکست دے سکتے ہیں۔ سرور عالم ﷺ خیبر فتح کرنے سے فارغ ہوئے تو مدینہ طیبہ کی طرف واپسی کا سفر شروع کیا۔ اس اثناء میں حضور کا گزر وادی القریٰ سے ہوا۔ یہ وادی مدینہ منورہ اور شام کے درمیان میں واقع ہے۔ یہ وادی بڑی وسیع تھی۔ یہودیوں کے بہت سے گاؤں اس میں آباد تھے۔ اس کی ایک جانب خیبر تھا اور دوسری جانب تیماء کی بستی تھی۔ یہاں کے سارے باشندے بھی یہودی تھے۔ لشکر اسلام جب ان کے قریب سے گزرا تو عصر کا وقت تھا، سورج غروب ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ نبی مکرم ﷺ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ لیکن انہوں نے اس دعوت کو مسترد کر دیا اور جنگ کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ ان کے نواح میں بدو قبائل بستے تھے وہ بھی مسلح ہو کر ان کی امداد کے لئے آگئے۔ وہ لوگ لشکر اسلام کی قوت کا اندازہ نہ لگا سکے جس نے ابھی چند روز پہلے خیبر کے یہودیوں کو شکست فاش دی تھی، جو ان سے بدرجہا قوی اور طاقتور تھے۔

ان کی جنگی تیاریوں کے پیش نظر رحمت عالم ﷺ نے اسلام کے جاں باز مجاہدوں کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ ارشاد نبوی سنتے ہی سب مسلمان پوری طرح مسلح ہو کر صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسلامی پرچم حضرت سعد بن عبادہ کو عطا فرمایا۔ ان کے علاوہ ایک جھنڈا حباب بن منذر کو، دوسرا سہل بن حنیف کو اور تیسرا عباد بن بشر رضی اللہ عنہم کو مرحمت فرمایا۔ لشکر اسلام کی صف

1۔ ایضاً

بندی کے بعد رحمت عالم ﷺ نے آگے بڑھ کر انہیں پھر دعوت دی کہ وہ اسلام قبول کرلیں، نیز یہ بھی انہیں بتایا کہ اگر وہ اسلام قبول کرلیں گے تو ان کی جانیں اور اموال سب محفوظ ہو جائیں گے۔ لیکن انہوں نے اس داعی حق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دعوت کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اعلان جنگ کر دیا اور ان کو اپنے حصار میں لے لیا۔ چار روز تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ ایک روز ان کا ایک پہلوان تلوار لہراتا ہوا میدان میں نکلا اور هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ کا نعرہ لگایا۔ حضرت زبیر بن عوام نے اس کا چیلنج قبول کیا اور اپنی شمشیر آبدار سے ایک وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد ان کا ایک اور پہلوان للکارتا ہوا میدان میں اترا۔ سیدنا علی مرتضی نے آگے بڑھ کر چشم زدن میں اس کا سر قلم کر دیا۔ یکے بعد دیگرے ان کے گیارہ پہلوان نعرے لگاتے ہوئے اور مسلمانوں کو للکارتے ہوئے میدان میں نکلے۔ ان ساری لومڑیوں کو اللہ اور اس کے رسول کے شیروں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جب بھی ان کا کوئی پہلوان کسی مجاہد کے ہاتھوں لقمہ اجل بنتا تو حضور پر نور ﷺ مشرکین کو از سر نو اسلام قبول کرنے کی دعوت دے کر ان کے لئے توبہ کا دروازہ کھول دیتے لیکن ان اندھوں اور بہروں کو دین حق کو قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ دوسرے روز صبح سویرے ابھی سورج نیزہ برابر بلند ہوا ہو گا کہ انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ (1)

"سبل الہدیٰ والرشاد" کے فاضل مصنف علامہ محمد بن یوسف صالحی نے اس کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کیا ہے۔ وہ بھی سماعت فرمائیے:

"رسول مکرم ﷺ خیبر سے واپسی کے وقت "الصہباء" نامی بستی کے پاس سے گزرے۔ پھر برمہ نامی گاؤں سے گزرتے ہوئے وادی القریٰ میں تشریف لائے۔ "حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ:

رفاعہ بن زید جزامی نے ایک سیاہ فام غلام حضور کی خدمت اقدس میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ اسی کا نام "مدعم" تھا۔ اس کے ذمہ یہ خدمت سپرد ہوئی کہ وہ سرکار دو عالم ﷺ کی ناقہ پر کجاوہ وغیرہ درست کرتا۔ ایک روز مدعم، حضور کی ناقہ پر کجاوہ کس رہا تھا تو اچانک ایک تیر آیا اور اس کے جسم میں پیوست ہو گیا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ صحابہ نے یہ دیکھ کر نعرہ لگایا

1۔ محمد ابو زہرہ، "خاتم النبیین" بیروت دار الفکر، جلد 2، صفحہ 904-903

هَنِيْئًا لَهُ الْجَنَّةُ اسے جنت مبارک ہو۔ اللہ کے پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

كَلَّا وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِىْ أَخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْغَنَائِمِ لَمْ يُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ تَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا (1)

"ہرگز ایسا نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اس نے خیبر کے موال غنیمت سے ان کی تقسیم سے پہلے جو چادر اچک لی تھی وہ آگ بن کر اس پر بھڑک رہی ہے۔"

لوگوں نے جب حضور کا یہ ارشاد گرامی سنا تو سب لرز گئے۔ جس نے کوئی معمولی سی چیز بھی لی تھی وہ بھی واپس کر دی۔ ایک شخص نے چمڑے کی ودھری (ایک یا دو) لی تھیں وہ بھی واپس کر دیں۔

مدعم کو تیر سے گھائل کر کے انہوں نے جنگ کا آغاز کر دیا۔ نبی مکرم ﷺ نے بھی اپنے صحابہ کو صف بندی کا حکم دیا اور مختلف آزمودہ کار صحابہ کو پرچم عطا فرمائے۔ لشکر اسلام کا علم حضرت سعد بن عبادہ کو مرحمت فرمایا، ان کے علاوہ حضرات حباب بن منذر، سہل بن حنیف اور عباد بن بشر کو بھی پرچم عطا فرمائے۔ یہ انتظام کرنے کے بعد نبی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہاں کے یہودیوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور انہیں یہ بھی بتایا کہ اگر وہ ایمان لے آئے تو ان کی جانوں اور اموال کی حفاظت کی ضمانت دی جائے گی لیکن شور بختوں کی قسمت میں ایمان لانے کی سعادت نہ تھی۔ انہوں نے اپنا ایک بہادر میدان میں بھیجا۔ اس نے هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ کا نعرہ لگا کر مجاہدین اسلام کو للکارا۔ حضرت زبیر بن عوام نے اس کی للکار پر لبیک کہتے ہوئے اس پر اپنی شمشیر خارا شگاف سے وار کیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان کا دوسرا بہادر دعوت مبارزت دینے کے لئے سامنے آیا تو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے آگے بڑھ کر وار کیا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ ان کے تیسرے بہادر کے چیلنج پر حضرت ابودجانہ سامنے آئے اور چشم زدن میں اس کو واصل جہنم کر دیا۔ ان کے چوتھے پہلوان کو بھی حضرت ابودجانہ کی تلوار نے خاک و خون میں تڑپا دیا۔ یہاں تک کہ ان کے گیارہ بہادروں کو مجاہدین اسلام نے یکے بعد دیگرے موت کی نیند سلا دیا۔

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 229

جب بھی ان کا کوئی بہادر موت کے گھاٹ اتار اجاتا تو نبی رحمت ﷺ انہیں دین حق قبول کرنے کی دعوت دیتے۔ اثنائے جنگ جب بھی نماز کا وقت آجاتا تو امام الانبیاء والمرسلین ﷺ مجاہدین کے ساتھ باجماعت نماز ادا فرماتے اور ان کے لئے در توبہ کھولتے ہوئے دین حق قبول کرنے کی انہیں دعوت دیتے۔ جنگ و قتال کا یہ سلسلہ غروب آفتاب تک جاری رہا۔ جب دوسرے روز صبح طلوع ہوئی تو ابھی سورج نیزہ برابر اونچا ہوا تھا کہ ان کے حوصلوں نے گھٹنے ٹیک دیئے اور ان لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنی شکست تسلیم کرلی۔ اس طرح سرور عالمیان ﷺ نے بزور شمشیر ان پر فتح حاصل کرلی۔ مسلمانوں کو بطور غنیمت بے شمار مال و دولت کے علاوہ قیمتی گھریلو ساز و سامان کی ایک کثیر مقدار ہاتھ آئی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے چار روز تک وادی القریٰ میں قیام فرمایا اور سارا مال غنیمت اپنے مجاہد صحابہ میں تقسیم کردیا۔ لیکن از راہ کرم ان کی زرخیز زمینیں اور سرسبز و شاداب نخلستانوں سے انہیں بے دخل نہیں کیا۔ بلکہ وہ ان کے قبضہ میں رہنے دیئے اور ان شرائط پر انہی کو وہاں کھیتی باڑی کرنے کی اجازت دی جن شرائط پر اہل خیبر کو اپنی زمینوں میں آباد رہنے کا اذن دیا تھا۔

سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت عمرو بن سعید بن العاص کو وہاں کا والی مقرر فرمایا اور حضرت جمرہ بن ہوذہ کو جاگیر عطا فرمائی۔ (1)

تیماء

خیبر اور وادی القریٰ پر اسلامی تسلط قائم ہونے کے بعد بلاد عرب میں یہودیوں کے اقتدار کا جنازہ نکل گیا۔ صرف ایک بستی باقی رہ گئی جہاں یہودی آباد تھے۔ اس بستی کا نام تیماء تھا۔ یہ شام اور مدینہ طیبہ کے درمیان مدینہ طیبہ سے سات منزل کے فاصلہ پر واقع تھی۔ (2)

یہاں کے باشندوں کو جب معلوم ہوا کہ خیبر اور وادی القریٰ کے یہودیوں نے لشکر اسلام کا مقابلہ کیا لیکن ہر دو کو شرمناک شکست سے دوچار ہونا پڑا تو انہیں یقین ہو گیا کہ وہ حضور نبی مکرم ﷺ سے جنگ کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔ ان کی سلامتی اسی میں ہے کہ وہ

1۔ ایضاً

2۔ محمد رضا، "محمد رسول اللہ"، صفحہ 284، "تاریخ خمیس"، جلد 2، صفحہ 58

جزیہ ادا کرنا قبول کر کے سرکار دو عالم ﷺ سے صلح کی درخواست کریں۔ چنانچہ نبی رحمت ﷺ نے ان کی پیشکش قبول فرمالی۔ ان پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک فرمادیا۔ ان کے رہائشی مکانات، ان کی زرعی زمینیں اور باغات انہیں کے قبضہ میں رہنے دیئے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ اپنی زمینوں کا خراج اور حسب ضابطہ فی کس جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔

جزیہ

ایک ٹیکس ہے جو اسلامی مملکت کے غیر مسلم شہریوں سے وصول کیا جاتا ہے جو اسلامی مملکت کی بالادستی کو قبول کرتے ہوئے ایک پرامن شہری کی طرح وہاں آباد ہونے کا معاہدہ کریں۔

دشمنان اسلام نے جزیہ کی وجہ سے اسلامی نظام سیاست پر اعتراضات کی بوچھاڑ کی ہے اور اسلام کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں غلط تصورات پیدا کرنے کی ناپاک مساعی کی ہیں۔ اس لئے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ جزیہ کے بارے میں تفصیل سے لکھا جائے تاکہ معترضین کے اعتراضات کا اطمینان بخش جواب دیا جاسکے اور اسلام کے اس بے عدیل نظام کے بارے میں ساری غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جاسکے۔

اسلامی مملکت کے باشندوں کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1۔ مسلم رعایا۔

2۔ غیر مسلم رعایا۔

غیر مسلم رعایا کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے جنگ کئے بغیر صلح کی اور صلح نامہ کے مطابق اسلامی مملکت کی شہریت قبول کرلی۔ دوسری قسم ان غیر مسلموں کی ہے جنہوں نے جنگ میں شکست کھانے کے بعد گھٹنے ٹیکے اور مملکت اسلامیہ میں پرامن شہری کی حیثیت سے سکونت پذیر ہوگئے۔ ان دونوں قسموں کو آسانی کے لئے ہم اہل ذمہ کے نام سے یاد کر سکتے ہیں۔

مملکت اسلامیہ میں سکونت پذیر ان تینوں طبقات کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ یہ ذمہ داری صرف قول کی حد تک نہیں بلکہ عملی طور پر ان سے عہدہ برآ ہونا اسلامی مملکت کا دینی فریضہ ہے۔ مسلمانوں کے بارے میں

حضور نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو تاریخ ساز خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس کا ایک جملہ ذکر کرنے پر اکتفاء کروں گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرفات کے میدان میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جم غفیر کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ إِلَى أَنْ تَلْقَوْا رَبَّكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَحُرْمَةِ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْئَلُكُمْ عَنْ عَمَلِكُمْ۔ (1)

"اے لوگو! تمہارے خون، تمہارے اموال، تمہاری عزتیں، تم پر اسی طرح قابل احترام ہیں جس طرح یہ حرمت والا دن، یہ حرمت والا مہینہ، تمہارے اس مقدس شہر میں لائق صد عزت و تکریم ہے (اور یہ حرمت عارضی نہیں بلکہ یہ اس وقت تک برقرار رہے گی جب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے) بے شک تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں باز پرس کرے گا۔"

رہی غیر مسلم رعایا، تو ان کے مال، جان اور آبرو کی حفاظت کے لئے اس ہادی برحق ﷺ نے جو تاکیدی ارشادات فرمائے ہیں ان کی فصاحت و بلاغت اور زور بیان سے پتھر دل بھی پسیج جاتے ہیں اور رعونت سے اکڑی ہوئی گردنیں بھی جھک جاتی ہیں۔

ان گنت فرامین میں سے چند پیش خدمت ہیں:

۱۔ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ایک صحابی حضرت عبد اللہ بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہل ذمہ سے جزیہ وصول کرنے کے لئے متعین فرمایا۔ جب وہ بارگاہ رسالت سے رخصت لے کر روانہ ہوئے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے انہیں اپنے پاس بلایا اور ارشاد فرمایا:

فَقَالَ أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوِ انْتَقَصَهُ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسِهِ فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (2)

1۔ [illegible] 1346ھ، صفحہ 150

2۔ [illegible] 182 [illegible]

"اے عبداللہ! کان کھول کر میری بات سن لو۔ جس نے بھی کسی معاہد (اہل ذمہ) پر ظلم کیا، یا اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دی، یا اسے نقصان پہنچایا، یا اس کی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو قیامت کے روز میں اس کا گریبان پکڑوں گا۔"

خود غور فرمائیے کہ وہ شخص جو سرور عالم ﷺ کو اپنا نبی اور ہادی یقین کرتا ہے کیا وہ برداشت کر سکتا ہے کہ وہ ایسے جرم کا ارتکاب کرے جس کے باعث روز محشر شفیع المذنبین ﷺ اس کا گریبان پکڑ کر اللہ کی جناب میں پیش کریں۔ اس سے بلیغ تر اسلوب ناممکن ہے۔

رَوَى نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ اٰخِرُ مَا تَكَلَّمَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ قَالَ اِحْفَظُوْنِيْ فِيْ ذِمَّتِيْ۔ (1)

"حضرت نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے بتایا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اس دنیا سے انتقال فرماتے ہوئے آخری بات جو ارشاد فرمائی، وہ یہ تھی کہ میں نے جن لوگوں کے جان، مال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی ہے، اس کی لاج رکھنا، اس پر آنچ نہ آنے دینا۔"

کیا شان ہے اس نبی رحمت ﷺ کی! کہ آخری وقت بھی مملکت اسلامیہ کی غیر مسلم رعایا کی حفاظت کا خیال رہا۔ اور اپنی امت کو وصیت فرمائی اور اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ کسی غیر مسلم پر زیادتی کر کے تم یہ نہ سمجھو کہ تم نے کسی غیر مسلم پر زیادتی کی ہے۔ بلکہ درحقیقت تم نے میرے اس وعدہ کو توڑا ہے جس کے ایفاء کی میں نے ذمہ داری قبول کی تھی۔ اس کی سنگینی اور سزا کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اس سے پہلی حدیث میں بھی مسلمانوں کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا کہ تم اپنے مسلمان ہونے پر، اپنے نمازی اور روزے دار ہونے پر، مہاجر اور مجاہد ہونے کے باعث کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا کہ اگر تم نے اسلامی مملکت کے کسی غیر مسلم شہری کی جان، مال اور

1۔ ابو یعلی محمد بن الحسین الفراء الحنبلی (م 458ھ)، "الاحکام السلطانیہ" (محقق) انڈونیشیا، مکتبہ احمد بن سعد، 1974ء، طبع 3، صفحہ 154

آبرو پر دست درازی کی تو تم سے تمہارے مسلمان ہونے کی وجہ سے یا تمہارے اعمال حسنہ کی وجہ سے چشم پوشی کر لی جائے گی۔ ہرگز نہیں۔ میں خود تمہارا گریبان پکڑوں گا اور بارگاہ ایزدی میں تمہارے خلاف مقدمہ دائر کروں گا۔

حضور نبی کریم ﷺ کے خلفاء راشدین نے اپنے دور حکومت میں اپنے آقا کے اس ارشاد کو ہر وقت پیش نظر رکھا۔ یہاں تک کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جو آخری وصیت کی اس کا تعلق بھی اسلامی مملکت کی غیر مسلم رعایا سے ہے۔ آپ شدید زخمی ہیں۔ زندگی کے آخری لمحے ہیں۔ اس وقت آپ نے جو گفتگو فرمائی۔ وہ بھی ملاحظہ فرمایئے تاکہ آپ پر واضح ہو جائے کہ اسلامی مملکت کی غیر مسلم رعایا کی جان و مال اور آبرو کی اسلام کی نگاہوں میں کیا قدر و منزلت ہے۔

قاضی امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں:

وَكَانَ فِيمَا تَكَلَّمَ بِهِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عِنْدَ وَفَاتِهِ أُوصِي الْخَلِيفَةَ مِنْ بَعْدِي بِذِمَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُوفِيَ لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ وَأَنْ يُقَاتِلَ مِنْ وَرَاءِهِمْ وَلَا يُكَلِّفُوا فَوْقَ طَاقَتِهِمْ۔ (1)

"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت جو گفتگو فرمائی، وہ یہ تھی کہ میں اپنے بعد منصب خلافت کے لئے مقرر ہونے والے خلیفہ کو رسول اللہ ﷺ کے ذمہ کی وصیت کرتا ہوں یعنی اہل ذمہ کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا ہے اس کو وہ پورا کرے۔ اگر ان پر کوئی بیرونی یا اندرونی دشمن حملہ آور ہو تو اپنی فوجوں سے ان کا دفاع کرے اور ان پر کوئی ایسا بوجھ نہ ڈالے جس کے اٹھانے کی ان میں طاقت نہ ہو۔"

آپ کی معلومات میں اضافہ کے لئے یہ عرض بھی کر دوں کہ اسلام کا فوجداری قانون اور دیوانی قانون، مسلم رعایا اور ذمی رعایا کے لئے یکساں ہیں یعنی اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے گا تو مسلمان ہونے کی وجہ سے اس سے کوئی رعایت نہیں کی جائے گی بلکہ اس سے اسی طرح قصاص لیا جائے گا جس طرح مسلم مقتول کے قاتل سے لیا جاتا ہے۔ چنانچہ

1۔ "کتاب الخراج"، صفحہ 149

ایک دفعہ عہد رسالت میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ اس قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے۔ چنانچہ اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ حضور نے فرمایا:

أَنَا أَحَقُّ مَنْ وَفَى بِذِمَّتِهِ (1)

"کہ میں سب سے زیادہ اس بات کا حقدار ہوں کہ اپنی ذمہ داری کو پورا کروں۔"

اسی طرح سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ مقتول کے بھائی نے قاتل کو معاف کر دیا تو حضرت امیر المومنین کو اطمینان نہ ہوا۔ اسے اپنے پاس بلایا اور پوچھا لَعَلَّهُمْ فَزَّعُوكَ أَوْ هَدَّدُوكَ (2) شاید ان لوگوں نے تجھے ڈرایا ہو یا تمہیں دھمکی دی ہو اور اس لئے تم نے قصاص معاف کر دیا ہو۔ اس نے عرض کی، اے امیر المومنین! میں نے اپنے مقتول بھائی کی دیت لے لی ہے اور میں نے اس کا خون معاف کر دیا ہے۔ تب آپ نے اس قاتل کو رہا کر دیا اور اس وقت ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا جس میں اسلام کے اس قانون کا خلاصہ بیان کر دیا گیا، فرمایا:۔

إِنَّهُمْ قَبِلُوا عَقْدَ الذِّمَّةِ لِتَكُونَ أَمْوَالُهُمْ كَأَمْوَالِنَا وَ دِمَاءُهُمْ كَدِمَائِنَا۔ (3)

ان لوگوں نے اس لئے ذمی کے معاہدہ کو قبول کیا ہے تاکہ ان کے مال، ہمارے مالوں کی طرح اور ان کے خون، ہمارے خونوں کی طرح ہو جائیں۔"

یہ ہے اپنی غیر مسلم رعایا کے بارے میں اسلام کا طرز عمل۔ کیا دنیا کا کوئی اور نظام اس کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ جب مملکت اسلامیہ کے ہر شہری کی جان، مال اور آبرو بلا امتیاز مذہب، کی حفاظت حکومت کی ذمہ داری ہے تو ہر محب وطن شہری پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق بیت المال میں حصہ داخل کرے تاکہ اسلامی مملکت سرحدوں کی حفاظت اور اندرون ملک امن وامان برقرار رکھنے کے لئے اخراجات برداشت کر سکے۔

1۔ الامام محمد بن محمود البابرتی (م 786ھ)، "العنایہ شرح الھدایہ"، القاہرہ، مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، ب ت، جلد 8، صفحہ 256

2۔ "برہان شرح مواہب الرحمٰن"

3۔ ایضاً

مسلمان رعایا بیت المال میں جو رقم جمع کراتی ہے اس کو زکوٰۃ و عشر کہتے ہیں۔ یہ زکوٰۃ و عشر مردوں، عورتوں، بچوں (بچوں پر صرف عشر) سب پر فرض ہے اور ذمی رعایا جو رقم بیت المال میں جمع کراتی ہے۔ اس کو "جزیہ" کہتے ہیں۔ یہ وہ جزیہ ہے جس کے بارے میں اسلام کے سیاسی حریفوں نے ایک کہرام مچار کھا ہے۔ اسلام کے رخ زیبا کو شکوک و شبہات کی گرد سے غبار آلود کرنے میں اپنی ساری قوتیں صرف کر رہے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جاتا ہے۔ جزیہ صرف غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں سے وصول نہیں کیا جاتا۔ ایک مملکت کا شہری ہونے کی حیثیت سے دونوں کے ساتھ مساویانہ سلوک ہونا چاہئے تھا لیکن اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ امتیازی سلوک برتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ غیر مسلموں کو مالی مشکلات میں مبتلا کرنے کے لئے ان پر جزیہ کی ادائیگی لازمی قرار دے دی گئی ہے اور ان کے اعتراضات کی تان اس بات پر آکر ٹوٹتی ہے کہ جزیہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ غیر مسلموں پر یہ مالی تاوان لگا کر انہیں مجبور کیا جائے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیں۔

آیئے! ہم حقیقت کی روشنی میں ان اعتراضات کا جائزہ لیں۔

کہا گیا ہے کہ جزیہ صرف غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں سے وصول نہیں کیا جاتا۔ اور یہ امتیازی برتاؤ ہے جو ناروا ہے۔ اس کے بارے میں عرض ہے:

یہ بالکل جھوٹا الزام ہے جس طرح پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مسلمان بھی اپنے کمائے ہوئے مال سے حصہ دیتے ہیں۔ اسے زکوٰۃ و عشر کہا جاتا ہے اور وہ مقدار میں جزیہ کی مقدار سے کئی گنا زیادہ ہے۔ نیز مسلمانوں کے پاس اگر مویشی ہوں، بھیڑ بکریاں، گائیں، بھینسیں، گھوڑے اور اونٹ تو ان کی زکوٰۃ بھی مسلمانوں کو ادا کرنا پڑتی ہے۔ حالانکہ ذمی رعایا سے مویشیوں پر کسی قسم کا لگان یا ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا۔

مسلمان عورت اگر صاحب نصاب ہو یا مسلمان بچہ اگر صاحب نصاب ہو تو اس کو بھی لازمی طور پر اپنے اموال کی زکوٰۃ و عشر دینا پڑتا ہے۔ ان کے برعکس کسی ذمی عورت اور بچے سے کوئی جزیہ نہیں لیا جاتا۔

خود ہی سوچئے کہ اسلام نے مالی ذمہ داریوں کے نقطہ نظر سے ذمیوں کو کتنی مراعات سے بہرہ ور کیا ہے۔ بجائے اس کے کہ ان حقائق کو سمجھا جاتا، اعتراف کیا جاتا اور اسلام کی

فیاضی کا شکریہ ادا کیا جاتا، الثانیہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ اسلام غیر مسلم رعایا سے امتیازی سلوک روا رکھتا ہے۔ آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ ان کا یہ الزام کہاں تک صحیح ہے؟

ان کا دوسرا الزام کہ جزیہ ایک مالی تاوان ہے۔ جس سے اسلامی حکومت اپنی غیر مسلم رعایا کو زیر بار کرتی ہے اور ان کو مالی دشواریوں سے دوچار کرتی ہے۔ اس کے بارے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ:

اگر آپ جزیہ کی مقدار سے آگاہ ہو جائیں گے تو یہ الزام خود بخود کالعدم ہو جائے گا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک غیر مسلموں کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

دولت مند طبقہ، متوسط طبقہ اور فقراء

امراء پر اڑتالیس درہم سالانہ یعنی چار درہم ماہوار۔ متوسط طبقہ پر چوبیس درہم سالانہ یعنی دو درہم ماہانہ تیسرے طبقہ پر بارہ درہم سالانہ یعنی ایک درہم ماہوار۔

آپ خود سوچئے کہ کیا یہ اتنا بوجھ ہے جو ان کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ اور ان کو طرح طرح کی مالی پریشانیوں میں مبتلا کرنے کا باعث بن سکتا ہے؟ یہ ایک نہایت ہی قلیل اور حقیر سی رقم ہے جو قطعاً بوجھ تصور نہیں کیا جا سکتا۔

ان کی آخری تہمت کہ جزیہ عائد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اس کے سراسر کذب وافتراء ہونے میں ذرا شک نہیں۔ جس دین کا بنیادی اصول یہ ہو کہ " لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ " کہ دین قبول کرنے میں کسی پر جبر نہیں کیا جائے گا، کسی کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اس دین کے پیروکار کسی پر جبر کر کے اسے مسلمان بنانے میں کیوں اپنا وقت اور اپنی قوت ضائع کریں گے؟ نیز آپ خود سوچیں کیا عقیدہ اتنی حقیر اور کم مایہ چیز ہے کہ اتنی قلیل سی رقم کی ادائیگی سے بچنے کے لئے انسان اپنے پہلے عقیدہ کو چھوڑ کر ایک نیا عقیدہ قبول کرے جس کو اس کا ضمیر تسلیم نہیں کرتا۔ لوگ تو اپنے عقیدہ کے لئے اپنا وطن چھوڑ دیتے ہیں۔ اپنی عمر بھر کی کمائی پر لات مار دیتے ہیں۔ اور اگر اپنے عقیدہ کی راہ میں سر کٹانا پڑے تو اس کو بھی بصد مسرت قبول کر لیتے ہیں۔ عقیدہ اتنی ارزاں اور حقیر چیز نہیں ہے کہ دولت مند لوگ اڑتالیس درہم کے عوض اور متوسط طبقہ چوبیس درہم کے عوض اور تیسرا طبقہ بارہ درہم سالانہ کے عوض اس کو تج

دے۔ اگر کوئی شخص اتنی قلیل رقم پر اپنا عقیدہ بدلتا ہے تو اس کی تبدیلی قطعاً کسی کے لئے قابل افسوس نہیں ہونی چاہئے۔ یہ چیز بھی آپ کے ذہن میں رہے کہ ہر غیر مسلم پر جزیہ کی ادائیگی لازم نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط بھی نہیں پائی جائے گی تو جزیہ ساقط ہو جائے گا۔

اس بحث کے مطالعہ سے بھی اس الزام کی قلعی کھل جائے گی جو اسلام کے سیاسی حریف جزیہ کے سلسلہ میں اسلام پر عائد کرتے ہیں، کہ یہ لوگوں کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے عائد کیا جاتا ہے۔ اب ہم ان شرائط کو ذرا تفصیل سے آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں:

شرائط جزیہ

1۔ عاقل ہو، بالغ ہو، مرد ہو۔

2۔ جسمانی عوارض سے محفوظ ہو، یعنی اپاہج، اندھا، پیر فرتوت اور دائم المرض نہ ہو۔

3۔ آزاد ہو۔

4۔ ایسا مفلس نہ ہو جو بے روزگار ہو۔

ان شرائط سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ دیوانہ، نابالغ، بچہ، عورت، اپاہج، اندھا، پیر فرتوت، دائم المرض، غلام اور بیروزگار۔ یہ سب لوگ جزیہ ادا کرنے کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اگر جزیہ کا مقصد غیر مسلموں کو جبراً مسلمان بنانا ہوتا تو ان سب پر جزیہ لگایا جاتا۔ کم از کم نابالغ بچے اور عورت سے تو ضرور جزیہ وصول کیا جاتا کیونکہ مسلمان نابالغ بچے اور عورت پر زکوۃ و عشر ادا کرنا لازمی ہے۔ ان تمام افراد کو مستثنیٰ کرنے سے کیا ان لوگوں کے الزام کی تردید نہیں ہو جاتی کہ جزیہ کا مقصد لوگوں کو جبراً مسلمان بنانا ہے؟

یہ صرف نظریات ہی نہیں بلکہ مسلمانوں نے اپنے عہد اقتدار میں ان احکامات و نظریات پر عمل بھی کیا ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اپنی "کتاب الخراج" میں تحریر فرماتے ہیں۔
کہ حضرت خالد نے جن غیر مسلم قوموں اور قبیلوں سے صلح کی اور ان کو صلح نامے لکھ کر دیئے، ان میں یہ جملہ موجود ہے:

اَيُّمَا شَيْخٍ ضَعُفَ عَنِ الْعَمَلِ اَوْ اَصَابَتْهُ اٰفَةٌ مِّنَ الْاٰفَاتِ

أَوْكَانَ غَنِيًّا فَافْتَقَرَ وَصَارَ أَهْلُ دِيْنِهِ يَتَصَدَّقُوْنَ عَلَيْهِ طُرِحَتْ جِزْيَتُهُ وَعِيْلَ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ وَعِيَالُهُ مَا أَقَامَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ۔ (1)

"اگر کوئی بوڑھا کام کرنے کے قابل نہ رہے یا بدنی بیماریوں میں سے اسے کوئی بیماری لگ جائے یا پہلے وہ غنی تھا اب محتاج ہو گیا اور اس کے مذہب والے اس کو صدقہ خیرات دینے لگیں، ان حالات میں اس سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ اور اس کا اور اس کے اہل و عیال کا خرچہ بیت المال سے ادا کیا جائے گا جب تک دار الاسلام میں سکونت پذیر رہے۔"

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد خلافت میں ایک روز ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک بوڑھا ایک مکان کے دروازے پر کھڑا بھیک مانگ رہا ہے۔ آپ پیچھے سے گئے اور اس کا بازو پکڑ لیا۔ اس سے پوچھا کہ تم کیوں بھیک مانگ رہے ہو؟ اس نے کہا۔ اسئل الجزیۃ والحاجۃ والسن۔ میں اس لئے بھیک مانگ رہا ہوں کہ مجھے جزیہ ادا کرنا ہے۔ خود کمانے سے عاجز ہوں۔ اپنی ضروریات زندگی پوری کرنا ہیں، اور اپنے بڑھاپے کی وجہ سے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر لے گئے۔ اپنے گھر سے اسے کچھ دیا۔ پھر بیت المال کے خازن کو بلایا اور اسے ہدایت کی:

اُنْظُرْ هٰذَا وَضُرَبَاءَهُ فَوَاللّٰهِ مَا أَنْصَفْنَاهُ إِنْ أَكَلْنَا شَبِيْبَتَهُ ثُمَّ نَخْذُلُهُ عِنْدَ الْهَرَمِ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَوَضَعَ عَنْهُ الْجِزْيَةَ وَضُرَبَاءِهِ۔ (2)

"اس کا خیال رکھو اور اس جیسے جتنے لوگ ہیں، ان سب کا خیال رکھو۔ بخدا! ہم نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ ہم نے اس کی جوانی کی کمائی سے تو جزیہ وصول کیا۔ اور جب بوڑھا ہو گیا تو ہم نے اسے نظر انداز کر دیا۔"

1۔ امام ابو یوسف، "کتاب الخراج"، صفحہ 164

2۔ ایضاً

پھر یہ آیت پڑھی:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ الآیۃ

"اور اس شخص اور اس جیسے سارے معذوروں سے جزیہ معاف کر دیا گیا اور ان کے اخراجات کی کفالت بیت المال کے ذمہ لگائی۔"

جزیہ کی اصل وجہ

جزیہ کے بارے میں اسلام کے سیاسی حریفوں نے جو شکوک و شبہات پیدا کئے تھے، ان کی حقیقت سے آپ پوری طرح آگاہ ہو گئے ہیں کہ جزیہ لگانے سے نہ ان کے ساتھ امتیازی برتاؤ کرنا مقصود ہے، نہ ان کو مالی لحاظ سے زیر بار کرنا مقصود ہے اور نہ اس کی غرض و غایت یہ ہے کہ لوگوں کو جبراً مسلمان بنایا جائے۔ تو اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ پھر اس کی اصل وجہ کیا ہے؟

آگے بڑھنے سے پہلے ایک بات اور ذہن نشین کر لیں کہ مسلمان اور غیر مسلم رعایا سے جو رقم وصول کی جاتی ہے، ان کے لئے مختلف نام کیوں مقرر کئے گئے ہیں جن سے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں۔ جو بھی کسی سے وصول کیا جاتا ہے، اس کے لئے ایک ہی نام مقرر کیا جاتا۔ جس میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہ ہوتا تو بہت سے شکوک و شبہات پیدا ہی نہ ہوتے اور اسلام کے مخالفین کو لب کشائی کی جرأت ہی نہ ہوتی۔

اس کے لئے گزارش ہے کہ ناموں کے اختلاف کی ایک اہم وجہ ہے جس کو کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ زکوٰۃ و عشر جو مسلمانوں کے ذمہ واجب الاداء ہے، یہ اسلام کی دوسری عبادتوں کی طرح ایک عبادت ہے۔ لیکن غیر مسلم رعایا جو اسلام کو اپنا دین نہیں مانتی ان کے مالی واجبات کو زکوٰۃ و عشر سے موسوم کرنا قرین انصاف نہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اسلام ان لوگوں سے اپنے نظام عبادات پر عمل کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے جو اس کی سچائی کو مانتے ہی نہیں، تو یہ کتنی بے انصافی ہے کہ ان غیر مسلموں کو اسلام کے پیش کردہ نظام عبادت کا پابند بنایا جائے۔ انہیں کہا جائے کہ نمازیں ادا کرو، رمضان شریف کا چاند نظر آ گیا ہے، سب روزے رکھو یا تم بھی زکوٰۃ و عشر ادا کرو۔ اسلام کی عادلانہ روح اس دھاندلی کو ہرگز قبول نہیں کر سکتی۔ اس لئے ان کے ذمہ جو مالی واجبات ہیں ان کو الگ نام دیا گیا تاکہ مسلمانوں کے مالی واجبات اور اہل ذمہ کے مالی واجبات میں امتیاز برقرار رہے۔

اب اختصار کے ساتھ غیر مسلموں پر جزیہ عائد کرنے کے بارے میں صحابہ کرام کا جو تعامل تھا، اس کی روشنی میں حقیقت حال پیش کی جاتی ہے:

عہد صحابہ میں ہی مسلمانوں نے تین معلوم براعظموں پر اسلام کا پرچم لہرادیا تھا۔ ان گنت قبیلے اور کثیر التعداد قومیں اور ملک ان کے زیر نگین ہوگئے تھے۔ ان کے ساتھ معاہدے ہوئے۔ صلح نامے لکھے گئے۔ جن کے مطالعہ سے حقیقت حال روزروشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام اپنی غیر مسلم رعایا کو جس طرح دیگر اسلامی عبادات کا مکلّف نہیں کرتا، اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ بھی ایک اسلامی عبادت ہے، جس میں شرکت کے لئے اہل ذمہ کو مجبور نہیں کیا کہ وہ اپنے مسلمان ہم وطنوں کے شانہ بشانہ اپنے ملک پر حملہ کرنے والوں کا مقابلہ کریں۔ ان کو ان کی جنگی خدمات سے مستثنیٰ کردیا گیا ہے۔ ان جنگی خدمات سے مستثنیٰ ہونے کے عوض ان پر جزیہ کی قلیل اور حقیر رقم واجب کر دی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اب میں چند صلح نامے آپ کے مطالعہ کے لئے پیش کرتا ہوں۔

(1) پہلا صلح نامہ: ریاست حیرہ کے امیر کے نمائندہ صلوبا بن نطونا سے حضرت خالد بن ولید نے صلح کا جو معاہدہ کیا اس کی عبارت یہ تھی:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذَا كِتَابٌ مِنْ خَالِدِ بْنِ وَلِيْدٍ لِصَلُوْبَا بْنِ نَطُوْنَا وَقَوْمِهٖ إِنِّيْ عَاهَدْتُكُمْ عَلَى الْجِزْيَةِ وَالْمَنْعَةِ فَإِنْ مَنَعْنَاكُمْ فَلَنَا الْجِزْيَةُ وَإِلَّا فَلَا حَتّٰى نَمْنَعَكُمْ۔ (1)

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ مکتوب ہے خالد بن ولید کی طرف سے صلوبا بن نطونا اور اس کی قوم کے نام۔ میں تم سے معاہدہ کرتا ہوں جزیہ اور دفاع پر (یعنی تم جزیہ ادا کرو گے اور ہم دشمنوں سے تمہاری حفاظت اور دفاع کریں گے) اگر ہم تمہارا دفاع کریں تو ہم جزیہ لینے کے حقدار ہیں، اور اگر ہم تمہارا دفاع نہ کریں تو ہمیں جزیہ لینے کا حق نہیں پہنچتا یہاں تک کہ ہم تمہارا دفاع کریں۔"

1۔ ابو جعفر محمد ابن جریر الطبری (226-311ھ)، "تاریخ الامم والملوک"، القاہرہ، المطبعہ الاستقامہ، 1939م، جلد 4، صفحہ 16

اس صلح نامے سے بھی یہ بات واضح ہو گئی کہ دشمن کے سامنے سینہ سپر ہونا، ان کی پیش قدمی کو روکنا اور ان کے حملہ کو پسپا کرنا، یہ صرف مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ اہل ذمہ کو یہ تکلیف نہیں دی جائے گی کہ وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کریں۔

(2) دوسرا صلح نامہ: ایران میں مسلمانوں کے ایک سالار سوید بن مقرن نے جرجان کے ایک بادشاہ کو خط لکھا:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذَا كِتَابٌ مِنْ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ لِرَزْبَانَ صَوْلِ بْنِ رَزْبَانَ وَأَهْلِ دِهِسْتَانَ وَسَائِرِ أَهْلِ جُرْجَانَ إِنَّ لَكُمُ الذِّمَّةَ وَعَلَيْنَا الْمَنَعَةَ (1)

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ مکتوب ہے سوید بن مقرن کی طرف سے صول بن رزبان و اہل دہستان اور تمام اہل جرجان کے نام کہ تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ تم معاہدہ کی شرطوں کو پورا کرو اور ہم پر فرض ہے کہ ہم تمہاری حفاظت اور دفاع کریں۔"

امام ابو یوسف "کتاب الخراج" میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے اہل ذمہ کے ساتھ جزیہ ادا کرنے پر جو صلح کی اور جس بنیاد پر سارے شہر فتح ہوئے وہ یہ تھا:

عَلٰى أَنْ يُقَاتِلُوا مَنْ نَاوَاهُمْ مِنْ عَدُوِّهِمْ وَيَذُبُّوا عَنْهُمْ فَأَدُّوا الْجِزْيَةَ إِلَيْهِمْ عَلٰى هٰذَا الشَّرْطِ...... فَافْتُتِحَتِ الشَّامُ كُلُّهَا عَلٰى هٰذَا۔ (2)

"کہ مسلمان ان دشمنوں کا مقابلہ کریں گے جو اہل ذمہ پر حملہ آور ہوں گے۔ اور ان سے ان کا دفاع کریں گے۔ اس شرط پر وہ انہیں جزیہ ادا کریں گے۔ چنانچہ اس شرط پر شام کا سارا ملک فتح ہو گیا۔"

علامہ ابن اسید الاندلسی، "المقدمات" میں اس کی وجہ بایں الفاظ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ الْجِزْيَةَ إِنَّمَا تُؤْخَذُ مِنْهُمْ سَنَةً بِسَنَةٍ جَزَاءً عَلٰى تَأْمِيْنِهِمْ وَإِقْرَارِهِمْ عَلٰى دِيْنِهِمْ يَتَصَرَّفُوْنَ فِيْ جِوَارِ

1۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 256

2۔ امام ابو یوسف، "کتاب الخراج"، صفحہ 165

الْمُسْلِمِيْنَ وَذِمَّتِهِمْ اٰمِنِيْنَ۔ يُقَاتِلُوْنَ عَنْهُمْ عَدُوَّهُمْ وَلَا يَلْزَمُهُمْ مَا يَلْزَمُ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (1)

"اہل ذمہ سے جو جزیہ سال بسال لیا جاتا ہے، یہ اس چیز کے عوض ہے کہ مسلمانوں نے ان کو امن دیا، ان کو اپنے دین پر برقرار رہنے دیا تاکہ وہ مسلمانوں کے پڑوس میں اور ان کی حفاظت میں امن و سلامتی کے ساتھ کاروبار حیات میں مصروف رہیں۔ ان کے دشمنوں سے مسلمان جنگ کریں گے اور جہاد میں شرکت کی ذمہ داری جو ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے، اہل ذمہ کو اس کا پابند نہیں کیا جائے گا۔"

ان چند تصریحات سے آپ کو اس کی اصل وجہ پر آگاہی ہوئی، جس کے باعث اہل ذمہ سے یہ حقیر سی رقم جزیہ کے نام سے وصول کی جاتی ہے۔ اور تاریخ میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں کہ جب بھی مسلمانوں نے اپنے آپ کو ان کا دفاع کرنے میں بے بس پایا تو ان سے وصول شدہ جزیہ انہیں واپس کر دیا گیا۔ چنانچہ عہد فاروقی کا ایک مشہور واقعہ پیش ہے:

مغربی محاذ کے سپہ سالار اعلیٰ حضرت ابو عبیدہ بن جراح تھے۔ ان کی فراست، جنگی مہارت اور شجاعت سے تقریباً سارا ملک شام بشمول فلسطین و لبنان فتح ہو گیا تھا۔ چند متفرق علاقے ابھی دشمن کے قبضہ میں تھے۔ ہرقل نے جب اپنے زرخیز صوبہ کو اپنے قبضہ میں سے نکلتے ہوئے دیکھا تو اس کو مسلمانوں سے بچانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ اپنی تمام فوج ایک جگہ اکٹھی کی تاکہ اجتماعی قوت سے مسلمانوں پر دھاوا بولا جائے۔ ہرقل کی تیاری کا علم جب حضرت ابو عبیدہ کو ہوا تو آپ نے بھی یہ قرین مصلحت سمجھا کہ اسلامی فوج جو شام کے مختلف شہروں میں بکھری ہوئی ہے، اس کو یکجا کر کے دشمن کا بھرپور مقابلہ کیا جائے۔ اگر وہ حملہ کرنے کی جرأت کرے تو اس کا دندان شکن جواب دیا جائے۔ لہٰذا تمام سالاروں کو آپ نے حکم دیا کہ آپ اپنے اپنے جانباز سپاہیوں کے ساتھ میرے ساتھ آکر مل جائیں تاکہ دشمن کی اجتماعی قوت کا جواب ہم بھی اپنی اجتماعی طاقت سے دیں۔ اس لئے جو جزیہ اور خراج آپ لوگوں نے اہل ذمہ سے وصول کیا ہے، وہ ان کو لوٹا دیں۔ کیونکہ وہ جزیہ ہم نے اس شرط پر ان سے وصول کیا تھا کہ ہم ان کا دفاع کریں گے۔ لیکن موجودہ

1۔ العلامہ ابن اسید الاندلسی (م؟)، "المقدمات"

حالات میں ہم یہ فریضہ انجام دینے سے قاصر ہیں۔ اس لئے ہم پر لازم آتا ہے کہ ہم ان کا جزیہ ان کو لوٹا دیں اور انہیں یہ کہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو فتح و نصرت دی تو ہم پھر یہاں آئیں گے۔ اگر تم نے سابقہ صلح کے معاہدہ کو برقرار رکھا تو ہم بھی اس کی پابندی کریں گے۔ چنانچہ تمام سالار اپنے مجاہدین کو لے کر جب اپنے مرکزوں سے روانہ ہونے لگے تو انہوں نے وصول شدہ جزیہ اور خراج کی رقوم اہل ذمہ کو واپس کر دیں۔ اس قسم کا برتاؤ ان کے لئے بڑا حیران کن تھا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ مسلمانوں کے رخصت ہوتے وقت یہ دعا بھی مانگ رہے تھے الٰہی! انہیں پھر ہمارے علاقوں میں واپس لے آنا جو مروت، عدل و احسان انہوں نے ہمارے ساتھ روا رکھا ہے ایسا عدل و احسان آج تک نہ دیکھنے میں آیا نہ سننے میں۔ اگر رومی ہوتے تو خراج لوٹانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ ہمارے پاس جو کچھ بچا کھچا تھا وہ بھی لوٹ کر اپنے ساتھ لے جاتے۔ جو رقم مسلمانوں نے اس وقت واپس کی، وہ کوئی قلیل رقم نہ تھی۔ صرف ایک شہر حمص کے لوگوں کو سات لاکھ درہم انہوں نے واپس کئے۔

ان صلح ناموں اور حضرت ابو عبیدہ کے اس طرز عمل سے جزیہ لگانے کی وجہ اظہر من الشمس ہو گئی۔ اس کے بعد اگرچہ مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔ لیکن تاریخ اسلام کے ایک دو واقعات نور بصیرت میں اضافہ کرنے کے لئے پیش کر رہا ہوں:

آرمینیا کے نواحی علاقہ "الباب" کے گورنر سراقہ بن عمرو سے وہاں کے بادشاہ نے مطالبہ کیا:

أَنْ يَضَعَ عَمَّنْ مَعَهُ الْجِزْيَةَ عَلَىٰ أَنْ يَقُومُوا بِهَا يُرِيدُهُ مِنْهُمْ ضِدَّ عَدُوِّهِمْ فَقَبِلَ سُرَاقَةُ وَكَتَبَ سُرَاقَةُ إِلَىٰ إِبْنِ الْخَطَّابِ وَأَجَازَهُ وَحَسَّنَهُ (1)

"کہ ان کا جزیہ معاف کر دیا جائے۔ وہ ان کے دشمن کے مقابلہ میں ان کے ساتھ شانہ بشانہ صف بستہ ہو کر کھڑے ہوں گے اور ان کے ساتھ جنگ کریں گے۔ سراقہ نے اس کا یہ مطالبہ منظور کر لیا اور اس کی اطلاع حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب کی خدمت میں لکھ بھیجی۔ آپ نے اس کی منظوری بھی دے دی اور اس کی تحسین بھی کی۔"

1۔ ابن جریر الطبری، "تاریخ الامم والملوک" جلد 5، صفحہ 256

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اہل ذمہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر حملہ آوروں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں تو ان سے جزیہ ساقط کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح انطاکیہ کے قریب ایک شہر "جر مومہ" کے نام سے آباد تھا۔ جس کے باشندوں کو جراجمہ کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں انطاکیہ پر حضرت ابو عبیدہ کی طرف سے حبیب بن مسلمہ الفہری، والی تھے۔ جراجمہ نے ان سے صلح کی درخواست کی۔ اس شرط پر کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں مسلمانوں سے مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔ جاسوسی کی خدمات بھی انجام دیں گے۔ اس شرط پر کہ ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔

علامہ یاقوت حموی "معجم البلدان" میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَلّٰى أَبُوْعُبَيْدَةَ أَنْطَاكِيَةَ حَبِيْبَ بْنَ مَسْلَمَةَ الْفِهْرِيَّ وَغَزَا الْجُرْجُوْمَةَ فَصَالَحَهُ أَهْلُهُ عَلٰى أَنْ يَكُوْنُوْا أَعْوَانًا لِلْمُسْلِمِيْنَ وَعُيُوْنًا وَمَسَالِحَ فِيْ جَبَلِ اللُّكَامِ وَأَنْ لَا يُؤْخَذُوْا بِالْجِزْيَةِ۔ (1)

"حضرت ابو عبیدہ نے حبیب بن مسلمہ الفہری کو انطاکیہ کا والی بنایا۔ انہوں نے جرجومہ پر حملہ کیا ان لوگوں نے ان شرائط پر ان سے صلح کی کہ دشمن کے مقابلہ میں وہ مسلمانوں کے مددگار ہوں گے۔ دشمن کی جاسوسی کریں گے۔ بشرطیکہ ان سے جزیہ وصول نہ کیا جائے۔"

چنانچہ آپ نے ان شرائط پر ان کے ساتھ صلح کر لی۔ اور ان سے جزیہ ساقط کر دیا۔

عتبہ بن فرقد جو حضرت فاروق اعظم کے جرنیل تھے۔ انہوں نے آذربائی جان کے باشندوں کے ساتھ اس معاہدہ پر صلح کی:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ هٰذَا مَا أَعْطٰى عُتْبَةُ بْنُ فَرْقَدٍ عَامِلُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ آذَرْبَائِيْجَانَ سَهْلَهَا وَجَبَلَهَا وَحَوَاشِيَهَا وَأَهْلَ مِلَلِهَا كُلَّهُمُ الْأَمَانَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَشَرَائِعِهِمْ عَلٰى أَنْ يُؤَدُّوا الْجِزْيَةَ عَلٰى قَدْرِ طَاقَتِهِمْ..... وَمَنْ حُشِرَ مِنْهُمْ فِيْ سَنَةٍ وُضِعَ

1۔ "معجم البلدان"، جلد 2، صفحہ 123

عَنْهُ جَزَآءَ تِلْكَ السَّنَةِ۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ صلح نامہ ہے جو عتبہ بن فرقد، جو امیر المومنین عمر بن خطاب کے نائب ہیں، آذربائی جان کے باشندوں کے ساتھ طے کیا کہ اس کے میدانی علاقوں میں، پہاڑی علاقوں میں اور بیرونی حدود کے ساتھ رہنے والے سب لوگوں کو امان دے دی گئی ہے، ان کی جانوں، مالوں، ان کے مذہبی احکام کو اس شرط پر کہ وہ جزیہ ادا کریں گے اپنی استطاعت کے مطابق۔ اور ان میں سے جو شخص مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوگا، اس سال اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا۔"

موجودہ دور میں جزیہ کی حیثیت

مندرجہ بالا تشریح سے اس امر کی وضاحت بھی ہو گئی کہ اگر اہل ذمہ اپنے اپنے اسلامی ملکوں کے دفاع کے لئے برضا و رغبت تیار ہو جائیں تو ان سے جزیہ از خود ساقط ہو جائے گا۔ اگر وہ اس بات پر تیار نہ ہوں تو بحیثیت اس مملکت کے شہری کے، ان پر لازم ہے کہ وہ مملکت کے دفاعی اخراجات میں حصہ ڈالیں اور یہی جزیہ ہے۔ لیکن اگر وہ اس بات پر تیار نہ ہوں اور صرف جزیہ کے لفظ سے الرجک ہوں تو اس کا کوئی اور نام بھی رکھا جا سکتا ہے۔ جس طرح بنو تغلب سے جو جزیہ وصول کیا جاتا تھا اس کو صدقہ کہا جاتا تھا۔

جزیہ وصول کرنے میں نرمی

جزیہ اور خراج کی وصولی کے لئے ذمیوں پر تشدد کرنا منع ہے۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے ایک عامل کو بھیجتے ہوئے فرمایا:

"ان کے جاڑے، گرمی کے کپڑے، ان کے کھانے کا سامان اور ان کے جانور جن سے وہ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ خراج وصول کرنے کی خاطر ہرگز نہ لیں۔ نہ کسی کو درہم وصول کرنے کے لئے کوڑے مارنا۔ نہ کسی کو کھڑا رکھنے کی سزا دینا۔ نہ خراج کے عوض کسی چیز کا نیلام کرنا کیونکہ ہم جو ان کے حاکم بنائے گئے ہیں تو

1۔ "تاریخ الطبری"، جلد 5، صفحہ 250

ہمارا کام نرمی سے وصول کرنا ہے۔ اگر تم نے میرے حکم کے خلاف کیا تو اللہ تعالیٰ میرے بجائے تم کو پکڑے گا اور اگر مجھے تمہاری خلاف ورزی کی خبر پہنچی تو میں تمہیں معزول کر دوں گا۔" (1)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے شام کے فاتح اور گورنر حضرت ابو عبیدہ کو جو فرمان لکھا۔ اس میں ایک حکم یہ بھی ہے:

وَامْنَعِ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ ظُلْمِهِمْ وَالْإِضْرَارِ بِهِمْ وَأَكْلِ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا بِحِلِّهَا۔

"مسلمانوں کو منع کر دیں کہ وہ ذمیوں پر ظلم نہ کریں۔ انہیں ضرر نہ پہنچائیں اور حلال ذریعہ کے بغیر ان کے مال مت کھائیں۔"

غروب کے بعد رجوع آفتاب

حضرت امام طحاوی نے اسماء بنت عمیس کے واسطہ سے دو سندوں سے یہ روایت "مشکلات الحدیث" میں نقل کی ہے:

1۔ ایک روز حضور پر نور علیہ السلام نے اپنا سر مبارک سیدنا علی مرتضیٰ کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ حضور پر نزول وحی کی کیفیت طاری تھی۔ سیدنا علی نے ابھی نماز عصر ادا نہیں کی تھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ سرور عالم علیہ السلام نے چشم مبارک کھولی اور علی مرتضیٰ سے پوچھا، اے علی! کیا تم نے نماز عصر ادا کی ہے؟ آپ نے عرض کی، نہیں۔ سرکار دو عالم علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں التجا کی:

اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ كَانَ فِيْ طَاعَتِكَ وَطَاعَةِ رَسُوْلِكَ فَارْدُدْ عَلَيْهِ الشَّمْسَ قَالَتْ أَسْمَاءُ وَرَأَيْتُهَا غَرَبَتْ، ثُمَّ رَأَيْتُهَا طَلَعَتْ بَعْدَ مَا غَرَبَتْ، وَقَعَتْ عَلَى الْجَبَلِ وَالْأَرْضِ، فَذٰلِكَ فِي الصَّهْبَاءِ فِيْ خَيْبَرَ وَهٰذَا حَدِيْثٌ ثَابِتُ الرِّوَايَةِ عَنِ الثِّقَاتِ۔ (2)

"اے اللہ! علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں مصروف تھا۔ پس

1۔ "کتاب الخراج"، صفحہ 18

2۔ امام طحاوی، "مشکلات الحدیث"

ڈوبے ہوئے سورج کو لوٹا دے تا کہ وہ نماز ادا کر سکے۔ حضرت اسماء کہتی ہیں کہ میں نے خود سورج کو ڈوبتے ہوئے دیکھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو گیا اور یہ واقعہ خیبر سے واپسی کے وقت الصہباء میں پیش آیا۔ اور یہ روایت ثقہ راویوں سے ثابت ہے۔"

اس روایت پر بعض لوگوں نے اعتراضات کئے ہیں اور اس کو موضوع بھی کہا ہے۔ ابن جوزی اور ابن تیمیہ اس روایت کو موضوع قرار دینے میں پیش پیش ہیں لیکن علماء ربانیین نے جن کے چند نام درج ذیل ہیں، ان کی تردید کرتے ہوئے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے:

امام جلال الدین سیوطی، شہاب الدین خفاجی، ابن عابدین، ملا علی قاری، امام سخاوی اور شاہ محمد عبدالحق محدث دہلوی۔ ان اکابر دین وملت اور اساطین علم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور ان شبہات کا رد کیا ہے جو اس سلسلہ میں پیش کئے گئے۔

نماز صبح کا قضاء ہونا

خیبر سے مدینہ طیبہ واپسی کے وقت صبح کی نماز قضاء ہونے کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو یوں روایت کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"کہ خیبر سے واپسی کے وقت ایک رات سرکار دو عالم ﷺ نے رات کے پہلے حصہ میں سفر شروع کیا۔ جب رات ڈھل گئی اور نیند محسوس ہونے لگی تو سرکار دو عالم ﷺ نے سب کو شب باشی کی اجازت مرحمت فرمائی۔ لیکن استراحت فرمانے سے پہلے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے پوچھا کیا تم میں سے کوئی ایسا صالح شخص ہے جو جاگتا رہے اور جب فجر طلوع ہو تو ہمیں جگا دے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم سوتے رہ جائیں اور نماز فجر قضاء ہو جائے۔ حضرت بلال نے عرض کی، یارسول اللہ! اس خدمت کے لئے غلام حاضر ہے۔ اس اہتمام کے بعد سب آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ حضرت بلال نے اپنے آپ کو بیدار رکھنے کے لئے نفل پڑھنا شروع کر دیئے۔ جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ نفل ادا کرنے میں مشغول رہے۔ طلوع فجر سے تھوڑی دیر پہلے انہوں نے مشرق کی طرف

منہ کر کے اپنے اونٹ کے ساتھ ٹیک لگالی تاکہ جونہی صبح صادق طلوع ہو تو انہیں پتا چل جائے۔ لیکن اس وقت ان پر نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ ان کی آنکھیں بند ہو گئیں اور سو گئے اور ایسے سوئے کہ طلوع آفتاب کے بعد جب دھوپ تیز ہو گئی تو سب سے پہلے حضور پر نور ﷺ کی آنکھ مبارک کھلی۔ نبی مکرم ﷺ نے حضرت بلال کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

مَاصَنَعْتَ بِنَا يَا بِلَالُ اے بلال تم نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟

بلال نے عرض کی یارسول اللہ! جس ذات نے آپ کو سلائے رکھا، اس نے مجھے بھی جاگنے نہیں دیا۔ حضور نے فرمایا صَدَقْتَ تو نے سچ کہا ہے۔ نبی رحمت ﷺ نے سب کو یہاں سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ کچھ دور آگے جا کر حضور نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور سب صحابہ کو اپنی سواریاں بٹھانے کی ہدایت کی۔ حضرت بلال نے اذان واقامت کہی۔ امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء کی اقتداء میں نماز صبح قضاء پڑھی گئی۔ نماز سے فراغت کے بعد ہادی برحق نے اپنے جاں نثاروں کو ارشاد فرمایا:

إِذَا نَسِيتُمُ الصَّلٰوةَ فَصَلُّوهَا إِذَا ذَكَرْتُمُوهَا فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي۔ (1)

"یعنی اگر تم نماز ادا کرنا بھول جاؤ، جیسے ہی تمہیں یاد آئے اس کو پڑھ لیا کرو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ادا کیا کر نماز مجھے یاد کرنے کے لئے۔"

نماز کے قضاء ہونے میں حکمت

رحمت عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

عَيْنَايَ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي

"یعنی بوقت خواب میری دونوں آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن میرا دل اس وقت بھی جاگ رہا ہوتا ہے۔"

اس روز بیدار نہ ہونے میں حکمت یہ تھی کہ سب لوگوں کو پتا چل جائے کہ اگر کسی وجہ سے وہ نماز ادا کرنے سے قاصر رہیں تو جب یاد آئے تو قضا کرلیں۔ نیز حضور نے فرمایا ہے:

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 231؛ "السیرۃ الحلبیہ"، جلد 2، صفحہ 184؛ "تاریخ خمیس، جلد 2، صفحہ 59

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّي

"کہ تم نماز اس طرح ادا کیا کرو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔"

اور نماز ادا کرتے ہوئے صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کو سفر و حضر میں بارہا دیکھا تھا لیکن نماز قضاء کرتے ہوئے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا جبکہ امت کے بعض افراد سے نماز کا قضاء ہونا بعید از امکان نہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر نیند طاری کر کے قضاء نماز پڑھنے کا بھی موقع فراہم کر دیا تاکہ اللہ کے محبوب کی امت قیامت تک اداء و قضاء میں اپنے نبی رؤف و رحیم ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کی سعادت حاصل کرتی رہے۔

وَلِلّٰهِ فِي شُئُوْنِهٖ حِكَمٌ لَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰى (1)

"اللہ کے سارے کاموں میں حکمتیں ہوا کرتی ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔"

مدینہ طیبہ واپسی

اس مبارک سفر میں نبی کریم ﷺ خیبر کے تمام قلعوں، وادی القریٰ، فدک اور تیماء کی بستیوں پر اسلام کا پرچم لہراتے ہوئے اور بلاد حجاز میں یہودیوں کی قوت و شوکت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کرتے ہوئے واپس مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے۔ خیبر کی طرف روانگی کے وقت دشمنان اسلام خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ خیبر کے یہودی جن کے لشکریوں کی تعداد (دس ہزار) اسلامی لشکر (سولہ سو) سے کئی گنا زیادہ ہے۔ ان کے پاس ہر قسم کے اسلحہ کے انبار لگے ہیں۔ دور تک سنگباری کے لئے ان کے پاس منجنیقیں بھی ہیں۔ یہودی، مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیں گے۔ لیکن اسلام کی اس حیرت انگیز کامیابی نے ان کی امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ جب نبی رحمت ﷺ فتح و کامرانی کے پرچم لہراتے ہوئے واپس مدینہ طیبہ مراجعت فرما ہوئے ہوں گے تو مسلمانوں کے جذبات مسرت و شادمانی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟

حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ میں اونٹ پر حضور کے پیچھے سوار تھا۔ حضور ﷺ

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 231

نے فرمایا:

أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَلِمَةٍ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ قُلْتُ بَلَى يَا رَسُوْلَ اللهِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي۔ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ (1)

"اے عبداللہ بن قیس (ان کا نام)! کیا میں تمہیں وہ کلمہ نہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے۔ میں نے عرض کی۔ میرے ماں باپ حضور پر قربان، اے اللہ کے پیارے رسول! مجھے ضرور بتایئے۔ حضور نے فرمایا" لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔"

حضور کی ایک اہم ہدایت

جب یہ کاروان سعادت نشان "جرف" کے مقام پر پہنچا تو رات ہو گئی۔ حضور ﷺ نے سب کو منع فرمایا کہ کوئی شخص رات کے وقت اپنے اہل خانہ کے ہاں نہ جادھمکے۔ مسلمانوں کو یہ طریقہ تعلیم فرمایا کہ سفر سے واپسی پر رات کو اچانک اپنے اہل خانہ کے پاس نہ جاؤ بلکہ اپنی آمد کی پہلے اطلاع دو تاکہ وہ تمہارا استقبال کرنے کے لئے غسل وغیرہ کر کے، لباس بدل کر اور بالوں میں تیل کنگھی کر کے تیار ہو جائے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہاری غیر حاضری میں اپنے لباس وغیرہ کے معاملہ میں بے پرواہو گئی ہو اور تم رات کو اچانک جادھمکو اور تم اسے اس حالت میں دیکھ کر کراہت محسوس کرنے لگو۔

رات وہاں بسر ہوئی۔ حضور نبی کریم جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو سامنے کوہ احد نظر آیا حضور نے اسے دیکھ کر فرمایا:

هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحَرِّمُ بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِيْنَةِ۔ (2)

"یہ پہاڑ ہے، یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اے اللہ! میں مدینہ طیبہ کے دونوں کناروں کے درمیان سارے علاقہ

1۔ ایضاً، صفحہ 232

2۔ المقریزی، "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 351

کو حرم قرار دیتا ہوں۔"

مہاجرین کی سیر چشمی

آپ کو علم ہے کہ جب اہل مکہ کے مظالم سے تنگ آکر مہاجرین ترک وطن کر کے مدینہ طیبہ میں پہنچے تو ان کی خستہ حالی اور بے مائیگی کو دیکھ کر انصار نے اپنے کھیتوں، باغوں اور مکانات کو نصف نصف تقسیم کیا۔ ایک نصف اپنے پاس رکھا اور دوسرا نصف اپنے مہاجر بھائیوں کی خدمت میں پیش کر دیا۔

ہادی برحق ﷺ جب مدینہ طیبہ مراجعت فرما ہوئے تو مہاجرین نے وہ زرعی اور سکنی املاک انصار کو واپس کر دیں۔ کیونکہ خیبر، وادی القری اور تیماء سے جو اموال غنیمت ہاتھ آئے تھے، ان کو جب مجاہدین میں تقسیم کیا گیا تو مہاجرین کی معاشی خستہ حالی، خوشحالی سے بدل گئی۔ اب ان چیزوں کی انہیں ضرورت نہ رہی جو ان کے انصار بھائیوں نے بصد مسرت انہیں دی تھیں۔ حضرت انس کی والدہ نے کھجوروں کے چند ثمردار درخت بارگاہ رسالت میں پیش کیے تھے تاکہ رحمت عالم ﷺ ان کے پھل کو اپنے استعمال میں لے آئیں۔ سرکار دو عالم نے یہ درخت اپنی کنیز ام ایمن والدہ اسامہ بن زید کو مرحمت فرما دیئے۔ ان کا پھل وہ استعمال کرتی تھیں۔ خیبر سے واپسی کے بعد حضور انور ﷺ نے وہ درخت انس کی والدہ کو واپس فرما دیئے۔ انہوں نے یہ درخت اپنے بیٹے انس کو دے دیئے۔ حضرت ام ایمن کو پتا چلا تو وہ آئیں اور حضرت انس کی گردن میں کپڑا ڈال کر کہنے لگیں۔ خدا کی قسم! حضور نے یہ درخت مجھے عطا فرمائے تھے۔ اب یہ تمہیں نہیں مل سکتے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، ام ایمن! یہ درخت انس کے پاس رہنے دو، ان کے بدلہ میں تجھے اور کھجور کے درخت دیتا ہوں۔ ام ایمن نے عرض کی کَلَّا وَاللهِ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس خدا کی قسم جو وحدہ لا شریک ہے۔ میں یہ درخت انس کو ہرگز نہیں دوں گی۔ حضور نے فرمایا، اتنے مزید درخت لے لو اور یہ درخت انس کے پاس رہنے دو۔ لیکن ہر بار وہ قسم کھاتیں اور ان درختوں سے دستبردار ہونے سے انکار کر دیتیں اور وہ اس وقت تک راضی نہ ہوئیں جب تک ہر درخت کے عوض دس دس کھجور کے درخت نہ لے لئے۔(1)

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 232، "امتاع الاسماع"، جلد 4، صفحہ 287-289

غزوۂ خیبر کے بعد جنگی مہمات

نبی مکرم ﷺ نے غزوۂ خیبر سے واپسی کے بعد موسم خزاں اور موسم سرما مدینہ طیبہ میں گزارا۔ اس عرصہ میں بذات خود کسی غزوہ پر تشریف نہیں لے گئے۔ البتہ متعدد فوجی مہمیں صحابہ کرام کی سرکردگی میں مختلف اطراف میں روانہ فرمائیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ سریہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام احمد بن حنبل نے حضرت سلمہ بن اکوع کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔

سلمہ بن اکوع نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دستہ حضرت ابو بکر کی قیادت میں بنو فزارہ کی گوشمالی کے لئے روانہ فرمایا۔ میں بھی اس دستہ میں شامل تھا۔ ہم جب بنو فزارہ کے چشمہ پر پہنچے تو رات ہو گئی تھی۔ حضرت صدیق نے ہمیں وہاں رات گزارنے کی اجازت دی۔ ہم رات بھر سوتے رہے۔ نماز صبح کے بعد آپ نے ہمیں دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ دشمن کے جو آدمی ہمارے قابو میں آئے ہم نے ان کو قتل کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ بچے اور عورتیں پہاڑ کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ میں نے دوڑ کر ان کا تعاقب کیا اور ان کو اپنے حصار میں لے لیا۔ میں ان کو گھیر کر حضرت ابو بکر صدیق کے پاس لے آیا۔ آپ اس وقت چشمہ پر فروکش تھے۔ ان میں بنو فزارہ کی ایک عورت تھی اس کے ساتھ اس کی ایک نوجوان بیٹی بھی تھی جو بڑی خوش شکل تھی۔

حضرت صدیق نے وہ لڑکی مجھے عنایت کر دی۔ میں اس کو مدینہ طیبہ لے آیا۔ لیکن میں نے اس کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ دوسرے روز نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے بازار میں ملے اور فرمایا۔ سلمہ، وہ لڑکی مجھے دے دے۔ میں نے معذرت خواہی کی۔ حضور نے اصرار نہیں فرمایا۔ دوسرے روز بھی بازار میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی۔ حضور نے دوبارہ فرمایا۔ سلمہ، وہ لڑکی مجھے دے دے۔ میں نے دوبارہ معذرت پیش کی۔ حضور نے اصرار نہ فرمایا اور تشریف لے گئے۔ تیسرے روز پھر حضور کی زیارت نصیب ہوئی۔ سرور عالم ﷺ نے تیسری بار فرمایا۔ وہ لڑکی مجھے دے دے۔ اب میں انکار نہ کر سکا۔ میں نے

عرض کی، میں اسے حضور کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ سرکار دو عالم نے مجھ سے وہ لڑکی لے کر مکہ بھیجی اور اسے بطور فدیہ دے کر جو غریب اور کمزور مسلمان مرد اور عورتیں کفار مکہ کے قبضہ میں تھیں، انہیں رہا کرالیا۔(1)

2۔ سریہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نبی مکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تیس سواروں کے ایک دستہ کا قائد بنا کر بنو ہوازن کی ایک شاخ بنو نصر بن معاویہ اور بنو جشم بن بکرہ جو تربہ کے موضع میں رہائش پذیر تھے، (یہ ایک بستی ہے جو مکہ مکرمہ سے چار رات کے فاصلہ پر اس راستہ پر واقع ہے جو صنعاء اور نجران کی طرف جاتا ہے) کی فتنہ انگیزیوں پر قابو پانے کے لئے روانہ فرمایا اور بنی ہلال کے ایک شخص کو ان کا دلیل راہ مقرر فرمایا۔ یہ دستہ دن کے وقت چھپ کر آرام کرتا اور رات کی تاریکی میں سفر کرتا۔ جب یہ دستہ بنو ہوازن کے علاقہ میں پہنچا تو ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے ان کو اطلاع مل گئی تھی کہ مسلمانوں کا ایک فوجی دستہ ان کی سرکوبی کے لئے آ رہا ہے۔ چنانچہ وہ پہلے ہی وہاں سے بھاگ گئے اور میدان خالی چھوڑ گئے۔ حضرت عمر نے جب ان کو وہاں سے مفرور پایا تو مدینہ لوٹنے کا قصد کیا۔ کسی نے عرض کی کہ خثعم قبیلہ یہاں سے قریب ہے۔ کیا یہ مناسب نہیں کہ ان کی اصلاح کے لئے ان کے خلاف کارروائی کی جائے؟ آپ نے فرمایا کہ میرے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مجھے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ میں بنو ہوازن پر حملہ کروں، کسی دوسرے قبیلہ پر حملہ کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا تھا۔ میں سرکار کے حکم کے بغیر کسی پر حملہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آپ بخیریت واپس تشریف لے آئے۔(2)

3۔ سریہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو تیس سواروں کا امیر بنا کر بھیجا تا کہ یسیر بن رزام یہودی کو کیفر کردار تک پہنچائیں۔ حضور کو اس کے بارے میں اطلاع ملی تھی کہ وہ حملہ کرنے کے لئے بنو غطفان قبیلہ سے سازباز کر رہا ہے۔ جب عبداللہ بن رواحہ

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 417 و ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی (384-458ھ) دلائل النبوۃ و معرفہ احوال صاحب الشریعہ"، بیروت، دار الکتب الاسلامیہ، ب ت، جلد 4، صفحہ 290

2۔ ایضاً، صفحہ 418 و "دلائل النبوۃ"، جلد 4، صفحہ 292

رضی اللہ عنہ خیبر پہنچے اور یسیر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس کو کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں بھیجا ہے تاکہ حضور تمہیں خیبر کے سارے علاقہ کا گورنر مقرر فرمائیں۔ پہلے تو اس نے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا لیکن آخر کار وہ آمادہ ہو گیا۔ البتہ اس نے یہ شرط لگائی کہ وہ اپنی حفاظت کے لئے اپنے تیس آدمی ہمراہ لے جائے گا، جسے منظور کیا گیا۔ مسلمان تیس سوار تھے۔ ہر ایک سوار نے یسیر کے ایک ایک آدمی کو اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ جب یہ لوگ قرقرہ نیار نامی گاؤں پہنچے جو خیبر سے چھ میل کی مسافت پر تھا تو یسیر، مسلمانوں کے ساتھ آنے پر بہت پشیمان ہوا۔ اس نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کی تلوار چھیننی چاہی لیکن آپ تاڑ گئے۔ آپ نے اپنے اونٹ کو ایڑ لگائی اور اپنے ساتھیوں کو تیز لے چلے۔ موقع پا کر یسیر پر تلوار کا وار کیا اور اس کی ران کاٹ دی۔ یسیر کے پاس سخت لکڑی کی ایک ڈھال تھی اس نے اس سے آپ کا چہرہ زخمی کر دیا۔ یسیر کی اس حرکت کے بعد ہر مسلمان سوار نے اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے یہودی کو قتل کر ڈالا۔ ان میں سے صرف ایک یہودی بھاگ کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوا۔ مسلمانوں کا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ حضرت عبداللہ، جب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبداللہ کے زخمی چہرہ پر اپنا لعاب دہن لگایا جس سے ان کا زخم مندمل ہو گیا اور اس کی وجہ سے آپ کو ذرا تکلیف نہ ہوئی۔ (1)

4۔ سریہ بشیر بن سعد الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سرکار دو عالم ﷺ نے تیس سواروں کا ایک دستہ قبیلہ بنی مرہ کی گوشمالی کے لئے روانہ فرمایا اور اس کی قیادت حضرت بشیر بن سعد کے سپرد کی۔ جب یہ دستہ بنو مرہ کے علاقہ میں پہنچا تو ان کے جانوروں کو ہانک لیا تو بنو مرہ نے لڑائی شروع کر دی اور ان کے ساتھیوں کو انہوں نے تہ تیغ کر دیا۔ بشیر بن سعد جان بچا کر مدینہ منورہ پہنچے اور حضور کی بارگاہ میں سارا ماجرا بیان کیا۔ حضور ﷺ نے جلیل القدر صحابہ کا ایک جتھہ تیار کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ بنو مرہ کو کیفر کردار تک پہنچائیں۔ اس لشکر میں اسامہ بن زید، ابن مسعود بدری اور کعب بن عجرہ جیسی ہستیاں تھیں۔

1۔ ایضاً، و "دلائل النبوۃ"، جلد 4، صفحہ 295

حضرت اسامہ بن زید کی مرداس بن نھیک سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ جب اسامہ نے اس پر حملہ کرنے کے لئے تلوار بلند کی تو اس نے جھٹ پڑھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لیکن حضرت اسامہ نے تلوار کا وار کر کے اس کا سر قلم کر دیا۔ صحابہ کرام نے بہت ملامت کی۔ جس سے انہیں بہت افسوس ہوا۔ جب یہ لوگ مدینہ طیبہ پہنچے تو نبی کریم ﷺ کو سارے حالات سے آگاہ کیا گیا تو حضور نے بڑے غصہ سے فرمایا یَا اُسَامَةُ مَنْ لَكَ بِلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اے اسامہ! اس کلمے کا جو اس نے پڑھا ہے کیا جواب ہے؟ میں نے عرض کی، یارسول اللہ! اس نے قتل سے بچنے کے لئے کلمہ پڑھا تھا۔ یہ اس کا عقیدہ نہ تھا۔ حضور نے پھر فرمایا وَمَنْ لَكَ يَا اُسَامَةُ بِلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حضور بار بار یہ جملہ دہراتے رہے۔ اسامہ کہتے ہیں کہ میری ندامت اور خجالت کی حد نہ تھی۔ دل میں آرزو کرتا کہ کاش میں نے اسے قتل نہ کیا ہوتا۔ کاش میں آج مشرف باسلام ہوا ہوتا۔ میں نے عرض کی۔ یارسول اللہ! آج کے بعد میں کبھی ایسے آدمی کو قتل نہ کروں گا جو کلمہ پڑھے گا۔ حضور نے فرمایا، میرے بعد بھی ایسا نہ کرو گے۔ میں نے عرض، حضور کے بعد بھی ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ (1)

اس غزوہ میں ہر مجاہد کو دس دس اونٹ اور سو سو بکریاں حصہ میں آئیں۔

5۔ سریہ غالب بن عبداللہ اللیثی

اسی سال ماہ رمضان میں نبی کریم ﷺ نے غالب بن عبداللہ اللیثی کو ایک سو تیس مجاہدین کے ایک دستہ کا امیر بنا کر روانہ کیا۔ تاکہ جانب نجد مدینہ طیبہ سے آٹھ برید کے فاصلے پر اہل منیعہ پر حملہ کریں اور ان کی سرکوبی کریں۔ ان مجاہدین نے ان کے مرکز منیعہ میں پہنچ کر ان پر یلغار کی۔ جو سامنے آیا اس کو تہ تیغ کر دیا اور کثیر تعداد میں اونٹ اور بھیڑ بکریاں ہانک کر لے آئے۔ (2)

6۔ بشیر بن سعد کی زیر قیادت دوسرا سریہ

اسی سال ماہ شوال میں بشیر بن سعد کو یمن اور جناب کے علاقہ کی طرف بھیجا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حسیل بن نویرہ نے اطلاع دی کہ بنو غطفان کے چند شرپسند یہاں اکٹھے

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 419-420

2۔ محمد رضا، "محمد رسول اللہ"، صفحہ 285

ہوئے ہیں اور عیینہ بن حصین کے ساتھ ساز باز کر کے مدینہ طیبہ کے اطراف واکناف پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ حضور نے صدیق اور حضرت فاروق سے مشورہ کیا۔ دونوں نے عرض کی کہ بشیر بن سعد کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین سو مجاہدین کا امیر بنا کر بشیر بن سعد کو بھیجا اور ان کو پرچم عطا فرمایا۔ حسیل کو اس دستہ کا راہنما مقرر کیا۔ یہ لشکر جناب کی سمت میں یمن اور جبار (1) کی بستیوں کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے آگے بڑھا اور سلاح نامی بستی میں آکر خیمہ زن ہوا۔ یہ بستی خیبر اور وادی القریٰ کے قرب وجوار میں ہے۔ وہاں بنو غطفان کے اونٹوں کی کثیر تعداد چر رہی تھی۔ لشکر اسلام کو دیکھ کر ان کے چرواہے بھاگ گئے اور تمام اونٹوں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ چرواہوں نے جاکر اپنے مالکوں کو حقیقت حال سے آگاہ کیا لیکن کسی کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ بشیر اپنے مجاہدین سمیت بخیر وعافیت مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ راستہ میں عیینہ کا ایک جاسوس گرفتار ہوا جسے قتل کر دیا گیا۔ آگے بڑھ کر عیینہ کے پیروکاروں سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ جنہیں بھاگ جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ ان میں سے دو آدمی جنگی قیدی بنا لئے گئے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں آزاد کر دیا۔ (2)

7۔ سریہ ابی حدرد الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس سریہ کی تفصیل ابی حدرد کی زبانی سنئے:

ابو حدرد کہتے ہیں کہ میں نے اپنی قوم کی ایک خاتون سے شادی کی اور دو سو درہم مہر مقرر ہوا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تاکہ اس سلسلہ میں حضور میری امداد فرمادیں۔ حضور نے پوچھا تم نے کتنا مہر مقرر کیا ہے! میں نے عرض کی دو سو درہم۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ۔ تم نے اتنا مہر مقرر کیا ہے! میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس سے تمہاری امداد کروں۔ چنانچہ میں چند روز ٹھہرا رہا۔ پھر بنی جشم قبیلہ کا ایک آدمی رفاعہ بن قیس نامی آیا۔ اس کے ساتھ اس کا بہت بڑا قبیلہ تھا۔ چنانچہ اس نے "الغابہ" مقام پر قیام

1۔ علامہ مقریزی نے جبار کے جیم پر ضمہ (پیش) اور صاحب "تاریخ الخمیس" نے جبار کے جیم پر فتحہ (زبر) دیا ہے۔

2۔ "امتاع الاسماع"، صفحہ 253

کیا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ قیس قبیلہ کو وہ دعوت دے تا کہ وہ اس کے ساتھ مل کر رسول کریم ﷺ پر حملہ آور ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے مجھے اور دو مسلمانوں کو یاد فرمایا۔ ہمیں حکم دیا کہ ہم اس شخص کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ سواری کے لئے ہمیں ایک بوڑھی اونٹنی دی گئی جو اٹھنے سے بھی عاجز تھی۔ ہم میں سے ایک آدمی اس پر سوار ہوا تو وہ اٹھ نہ سکی۔ لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے دھکیل کر اسے اٹھایا۔ حضور نے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جاؤ اور معلومات حاصل کر کے مجھے آگاہ کرو۔ ہمارے ساتھ تیر کمان اور تلواریں تھیں۔ جب ہم غابہ کے مقام پر پہنچے تو سورج ڈوبنے لگا تھا۔ میں ایک کونہ میں چھپ گیا اور میں نے دوسرے دو ساتھیوں کو ایک اور کونہ میں چھپنے کے لئے کہا۔ میں نے انہیں کہا کہ جب تم میرا نعرہ تکبیر سنو اور دوڑ کر مجھے لشکر میں گھستا ہوا دیکھو تو تم دونوں بھی بلند آواز سے نعرہ تکبیر کہو اور دوڑ کر مجھ سے آملو۔ ہم اب اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ ہمیں موقع ملے کہ ہم دشمن پر بلہ بول دیں۔ اتفاقاً ان کا ایک چرواہا تھا، اسکی واپسی میں تاخیر ہوگئی۔ تو اس کا مالک رفاعہ بن قیس اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنی تلوار گردن میں حمائل کی اور کہا بخدا میں اپنے چرواہے کے پیچھے جاؤں گا۔ اسے ضرور کوئی مصیبت پہنچی ہے۔ اس کے ساتھیوں نے اسے کہا خدا کے لئے تم نہ جاؤ ہم جا کر اسے تلاش کر کے لے آتے ہیں۔ اس نے کہا میرے بغیر اور کسی کو جانے کی اجازت نہیں۔ انہوں نے کہا پھر ہم تمہارے ساتھ جاتے ہیں، لیکن اسنے منع کر دیا کہ اس کے ساتھ کوئی نہ آئے۔ وہ تنہا نکلا۔ جب میرے پاس سے گزرا تو میں نے اس پر اپنا تیر چلایا جو اس کے دل میں پیوست ہو گیا اور اسے یارائے تکلم بھی نہ رہا۔ میں نے جھپٹ کر اس کا سر قلم کر دیا۔ پھر میں لشکر کی طرف دوڑا اور بلند آواز سے نعرہ تکبیر کہا جسے سن کر نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے میرے دونوں ساتھی دوڑ کر آئے۔ اور دشمن نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ ان کے کثیر تعداد اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کو ہانک کر ہم مدینہ طیبہ بارگاہ رسالت میں لے آئے۔ میں رفاعہ کا سر بھی اپنے ہمراہ لایا تھا، وہ بھی میں نے حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور ﷺ نے مجھے ان اونٹوں سے تیرہ اونٹ عطا فرمائے تا کہ میں اپنا مہر ادا کروں۔ اس طرح میری بیوی میرے گھر میں آگئی۔ (1)

1۔ الامام البیہقی، "دلائل النبوۃ"، جلد 4، صفحہ 303-304

8۔ سریہ حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صحیحین میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے ایک فوجی دستہ تیار کیا اور اس کی قیادت ایک انصاری کو تفویض فرمائی اور سب مجاہدین کو حکم دیا کہ اپنے امیر کا حکم سنیں اور اس کو بجالائیں۔ اثنائے سفر وہ انصاری سالار کسی وجہ سے اپنے سپاہیوں سے ناراض ہو گیا اور انہیں حکم دیا کہ ایندھن اکٹھا کریں، جب ایندھن اکٹھا ہو گیا تو اس نے حکم دیا کہ آگ جلاؤ۔ جب آگ خوب بھڑک اٹھی اور انگارے دہکنے لگے تو اس نے اپنے سپاہیوں کو کہا کہ تمہیں علم ہے کہ حضور نے تمہیں میرا حکم بجالانے کی تاکید فرمائی تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ بے شک حضور نے ایسا ہی فرمایا تھا۔ اس نے کہا میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو جاؤ۔ سپاہی یہ عجیب و غریب حکم سن کر ششدر رہ گئے اور ایک دوسرے کی طرف تکنے لگے۔ آخر کار انہوں نے کہا کہ ہم نے سرکار دو عالم ﷺ کا دامن اس لئے پکڑا تھا کہ ہمیں آگ کے عذاب سے رہائی نصیب ہو گی۔ اگر پھر بھی ہمیں آگ میں جلنا ہے تو پھر حضور کی غلامی اختیار کرنے کا کیا فائدہ۔ چنانچہ انہوں نے اس کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔

جب یہ لشکر واپس آیا تو انہوں نے بارگاہ رسالت میں ساری صورت حال پیش کی۔ حضور نے فرمایا اگر تم اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر تمہیں آگ سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوتا۔ پھر اپنے غلاموں کو ایک اہم درس دیتے ہوئے فرمایا:

اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوْفِ (1)

"یعنی تم پر حاکم کے ہر حکم کی تعمیل لازمی نہیں۔ صرف اچھے اور صحیح احکام کی بجا آوری ضروری ہے۔"

ان سرایا کے علاوہ چند دیگر سریات (فوجی مہمیں) بھی ہیں جن میں سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختصر فوجی دستے اپنے کسی صحابی کی قیادت میں مختلف فتنہ پرداز قبائل کی سرزنش کے لئے بھیجے۔ مسلمان مجاہدین کے وہاں پہنچنے سے ان کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔" (2)

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 426

2۔ "دلائل النبوۃ"، جلد 4، صفحہ 290-312

غزوۂ ذات الرقاع(1)

ان متعدد سرایا کے علاوہ ایک ایسی مہم بھی پیش آئی، جس کو سر کرنے کے لئے رحمت عالمیان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خود زحمت سفر برداشت کرنا پڑی۔ یہ غزوہ کتب سیرت و تاریخ میں غزوۂ ذات الرقاع کے عنوان سے معروف ہے۔

اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ ایک بیرونی تاجر اپنے ہمراہ گھوڑے، اونٹ اور دیگر سامان تجارت لے کر فروخت کرنے کے لئے مدینہ طیبہ آیا۔ چند دن وہاں ٹھہرا۔ یہاں تک کہ اس کا سارا سامان فروخت ہو گیا۔ اہل مدینہ کے رویہ سے اس نے اندازہ لگایا کہ دشمن ان پر حملہ کرنے کے لئے تیاریوں میں مصروف ہے اور یہ لوگ بڑی بے فکری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ شاید انہیں دشمن کی منصوبہ بندیوں کا علم تک نہیں۔ اس نے مسلمانوں کو بتایا کہ بنی انمار اور بنی سعد بن ثعلبہ تو تم پر حملہ کرنے کے لئے لشکر جمع کر رہے ہیں اور تم ان کا مقابلہ کرنے کے لئے سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کر رہے۔ جب یہ اطلاع سرور عالم ﷺ کو ملی تو حضور نے کسی توقف کے بغیر ان پر ہلہ بولنے کا عزم فرمالیا۔ حضرت ابوذر غفاری کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود دس محرم کو چار سو یا سات سو مجاہدین لے کر دشمن کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گئے۔ مضیق، کے گاؤں سے گزرتے ہوئے "وادی الشقرہ" پہنچے۔ وہاں ایک روز قیام فرمایا اور دشمن کی سرگرمیوں سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے مجاہدین کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں گردونوح میں پھیلا دیں۔ شام کے وقت یہ لوگ واپس آئے اور عرض کی کہ ہم نے یہ سارا علاقہ چھان مارا ہے، ہمیں دشمن کا ایک آدمی بھی نہیں ملا۔ حضور انور ﷺ صحابہ کو ہمراہ لے کر وہاں سے روانہ ہوئے اور نخل نامی منزل تک پہنچ گئے۔ ان کی نشست گاہوں تک کو ڈھونڈ ڈالا لیکن عورتوں کے علاوہ وہاں کسی مرد کا سراغ نہ ملا۔ ان کو جنگی قیدی بنا لیا۔ ان کے سارے مرد بھاگ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچ گئے اور لشکر اسلام کو جھانکنے لگے۔

1۔ اس غزوہ کی وجہ تسمیہ حضرت ابوموسیٰ نے یہ بیان کی ہے کہ چلنے سے ہمارے پاؤں میں زخم ہو گئے یہاں تک کہ میرے پاؤں کے ناخن بھی اتر گئے۔ ان زخموں پر ہم نے چیتھڑے لپیٹ لئے اس وجہ سے اس غزوہ کو ذات الرقاع کہتے ہیں۔

9۔ سریہ بنی غطفان

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ لشکر اسلام کی مڈ بھیڑ بنو غطفان کے ایک گروہ سے ہوئی۔ لیکن فریقین نے ازراہ احتیاط ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے احتراز کیا۔ اسی اثناء میں نماز ظہر کا وقت آگیا۔ امام الانبیاء ﷺ نے جماعت کرائی۔ سب مسلمانوں نے حضور کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ مشرکین نے جب مسلمانوں کو نماز میں مصروف دیکھا تو انہوں نے مسلمانوں پر ہلہ بول دینے کا ارادہ کیا۔ ان میں سے ایک شخص نے انہیں کہا کہ صبر سے کام لو۔ ابھی تھوڑی دیر بعد ایک دوسری نماز کا وقت ہونے والا ہے اور وہ نماز انہیں اپنے جگر کے ٹکڑوں سے بھی زیادہ پیاری ہے۔ جب اس نماز کی ادائیگی میں یہ لوگ مشغول ہوں اس وقت تم ان پر حملہ کرنا یہ ذرا مدافعت نہیں کریں گے اور تم آرام سے ان کو موت کے گھاٹ اتار سکو گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو بھیج کر اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو دشمن کے ارادوں سے آگاہ کیا۔ چنانچہ حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عصر کی نماز، صلوٰۃ خوف کے طریقہ کے مطابق ادا کی۔ اس طرح دشمن اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام رہا۔ یہ پہلی نماز خوف تھی جو سرور عالم ﷺ نے ادا فرمائی۔ پھر مدینہ واپسی کا عزم فرمایا اور جعال نامی ایک شخص کو مدینہ روانہ کیا تاکہ اہل مدینہ کو لشکر اسلام کی بخیریت واپسی کا مژدہ سنائے۔

اس سفر میں حضور پرنور ﷺ پندرہ دن مدینہ منورہ سے باہر رہے۔ طبرانی نے اپنی اوسط میں لکھا ہے کہ اس سفر میں اتنے معجزات رونما ہوئے کہ اس غزوہ کا نام ”غزوۃ الاعاجیب“ مشہور ہو گیا۔ ان میں سے چند معجزات کا ذکر تقویت ایمان کا باعث ہوگا۔ اس لئے انہیں ذکر کیا جارہا ہے:

1۔ امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ واپسی کے وقت ایک روز قیلولہ کرنے کے لئے حضور مع مجاہدین اپنی سواریوں سے نیچے اترے۔ جہاں کسی کو گھنا سایہ نظر آیا وہاں ستانے کے لئے لیٹ گیا۔ رحمت عالم ﷺ بھی ایک درخت کے سایہ میں استراحت فرما ہوئے اور اپنی تلوار درخت کی ایک شاخ سے آویزاں کردی۔ بہت جلد سب لوگ خواب راحت کے مزے لوٹنے لگے۔ اچانک حضور کی آواز بلند ہوئی۔ حضور سب کو اپنے پاس بلا رہے تھے۔ ہم فوراً وہاں پہنچے تو دیکھا کہ حضور کے قریب ایک بدو بیٹھا

ہوا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا۔ یہ بدو آیا۔ اور میری تلوار نیام سے نکال لی۔ میں جاگا تو یہ برہنہ تلوار لہرا رہا تھا۔ یہ کہنے لگا بتاؤ تمہیں میری تلوار سے کون بچائے گا؟ میں نے جواب دیا۔ "اللہ" اس نے پھر یہی سوال پوچھا۔ میں نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری بار پھر اس نے وہی سوال پوچھا تو میں نے یہی جواب دیا کہ میرا اللہ مجھے بچائے گا۔ اس جواب سے وہ ایسا مرعوب ہوا کہ تلوار کو میان میں ڈال کر آرام سے یہاں بیٹھ گیا۔ حضور نے اس سے کوئی مواخذہ نہیں فرمایا اور اسے رہا کر دیا۔(1)

2۔ حضرت جابر سے مروی ہے۔ اس سفر میں جب لشکر اسلام "حرہ واقم" پہنچا تو ایک بدوی عورت اپنے بچے کو لے کر حاضر ہوئی۔ عرض کرنے لگی، یا رسول اللہ! یہ میرا بیٹا ہے۔ اس پر شیطان کا اثر ہے۔ حضور نے بچے کو کہا کہ منہ کھولو۔ اس نے منہ کھولا تو حضور نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور زبان سے فرمایا:

اِخْسَأْ عَدُوَّ اللّٰهِ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ

"اے اللہ کے دشمن دور ہو جاؤ۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔"

یہ کلمات حضور نے تین بار دہرائے اور اس کی ماں کو فرمایا اب بے فکر ہو جاؤ، اب اس شیطان کی مجال نہیں کہ دوبارہ بچے کو اذیت پہنچائے۔(2)

3۔ حضرت جابر سے مروی ہے کہ جب غزوہ ذات الرقاع سے ہم لوٹ رہے تھے تو "محبط حرہ" پہنچے۔ ہم نے دیکھا ایک اونٹ تیزی سے آ رہا ہے اور بڑبڑا رہا ہے۔ سرکار نے فرمایا تمہیں پتا چلا کہ اونٹ نے کیا کہا؟ اس نے مجھ سے مدد مانگی ہے کہ میں اس کے مالک سے اس کی سفارش کروں۔ اونٹ نے کہا کہ میں نے سالہا سال اس کی زمین میں ہل چلایا ہے۔ اب یہ مجھے ذبح کرنا چاہتا ہے۔ حضور نے فرمایا جابر! جاؤ اور اس کے مالک کو بلا لاؤ۔ میں نے عرض کی کہ میں تو اس کے مالک کو نہیں پہچانتا۔ فرمایا، یہ اونٹ خود تمہاری راہنمائی کرے گا۔ اونٹ میرے آگے آگے چل پڑا۔ مجھے وہاں لے گیا جہاں اس کا مالک بیٹھا ہوا تھا۔ میں اسے بلا کر بارگاہ رسالت میں لے آیا۔ حضور نے اونٹ کی سفارش فرمائی۔(3)

4۔ ابو نعیم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ ہم حضور پر نور ﷺ کی معیت میں

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 269

2۔ ایضاً، صفحہ 270

3۔ ایضاً، صفحہ 271

سرگرم سفر تھے کہ ایک صحابی ایک پرندے کے بچے کو پکڑ کر لا رہا تھا۔ رحمت عالم ﷺ اس کو دیکھ رہے تھے۔ اس بچے کی ماں اور باپ اپنے بچے پر جھپٹ رہے تھے۔ یہاں تک کہ اس نے اس پکڑنے والے کے سامنے اپنے آپ کو ڈال دیا۔ لوگ اس پرندے کے طرز عمل کو دیکھ کر تصویر حیرت بن گئے۔ نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَتَعْجَبُونَ مِنْ هٰذَا الطَّائِرِ أَخَذَ تُمْ فَرْخَهُ وَطَرَحَ نَفْسَهُ رَحْمَةً بِفَرْخِهِ وَاللّٰهِ لَرَبُّكُمْ أَرْحَمُ بِكُمْ مِنْ هٰذَا الطَّائِرِ بِفَرْخِهِ۔ (1)

"اے لوگو! تم اس پرندے کو دیکھ کر حیران ہو رہے ہو کہ تم نے اس کا بچہ پکڑا اور اس نے اپنے آپ کو تمہارے سامنے ڈال دیا۔ بخدا تمہارا رب، اس پرندے سے بھی زیادہ تم پر رحم فرمانے والا ہے۔"

5۔ ابن اسحاق نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ اثنائے سفر سرور کائنات ﷺ کا گزر کفار کے ایک نخلستان سے ہوا۔ وہاں سے ایک عورت ملی جسے اسیر بنالیا گیا۔ اس کا خاوند وہاں موجود نہ تھا۔ جب وہ واپس آیا اور اسے پتا چلا کہ مسلمان اس کی بیوی کو جنگی قیدی بنا کر لے گئے ہیں تو اس نے قسم کھائی کہ میں اپنی بیوی کا بدلہ مسلمانوں سے لے کر رہوں گا۔ وہ لشکر اسلام کے قدموں کے نشانات دیکھ کر ان کے تعاقب میں چل پڑا۔ حضور ﷺ رات بسر کرنے کے لئے ایک جگہ اترے۔ آرام فرمانے سے پہلے حضور نے اپنے صحابہ سے پوچھا مَنْ رَجُلٌ يَكْلَأُنَا؟ تم میں سے کون رات کو ہمارا پہرہ دے گا۔ حضرت عباد بن بشر اور عمار بن یاسر نے کھڑے ہو کر عرض کی، یارسول اللہ! اس خدمت کے لئے ہم حاضر ہیں۔ یہ دونوں گھاٹی کے دہانہ پر بیٹھ گئے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد ایک نے دوسرے کو کہا، تم کیا پسند کرتے ہو؟ رات کے پہلے حصہ میں جاگنا یا پچھلے حصہ میں۔ حضرت عمار نے رات کے آخری حصہ میں جاگنا پسند کیا۔ چنانچہ عمار سو گئے اور حضرت عباد کھڑے ہو کر نفل پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔

اس عورت کا خاوند بھی تلاش کرتا وہاں پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ کوئی مسلمان نماز ادا کر رہا ہے۔ اس نے تاڑ کر تیر مارا جو آپ کی پسلی میں آکر پیوست ہو گیا۔ آپ نے اسے نکالا

1۔ ایضاً، صفحہ 274

اور اپنے پاس رکھ لیا اور نماز نہیں توڑی۔ پھر اس نے دوسرا تیر مارا۔ وہ دوسرے پہلو میں کھب گیا۔ آپ نے اسے بھی نکال کر رکھ دیا اور ادائے نماز میں مصروف رہے۔ جب خون بکثرت جسم سے بہہ گیا تو انتہائی نقاہت کا احساس ہوا۔ آپ نے اپنی نماز توڑی اور حضرت عمار کو جگایا اور اپنی حالت بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ بھائی! جب آپ کو پہلا تیر لگا تھا اس وقت مجھے کیوں نہ جگا دیا؟ عباد نے کہا، میں اس وقت سورۂ کہف کی تلاوت کر رہا تھا۔ میں نے اس وقت تلاوت کو منقطع کرنا پسند نہ کیا۔ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ بکثرت خون بہنے سے میری موت واقع ہو سکتی ہے اور اگر میں نے تمہیں جگا کر مورچہ سنبھالنے کا فرض ادا نہ کیا تو میں ایک بہت بڑی خیانت کا مرتکب ہوں گا تو میں کبھی بھی سورۂ کہف کی تلاوت کے سلسلہ کو منقطع نہ کرتا خواہ میری جان بھی چلی جاتی۔

حضرت عباد کے ایمان افروز جواب کو آپ بھی پڑھئے:

قَالَ كُنْتُ فِي سُوْرَةٍ أَقْرَأُهَا وَهِيَ سُوْرَةُ الْكَهْفِ وَكَرِهْتُ أَنْ أَقْطَعَهَا حَتَّى أَفْرُغَ مِنْهَا وَلَوْلَا أَنِّي خَشِيْتُ أَنْ أُضِيْعَ ثَغْرًا أَمَرَنِي بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا انْصَرَفْتُ وَلَوْ أَتَى عَلَى نَفْسِي۔ (1)

6۔ امام مسلم، ابو نعیم اور بیہقی نے مندرجہ ذیل واقعہ حضرت جابر سے روایت کیا ہے:

حضرت جابر نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوۂ ذات الرقاع میں سفر کر رہے تھے کہ ہم ایک سرسبز وادی میں اترے۔ حضور انور ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ میں نے لوٹے میں پانی بھرا اور حضور کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ دور جا کر حضور نے ادھر ادھر دیکھا کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی۔ جس سے پردہ کر کے حضور قضائے حاجت کریں۔ وادی کے کنارے پر دو درخت تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی ایک ٹہنی کو پکڑ کر فرمایا اے درخت! اللہ کے اذن سے میری اطاعت کر۔ وہ درخت فوراً فرمانبردار اونٹ کی طرح پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جب حضور علیہ السلام دوسرے درخت کے پاس پہنچے تو اس کی ایک ٹہنی کو پکڑ کر اسے بھی وہی حکم دیا۔ چنانچہ وہ بھی فرمانبردار اونٹ کی طرح پیچھے پیچھے چل پڑا۔ حضور جب اس مسافت کے

1۔ ایضاً، صفحہ 275

نصف میں پہنچے تو دونوں درختوں کی ٹہنیوں کو آپس میں جوڑ دیا۔ چنانچہ وہ دونوں ٹہنیاں آپس میں جڑ گئیں۔ ان کی اوٹ میں حضور نے قضائے حاجت کی۔ حضور میرے پاس واپس تشریف لائے تو وہ دونوں درخت ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنی پہلی جگہوں پر پہنچ گئے۔ حضور جب میرے پاس پہنچے تو مجھ سے دریافت فرمایا۔ یَا جَابِرُ هَلْ رَأَیْتَ مَقَامِیْ ؟ (اے جابر! تم نے میرے مرتبہ کو دیکھا؟) میں نے عرض کی، ہاں یا رسول اللہ۔

7۔ پھر حضور نے فرمایا۔ اے جابر! لوگوں میں اعلان کرو کہ سب وضو کریں۔ لیکن کسی کے پاس ایک قطرہ پانی کا نہ تھا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ فلاں انصاری کے پاس جاؤ ممکن ہے اس کی مشک میں کچھ پانی ہو۔ چنانچہ چند قطرے وہاں سے پانی کے ملے۔ میں نے وہ حاضر خدمت کیے۔ پھر حضور نے ارشاد فرمایا۔ کہ بڑا پیالہ منگواؤ۔ چنانچہ میں ایک بڑا پیالہ لے آیا اور حضور کے سامنے رکھ دیا۔ حضور نے اپنا دست مبارک اس میں پھیلا دیا۔ پھر مجھے حکم دیا کہ وہ پانی کے چند قطرے میرے ہاتھ پر انڈیل دو اور بسم اللہ شریف پڑھو۔ میں نے دیکھا کہ حضور کی انگشت ہائے مبارک سے پانی کے فوارے بہنے لگے یہاں تک کہ سارے لشکر نے سیر ہو کر پانی پیا۔ جب سب سیر اب ہو چکے تو حضور نے اس پیالے سے اپنا دست مبارک نکالا وہ پیالہ اب بھی لبالب بھرا ہوا تھا۔

عمرۃ القضاء

گذشتہ سال سنہ 6 ہجری اسی ماہ ذیقعد میں رحمت عالمیان ﷺ اپنے چودہ سو صحابہ کی معیت میں عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تھے۔ اہل مکہ نے مزاحمت کی اور اس کاروان سعادت نشان کو عمرہ ادا کرنے کی اجازت نہ دی۔ یہاں تک کہ فریقین میں صلح کا معاہدہ طے پایا۔ جس کا تفصیلی تذکرہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ اسی عمرہ کی قضاء کے لئے ایک سال بعد ماہ ذیقعد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمرہ ادا کرنے کے لئے تیاری فرمائی۔ گذشتہ سال جو لوگ ہمراہ گئے تھے۔ ان کو بھی حکم ملا کہ وہ بھی تیار ہو جائیں۔ چنانچہ وہ سب لوگ تیار ہو گئے۔ سوائے ان حضرات کے جو غزوۂ خیبر میں جام شہادت نوش کر چکے تھے یا ویسے اس عرصہ میں پیک اجل کی دعوت قبول کرتے ہوئے عالم آخرت کو سدھار چکے تھے۔ ان کے علاوہ بھی کئی حضرات اپنے آقا کی معیت میں عمرہ ادا کرنے کا شرف حاصل

کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

مدینہ طیبہ کے کئی مکینوں نے عرض کی، یارسول اللہ! ہمارے پاس کوئی زادراہ نہیں۔ ہم کیا کریں؟ ہمارا کوئی دوست بھی نہیں جو ہمارے خور و نوش کا اہتمام کرے۔ نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے اہل اسلام کو حکم دیا کہ اپنے ان اسلامی بھائیوں کی مدد کریں اور ہر شخص اپنی بساط کے مطابق ان کے ساتھ تعاون کرے۔ انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ! ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ ہم کہاں سے ان پر صدقہ کریں؟ اللہ کے رسول نے فرمایا جو تمہارے بس میں ہے وہ صدقہ کرو خواہ نصف کھجور ہی ہو۔ جلیل القدر مفسرین نے آیت کریمہ وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (1) (اور خرچ کیا کرو اللہ کی راہ میں اور نہ پھینکو اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں) کے آخری جملہ کی یہ تشریح کی ہے کہ راہ خدا میں مال خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ نہ روکو، ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ سب صحابہ کرام نے اپنی بساط کے مطابق ان کی مالی امداد میں حصہ لیا۔

سفر عمرہ پر روانگی سے پہلے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابورہم کو مدینہ طیبہ کا والی مقرر فرمایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قربانی کے لئے ساٹھ اونٹ ہمراہ لئے اور ان اونٹوں کی دیکھ بھال کے لئے ناجیہ بن جندب الاسلمی کو متعین فرمایا۔ ان کی اعانت کے لئے بنی اسلم قبیلے کے چار افراد انہیں عطا فرمائے اور ان کے گلوں میں قلادے ڈال دیئے۔ حضور پرنور ﷺ نے اپنے قربانی کے جانور کو اپنے دست مبارک سے خود قلادہ پہنایا۔ (خشک چمڑے کا ٹکڑا جو قربانی کے جانوروں کی شناخت کے لئے ان کے گلے میں ڈالا جاتا ہے اسے قلادہ کہتے ہیں۔) سرکار دو عالم ﷺ نے خود، زرہیں، نیزے وغیرہ سامان جنگ ہمراہ لے جانے کا بھی اہتمام فرمایا اور سو گھوڑے بھی ساتھ لے لئے۔ ہتھیاروں کی نگرانی کی ذمہ داری بشیر ابن سعد رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی۔ گھوڑوں کی نگہداشت کا فریضہ محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔

بارگاہ رسالت میں عرض کی گئی یارسول اللہ! حضور اسلحہ ہمراہ لے جارہے ہیں حالانکہ ان کے ساتھ معاہدہ یہ ہوا تھا کہ حضور ایک تلوار وہ بھی میان میں اپنے ہمراہ لا سکتے ہیں۔ فرمایا کہ ہم حدود حرم میں یہ اسلحہ لے کر داخل نہیں ہوں گے۔ اس وقت حسب معاہدہ ہر

1۔ سورۃ البقرہ: 195

مجاہد کے پاس صرف ایک تلوار ہو گی اور وہ بھی میان میں۔ بقیہ اسلحہ ہم کسی جگہ رکھ دیں گے۔ اگر مشرکین مکہ نے عہد شکنی کرتے ہوئے ہم پر دھاوا بولنے کی حماقت کی تو ہمارا اسلحہ ہمارے قریب ہی ہو گا۔ اس وقت ہم یہی اسلحہ لے کر ان کا مقابلہ کریں گے۔

محمد ابن مسلمہ گھوڑے لے کر مرالظہران پہنچ گئے۔ وہاں کئی قریشی نوجوانوں سے ملاقات ہوئی۔ ان کے دریافت کرنے پر حضرت محمد ابن مسلمہ نے انہیں بتایا کہ نبی مکرم ﷺ مع اپنے صحابہ کے تشریف لا رہے ہیں۔ کل صبح یہاں پہنچ جائیں گے۔ قریشی نوجوانوں نے حضرت بشیر ابن سعد کے پاس اسلحہ کے انبار دیکھے تو ان کے حواس باختہ ہو گئے۔ بڑی تیزی سے وہاں سے نکلے۔ قریش کو صورت حال سے مطلع کیا۔ سب گھبرا گئے۔ کہنے لگے ہم نے صلح کی کسی شق کی خلاف ورزی نہیں کی۔ ہم اپنے معاہدہ پر قائم ہیں اور ابھی معاہدہ کی مدت بھی ختم نہیں ہوئی پھر حضور نے اسلحہ اور لشکر کے ساتھ چڑھائی کیوں کی ہے؟

سرور کائنات ﷺ نے مسجد نبوی کے دروازہ سے ہی عمرہ کا احرام باندھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے باآواز بلند لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کا ورد شروع کیا۔ سب صحابہ نے بھی اپنے ہادی کی اقتداء کرتے ہوئے باآواز بلند لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کہنا شروع کر دیا۔ سب تلبیہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے یہاں تک کہ مرالظہران تک پہنچ گئے۔ سارا اسلحہ یاجج کے مقام پر بحفاظت رکھ دیا۔ قریش نے مکرز ابن حفص کو مع چند نوجوانوں کے حضور کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے عرض کیا کہ غدر اور عہد شکنی کبھی آپ کا شیوہ نہیں رہا۔ اس دفعہ آپ خلاف معاہدہ ہتھیاروں کی اتنی مقدار اپنے ہمراہ کیوں لے آئے ہیں؟ حالانکہ ہمارے اور آپ کے درمیان یہ معاہدہ طے ہوا تھا کہ آپ ایک تلوار وہ بھی نیام میں اپنے ہمراہ لائیں گے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ یقین کرو کہ میں ہتھیار لے کر حدود حرم میں ہرگز نہیں داخل ہوں گا۔ مکرز خوش ہو گیا اور کہنے لگا۔ ہمیں آپ سے یہی توقع تھی کہ آپ ایفائے عہد کریں گے۔ مکرز قریش کے پاس واپس آیا اور ان کو مطمئن کیا۔

نبی رحمت ﷺ جب مرالظہران کے قریب پہنچے۔ وہاں قیام کیا۔ کسی نے بتایا کہ قریش کہہ رہے تھے کہ یثرب کے بخار نے مسلمانوں کو کمزور کر دیا ہے، ان میں کھڑے ہونے کی بھی سکت نہیں رہی۔ صحابہ نے عرض کی، یارسول اللہ! حضور اجازت فرمادیں تو

سواری کے اونٹوں سے چند اونٹ ذبح کر کے انہیں پکائیں تاکہ سب سیر ہو کر کھائیں اور شوربا پئیں تو ہم تروتازہ ہو کر مکہ میں داخل ہونے کے قابل ہو جائیں گے۔ دشمن ہمیں چاق و چوبند دیکھ کر سہم جائے گا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے سواری کے اونٹ ذبح کرنے سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ تم میں سے جس کے پاس زادراہ ہے وہ لے آئے۔ چمڑے کا دستر خوان بچھایا گیا۔ جو زادراہ جمع ہوا اس کو دستر خوان پر پھیلا دیا گیا اور حکم دیا اب پیٹ بھر کر کھانا کھاؤ۔ چنانچہ سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور اپنے تھیلے بھی بھر لئے اور دستر خوان پر بھی بہت سا کھانا بچ گیا۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ

اللہ تعالیٰ کا محبوب اپنے دو ہزار جاں نثار صحابہ کے ہمراہ ذی الحجہ کی چار تاریخ کو صبح سویرے حرم مکہ میں تشریف فرما ہوا۔ مگر زنے جب قریش کو حضور کی آمد کے بارے میں اطلاع دی تو انہوں نے ازراہ حسد و عناد حضور کی طرف دیکھنے سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ روسائے قریش مکہ چھوڑ کر پہاڑوں پر چڑھ گئے تاکہ ان کی آنکھیں سرور عالم ﷺ کو نہ دیکھیں۔ ازراہ حسد و عناد انہیں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ وہ حضور کا رخ انور دیکھیں۔ (1)

سرور عالم ﷺ کے حکم سے ذی طوی کے مقام پر قربانی کے اونٹوں کو یکجا کر دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہو گئے۔ سارے صحابہ کرام اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارد گرد حلقہ باندھے ہوئے تھے۔ ان سب نے اپنی تلواریں گلے میں لٹکائی ہوئی تھیں۔ بلند آواز سے لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کا ورد کر رہے تھے۔ جب یہ موکب ہمایوں ذی طوی کے مقام پر پہنچا تو حجون کی طرف سے حرم شریف میں داخل ہوئے۔ امام بخاری اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکیل پکڑی ہوئی تھی۔ اور وہ شعر پڑھ رہے تھے۔ ان اشعار میں سے چند اشعار آپ بھی سنئے اور لطف اندوز ہوئیے:

خَلُّوْا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيْلِهٖ   اَلْيَوْمَ نَضْرِبْكُمْ عَلٰى تَنْزِيْلِهٖ

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 436

ضَرْبًا يُزِيلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيلِهِ وَيُذْهِلُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِهِ
قَدْ أَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ فِي تَنْزِيلِهِ خَلُّوا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيلِهِ
يَا رَبِّ! إِنِّي مُؤْمِنٌ بِقِيلِهِ أَعْرِفُ حَقَّ اللّٰهِ فِي قَبُولِهِ (1)

1۔ "اے فرزندان کفر! میرے آقا کے راستہ کو خالی کر دو آج ہم تمہارے ساتھ قرآن کریم کے تنزیل پر جنگ کرتے ہیں۔

2۔ ہم تمہیں ایسی ضرب لگائیں گے جو تمہاری گردنوں کو کندھوں سے جدا کر دے گی اور ہر پیارے دوست کو اس کے پیارے دوست سے غافل کر دے گی۔

3۔ اے فرزندان کفر! میرے آقا کے راستہ کو خالی کر دو۔ راستہ خالی کر دو کیونکہ ساری بھلائیاں اس کے رسول کی ذات میں ہیں۔

4۔ اے میرے پروردگار! میں اس کے ارشاد پر ایمان لانے والا ہوں اور میں اس بات کو جانتا ہوں کہ اس کے ہر حکم قبول کرنے میں ہی اللہ کا حق ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ شعر سنے تو عبد اللہ ابن رواحہ کو جھڑک دیا۔ کہا تمہیں شرم نہیں آتی کہ حضور علیہ السلام کی موجودگی میں اور پھر حرم شریف میں اشعار پڑھنے شروع کر دیئے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنا تو فرمایا اے عمر! اسے کچھ نہ کہو۔ یہ اشعار کفار میں تیروں سے بھی زیادہ اثر کرتے ہیں۔ (2)

حضور نے عبد اللہ بن رواحہ کو فرمایا، اے رواحہ کے بیٹے! تم کہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَاَعَزَّ جُنْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ "کوئی معبود نہیں ماسوائے اللہ وحدہ کے اس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور اپنے لشکر کو غالب کیا اور تنہا اسی نے (کفار کے) گروہوں کو شکست دی۔" سب نے مل کر یہی جملے دہرانے شروع کر دیئے۔ (3)

امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ اپنے

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 63

2۔ ایضاً

3۔ "سبل الہدیٰ"، جلد، صفحہ 292

صحابہ سمیت مکہ میں تشریف لے آئے۔ یثرب کے بخار نے مجاہدین اسلام کو لاغر اور کمزور کر دیا تھا۔ کفار مکہ بھی اپنی مجلسوں میں انہی خیالات کا اظہار کرتے رہے تھے کہ کل مسلمان یہاں آئیں گے تم دیکھو گے کہ یثرب کے موسمی بخار نے ان کو لاغر و کمزور کر دیا ہوگا۔ زرد رنگ، پچکے ہوئے گال اور نقاہت ان کے انگ انگ سے ظاہر ہو رہی ہوگی۔ کفار نے پروگرام بنایا کہ جب مسلمان حرم میں داخل ہوں گے تو ہم سامنے والی پہاڑی کی چوٹی قعیقعان پر بیٹھ کر ان کا تماشہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو ان کی باتوں سے آگاہ فرما دیا۔ حضور اور سارے صحابہ نے اضطباع کیا ہوا تھا۔ یعنی چادر کو دائیں کندھے کے نیچے بغل سے گزار کر بائیں کندھے پر ڈالا ہوا تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب کو فرمایا:

رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً اَرَاهُمُ مِنْ نَفْسِهٖ قُوَّةً (1)

"یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو کفار کے سامنے اپنی قوت و طاقت کا مظاہرہ کرے گا۔"

حضور نے سب کو ارشاد فرمایا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کریں یعنی کندھے اٹھا کر، سینے پھیلا کر، تیز تیز قدم اٹھا کر چلو تاکہ دشمنوں پر تمہارا رعب بیٹھے اور ہیبت جم جائے۔ چنانچہ سب نے پہلے تین چکر رمل کے ساتھ کیے۔ مسلمانوں کی یہ چال ڈھال دیکھ کر کفار مکہ کی وہ غلط فہمی دور ہوگئی کہ یثرب کی آب و ہوا نے مسلمانوں کو زار و ناتواں بنا دیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن اوفٰی فرماتے ہیں کہ ادائے عمرہ کے وقت ہم حضور کو اپنے حصار میں لئے رہے تاکہ کوئی اوباش قریب آنے کی جرأت ہی نہ کر سکے۔

امام بیہقی حضرت سعید ابن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ جب طواف سے فارغ ہوئے تو بیت اللہ شریف کے اندر تشریف لے گئے۔ ساری رات وہاں مصروف عبادت رہے یہاں تک کہ حضرت بلال نے حسب ارشاد کعبہ کی چھت پر چڑھ کر صبح کی اذان دی۔ یہ ایمان پرور صدا سن کر کفار مکہ پر کوہ الم ٹوٹ پڑا۔ ابو جہل کا بیٹا عکرمہ کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوالحکم (ابو جہل) پر بڑا کرم فرمایا کہ اس غلام کو یہ کلمات اذان کہتے

1۔ ایضاً، صفحہ 293

اس نے نہیں سنا۔ صفوان بن امیہ کہنے لگا، خدا کا شکر ہے کہ میرا باپ یہ منظر دیکھنے سے پہلے مر گیا۔ خالد بن اسید نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرا باپ آج سے پہلے لقمہ اجل بن گیا اور اس کو یہ منظر دیکھنا نہیں پڑا کہ ایک حبشی غلام کعبہ کی چھت پر چڑھ کر یوں ہنہنا رہا ہے۔(1)

دوسرے کفار نے جب یہ کلمات اذان سنے تو انہوں نے اپنے چہروں کو کپڑے سے ڈھانپ لیا۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے صفا و مروہ کے درمیان اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر سعی فرمائی اور مروہ کے قریب قربانی کے اونٹ ذبح کئے۔

چند صحابہ کرام کو حضور سازو سامان اور اسلحہ کی حفاظت کے لئے مکہ مکرمہ سے باہر چھوڑ آئے تھے۔ جب حضور کے ہمراہ آنے والے صحابہ عمرہ ادا کر چکے تو ان میں سے دو سو کو سامان وغیرہ کی حفاظت کے لئے بھیجا تاکہ پیچھے رہ جانے والے صحابہ آئیں اور عمرہ ادا کریں۔

مکہ سے واپسی

نبی کریم ﷺ کو مکہ مکرمہ میں آئے ہوئے تین دن گزر گئے اور چوتھے دن ظہر کا وقت آیا تو اہل مکہ نے سہیل بن حویطب بن عبد العزیٰ کو بھیجا کہ حضور کو مکہ سے نکل جانے کے لئے کہیں۔ وہ دونوں آئے، اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انصار کی ایک محفل میں تشریف فرما تھے اور انصار کے رئیس سعد بن عبادہ کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے۔ ان دونوں نے بڑی بے باکی سے کہا کہ معاہدہ کے مطابق یہاں آپ کے قیام کی مدت ختم ہو گئی ہے، اب یہاں سے چلے جائیے اور مکہ خالی کر دیجئے۔ نبی رحمت نے مزید مہلت طلب کی لیکن انہوں نے یہاں سے چلے جانے پر اصرار کیا۔ حضرت سعد بن عبادہ نے ان کے گستاخانہ لہجہ کو دیکھا تو وہ بڑے غضبناک ہو کر بولے "اے سہیل! تیری ماں مرے۔ یہ زمین نہ تیری ہے نہ تیرے باپ کی۔ بخدا حضور یہاں سے جب آپ کی مرضی ہو گی تشریف لے جائیں گے۔ حضور نے حضرت سعد کی اس غیرت ایمانی کو دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہا "اے سعد! رہنے دو یہ ہماری قیام گاہ پر آئے ہیں، ان کی دلآزاری مناسب نہیں۔" حضور نے سب کو کوچ کا حکم دے دیا اور فرمایا لَا يُمْسِيَنَّ اَحَدٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ یعنی کوئی مسلمان یہاں شام

1۔ ایضاً، صفحہ 294

کے وقت موجود نہ ہو۔ حضور اپنی ناقہ پر سوار ہو کر روانہ ہوئے اور سرف کے مقام پر آکر قیام فرمایا۔

حضرت سید الشہداء کی صاحبزادی عمارہ کا ساتھ جانے پر اصرار

حضرت حمزہ کی بچی عمارہ اپنی ماں سلمٰی بنت عمیس کے پاس مکہ میں رہائش پذیر تھی۔ حضور جب مکہ میں تشریف لے آئے تو حضرت علی نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ ہم اپنے چچا کی یتیم بچی کو ان مشرکین کے پاس کب تک چھوڑے رکھیں گے۔ حضور نے انہیں ساتھ لے جانے کی اجازت فرمائی۔ سیدنا علی جب روانہ ہوئے تو عمارہ "یَاعَمِّیْ یَاعَمِّیْ میرے چچا! میرے چچا! کہتی ہوئی پیچھے دوڑ کر آئی۔ سیدنا علی نے اسے اٹھالیا اور خاتون جنت کے حوالے کیا اور کہا کہ اپنے چچا کی بیٹی کا خاص خیال رکھنا۔ جب یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو حضرات علی مرتضیٰ، جعفر ابن ابی طالب اور زید بن حارثہ تینوں نے بارگاہ رسالت میں درخواست کی، یہ بچی انہیں ملنی چاہئے۔ حضرت زید کو حضور نے حضرت حمزہ کا بھائی بنایا تھا۔ حضرت حمزہ نے بچی کے بارے میں انہیں ہی وصی مقرر کیا تھا۔ انہوں نے عرض کی کہ بچی انہیں ملنی چاہئے۔ سیدنا علی نے عرض کی کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے، میں اس کا زیادہ حق دار ہوں، یہ مجھے ملنی چاہئے۔ حضرت جعفر نے گزارش کی کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میرے گھر اس کی خالہ ہے۔ اس لئے یہ مجھے ملنی چاہئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جعفر کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا کیونکہ ان کی اہلیہ عمارہ کی خالہ تھی۔ فرمایا اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْاُمِّ "خالہ ماں کے قائم مقام ہے۔"

مدینہ طیبہ میں واپسی

ماہ ذی الحجہ میں حضور رحمت عالمیان ﷺ عمرہ کی ادائیگی کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے۔ اس مقدس سفر میں سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہم رکاب جانے والوں کی تعداد بچوں اور خواتین کے علاوہ دو ہزار تھی۔ مندرجہ ذیل آیت نے اس خواب کی تصدیق کر دی کہ یہ خواب پورا ہوگا اور یقیناً ہوگا۔ چنانچہ دوسرے سال سب دوستوں اور دشمنوں نے اپنی آنکھوں سے اس خواب کی تعبیر کا مشاہدہ کر لیا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِیْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِیْبًا۔ (1)

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ کہ تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں جب اللہ نے چاہا امن و امان سے، منڈواتے ہوئے اپنے سروں کو یا ترشواتے ہوئے، تمہیں کسی کا خوف نہ ہو گا۔ پس وہ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے تو اس نے عطا فرما دی تمہیں اس سے پہلے ایسی فتح جو قریب ہے۔“

1۔ سورۃ الفتح: 27

ہجرت کا سال ہشتم

ہجرت کا سال ہشتم

مکہ کے جگر پارے رسالت مآب کے قدموں میں

ہجرت کا آٹھواں سال اپنے دامن میں اسلام اور فرزندان اسلام کے لئے ابدی مسرتوں اور فیصلہ کن فتوحات کی بشارتیں لے کر طلوع ہوا۔ اسلام کا سیل رواں جس برق رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا اس نے کفر کی بلند بالا ہستیوں کو لرزا کر رکھ دیا تھا۔ ان پر یہ حقیقت واضح ہوگئی تھی کہ جس قدسی صفات ہستی کے دست مبارک میں اسلامی دعوت کا پرچم ہے وہ کوئی عام انسان نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ رسول اور اس کا محبوب بندہ ہے۔ اس سے ٹکر لینا پہاڑ سے ٹکرانے کے مترادف ہے۔ ہماری سلامتی اس میں ہے کہ اس کے دامن رحمت کو مضبوطی سے پکڑلیں۔ اس کی سچی دعوت کو صدق دل سے قبول کریں۔ عمر عزیز کا جو حصہ اس کی مخالفت میں برباد کیا ہے اب بقیہ زندگی نبی برحق کی غلامی میں بسر کر کے تلافی مافات کی صورت پیدا کریں، شاید رضائے الٰہی کی لازوال دولت سے اپنی خالی جھولیاں بھرلیں۔

آٹھویں سال کے دوسرے مہینہ صفر المظفر میں دنیائے عرب کی تین عظیم شخصیتیں بارگاہ حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء میں حاضر ہوئیں، اپنی سابقہ غلطیوں اور نادانیوں پر اشک ندامت بہا بہا کر حضور پرنور ﷺ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرنے کی بیعت کی۔ ان فقید المثال ہستیوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں: عمرو بن العاص، خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ۔ دنیائے کفر و شرک کے یہ فلک بوس کہسار کس وار فتگی سے مصطفیٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے قدموں میں ڈھیر ہوگئے۔ اس کی تفصیلات بڑی حیرت انگیز اور ایمان افروز ہیں، میں ذرا تفصیل سے انہیں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

حضرت عمرو بن العاص کی کہانی ان کی اپنی زبانی

انہوں نے بیان کیا:

میرے دل میں اسلام کی عداوت گھر کئے ہوئے تھی۔ میں لشکر کفار کے ساتھ جنگ بدر میں شریک ہوا اور قتل ہونے سے بچ گیا۔ پھر کارزار احد میں شرکت کی، بے دریغ لوگ مارے گئے لیکن میں یہاں سے بھی بچ گیا۔ پھر خندق کا معرکہ پیش آیا کفار کے اس لشکر جرار میں بھی میں شریک تھا۔ لیکن یہاں بھی قتل ہونے سے بچ گیا۔ معرکہ خندق میں بھی جب کفار کے لشکر جرار کو شرمناک ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو میں نے سوچنا شروع کیا کہ ان پے در پے شکستوں کا سبب کیا ہے؟ ہر معرکہ میں لشکر اسلام کے مقابلہ میں ہماری افواج کی تعداد کئی گنا زیادہ تھی، ہمارے پاس ہر قسم کے اسلحہ کے انبار تھے، ہمارے لڑاکوں کے خورد نوش کا سامان بھی وافر مقدار میں تھا، بایں ہمہ کسی ایک معرکہ میں بھی ہمیں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ طویل غور وخوض کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ محمد (ﷺ) قریش پر یقیناً غالب آجائیں گے۔ میں "رهط" کے مقام پر چلا گیا جہاں میرا ساز و سامان تھا۔ میں نے لوگوں کے پاس آمد و رفت اور ملاقاتیں بند کر دیں۔ کچھ عرصہ بعد حدیبیہ کے مقام پر فریقین کے درمیان صلح کا معاہدہ طے پایا۔ رسول اکرم ﷺ واپس مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور مشرکین مکہ لوٹ آئے۔ ان حالات سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ آئندہ سال نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں ضرور فاتحانہ شان سے داخل ہو جائیں گے۔ میں اس سے پہلے مکہ مکرمہ سے نکل جانا چاہتا تھا۔ مکہ اور طائف دونوں شہر میرے لئے قابل قبول نہ تھے۔ میرے دل میں حضور کی عداوت تیز تر ہوتی جارہی تھی۔ میں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر قریش کا بچہ بچہ بھی اسلام قبول کر لے تو میں پھر بھی اسلام کو قبول نہیں کروں گا۔ میں کچھ روز "رهط" میں قیام پذیر رہا۔ وہاں سے مکہ مکرمہ آیا اور اپنے قبیلہ کے لوگوں کو جمع کیا۔ وہ لوگ میرے مشورہ کو قبول کر لیا کرتے تھے، میری ہر بات کو توجہ سے سنا کرتے تھے اور میرے ہر فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا کرتے تھے۔ میری دعوت پر میرا سارا قبیلہ جمع ہو گیا تو میں نے ان سے پوچھا کہ میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ تم بڑے زیرک اور دور اندیش ہو۔ تمہاری رائے ہمیشہ صائب ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ

محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا معاملہ اب بہت طاقت پکڑ رہا ہے۔ جس سے نمٹنے کے لئے میری ایک تجویز ہے۔ انہوں نے کہا، بتایئے کیا سوچا ہے؟ میں نے کہا میری رائے تو یہ ہے کہ ہم حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس چلے جائیں اور اس کی پناہ میں وہاں رہائش پذیر ہو جائیں۔ اگر محمد (ﷺ) فتح یاب ہو جائیں اور سارے عرب پر قبضہ کرلیں تو ہم ایسے حالات میں نجاشی کی پناہ میں ہوں گے۔ ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکے گا۔ ہمارے لئے محمد (ﷺ) کی محکومی سے نجاشی کے زیر سایہ زندگی بسر کرنا بہت پسندیدہ ہے، اور اگر قریش ان پر غالب آجائیں تو وہ ہمارا قبیلہ ہیں۔ ان کی فتح ہماری فتح ہو گی۔ وہ ہماری قدر و منزلت کو پہچانتے ہیں۔ وہ ہمیں قطعاً کوئی ضرر نہیں پہنچائیں گے۔ سب حاضرین نے عمرو بن العاص کی اس تجویز کو بہت سراہا۔ حبشہ روانہ ہونے سے پہلے انہوں نے نجاشی کو بطور ہدیہ پیش کرنے کے لئے اعلیٰ قسم کی چمڑے کی مصنوعات خریدیں کیونکہ نجاشی کو مکہ کی چمڑے کی مصنوعات بہت پسند تھیں۔ پوری طرح تیاری کر کے ہم مکہ سے حبشہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ہم وہاں پہنچ کر اقامت گزیں ہو گئے۔ ایک روز ہم نے وہاں عمرو بن امیہ الضمری کو دیکھا۔ معلوم ہوا کہ وہ نبی کریم ﷺ کا نجاشی کے نام گرامی نامہ لے کر آیا ہے۔ اس نوازش نامہ میں حضور نے حضرت جعفر اور ان کے مسلمان رفقاء کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی تھی۔ نیز اسے تحریر کیا کہ وہ ام حبیبہ کا نکاح سرور عالم ﷺ کے ساتھ کردے۔ عمرو بن امیہ الضمری وہ مکتوب گرامی لے کر نجاشی کی ملاقات کے لئے گیا۔ کچھ دیر وہاں ٹھہرا پھر واپس چلا گیا۔ میں نے اپنے دوستوں کو کہا کہ عمرو بن امیہ یہاں آیا ہوا ہے۔ اگر میں نجاشی کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ درخواست کروں کہ وہ عمرو کو ہمارے حوالے کر دے اور وہ ہماری اس درخواست کو منظور کرے تو پھر ہم عمرو کی گردن اڑا دیں گے۔ اگر ہم یہ کارنامہ انجام دینے میں کامیاب ہو گئے تو ہمارے سارے قریش بھائی خوش ہو جائیں گے اور ہماری اس خدمت کے عوض ہماری غیر حاضری کو محسوس نہیں کریں گے۔ سب نے میری اس رائے کی تائید کی۔ چنانچہ میں ایک روز نجاشی کے پاس جانے میں کامیاب ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر حسب معمول میں اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔ اس نے کہا، اے میرے مخلص دوست! مرحبا خوش آمدید۔ کیا اپنے ملک سے میرے لئے کوئی تحفہ بھی لائے ہو؟ میں نے جواب دیا، اے حبشہ کے بادشاہ! میں تمہارے لئے بہترین قسم کی چمڑے کی مصنوعات لے کر آیا ہوں۔

چنانچہ وہ سارے تحائف میں نے اس کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ اس نے ان میں سے چند تحائف اپنے بطریقوں میں تقسیم کر دیئے اور بقیہ کے بارے میں حکم دیا کہ ان کی فہرست مرتب کی جائے اور انہیں بحفاظت مال خانہ میں رکھ دیا جائے۔

میں نے جب محسوس کیا کہ بادشاہ ان نادر تحائف کے باعث بہت خوش ہو گیا ہے تو میں نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنی عرضداشت پیش کر دی۔ میں نے کہا، اے بادشاہ! میں نے ایک آدمی دیکھا ہے، جو ابھی ابھی آپ کے دربار سے باہر نکلا ہے۔ یہ ہمارے دشمن کا قاصد ہے جس دشمن نے ہمیں بہت صدمے پہنچائے ہیں۔ اس نے ہمارے سرداروں اور نامور افراد کو قتل کیا ہے۔ اگر تم اس قاصد کو میرے حوالے کر دو تو میں اس کو قتل کر کے اپنے غضب کی آگ ٹھنڈی کر سکوں گا۔ یہ سن کر نجاشی کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور اس نے ایک زوردار طمانچہ میری ناک پر دے مارا۔ میرے دونوں نتھنوں سے خون بہنے لگا۔ میں نے خون کو کپڑے سے پونچھنا چاہا۔ میرا سارا کپڑا اس سے تر ہو گیا۔ مجھے اس وقت اتنی شرمندگی محسوس ہوئی کہ اگر زمین پھٹ جاتی تو میں اس میں گھس جاتا۔

میں نے کہا، اے بادشاہ! اگر مجھے علم ہوتا کہ تم اس بات سے اتنے برافروختہ ہو گے تو میں یہ مطالبہ نہ کرتا۔ نجاشی کو اپنی حرکت پر کچھ ندامت سی ہوئی۔ اس نے کہا، اے عمرو! تم نے ایسی ہستی کے قاصد کو اپنے قبضہ میں لینے کا سوال کیا جس کے پاس ناموس اکبر (جبرئیل) حاضر ہوتا ہے۔ جو موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوا کرتا تھا، تاکہ تو اس کو قتل کر دے۔ عمرو کہتے ہیں کہ اس کی اس بات سے اچانک میرے دل میں ایک انقلاب رونما ہو گیا۔ میں نے اپنے دل سے کہا کہ اس دین حق کو تو عرب و عجم نے پہچان لیا ہے۔ ایک تو ہے کہ اس کی مخالفت پر کمربستہ ہے۔ میں نے بادشاہ سے استفسار کیا۔ اے بادشاہ! کیا تو بھی اس دین کے حق ہونے کی شہادت دیتا ہے؟ نجاشی بولا، ہاں بے شک۔ میں بھی اس کے برحق ہونے کی شہادت دیتا ہوں۔ اے عمرو! میری بات مانو اور اس ہستی کی غلامی اختیار کر لو۔ بخدا! وہ حق پر ہیں۔ آپ اپنے جملہ مخالفین پر غالب آ جائیں گے۔ جس طرح موسیٰ، فرعون اور اس کے لشکروں پر غالب آگئے تھے۔ میں نے کہا، کیا تم ان کی طرف سے میرے اسلام قبول کرنے کی بیعت لینے کے لئے تیار ہو؟ نجاشی نے کہا، بے شک میں تیار ہوں۔ نجاشی نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اسلام قبول کرنے کے لئے اس نے مجھے بیعت کر لیا۔

پھر اس نے طشت منگوایا اور اس میں میرا خون دھویا میرے خون آلود کپڑے اتروائے اور مجھے نیا لباس پہنایا۔ نئی شاہی پوشاک زیب تن کر کے جب میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا تو وہ مجھے اس لباس میں دیکھ کر خوش ہوگئے۔ انہوں نے پوچھا، کیا نجاشی نے تمہاری وہ درخواست قبول کرلی ہے؟ میں نے بات ٹالتے ہوئے کہا کہ یہ میری پہلی ملاقات تھی، میں نے پہلی ملاقات میں ایسی بات کرنا گوارا نہ کیا پھر کسی وقت حاضر ہو کر یہ بات کہوں گا۔ انہوں نے کہا، تو نے بہت اچھا کیا۔

اس کے بعد کسی کام کا بہانہ بنا کر میں اپنے ساتھیوں سے الگ ہو گیا۔ وہاں سے سیدھا بندرگاہ پہنچا۔ ایک کشتی روانگی کے لئے تیار کھڑی تھی۔ میں اس میں سوار ہو گیا۔ وہ کشتی یمن کی "شعیبہ" نامی بندرگاہ پر آ کر لنگر انداز ہوئی۔ میں وہاں اترا۔ وہاں سے ایک اونٹ خریدا اور سیدھا مدینہ طیبہ کی طرف چل پڑا۔ "مرالظہران" سے گزرتا ہوا "ھداۃ" کی بستی میں پہنچا۔ وہاں سے چلا تو مجھے دو آدمی نظر آئے۔ ان میں سے ایک خیمہ کے اندر تھا اور دوسرا باہر کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سواری کے دونوں اونٹوں کی نکیلیں تھیں۔ جب میں نے غور سے دیکھا تو وہ خالد بن ولید تھا۔ میں نے جھٹ کہا، اے ابا سلیمان! (خالد کی کنیت) اس نے کہا ہاں میں نے پوچھا کدھر کا قصد ہے؟ اس نے کہا محمد ﷺ کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ کوئی قابل ذکر آدمی باقی نہیں رہا۔ اگر ہم نے مزید تاخیر کی تو وہ اپنے طاقتور پنجوں سے ہماری گردنیں دبوچ لیں گے۔

میں نے کہا میں بھی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ بیکس پناہ میں جا رہا ہوں۔ وہاں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر عثمان بن طلحہ بھی خیمہ سے باہر نکل آئے اور ہمیں مرحبا کہا۔ پھر ہم تینوں مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب ہم تینوں بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہونے کے لئے رواں دواں تھے۔ تو "بئر ابی عنبہ" کے پاس ہم نے ایک آدمی دیکھا اور جس نے بلند آواز سے کہا:

قَدْ أَعْطَتْ مَكَّةُ الْمَقَادَةَ بَعْدَ هٰذَيْنِ

"ان دونوں کے چلے آنے کے بعد مکہ نے اپنی باگ ڈور ہمارے حوالے کر دی ہے۔"

اس کے بعد وہ شخص مسجد نبوی کی جانب مڑ گیا۔ میرا گمان ہے کہ اس نے ہمارے حاضر

ہونے کی بشارت اللہ کے رسول کی خدمت میں عرض کردی۔

مدینہ طیبہ پہنچ کر ہم نے اپنی اونٹنیاں "حرہ" (پتھریلا میدان) میں جاکر بٹھائیں، صاف ستھرا لباس پہنا، اس وقت عصر کی اذان ہو رہی تھی، ہم چلے اور ہم بارگاہ حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پہنچے۔ حضور پر نور کا رخ مبارک فرط مسرت سے دمکنے لگا۔ حضور کے ارد گرد جتنے مسلمان تھے وہ بھی از حد مسرور نظر آرہے تھے۔ پہلے حضرت خالد آگے بڑھے اور بیعت کا شرف حاصل کیا۔ پھر عثمان بن ابی طلحہ بیعت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ پھر میری باری آئی۔ میں حاضر ہوا، فرط حیا سے میری آنکھیں اوپر نہیں اٹھ رہی تھیں۔ میں نے اس شرط پر بیعت کی کہ اللہ تعالیٰ میرے سارے سابقہ گناہ معاف فرمادے۔ افسوس کہ مجھے یہ خیال نہ آیا کہ میں یہ بھی عرض کروں کہ میرے پچھلے گناہ بھی اللہ تعالیٰ معاف فرمادے۔ میری عرض سن کر حضور پر نور نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الْإِسْلَامَ يَجُبُّ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَالْهِجْرَةُ تَجُبُّ مَا كَانَ قَبْلَهَا۔

"یعنی اسلام پہلے گناہوں کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔ اور ہجرت بھی پہلے گناہوں کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔"

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے ہم دونوں نے اسلام قبول کیا اس کے بعد ہر کٹھن موقع پر حضور ہم دونوں کو سب پر ترجیح دیتے تھے۔ حضرت ابو بکر بھی اپنے عہد خلافت میں ایسا ہی برتاؤ کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر کا رویہ میرے ساتھ تو ویسا ہی تھا البتہ حضرت خالد پر وہ کچھ ناراض لگتے تھے۔

ان تینوں حضرات نے ہجرت کے بعد آٹھویں سال ماہ صفر میں سرکار دو عالم ﷺ کے دست ہدایت بخش پر اسلام کی بیعت کرنے کا شرف عظیم حاصل کیا۔(1)

خالد بن ولید کا قبول اسلام

دوسری فقید المثال شخصیت جس نے ہجرت کے آٹھویں سال ماہ صفر میں داعی حق اور

1۔ "دلائل النبوۃ"، جلد 4، صفحہ 343-346 اور امام ابو بکر احمد بن حسین البیہقی کی "السنن" کے علاوہ سیرت و تاریخ کی کتابوں میں یہ واقعہ موجود ہے۔

مرشد کامل ﷺ کے دست مبارک پر اسلام قبول کرنے کی بیعت کی وہ حضرت خالد بن ولید کی ہستی تھی۔ جو نور محمدی سے اکتساب نور کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی تلوار بن کر چمکی۔ اور جہاں بھی کسی طاغوتی قوت نے سر غرور بلند کیا وہ اس پر صاعقہ موت بن کر لپکی اور اسے خاکستر بنا کر چھوڑا۔

تاریخ انسانی کا یہ بے مثال جرنیل اپنی جملہ بے عدیل صلاحیتوں سمیت شمع جمال مصطفوی کا پروانہ کیوں کر بنا؟

یہ ایمان افروز حکایت شیریں اس جرنیل کی زبان سے سنئے جس نے اسلامی فتوحات میں اپنی عسکری عبقریت کا وہ زندہ جاوید مظاہرہ کیا جس کی مثال تاریخ عالم میں نایاب ہے۔

یہ روح پرور کہانی حضرت یحییٰ نے اپنے والد حضرت مغیرہ بن عبدالرحمٰن سے سنی اور حضرت مغیرہ نے خود حضرت خالد کو اپنے ایمان لانے کا قصہ بیان کرتے ہوئے سنا۔ حضرت خالد فرماتے ہیں :۔

جب میرے رب نے میرے لئے بھلائی کا ارادہ فرمایا تو اس نے اسلام کی محبت میرے دل میں ڈال دی اور میرے جذبہ حق پذیری کو راہ راست پر گامزن ہونے کی توفیق بخش دی۔ حدیبیہ سے پہلے جتنی جنگیں ہوئی تھیں ان سب میں کفار کے لشکر میں شامل ہو کر میں شریک ہوا تھا۔ ہر بار میں اسی نتیجہ پر پہنچا کہ میں وقت ضائع کر رہا ہوں۔ محمد ﷺ بلاشبہ ان کفار پر غالب آجائیں گے۔

جب رسول اللہ ﷺ عمرہ ادا کرنے کی نیت سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے تو مشرکین کے گھڑ سوار دستے کا میں سالار تھا۔ عسفان کے مقام پر میرے دستہ اور لشکر اسلام کا آمنا سامنا ہوا۔ میں ان کے سامنے صف باندھ کر کھڑا ہو گیا اور راستہ روک لیا۔ حضور ﷺ نے ہمارے سامنے نماز ظہر ادا کی۔ ہم نے حضور پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن ہمیں حوصلہ نہ ہوا۔ حضور نے ہمارے برے ارادہ پر آگاہی حاصل کر لی اور جب نماز عصر کا وقت آیا تو سرور عالم نے عصر کے وقت نماز خوف ادا کی۔ میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ خود ان کا محافظ ہے۔ ہم ان پر حملہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ میں اپنے سواروں سمیت دائیں طرف مڑ گیا۔ اس طرح ٹکراؤ نہ ہو سکا۔

سرور عالم ﷺ آگے بڑھ کر حدیبیہ کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے۔ آخر کار فریقین میں

صلح کا معاہدہ طے پایا۔ تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب کیا باقی رہ گیا ہے؟ مجھے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ یہاں سے نکل کر جاؤں تو کہاں جاؤں؟ حبشہ جاتا ہوں تو وہاں کا بادشاہ خود مسلمان ہو چکا ہے اور مسلمانوں کی کافی تعداد اس کے زیر سایہ رہائش پذیر ہے۔ اگر ہرقل کے پاس جا کر پناہ لیتا ہوں تو مجھے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر یہودیت یا نصرانیت کو اختیار کرنا پڑے گا اور عجمیوں کا تابع فرمان ہو کر رہنا پڑے گا۔ اسے میری غیرت گوارا نہیں کرتی۔ اب اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ اپنے گھر میں پڑا رہوں اور پیچھے رہ جانے والے لوگوں کے ساتھ اپنی بقیہ زندگی کے دن بسر کروں۔

میں اسی پخت وپز میں تھا کہ نبی رحمت ﷺ عمرہ قضا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔ میں روپوش ہو گیا تاکہ میں مکہ میں حضور کے داخل ہونے کا منظر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھوں۔ میرا بھائی ولید بن ولید مسلمان ہو کر نبی اکرم ﷺ کے اس کاروان میں شریک تھا۔ اس نے مجھے تلاش کیا لیکن میں اسے نہ مل سکا۔ اس نے مجھے مندرجہ ذیل خط لکھا:

> بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میرے لئے سب سے زیادہ تعجب انگیز یہ امر ہے کہ تیری رائے سے اسلام کی صداقت کس طرح مخفی رہی حالانکہ تیری عقل و دانش اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اسلام جیسا سچا مذہب تجھ سے کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تیرے بارے میں مجھ سے پوچھا، خالد کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا۔ نیز حضور نے فرمایا خالد جیسا زیرک انسان اسلام جیسے دین سے کیسے جاہل رہ سکتا ہے؟ اگر وہ کفار و مشرکین کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدد کرتا تو اس کے لئے بہت بہتر ہوتا۔ ہم اس کی قدر کرتے اور دوسروں پر اسے فوقیت دیتے۔ اے میرے بھائی! زندگی کے جو لمحے تم نے ضائع کئے ہیں، ان کا فوراً تدارک کرو۔ تو نے واقعی بڑے زریں مواقع ضائع کئے ہیں۔

حضرت خالد بیان کرتے ہیں کہ جب میرے بھائی کا خط مجھے ملا تو میری آنکھیں کھل گئیں۔ مکہ سے نکل جانے کا شوق میرے دل میں موجزن ہو گیا اور اسلام قبول کرنے کا جذبہ مزید توانا ہو گیا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بارے میں جو بغض و عناد تھا، وہ کافور ہو گیا۔ انہی دنوں میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک تنگ اور بنجر خطہ سے نکل کر سرسبز و

شاداب اور کشادہ علاقہ میں آ گیا ہوں۔ میں نے سوچا یہ بڑا اہم خواب ہے۔ مدینہ جاؤں گا تو حضرت ابو بکر سے اس کی تعبیر پوچھوں گا۔ جب آپ وہاں پہنچے تو حضرت صدیق اکبر سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی۔

آپ نے فرمایا کہ وہ تنگ اور بنجر علاقہ کفر کا تھا۔ سرسبز و شاداب اور کشادہ علاقہ دین اسلام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہنچا دیا ہے۔

جب میں نے بارگاہ رسالت میں حاضری کا پختہ عزم کر لیا تو میں نے اپنے دل سے پوچھا کہ رفیق سفر کس کو بناؤں۔ گھر سے نکلا تو صفوان بن امیہ سے اچانک ملاقات ہو گئی۔ میں نے اسے کہا، اے ابا وھب! کیا تم اپنی حالت کو نہیں دیکھ رہے، ہمارا کیا حال ہو گیا ہے؟ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) عرب و عجم پر غالب آ گئے۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم خود آپ کے پاس حاضر ہو جائیں اور آپ کی غلامی اختیار کر لیں۔ اس سے ہماری عزت و شرف میں اضافہ ہو گا۔ میری بات سن کر اس نے بڑی شدت سے نہ کر دی۔ اس نے کہا لَوْلَمْ یَبْقَ غَیْرِیْ مَآ أَتْبَعْتُهٗ أَبَدًا یعنی "اگر ساری دنیا ان پر ایمان لے آئے اور میرے سوا اور کوئی باقی نہ رہے تو میں پھر بھی ان کی اطاعت نہیں کروں گا۔" وہ چلا گیا۔ میں نے سوچا یہ وہ شخص ہے جس کا بھائی اور باپ غزوہ بدر میں قتل کر دیئے گئے تھے۔ اس سے ایمان لانے کی توقع عبث ہے۔ پھر میری ملاقات عکرمہ بن ابی جہل سے ہوئی۔ جو بات میں نے صفوان سے کہی تھی، وہی بات اس کے سامنے بھی دہرائی۔ اس نے مجھے وہی جواب دیا جو صفوان نے مجھے دیا تھا۔ کہ اگر ساری دنیا ان پر ایمان لے آئے اور میرے بغیر کوئی کافر بھی نہ رہے، میں تب بھی ان پر ایمان نہیں لاؤں گا۔ میں نے کہا کہ میری یہ بات کسی کو نہ بتانا، اس نے وعدہ کیا۔

میں وہاں سے اپنے گھر لوٹ آیا اور خادم کو کہا کہ میرے اونٹ پر پالان کس کر اسے باہر لے آؤ، میں عثمان بن طلحہ سے ملاقات کر کے واپس آ رہا ہوں۔ میں نے دل میں کہا کہ عثمان میرا دوست ہے اگر اس سے یہ بات کر لوں تو کیا حرج ہے؟ پھر مجھے یاد آیا کہ اس کے بہت سے قریبی رشتہ دار غزوہ احد میں قتل کر دیئے گئے تھے۔ بھلا وہ میری بات کب مانے گا؟ پھر میں نے سوچا کہ بات کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔ میں تو یہاں سے چلے جانے کا پکا ارادہ کر چکا ہوں۔ اگر میرے ساتھ نہیں آئے گا تو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ چنانچہ میں نے اس سے اپنی قوم کی حالت زار بیان کی۔ پھر میں نے پہلے دو رفیقوں کی طرح اس کو حضور کی خدمت

میں حاضر ہونے کی دعوت دی۔ خلاف توقع اس نے میری یہ دعوت بلا تامل قبول کرلی۔

اب ہم نے باہم طے کیا کہ صبح سویرے "یاجج" کے چشمہ پر ملاقات کریں گے اور جو صاحب وہاں پہلے پہنچے وہ دوسرے کا انتظار کرے۔ دونوں مل کر مدینہ طیبہ روانہ ہوں گے۔

دوسرے روز صبح صادق سے پہلے ہم دونوں یاجج کے چشمہ پر پہنچ گئے اور وہاں سے اکٹھے محبوب رب العالمین علیہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے چل پڑے۔

جب ہم دونوں (خالد اور عثمان) ہداۃ کی بستی میں پہنچے تو وہاں ہماری ملاقات عمرو بن العاص سے ہوگئی۔ انہوں نے ہمیں مرحبا کہا۔ ہم نے انہیں خوش آمدید کہا۔ حضرت عمرو بن العاص نے پوچھا کدھر جارہے ہو؟ ہم نے پوچھا آپ کدھر جارہے ہیں؟ انہوں نے پھر ہم سے پوچھا تم لوگ کدھر جارہے ہو؟ ہم نے کہا لِلدُّخُولِ فِي الْإِسْلَامِ وَاتِّبَاعِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسلام قبول کرنے کے لئے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی غلامی کا طوق زیب گلو کرنے کے لئے جارہے ہیں۔ قَالَ ذَاكَ الَّذِي أَقْدَمَنِي کہا، بخدا یہی مقصد مجھے یہاں لے آیا ہے۔

چنانچہ یہاں سے ہم تینوں اکٹھے مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر حرہ میں اپنی سواریوں کو بٹھایا، خود صاف ستھرا لباس پہنا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہماری آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ میں بارگاہ رسالت میں حاضری کے لئے جارہا تھا کہ میری ملاقات اپنے بھائی سے ہوگئی۔ اس نے کہا بھائی جان! جلدی کرو۔ حضور تمہارا انتظار فرما رہے ہیں۔ ہم تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ وہاں پہنچے تو محبوب رب العالمین علیہ ﷺ مجھے دیکھتے بھی رہے اور تبسم بھی فرماتے رہے۔ میں نے سلام نیاز پیش کیا۔ عرض کی! اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ حضور نے کشادہ روئی سے مجھے میرے سلام کا جواب مرحمت فرمایا۔ میں نے عرض کی۔ إِنِّي أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ نبی رحمت علیہ ﷺ نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَاكَ قَدْ كُنْتُ أَرَى لَكَ عَقْلًا رَجَوْتُ أَنْ لَا يُسْلِمَكَ إِلَّا إِلَى الْخَيْرِ

اللہ تعالیٰ کو سب تعریفیں سزاوار ہیں جس نے تجھ کو ہدایت عطا فرمائی۔ مجھے امید تھی کہ تیری عقل خداداد تجھے خیر تک پہنچائے گی۔"

پھر میں نے گزارش کی، یارسول اللہ! میں متعدد مقامات پر حضور کی مخالفت اور عناد میں ازار ہا، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ میری ان غلطیوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: اَلْاِسْلَامُ یَجُبُّ مَا کَانَ قَبْلَہٗ اسلام لانے سے پہلے جتنے بھی گناہ سرزد ہوئے ہوں، اسلام لانے سے وہ سب ملیا میٹ ہو جاتے ہیں۔" میں نے عرض کی، یارسول اللہ! پھر بھی میری بخشش کے لئے دعا فرمائیے۔ حضور نے ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِخَالِدِ بْنِ وَلِیْدٍ کُلَّمَا اَوْضَعَ فِیْہِ مِنْ سَبِیْلٍ عَنْ سَبِیْلِکَ۔

"اے اللہ! خالد نے تیرے راستے سے روکنے کی جتنی بار کوشش کی، الٰہی اس کو معاف فرمادے۔"

حضرت خالد فرماتے ہیں۔ پھر حضرت عمرو بن العاص حضرت عثمان بن طلحہ نے سرور عالم ﷺ کی بیعت کی سعادت حاصل کی۔

حضرت خالد کا قول ہے:

وَکَانَ قُدُوْمُنَا فِیْ صَفَرٍ سَنَۃَ ثَمَانٍ فَوَاللّٰہِ مَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ یَوْمِ اَسْلَمْتُ یَعْدِلُ بِیْ اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِہٖ فِیْمَا حَزَبَہٗ (1)

"ہماری مدینہ منورہ حاضری 8 ہجری ماہ صفر میں ہوئی پس اللہ کی قسم جس روز میں ایمان لایا اس وقت سے رسول اللہ ﷺ کسی مشکل مرحلہ میں کسی اور صحابی کو میرے ہم پایہ نہیں سمجھتے تھے۔"

1۔ "دلائل النبوۃ"، جلد 4، صفحہ 349 و ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 446-453

غزوۂ موتہ

غزوۂ موتہ

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۔

(1)

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے خرید لی ہیں ایمان داروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس عوض میں کہ ان کے لئے جنت ہے۔ لڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں۔ پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔ وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر پختہ وعدہ تورات اور انجیل اور قرآن (تینوں کتابوں) میں اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے اپنے وعدہ کو اللہ تعالیٰ سے۔ (اے ایمان والو) پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ تعالیٰ سے۔ اور یہی بڑی فیروز مندی ہے۔"

کفر و طاغوت کے علمبرداروں نے اسلام کے سیل رواں کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے جتنے پختہ بند باندھے تھے، ایمان کی تند و تیز موجیں انہیں تنکوں کی طرح بہا کر لے گئیں۔ شرک و الحاد کے متوالوں نے جو ناقابل تسخیر مراکز بنائے ہوئے تھے، مصطفوی درویشوں نے اپنے پاؤں کی ٹھوکروں سے انہیں ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ عرب کے افق پر رشد و ہدایت کا جو آفتاب عالمتاب طلوع ہوا تھا، اس کی شوخ کرنوں نے ظلمتوں اور تاریکیوں کو

---

1. سورۃ التوبہ: 111

نیست و نابود کر دیا تھا۔ وہ فضائیں جہاں کچھ عرصہ پہلے اُعْلُ ھُبُلْ (ہبل زندہ باد) کے نعرے گونجا کرتے تھے، اب وہاں ہر سو اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے فردوس گوش بننے لگے تھے۔ توحید کی سہانی چمک نے جزیرۂ عرب کے گوشہ گوشہ کو رشک صد طور بنا دیا تھا۔ ہادی برحق ﷺ کے خون کے پیاسے اور ان کی گزرگاہوں میں کانٹے بچھانے والے، اب ان کے قدموں میں دیدہ و دل فرش راہ کرنے لگے تھے۔ بے جان بتوں کے پجاریوں نے اپنے ہاتھوں سے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ اب ان کے سر صرف خالق کائنات کے حضور میں ہی خم ہو سکتے تھے۔

غزوۂ خندق کے تمام مشرک قبائل کے منتخب اور نمائندہ لشکر جرار نے مرکز اسلام مدینہ منورہ پر چڑھائی کی لیکن اسلام کے مٹھی بھر مجاہدین نے ان کو ایسی شکست دی کہ ان کی کمر ہمت ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گئی۔ پھر انہیں کبھی جرأت نہ ہوئی کہ وہ حملہ آور بن کر مدینہ طیبہ پر چڑھائی کریں۔

ہجرت کے بعد یہود اور منافقین نے اپنے دجل و فریب کے جال بچھا کر غریب الدیار اور مفلوک الحال مسلمانوں کو اپنا صید زبوں بنانے کے لئے لاکھوں جتن کئے۔ ان کی بعض فریب کاریاں اور عیاریاں اتنی خطرناک تھیں کہ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ پہاڑ بھی ان سے لرز لرز گئے۔ لیکن حضور سرور عالم ﷺ کی پیغمبرانہ قیادت نے دو تین سال کی قلیل مدت میں ان کی رعونت و نخوت کا جنازہ نکال دیا اور سنہ 7 ہجری میں خیبر کے ناقابل تسخیر قلعوں اور گردونواح میں یہود کی آبادیوں پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ جہاں تک جزیرۂ عرب کا تعلق تھا، اسلام دشمن ساری قوتیں دم توڑ چکی تھیں۔

جزیرۂ عرب کے مشرق و مغرب میں دو عالمی قوتیں تھیں جنہوں نے تقریباً ساری معمور دنیا کو اپنے چنگل میں دبوچ رکھا تھا۔ اسلام کی صدائے لا الٰہ الا اللہ ان کے سامنے بلند ہوئی اور شجر اسلام آہستہ آہستہ تناور پیڑ بن گیا لیکن انہوں نے اس تحریک اسلامی کو کبھی درخور اعتناء نہ سمجھا۔ آخر کار اسلام کی ان پے در پے فتوحات نے انہیں چوکنا کر دیا اور وہ اس میں دلچسپی لینے لگے۔ اس ابھرتی ہوئی قوت سے بروقت نہ نپٹا گیا تو عین ممکن ہے کہ کل یہی قوت ہمارے لئے سوہان روح بن جائے۔ اس لئے قیصر روم نے بھی اسلام سے نپٹنے کے لئے فوج تیار کرنا شروع کر دی اور وہ مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا۔

ماہ جمادی الاول سنہ 8 ہجری میں "موتہ" کے مقام پر اسلامی لشکر کی پہلی ٹکر رومی فوجیوں سے ہوئی جن کی امداد کے لئے کثیر تعداد میں عرب کے عیسائی قبائل بھی اُمڈ کر آگئے تھے۔

اس جنگ کے اسباب

دعوت اسلام کا روح پرور پیغام جزیرۂ عرب کی سرحدوں سے باہر سلیم الفطرت افراد کو متاثر کرنے لگا تھا۔ شام کے علاقہ میں بھی اس دین حق پر ایمان لانے والوں کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ بات وہاں کے عیسائی باشندوں اور عیسائی حکمرانوں پر بڑی گراں گزر رہی تھی۔ قیصر روم کے مقرر کردہ گورنر نے حکم جاری کر رکھا تھا کہ جو شامی عرب اسلام قبول کرے، اسے قتل کر دیا جائے۔ اس غیر انسانی حرکت کو رحمت عالم ﷺ کیسے برداشت کر سکتے تھے؟(1)

اسی اثناء میں ایک اور المناک واقعہ پیش آیا جس نے حالات کی سنگینی میں ہوشربا اضافہ کر دیا۔ ہادی برحق ﷺ نے بصریٰ کے حاکم جسے ہرقل نے وہاں گورنر مقرر کیا ہوا تھا اور جس کا نام حارث بن ابی شمر الغسانی تھا، کو اپنا گرامی نامہ تحریر فرمایا جس میں اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس دعوت نامہ کو لے جانے کے لئے حضرت حارث بن عمیر الازدی کو منتخب فرمایا۔ یہ جب موتہ کے مقام پر پہنچے تو قیصر کے ایک رئیس شرحبیل بن عمرو الغسانی نے آپ سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کدھر جا رہے ہو؟ حضور کا اسم گرامی لے کر کہا، کیا تم ان کے قاصد ہو؟ حارث نے کہا ہاں۔ میں ان کا قاصد ہوں۔ یہ سنتے ہی اس نے انہیں رسیوں سے جکڑ دیا اور پھر ان کا سر قلم کر دیا۔ رسول اکرم ﷺ نے جتنے قاصد روانہ کئے تھے، ان میں سے کسی کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا گیا سوائے ان کے۔

جب یہ المناک خبر سرکار دو عالم ﷺ نے سنی تو حضور کو بہت دکھ ہوا۔ شرحبیل نے انسانیت سوز حرکت کی تھی۔ کسی قاصد کو قتل کرنا کسی ملک میں بھی جائز نہ تھا۔ اس نے بغیر کسی اشتعال کے ایک سفیر کو قتل کیا تھا۔ یہ ایک ناقابل عفو جرم تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے لئے اس کو نظر انداز کرنا ناممکن نہ تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ جب عمرہ کے بعد مدینہ منورہ پہنچے تو

1۔ "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 957

اپنے شہید صحابی کا انتقام لینے کے لئے تیاری شروع کر دی۔ حضور عمرہ کی ادائیگی کے بعد ذوالحجہ میں واپس تشریف لائے اور جمادی الاول سنہ 8 ہجری میں موتہ کی طرف ایک لشکر روانہ کیا۔ یہ مجاہدین مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلہ پر جرف کے مقام پر جمع ہوئے اور اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

حضور اکرم ﷺ وہاں تشریف لائے اور ظہر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد صحابہ کو ارشاد فرمایا:

"اس لشکر کا سپہ سالار زید بن حارثہ کو مقرر کرتا ہوں۔ اگر یہ شہید ہو جائیں تو پھر جعفر بن ابی طالب اس لشکر کی کمان سنبھالیں گے۔ اگر وہ بھی جام شہادت نوش کر لیں تو پھر عبداللہ بن رواحہ مجاہدین کی قیادت کریں گے اور یہ بھی راہ حق میں قتل کر دیئے جائیں تو پھر مسلمان جس کو منتخب کریں وہ ان کا امیر ہوگا۔"

حضور انور ﷺ نے اسلام کا پرچم اپنے دست مبارک سے حضرت زید کو عطا فرمایا۔ وہ علم سفید رنگ کا تھا اور مجاہدین کو وصیت کی کہ سب سے پہلے حارث بن عمیر شہید کے مزار پر حاضری دیں اور وہاں جتنے لوگ ہیں ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اگر وہ اس دعوت کو قبول کر لیں تو بہت بہتر ورنہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے ان سے جنگ کریں۔ (1)

آداب جنگ کی نبوی تعلیمات

نبی مکرم ﷺ مجاہدین اسلام کو الوداع کرنے کے لئے ثنیۃ الوداع تک تشریف لائے۔ عام مسلمان بھی حضور کے ساتھ تھے۔ انہیں رخصت کرتے وقت ہادی کونین ﷺ نے ایک وصیت فرمائی۔ یہ وصیت حضور کے نبی برحق ہونے اور حضور کی شان رحمۃ للعالمین کی روشن دلیل ہے۔ ایسے موقع پر ہر فوج کا سربراہ اپنے جانبازوں کو اہم ہدایات دیتا ہے۔ لیکن اقوام عالم کے کسی کمانڈر نے ایسی پند و نصائح سے اپنے فوجیوں کی راہنمائی کی ہو، دفاتر عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آج تک جنگوں کی ہلاکت خیزیوں اور وحشت سامانیوں کو کم کرنے کے لئے جو اصلاحات کی گئی ہیں، در حقیقت وہ سب اسی خوان حکمت و رحمت کی ریزہ چینی ہے۔ اس وصیت کا عربی متن مع اردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔

1۔ "تاریخ خمیس"، جلد 2، صفحہ 70

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ہادی برحق ﷺ نے فرمایا:

أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَبِمَنْ مَعَكُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا

"میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور جو مسلمان تمہارے ہمرکاب ہیں ان کے ساتھ بھلائی کی تاکید کرتا ہوں۔"

اُغْزُوْا بِاسْمِ اللّٰهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ۔

"اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں اللہ کے منکروں کے ساتھ جنگ کرو۔"

لَا تَغْدِرُوْا وَلَا تَغُلُّوْا وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا وَلَا امْرَأَةً

"کسی کے ساتھ دھوکا نہ کرو۔ بددیانتی نہ کرو۔ کسی بچے کو اور کسی عورت کو مت قتل کرو۔"

وَلَا كَبِيْرًا فَانِيًا وَلَا مُنْعَزِلًا بِصَوْمَعَةٍ وَلَا تَقْرَبُوْا نَخْلًا

"کسی بوڑھے کو اور اپنی خانقاہوں میں گوشہ نشین رہنے والے کو تہ تیغ نہ کرو۔ کسی کھجور کے درخت کو نقصان نہ پہنچاؤ۔"

وَلَا تَقْطَعُوْا شَجَرًا وَلَا تَهْدِمُوْا بِنَاءً۔

"اور نہ کوئی درخت کاٹو اور نہ کسی مکان کو منہدم کرو۔" (1)

جب لشکر اسلام روانہ ہونے لگا تو مسلمانوں نے اس دعا سے اپنے مجاہد بھائیوں کو رخصت کیا:

صَحِبَكُمُ اللّٰهُ وَدَفَعَ عَنْكُمُ السُّوْءَ وَرَدَّكُمْ سَالِمِيْنَ غَانِمِيْنَ

"اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھی ہو۔ وہ ہر تکلیف کو تم سے دور کرے اور تمہیں صحیح وسلامت اموال غنیمت سے مالامال کر کے واپس لے آئے۔"

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے یہ دعائیں سنیں تو فی البدیہہ ان اشعار سے اپنے قلبی جذبات کا اظہار فرمایا:

لٰكِنَّنِيْ أَسْأَلُ الرَّحْمٰنَ مَغْفِرَةً وَضَرْبَةً ذَاتَ فَرْغٍ تَقْذِفُ الزَّبَدَا

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، بیروت، المطبعہ الاھلیہ، 1983م، جلد 2، صفحہ 236

”لیکن میں سلامتی اور مال غنیمت کا طلب گار نہیں ہوں۔ بلکہ میں تو اپنے رحمن پروردگار سے یہ عرض کرتا ہوں کہ وہ مجھے بخش دے۔ اور مجھے ایسی ضرب لگے جو کھلا زخم کر دے اور اس سے تیزی سے نکلنے والا خون جھاگ بناتا رہے۔“

أَوْ طَعْنَةً بِيَدَيْ حَرَّانَ مُجْهِزَةً ۔ بِحَرْبَةٍ تُنْفِذُ الْأَحْشَاءَ وَالْكَبِدَا

”یا مجھے کوئی طاقتور آدمی اپنے دونوں ہاتھوں سے ایسا نیزہ مارے جو میری آنتوں اور جگر کو چیرتا ہوا نکل جائے۔“

حَتَّى يُقَالَ إِذَا مَرُّوا عَلَى جَدَثِي ۔ أَرْشَدَكَ اللهُ مِنْ غَازٍ وَقَدْ رَشَدَا (1)

”یہاں تک کہ جب لوگ میری قبر کے پاس سے گزریں تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں۔ اے اس قبر میں آرام کرنے والے! اللہ تعالیٰ تجھے سیدھے راستہ پر چلنے والا غازی بنائے اور تو بن گیا ہے۔“

وہ جمعہ کا دن تھا۔ دوسرے مجاہد روانہ ہو گئے لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ رک گئے تاکہ سرور عالم ﷺ کی اقتداء میں جمعہ ادا کرنے کی سعادت حاصل کر لیں۔ جب سرکار دو عالم ﷺ نے انہیں دیکھا تو دریافت فرمایا کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیوں نہیں گئے؟ انہوں نے عرض کی کہ میں نے ارادہ کیا کہ نماز جمعہ حضور کی اقتداء میں ادا کروں پھر میں ان کے ساتھ جا ملوں گا۔

فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَدْرَكْتَ غَدْوَتَهُمْ وَفِي رِوَايَةٍ لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔ (2)

”رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اے عبداللہ! اگر تو زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر دے تو اس درجہ کو نہیں پا سکتا جو انہوں نے صبح سویرے روانہ ہو کر پا لیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا، اللہ کے راستہ میں ایک صبح یا شام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔“

1۔ ”تاریخ خمیس“، جلد 2، صفحہ 70

2۔ [illegible]، جلد 2، صفحہ 237

جب یہ سر فروش مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تو دشمن کو ان کی روانگی کی اطلاع مل گئی۔ انہوں نے بھی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ جتنے جنگجو جوان ان کے پاس تھے ان سب کو اکٹھا کیا۔ شر حبیل بن عمرو الغسانی جس نے حضور پر نور کے قاصد کو شہید کر کے اس جنگ کی پہلی چنگاری سلگائی تھی، وہ ان جنگی تیاریوں کا منتظم بنایا گیا۔ اس نے قبیلہ غسان کے علاوہ لخم، جذام، قیس، بہراء اور بلی قبائل کے ایک لاکھ لڑاکوں کو بھی جمع کیا۔ اسلام کے جان باز مدینہ طیبہ سے چل کر جب ملک شام کے ''معان'' نامی قصبہ میں پہنچے تو انہیں خبر ملی کہ خود ہرقل ایک لاکھ فوج کے ساتھ بلقاء کے ضلع میں مآب کے مقام پر آکر خیمہ زن ہو گیا ہے۔ اور مندرجہ بالا قبائل کے ایک لاکھ (ایک روایت میں پچاس ہزار) سپاہی بھی وہاں پہنچ گئے ہیں۔

معان نام کا ایک بہت بڑا قلعہ تھا جو حجاز اور شام کے درمیان واقع تھا اور دمشق سے مکہ کے راستہ پر پانچ روز کی مسافت پر تھا۔ مسلمانوں کو جب اس ٹڈی دل لشکر کی اطلاع ملی تو انہوں نے سوچ بچار شروع کر دی کہ ان حالات میں انہیں کیا کرنا چاہئے؟ دو رات صلاح و مشورے ہوتے رہے۔ آخر طے پایا کہ سرور عالم ﷺ کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا جائے۔ حضور مناسب خیال فرمائیں گے تو مزید کمک روانہ فرما دیں گے۔ ورنہ آقا کا جو ارشاد ہوگا، اس پر بے چون و چرا عمل پیرا ہو جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کی غیرت ایمانی اس کو برداشت نہ کر سکی۔ آپ نے ایک ایسا نعرۂ مستانہ لگایا کہ اس نے سب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا:

يَا قَوْمِ وَاللّٰهِ إِنَّ الَّتِي تَكْرَهُونَ لَلَّتِي خَرَجْتُمْ تَطْلُبُونَ الشَّهَادَةَ وَمَا نُقَاتِلُ النَّاسَ بِعَدَدٍ وَلَا قُوَّةٍ وَلَا كَثْرَةٍ مَا نُقَاتِلُهُمْ إِلَّا بِهٰذَا الدِّينِ الَّذِي أَكْرَمَنَا اللّٰهُ بِهِ فَانْطَلِقُوا فَإِنَّمَا هِيَ إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ إِمَّا ظُهُورٌ وَإِمَّا شَهَادَةٌ۔ (1)

''اے قوم! بخدا جس کو اب تم ناپسند کر رہے ہو اسی کی طلب میں تو تم گھروں سے نکلے ہو یعنی شہادت۔ ہم لوگوں کے ساتھ عدد، طاقت اور

1۔ ابو الفداء اسمٰعیل بن عمر (م 774ھ)، ''البدایہ والنہایہ''، مصر، المطبعۃ السلفیہ، ب ت، جلد 4، صفحہ 243

کثرت کے بل بوتے پر جنگ نہیں کیا کرتے۔ ہم تو اس دین کے بل بوتے پر جنگ کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں مشرف فرمایا ہے۔ اے اللہ کے بندو! چلو دو نیکیوں میں سے ایک نیکی تمہیں نصیب ہو جائے گی، فتح یا شہادت۔"

یہ ایمان افروز نعرہ سن کر سب پکار اٹھے:

قَدْ وَاللّٰہِ صَدَقَ اِبْنُ رَوَاحَۃَ

"بخدا! ابن رواحہ نے سچ کہا ہے۔" (1)

زید بن ارقم نے بتایا کہ میں کمسن یتیم تھا اور حضرت عبداللہ بن رواحہ میرے سرپرست تھے۔ وہ مجھے اس سفر میں اپنے ہمراہ لے گئے۔ میں اونٹ پر ان کے پیچھے سوار تھا۔ آپ نے فی البدیہہ شعر گنگنانے شروع کر دیئے جن میں انہوں نے اپنے شوق شہادت کا اظہار کیا تھا۔ مجھے رونا آ گیا۔ انہوں نے مجھے اپنے درہ سے کچوکا دیا اور فرمایا:

مَا عَلَيْكَ يَا لُكَعُ أَنْ يَرْزُقَنِيَ اللّٰهُ الشَّهَادَةَ (2)

"اے نوجوان! اگر اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرما دے تو تمہیں کیا تکلیف ہو گی۔"

اس ایک واقعہ سے آپ صحابہ کرام کی شجاعت اور جذبہ جاں نثاری کا بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ان کے دل کتنے قوی تھے اور اپنے رب پر ان کا بھروسا کتنا پختہ تھا اور اپنے نفوس کے بارے میں کتنے بے پروا تھے۔ انہوں نے اس نفع بخش سودے کو دل سے قبول کر لیا تھا جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (3)

1۔ ایضاً
2۔ ایضاً
3۔ سورۃ التوبہ 111

"یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں ایمان داروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس عوض میں کہ ان کے لئے جنت ہے۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں۔ پس قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے اس پر پختہ وعدہ تورات اور انجیل اور قرآن (تینوں کتابوں) میں اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے اپنے وعدہ کو اللہ تعالیٰ سے۔ (اے ایمان والو) پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ سے۔ اور یہی بڑی فیروز مندی ہے۔"

معرکہ موتہ

جب یہ لشکر اسلام شام کے ایک ضلع بلقاء میں پہنچا تو ان کا آمنا سامنا ہرقل کے رومی لشکر سے ہوا۔ عرب قبائل نے جو لشکر جمع کیا تھا وہ ضلع بلقاء کے مشارف نامی قصبہ میں خیمہ زن تھا۔ مسلمان مشارف سے ہٹ کر موتہ نامی گاؤں کے قریب پہنچ گئے۔ آخر یہی جگہ میدان جنگ بنی۔ مسلمانوں نے اپنی صف بندی کی۔ قطبہ بن قتادہ جن کا تعلق بنی عذرہ قبیلہ سے تھا انہیں میمنہ کی قیادت سونپی گئی۔ میسرہ پر عبایہ بن مالک انصاری کو امیر متعین کیا گیا۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ میں اس جنگ میں شریک تھا۔ میں نے جب دشمن کی سج دھج، جنگی ساز و سامان کے انبار اور ان کی بے شمار فوج کو دیکھا تو میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ میری سراسیمگی کی یہ حالت دیکھ کر ثابت بن ارقم نے کہا اے ابوہریرہ! شاید تم دشمن کی کثیر تعداد کو دیکھ کر پریشان ہوگئے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ ثابت نے کہا تم نے ہمارے ساتھ جنگ بدر میں شرکت نہیں کی۔ دشمن کی تعداد اس وقت بھی ہم سے تین گنا تھی۔ سنو! اِنَّا لَمْ نُنْصَرْ بِالْکَثْرَةِ (1) ہمیں کثرت تعداد کی وجہ سے کامیابی نہیں ہوئی بلکہ ہماری فتح و نصرت کا راز ہمارے دین میں مضمر ہے۔ (2)

صف بندی کے بعد جنگ شروع ہوگئی۔ دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوگئے۔ رسول معظم ﷺ کا علم حضرت زید بن حارثہ بلند کئے ہوئے تھے اور آپ کی شمشیر، صاعقہ

1۔ "البدایہ والنہایہ"، جلد 4، صفحہ 244

2۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 461

موت بن کر دشمن کی صفوں پر قیامت برپا کر رہی تھی اور انہیں موت کے گھاٹ اتار رہی تھی۔ آپ کافی دیر تک داد شجاعت دیتے رہے اور دشمنوں کی صفوں کو تہس نہس کرتے رہے۔ آخر کار ایک دشمن نے اپنا نیزہ ان کے سینہ میں گھونپ دیا۔ اس طرح آپ کا سر، تاج شہادت سے سرفراز ہوا۔

اس سے پہلے کہ پرچم اسلام ان کے ہاتھ سے زمین پر گر پڑتا حضرت جعفر بن ابی طالب بجلی کی سرعت سے آگے لپکے اور اسلام کے پرچم کو تھام لیا۔ آپ سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار تھے۔ آپ نے محسوس کیا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن پر حملہ کرنے کا لطف نہیں آرہا تو آپ نے اپنے گھوڑے کی پشت سے چھلانگ لگادی اور اپنی تلوار سے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں۔ جس کی ایک وجہ تو یہ بیان کی گئی ہے کہ انہیں اندیشہ تھا کہ انکے شہید ہونے کے بعد ان کا گھوڑا کفار کے کام نہ آئے اور یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جنگ کے حالات کتنے ہی سنگین ہوں یہاں سے فرار کا تصور تک بھی دل میں پیدا نہ ہو۔ آپ نے اسلام کے جھنڈے کو مضبوطی سے تھام لیا اور دشمن پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے اور اپنی بے نظیر شجاعت سے دشمن کے چھکے چھڑا دیئے۔

ایک کافر نے آپ کے دائیں بازو یا ہاتھ پر تلوار کا وار کیا جس میں آپ نے پرچم اسلام تھاما ہوا تھا۔ تلوار کے وار سے آپ کا دایاں بازو یا ہاتھ کٹ کر دور جا گرا لیکن آپ نے جھنڈے کو فوراً بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ دشمن نے پھر آپ کے بائیں ہاتھ پر وار کیا۔ یہ ہاتھ بھی کٹ کر الگ ہو گیا۔ اس ہاشمی شیر نے نبی رحمت کے پرچم کو زمین پر گرنے سے پہلے اپنے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں سے سینہ کے ساتھ دبوچ لیا۔ آپ کے دونوں بازو کٹ گئے، تلوار گر پڑی اور کفار نے اپنے تیروں، نیزوں اور تلواروں سے آپ کو گھائل کرنا شروع کر دیا۔ جب جسم اطہر سے خون کا آخری قطرہ بھی راہ حق میں بہ گیا تو نقاہت کی انتہا ہو گئی۔ اس وقت ایک رومی نے اپنی تلوار کا وار کر کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے آگے بڑھ کر وہ جھنڈا اٹھا لیا۔ حضرت جعفر کے جسد اطہر پر نیزوں، تلواروں اور تیروں کے نوے سے زیادہ زخم لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ زخموں کی تعداد ستر سے زیادہ تھی۔ لطف یہ ہے کہ کوئی زخم پشت پر نہیں تھا، سارے چہرے اور سینہ پر تھے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر مبارک اکتیس سال تھی۔ بعض نے انتالیس سال بتائی

ہے۔ بہر حال بھرپور جوانی میں آپ نے اپنی جان کا نذرانہ اپنے رب العزت کے نام کو بلند کرنے کے لئے بصد خلوص پیش کر دیا۔ آپ جب کلمہ حق کو بلند کرنے کے لئے جان کی بازی لگا کر کفار سے برسر پیکار تھے، اس وقت یہ رجز آپ کی زبان پر تھا:

يَا حَبَّذَا الْجَنَّةُ وَاقْتِرَابُهَا طَيِّبَةٌ وَبَارِدًا شَرَابُهَا

"کتنی بہترین ہے جنت اور اس کا قرب۔ اس کی شراب بہت پاکیزہ اور ٹھنڈی ہے۔"

وَالرُّوْمُ رُوْمٌ قَدْ دَنَا عَذَابُهَا عَلَيَّ إِذْ لَاقَيْتُهَا ضِرَابُهَا (1)

"روم تباہ ہو گیا اور اس کا عذاب قریب آ گیا۔ مجھ پر لازم ہے کہ جب میں اس سے ملاقات کروں گا تو اس سے جنگ کروں گا۔"

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے آگے بڑھ کر حسب ارشاد نبوی وہ جھنڈا اتھام لیا۔ دشمن کے ٹڈی دل لشکر نے مسلمان مجاہدین کو اپنے نرغے میں لے رکھا تھا اور وہ ان پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ ان جانگداز حالات میں حضرت عبداللہ کے قدم کانپنے لگے اور انہوں نے بھاگ کر جان بچانے کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ اسی وقت رحمت خداوندی نے اسلام کے اس عاشق صادق کی دستگیری کی۔ انہوں نے ایک لمحہ کے لئے اپنے دل میں سرگوشی کی اور پوچھا۔

اے نفس! تو کس کی ملاقات کے شوق میں زندہ رہنا چاہتا ہے۔ کیا اپنی بیوی سے وصال کے لئے؟

تو سن! میں نے اس کو تین طلاقیں دے کر اپنے اوپر حرام کر دیا ہے۔

کیا تو اپنے دو غلاموں کے لئے زندہ رہنا چاہتا ہے جو بڑے خلوص سے تیری خدمت گزاری میں دن رات مشغول رہتے ہیں؟ تو سن! ان دونوں کو میں نے راہ خدا میں آزاد کر دیا۔

کیا تجھے اپنے ہرے بھرے پھلدار باغ کی محبت فرار اختیار کرنے پر برانگیختہ کر رہی ہے؟ تو کان کھول کر سن لے! فَهُوَ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ کہ وہ باغ میں نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے صدقہ کر دیا ہے۔ (2)

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 71

2۔ ایضاً

پھر اپنے نفس کو جھڑکتے ہوئے یہ اشعار موزوں کیے:

أَقْسَمْتُ يَا نَفْسُ لَتَنْزِلِنَّهْ لَتَنْزِلِنَّ أَوْ لَتُكْرَهِنَّهْ

اے نفس! میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تمہیں میدان جنگ میں اترنا پڑے گا یا تم خوشی سے اترو گے۔ "یا تمہیں اترنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔"

إِنْ أَجْلَبَ النَّاسُ وَشَدُّوا الرَّنَّةْ مَالِي أَرَاكِ تَكْرَهِينَ الْجَنَّةْ

"لوگ تو ہجوم کر کے آگئے ہیں اور ان کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تجھے دیکھتا ہوں۔ کہ تم جنت کو ناپسند کر رہے ہو؟"

قَدْ طَالَمَا قَدْ كُنْتِ مُطْمَئِنَّةْ هَلْ أَنْتِ إِلَّا نُطْفَةٌ فِي شَنَّةْ (1)

"بہت عرصہ تک تم نے اطمینان کی زندگی بسر کی ہے۔ تم کیا ہو مگر ایک قطرہ، پرانے مشکیزہ میں۔

اس وقت ان کے چچازاد بھائی نے انہیں گوشت والی ہڈی پیش کی اور کہا کہ آپ نے کئی روز سے کچھ نہیں کھایا یہ کھالو، کمزوری دور ہو جائے گی اور دشمن سے اچھی طرح لڑ سکو گے۔ آپ نے اسے لے لیا دانتوں سے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹا اور اسے چبانا شروع کیا۔ ابھی نگلا نہیں تھا کہ جنگ کا نعرہ بلند ہوا۔ آپ نے اس گوشت والی ہڈی کو پرے پھینکا، تلوار بے نیام کی اور دشمن پر ہلہ بول دیا۔ وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ تن بدن کا ہوش تک نہ تھا۔ بجلی کی سرعت سے ان کی تلوار مصروف بیکار تھی۔ دشمن نے بھی اپنے تیروں اور نیزوں کے رخ ان کی طرف موڑ دیئے تھے۔ یہاں تک کہ اس مرد مجاہد نے اپنی جان عزیز اپنے خداوند قدوس کی عظمت کو بلند کرنے کے لئے پیش کر دی۔(2)

عاشقان جمال محمدی کی انہیں جانفروشیوں کو دیکھ کر حضرت علامہ اقبال یہ کہنے پر مجبور ہو گئے۔

عاشقاں اوز خوباں خوب تر خوشتر و زیبا تر و محبوب تر

یعنی لوگوں کے تو محبوب خوبصورت ہوا کرتے ہیں لیکن میرا محبوب تو وہ ہے جس کے عشاق کے حسن و جمال کا عالم یہ ہے کہ دنیا بھر کے حسین ان کے سامنے ہیچ ہیں۔ شمع جمال محمدی کے ان تینوں پروانوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا۔ تاقیامت کروڑوں رحمتیں اور

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 238

2۔ ایضاً، صفحہ 239

ان گنت برکتیں نازل ہوتی رہیں اس خطہ پاک پر جہاں اسلام کے یہ شیر آرام فرما ہیں۔ الٰہی! ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما! آمین۔

غزوۂ موتہ کا نازک لمحہ

یہ لمحے سر فروشان اسلام کے لئے قیامت کے لمحے تھے۔ حضور کے تینوں نامزد سپہ سالار ایک ایک کر کے اپنی جانیں راہ حق میں قربان کر چکے تھے۔ اب کون آگے بڑھ کر اس جھنڈے کو بلند کرے گا اور اس کو اونچا لہرانے کے لئے اپنے پیش رووں کی طرح اپنے سر کا نذرانہ پیش کرے گا؟ اس اثناء میں ثابت بن قیس بن ارقم جو قبیلہ بنی عجلان کا ایک منچلا جوان تھا، آگے بڑھا اور اسلام کے جھنڈے کو اٹھا لیا اور مجاہدین کو للکار کر کہا۔ اے اسلام کے سر فروشو! اب ایسا آدمی چن لو جو علم اسلام کو بلند رکھ سکے۔ لوگوں نے کہا ہم تمہیں اپنا علمبر دار بناتے ہیں۔ آپ نے کہا، میں اس کے لائق نہیں۔ سامنے خالد کھڑے تھے۔ اس نے انہیں پکارا، اے ابو سلیمان! (حضرت خالد کی کنیت) یہ لو اسلام کا جھنڈا۔ حضرت خالد نے کہا آپ اس شرف کے مجھ سے زیادہ حق دار ہیں۔ آپ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں اور غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت سے بہرہ ور ہیں۔ ثابت نے جوش سے کہا۔ خالد! اسے پکڑ بھی لو۔ میں نے تیرے حوالے کرنے کے لئے یہ جھنڈا زمین سے اٹھایا ہے۔ حضرت ثابت نے حاضرین سے پوچھا، کیا تم خالد کو قائد لشکر منتخب کرنے پر رضا مند ہو؟ سب نے بیک آواز کہا۔ ہم رضا مند ہیں۔ اس وقت حضرت خالد نے وہ علم پکڑ لیا اور اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے اس آڑے وقت میں مجاہدین اسلام کی قیادت کا بار گراں اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے جس وقت جام شہادت نوش کیا تو مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔ دونوں لشکر اپنی اپنی قیام گاہوں پر واپس آگئے تاکہ دوسرے روز صبح تازہ دم ہو کر اپنے اپنے دشمنوں سے بر سر پیکار ہو سکیں۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن رواحہ شہید ہو گئے اور حضرت خالد کو قائد جیش مقرر کیا گیا تو مسلمان تتر بتر ہو کر پسپا ہونے لگے۔ حضرت خالد نے انہیں آوازیں دیں لیکن کسی نے توجہ نہ کی۔ یہاں تک قطبہ بن عامر جو میمنہ کے امیر تھے، انہوں نے مجاہدین کو للکار کر کہا:

أَيُّهَا النَّاسُ! لَأَنْ يُقْتَلَ الرَّجُلُ فِي حَرْبِ الْكُفَّارِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يُقْتَلَ فِي حَالِ الْفِرَارِ۔

"اے لوگو! کفار سے جنگ کرتے ہوئے کوئی شخص قتل ہو جائے تو یہ اس سے بدر جہا بہتر ہے کہ وہ بھاگ رہا ہو اور اس کو دشمن موت کے گھاٹ اتار دے۔"

جب لوگوں نے قطبہ کی للکار سنی تو سب واپس لوٹ آئے۔ اب شام ہو چکی تھی۔ دونوں فوجیں اپنے اپنے خیموں میں واپس آگئیں۔ صبح ہوئی تو حضرت خالد کی جنگی عبقریت آشکارا ہوئی۔ آپ نے لشکر اسلام کی ساری ترتیب بدل دی اور نئے سرے سے صف بندی کی مقدمتہ الجیش کو لشکر کے پیچھے متعین کر دیا، جب دشمن کے سپاہی صف آراء ہوئے تو ان کے سامنے پہلے دیکھے ہوئے چہروں کے بجائے اجنبی چہرے تھے۔ وہ حیران تھے کہ یہ افسر اور سپاہی کل والے تو نہیں۔ کل مقدمتہ الجیش کے سپاہی اور ان کا قائد اور شخص تھا۔ میمنہ اور میسرہ میں بھی کل والے لوگ نہیں ہیں۔ انہوں نے از خود یہ نتیجہ اخذ کیا کہ لشکر اسلام کو تازہ کمک پہنچ گئی ہے۔ یہ خیال آتے ہی ان پر مرعوبیت کا عالم طاری ہو گیا۔ ان کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ ایسے بوکھلائے کہ میدان کارزار میں سے ان کے قدم اکھڑنے لگے۔ حضرت خالد نے ان کی نفسیاتی بے چینی اور اضطراب کو بھانپ لیا تو نعرہ تکبیر بلند کر کے ان پر حلہ بول دیا۔ مسلمان مجاہد شاہینوں کی طرح ان پر جھپٹ رہے تھے اور ان کے کشتوں کے پشتے لگاتے چلے جا رہے تھے۔ رومیوں کے قشون قاہرہ تتر بتر ہو کر میدان جنگ سے بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے ان کے بے شمار فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور بہت سا مال غنیمت اپنے قبضہ میں کر لیا۔ (1)

مدینہ طیبہ سے دور -- بہت دور، کفر و اسلام کے لشکروں میں گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ حضرت خالد کی قیادت میں اسلام کا مختصر لشکر رومیوں کے ان گنت سپاہیوں پر قیامت برپا کر رہا تھا۔ ادھر مسجد نبوی میں مؤذن بارگاہ رسالت بلند آواز سے اعلان کر رہا تھا۔ اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ" اس اعلان کے الفاظ سے مدینہ والے خوب متعارف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ رحمت عالم ﷺ اس اعلان کے بعد کوئی اہم ترین خطاب فرمانے والے ہیں۔ اپنے آقا کے ارشادات

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 72

عالیہ سننے کے لئے مدینہ کے گوشہ گوشہ سے لوگ پروانہ وار مسجد نبوی کی طرف امڈے چلے آرہے ہیں۔ چند لمحوں میں مسجد بھر گئی۔ حضور پر نور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ مبارک آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی ٹپکنے لگے۔ اس ماحول میں حضور نے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ: اے لوگو! میں تمہیں تمہارے غازیوں کے لشکر کے حالات سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ لشکر یہاں سے روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ دشمن سے ان کا آمنا سامنا ہوا۔ لشکر اسلام کے پہلے علمبردار حضرت زید نے جام شہادت نوش کیا۔ وَقُتِلَ زَیْدٌ شَهِیْدًا فَاسْتَغْفِرُوْا لَهٗ حضرت زید شہید ہوگئے، ان کے لئے طلب مغفرت کرو۔

پھر حضرت جعفر نے علم اسلام تھاما اور لشکر کفار پر پے در پے حملے کئے حَتّٰی قُتِلَ شَهِیْدًا فَاسْتَغْفِرُوْا لَهٗ کہ "وہ بھی شہید ہوگئے ان کے لئے بھی سب مغفرت طلب کرو۔" پھر عبداللہ بن رواحہ نے آگے بڑھ کر اسلام کا پرچم اٹھالیا اور بڑی ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کو بھی نعمت شہادت سے سرفراز کردیا گیا فَاسْتَغْفِرُوْا لَهٗ ان کیلئے سب مغفرت طلب کرو۔"

حضور نے فرمایا پھر خالد بن ولید نے جھنڈا پکڑا۔ وہ اللہ کے بہترین بندے اور قبیلہ کے بہترین بھائی ہیں۔ وہ اللہ کی تلواروں سے ایک تلوار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کفار اور منافقین کی سرکوبی کے لئے بے نیام کیا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی قیادت میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔

دوسری روایت میں ہے حضور نے دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِكَ فَانْصُرْهُ

"اے اللہ! خالد تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے اس کی مدد فرما"

اس روز سے آپ سیف اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

ثُمَّ اَخَذَ اللِّوَاءَ سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی فَفَتَحَ اللّٰهُ عَلٰی یَدَیْهِ۔

"پھر اللہ کی تلواروں سے ایک تلوار نے اسلام کے جھنڈے کو اٹھالیا اور

اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ پر مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔"

حضرت خالد نے بڑی دلیری اور بہادری سے جنگ کی اور وہ مسلمانوں کو کفار کے بے شمار لشکر کے نرغے سے نکالنے میں کامیاب رہے۔ اس روز جنگ میں حضرت خالد کے ہاتھ میں نو تلواریں یکے بعد دیگرے ٹوٹیں۔ سات دن تک معرکہ کارزار گرم رہا۔ فرزندان اسلام عقابوں کی طرح رومی لشکر پر جھپٹتے اور ان کو موت کے گھاٹ اتارتے رہے۔ باقی لوگوں نے بھی بھاگ کر جان بچائی۔ کچھ روز بعد حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ موتہ کے حالات کے بارے میں اطلاع دینے کے لئے حاضر ہوئے۔

حضور ﷺ نے انہیں فرمایا، اے یعلی! اگر تمہاری مرضی ہو تو تم وہاں کے حالات سے مجھے آگاہ کرو۔ اور اگر تمہاری مرضی ہو تو میں تمہیں وہاں کے حالات سے مطلع کروں۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! حضور ہی فرمائیں تاکہ حضور کی زبان سے وہاں کے حالات سن کر میری قوت ایمانی میں بھی اضافہ ہو۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے جنگ کے مکمل حالات بیان کئے جسے سن کر حضرت یعلی نے عرض کی:

وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا تَرَكْتَ مِنْ حَدِیْثِهِمْ حَرْفًا وَّاحِدًا۔ وَإِنَّ أَمْرَهُمْ لَكَمَا ذَكَرْتَ۔

"اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے آپ نے ان کے حالات میں ایک حرف بھی رہنے نہیں دیا اور بعینہ اسی طرح واقعات ہوئے ہیں جس طرح آپ نے ذکر فرمایا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ رَفَعَ لِیَ الْأَرْضَ حَتّٰی رَأَیْتُ مُعْتَرَكَهُمْ

"اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو اٹھا لیا یہاں تک کہ میں ان کے میدان جنگ کو دیکھنے لگا۔"

جب حضور نے حضرت خالد کے جھنڈا پکڑنے اور کفار سے جنگ کرنے کا ذکر فرمایا تو زبان پاک سے نکلا:

اَلْآنَ حَمِیَ الْوَطِیْسُ یعنی اب جنگ کی بھٹی بھڑک اٹھی ہے۔

اس جنگ کا نتیجہ

اس جنگ کا نتیجہ کیا نکلا؟

اس سوال کا جواب تشریح طلب ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی، وہ وہاں سے بھاگ کر مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں کے لوگوں کو ان کی آمد کا پتا چلا تو انہوں نے بھاگ کر آنے والوں کے خلاف شدید ردعمل کا مظاہرہ کیا، ان پر مٹی پھینکنے لگے اور ان نعروں سے ان کا استقبال کیا: يَا فُرَّارُ، فَرَرْتُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ اے بھگوڑو! تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے بھاگ کر آ گئے ہو۔ خطا پوش اور غریب پرور رسول نے یہ فرما کر نعرہ بازی کرنے والوں کو خاموش کیا۔ فرمایا:

لَيْسُوْا بِالْفُرَّارِ وَلٰكِنَّهُمُ الْكُرَّارُ اِنْ شَآءَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ (1)

"یہ بھگوڑے نہیں ہیں بلکہ یہ پلٹ پلٹ کر دشمن پر حملہ کرنے والے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ۔"

ان روایات سے پتا چلتا ہے کہ مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور انہوں نے بھاگ کر جان بچائی لیکن یہ خیال درست نہیں کیونکہ صحیح روایات اس کی تردید کرتی ہیں۔

مشہور سیرت نگار موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "المغازی" میں لکھا ہے:

ثُمَّ اصْطَلَحَ الْمُسْلِمُوْنَ ..... عَلٰى خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ الْمَخْزُوْمِيِّ فَهَزَمَ اللهُ الْعَدُوَّ وَاَظْهَرَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (2)

"پھر مسلمانوں نے باہمی مشورہ سے حضرت خالد بن ولید المخزومی کو اپنا قائد بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست فاش دی اور مسلمانوں کو غالب فرمایا۔"

ایک دوسری روایت ہے جس کے راوی حضرت انس ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

ثُمَّ اَخَذَ الرَّايَةَ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللهِ فَفَتَحَ اللهُ عَلٰى يَدَيْهِ۔ (3)

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 469

2۔ ایضاً، صفحہ 468

3۔ ایضاً

"پھر اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے اسلام کا جھنڈا اٹھالیا اور اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے لشکر اسلام کو فتح ارزانی فرمائی۔"

ان روایات سے یہ امر واضح ہو گیا کہ مجاہدین اسلام نے لشکر اعداء کو شکست فاش دی اور مسلمانوں کو غلبہ اور کامیابی نصیب ہوئی۔ اس لئے ہم اسی بات کو ترجیح دیتے ہیں جس کی تائید ان صحیح روایات سے ہو رہی ہے۔

علامہ ابن کثیر نے ان مؤرخین کی آراء قلمبند کرنے کے بعد اپنی ذاتی تحقیق بایں الفاظ تحریر کی ہے:

فَلَمَّا حَمَلَ عَلَيْهِمْ خَالِدٌ هَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللهِ وَاللهُ أَعْلَمُ۔ (1)

"جب حضرت خالد نے رومی لشکر پر حملہ کیا تو اللہ کی تائید سے انہیں شکست فاش دی۔ واللہ اعلم"

جن لوگوں کو اہل مدینہ نے بھگوڑا کہا تھا اور جن کے منہ پر مٹی پھینکی تھی وہ سارا لشکر اسلام نہ تھا بلکہ وہ چند افراد تھے جنہوں نے حضرت عبد اللہ بن رواحہ کی شہادت کے بعد اور حضرت خالد کے زمام قیادت سنبھالنے سے پہلے جب حالات کو ازحد تشویش ناک دیکھا تو وہ جان بچانے کے لئے وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ صرف ان چند افراد پر اہل مدینہ نے خاک افشانی کی تھی۔

آپ خود انصاف فرمائیے کہ اسلام کے تین ہزار مجاہد دو لاکھ سے زائد رومی لشکریوں کے ساتھ جنگ آزما ہوئے۔ اور یہ جنگ سات روز تک جاری رہی۔ اسی جنگ میں حضرت خالد کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں لیکن مسلمانوں کے صرف بارہ مجاہد شہید ہوئے اور بقیہ مجاہدین بخیر و عافیت واپس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ کیا اس سے بڑی کوئی فتح یابی ہو سکتی ہے؟ مسلمان اتنے بڑے لشکر سے جنگ آزما ہوئے تھے، چاہئے تو یہ تھا کہ مسلمان مجاہدین سے کوئی بھی بچ کر نہ آتا لیکن صرف بارہ مسلمانوں کا شہادت پانا اور بقیہ سارے لشکر کا بخیریت واپس آنا درحقیقت بے مثال فتح یابی ہے۔

1۔ ایضاً

غزوۂ موتہ کے شہیدوں کے اسماء گرامی

جنہوں نے اپنی جانیں دے کر دو لاکھ رومی سپاہیوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔

(1) حضرت زید بن حارثہ (2) حضرت جعفر بن ابی طالب (3) حضرت عبد اللہ بن رواحہ (4) مسعود بن الاسود (5) وہب بن سعد بن ابی سرح (6) عباد بن قیس (7) حارث بن نعمان (8) سراقہ بن عمرو (9) ابو کلیب بن عمرو بن زید (10) جابر بن عمرو بن زید (یہ دونوں سگے بھائی تھے) (11) عمرو (12) عامر۔ یہ دونوں بھی سگے بھائی تھے اور سعد بن حارث بن عباد کے فرزند تھے۔(1)

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ وَجَزَاھُمْ عَنِ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِیْنَ
خَیْرَ الْجَزَاءِ وَوَفَّقَنَا لِاِتِّبَاعِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ رَفْعِ کَلِمَۃِ اللّٰہِ

خاندان حضرت جعفر طیار سے تعزیت

شہید اہل بیت حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفیقہ حیات حضرت اسماء بنت عمیس فرماتی ہیں کہ جس روز موتہ کے میدان جنگ میں حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں نے شہادت کا شرف حاصل کیا، اس روز رحمت عالمیان ﷺ میرے ہاں تشریف لائے اور فرمایا۔ جعفر کے بیٹوں کو میرے پاس لے آؤ۔ میں انہیں لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئی تو حضور نے انہیں پیار سے سونگھا۔ حضور کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے ٹپکنے لگے یہاں تک کہ ریش مبارک بھیگ گئی۔ میں نے عرض کی، یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ حضور کیوں رو رہے ہیں، کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی اطلاع ملی ہے؟ فرمایا۔ ہاں! وہ آج شہید ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر بے ساختہ میری چیخ نکل گئی۔ میری چیخ سن کر بہت سی عورتیں جمع ہو گئیں۔ ہادی برحق ﷺ نے اس وقت مجھے ارشاد فرمایا:

یَا اَسْمَاءُ لَا تَقُوْلِیْ ھُجْرًا وَلَا تَضْرِبِیْ خَدًّا

"اے اسماء! کوئی بیہودہ بات زبان پر نہ لانا اور اپنے رخساروں کو طمانچے نہ مارنا۔"

1۔ سلیمان بن موسیٰ بن عقبہ (م 634ھ)، "الاکتفاء فی مغازی رسول اللہ"، القاہرہ، مکتبہ الخانجی، ب ت، جلد 2، صفحہ 286

پھر سرور عالم ﷺ نے حضرت جعفر کے لئے اس طرح دعا فرمائی:

وَقَالَ اَللّٰهُمَّ قَدِّمْهُ يَعْنِيْ جَعْفَرًا إِلٰى أَحْسَنِ الثَّوَابِ وَ اخْلُفْهُ فِيْ ذُرِّيَّتِهٖ بِأَحْسَنِ مَا خَلَفْتَ أَحَدًا مِّنْ عِبَادِكَ فِيْ ذُرِّيَّتِهٖ۔ (1)

"اے اللہ! جعفر کو بہترین ثواب عطا فرما اور اے اللہ! تو جعفر کی اولاد کے لئے اس کا بہترین قائم مقام بن جس طرح اپنے بندوں میں سے اپنے کسی بندے کا ان کی اولاد کے لئے قائم مقام ہوا ہے۔"

اس کے بعد نبی مکرم ﷺ اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے اور اپنے اہل خانہ کو فرمایا۔ جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرنے میں غفلت نہ کرنا۔ آج انہیں کھانا پکانے کا ہوش نہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ بھوکے رہیں۔

حضرت جعفر کے صاحبزادے عبداللہ فرماتے ہیں کہ:

نبی اکرم ﷺ کی خادمہ سلمیٰ نے جو صاف کئے۔ پھر انہیں پیسا، پھر چھان کر گوندھا۔ زیتون سے سالن تیار کیا۔ اس کے اوپر سیاہ مرچیں چھڑکیں۔ میں نے وہ کھانا کھایا۔ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین روز مجھے اپنے پاس رکھا۔ جس ام المومنین کی باری ہوتی، وہاں حضور تشریف لے جاتے اور مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔ تین روز بعد مجھے اپنے گھر آنے کی اجازت ملی۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ میت والوں کے لئے جو کھانا پکا کر بھیجا جاتا ہے اس کی اساس حضور کا یہی عمل مبارک ہے۔ تعزیت کے موقع پر جو کھانا پکایا جاتا ہے اہل عرب اسے "الوضیمہ" کہتے ہیں۔ شادی کے موقع پر جو کھانا پکایا جاتا ہے اسے "الولیمہ" کہتے ہیں۔ کسی مسافر کی آمد پر جو دعوت دی جاتی ہے۔ اسے "النقیعہ" کہتے ہیں۔ مکان تعمیر کرنے کے موقع پر جو ضیافت کی جاتی ہے اسے "الوکیرہ" کہتے ہیں۔ (2)

امام احمد بن حنبل نے صحیح سند سے یہ روایت بیان کی ہے:

تین روز تک حضور ان کے گھر نہیں گئے۔ اس کے بعد ان کے ہاں قدم رنجہ فرمایا اور

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 241

2۔ ایضاً

انہیں حکم دیا کہ آج کے بعد تمہیں میرے بھائی (جعفر) پر رونے کی اجازت نہیں۔ پھر آپ کے دونوں صاحبزادوں محمد اور عبداللہ کو طلب فرمایا، وہ حاضر ہوئے تو ان کے سروں کے بال مونڈ دیئے۔ پھر فرمایا کہ محمد تو ہمارے چچا ابو طالب سے مشابہت رکھتا ہے اور عبداللہ صورت و سیرت میں میرے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ پھر سارے خاندان کے لئے دعا فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن جعفر فرماتے ہیں کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے لئے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهٗ فِىْ صَفْقَةِ يَمِيْنِهٖ (1)

"الٰہی! جو سودا یہ کریں اس میں برکت عطا فرما۔"

حضور کی اس دعا کی ایسی برکت ہوئی کہ جب بھی میں نے کوئی چیز خریدی یا فروخت کی مجھے نفع ہی ہوا۔ اسی وقت ان کی والدہ پہنچ گئیں اور حضور کی خدمت میں عرض کی کہ اب یہ بچے یتیم ہوگئے ہیں۔ اور بڑے حزن و ملال کا اظہار کیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا اَلْعَيْلَةَ تَخَافِيْنَ عَلَيْهِمْ وَاَنَا وَلِيُّهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اے اسماء! تم اس لئے خائف ہو کہ اب یہ مفلس و محتاج ہو جائیں گے۔ میں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ان کا ولی و سرپرست ہوں۔ (2)

ایک روز سرور عالم ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ حضور نے سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور فرمایا "وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ۔" حاضرین نے عرض کی، حضور نے کس کو سلام کا جواب دیا ہے۔ فرمایا ابھی جعفر بن ابی طالب فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ میرے پاس سے گزرے اور انہوں نے مجھے سلام کہا۔ اس کے جواب میں میں نے بھی انہیں سلام کہا۔ (3)

طبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رحمت کائنات ﷺ نے ایک روز فرمایا کہ میں رات کو جنت میں گیا۔ وہاں میں نے جعفر بن ابی طالب کو فرشتوں کی معیت میں پرواز کرتے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کٹے ہوئے دو بازوؤں کے بدلے انہیں دو پر عطا فرمائے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ جعفر جبرئیل و میکائیل کے ساتھ اڑ رہے تھے۔

1۔ ایضاً

2۔ ایضاً، صفحہ 242

3۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 477

ان دو پروں کی حقیقت کیا تھی؟ علامہ سہیلی فرماتے ہیں:

کہ ان دو پروں سے مراد وہ ملکوتی صفت اور روحانی قوت ہے جس کے باعث آپ میں پرواز کرنے کی طاقت پیدا ہو گئی تھی۔(1)

لشکر اسلام کی مدینہ منورہ واپسی

حضرت خالد اپنی خداداد جنگی عبقریت کے باعث اسلامی لشکر کو اپنے سے چھیاسٹھ گنا زیادہ لشکر کے حصار سے نکال لانے میں کامیاب رہے۔ انہوں نے اپنی مٹھی بھر فوج کے ساتھ ایسی شدید جنگ لڑی جس نے دشمن کے چھکے چھڑا دیئے۔ اسی مرحلہ پر آپ کے ہاتھ میں پے درپے نو تلواریں ٹوٹی تھیں۔ آپ کے تابڑ توڑ حملوں نے دشمن کو اس قدر خوفزدہ اور سراسیمہ کر دیا کہ جب مجاہدین میدان جنگ سے واپس ہوئے تو تنی افرادی طاقت کے باوجود انہیں جرأت نہ ہوئی کہ مسلمانوں کا تعاقب کر سکیں۔ جہاں تھے وہیں ٹھٹھر کر رہ گئے۔ مجاہدین اسلام بڑے اطمینان سے اپنے مرکز مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب اس لشکر کے قریب پہنچنے کی اطلاع مدینہ پہنچی تو ان مجاہدین کی پیشوائی کے لئے حضور پرنور ﷺ اپنے صحابہ کے ہمراہ مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے۔ مسلمان بچے بھی کثیر تعداد میں ساتھ ہو گئے۔ وہ گیت گا رہے تھے اور آگے آگے دوڑتے جا رہے تھے۔ رؤف ورحیم نبی کو بچوں کی یہ تکلیف گوارا نہ ہوئی۔ حکم دیا کہ ہر سوار اپنے ساتھ ایک بچہ بٹھالے۔ اسلام کے بطل جلیل حضرت جعفر شہید کے فرزند حضرت عبداللہ کو حضور نے اپنی سواری پر آگے بٹھالیا۔ جب وہ لشکر سامنے آیا تو لوگوں نے خصوصاً بچوں نے مٹھیاں بھر بھر کر ان پر مٹی پھینکنی شروع کر دی اور اس جگر گداز طعنے سے ان کا استقبال کیا۔ یَا فُرَّارُ اَفَرَرْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ؟ اے بھگوڑو! تم راہ خدا میں جہاد کرنے سے بھاگ آئے ہو۔ اس زندگی سے تو میدان جہاد میں کٹ مرنا تمہارے لئے باعث عزت وسرفرازی تھا۔ رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جملے سنے تو فوراً ارشاد فرمایا:

لَيْسُوْا بِالْفُرَّارِ وَلٰكِنَّهُمُ الْكُرَّارُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

"یہ بھاگنے والے نہیں ہیں بلکہ یہ بار بار حملہ کرنے والے ہیں، ان شاء

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 243

اللہ تعالیٰ"

ان میں سے بہت سے لوگ ان کے طعنوں کی تاب نہ لا کر خانہ نشین ہو گئے اور اپنے دروازے بند کر لئے۔ اگر کوئی ان کے دروازے کو کھٹکھٹاتا تو دروازہ نہ کھولتے۔ انہیں یہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں کوئی پرجوش نوجوان ان کو مطعون کرنے کے لئے نہ آدھمکا ہو۔ بعض حضرات تو ان طعنوں کے ڈر سے نماز کے لئے بھی مسجد نبوی میں حاضر نہ ہو سکتے اور گھر میں ہی نمازیں ادا کر لیتے۔ بندہ نواز آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جاں نثاروں کی دلجوئی اور ان کو اس مخمصہ سے نکالنے کے لئے خاص آدمی بھیج کر اپنے پاس بلاتے اور انہیں تسلی دینے کے لئے فرماتے:

أَنْتُمُ الْكَرَّارُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ

یعنی تم بھگوڑے نہیں ہو بلکہ تم پلٹ پلٹ کر دشمن پر حملہ کرنے والے ہو۔ چند مجاہد حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کے بعد حالات کی سنگینی سے ہراساں ہو کر وہاں سے چلے آئے تھے۔ جب وہ واپس مدینہ پہنچے تو انہیں حوصلہ نہ ہوا کہ دن کی روشنی میں شہر میں داخل ہوں۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو چپکے سے اپنے گھروں میں داخل ہوئے اور چھپ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے باہمی مشورہ کیا اور فیصلہ کیا کہ اپنے آپ کو اپنے ہادی و مرشد کی خدمت میں پیش کر دیں اور اپنی غلطی کے لئے معذرت طلب کریں۔ اگر حضور نے مناسب سمجھا تو ہمیں توبہ کی تلقین فرمائیں گے اور ہم توبہ کر لیں گے۔ ورنہ یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔ صبح و مساء طعنوں کے تیروں کی بارش برداشت کرنے کی ہم میں سکت نہیں۔ چنانچہ یہ لوگ صبح کی نماز سے پہلے اندھیرے منہ در اقدس پر پہنچے۔ حضور نے پوچھا مَنِ الْقَوْمُ؟ آپ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بصد ندامت عرض کیا نَحْنُ الْفَرَّارُوْنَ ہم وہی بھگوڑے ہیں، در رحمت پر معذرت خواہی کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔

عفو و درگزر کے پیکر جمیل، اس دلنواز آقا نے فرمایا بَلْ أَنْتُمُ الْعَكَّارُوْنَ وَأَنَا فِئَتُكُمْ (1) "نہیں، تم بھگوڑے نہیں ہو بلکہ تم دشمن پر پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو اور میں بھی تم میں سے ہوں۔"

یہ روح پرور ارشاد سن کر ان کی پریشانیاں کافور ہو گئیں اور ان کے غمزدہ دلوں میں مسرت

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 246

کی لہر دوڑ گئی۔ اس ذرہ نوازی پر اظہار تشکر و فرحت کے لئے وہ آگے بڑھے اور اپنے رؤف و رحیم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے دست مبارک کو فرط عقیدت سے چوم لیا۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّهِ الرَّءُوْفِ الرَّحِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ لَا سِيَّمَا عَلَى الشُّهَدَآءِ وَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

علماء سیرت اس جنگ کو جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بنفس نفیس شرکت کی ہو غزوہ کہتے ہیں اور جس جنگ میں خود شرکت نہ کی ہو بلکہ اپنے کسی صحابی کو اس لشکر کا سالار مقرر کر کے بھیجا ہو، اسے سریہ کہتے ہیں۔ یہ جنگ موتہ، اس اصطلاح کے مطابق غزوہ نہیں ہوگی بلکہ سریہ شمار ہوگی۔ لیکن امام بخاری نے اسے غزوہ کہا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ صحابہ کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اس جنگ کے نتائج بہت دوررس تھے اس لئے اسے آپ نے غزوہ کہا ہے۔

سریہ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سریہ ذات السلاسل

مدینہ طیبہ سے دس رات کے فاصلہ پر وادی ذات القری کی دوسری طرف "بلی" اور "عذرہ" قبیلوں کا علاقہ تھا۔ بلی، بہت بڑا قبیلہ تھا ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ بلی بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ اور عذرہ کا سلسلہ نسب یوں بیان کیا گیا ہے۔ عذرہ بن سعد بن قضاعہ۔

اس سے پتا چل گیا کہ یہ دونوں قبیلے قبیلہ قضاعہ کی شاخیں ہیں۔ اس سریہ کو سریہ ذات السلاسل بھی کہا جاتا ہے کیونکہ مشرکین نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں سے جکڑ رکھا تھا تاکہ کوئی شخص میدان جنگ سے بھاگنے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے۔ لیکن جب اللہ کے شیروں کا لشکر ان کے علاقہ میں پہنچا تو ان کی آمد کا سنتے ہی مشرکین پر ایسا رعب طاری ہوا کہ انہوں نے خود زنجیروں کو توڑا یا کھولا اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہاں ایک چشمہ تھا جس کا نام سلاسل تھا۔ اس کی وجہ سے یہ سریہ اس نام سے مشہور ہوا۔ اس سریہ کے بھیجنے کا سبب یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کو اطلاع ملی کہ قضاعہ قبیلہ نے کثیر تعداد میں اپنے نوجوانوں کو جمع کیا ہے اور وہ مدینہ طیبہ کے اطراف میں لوٹ مار کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ یہ اطلاع ملتے ہی حضور انور ﷺ نے

عمرو بن العاص کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے پارچات اور ہتھیار لے کر فوراً حاضر ہوں۔ یہ حکم سنتے ہی آپ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں تین صد مجاہدین کے جتھہ کا امیر مقرر کیا۔ اس جتھہ میں مہاجرین و انصار کے چیدہ چیدہ افراد شامل تھے۔ ان کے ساتھ تیس گھڑ سوار تھے۔ حضرت عمرو بن العاص کو سرورِ عالم ﷺ نے ایک سفید علم ارزانی فرمایا اور یہ لشکر بنی قضاعہ کی اس سازش کو ناکام بنانے کے لئے جمادی الثانی سنہ 8 ہجری میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوا۔

مجاہدین دن کو کہیں چھپ کر آرام کرتے اور رات کی تاریکی میں سفر کرتے۔ جب وہ قضاعہ کی حدود کے قریب پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ دشمن نے ان کے اندازے سے کہیں زیادہ جم غفیر جمع کر رکھا ہے۔ قائد لشکر نے رفاعہ بن مکیث الجہنی کو حضور کی خدمت میں بھیجا اور مزید کمک بھیجنے کی درخواست کی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے دو سو مجاہدین کا ایک اور جتھہ ان کی مدد کے لئے روانہ کیا اور اس جتھہ کی قیادت حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو تفویض فرمائی۔ حضرت ابو عبیدہ ان دس خوش بخت صحابہ سے ہیں جن کو رحمت عالم ﷺ نے اس دنیا میں ہی جنتی ہونے کا مژدہ سنایا تھا۔ اس دستہ میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم جیسے جلیل القدر فرزندان اسلام شامل تھے۔ حضور پرنور نے حضرت ابو عبیدہ کو رخصت کرتے ہوئے آخری نصیحت یہ فرمائی:

أَنْ تَكُونَا جَمِيعًا وَلَا تَخْتَلِفَا

"تم دونوں متحد رہنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔"

جب یہ دستہ وہاں پہنچا تو نماز کا وقت ہو گیا۔ حضرت ابو عبیدہ امامت کرانے کے لئے آگے بڑھے تو حضرت عمرو بن العاص نے آپ کو روک دیا اور کہا لشکر کا امیر میں ہوں، آپ کو میری مدد کے لئے بھیجا گیا ہے، آپ کو میری اطاعت کرنا ہو گی۔ حضرت ابو عبیدہ نے جواب دیا کہ آپ اپنے لشکر کے امیر ہیں، میں اپنے لشکر کا امیر ہوں۔ لیکن حضرت عمرو نے جب امامت کرانے پر اصرار کیا تو حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا:

يَا عَمْرُو! إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِي لَا تَخْتَلِفَا وَإِنَّكَ إِنْ عَصَيْتَنِي أَطَعْتُكَ۔

"اے عمرو! مجھے میرے آقا نے اختلاف کرنے سے منع کیا تھا۔ اگر تو

میری نافرمانی کرتا ہے تو میں تیری اطاعت کے لئے تیار ہوں تاکہ میں حضور کے حکم کی تعمیل کر سکوں۔"

چنانچہ اس کے بعد حضرت عمرو ہی امامت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ جب یہ لشکر بلی اور عذرہ قبیلہ کے مساکن تک پہنچا تو مجاہدین اسلام نے حملہ کر دیا۔ وہ لوگ صرف ایک گھنٹہ تک جنگ جاری رکھ سکے پھر ان کے قدم اکھڑ گئے اور انہوں نے راہ فرار اختیار کر لی اور سارے علاقہ میں تتر بتر ہو گئے۔ مسلمانوں نے تین روز تک وہاں قیام کیا۔ ان دنوں میں سوار ادھر ادھر جاتے اور بکریاں اور بھیڑیں پکڑ کر لاتے، انہیں ذبح کر کے ان کا گوشت پکاتے اور کام و دہن کی تواضع کا اہتمام کرتے۔ اس سریہ میں کوئی مال غنیمت ہاتھ نہیں آیا جو مجاہدین میں تقسیم کیا جاتا۔(1)

لیکن علامہ بلاذری، "انساب الاشراف" میں تحریر کرتے ہیں:

وَقَتَلَ مِنْهُمْ مَقْتَلَةً عَظِيمَةً وَغَنِمَ (2)

"عمرو بن العاص نے ان پر حملہ کر کے ان کے بہت سے جوانوں کو قتل کیا اور انہیں بہت مال غنیمت ملا۔"

جاڑے کا موسم تھا اور کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی۔ مجاہدین نے سردی سے بچاؤ کے لئے آگ جلا کر اسے تاپنا چاہا لیکن حضرت عمرو بن العاص نے لوگوں کو آگ جلانے سے روک دیا۔ مجاہدین نے حضرت صدیق اکبر سے رابطہ قائم کیا۔ انہیں عرض کی کہ اس بلا کی سردی میں کھلے آسمان کے نیچے آگ جلا کر تاپنے کی اجازت نہ ملی تو وہ ٹھٹھر کر دم توڑ دیں گے۔ حضرت صدیق نے امیر لشکر سے سفارش کی کہ مجاہدین کو آگ جلانے کی اجازت دیں۔ لیکن انہوں نے سختی سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ جس نے آگ جلائی میں اس کو اسی آگ میں جھونک دوں گا۔ حضرت فاروق اعظم، حضرت عمرو بن العاص کے اس رویہ سے بہت برہم ہوئے اور چاہا کہ امیر لشکر سے بات کریں لیکن حضرت صدیق اکبر نے آپ کو ایسا کرنے سے منع کر دیا اور فرمایا:

إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَبْعَثْهُ عَلَيْنَا

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 244

2۔ علامہ بلاذری، "انساب الاشراف"، جلد 1، صفحہ 381

إِلَّا لِعِلْمِهِ بِالْحَرْبِ فَسَكَتَ عَنْهُ۔ (1)

"رسول اللہ ﷺ نے انہیں صرف اس لئے ہمارا امیر بنایا ہے کہ وہ جنگی امور کو خوب جانتے ہیں۔ حضرت عمر خاموش ہو گئے۔"

آخر دشمن سے جنگ ہوئی۔ دشمن کو شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگنے کے علاوہ اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ جب دشمن بھاگ نکلا تو مجاہدین نے اس کا تعاقب کرنا چاہا تو حضرت عمرو نے انہیں تعاقب کرنے سے روک دیا۔ مجاہدین کو حضرت عمرو کی یہ قدغن بھی پسند نہ آئی۔ چنانچہ جب یہ لشکر بخیریت مدینہ واپس پہنچا تو مجاہدین نے حضور کی خدمت اقدس میں اپنے امیر کے خلاف شکایتیں کیں کہ انہوں نے ہمیں آگ جلانے کی اجازت نہیں دی ہم سردی کے باعث ٹھٹھرتے رہے۔ نیز ہم نے دشمن کو شکست فاش دی اور وہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا ہم نے اس کا تعاقب کرنا چاہا لیکن امیر لشکر نے اس کی بھی ہمیں اجازت نہ دی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت عمرو کو بلا کر وجہ پوچھی تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے انہیں آگ جلانے کی اجازت اس لئے نہیں دی کہ آگ کی روشنی میں دشمن کو معلوم ہو جاتا کہ ہماری تعداد بہت تھوڑی ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنے کی کوشش کرے۔ اور مجاہدین کو ان کے تعاقب سے اس لئے منع کیا کہ مبادا ان کی کمک کے لئے نواحی علاقہ کے مشرک قبائل آجائیں اور ہم کسی مشکل میں پھنس جائیں۔

سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص کے طرز عمل کو بہت سراہا۔ (2)

امام مسلم اور امام بخاری دونوں نے یہ روایت اپنی صحیحین میں نقل کی ہے جو آپ کے مطالعہ کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ اس حدیث کے راوی خود حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ انہوں نے کہا:

"جب ہم اس سریہ سے واپس آئے تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مجھے اس لشکر کا قائد بنایا جس میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر جیسی ہستیاں تھیں۔ یقیناً حضور کے نزدیک میرا مرتبہ بہت بلند ہے۔ تبھی تو مجھے یہ شرف ارزانی فرمایا۔ چنانچہ میں آیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 245

2۔ ایضاً

اقدس میں آکر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنے اس خیال کی تصدیق حضور سے کرنا چاہی۔ میں نے عرض کی، یَا رَسُوْلَ اللہِ: اَیُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَیْکَ یارسول! سب لوگوں سے آپ کو محبوب کون ہے؟ قَالَ عَائِشَۃُ فرمایا۔ عائشہ۔ میں نے عرض کی کہ میں ازواج مطہرات کے متعلق استفسار نہیں کر رہا بلکہ دوسرے مسلمانوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔ فرمایا، ان میں سب سے زیادہ محبوب عائشہ کے باپ ہیں۔ میں نے عرض کی، ان کے بعد۔ فرمایا عمر۔ میں یہ سوال بار بار دہراتا رہا۔ حضور دوسرے نیاز مندوں کے نام لیتے رہے لیکن میرے نام کی باری نہ آئی۔ حضرت عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں طے کر لیا کہ آئندہ اس موضوع کو ہرگز نہیں چھیڑوں گا۔" (1)

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی طے ہو گیا کہ افضل کی موجودگی میں مفضول کو قائد بنایا جاسکتا ہے کیونکہ عین ممکن ہے کہ مفضول میں اس خاص مہم کو انجام دینے کے لئے افضل سے زیادہ صلاحیت ہو۔

سریہ ابی عبیدہ بن جراح

جہینہ کا قبیلہ بحر احمر کے ساحل پر آباد تھا۔ حضور سرور عالم ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ اس قبیلہ کی ایک شاخ آمادہ شر و فساد ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ کو تقریباً تین صد تیرہ مجاہدین کا امیر بنا کر ان کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ ان مجاہدین میں حضرت عمر بن خطاب بھی شریک تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے مجاہدین کی خوراک کے لئے کھجوروں کا بھرا ہوا ایک تھیلا مرحمت فرمایا کیونکہ اس سے زیادہ سامان رسد دینے کے لئے گنجائش ہی نہ تھی۔ (2)

امام بخاری، حضرت جابر کی روایت سے اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ساحل سمندر کی طرف ایک دستہ بھیجا جس کی تعداد تین صد تھی۔ اس کا امیر

1۔ ایضاً

2۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 6، صفحہ 275

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ چنانچہ ہم روانہ ہوئے۔ ہم ابھی راستہ میں ہی تھے کہ کھجوروں کا وہ تھیلا جو حضور نے مجاہدین کی خوراک کے لئے مرحمت فرمایا تھا، ختم ہو گیا۔ حضرت ابو عبیدہ نے تمام مجاہدین کو حکم دیا کہ جس کے پاس کھانے کو کوئی چیز ہو وہ یہاں لے آئے۔ چنانچہ سب نے جو کچھ کسی کے پاس تھالا کر پیش کر دیا۔ ان کھجوروں سے وہ برتن بھر گیا جو کھجوریں ذخیرہ کرنے کے لئے ہمارے ہمراہ تھا۔ حضرت ابو عبیدہ ہر روز ہر مجاہد کو کھجوروں کی ایک مٹھی بھر دیتے۔ اس پر ہمیں آٹھ پہر گزارنے پڑتے۔ چند روز کے بعد جب یہ کھجوریں بھی ختم ہونے کے قریب پہنچ گئیں تو آپ نے کھجوروں کی ایک مٹھی دینے کی بجائے مجاہدین کو اب کھجور کا ایک ایک دانہ عطا کرنا شروع کیا۔ وہب بن کیسان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر سے پوچھا کہ ایک کھجور سے تمہارا کیسے گزارا ہوتا تھا، تم اس ایک دانہ کو کیا کرتے تھے؟ حضرت جابر نے کہا کہ ہم اسے چوستے رہتے جیسے شیر خوار بچہ ماں کا دودھ چوستا ہے۔ وہ دانہ کھجور جب ختم ہو جاتا تو ہم اس کے بعد پانی پی لیتے اس طرح ہمارے آٹھ پہر گزر جاتے۔ اور ہمیں اس ایک کھجور کی اہمیت کا اندازہ اس وقت ہوا کہ جب کھجوریں بالکل ختم ہو گئیں اور ہمیں ایک دانہ بھی نہ ملا۔ جب کھجوریں بالکل ختم ہو گئیں تو پھر اپنی کمانوں سے درختوں کے پتے جھاڑ کر جمع کرتے۔ پھر انہیں پانی میں بھگو دیتے۔ جب نرم ہو جاتے تو پھر ہم انہیں کھاتے۔ ان پتوں کو پیہم کھانے سے ہمارے ہونٹ زخمی ہو گئے اور سوج کر اونٹ کے ہونٹوں کے برابر ہو گئے۔ ہمیں تین ماہ تک وہاں رکنا پڑا۔ اور یہی بھیگے ہوئے پتے ہماری خوراک تھی۔ (1)

ان مجاہدین میں بنو خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ کے فرزند قیس بھی شامل تھے۔ ان سے اپنے ساتھیوں کی یہ خستہ حالی دیکھی نہ گئی۔ انہوں نے باآواز بلند اعلان کیا کہ کوئی شخص مجھ سے اونٹوں کے بدلے کھجوریں خریدنے کے لئے تیار ہے۔ وہ اب اونٹ مجھے دے دے اور میں اسے یہ کھجوریں مدینہ طیبہ واپس جا کر دے دوں گا۔ جہینہ قبیلہ کا ایک آدمی قیس کو مل گیا۔ آپ نے اسے کہا کہ میرے ہاتھ اونٹ فروخت کر دو، میں اونٹ کی قیمت مدینہ طیبہ کی کھجوروں کی شکل میں ادا کروں گا۔ اس شخص نے کہا کہ میں آپ کو نہیں جانتا ذرا اپنا تعارف تو کرائیں۔ قیس نے کہا میں قیس بن سعد بن عبادہ بن دلیم ہوں۔ اس

1۔ ایضاً، صفحہ 276

شخص نے کہا مجھے اب مزید تفصیل کی ضرورت نہیں، میرے لئے یثرب کے سردار سعد کا نام ہی کافی ہے۔ قیس نے اس سے پانچ اونٹ خریدے اور فی اونٹ ایک وسق کھجور اس کی قیمت طے ہوئی۔ (وسق، ایک پیمانہ ہے جو ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے) اس اعرابی نے کہا کہ میں فلاں قسم کی کھجوریں لوں گا۔ قیس نے کہا میں تجھے اسی قسم کی کھجوریں دوں گا۔ چنانچہ چند مہاجر اور انصار اس سودے کے گواہ مقرر کئے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گواہ بننے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا یہ قرضہ لے رہا ہے حالانکہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں۔ سارا مال تو اس کے باپ کا ہے۔ اس لئے میں اس سودے کا گواہ نہیں بنتا۔

جہنی نے کہا کہ قیس کا باپ اپنے اس خوبرو اور نیک خصال بچے کے اس وعدہ کو جھوٹا نہیں ہونے دے گا۔ قیس نے پانچ اونٹ لے لئے اور ہر روز ایک اونٹ ذبح کر کے مجاہد بھائیوں کو کھلاتے رہے۔ تین دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ چوتھے روز امیر لشکر نے قیس کو اونٹ ذبح کرنے سے روک دیا۔ کہا اے قیس! تیرے پاس مال تو ہے نہیں۔ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم اپنا معاہدہ توڑنے پر مجبور ہو جاؤ اور معاہدۂ شکن کہلاؤ؟ قیس نے جواب دیا۔ آپ میرے باپ کو جانتے ہیں وہ لوگوں کے قرضے ادا کرتا ہے۔ وہ دوسروں کا بوجھ خوشی سے اپنے سر اٹھالیتا ہے اور زمانہ قحط میں بھی لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ کیا وہ میرے ذمہ جو کھجوریں ہیں وہ انہیں ادا کرنے میں بخل سے کام لے گا؟ حالانکہ یہ بوجھ میں نے محض اپنے مجاہد بھائیوں کو فاقہ کشی سے نجات دلانے کے لئے اٹھایا ہے۔ قیس کے اس جواب سے حضرت ابو عبیدہ تو نرم پڑ گئے لیکن حضرت عمر فاورق نے انہیں کہا کہ وہ قیس کو سختی سے منع کریں۔ ان پانچ اونٹوں سے تین اونٹ ذبح کر دیئے گئے، باقی دو اونٹ بچ گئے۔ واپسی پر وہ مجاہدین کی سواری کے کام آئے۔ مجاہد باری باری ان پر سوار ہوتے رہے۔

حضرت سعد بن عبادہ کو جب مجاہدین کی فاقہ کشی کے بارے میں علم ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ اس فاقہ کشی کی حالت میں تم نے کیا کیا؟ قیس نے بتایا کہ میں نے ایک اونٹ ذبح کیا اور اپنے ساتھیوں کو کھلایا۔ پوچھا پھر؟ کہا دوسرے دن بھی اونٹ ذبح کر کے مجاہدین کی خدمت میں پیش کیا۔ پوچھا پھر؟ کہا تیسرے دن بھی اونٹ ذبح کیا۔ کہا پھر؟ کہا پھر مجھے ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا۔ پوچھا کس نے منع کیا؟ کہا امیر لشکر نے۔ پوچھا کیوں؟ کہا کہ انہوں نے خیال کیا تو نادار ہے۔ جو مال ہے وہ تیرے باپ کا ہے۔ یہ سن کر

حضرت سعد بولے کہ میں نے کھجوروں کے چار باغ تمہیں دے دیئے۔ ان میں سے جو گھٹیا باغ ہے، اس سے پچاس وسق کھجوریں تمہیں حاصل ہوں گی (1) حضرت سعد نے یہ چاروں باغ لکھ کر اپنے بیٹے قیس کو دے دیئے۔ اور حضرت ابو عبیدہ اور دیگر صحابہ نے بطور گواہ دستخط کئے۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ وہاں سے ہم ساحل سمندر پر آئے۔ سمندر کی لہروں نے ایک بہت بڑی مچھلی ساحل پر اچھال دی۔ اس مچھلی کو عنبر کہتے ہیں۔ یہ ساٹھ گز لمبی ہوتی ہے۔ ہم نے آج تک اتنی بڑی مچھلی نہیں دیکھی تھی۔ دور سے یہ بڑے ٹیلے کی مانند نظر آتی تھی۔ ہم اسے اٹھا کر لے آئے اور جتنا عرصہ (پندرہ یا اٹھارہ دن یا پورا مہینہ) ہم وہاں رہے اس مچھلی کا گوشت بھون بھون کر کھاتے رہے۔ ہماری تعداد تین صد تھی۔ اس کا گوشت کھانے سے ہماری صحت پر بڑا اچھا اثر پڑا۔ ہمارے چہرے سرخ اور بدن فربہ ہو گئے۔ ہم اس کا تیل اپنے بالوں کو لگاتے تھے اور جسم پر مالش کرتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ نے اس کی ایک پسلی کھڑی کرنے کا حکم دیا۔ پھر اپنے لشکر میں جو سب سے دراز قامت تھا، اس کو بلایا اور سب سے قد آور اونٹ منگوایا اس پر اس مجاہد کو سوار کیا، وہ اس پسلی کے نیچے سے گزرا، اس کا سر اس پسلی کے ساتھ نہیں ٹکرایا۔ ہم نے اس کے گوشت کے ٹکڑے بطور زاد راہ اپنے ساتھ رکھ لئے۔ ابو حمزہ خولانی کہتے ہیں کہ ہر مجاہد نے اپنی خواہش کے مطابق گوشت رکھ لیا اور ٹینوں میں اس کی چربی ڈال لی اور ہمراہ لے آیا۔

حضرت جابر سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ طیبہ پہنچے اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو ہم نے اسے مچھلی کا ذکر کیا۔ حضور نے فرمایا رِزْقٌ أَخْرَجَهُ اللّٰهُ لَكُمْ "یہ رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے سمندر سے نکال کر تمہیں دیا۔"

پھر دریافت فرمایا، اس کا کچھ گوشت تمہارے پاس ہے؟ ہم نے پیش خدمت کیا۔ حضور نے تناول فرمایا۔

رحمت عالم ﷺ کو جب قیس کے ایثار و سخاوت کا واقعہ عرض کیا گیا تو فرمایا إِنَّ الْجُودَ لَمِنْ شِيمَةِ أَهْلِ ذٰلِكَ الْبَيْتِ "سخاوت تو اس خاندان کے افراد کی فطرت ہے۔" (2)

1۔ ایضاً و العلامہ علی بن برہان الدین الحلبی الشافعی، "السیرۃ الحلبیہ"، مصر، مکتبہ مصطفی البابی الحلبی، 1349ھ، جلد 2، صفحہ 315
2۔ ایضاً، صفحہ 278 و "السیرۃ الحلبیہ"، جلد 2، صفحہ 315

اس سریہ کے بھیجنے کی وجہ

اس سریہ کے بھیجنے کی کیا وجہ تھی؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:۔

(1) بحر احمر کے ساحل کے قریب آباد جہینہ قبیلہ کی ایک شاخ نے فتنہ و فساد برپا کرنے کی تیاری کر لی تھی۔ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی گوشمالی کے لئے حضرت ابو عبیدہ کی قیادت میں یہ سریہ روانہ فرمایا جس میں تین صد مجاہدین شریک تھے۔

(2) اطلاع ملی کہ کفار مکہ کا ایک تجارتی کارواں واپس مکہ جا رہا ہے۔ اس پر حملہ کرنے کے لئے یہ سریہ روانہ کیا گیا۔ جہاں تک اس سریہ کو بھیجنے کی تاریخ کا تعلق ہے، اکثر حضرات کی یہ رائے ہے کہ ماہ رجب سنہ 8 ہجری کو یہ سریہ بھیجا گیا۔

لیکن اہل تحقیق نے ان دونوں قولوں پر عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر پہلے قول کو صحیح مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ نے اشہر حرم میں جہینہ کی سرکوبی کے لئے اپنا لشکر روانہ فرمایا، یہ درست نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مہینوں میں جنگ کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ۔

"پوچھتے ہیں آپ سے ماہ حرام میں جنگ کرنے کا کیا حکم ہے آپ فرمائیے کہ لڑائی کرنا اس میں بڑا گناہ ہے۔" (1)

رجب کا مہینہ بھی ان حرمت والے مہینوں سے ہے، اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ اس فرمان الٰہی کی موجودگی میں نبی اکرم ﷺ نے ماہ رجب میں مجاہدین کو حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا ہو؟

اور اگر دوسرا قول صحیح تسلیم کیا جائے کہ مشرکین کے قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے یہ سریہ روانہ کیا گیا تو پھر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے ہو چکا تھا۔ جس کی ایک دفعہ یہ تھی کہ فریقین دس سال تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عہد شکنی کا تصور تک نہیں کیا

1۔ سورہ البقرہ: 217

جا سکتا۔ اہل مکہ نے عہد شکنی کی لیکن ماہ رجب سے دو ماہ بعد رمضان شریف میں۔ علامہ ابن عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ اس عقدہ کو حل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لٰكِنْ تَلَقِّيْ عِيْرِ الْقُرَيْشِ مَا يُتَصَوَّرُ أَنْ يَكُوْنَ فِي الْوَقْتِ الَّذِيْ ذَكَرَهُ ابْنُ سَعْدٍ فِيْ رَجَبٍ سَنَةَ ثَمَانٍ۔ لِأَنَّهُمْ كَانُوْا حِيْنَئِذٍ فِي الْهُدْنَةِ۔ بَلْ مُقْتَضٰى مَا فِي الصَّحِيْحِ أَنْ تَكُوْنَ هٰذِهِ السَّرِيَّةُ فِيْ سَنَةِ سِتٍّ أَوْ قَبْلَهَا قَبْلَ هُدْنَةِ الْحُدَيْبِيَةِ نَعَمْ، يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُوْنَ تَلَقِّيْهِمْ لِلْعِيْرِ لَيْسَ لِمُحَارَبَتِهِمْ بَلْ لِحِفْظِهِمْ۔ (1)

"یعنی اگر اس سریہ کی روانگی کی یہی تاریخ تسلیم کی جائے تو پھر ہم اس سریہ کے بھیجنے کا تصور ہی نہیں کر سکتے کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے ہو چکا تھا۔ جس میں ایک دفعہ یہ تھی کہ فریقین دس سال تک ایک دوسرے پر حملہ نہیں کریں گے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں عہد شکنی کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ اس سریہ کی یہ تاریخ درست نہیں۔ یہ سریہ صلح حدیبیہ طے کرنے کے بعد نہیں بلکہ اس سے پہلے سنہ ۶ ہجری میں روانہ کیا گیا۔"

علامہ ابن حجر نے اس کی ایک اور توجیہ بھی بیان کی ہے کہ اگر اس سریہ کے وقوع کی وہی تاریخ تسلیم کی جائے تو پھر اس سریہ کو بھیجنے کا مقصد اہل مکہ کے تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا نہ تھا بلکہ جہینہ کی اس شاخ کی شر انگیزی سے بچانا تھا اور اس کی حفاظت کرنے کے لئے یہ سریہ روانہ کیا گیا۔

علامہ ابن حجر کی اس توجیہ سے دونوں اعتراضات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ یعنی عہد شکنی مطلوب نہ تھی بلکہ اس معاہدہ کی ہر ممکن پاسداری مقصود تھی۔ کفار کے قافلہ پر خود حملہ کرنا تو در کنار، حضور کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ حضور کے زیر اثر علاقہ میں کوئی دوسرا قبیلہ کفار

1۔ العلامہ احمد ابن علی ابن الحجر العسقلانی (852ھ)، "فتح الباری شرح البخاری"، القاہرہ، المطبعۃ البہیۃ المصریہ، ب ت، جلد 8، صفحہ 63

کے اس قافلہ پر دست درازی کرے اور اگر کوئی ایسی صورت رونما ہو جائے تو مجاہدین اسلام آگے بڑھ کر اس قافلہ کی حفاظت کریں گے اور کسی کو اس پر زیادتی کی اجازت نہ دیں گے۔

اگر اس سریہ کا مقصد قافلہ پر حملہ کرنا نہ ہو بلکہ اس کی حفاظت کرنا ہو تو پھر اشہر حرم کی بے حرمتی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

علامہ ابن قیم "زاد المعاد" میں اس سریہ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

صحیحین کی روایت کے الفاظ اس توجیہ سے مطابقت نہیں رکھتے کیونکہ صحیحین کے الفاظ سے واضح طور پر پتا چلتا ہے کہ اس سریہ کا مقصد کفار کے اس تجارتی کارواں پر قبضہ کرنا تھا۔

فَإِنَّ فِي الصَّحِيحَيْنِ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ قَالَ بَعَثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَلَاثِمِائَةِ رَاكِبٍ أَمِيرُنَا أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ نَرْصُدُ عِيرًا لِقُرَيْشٍ۔ (1)

"جابر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بھیجا۔ ہماری تعداد تین سو تھی اور امیر لشکر حضرت ابو عبیدہ بن جراح تھے۔ مقصد یہ تھا کہ اس تجارتی قافلہ کے انتظار میں کسی کمین گاہ میں بیٹھ کر انتظار کریں۔ تاکہ جب وہ ہماری زد میں آجائے تو ہم اس پر بلہ بول دیں۔"

لفظ رصد کی تشریح کرتے ہوئے المنجد کے مصنف رقم طراز ہیں:

رَصَدَ: قَعَدَ لَهُ عَلَى الطَّرِيقَةِ لِيُوقِعَ بِهِ

"کسی کے راستہ میں بیٹھنا کہ جب وہ زد میں آجائے تو اس پر حملہ کر دیا جائے۔"

اس لئے وہ روایت جو صحیحین میں بایں الفاظ مروی ہے۔ ہم اس میں ردوبدل کے مجاز نہیں۔ لیکن ماہ رجب سنہ 8 ہجری کی تاریخ جو علامہ ابن سید الناس اور دیگر علماء سیرت نے اپنی کتب میں تحریر کی ہے، وہ صحیح روایت میں مذکور نہیں۔ بلکہ یہ ان کی اپنی تحقیق اور رائے ہے۔ اور کیونکہ ان کی یہ رائے روایت صحیح سے متصادم ہے۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تاریخ محل نظر ہے۔ یہ سریہ رجب سنہ 8 ہجری میں نہیں بلکہ صلح حدیبیہ سے پہلے سنہ 6

1۔ ابن قیم الجوزیہ، "زاد المعاد فی ہدی خیر العباد"، جلد 3، صفحہ 390

ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔ اس سے جملہ اعتراضات کی تردید ہو جاتی ہے۔

اس بحث کے بعد علامہ ابن قیم اپنی تحقیق کا خلاصہ یوں تحریر کرتے ہیں:

قُلْتُ وَهٰذَا السِّيَاقُ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ هٰذِهِ الْغَزْوَةَ كَانَتْ قَبْلَ الْهُدْنَةِ وَقَبْلَ عُمْرَةِ الْحُدَيْبِيَّةِ۔ (1)

"میں کہتا ہوں کہ یہ سیاق وسباق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ غزوہ صلح حدیبیہ سے پہلے وقوع پذیر ہوا۔" ☆

1۔ ایضاً

☆ اس غزوہ مبارکہ کے حالات لکھنے کی ابتداء 15 شوال 1412ھ مطابق 19/ اپریل 1992ء بروز اتوار اس وقت کی جب مجھے مدینہ طیبہ میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی اور میں نے اپنے محترم دوست حاجی محمد صدیق صاحب کے مکان میں بیٹھ کر اس کا آغاز کیا۔ اس مکان کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ سامنے مسجد نبوی کے مینار اور گنبد خضراء نظر آ رہا تھا۔ اور جب میں نے یہ آخری جملہ لکھا تو اس وقت مسجد نبوی میں مؤذن نے اذان دینی شروع کی۔ الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا رسول اللہ۔

غزوۂ فتحِ مکّہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

اور آپ (اعلان) فرما دیجئے آ گیا ہے حق
اور مٹ گیا ہے باطل بیشک باطل تھا ہی
مٹنے والا۔

(بنی اسرائیل آیت ۸۱)

غزوہ فتح مکہ

وہ مقدس گھر جس کی تعمیر کا شرف امام الموحدین، جد الانبیاء والمرسلین سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کو مرحمت فرمایا گیا۔ اور جس کی تعمیر کا مقصد سیدنا خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بصد عجز و نیاز بارگاہ خداوندی میں بایں الفاظ میں عرض کیا تھا:

رَبَّنَآ إِنِّيٓ أَسۡكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيۡرِ ذِي زَرۡعٍ عِندَ بَيۡتِكَ ٱلۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ ۔ (1)

"اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔ اے میرے رب! یہ اس لئے تاکہ وہ قائم کریں نماز۔"

صد حیف وہ گھر صدہا سال سے صنم کدہ بنا ہوا تھا۔ وہاں اللہ وحدہ لاشریک لہ، کی عبادت کے بجائے پتھر سے گھڑے ہوئے سینکڑوں اندھے، بہرے، گونگے اور بے جان بتوں کی پوجا پاٹ بڑی دھوم دھام سے ہو رہی تھی۔

اس مقدس گھر کو کفر و شرک کی آلودگیوں سے پاک کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول کو مبعوث فرمایا۔ اس نبی مکرم ﷺ نے صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر جب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پہلا خطبہ ارشاد فرمایا تو اس محسن انسانیت کے خلاف یکایک نفرت و عداوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ وہ ہستی جو اپنی سیرت کے حسن اور کردار کی پاکیزگی کے باعث اپنی قوم کی آنکھوں کا تارا بنی ہوئی تھی، فرط عقیدت سے جسے ہر شخص الامین اور الصادق کے معزز القاب سے ملقب کیا کرتا تھا، وہ قوم اب ان کے خون کی پیاسی ہو گئی۔ دن بھر روساء مکہ کی بیگمات جنگل سے کانٹے چن کر لاتیں، اور رات کے وقت اس راہ پر بکھیر دیتیں جس راہ پر سحری کے وقت حضور پر نور ﷺ چل کر اپنے حی و قیوم خدا

1۔ سورہ ابراہیم: 37

کی بارگاہ عزت وجلال میں اپنی جبین نیاز جھکانے کے لئے جایا کرتے۔

روز بعثت سے لے کر سنہ 8 ہجری تک یہ اکیس سالہ عرصہ پیغمبر اسلام اور دین اسلام کے لئے بڑا صبر آزما تھا۔ دعوت توحید کو ناکام بنانے کے لئے مخالفین کی مساعی میں جتنی شدت آتی جاتی داعی حق علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضور کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جذبہ جہاد میں اضافہ ہوتا جاتا۔ نبی کریم ﷺ کے بے نظیر عزم واستقلال اور فرزندان اسلام کی سرفروشیوں نے قلیل عرصہ میں باطل کے قشون قاہرہ کو ہر میدان میں رسوا کن ہزیمتوں سے دوچار کر دیا۔

چند سال میں ایسا انقلاب برپا ہوا کہ جزیرۂ عرب کے دور افتادہ خطے بھی نور اسلام سے جگمگا اٹھے۔ شرک وکفر کے ایوان کے بڑے بڑے ستون خود بخود گرنے لگے۔ خالد جیسی شخصیتیں جس نے صرف چند سال پہلے احد میں اپنی عسکری عبقریت کے باعث لشکر اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا تھا، دوڑ دوڑ کر شمع مصطفوی پر پروانہ وار نثار ہونے لگے۔ نبی مکرم، رسول معظم ﷺ جن کو چند سال پہلے مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا، اب وقت آ گیا کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ دس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہو اور اپنے جد امجد سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے تعمیر کردہ کعبہ کو کفر و باطل کی ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک کرے اور اس میں قطار در قطار سجائے ہوئے بتوں کو بکمال حقارت وہاں سے اکھیڑ کر باہر پھینک دے۔

چنانچہ ہجرت کا آٹھواں سال تھا۔ رمضان شریف کا برکتوں اور سعادتوں والا مہینہ تھا اور اس کی بیس تاریخ تھی۔ جب مکہ نے اپنے بند دروازے اللہ کے محبوب رسول ﷺ اور اس کے غلاموں کے استقبال کے لئے کھول دیئے۔(1)

فتح مکہ کا دن تاریخ انسانیت کا مبارک ترین دن ہے۔ اسی روز بادیہ ضلالت میں صدیوں سے بھٹکنے والے کاروان انسانیت کو صراط مستقیم تک رسائی نصیب ہوئی۔ اسی روز اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان اوہام وخرافات، تعصب وہٹ دھرمی، جہالت وبربریت، نفس پرستی اور اندھی تقلید کے جتنے حجابات تھے سب تار تار کر دیئے گئے۔ انسان کو خود شناسی اور خداشناسی کی نعمت عظمیٰ اور سعادت کبریٰ سے بہرہ ور کر دیا گیا۔

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 305

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

فرمان الٰہی کی صداقتوں کا لوگوں نے اپنی ظاہری آنکھوں سے بھی مشاہدہ کر لیا۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَفْضَلَ الصَّلٰوتِ وَاَجْمَلَ التَّسْلِيْمَاتِ۔

غزوۂ فتح مکہ کے اسباب

گزشتہ سال حدیبیہ کے مقام پر فریقین کے درمیان جو صلح نامہ طے پایا تھا، اس میں دیگر شرائط کے علاوہ دو شرطیں یہ تھیں:

1۔ فریقین دس سال تک ایک دوسرے کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے۔

2۔ عرب کے دیگر قبائل کو اجازت دے دی گئی کہ جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کرنا چاہے وہ کر سکے، اس پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔

چنانچہ ہر قبیلہ نے اپنی آزاد مرضی سے جس فریق کے ساتھ اپنے مستقبل کو وابستہ کرنا مناسب سمجھا اس کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر لیا۔ بنو کنانہ نے قریش کے ساتھ اور بنو خزاعہ نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ دوستی کا معاہدہ طے کر لیا۔ بنو خزاعہ نے معاہدہ طے کرتے وقت وہ عہد نامہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا جو حضور پر نور ﷺ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب نے خزاعہ کو لکھ کر دیا تھا۔ جب پہلے ان سے دوستی کا معاہدہ کیا گیا تھا۔ اس تحریر کا آخری جملہ غور طلب ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے آخر میں لکھا:

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ عُهُوْدُ اللّٰهِ وَعُقُوْدُهٗ مَا لَا يُنْسٰى اَبَدًا، اَلْيَدُ وَاحِدَةٌ وَالنَّصْرُ وَاحِدٌ مَا اَشْرَفَ ثَبِيْرٌ، وَثَبَتَ حِرَاءٌ، وَمَا بَلَّ بَحْرٌ صُوْفًا۔ (1)

"ہمارے درمیان اور تمہارے (بنو خزاعہ کے) درمیان ایسا عہد و پیمان ہے جس کا اللہ تعالیٰ ضامن ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ ہم اس وقت تک متحد رہیں گے اور ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 305

جب تک ثبیر کے پہاڑ پر سورج چمکتا رہے، کوہ حراء اپنی جگہ پر قائم رہے اور جب تک سمندر کا پانی اون کو بھگوتا رہے یعنی قیامت کے برپا ہونے تک۔"

حضرت عبدالمطلب کی یہ تحریر حضرت ابی بن کعب نے بارگاہ رسالت میں پڑھ کر سنائی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

"زمانہ جاہلیت میں دوستی کا جو معاہدہ طے پایا تھا۔ اسلام اس کو کالعدم قرار نہیں دیتا بلکہ اس کو پختہ سے پختہ تر کرتا ہے۔"

عہد شکنی

صلح حدیبیہ کے بائیس ماہ بعد شعبان کے مہینہ میں قریش اور ان کے حلیف بنو بکر نے ایک ایسی حرکت کی جس کے باعث حدیبیہ کا معاہدۂ صلح کالعدم ہو گیا۔ اہل مکہ کو اس معاہدہ صلح کو توڑنے کی کیسے جرأت ہوئی؟

مؤرخین نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ غزوہ موتہ میں مسلمانوں کے تین عظیم جرنیل شہید کر دیئے گئے تھے۔ حضرت خالد بصد مشکل بچے کھچے مسلمانوں کو لاکھوں رومیوں کے نرغہ سے نکال کر لے آئے تھے۔ اس سانحہ نے اہل مکہ کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ مسلمانوں کی قوت و طاقت کا اب جنازہ نکل گیا ہے۔ اب ان میں یہ دم خم باقی نہیں رہا کہ ہم سے برسرپیکار ہونے کی جسارت کر سکیں۔ اگر ہم اس معاہدہ کی خلاف ورزی بھی کریں گے تو مسلمانوں میں یہ جرأت نہ ہو گی کہ ہمیں دعوت مبارزت دے سکیں۔ لیکن یہ ان کی سراسر غلط فہمی تھی اور ان کی یہ غلط فہمی بہت جلد دور ہو گئی جب رحمت دو عالم ﷺ نے ان کی سرکوبی کے لئے فوری قدم اٹھایا۔

سیرت نگاروں نے اس کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے، جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

بنو کنانہ اور بنو بکر کے سرداروں نے قریش کے رئیسوں سے التجا کی کہ وہ اپنے جنگجو افراد اور اسلحہ سے ان کی امداد کریں تا کہ وہ اپنے دشمن (بنو خزاعہ) سے اپنے مقتولوں کا انتقام لے سکیں۔ انہیں اپنی قرابت داری کا بھی واسطہ دیا اور ان

پر اپنا یہ احسان بھی جتلایا کہ انہوں نے پیغمبر اسلام سے دوستی کا معاہدہ کرنے کے بجائے ان سے معاہدہ کیا ہے۔ نیز اسلام کو مٹانے میں بھی وہ ان کے ساتھ ہیں۔

جب بنو کنانہ نے قریش کو بڑے اشتعال انگیز لہجے سے دعوت دی تو سب نے ان کی مدد کرنے کی حامی بھر لی۔ ان میں ابو سفیان شریک نہیں تھا اور نہ اس سے اس بارے میں مشورہ کیا گیا۔ ایک قول کے مطابق ابو سفیان سے مشورہ کیا گیا۔ لیکن اس نے ان کی حمایت کرنے سے انکار کر دیا۔ بنو خزاعہ کے خلاف یہ سازش بڑی رازداری سے کی جارہی تھی۔ بنو خزاعہ صلح حدیبیہ کے بعد بڑے اطمینان سے وقت گزار رہے تھے۔ انہیں یہ گمان بھی نہ تھا کہ یہ لوگ ان پر اچانک دھاوا بول دیں گے۔

قریش، بنو بکر اور بنو کنانہ نے باہمی مشورہ سے طے کیا کہ مکہ کے نشیبی علاقہ میں "وتیر" نامی کنواں جو بنو خزاعہ کے علاقہ میں ہے، اس پر فلاں تاریخ، فلاں وقت اور فلاں جگہ اکٹھے ہوں گے اور وہاں سے ان پر حملہ کر کے ان کا قتل عام کریں گے۔ جب مقررہ جگہ پر وہ لوگ پہنچ گئے تو ان پر دھاوا بولنے والوں میں دیگر قبائل کے علاوہ قریش کے بڑے بڑے رؤساء بھی شریک تھے۔ جن میں سے چند کے نام یہ ہیں: صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، حویطب بن عبدالعزی، شیبہ بن عثمان اور مکرز بن حفص (1) ان سب نے اپنے چہروں پر نقاب ڈالے ہوئے تھے اور عجیب قسم کا لباس پہنا ہوا تھا تاکہ انہیں کوئی پہچان نہ سکے۔ یہ لوگ اپنے غلاموں اور نوکروں کا ایک جم غفیر بھی اپنے ہمراہ لائے تھے۔

ادھر قریش اور ان کے حلیف زور و شور سے بنو خزاعہ پر حملہ کرنے کے لئے تیاریوں میں مصروف تھے ادھر بنی خزاعہ اپنے گھروں میں بے خوف و خطر خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔ انہیں یہ سان گمان بھی نہ تھا کہ اس معاہدہ کے بعد ان پر بلاوجہ شب خون مارا جائے گا۔ ان میں اکثریت بچوں،

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 267 و ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 256 و سبل الہدیٰ، جلد 5، صفحہ 206-307 و دیگر کتب سیرت

عورتوں اور کمزور بوڑھوں کی تھی۔ جب بنو بکر نے ان پر اچانک حملہ کیا تو وہ جانیں بچانے کے لئے بھاگ نکلے۔ یہاں تک کہ حدود حرم میں داخل ہو گئے۔ انہیں امید تھی کہ یہاں ان کو امان مل جائے گی لیکن ان حملہ آوروں نے حدود حرم کا بھی پاس نہ کیا اور ان کو بے دریغ قتل کرتے رہے۔

ان حملہ آوروں میں سے چند آدمیوں نے اپنے سرغنہ نوفل بن معاویہ کو دہائی دی، اے نوفل! اپنے خدا سے ڈرو۔ تم دیکھتے نہیں کہ تم حرم میں داخل ہو گئے ہو اور پھر بھی قتل کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اس وقت اس پیکر فخر و رعونت نے ایسا جملہ زبان سے نکالا کہ زمین بھی لرز اٹھی اس نے کہا:

لَا إِلٰهَ الْيَوْمَ يَا بَنِيْ بَكْرٍ أَصِيْبُوْا ثَأْرَكُمْ فَلَعَمْرِيْ إِنَّكُمْ لَتَسْرِقُوْنَ فِي الْحَرَمِ أَفَلَا تُصِيْبُوْنَ ثَأْرَكُمْ۔ (1)

"آج کوئی خدا نہیں۔ اے بنو بکر! تم حرم میں لوگوں کا مال چرا لیا کرتے ہو، اس وقت تمہیں حرم کا خیال نہیں آتا۔ آج دشمن سے انتقام لینے کا موقع ہے تو تمہیں حرم کا تقدس یاد آ گیا۔ خبردار! آج کوئی شخص انتقام لینے میں سستی نہ کرے۔ دشمن جہاں ملے اسے وہیں تہ تیغ کر دو۔"

بنو خزاعہ کے بچے کچھے افراد بھاگ کر بدیل بن ورقاء اور رافع کے گھر تک پہنچے اس وقت صبح کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قریش کے رؤساء اپنے اپنے گھروں میں داخل ہو گئے۔ اپنے بارے میں انہیں یہ گمان تھا کہ انہیں کسی نے نہیں پہچانا۔ ان کے بارے میں سرور دو عالم ﷺ کو کوئی اطلاع نہیں ملے گی۔ صبح کا اجالا پھیلا تو لوگوں نے دیکھا کہ بدیل اور رافع کے مکانوں کے دروازوں پر بنو خزاعہ کے کشتوں کے پشتے لگے ہوئے ہیں۔ (2)

قریش کے سردار جو اسلام کی عداوت میں اندھے ہو چکے تھے، یہ غلطی کر تو بیٹھے، اب وہ پچھتانے لگے۔ ان میں جو دور اندیش لوگ تھے انہوں نے ان کو لعنت ملامت کرنا شروع کر دی۔ حارث بن ہشام اور عبداللہ بن ابی ربیعہ دونوں صفوان اور عکرمہ وغیرہ کے پاس

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 528

2۔ "امتاع الاسماع"، صفحہ 267 و "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 77

آئے اور انہیں صاف صاف بتادیا کہ یہ حرکت کر کے تم نے اس معاہدہ کو توڑ دیا ہے جو سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ طے پایا تھا۔ اس عہد شکنی کے نتائج بھگتنے کے لئے اب تیار ہو جاؤ۔ (1)

نبی الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء کا اس المناک حادثہ کی اطلاع پانا

وتیر کے کنوئیں پر رات کے وقت بنو خزاعہ پر جو قیامت گزر گئی تھی اس کے بارے میں سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صبح سویرے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کو بتایا کہ اے عائشہ! بنو خزاعہ پر آج بڑا ظلم و ستم کیا گیا ہے۔ ام المومنین نے عرض کی، یارسول اللہ! کیا قریش میں یہ ہمت ہے کہ وہ اس معاہدہ صلح کی خلاف ورزی کر سکیں حالانکہ تلواروں نے ان کو پہلے ہی تباہ و برباد کر دیا ہے۔ فرمایا، انہوں نے وہ معاہدہ توڑ دیا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔ عرض کی، یارسول اللہ! اس کا انجام تو بخیر ہوگا؟ فرمایا، ہر طرح خیر ہی خیر ہے۔ (2)

اسی سلسلہ کی دوسری روایت ہے جو امام طبرانی نے اپنی کبیر اور صغیر میں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ ام المومنین فرماتی ہیں:

"ایک رات حضور ﷺ نے میرے ہاں قیام فرمایا۔ سحری کے وقت تہجد ادا کرنے کے لئے حضور اٹھے اور طہارت خانہ (وضو کرنے کی جگہ) میں تشریف لے گئے۔ میں نے حضور کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں" پھر فرمایا نُصِرْتَ نُصِرْتَ نُصِرْتَ "تمہاری مدد کی گئی، تمہاری مدد کی گئی، تمہاری مدد کی گئی" حضور پر نور وضو خانہ سے باہر تشریف لے آئے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نے حضور کو تین مرتبہ یہ کہتے سنا لَبَّیْكَ (تین بار) نُصِرْتَ (تین بار) کیا اندر کوئی آدمی تھا جس سے حضور ہم کلام تھے۔ حضور نے فرمایا یہ بنی کعب کا رجز خواں تھا۔ جو مجھ سے فریاد کر رہا تھا کہ قریش نے بکر بن وائل کی مدد کی ہے اور ہم پر حملہ کر

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 305-306

2۔ ایضاً

دیا ہے۔ حضرت ام المومنین فرماتی ہیں کہ ہم تین دن تک کسی واقعہ کی اطلاع ملنے کا انتظار کرتے رہے۔ تین دن بعد جب سرکار دو عالم ﷺ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد میں ہی تشریف فرما تھے تو میں نے راجز کو اشعار کہتے ہوئے سنا۔

بارگاہ رسالت میں عمرو بن سالم خزاعی کی آمد

بنو خزاعہ کے قتل عام کے بعد سالم خزاعی اپنے قبیلہ کے چالیس افراد کی معیت میں مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہوا تا کہ اس حادثہ فاجعہ کے بارے میں بارگاہ رسالت مآب میں روئیداد پیش کرے۔ نیز قریش نے اس المیہ میں جو کردار ادا کیا ہے اس سے آگاہ کرے۔ جب فریادیوں کا یہ وفد مدینہ طیبہ پہنچا تو اس وقت سرکار دو عالم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور عقیدت مندوں کا ایک جم غفیر اپنے آقا کے اردگرد حلقہ بنائے بیٹھا تھا۔ عمرو بن سالم جو اس وفد کا رئیس تھا اٹھا اور بارگاہ رسالت میں اس المناک حادثہ کی جملہ تفصیلات عرض کیں۔ قریش کے جن رؤساء نے اس حملہ میں شرکت کی تھی ان کے ناموں سے بھی حضور کو آگاہ کیا۔ جب یہ لوگ اپنی داستان ظلم و عدوان عرض کرنے سے فارغ ہوئے تو عمرو بن سالم نے اٹھ کر یہ اشعار پیش کئے جن میں انہوں نے اپنی قوم کی بربادی اور مظلومیت کی داستان بڑے پر سوز انداز میں بیان کی۔ اس نے کہا:

يَا رَبِّ إِنِّي نَاشِدٌ مُحَمَّدًا ۔۔۔ حِلْفَ أَبِينَا وَأَبِيهِ الْأَتْلَدَا

قَدْ كُنْتُمْ وُلْدًا وَكُنَّا وَالِدًا ۔۔۔ ثُمَّتَ أَسْلَمْنَا فَلَمْ نَنْزِعْ يَدَا

إِنَّ قُرَيْشًا أَخْلَفُوكَ مَوْعِدًا ۔۔۔ وَنَقَضُوا مِيثَاقَكَ الْمُؤَكَّدَا

وَزَعَمُوا أَنْ لَسْتُ أَدْعُو أَحَدًا ۔۔۔ فَهُمْ أَذَلُّ وَأَقَلُّ عَدَدَا

هُمْ بَيَّتُونَا بِالْوَتِيرِ هُجَّدًا ۔۔۔ وَقَتَلُونَا رُكَّعًا وَسُجَّدَا

وَجَعَلُوا لِي فِي كَدَاءٍ رُصَّدًا ۔۔۔ فَانْصُرْ رَسُولَ اللهِ نَصْرًا أَعْتَدَا

وَادْعُ عِبَادَ اللهِ يَأْتُوا مَدَدًا ۔۔۔ فِيهِمْ رَسُولُ اللهِ قَدْ تَجَرَّدَا

إِنْ سِيمَ خَسْفًا وَجْهُهُ تَرَبَّدَا ۔۔۔ فِي فَيْلَقٍ كَالْبَحْرِ يَجْرِي مُزْبِدَا (1)

"اے میرے پروردگار! محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دوستی کا وہ معاہدہ یاد

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 77 و ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 527

دلانے والا ہوں جو ہمارے باپوں اور ان کے باپ کے درمیان قدیم زمانے میں طے پایا تھا۔"

"اس وقت تم ہماری اولاد اور ہم تمہارے باپ تھے۔ وہاں ہم نے صلح کی پھر اس صلح سے ہاتھ نہ کھینچا (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا فرزند اس لئے کہا کہ حضور کے دو دادوں کا نکاح بنی خزاعہ کی دو خواتین سے ہوا تھا۔ ان کے شکم سے جو اولاد ہوئی بنو خزاعہ ان کے باپ تھے اور ان خواتین کے بچے ان کے فرزند تھے۔ قصی کی والدہ اور عبد مناف کی زوجہ دونوں بنو خزاعہ قبیلہ کی خواتین تھیں)۔"

"قریش نے آپ کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور وہ پختہ عہد جو انہوں نے آپ سے کیا تھا اس کو توڑ دیا۔"

"انہوں نے گمان کیا کہ میں اپنی مدد کے لئے کسی کو نہیں پکاروں گا۔ وہ ذلیل تھے اور تعداد کے لحاظ سے بہت کم تھے۔"

"وتیر نامی کنوئیں کے قریب جب ہم اپنے گھروں میں سو رہے تھے، انہوں نے ہم پر شب خون مارا اور ہمیں اس حال میں قتل کیا جب ہم رکوع و سجود کی حالت میں تھے۔"

"وہ کداء کی گھاٹی میں چھپ کر میری گھات لگائے بیٹھے تھے۔ یا رسول اللہ! ہماری ایسی مدد فرمایئے جو بہت قوت والی ہو۔"

"آپ اللہ کے بندوں کو بلایئے جو مدد کے لئے آجائیں۔ ان میں اللہ کے رسول بھی ہوں جو جنگ کے لئے پوری طرح تیار ہوں۔"

"جب ان کی توہین کی جاتی ہے تو ان کا چہرہ فرط غضب سے سرخ ہو جاتا ہے۔ وہ ایسے لشکر جرار کے ساتھ حملہ کرتے ہیں جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا ہے اور اس پر جھاگ تیر رہی ہوتی ہے۔"

جب عمرو ان اثر انگیز اشعار میں اپنی مظلومیت کی داستان سنا کر فارغ ہوا تو رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

نُصِرْتَ یَا عَمْرُو بْنُ سَالِمٍ

"اے سالم کے بیٹے عمرو! ذرا غم نہ کرو ضرور تیری مدد کی جائے گی۔"

اسی اثناء میں بادل کا ایک ٹکڑا اس مجلس کے اوپر سے گزرا اور گرجا، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بادل کا یہ ٹکڑا بنو کعب کو مدد کی خوشخبری سنا رہا ہے۔(1)

عبدالرزاق، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور پر نور ﷺ نے جب بنی کعب پر توڑے جانے والے ظلم و ستم کی داستان سنی تو مظلوموں کی داد رسی کرنے والے نبی نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَاَمْنَعَنَّهُمْ مِمَّا اَمْنَعُ مِنْهُ نَفْسِیْ وَاَهْلِیْ وَبَیْتِیْ۔ (2)

"اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں ان کا ہر دشمن سے دفاع کروں گا۔ جس دشمن سے میں اپنی ذات اپنی آل اور اہل خانہ کا دفاع کرتا ہوں۔"

قریش کی ندامت اور باہمی مشورے

جب بنو خزاعہ کے وفد نے بارگاہ رسالت میں اپنی خونچکاں داستان بیان کی تو حضور نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے تمہارے ساتھ یہ زیادتی کی ہے؟ انہوں نے کہا: بنی بکر۔ پھر حضور نے فرمایا: بنو بکر تو بہت بڑا قبیلہ ہے، ان میں سے کن لوگوں نے تم پہ یہ ظلم و ستم روا رکھا ہے؟ انہوں نے عرض کی، بنی نفاثہ نے اور ان کی قیادت نوفل بن معاویہ النفاثی کر رہا تھا۔ حضور نے فرمایا، یہ بنی بکر کا ایک خاندان ہے۔ میں اہل مکہ کی طرف دریافت احوال کے لئے اپنا قاصد روانہ کرتا ہوں جو ان کے سامنے تجویز پیش کرے گا۔ ان میں سے جس تجویز کو وہ چاہیں پسند کر لیں۔ سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ضمرہ نامی اپنے ایک صحابی کو اہل مکہ کی طرف روانہ کیا تا کہ صحیح مجرم کا پتا لگائیں اور ان کے سامنے یہ تجویز پیش کریں:

1۔ بنو خزاعہ کے مقتولوں کی دیت ادا کریں۔

1۔ ایضاً، و دیگر کتب سیرت

2۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 309

2۔ بنو نفاثہ سے اپنی دوستی کا معاہدہ ختم کر دیں۔
3۔ صلح حدیبیہ کو علانیہ طور پر کالعدم قرار دے دیں۔

یہ ایسی تجاویز تھیں جن میں ان کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچائے بغیر امن و سلامتی کی ضمانت دی گئی تھی۔ یہ تجاویز اتنی منصفانہ اور کریمانہ تھیں کہ کوئی غیر جانبدار آدمی بھی ان کو سخت کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ان میں دھونس اور تشدد کا شائبہ تک بھی نہ تھا۔ یہ روایت قارئین کرام کے لئے خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ بات ان پر واضح ہو جائے گی کہ ان انتہائی اشتعال انگیز حالات میں کس طرح صلح حدیبیہ کو بر قرار رکھنے کی کوشش کی گئی۔ حضور ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ فریقین کے درمیان جنگ کے شعلے پھر بھڑکنے لگیں۔

ضمرہ، مکہ پہنچا اور حرم شریف کے دروازہ پر اپنی اونٹنی کو بٹھایا۔ قریش صحن حرم میں اپنی اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے۔ انہیں جا کر بتایا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کا قاصد ہوں۔ اور تمہارے سامنے یہ تین تجاویز پیش کرتا ہوں۔ ان تجاویز کو سننے کے بعد قریش باہم مشورہ کرنے لگے۔ قرظہ بن عبد عمرو جو نابینا تھا اس نے کہا اگر ہم خزاعہ کے مقتولوں کی دیت دیں گے تو ہمارے پاس پھوٹی کوڑی بھی باقی نہیں رہے گی۔ اس لئے پہلی تجویز ہمارے لئے قابل قبول نہیں۔ دوسری تجویز یہ ہے کہ ہم بنو نفاثہ سے اپنے دوستی کا معاہدہ توڑ دیں، یہ بھی ہمارے لئے قابل قبول نہیں کیونکہ نفاثہ عرب کے تمام قبیلوں سے زیادہ کعبہ شریف کی تعظیم کرتے ہیں۔ ہم ان سے اپنی دوستی کا معاہدہ کالعدم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں البتہ تیسری تجویز ہمیں منظور ہے۔ ہم علانیہ صلح حدیبیہ کو ختم کرتے ہیں۔

ان کا فیصلہ سن کر ضمرہ مدینہ طیبہ واپس آگیا۔

ضمرہ کے واپس آنے کے بعد اہل مکہ کی آنکھیں کھلیں اور اس کے خوفناک نتائج نے انہیں پریشان کر دیا۔

علامہ مقریزی لکھتے ہیں کہ:

حارث بن ہشام اور چند دوسرے لوگ صفوان بن امیہ اور اس کے ساتھیوں کے پاس آئے جنہوں نے بنو خزاعہ پر حملہ کرنے میں بنو بکر سے تعاون کیا تھا اور انہیں آ کر ملامت کی۔ انہوں نے ابو سفیان کو کہا کہ یہ ایسا معاملہ نہیں جسے

معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے بلکہ ہمیں ان بگڑتے ہوئے حالات کو سنبھالا دینے کے لئے فوری توجہ دینا چاہئے۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ ابوسفیان خود مدینہ طیبہ میں حاضر ہو اور نبی کریم ﷺ سے اس معاہدہ کی تجدید اور اس کی مدت میں اضافہ کی درخواست کرے۔ اسی اثناء میں عمرو بن سالم خزاعی اپنے چالیس ساتھیوں کو لے کر مدینہ طیبہ پہنچا اور رحمت دو عالم ﷺ اس وقت اپنے صحابہ کی معیت میں مسجد میں تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے کھڑے ہو کر اشعار پیش کئے اور ان مظالم کی روئیداد بیان کی جو اہل مکہ نے ان پر کئے تھے اور امداد کی درخواست کی۔ حضور سرور عالم ﷺ غصہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے فرمایا:

لَا نُصِرْتُ إِنْ لَمْ أَنْصُرْ بَنِي كَعْبٍ مِمَّا أَنْصُرُ مِنْهُ نَفْسِي (1)

"اگر میں بنی کعب کی امداد نہ کروں تو اللہ تعالیٰ میری مدد نہ کرے۔ میں ان کا ہر اس چیز سے دفاع کروں گا جس سے میں اپنی ذات کا دفاع کرتا ہوں۔"

نبی کریم ﷺ نے اس وقت فرمایا، مجھے یوں معلوم ہو رہا ہے کہ ابوسفیان تمہارے پاس آئے گا اور معاہدہ کی تجدید اور مدت میں اضافہ کے لئے درخواست کرے گا۔(2)

ابوسفیان کی مدینہ طیبہ میں آمد

ابوسفیان کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس کو یقین ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ اپنے مظلوم دوستوں کی امداد کے لئے فوری اقدام کریں گے۔ اس سے پیشتر کہ حضور ہم پر حملہ کریں بہتر ہے کہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کروں اور اس معاہدہ کی تجدید اور مدت میں اضافہ کے لئے التجا بھی کروں۔ ساری قوم نے ابوسفیان کی اس تجویز کو پسند کیا۔ چنانچہ ابوسفیان اپنے ایک غلام کے ہمراہ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہ بڑی تیزی سے مسافت طے کر رہا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس سے پیشتر کہ کوئی آدمی حضور کی خدمت میں اس المیہ کے بارے میں کچھ عرض کرے، وہ پہلے جا کر حضور سے تجدید عہد کا وعدہ لے

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 267

2۔ "الاکتفاء"، جلد 2، صفحہ 288 وابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 529

لے۔ راستہ میں عسفان کے مقام پر اس کی ملاقات بدیل بن ورقاء سے ہوئی۔ ابوسفیان کو یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں بدیل نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض نہ کر دیا ہو۔ اس نے بدیل کے ساتھیوں سے پوچھا کہ یثرب کے بارے میں تمہیں اگر کوئی علم ہے تو ہمیں بتاؤ تم کب یثرب گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں تو عرصہ دراز ہوا یثرب گئے ہوئے، ہمیں تو وہاں کے حالات کا قطعاً کوئی علم نہیں لیکن ابوسفیان نے یہ اندازہ لگالیا کہ یہ لوگ حقیقت حال کو اس سے چھپا رہے ہیں۔ اس نے کہا اگر تمہارے پاس یثرب کی کھجوریں ہیں تو وہ ہمیں دو۔ واقعی جتنی یثرب کی کھجوریں لذیذ ہوتی ہیں کوئی دوسری کھجور اتنی لذیذ نہیں ہوتی۔ انہوں نے کہا کہ نہ ہم یثرب گئے ہیں اور نہ ہمارے پاس کھجوریں ہیں۔ ان کے اس انکار کے باوجود ابوسفیان کا یہ خیال تھا کہ یہ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ اس نے کھل کر بدیل سے پوچھا کیا، تم محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پاس گئے ہو؟ اس نے کہا ہرگز نہیں۔ میں بنی کعب اور خزاعہ میں ایک جھگڑا تھا اس کی اصلاح کے لئے ان کے ساحلی علاقے میں گیا تھا۔ پھر ابوسفیان ان کی قیام گاہ پر گیا اور ان کے اونٹوں کی ایک مینگنی اٹھائی اور اسے پھوڑا تو اس میں کھجور کی گٹھلیوں کے ٹکڑے برآمد ہوئے۔ ابوسفیان نے کہا، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ لوگ محمد (ﷺ) کے پاس سے ہو کر آرہے ہیں۔

ابوسفیان نے اپنا سفر جاری رکھا یہاں تک کہ وہ مدینہ طیبہ پہنچا۔ سب سے پہلے اپنی بیٹی ام المومنین ام حبیبہ کے گھر گیا۔ حضور کا بستر بچھا ہوا تھا۔ اس نے جب اس پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو ام المومنین نے فوراً وہ بستر لپیٹ کر الگ رکھ دیا۔ ابوسفیان نے کہا۔ اے میری بچی! کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا یا مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ میں اس پر بیٹھوں، اس لئے تم نے اسے لپیٹ کر رکھ دیا ہے۔ حضرت ام حبیبہ نے کسی ادنیٰ جھجک کے بغیر اپنے باپ کو جواب دیا کہ:

> یہ بستر اللہ کے پیارے رسول ﷺ کا ہے اور تو مشرک ہے اور ناپاک ہے۔ اس لئے میں نہیں برداشت کر سکتی کہ تو اللہ کے رسول کے پاک بستر پر بیٹھے۔

ابوسفیان اپنی بیٹی کا جواب سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے کہا، اے بیٹی! جب سے تو مجھ سے جدا ہوئی ہے تم نے شر کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا، مجھے شر نہیں پہنچتی بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق ارزانی فرمائی ہے۔ ابا جان! آپ تو قریش کے

سر دار ہیں اور مکہ کے رئیس ہیں۔ میں حیران ہوں کہ اتنی دانش و فہم کا مالک ہونے کے باوجود آپ نے اب تک اسلام قبول نہیں کیا اور آپ اللہ وحدہ لاشریک کے بجائے اندھے بہرے پتھروں کی پوجا کر رہے ہیں۔ ابو سفیان اپنی بیٹی کے اس رویہ سے مایوس ہو کر اٹھ کر چلا گیا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضور مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حاضر ہو کر اس نے عرض کی کہ "جب صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے پایا تھا تو میں غیر حاضر تھا۔ اب میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ حضور اس معاہدہ کی تجدید فرمائیں اور معاہدہ کی مدت میں اضافہ کر دیں۔" حضور نے پوچھا، ابو سفیان! تم محض اس لئے یہاں آئے ہو؟ اس نے کہا۔ جی ہاں۔ اللہ کے رسول نے فرمایا۔ کیا تم سے اس معاہدہ کی کوئی خلاف ورزی صادر ہوئی ہے؟ اس نے بات ٹالتے ہوئے کہا، پناہ بخدا! ہم تو صلح حدیبیہ پر قائم ہیں۔ نہ ہم اس میں کوئی تغیر چاہتے ہیں اور نہ کسی تبدیلی کے روادار ہیں۔ ابو سفیان نے دوبارہ اپنی پہلی درخواست کا اعادہ کیا لیکن سرور عالم ﷺ نے اس کا جواب نہ دیا۔ یہاں سے مایوس ہو کر وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی درخواست پیش کی۔ اور کہا یا تو آپ حضور کی بارگاہ میں ہماری سفارش کریں یا آپ اپنی طرف سے لوگوں کو پناہ دینے کا اعلان کر دیں۔ صدیق اکبر نے جواب دیا۔ میری پناہ اللہ کے رسول کی پناہ کے تابع ہے۔ میں الگ سے کوئی پناہ دینے کا مجاز نہیں ہوں۔ وہاں سے ناکام ہو کر حضرت فاروق اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسی طرح اپنی آمد کا مدعا آپ سے بھی عرض کیا۔ آپ نے غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابو سفیان کو دو ٹوک جواب دیا۔ فرمایا: تم مجھ سے توقع رکھتے ہو کہ میں بارگاہ رسالت میں تمہاری سفارش کروں گا؟ بخدا! اگر ایک چیونٹی کو بھی تم سے برسر پیکار پاؤں تو اس کی بھی مدد کرنے کے لئے تیار ہوں گا۔ جو نیا معاہدہ ہمارے اور تمہارے درمیان طے پائے اللہ تعالیٰ اس کو پرانا اور بوسیدہ کر دے اور جو پختہ معاہدہ طے پائے اس کو اللہ تعالیٰ ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ جو وعدہ ٹوٹ چکا ہے، اسے اللہ کبھی نہ جوڑے۔

حضرت فاروق اعظم کے یہ جملے سن کر ابو سفیان برافروختہ ہو گیا اور بولا:

جُوْزِيْتَ مِنْ ذِيْ رَحِمٍ شَرًّا

"خدا اس قطع رحمی کی تمہیں سزا دے۔"

وہاں سے اٹھ کر ابو سفیان حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر

ہوا۔ اور یوں گویا ہوا ''رشتہ میں آپ میرے قریب ترین رشتہ دار ہیں، مہربانی کر کے کوشش کریں کہ معاہدہ کی تجدید بھی ہو جائے اور اس کی مدت میں بھی اضافہ ہو جائے۔ مجھے یقین ہے اگر آپ اپنے آقا کی خدمت میں ہماری سفارش کریں گے تو حضور بھی اسے مسترد نہیں کریں گے۔''

حضرت عثمان نے وہی الفاظ دہرا دیئے جو حضرت صدیق نے فرمائے:

جَوَارِىْ فِىْ جِوَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

''میری پناہ اللہ کے رسول کی پناہ کے تابع ہے۔''

وہاں سے اٹھ کر سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور گزارش کی۔ ''اے علی! آپ سب سے زیادہ میرے قریبی رشتہ دار ہیں، میں ایک غرض کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ مجھے یقین ہے آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔ از راہ نوازش بارگاہ رسالت میں میری سفارش کریں۔''

آپ نے فرمایا: اے ابوسفیان! تیرا بھلا ہو۔ بخدا! جب اللہ کے رسول ﷺ کسی بات کا عزم فرما لیتے ہیں تو ہماری یہ مجال نہیں ہوتی کہ ہم اس میں مداخلت کریں۔

وہاں سے اٹھ کر ابوسفیان سعد بن عبادہ کے پاس آیا۔ اور کہا ''اے ابو ثابت! تم اس علاقہ کے سردار ہو۔ اٹھو اور لوگوں کے درمیان امن و امان قائم کرنے کا اعلان کر دو اور معاہدہ کی مدت بھی بڑھا دو'' اس مرد مومن نے وہی جواب دیا۔ فرمایا:

جَوَارِىْ فِىْ جِوَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يُجِيْرُ اَحَدٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ

''میری پناہ تو اپنے آقا کی پناہ کے تابع ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے معاملہ میں کسی کو پناہ دے سکے۔''

اس کے بعد قریش اور انصار کے دیگر رؤساء جو مدینہ طیبہ میں تھے، ان کے پاس گیا۔ سب نے وہی جواب دیا جو صدیق اکبر نے دیا تھا۔ سب سے مایوس ہونے کے بعد وہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت امام حسن بچے تھے اور اپنی والدہ ماجدہ کے سامنے گھٹنے گھسیٹ کر چل رہے تھے۔ ابوسفیان نے آپ کی رحم دلی کا سہارا لیتے ہوئے گزارش کی ''کہ اے محمد کی لخت جگر! کیا تم لوگوں کے درمیان امن و

امان کا اعلان کرنے کے لئے تیار ہو؟" آپ نے فرمایا۔ میں تو پردہ نشین خاتون ہوں۔ امن و امان کا اعلان کرنا میرا کام نہیں۔ ابوسفیان نے کہا، آپ اپنے بیٹے حسن بن علی کو کہیں کہ وہ لوگوں کے درمیان امن وامان کا اعلان کردے، اس طرح تا قیام قیامت وہ سارے عرب کا سردار بن جائے گا۔ حضرت سیدہ نے فرمایا کہ میرا فرزند اس عمر کو نہیں پہنچا کہ لوگوں کے درمیان امن وامان کا اعلان کرے اور حقیقت تو یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کی مجال نہیں کہ سرورانبیاء ﷺ کی اجازت کے بغیر کسی کو امان دیں۔(1)

چاروں طرف سے جب اسے مایوسیوں کے اندھیروں نے اپنے حصار میں لے لیا تو سیدنا علی کو کہنے لگا: اے ابوالحسن! حالات بڑے سنگین ہو گئے ہیں مجھے کوئی نصیحت کرو تاکہ ان پیچیدہ حالات سے مجھے رستگاری نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا: میں تو تمہیں کوئی ایسی بات نہیں بتا سکتا جس سے اس مشکل سے تمہیں نجات نصیب ہو۔ لیکن تم خود بنی کنانہ کے سردار ہو، خود کھڑے ہو کر لوگوں میں امن وامان کا اعلان کردو اور پھر فوراً اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔ ابوسفیان نے پوچھا۔ اگر میں ایسا کروں تو اس سے مجھے کوئی فائدہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ بخدا! نہیں۔ چنانچہ ابوسفیان نے مسجد میں کھڑے ہو کر اعلان کیا:
اے لوگو! کان کھول کر سن لو۔ میں نے لوگوں میں امن وامان کا اعلان کردیا ہے۔ مجھے توقع ہے کہ تم میری اس امان کی بے حرمتی نہیں کروگے۔"

وہاں سے اٹھ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ یا محمد! (ﷺ) میں نے لوگوں کے درمیان امن کا اعلان کردیا ہے۔ پھر اپنے اونٹ پر سوار ہوا۔ اور وہاں سے بھاگ نکلا(2)۔ اس وقت رحمت دو عالم ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ عرض کی:

اَللّٰهُمَّ خُذِ الْعُيُوْنَ وَالْاَخْبَارَ عَنْ قُرَيْشٍ حَتّٰى نَبْغَتَهَا فِيْ بِلَادِهَا۔ (3)

"اے اللہ! ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دے اور ہماری کوئی اطلاع قریش کو نہ ملے یہاں تک کہ ہم ان کے شہر پر اچانک حملہ کردیں۔"

1۔ البیہقی، "دلائل النبوۃ"، جلد5، صفحہ 8-10۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد3، صفحہ 530

2۔ "سبل الہدیٰ"، جلد5، صفحہ 313-314

3۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد3، صفحہ 535 و "تاریخ الخمیس"، جلد2، صفحہ 78

اس جدو جہد میں ابو سفیان کو کافی دن مدینہ طیبہ میں رکنا پڑا۔ جب اسے واپسی میں توقع سے زیادہ دیر ہوئی تو قریش نے اس پر الزام لگانا شروع کر دیا کہ ابو سفیان مرتد ہو گیا ہے اور اس نے چھپ کر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بیعت کر لی ہے اور اس نے اپنے اسلام قبول کرنے کو صیغہ راز میں رکھا ہوا ہے۔

جب وہ واپس آیا اور رات کو اپنی بیوی ہند کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ تم نے اتنی دیر لگا دی کہ تیری قوم نے تم پر یہ تہمت لگا دی کہ تم مرتد ہو گئے ہو۔ اگر اتنا عرصہ وہاں رہنے سے تم نے کامیابی حاصل کی ہوتی تو پھر تم تو بڑے جواں مرد تھے۔ پھر اس نے وہاں کے حالات پوچھے تو اس نے تمام حالات بتائے۔ ہند نے کہا تم اپنی قوم کے بد بخت قاصد ہو، تم سے کبھی کوئی بھلائی کا کام نہیں ہوا۔(1)

جب رات گزری اور صبح ہوئی تو وہ سیدھا اساف اور نائلہ بتوں کے پاس گیا۔ وہاں اپنا سر منڈلیا اور ان کے لئے ایک جانور قربانی دیا اور اس کے خون سے ان بتوں کے سروں کو رنگین کیا اور اعلان کیا:

لَا أُفَارِقُ عِبَادَتَكُمَا حَتّٰى أَمُوْتَ عَلٰى مَا مَاتَ عَلَيْهِ أَبِيْ (2)

"اے اساف، نائلہ! میں تمہاری عبادت سے کبھی باز نہ آؤں گا۔ یہاں تک کہ اس عقیدہ پر میری موت آجائے جو میرے باپ کا عقیدہ تھا۔"

یہ سارا ڈرامہ ابو سفیان نے اس لئے رچایا تا کہ وہ اس الزام سے اپنی برأت ثابت کرے جو قریش مکہ نے اس پر لگایا تھا کہ ابو سفیان مرتد ہو گیا ہے۔

مکہ والوں کو جب ابو سفیان کی واپسی کی خبر ہوئی تو اس کے پاس جمع ہوئے اور پوچھا تم کیا کر کے آئے ہو؟ کیا حضور نے کوئی تحریر تمہیں دی ہے یا معاہدہ کی مدت میں توسیع کا وعدہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ حضور ﷺ نے ان مطالبات کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ میں نے آپ سے بات کی لیکن آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ان کے جلیل القدر صحابہ میں سے ہر ایک کے پاس گیا۔ لیکن سب نے مجھے ایک ہی جواب دیا۔ کہ جِوَارِيْ فِيْ جِوَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "میری پناہ اللہ کے رسول کی پناہ کے تابع ہے۔" میں نے آج

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 315 و "الاکتفاء"، جلد 2، صفحہ 289-290 و "دلائل النبوۃ"، جلد 5، صفحہ 10

2۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 272

تک کسی کو اپنے بادشاہ کی ایسی اطاعت کرتے ہوئے نہیں دیکھا جیسے حضور کے صحابہ آپ کی اطاعت کرتے ہیں۔

دشمنان اسلام جن نفوس قدسیہ کے جذبہ اطاعت و غلامی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے، ان صحابہ کرام پر اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے بے عمل لوگ زبان طعن دراز کرنے سے باز نہ آئیں تو ان کی حرمان نصیبی اور بدبختی پر جتنا اظہار افسوس کیا جائے کم ہے۔

حضرت علامہ اقبال نے حبیب رب العالمین ﷺ کے جاں نثار صحابہ کے بارے میں کتنا پیارا شعر کہا ہے ؎

عاشقاں او ز خوباں خوب تر　　　خوشتر و زیبا تر و محبوب تر

مکہ پر حملہ کرنے کے بارے میں مشورہ

سید عالم ﷺ ایک روز اپنے ایک حجرہ شریف سے باہر نکلے اور اس کے دروازے کے پاس بیٹھ گئے۔ صحابہ کرام کا یہ معمول تھا کہ جب اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تنہا بیٹھے ہوئے دیکھتے تو دور ہی بیٹھ جاتے اور سرکار دو عالم ﷺ جب تک کسی کو خود طلب نہ فرماتے کوئی نزدیک جانے کی جرأت نہ کرتا۔ تھوڑی دیر بعد حضور نے حکم دیا کہ ابو بکر کو بلا کر میرے پاس بھیجو۔ آپ حاضر ہوئے اور بڑے مؤدب ہو کر سامنے بیٹھ گئے۔ دونوں حضرات دیر تک سرگوشی کرتے رہے۔ پھر حضور نے حکم دیا کہ اے ابو بکر! میری دائیں جانب بیٹھ جاؤ۔ پھر حضرت عمر کو یاد فرمایا وہ حاضر ہوئے اور سراپا ادب بن کر سامنے بیٹھ گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے بھی دیر تک مشورہ کیا۔ پھر حضرت عمر نے باآواز بلند عرض کی۔ یا رسول اللہ! یہی لوگ (اہل مکہ) کفر کے سرغنہ ہیں، ان لوگوں نے ہی حضور کو ساحر، کاہن، کذاب اور مفتری کہا ہے۔ حضور نے حضرت عمر کو اپنی بائیں جانب بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر عام لوگوں کو حاضر ہونے کی اجازت مل گئی۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا، کیا میں تمہیں تمہارے ان دو صاحبوں کی مثال نہ بتاؤں؟ عرض کی، یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ابو بکر صدیق کی طرف رخ انور پھیر کر فرمایا کہ ابراہیم، اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں گھی سے بھی زیادہ نرم تھے۔ یہی حال ابو بکر کا ہے۔ پھر اپنا چہرہ مبارک حضرت فاروق اعظم کی طرف کر کے فرمایا نوح، اللہ تعالیٰ کے

معاملہ میں پتھر سے بھی زیادہ سخت تھے۔ یہی حال عمر کا ہے۔ اب تم لوگ جنگ کے لئے پوری طرح تیار ہو جاؤ اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ مجلس برخاست ہو گئی۔ لوگ حضرت صدیق کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔ ان سے پوچھا کیا باتیں ہوئیں؟ آپ نے بتایا کہ سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے ان سے پوچھا کہ مکہ پر حملہ کرنے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کی، یارسول اللہ! وہ سب آپ کی قوم کے افراد ہیں۔ ان پر حملہ کرنا مناسب نہیں۔ پھر سرکار نے حضرت عمر کو بلا کر اس کے بارے میں مشورہ پوچھا۔ حضرت عمر نے عرض کی کہ یہ لوگ بڑے نابکار ہیں، کون سا جھوٹا بہتان ہے جو ان ناہنجاروں نے حضور پر نہ لگایا ہو؟ وہ سارے الزامات آپ نے ایک ایک کر کے گن دیئے۔ چنانچہ حضور نے ان پر چڑھائی کرنے کا حکم دے دیا۔(1)

تیاری کا حکم

ابوسفیان کے مکہ واپس جانے کے بعد حضور پرنور ﷺ نے چند روز توقف فرمایا۔ پھر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ وہ سامان جنگ تیار کرے اور اس کے بارے میں کسی کو خبر نہ ہونے دے۔ پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں التجا کی کہ

"الٰہی! اہل مکہ کو ہمارے بارے میں بہرہ اور اندھا کر دے تاکہ وہ نہ ہماری تیاریوں کو دیکھ سکیں اور نہ ہمارے بارے میں کچھ سن سکیں تاکہ جب ہم اچانک ان پر ہلہ بول دیں تب انہیں ہمارے پروگرام کے بارے میں کچھ پتا چلے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ طیبہ کے تمام راستوں پر پہرہ دار مقرر کر دیئے۔ حضرت سیدنا عمر ان پہرہ داروں کی خبر گیری کے لئے خود تشریف لے جایا کرتے اور انہیں تاکید فرماتے کہ کسی انجان آدمی کو دیکھیں تو اس سے پوری طرح پوچھ گچھ کریں۔(2)

اہلِ مکہ کی طرف حاطب بن ابی بلتعہ کا خط

نبی مکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کی جب مکمل تیاری کر لی تو حاطب بن ابی

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 316 و السیرۃ الحلبیہ، جلد 2، صفحہ 139

2۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 317

بلتعہ نے اہل مکہ کو ایک خط لکھا۔ اور نبی کریم کے ارادہ سے انہیں آگاہ کیا اور ایک عورت کو دیا کہ وہ اسے بڑی احتیاط سے مکتوب الیہ تک پہنچا دے۔ اس خدمت کے عوض اس عورت کو حاطب نے دس اشرفیاں دیں۔ اس نے خط کو جیب وغیرہ میں رکھنے کے بجائے اپنی مینڈھیوں میں چھپالیا۔ راستوں میں متعین پہرہ داروں سے بچنے کے لئے وہ عام راستہ کو چھوڑ کر پگڈنڈیوں پر چل کر عقیق کی وادی تک پہنچ گئی جہاں سے عام شاہراہ آ کر ملتی تھی۔

امام سہیلی نے اس خط کا متن یوں تحریر کیا ہے:

"إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَدْ تَوَجَّهَ إِلَيْكُمْ بِجَيْشٍ كَاللَّيْلِ، يَسِيْرُ كَالسَّيْلِ وَأُقْسِمُ بِاللهِ لَوْ سَارَ إِلَيْكُمْ وَحْدَهُ لَنَصَرَهُ اللهُ تَعَالَى عَلَيْكُمْ فَإِنَّهُ مُنْجِزٌ لَهُ مَا وَعَدَهُ فِيْكُمْ فَإِنَّ اللهَ نَاصِرُهُ وَوَلِيُّهُ۔" (1)

"اللہ کے رسول ﷺ تم پر حملہ کرنے کے لئے متوجہ ہوئے ہیں۔ آپ کے ساتھ لشکر رات کے مانند ہے اور وہ سیلاب کی طرح رواں دواں ہے۔ اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اگر حضور تنہا بھی تم پر چڑھائی کریں تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد فرماتا اور اپنے وعدہ کو پورا کرتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی اپنے نبی کا مددگار اور دوست ہے۔"

حاطب کی اس حرکت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو مطلع فرما دیا۔ حضور نے حضرت علی، زبیر بن عوام اور مقداد بن اسود کو طلب کیا اور حکم دیا کہ فوراً روانہ ہو جاؤ۔ جب تم روضہ خاخ (جگہ کا نام) پر پہنچو تو وہاں تمہیں ایک عورت اونٹ پر سوار ملے گی۔ اس کی تلاشی لینا۔ اس کے پاس ایک خط ہے وہ اس سے لے لینا۔

یہ حضرات بجلی کی سرعت سے اس عورت کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور "بطن ایم" کے مقام پر اس کو جالیا۔ وہ اونٹ پر سوار تھی، اسے اتارا اور اس کے سامان کی تلاشی لی لیکن اس میں سے وہ خط نہ نکلا۔ سیدنا علی نے اس عورت کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

"خدا کی قسم! اللہ کے رسول نے ہرگز غلط بیانی نہیں کی، تمہارے پاس یقیناً وہ خط ہے۔ بہتر ہے کہ وہ خط تم ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ ہم تجھے ننگا کر کے وہ خط

1۔ ایضاً، صفحہ 318 و "السیرۃ الحلبیہ"، جلد 2، صفحہ 200

بر آمد کر لیں گے۔"

جب اس عورت کو یقین ہو گیا کہ معاملہ اب سنجیدہ ہو گیا ہے تو اس نے اپنی مینڈھیاں کھولیں اور ان میں جو خط اس نے چھپا کر رکھا تھا نکالا اور آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

سیدنا علی نے وہ خط لے کر بارگار رسالت میں پیش کر دیا۔ حضور نے حاطب کو طلب فرمایا، وہ آئے ان سے پوچھا اے حاطب! یہ تم نے کیا کیا؟ اس نے عرض کی یارسول اللہ! بخدا!! اللہ اور اس کے رسول پر میرا پختہ ایمان ہے، میں ہرگز مرتد نہیں ہوا، میرا مکہ میں کوئی قریبی رشتہ دار نہ تھا جو ان حالات میں میرے اہل وعیال کی خبر گیری کرتا۔ میں نے یہ خط لکھ کر ان پر ایک احسان کیا ہے تا کہ وہ اس احسان کے بدلے میرے اہل وعیال کا خیال رکھیں۔

حضور پر نور نے حاطب کا یہ عذر سن کر فرمایا:

وَاِنَّهٗ قَدْ صَدَقَكُمْ

"حاطب نے تمہیں سچی بات بتادی ہے۔"

حضرت عمر نے جب حاطب کو دیکھا تو انہیں جھڑکتے ہوئے فرمایا:

اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے۔ حضور نے مدینہ کے راستوں پر پہرہ دار مقرر کر دیئے تھے تا کہ اہل مکہ کو ان تیاریوں کے بارے میں کوئی اطلاع نہ ملے اور تم انہیں خط لکھ کر اطلاع دے رہے ہو۔

پھر حضرت عمر نے عرض کی یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے تا کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: اے عمر! حاطب بدری ہے۔ اور غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے مجاہدین کے خلوص اور جذبہ جاں نثاری کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ اب جو چاہو کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔"

یہ سن کر حضرت عمر کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور عُرض کی اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

اسی وقت اللہ تعالیٰ نے سورہ الممتحنہ کی پہلی تین آیتیں نازل فرمائیں۔

سید الرسل کی مکہ کی طرف روانگی

سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء نے جب مکہ پر حملہ کا ارادہ فرمایا تو ابو قتادہ ربعی کو بطن اضم

کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا تاکہ لوگ یہ گمان کریں کہ حضور کا ارادہ اس علاقہ پر چڑھائی کرنے کا ہے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام ان مسلمانوں کی طرف جو مدینہ طیبہ کے ارد گرد بستیوں میں آباد تھے یا صحراؤں میں اقامت پذیر تھے، آدمی بھیجے تاکہ وہ حضور کا یہ پیغام انہیں پہنچائیں:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَحْضُرْ رَمَضَانَ بِالْمَدِيْنَةِ۔

"جو لوگ اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں وہ ماہ رمضان میں مدینہ طیبہ پہنچ جائیں۔"

اپنے آقا کا یہ پیغام جس نے بھی سنا وہ مدینہ طیبہ میں پہنچ گیا۔ روانگی سے پہلے حضور نے ابورہم کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ رمضان المبارک کی 10 تاریخ سنہ 8 ہجری اور بدھ کا دن تھا جبکہ عیسوی سال کی یکم جنوری 630ء۔ نماز عصر ادا کرنے کے بعد نبی الانبیاء سید الرسل ﷺ مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے۔ حضور کے اعلان کرنے والوں نے یہ اعلان کر دیا کہ جس کا جی چاہے روزہ رکھے جس کا جی چاہے افطار کر دے۔ راستہ میں کہیں توقف کئے بغیر مدینہ طیبہ سے سات میل کے فاصلہ پر صلصل کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ مہاجرین، انصار اور دیگر قبائل کے اہل ایمان اپنے گھوڑوں، اونٹوں پر سوار ہو کر اپنے آقا کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت زبیر بن عوام کو دو سو مجاہدین کے ساتھ اپنے آگے چلنے کا حکم دیا۔

یہ لشکر جب مدینہ طیبہ سے تیس میل کے فاصلہ پر "عرج" کے مقام پر پہنچا تو اس وقت حضور روزہ سے تھے۔ شدت پیاس کی وجہ سے حضور سر مبارک پر اور چہرہ انور پر پانی چھڑکتے۔ عرج اور طلوب کے درمیان حضور نے ایک کتیا دیکھی جس نے ابھی ابھی چند بچے جنے تھے اور وہ اپنی ماں کا دودھ پی رہے تھے۔ اس خیال سے کہ فوج کا کوئی سپاہی انہیں اذیت نہ پہنچائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک صحابی جمیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ اس کتیا اور اس کے بچوں کی حفاظت کے لئے اس کے پاس کھڑا رہے تاکہ لشکر اسلام کا کوئی مجاہد اس کتیا اور اس کے بچوں کو اذیت نہ پہنچائے۔(1)

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 322

یہاں پہنچ کر سرور عالم ﷺ نے سو سو مجاہدین کے دستے تیار کئے جو لشکر اسلام کے آگے آگے چلیں گے۔ عرج اور طلوب کے درمیان بنو ہوازن کا ایک جاسوس گرفتار کیا گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے اس سے وہاں کے حالات دریافت کئے اور اس نے بتایا کہ قبیلہ بنو ہوازن کے افراد آپ سے جنگ کرنے کے لئے تیاریاں کر رہے ہیں۔ حضور نے فرمایا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ أُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ حضور نے حضرت خالد کو حکم دیا کہ اس جاسوس کی نگرانی کریں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ جاکر بنو ہوازن کو ہمارے بارے میں مطلع کر دے۔ یہ لشکر جب قدید کے مقام پر پہنچا تو حضور نے عام شرکت کرنے والے قبائل میں جھنڈے اور پرچم تقسیم فرمائے۔

مواہب لدنیہ کے شارح علامہ زرقانی نے ان کی تفصیل یوں بیان کی ہے:

بنی سلیم کو ایک پرچم اور ایک جھنڈا، بنی غفار کو ایک جھنڈا، اسلم کو دو پرچم، بنی کعب کو ایک جھنڈا، مزینہ کو تین جھنڈے، جہینہ کو چار جھنڈے، بنو بکر کو ایک پرچم اور اشجع کو دو جھنڈے۔ (2)

اسی اثناء میں حضور انور ﷺ کے چچا حضرت عباس اسلام قبول کر کے ہجرت کے ارادہ سے مع اپنے سازوسامان مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ راستہ میں ان کی ملاقات نبی مکرم ﷺ سے جحفہ (☆) کے مقام پر ہو گئی۔ آپ نے اپنا سازوسامان مدینہ طیبہ بھیج دیا اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شریک سفر ہو گئے۔ آپ نے اسلام بہت پہلے قبول کر لیا تھا اور کئی بار رحمت عالم ﷺ سے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آنے کی اجازت طلب کی لیکن حضور ﷺ ہر بار یہی ارشاد فرماتے:

يَا عَمِّ أَقِمْ مَكَانَكَ الَّذِيْ أَنْتَ فِيْهِ

"اے میرے چچا! آپ جہاں ہیں وہیں ٹھہرے رہیں کیونکہ آپ کی ہجرت کے ساتھ سلسلہ ہجرت اختتام پذیر ہوگا۔ جس طرح میری آمد نے نبوت کے سلسلہ کو ختم فرمایا۔"

بلاذری لکھتے ہیں کہ نبی اکرم نے جب انہیں دیکھا تو فرمایا:

1۔ زرقانی "شرح المواہب اللدنیہ"، جلد 2، صفحہ 302 و "السیرۃ الحلبیہ"، جلد 3، صفحہ 90

☆ جحفہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بہت بڑا قصبہ تھا۔ وہ مدینہ سے چار مراحل اور مکہ سے ساڑھے چار مراحل کے فاصلہ پر تھا۔ "وفاء الوفا"، جلد 4، صفحہ 1325

اے عم محترم! تیری ہجرت آخری ہجرت ہے جس طرح میری نبوت سب سے آخری نبوت ہے۔

ان کے علاوہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب، اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ نبق العقاب کے مقام پر شرف دید سے مشرف ہوئے۔ یہ دونوں بھی مکہ سے ہجرت کر کے عازم مدینہ ہو چکے تھے۔

روزہ افطار کرنے کا حکم

اس سفر کا آغاز ماہ رمضان میں ہوا تھا۔ حضور خود بھی روزہ سے تھے اور دیگر مجاہدین بھی روزہ دار تھے۔ جب یہ لشکر کدید یا کراع الغمیم کے مقام پر پہنچا تو گرمی، روزہ اور پھر پیہم پیدل سفر نے انہیں نڈھال کر دیا تھا۔ اس کے بارے میں بارگاہ رسالت میں عرض کی گئی تو نماز عصر کے بعد جب حضور اپنے اونٹ پر سوار ہوئے تو حضور نے دودھ یا پانی سے بھرا ہوا برتن منگوایا اور اس کو اپنے سامنے کجاوہ پر رکھا تاکہ سب لوگ دیکھ لیں۔ پھر اس سے پیا اور روزہ افطار کر دیا۔ پھر حضور کے پہلو میں جو شخص تھا اس کو عطا فرمایا، اس نے بھی پیا۔ اس کے بعد بھی چند لوگوں نے روزہ رکھنے پر اصرار کیا۔ ان کے بارے میں فرمایا" أُولَئِكَ الْعُصَاةُ "۔ یہی لوگ نافرمان ہیں۔(1)

انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کے لئے اجازت طلب کی اور اس سلسلہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہ نے بارگاہ رسالت میں سفارش کرتے ہوئے عرض کی۔ یارسول اللہ! ایک آپ کے چچا کا لڑکا ہے اور ایک پھوپھی کا لڑکا ہے۔ حضور نے فرمایا مجھے ان دونوں کی ضرورت نہیں۔ میرے چچا کے بیٹے ابوسفیان نے میری ہتک عزت کی ہے اور میرے پھوپھی کے لڑکے عبداللہ نے میرے بارے میں ہذیان سرائی کی اور یہ کہا کہ میں آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا۔ یہاں تک کہ آپ آسمان کی طرف ایک سیڑھی لگائیں اور میرے سامنے اس پر چڑھیں۔ پھر آپ وہاں سے ایک تحریر لے آئیں اور آپ کی معیت میں چار فرشتے ہوں جو اس بات کی گواہی دیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

جب ان دونوں کو اس فیصلہ کا علم ہوا تو ابوسفیان نے (اس کے ساتھ اس کا چھوٹا فرزند بھی

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 324

تھا) عرض کی۔ اگر مجھے حاضر خدمت ہونے کی اجازت نہیں دیں گے تو میں اس بچے کو لے کر لق ودق صحرا میں چلا جاؤں گا یہاں تک کہ ہم دونوں شدت پیاس اور فاقہ کشی کے باعث ہلاک ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کا دل پسیج گیا۔ حضور نے ان پر رحم فرماتے ہوئے ان کو حاضر ہونے کی اجازت دی۔ جب وہ حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوئے تو سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ابوسفیان کو یہ نصیحت کی کہ حضور کی خدمت میں سامنے کی جانب سے حاضر ہونا اور وہ بات کہنا جو یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف سے کی:

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ (1)

"کہ بخدا! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور بے شک ہم ہی خطاکار ہیں۔"

اس کی وجہ سیدنا علی نے یہ بیان فرمائی کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی یہ عادت مبارک ہے کہ جب کوئی شخص کوئی درخواست پیش کرتا ہے تو حضور اس کا بہترین جواب دیتے ہیں۔

جب یہ دونوں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے یہی آیت پڑھی۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (2)

"نہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن، معاف فرمادے اللہ تعالیٰ تمہارے (قصوروں کو) اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔"

دونوں نے اسلام قبول کیا۔ ابوسفیان بن حارث جب کبھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تو ہمیشہ --- اپنا سر جھکائے رہتے اور شرم کی وجہ سے آنکھیں اوپر نہ اٹھا سکتے۔

اس وقت اس نے ایک قصیدہ عرض کیا جس کے پہلے دو شعر آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

لَعَمْرُكَ اِنِّيْ يَوْمَ اَحْمِلُ رَايَةً — لِتَغْلِبَ خَيْلُ اللَّاتِ خَيْلَ مُحَمَّدٖ
لَكَا الْمُدْلِجِ الْحَيْرَانِ اَظْلَمَ لَيْلُهٗ — فَهٰذَا اَوَانِيْ حِيْنَ اُهْدٰى وَاَهْتَدِيْ

1۔ سورہ یوسف: 91
2۔ ایضاً: 92

"آپ کی زندگی کی قسم! جس روز میں اس لئے پرچم اٹھایا کرتا تھا کہ لات کے شہسوار، حضور کے شہسواروں پر غالب آجائیں۔"
"تو میں اس آدمی کی طرح تھا جو اندھیرے میں حیران و ششدر ہو کر چل رہا ہو اور اس کی رات تاریک ہو۔ پس یہ وہ سہانی گھڑی ہے جب مجھے ہدایت دی گئی اور میں نے ہدایت قبول کرلی۔"

مرالظہران میں پڑاؤ

سفر جاری رہا۔ عشاء کے وقت مرالظہران کی بستی کے پاس سے گزر ہوا۔ وہاں شب بسر کرنے کے لئے قیام کا حکم ملا۔ اس کے ساتھ ہی یہ فرمان جاری ہوا کہ ہر شخص اپنے اپنے پڑاؤ میں آگ جلائے۔ فوراً تعمیل کی گئی اور دس ہزار چولہے روشن ہوگئے۔ ساری وادی جگمگ جگمگ کرنے لگی۔ رات کو لشکر اسلام کی نگہداشت کے لئے حضرت فاروق اعظم کو مقرر کیا گیا۔ مدینہ طیبہ سے لشکر اسلام کو عازم سفر ہوئے کئی دن گزر چکے تھے لیکن کفار مکہ کو اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہ ملی، وہ محض بے خبر تھے۔ انہیں یہ سان گمان بھی نہ ہوا کہ حضور نے مکہ کا قصد فرمایا ہے۔ کفار مکہ کو یہ کھٹکا تو ہر وقت لگا رہتا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان پر حملہ آور ہوں گے۔ حالات کا جائزہ لینے کے لئے ابوسفیان کو مقرر کیا گیا۔ جب ابوسفیان اس مشن پر روانہ ہونے لگا تو اہل مکہ نے اس کو کہا، اگر اس کی ملاقات حضور سے ہو جائے تو وہ حضور سے ان سب کے لئے امان کی درخواست کرے۔ چنانچہ ابوسفیان، حکیم بن حزام کو لے کر اپنے مشن پر روانہ ہوا، راستہ میں ان کی ملاقات، بدیل بن ورقاء سے ہوگئی۔ انہوں نے اسے بھی ساتھ چلنے کے لئے کہا تا کہ سب مل کر لشکر اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔

جب یہ لوگ مرالظہران کے قریب "اراک" نامی بستی میں پہنچے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ تاحد نظر خیمے نصب ہیں اور ہر خیمہ کے سامنے آگ جل رہی ہے۔ انہوں نے گھوڑوں کو ہنہناتے اور اونٹوں کو بلبلاتے سنا تو ان پر شدت خوف سے لرزہ طاری ہوگیا۔ بدیل نے ان کی گھبراہٹ کو کم کرنے کے لئے کہا، یہ بنو خزاعہ کا قبیلہ معلوم ہوتا ہے۔ جنہیں جنگ کی آگ نے جلا کر خاکستر کر دیا ہے۔ ابوسفیان بولا۔ بھلا بنو خزاعہ کے پاس اتنی

نفری کہاں سے آگئی؟

صدیق اکبر کا خواب

امام بیہقی نے ابن شہاب زہری سے روایت کیا ہے کہ ایک صبح حضرت صدیق اکبر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ عرض کی، میرے آقا! میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے کہ ہم حضور کی معیت میں مکہ کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ مکہ سے ایک کتیا بھونکتی ہوئی نکلی۔ جب ہم اس کے قریب ہوئے تو وہ پیٹھ کے بل زمین پر لیٹ گئی اور اس سے دودھ بہنے لگا۔

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر! اہل مکہ کی قوت اب دم توڑ چکی ہے۔ وہ اب اپنا دودھ پیش کر رہے ہیں۔ وہ اپنی رشتہ داریوں کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوں گے۔ ان میں سے کئی لوگ اب تمہارے ساتھ ملاقات کرنے والے ہیں۔ اگر تمہاری ملاقات ابوسفیان سے ہو تو اسے قتل نہ کرنا۔

ابوسفیان کے بارے میں حضور کی اطلاع

امام طبرانی، ابویعلی سے روایت کرتے ہیں۔ ابویعلی نے کہا، کہ مر الظہران کے قصبہ میں میں حضور کے ساتھ تھا۔ حضور نے فرمایا، ابوسفیان اراک کی بستی میں ہے۔ جاؤ اور اس کو گرفتار کر لو۔ چنانچہ ہم اس بستی میں گئے اور ابوسفیان کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے آئے۔

ابن عقبہ مشہور سیرت نگار لکھتے ہیں کہ یہ تینوں ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل، اراک کی بستی میں موجود تھے۔ حضور کے فرستادہ مجاہد وہاں گئے اور چپکے سے ان کے اونٹوں کی نکیلیں پکڑ لیں۔ انہوں نے ہڑبڑا کر پوچھا۔ تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمہارے سامنے اللہ کے رسول اور اس کے سرفروش صحابہ کرام خیمہ زن ہیں؟ ابوسفیان حیرت زدہ ہو کر کہنے لگا، کبھی ایسا بھی ہوا، اتنا لشکر جرار ہمارے گھر میں آدھمکا ہے اور ہمیں خبر تک بھی نہیں ہوئی؟(1)

ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں کہ جس رات اسلام کے انصاری رضا کاروں نے اراک

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 325

کے موضع سے ان تینوں قریشیوں کو گرفتار کیا تھا، اس رات لشکر اسلام پر پہرہ کی ڈیوٹی حضرت عمر کی تھی۔ اسلام کے مجاہد انہیں پکڑ کر حضرت عمر کے پاس لے آئے اور کہا کہ ہم مکہ کے چند افراد کو پکڑ کر لے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا صبح تک انہیں اپنی حراست میں رکھو۔ صبح سویرے جب یہ رضاکار ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو بارگاہ رسالت میں پیش کرنے کے لئے لے جا رہے تھے، ان کی ملاقات حضرت عباس سے ہو گئی۔ آپ نے ان تینوں کو اپنی پناہ میں لے لیا۔

یہی واقعہ اسحاق بن راہویہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے اس طرح نقل کیا ہے:

حضور سرورعالم ﷺ جب مرالظہران کی بستی میں رات بسر کرنے کے لئے اترے تو حضرت عباس کا دل اہل مکہ کے المناک انجام کا تصور کر کے تڑپ اٹھا۔ کہنے لگے، اگلی صبح کو قریش کی بربادی پر فریاد! اگر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مکہ کو بزور شمشیر فتح کر لیا تو قریش تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ کاش وہ کل صبح سے پہلے خدمت اقدس میں حاضر ہو جائیں اور امان طلب کر لیں۔

حضرت عباس فرماتے ہیں کہ میں اٹھا اور سرورعالم ﷺ کا نیلگوں خچر لیا اور اس پر سوار ہو کر کسی ایسے آدمی کی تلاش میں نکلا جو میرا پیغام قریش کو پہنچا دے۔ کوئی لکڑہارا، کوئی گوالا یا کوئی صاحب ضرورت جو شخص مکہ جا رہا ہو، مجھے مل جائے تاکہ اس کے ذریعہ اہل مکہ کو میں اپنا پیغام پہنچا سکوں۔ جب میں اراک سے گزرا تو میرے کانوں میں ابوسفیان اور بدیل کی آواز آئی، وہ آپس میں ہم کلام تھے۔ ابوسفیان کہہ رہا تھا کہ میں نے آج تک ایسی رات نہیں دیکھی جس میں یوں ہزاروں آگیں روشن ہوں اور اتنا لشکر جرار خیمہ زن ہو۔ بدیل نے کہا۔ میرے خیال میں یہ بنوخزاعہ کا قبیلہ ہے جو یہاں خیمہ زن ہے۔ ابوسفیان نے کہا۔ بھولے نہ بنو۔ اتنے آدمی بنوخزاعہ کے پاس کہاں سے آئے کہ انہوں نے اتنی آگیں روشن کر دی ہیں اور اتنی فوج جمع کر لی ہے۔

حضرت عباس کہتے ہیں۔ میں نے ابوسفیان کی آواز کو پہچان لیا۔ میں نے اسے آواز دی۔ "یَا اَبَا حَنْظَلَۃَ" (یہ ابوسفیان کی کنیت تھی) اس نے میری آواز پہچان لی فوراً بولا لَبَّیْکَ یَا اَبَا الْفَضْلِ میرے ماں باپ تم پر قربان جائیں۔ کیا بات ہے؟ میں نے کہا۔ تیرا بیڑا

غرق ہو۔ یہ اللہ کے رسول اپنے ہزاروں مجاہد صحابہ کے ساتھ پہنچ گئے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا۔ قریش تو اب تباہ ہو جائیں گے۔ میرے ماں باپ تجھ پر صدقے ہوں۔ اب کوئی تدبیر بتاؤ! ہم کیا کریں؟ میں نے کہا، میرے پیچھے خچر پر سوار ہو جاؤ، میں تمہیں بارگاہ رسالت میں لے جاتا ہوں اور تمہارے لئے پناہ کی درخواست کرتا ہوں۔ اگر تو حضور کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوا اور کسی مسلمان نے تجھے دیکھ لیا تو وہ تمہیں موت کے گھاٹ اتار کر رہے گا۔ چنانچہ ابوسفیان آپ کے پیچھے سوار ہو گیا۔ ابوسفیان کے باقی دو ساتھی کدھر گئے۔ اس میں اختلاف ہے۔ ابن عقبہ کی رائے یہ ہے کہ سب کو حضرت عباس حضور کی خدمت اقدس میں لے کر حاضر ہوئے۔ اور سب کے لئے پناہ کی درخواست کی جو قبول ہوئی۔

حضرت عباس فرماتے ہیں کہ میں ابوسفیان کو ساتھ لے کر چلا۔ جب میرا گزر کسی آگ سے ہوتا تو وہ کہتے "یہ خچر ہمارے آقا کا ہے اور اس پر حضور کے چچا عباس سوار ہیں۔" چنانچہ ہم سے کوئی تعرض نہ کرتا۔ لیکن جب ہمارا گزر اس آگ پر ہوا جو حضرت فاروق اعظم کے خیمہ کے سامنے روشن تھی تو آپ مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور پوچھا، آپ کے پیچھے یہ کون ہے؟ انہوں نے غور سے دیکھا تو ابوسفیان کو میرے پیچھے بیٹھا ہوا پایا۔ بولے اے اللہ کے دشمن! اللہ کا شکر ہے کہ تو اس وقت میرے قابو آیا جب تجھے کسی کی پناہ میسر نہ تھی۔ پھر حضرت عمر دوڑے تاکہ بارگاہ رسالت میں پہنچ کر اس کو قتل کرنے کا اذن حاصل کریں۔ وہ پیدل تھے اور میں خچر پر سوار تھا۔ میں نے ایڑ لگائی اور دوڑا کر ان سے پہلے حضور کے پاس پہنچ گیا۔ حضور کے خیمہ کے دروازے پر ہم دونوں اکٹھے ہو گئے۔ میں خچر سے نیچے کود پڑا اور خیمہ میں داخل ہو گیا۔ حضرت عمر بھی میرے بعد جلدی خیمہ میں داخل ہوئے۔ حضرت عمر نے عرض کی، یارسول اللہ! یہ ہے اللہ کا دشمن ابوسفیان، اس کو ابھی کسی کی پناہ حاصل نہیں۔ اجازت ہو تو اس کی گردن اڑا دوں۔ حضرت عباس کہتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ! میں نے اس کو امان دے دی ہے۔ پھر میں حضور سے چمٹ گیا اور حضور کے سر مبارک کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ جب حضرت عمر نے ابوسفیان کے بارے میں شدید اصرار کیا تو میں نے کہا۔ اے عمر! صبر کرو اگر یہ تمہارے خاندان بنی عدی کا فرد ہوتا تو تو اتنی سختی نہ کرتا، کیونکہ یہ بنو مناف کے خاندان کا فرد ہے، اس لئے تو اس کے قتل پر اصرار کر رہا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ اے عباس! اتنی زیادتی نہ کرو۔ اے ابوالفضل! جب آپ نے

اسلام قبول کیا تو مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر میرا باپ خطاب اسلام قبول کرتا تب بھی مجھے اتنی مسرت نہ ہوتی کیونکہ مجھے اس بات کا علم تھا کہ میرے باپ کے اسلام لانے سے آپ کا مشرف باسلام ہونا حضور علیہ السلام کے لئے زیادہ باعث مسرت ہے۔

حضرت عباس نے عرض کی، یارسول اللہ! ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل کو میں نے پناہ دے دی ہے۔ اب وہ حاضر خدمت ہونے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ فرمایا، انہیں لے آؤ۔ ہم سب رات کا کافی حصہ خدمت اقدس میں حاضر رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے حالات دریافت فرماتے رہے۔ پھر ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا "نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معبود نہیں "لیکن انہوں نے "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" نہ کہا۔ حضور مبارک نے فرمایا، جب تک میری رسالت پر ایمان نہیں لاؤ گے اس وقت تک مسلمان نہیں ہو گے۔ بدیل اور حکیم نے تو اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہہ دیا لیکن ابوسفیان نے غور و فکر کرنے کے مہلت طلب کی۔ حضور نے حضرت عباس کو فرمایا، اسے اپنے خیمہ میں لے جاؤ۔ صبح اسے پھر لے آنا۔(1)

جب صبح ہوئی تو مؤذن نے اذان دینی شروع کی۔ لشکر اسلام کے تمام مجاہد ان کلمات کو دہراتے جاتے تھے۔ ابوسفیان سن کر گھبرا گیا۔ اس نے حضرت عباس سے پوچھا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں! آپ نے بتایا یہ لوگ نماز پڑھنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس نے پوچھا، تم ہر روز کتنی نمازیں پڑھتے ہو؟ آپ نے بتایا ہم دن رات میں پانچ نمازیں ادا کرتے ہیں۔ پھر ابوسفیان نے ایک اور منظر دیکھا جس نے اس کو حیران و ششدر کر دیا۔ محبوب رب العالمین علیہ السلام وضو فرما رہے ہیں، سارے صحابہ حضور کے وضو کے پانی کے قطرے جو جسم اطہر کو چھو کر نیچے گر رہے ہیں۔ لپک لپک کر اپنی ہتھیلیوں پر لے کر چہروں پر مل رہے ہیں۔ وہ کہنے لگا۔ میں نے آج تک کسی بادشاہ کے خادموں کو اس کے ساتھ اس محبت اور ادب کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، نہ کسی قیصر کو اور نہ کسی کسریٰ کو۔ حضرت عباس فرماتے ہیں کہ سرور عالم علیہ السلام جب نماز صبح سے فارغ ہوئے تو میں ابوسفیان کو لے کر بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ ادائے نماز کا منظر بھی ابوسفیان کے لئے کم حیرت انگیز نہ تھا۔ امام الانبیاء

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 327-328 و "امتاع الاسماع"، جلد 2، صفحہ 274-275 والبیہقی، "دلائل النبوۃ"، جلد 5، صفحہ 32-34 و دیگر کتب سیرت

علیہ التحیۃ والثناء نے جب تکبیر تحریمہ کہی تو سب صحابہ نے اللہ اکبر کہا۔ جب رکوع فرمایا تو سب رکوع میں چلے گئے، رکوع سے اٹھے تو سب اٹھ کھڑے ہوئے، پھر حضور سجدہ میں گئے تو سب سربسجود ہوگئے۔ ابوسفیان کو یارائے سکوت نہ رہا۔ کہہ اٹھا کہ اطاعت وانقیاد کا ایسا حسین منظر میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ اے ابوالفضل! بخدا! تیرے بھتیجے کی بادشاہی بہت بلند ہوگئی ہے۔ حضرت عباس نے فرمایا (نادان) یہ بادشاہی نہیں، یہ نبوت ہے۔

جب نبی مکرم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ابوسفیان کو فرمایا، اے ابوسفیان! کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم اس حقیقت کو تسلیم کرلو کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی خدا نہیں۔ اس نے کہا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ کتنے حلیم اور کریم ہیں، آپ کی شان عفو و درگزر کتنی عظیم ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی اور خدا ہوتا تو اس نے ہمیں کچھ تو فائدہ پہنچایا ہوتا۔ مشکل حالات میں میں اپنے خداؤں سے مدد طلب کرتا رہا اور آپ اپنے خدا سے امداد مانگتے رہے، بخدا! جب بھی میں نے آپ سے مقابلہ کیا ہمیشہ فتح آپ کے حصہ میں آئی۔ اگر میرا خدا سچا ہوتا تو میں آپ پر غلبہ پالیتا۔ اس سے یہ حقیقت مجھ پر روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ وہ سچا خدا ہے جو آپ کا معبود ہے۔ (1) پھر حضور نے فرمایا کیا ابھی یہ حقیقت تم پر آشکارا نہیں ہوئی کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ابوسفیان نے عرض کی، میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ کتنے حلیم اور کتنے کریم ہیں۔ آپ کی عفو و درگزر کی شان کتنی بلند ہے۔ اس بارے میں اب میرے دل میں کچھ شک ہے۔

حضرت عباس نے فرمایا۔ ویحک (تیرا خانہ خراب) اسلام قبول کرو ورنہ تیری گردن اڑا دی جائے گی۔ اس وقت اس نے پڑھا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ابن عقبہ اور محمد بن عمرو نے دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ ابوسفیان نے پہلے ہی اعلان کردیا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (2)

اسلام قبول کرنے کے بعد ابوسفیان اور حکیم بن حزام نے شکوہ کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کی، یارسول اللہ! آپ اوباش قسم کے لوگوں کو ہمراہ لے کر آئے ہیں، ان میں سے بعض کو ہم جانتے ہیں اور بعض کو ہم جانتے بھی نہیں۔ تاکہ وہ آپ کے خاندان

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 2، صفحہ 277 و دیگر کتب سیرت

2۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 329

والوں اور رشتہ داروں کو تہ تیغ کریں۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا، ظلم و فجور کی ابتداء تم نے کی ہے۔ حدیبیہ کا وعدہ تم نے توڑا ہے۔ بنی کعب پر تم نے زیادتی کی ہے، حرم کی حدود میں تم نے قتل و غارت کا بازار گرم کیا ہے۔ ان لوگوں نے میری تصدیق کی جب تم نے جھٹلایا(1) دونوں نے تسلیم کیا کہ حضور سچ فرما رہے ہیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ اگر یہی لشکر کشی آپ بنو ہوازن کے خلاف کرتے تو کیا یہ بہتر نہ ہوتا، وہ آپ کے جانی دشمن تھے اور رشتہ دار بھی نہ تھے۔ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں پر مجھے فتح عطا فرمائے گا۔ مکہ فتح ہوگا اور بنو ہوازن بھی سر تسلیم خم کر دیں گے۔

حضرت عباس نے عرض کی، یارسول اللہ! حضور جانتے ہیں ابوسفیان نام و نمود اور شہرت کو بہت پسند کرتا ہے۔ آپ ایسی چیز ارشاد فرمائیے جس پر وہ فخر کر سکے۔ ابن ابی شیبہ نے کہا، یہ تجویز حضرت صدیق اکبر نے پیش کی۔ رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِيْ سُفْيَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ

"جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اس کے لئے امان ہے۔"

ابوسفیان نے عرض کی کہ میرے گھر میں کتنے لوگ سما سکیں گے۔ حضور نے فرمایا! جو حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو گا، اسے بھی امان ہے، ابوسفیان کا گھر مکہ کے اونچے علاقہ میں تھا اور حکیم کا گھر مکہ کے نشیب میں تھا۔ پھر حضور نے فرمایا جو مسجد میں داخل ہو جائے گا اس کو بھی امان ہے۔ ابوسفیان نے عرض کی، مسجد میں بھی چند لوگ سما سکیں گے۔ رحمت عالم ﷺ نے عفو عام کا دروازہ کھولتے ہوئے فرمایا۔ جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیا اس کو بھی امان ہے۔ ابوسفیان نے کہا هٰذِهٖ وَاسِعَةٌ اس اعلان میں بڑی وسعت ہے۔(2)

ابوسفیان اور حکیم کا مکہ واپس جانے کا ارادہ اور حضور کا ارشاد گرامی

ابوسفیان نے جب مکہ جانے کا ارادہ کیا تو سرور عالمیان ﷺ نے حضرت عباس کو ارشاد فرمایا، ابوسفیان جب وادی کی تنگ جگہ پر پہنچے تو وہاں اس کو روک لینا تاکہ وہ قوت اسلام کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکے۔ حضرت عباس فرمان نبوی کی تعمیل کے لئے تیزی سے

1۔ البیہقی، "دلائل النبوۃ"، جلد 5، صفحہ 39

2۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 329-330

ابوسفیان کے تعاقب میں نکلے۔ اس نے دیکھا تو بول اٹھا۔ اے ہاشمیو! کیا وعدہ شکنی پر آمادہ ہوگئے ہو؟ آپ نے جواب دیا، خاندان نبوت غدر اور دھوکا نہیں کیا کرتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم یہاں ٹھہرو اور لشکر اسلام کا مشاہدہ کرو تاکہ ان کی قوت و شوکت کا تمہیں اندازہ ہو جائے۔

لشکر اسلام کی قوت اور جنگی ساز و سامان کی نمائش

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس رات کو حکم دیا کہ منادی کرنے والے لشکر اسلام کی اقامت گاہوں میں جا کر یہ اعلان عام کریں کہ

صبح سویرے ہر قبیلہ کے جوان اپنی سواریوں پر زینیں اور کجاوے کس لیں اور ہر قبیلہ اپنے قائد کے ساتھ اپنے جھنڈے کے پاس کھڑا ہو جائے اور اپنے اسلحہ اور سامان جنگ کی پوری طرح نمائش کرے۔

صبح ہوتے ہی سارے مجاہدین اپنے گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو گئے۔ جو مجاہد گھوڑوں پر سوار تھے انہیں لشکر کے آگے آگے چلنے کا حکم ملا۔ ہر قبیلہ اپنے سالار کی قیادت میں اور سواروں کا دستہ اپنا اپنا پرچم لہراتے ہوئے مکہ کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔ حضور کے حکم کے مطابق لشکر اسلام کو یوں ترتیب دی گئی۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح مقدمتہ الجیش کے قائد مقرر ہوئے، حضرت خالد کو میمنہ پر متعین کیا گیا، حضرت زبیر بن عوام میسرہ کے قائد بنائے گئے اور قلب لشکر میں خود رحمت عالمیان ﷺ تشریف فرما ہوئے۔

حضرت خالد بن ولید، بنی سلیم کے سالار مقرر ہوئے تھے، بنی سلیم کی تعداد ایک ہزار تھی۔ ان کے پاس دو جھنڈے اور ایک پرچم تھا۔ ایک جھنڈا عباس بن مرداس اور دوسرا خفاف بن ندبہ کے پاس تھا۔ اس قبیلہ کا پرچم حجاج بن علاط نے تھاما ہوا تھا۔ حضرت خالد کا یہ چاق و چوبند دستہ ابوسفیان کے پاس سے گزرا تو انہوں نے تین بار بلند آواز سے نعرہ تکبیر لگایا اور آگے بڑھ گئے۔ ابوسفیان نے حضرت عباس سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے اسے بتایا کہ یہ خالد ہے۔ ابوسفیان نے ازراہ حیرت پوچھا۔ الغلام؟ یعنی وہ نوجوان خالد۔ فرمایا وہی نوجوان خالد۔ پھر اس نے پوچھا، اس کے ساتھ کون لوگ ہیں؟ بتایا، بنو سلیم۔ بولا، مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کے بعد حضرت زبیر بن عوام نمودار ہوئے۔ ان کے ساتھ پانچ صد مہاجرین تھے۔ ان کے پاس سیاہ رنگ کا پرچم تھا۔ جب یہ دستہ ابوسفیان کے پاس پہنچا

توانہوں نے بھی تین بار بلند آواز سے نعرہ تکبیر لگایا۔ ابوسفیان نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا کہ یہ زبیر بن عوام ہیں۔ اس نے پوچھا آپ کے والد کا بھانجا زبیر؟ کہا، ہاں وہی زبیر۔

ان کے بعد بنی غفار قبیلہ جن کی تعداد تین صد تھی جن کا جھنڈا حضرت ابوذر کے ہاتھ میں تھا، وہ گزرا۔ انہوں نے بھی ابوسفیان کے قریب پہنچ کر تین بار نعرہ تکبیر بلند کیا۔ جب ان کے بارے میں ابوسفیان نے دریافت کیا تو حضرت عباس نے بتایا۔ اس نے کہا مَالِیْ وَلِبَنِیْ غِفَارٍ میرا بنی غفار سے کوئی سروکار نہیں۔" غرض یکے بعد دیگرے دوسرے قبیلے اپنے اپنے سالار کی قیادت میں اپنے اپنے پرچم لہراتے ہوئے گزرتے رہے۔ ان کے بارے میں ابوسفیان یہی کہتا رہا کہ مجھے ان لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔

لیکن جب بنو کعب بن عمرو جن کی تعداد پانچ صد تھی گزرے اور اسے بتایا گیا کہ یہ بنو کعب ہیں تو اس نے کہا، ہاں یہ حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے حلیف ہیں۔

ان کے بعد بنو مزینہ اپنے تین پرچموں اور سو شہسواروں کے ساتھ گزرے تو ان کے بارے میں بھی ابوسفیان نے یہی کہا کہ مجھے ان لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔

پھر قبیلہ جہینہ کے آٹھ صد مجاہدین پر مشتمل دستہ گزرا۔ اس میں چار جھنڈے جھول رہے تھے۔ اسی طرح انہوں نے بھی تین بار نعرہ تکبیر بلند کیا۔ ان کے بارے میں بھی ابوسفیان کی بے رخی کا وہی عالم تھا۔ کچھ اور دستوں کے بعد قبیلہ اشجع کا تین صد مہاجرین پر مشتمل دستہ گزرا جن کے پاس دو جھنڈے تھے۔ انہوں نے بھی ابوسفیان کے پاس پہنچ کر تین بار نعرہ تکبیر بلند کیا۔ پوچھنے پر اسے بتایا گیا کہ یہ بنو اشجع ہیں تو بڑی حسرت سے بولا، ایک وقت میں یہ لوگ قبائل عرب میں سب سے زیادہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے دشمن تھے۔ حضرت عباس نے فرمایا، بے شک ایک وقت ایسا تھا، لیکن اب تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو نور اسلام سے منور کر دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر خصوصی فضل واحسان ہے۔

ابوسفیان کافی اکتا گیا تھا۔ پوچھنے لگا، کیا ابھی محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) بہت پیچھے ہیں؟ بتایا گیا ابھی حضور تشریف نہیں لائے۔ جس وقت حضور پرنور تشریف لائیں گے تو تمہارے ہوش اڑ جائیں گے۔ وہاں فولاد ہی فولاد نظر آئے گا۔ جزیرۂ عرب کے اصیل گھوڑے ہنہنا رہے ہوں گے اور ایسے نوجوان اس میں شامل ہوں گے کہ تو انہیں دیکھتا ہی رہ جائے گا۔ کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ ان سے ٹکر لے سکے۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے لشکر

اسلام کے دستے گزرتے رہے۔ ابوسفیان بار بار یہی سوال کرتا کہ ابھی محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نہیں آئے۔ حضرت عباس اسے بتاتے کہ ابھی نہیں۔

یہاں تک کہ کتیبہ خضراء (سبز پوش دستہ) دور سے نمودار ہوا جس میں اللہ تعالیٰ کے محبوب اور ساری کائنات کے ہادی محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لارہے تھے۔ اس دستہ میں صرف مہاجرین اولین اور انصاری قبائل کے رؤساء شریک تھے۔ اس میں بہت سے جھنڈے اور بہت سے پرچم لہرارہے تھے۔ انصار کے ہر خاندان کو ایک جھنڈا اور ایک پرچم عطا کیا گیا تھا۔ ان کا سارا جسم فولادی زرہوں اور آہنی خودوں میں غرق تھا۔ صرف آنکھوں کے سامنے دو سوراخ تھے۔ اس دستہ میں وقفہ وقفہ کے بعد حضرت فاروق اعظم کی آواز گونجتی تھی۔ آپ فرماتے۔ بھائیو! آہستہ آہستہ چلو تاکہ پچھلے لوگ بھی آپ کے ساتھ مل جائیں۔ اس دستہ میں ایک ہزار زرہ پوش تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنا جھنڈا اسعد بن عبادہ انصاری کو مرحمت فرمایا تھا اور وہ سب سے آگے آگے چل رہے تھے۔ جب حضرت سعد کا گزر ابوسفیان کے پاس سے ہوا تو آپ نے ابوسفیان کو للکارتے ہوئے کہا:

اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَلْحَمَۃ اَلْيَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْحُرْمَۃُ
اَلْيَوْمَ أَذَلَّ اللّٰهُ قُرَيْشًا

"آج کا دن قتل و غارت کا دن ہے۔ آج حرم میں خونریزی کی جائے گی۔ آج کے دن اللہ تعالیٰ قریش کو ذلیل کردے گا۔"

ابوسفیان نے یہ للکار سنی تو سناٹے میں آگیا اور حضرت عباس کو خطاب کرتے ہوئے کہا: يَا عَبَّاسُ حَبَّذَا يَوْمُ الذِّمَارِ اس جملہ کے کئی مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن صحیح مفہوم وہ معلوم ہوتا ہے جو علامہ زرقانی نے "شرح المواہب اللدنیہ" میں تحریر فرمایا ہے:

مَعْنَاهُ هٰذَا يَوْمٌ يَلْزَمُكَ فِيهِ حِفْظِي وَحِمَايَتِي لِقُرْبِكَ
لِلْمُصْطَفٰى وَحُبِّهِ لَكَ لِاِقْبَالِهِ عَلَيْكَ

"یعنی یہ وہ دن ہے جب تم پر میری حفاظت ضروری ہے۔ کیونکہ آپ حضور نبی کریم ﷺ کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ اور حضور آپ سے محبت کرتے ہیں اور آپ کی بات توجہ سے سنتے ہیں۔"

یہ دستہ گزرتا رہا یہاں تک کہ اس کے آخر میں سرورِ عالم ﷺ اپنی ناقہ قصواء پر سوار

ہو کر نمودار ہوئے۔ حضور کے دائیں جانب حضرت صدیق اکبر اور بائیں جانب اسید بن حضیر تھے۔ سرکار دو عالم علیہ ان کے ساتھ محو گفتگو تھے۔ اس وقت حضرت عباس نے اشارہ کرتے ہوئے ابو سفیان کو بتایا ھٰذَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اے ابو سفیان! "یہ ہیں اللہ کے رسول علیہ" یہ سارا منظر دیکھ کر ابو سفیان دم بخود ہو گیا، کہنے لگا اے عباس! تمہارے بھتیجے کی بادشاہی آج بہت عظیم بن گئی ہے۔ آپ نے اسے کہا، اے ابو سفیان! یہ نبوت ہے، بادشاہی نہیں۔ ابو سفیان نے کہا، ہاں ایسا ہی ہو گا۔

جب رحمت عالم علیہ ابو سفیان کے پاس سے گزرے تو وہ بولا، یا رسول اللہ۔ کیا آپ نے حکم دیا ہے کہ آپ کی قوم کو قتل کر دیا جائے؟ کیا آپ کو پتا نہیں چلا کہ سعد بن عبادہ نے کیا کہا ہے؟ حضور نے پوچھا۔ سعد نے کیا کہا؟ ابو سفیان نے کہا، سعد نے کہا ہے۔ اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَلْحَمَۃِ... الخ پھر کہنے لگا کہ میں آپ کی قوم کے بارے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیونکہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ نیکوکار ہیں، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں، سب سے زیادہ رحیم و کریم ہیں۔ ابو سفیان کی یہ التجا سن کر حضور نے فرمایا:

كَذَبَ سَعْدٌ يَا اَبَا سُفْيَانَ! اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَرْحَمَةِ۔ اَلْيَوْمُ يَوْمٌ يُعَظِّمُ اللّٰهُ فِيْهِ الْكَعْبَةَ اَلْيَوْمُ يَوْمٌ تُكْسٰى فِيْهِ الْكَعْبَةُ اَلْيَوْمُ يَوْمٌ اَعَزَّ اللّٰهُ فِيْهِ قُرَيْشًا۔

"اے ابو سفیان! سعد نے غلط کہا ہے:۔

آج کا دن رحمت کا دن ہے۔ آج کا دن وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت کو ظاہر کرے گا۔ آج کا دن وہ ہے جس روز کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔ آج کا دن وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ قریش کی عزت کو چار چاند لگائے گا۔" (1)

ضرار بن خطاب الفہری نے ایک قصیدہ لکھا جس میں قریش پر رحمت و شفقت کا برتاؤ کرنے کی التجا کی گئی تھی۔ اس نے یہ قصیدہ ایک عورت کو دیا تاکہ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر پڑھ کر سنائے۔ اس قصیدہ کے پہلے دو شعر یہاں نقل کر رہا ہوں تاکہ قریش کی حالت زار کا آپ بھی کچھ نہ کچھ اندازہ لگا سکیں:

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 335 و دیگر کتب سیرت

يَا نَبِيَّ الْهُدٰى إِلَيْكَ لَجَا حَيُّ قُرَيْشٍ وَلَاتَ حِيْنَ لَجَاءٍ
حِيْنَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ سِعَةُ الْأَرْ ضِ وَعَادَاهُمْ إِلٰهُ السَّمَاءِ

"اے رشد وہدایت کے نبی! قریش کا قبیلہ آپ کے دامن میں پناہ لینے کی اس وقت التجا کر رہا ہے جب کہ اس کا وقت گزر چکا ہے۔"

"جبکہ زمین کی فراخی ان پر تنگ ہو چکی ہے اور آسمان کے خدا نے بھی ان سے عداوت کر لی ہے۔"

اس دوران میری التجا کو سن کر رحمت عالم ﷺ نے فوراً سعد کو طلب کیا اور اس سے اسلام کا پرچم واپس لے لیا۔ پھر اس کے فرزند قیس کو مرحمت فرما دیا۔ اس طرح دونوں مقصد پورے ہو گئے۔ سعد کو ایسا اعلان کرنے پر سزا بھی دے دی گئی اور اس پرچم کو اس کے بیٹے کو تفویض فرمایا اور اس طرح سعد کی دل جوئی بھی ہو گئی۔ حضرت عباس کے مشورہ سے ابو سفیان مکہ چلا آیا تاکہ وہاں کے باشندوں کو اسلام قبول کرنے کی تلقین کرے ورنہ لشکر اسلام ان کو نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔ چنانچہ وہ لشکر اسلام کو پیچھے چھوڑ کر مکہ چلا آیا اور ان میں آکر یہ اعلان کیا:

اے اہل مکہ! اسلام قبول کر لو، بچ جاؤ گے۔ یہ محمد (ﷺ) جو آگئے ہیں۔ ان کے ساتھ اتنا بڑا لشکر ہے جس کے مقابلہ کی تم تاب نہیں لا سکتے اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا کہ مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ" لوگوں نے کہا؟ تیرے گھر میں کتنے لوگ سما سکتے ہیں؟ پھر اس نے حضور کا یہ فرمان دہرایا۔ جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اس کے لئے بھی امن ہے۔ جو مسجد حرام میں داخل ہو گیا اس کے لئے بھی امان ہے۔

اس وقت اس کی بیوی ہند بنت عتبہ وہاں کھڑی تھی۔ اس نے اس کی مونچھیں پکڑ لیں اور چیخ کر کہنے لگی۔ اس گھی کے مٹکے کو قتل کر دو، اس میں گھی بھرا ہے۔ اس میں کوئی بھلائی نہیں، یہ قوم کا بد بخت پیشرو ہے۔ جو قوم کے پاس خیر کی خبر لے کر کبھی نہیں آیا۔

ابو سفیان نے لوگوں کو کہا، اس عورت کی بات سے دھوکا نہ کھانا ورنہ تم تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ لشکر اسلام کا مقابلہ کرنے کی تم میں سکت نہیں ہے۔ (1)

سرور عالم ﷺ کی قیادت میں سارا لشکر اسلام ذی طوی کے مقام پر اکٹھا ہوا۔ یہاں

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 338

سے نبی کریم ﷺ نے اس کو مختلف اطراف سے مختلف قائدین کی قیادت میں مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیا۔

لشکر کے میسرہ کی قیادت حضرت زبیر بن عوام کو تفویض کی گئی اور انہیں حکم دیا کہ وہ جانب شمال سے مکہ میں داخل ہوں۔

میمنہ کی قیادت حضرت خالد بن ولید کے سپرد کی گئی اور انہیں حکم ملا کہ وہ جانب جنوب سے مکہ میں داخل ہوں۔

قبائل انصار کی قیادت سعد بن ابی عبادہ کو سونپی گئی اور انہیں حکم ملا کہ وہ مغربی جہت سے مکہ میں داخل ہوں۔

مہاجرین کے لشکر کی قیادت میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو تفویض کی گئی۔ انہیں حکم ملا کہ وہ شمال مغرب کی جانب سے جبل ہند سے گزرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوں۔

تمام کو یہ حکم ہوا کہ فتح مکہ کے بعد تمام عساکر جبل ہند کے منطقہ میں اکٹھے ہو جائیں۔
لشکر کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے مختلف اطراف سے داخل کرنے کے احکام پر جب غور کیا جاتا ہے تو سرکار دو عالم ﷺ کی جنگی حکمت عملی کی شان آشکارا نظر آنے لگتی ہے۔ دس بارہ ہزار کے لشکر جرار کو اگر ایک سمت سے داخل ہونے کا حکم دیا جاتا تو راستوں کی تنگی کی وجہ سے منزل مقصود تک پہنچنے میں بڑا وقت لگتا۔ ان کو چار حصوں میں تقسیم کر کے مختلف راستوں اور سمتوں سے اپنی منزل کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا تا کہ بغیر کسی دشواری کے قلیل وقت میں وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائیں۔ اس حکم میں دوسری حکمت یہ تھی کہ اگر سارا لشکر اسلام اکٹھا ہوتا تو کفار مکہ اپنی ساری طاقت کو ایک مقام پر مجتمع کر کے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا پروگرام بنا سکتے تھے۔ جب مختلف اطراف سے لشکر اسلام مکہ میں داخل ہوا تو ان کے پاس اتنی افرادی قوت نہ تھی کہ وہ لشکر اسلام کے ہر دستہ کا مقابلہ کرنے کی جرأت کر سکیں۔ کیونکہ ان کی محدود نفری چار حصوں میں بٹ جاتی۔ وہ پہلے ہی کمزور تھے، افرادی قوت بٹ جانے سے وہ مزید کمزور ہو جاتے۔

جب ہادی برحق ﷺ نے اپنے سپہ سالاروں کو مختلف اطراف سے مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تو ساتھ ہی یہ تاکید بھی فرمائی وہ اپنی تلواروں کو بے نیام نہ کریں۔ جب تک کفار ان پر حملہ کرنے میں پہل نہ کریں، یہ کسی پر حملہ نہ کریں۔ چنانچہ خالد بن ولید کے

علاوہ جتنے سپہ سالار مکہ میں اسلامی مجاہدوں کے ساتھ داخل ہوئے کسی نے ان پر حملہ کرنے کی جسارت نہ کی۔ البتہ حضرت خالد بن ولید جب مکہ کے جنوبی حصہ سے شہر میں داخل ہونے لگے تو وہاں چند قریشیوں نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی اور اپنی تلواریں بے نیام کر لیں۔ حضرت خالد نے بلند آواز سے انہیں نصیحت کی۔ کہ بلاوجہ اپنے خون مت بہاؤ۔ تمہاری ان گیدڑ بھبکیوں سے لشکر اسلام کی پیش قدمی نہیں رکے گی۔ ہمیں اللہ کے پیارے رسول نے حکم دیا ہے کہ ہم آج مکہ کو فتح کر کے یہاں اسلام کا پرچم لہرا دیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہم یقیناً آج اس شہر کو فتح کریں گے لیکن کفار قریش نے حضرت خالد کی اس نصیحت پر عمل کرنے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ حضرت خالد نے جوابی کارروائی کرنے کی اپنے مجاہدین کو اجازت دی۔ چشم زدن میں کفار کے پندرہ آدمیوں کی لاشیں خاک و خون میں لوٹنے لگیں۔ اس جھڑپ میں مسلمانوں کے صرف دو آدمی شہید ہوئے۔(1)

سید عالم ﷺ کا مکہ مکرمہ میں ورود مسعود

ارشاد نبوی کے مطابق حضرت عباس نے ابوسفیان کو وادی کے کنارے پر کھڑا کیا ہوا تھا تاکہ وہ اللہ کے لشکر کے تمام دستوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرے۔ جب لشکر اسلام اس کے سامنے سے گزر گیا۔ ابوسفیان اہل مکہ کو خبردار کرنے کے لئے مکہ چلا آیا۔ لشکر اسلام کا پہلا دستہ پیش قدمی کرتے ہوئے ذی طوی کے مقام پر پہنچا تو وہاں رک گیا۔ مقصد یہ تھا کہ سارا لشکر اسلام یہاں اکٹھا ہو جائے اور رحمت عالم ﷺ کا سبز پوش دستہ بھی وہاں لشکر میں شامل ہو جائے۔ سرکار دو عالم ﷺ اس وقت اپنی ناقہ قصواء پر سوار تھے۔ یمن کی بنی ہوئی ایک چادر سر مبارک پر بطور عمامہ بندھی ہوئی تھی۔ رحمتوں، سعادتوں اور برکتوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کو اپنی جلو میں لئے حضور نے سرزمین مکہ میں نزول اجلال فرمایا۔ سپہر نبوت کے بدر تمام کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے سارا مکہ امڈ آیا تھا۔ شہر کی گلیاں اور شاہراہیں، مکانوں کے دریچے اور چھتیں زیارت کے شائقین سے بھری ہوئی تھیں۔ سب لوگ سراپا شوق بنے ہوئے شرف دید حاصل کرنے کے لئے بے تاب تھے۔ اس وقت فتح و کامرانی کی بارات کے اس دولہا نے گردن جھکائی ہوئی تھی۔ پیکر عجز و نیاز بنے اپنے رب

1۔ ڈاکٹر کونستانس، "نظریہ جدیدہ فی سیرۃ رسول اللہ"، بیروت دار العربیہ للموسوعات، 1983م، صفحہ 355-356

کریم کی حمد وثناء میں مصروف تھے۔ جبین سعادت کجاوے کی سامنے والی لکڑی کو چھو رہی تھی۔ حضور کے دائیں طرف ابو بکر صدیق بائیں طرف اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما۔ حضور نے اپنے پیچھے اپنے غلام زید بن حارثہ کے بیٹے اسامہ کو بٹھایا ہوا تھا۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ صفوان، عکرمہ اور سہیل جو بعد میں مشرف باسلام ہو گئے، انہوں نے ارد گرد کے قبائل کو مدد کے لئے پکارا اور سب نے مل کر قسم کھائی کہ وہ بزور شمشیر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ بنی ہذیل قبیلہ کا ایک شخص جس کا نام جماش بن قیس تھا، جب اسے پتا چلا کہ لشکر اسلام مکہ پر چڑھائی کرنے کیلئے بڑھ رہا ہے تو اس نے لشکر اسلام کا مقابلہ کرنے کیلئے اپنے ہتھیار درست کرنے شروع کر دیئے۔ اس کی بیوی نے اس سے پوچھا کہ وہ کس سے جنگ کرنے کی تیاری کر رہا ہے؟ اس نے کہا محمد اور اس کے صحابہ سے۔ اس کی بیوی نے کہا، بخدا! آج کسی کی طاقت نہیں کہ لشکر اسلام کا مقابلہ کر سکے۔ اس نے کہا تم غلط فہمی میں مبتلا ہو، ابھی دیکھنا کہ ہم ان کو شکست دیں گے اور ان کو جنگی قیدی بنا لیں گے۔ ان میں سے ایک قیدی تمہاری خدمت کے لئے میں تمہیں دوں گا کیونکہ تجھے اس کی ضرورت ہے۔ اس نے کہا بیوقوف نہ بنو، یہ خیال دل سے نکال دو، جب تم لشکر اسلام کو دیکھو گے تمہارے ہوش اڑ جائیں گے۔ لیکن وہ باز نہ آیا، ہتھیار سجا کر وہ خندمہ کے مقام پر قریش کے سرغنوں سے آملا۔ جب اللہ کی بے نیام تلوار، حضرت خالد اس مقام پر پہنچے جو ان کے لئے سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے مقرر فرمایا تھا تو دیکھا کہ وہاں قریش کا جم غفیر ان کا راستہ روکے کھڑا ہے اور انہوں نے اپنی تلواریں بے نیام کر لی ہیں، ان پر تیر برسانے شروع کر دیئے اور انہوں نے گرج کر کہا۔ اے خالد! تم زبردستی مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ حضرت خالد نے اسلام کے شیروں کو للکارا اور چشم زدن میں قریش کے چوبیس اور ہذیل کے چار آدمی خاک وخون میں تڑپنے لگے۔ حضرت خالد کے پہلے حملہ کی ہی وہ تاب نہ لا سکے اور دم دبا کر بھاگے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر اپنی جان بچائی۔ (1)

یہ جماش بھی بھاگا ہوا اپنے گھر کے دروازے پر پہنچا، رنگ اڑا ہوا تھا، سانس پھولی ہوئی تھی، پسینہ بہہ رہا تھا اور تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، بیوی نے دروازہ کھولا،

1۔ ایضاً، صفحہ 345

اس نے بطور تمسخر پوچھا وہ خادم کہاں ہے جس کا تم میرے ساتھ وعدہ کر کے گئے تھے؟ میں تو اس کے لئے سراپا انتظار ہوں۔ اس نے کہا، ان باتوں کو رہنے دو فوراً دروازہ بند کرو۔ پھر اس نے کہا:

اِنَّكِ لَوْ شَهِدْتِ يَوْمَ الْخَنْدَمَهْ ۔ اِذْ فَرَّ صَفْوَانُ وَفَرَّ عِكْرِمَهْ
لَمْ تَنْطِقِي فِي اللَّوْمِ اَدْنٰى كَلِمَهْ (1)

"اگر تم وہ منظر دیکھتیں جب خندمہ کے مقام پر ہماری مسلمانوں سے مڈبھیڑ ہوئی اور صفوان اور عکرمہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ اگر یہ منظر تم نے دیکھا ہوتا تو مجھے ملامت کرنے کے لئے ایک لفظ بھی زبان پر نہ لاتی۔"

حضرت زبیر حسب ارشاد اپنے مجاہدین کے ساتھ حجون کی وادی میں پہنچے۔ آپ کے دو ساتھی کرز بن جابر اور حبیش راستہ بھول گئے تھے، وہ قتل ہوئے۔ باقی سب بخیریت اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ نبی رحمت ﷺ جب اذاخر نامی چوٹی پر پہنچے تو تلواروں کو چمکتے ہوئے دیکھا تو پوچھا۔ یہ تلواروں کی چمک کیسی ہے؟ میں نے تو تمہیں جنگ کرنے سے منع فرمایا تھا۔ عرض کی گئی، یا رسول اللہ! یہ خالد کے دستہ کی تلواریں ہیں۔ مشرکین نے پہلے ان پر حملہ کیا، انہوں نے جوابی کارروائی کی۔ حضرت خالد کی مجال نہ تھی کہ وہ حکم عدولی کریں۔ حضور نے فرمایا قَضَاءُ اللّٰهِ خَيْرٌ جو اللہ کا فیصلہ ہے وہی بہتر ہے۔(2)

حضرت جابر سے مروی ہے کہ اس روز میں نبی کریم ﷺ سے ایک لمحہ بھی جدا نہیں ہوا۔ جب رسول اللہ ﷺ اذاخر کی چوٹی پر پہنچے اور مکے کے گھر نظر آئے تو وہاں ٹھہر گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور اس جگہ کی طرف دیکھا جہاں حضور کے قیام کے لئے خیمہ نصب کیا گیا تھا تو فرمایا اے جابر! یہ ہماری قیام گاہ ہوگی۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں ایک دن مکہ والوں نے مل کر ہمارے خلاف قطع تعلق کا فیصلہ کیا تھا اور اس پر بڑی قسمیں کھائی تھیں۔ حضور ﷺ اس جگہ تشریف لائے جہاں آپ کے لئے چمڑے کا بنا ہوا خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ حضور کے ساتھ امہات المومنین میں سے حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ساتھ تھیں۔ امام بخاری اور امام احمد نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رحمت

1۔ ایضاً، صفحہ 346
2۔ ایضاً

عالم ﷺ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ ہمارے لئے مکہ فتح فرمائے گا تو ہماری قیام گاہ "خیف بنی کنانہ" میں ہو گی۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں قریش اور کنانہ نے قسمیں کھا کر یہ عہد کیا تھا کہ وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ساتھ ہر قسم کا قطع تعلق کر لیں گے۔ نہ ان کو رشتہ دیں گے، نہ رشتہ لیں گے، اور نہ ان سے کوئی چیز خریدیں گے نہ فروخت کریں گے۔ الخ (1)

حضرت ام ہانی حضرت علی مرتضیٰ کی ہمشیرہ تھیں۔ آپ کہتی ہیں کہ میرے سسرال کے دو آدمی میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھ سے پناہ مانگی، میں نے پناہ دی۔ اسی اثناء میں علی مرتضیٰ آئے۔ انہوں نے جب دیکھا تو کہا میں تو ان کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ام ہانی کہتی ہیں میں دوڑ کر حضور کی بارگاہ عالی میں پہنچی۔ حضور نے دیکھا تو مرحبا فرمایا۔ پوچھا اے ام ہانی! کیسے آئی ہو؟ میں نے ماجرا بیان کیا تو فرمایا قَدْ اَجَرْنَا مَنْ اَجَرْتِ اے ام ہانی! جس کو تو نے پناہ دی اس کو ہم نے پناہ دی۔ حضور ام ہانی کے گھر تشریف لائے۔ غسل فرمایا صلوٰۃ الضحیٰ (نماز چاشت) آٹھ رکعت ادا فرمائی۔ (2)

کفار کے کچھ لوگ بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لینے لگے۔ مسلمان ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر حکیم بن حزام اور ابو سفیان نے بآواز بلند قریش کو پکارا اور کہا کیوں اپنی جانیں ہلاک کرتے ہو؟ حضور نے اعلان کر دیا ہے جو اپنے گھر میں داخل ہو گا اس کو بھی امان ہے، جو ہتھیار پھینک دے گا اس کو بھی امان ہے۔ یہ سنتے ہی وہ لوگ بھاگ کر اپنے اپنے گھروں میں گھس گئے اور اندر سے دروازے بند کر لئے اور اپنے اسلحہ کو باہر پھینک دیا مسلمانوں نے اٹھا لیا۔

حرم کعبہ میں نزول اجلال

یہ مؤکب ہمایوں مکہ سے گزر رہا تھا۔ خوش نصیب اور بلند اقبال قصواء اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندے کو اپنی پشت پر اٹھائے خراماں خراماں اس گھر کی قسمت کو جگانے کے لئے بڑھ رہی تھی جو قرنوں سے سونا پڑا تھا۔ رمضان شریف کا مبارک مہینہ ہے، اس ماہ کی بیس تاریخ ہے، سوموار کا یمن و برکت والا دن ہے۔ (1) سرور عالمیان ﷺ اپنے دس ہزار سرفروش

1۔ ایضاً، صفحہ 349

2۔ ایضاً، صفحہ 350

3۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 289

مجاہدین کے ساتھ کعبہ مشرفہ کے قریب پہنچتے ہیں اور اپنی چھڑی سے رکن یمانی کا استلام فرماتے ہیں۔ اس وقت حضور نے نعرہ تکبیر بلند فرمایا۔ فرزندان اسلام نے اس کے جواب میں نعرہ تکبیر اس جوش و خروش سے بلند کیا کہ مکہ کے درودیوار، کوچہ و بازار اور چاروں طرف سر اٹھائے کوہسار لرز لرز گئے۔ صحابہ کرام دیر تک نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حبیب کبریاء علیہ الصلوٰۃ والثناء نے خاموش ہونے کا اشارہ فرمایا۔ اس وقت سناٹا چھا گیا، مشرکین پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ یہ ایمان پرور منظر دیکھ کر ان پر سکتہ طاری ہو گیا۔ امام الانبیاء ﷺ نے اونٹنی پر سوار ہو کر کعبہ شریف کا طواف شروع کیا۔ حضور کے جاں نثار محمد بن مسلمہ نے اپنے آقا کی اونٹنی کی نکیل پکڑی ہوئی تھی۔ جب نبی مکرم ﷺ حجر اسود کے پاس سے گزرتے تو اپنی چھڑی سے استلام فرماتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

جب محبوب رب العالمین ﷺ فتح و ظفر کے پرچم لہراتے ہوئے بیت اللہ شریف کے قریب پہنچے تو اس وقت کعبہ شریف کے ارد گرد اور اوپر تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ انہیں قلعی کے ساتھ بڑی مضبوطی سے جکڑ دیا گیا تھا۔ ہادی برحق ﷺ کے دست مبارک میں چھڑی تھی، زبان حق ترجمان سے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (2) "حق آگیا باطل مٹ گیا بیشک باطل تھا ہی مٹنے والا" تلاوت فرمارہے تھے اور چھڑی سے ان بتوں کی طرف اشارہ فرمارہے تھے۔ جس بت کی طرف اشارہ ہوتا وہ منہ کے بل زمین پر اوندھا گر پڑتا۔ بیت اللہ شریف کے دروازہ کے پاس ان کا ایک بہت بڑا بت ہبل نصب تھا۔ جس کی یہ نادان پوجا کیا کرتے تھے۔ حضور جب طواف کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچے تو اپنی قوس سے اس کی آنکھوں کو کچوکا دیا اور زبان مبارک سے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ آیت کی تلاوت فرمائی۔ پھر حکم دیا کہ اس صنم اکبر کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس وقت ابوسفیان کو کہا، اے ابوسفیان! ذرا دیکھو اپنے اس جھوٹے خدا کا انجام۔ احد کے روز تم اسی کی مدد پر نازاں تھے اور اس کی بڑائی کے نعرے لگا رہے تھے۔ ابوسفیان بولا، آج ان باتوں کو رہنے دو میں نے دیکھ لیا۔ کہ اگر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے خدا کے بغیر کوئی اور خدا بھی ہوتا تو حالات وہ نہ ہوتے جو آج ہیں۔ (1)

1۔ سورہ بنی اسرائیل: 81

2۔ "سبل الہدیٰ"، جلد5، صفحہ 354

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس روز سرور انبیاء ﷺ نے فرمایا، یہ ہے وہ فتح مبین جس کا وعدہ میرے رب نے مجھ سے کیا تھا۔ پھر حضور نے سورہ النصر اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ کی تلاوت فرمائی۔ الخ(1)

کعبہ مقدسہ میں داخلہ

بیت اللہ شریف کے طواف سے فراغت کے بعد جب حضور پر نور ﷺ اپنی ناقہ سے نیچے اترے تو لوگوں کا اتنا ہجوم تھا کہ صحن میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ لوگوں نے ہاتھوں کی تلیاں پھیلائی اور ہتھیلیوں پر قدم مبارک رکھ کر نیچے اترے۔ پہلے مقام ابراہیم پر تشریف لے گئے اور طواف کی دو رکعتیں ادا فرمائیں۔ پھر چاہ زمزم پر تشریف لے گئے۔ حضرت عباس نے ڈول نکالا۔ حضور نے آب زمزم نوش بھی فرمایا اور وضو بھی کیا۔ جب محبوب رب العالمین ﷺ وضو کرنے لگے تو جسم اطہر کو جو قطرہ چھو کر نیچے ٹپکتا صحابہ کرام بے تابانہ آگے بڑھ کر اسے اپنی ہتھیلیوں پر لیتے اور فوراً اسے اپنے چہروں اور سینوں پر مل لیتے۔ کفار نے یہ روح پرور منظر کاہے کو دیکھا ہوگا، ادب و محبت کا یہ انداز دیکھ کر بول اٹھے کہ کوئی سلطان زماں اس مقام پر نہیں پہنچ سکا۔ ایسا نظارہ نہ کبھی دیکھا نہ سنا۔

سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء اس کے بعد مسجد حرام میں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت صدیق اکبر تلوار بے نیام کئے اپنے آقا کے سر کے قریب کھڑے ہوئے۔ پھر کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ کو طلب کیا گیا۔ وہ حاضر ہوا تو اسے کعبہ مشرفہ کا دروازہ کھولنے کا فرمان ہوا۔ اس نے فوراً تعمیل ارشاد کی، دروازہ کھلا تو حضور پر نور اپنے پروردگار اور معبود برحق کے مقدس گھر میں تشریف لے گئے۔ رحمت عالم ﷺ نے جب قدم مبارک اندر رکھا تو دیکھا کہ حضرات ابراہیم، اسمٰعیل، اور اسحاق علیہم السلام کی تماثیل رکھی ہیں اور حضرت ابراہیم کے ہاتھ میں جوئے کے تیر ہیں۔ سرور کائنات نے فرمایا، خدا انہیں غارت کرے، یہ جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم یہ فعل شنیع نہیں کیا کرتے تھے۔ اس وقت حضور کے ساتھ حضرت بلال، اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم تھے۔ بیت اللہ شریف میں چھ ستون تھے۔ دائیں طرف جو تین ستون تھے ان کے درمیان (دو ستون ایک طرف، تیسرا

1۔ ایضاً، صفحہ 355

ستون دوسری طرف) کھڑے ہو کر اپنے معبود برحق جل جلالہ و عزشانہ کی بارگاہ عظمت میں سجدہ شکر ادا کرنے کے لیے نماز کی نیت فرمائی۔ اس کے بعد حضور دروازہ شریف کے پاس تشریف لے آئے اور کوثر و تسنیم سے دھلے ہوئے ان پاکیزہ اور نورانی کلمات سے اپنے رب قدیر کی شان کبریائی کا اظہار فرمایا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ (1)

"اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی خدا نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا، اپنے بندے کی مدد فرمائی، تنہا دشمن کے لشکروں کو شکست دی۔"

عفو عام کا اعلان

پھر دین و ایمان کے دشمنوں اور نخوت و رعونت کے پیکروں سے ایک سوال پوچھا جس نے ان پر لرزہ طاری کر دیا۔ فرمایا، اے گروہ قریش! تمہارا کیا خیال ہے میں تم سے کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے بیم و رجاء میں ڈوبے ہوئے لہجہ میں عرض کی۔ نَظُنُّ خَيْرًا ہم حضور سے خیر کی امید رکھتے ہیں۔ نَبِيٌّ كَرِيْمٌ وَاَخٌ كَرِيْمٌ وَابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ وَقَدْ قَدَرْتَ آپ کریم نبی ہیں، کریم النفس بھائی ہیں اور ہمارے کریم و شفیق بھائی کے فرزند ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آج آپ کو قدرت و اختیار بھی عطا فرمایا ہے۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقُوْلُ كَمَا قَالَ اَخِيْ يُوْسُفُ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ اِذْهَبُوْا وَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ (2)

"رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں آج تمہیں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہی تھی کہ آج میری طرف سے تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارے سارے

1۔ ابن القیم، "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 442

2۔ ایضاً، صفحہ 443

گناہوں کو معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔
جاؤ، چلے جاؤ میری طرف سے تم آزاد ہو۔"

محترم شوقی خلیل، شام کے نامور فضلاء میں سے ہیں۔ انہوں نے بڑے نرالے انداز سے خاتم الانبیاء علیہ کے اہم غزوات کے حالات قلمبند کئے ہیں اور ہر غزوہ کو الگ الگ کتابچوں کی صورت میں شائع کیا ہے۔

غزوۂ فتح مکہ کے بارے میں جو انہوں نے رسالہ شائع کیا ہے، اس سے استفادہ کرتے ہوئے سطور ذیل پیش خدمت ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب فتح مکہ میں رؤف ورحیم نبی کریم کی شان عفوودرگذر کو بڑے فصیح وبلیغ انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کی یہ تحریر بڑی معنی خیز اور بصیرت افروز ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا اردو ترجمہ اپنے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کروں تاکہ بندہ مومن کے تبصرہ کی ایک جھلک دیکھ کر وہ بھی اپنے ایمان کو تازہ کر سکیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

اس سوال کے جواب میں وہ رقمطراز ہیں کہ

یہ مژدہ ان بدزبان لوگوں کو سنایا گیا جنہوں نے سرور عالم علیہ کو شاعر اور کذاب کہا تھا، جنہوں نے حضور کو ساحر اور مجنون کہا تھا۔

جن سنگدلوں نے شعب ابی طالب میں حضور کو تین سال تک محصور رکھا تھا۔

جنہوں نے مہاجرین حبشہ کو وہاں سے واپس مکہ لانے کی کوشش کی تھی تاکہ وہ ان پر ظلم و ستم کا سلسلہ جاری رکھ سکیں۔

جنہوں نے حضور کو جبراً مکہ سے جلاوطن کیا تھا۔ اور ان کے پیش نظر حضور کو قتل کرنا تھا۔

جنہوں نے مسلمانوں کی متروکہ املاک اور جائیدادوں پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔

جن سفاکوں نے حضرت حمزہ کو شہید کیا۔ ان کے کان، ناک کاٹے، ان کے سینہ کو چاک کر کے آپ کے جسم مبارک کو بدنما بنانے کی ناپاک سعی کی تھی۔

جنہوں نے مدینہ کی ایک چھوٹی سی بستی پر دس ہزار کے لشکر جرار سے حملہ کیا تھا تاکہ وہ صفحہ ہستی سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹادیں۔

یہ مژدہ ان لوگوں کو سنایا گیا تھا کہ حضور جب عمرہ کرنے کے لئے تشریف لائے، انہوں نے حضور کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اور پھر اپنی من مانی شرائط پر صلح کا معاہدہ طے کرایا۔

جنہوں نے بنی بکر قبیلہ کو حضور کے حلیف قبیلہ بنو خزاعہ پر حملہ کرنے کے لئے بھڑکایا اور حدود حرم میں بھی ان کا قتل عام جاری رکھا۔

حضور نے ایسے نانہجار لوگوں کو اس وقت یہ مژدہ سنایا تھا جب حضور کو مکمل فتح حاصل ہو چکی تھی اور مکہ کی فضاؤں میں اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا۔

پھر غزوۂ ہوازن میں بے اندازہ اموال غنیمت حاصل ہوئے تھے وہ سب مکہ کے ان نو مسلموں میں تقسیم فرمادیئے تاکہ ان کے دلوں میں بھی اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں حسد و عناد کے جذبات کا خاتمہ کر دیا جائے اور ان کی روحیں اور ان کے دل اسلام اور پیغمبر اسلام کی محبت سے سرشار ہو جائیں۔

عفو و درگزر، جود و کرم کا جو بے مثال مظاہرہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس کی بلندی، اس کی پاکیزگی اور اس کی عظمت، عدیم المثال ہے۔ کسی بادشاہ نے، کسی سیاسی راہنما نے، کسی فوجی جرنیل نے اس قسم کے کریمانہ اخلاق کا کبھی بھی مظاہرہ نہیں کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی کے بغیر اور کسی کے بس کا روگ نہیں کہ ان حالات میں ایسی عالی ظرفی کا مظاہرہ کر سکے۔ وہ نبی مرسل، جس کی رحمت اللہ کی رحمت، جس کی حکمت اللہ کی حکمت اور جس کا عفو و درگزر اللہ تعالیٰ کی شان عفو و درگزر کا آئینہ دار ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے رحمت و حکمت سے لبریز جن کلمات سے اپنے دشمنوں کو عفو و حلم کا مژدہ سنایا تھا، یہ مژدہ جانفزا سن کر ان پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ گویا انہیں قبروں سے زندہ کر کے اٹھایا گیا ہے۔ وہ اس شان رحمت للعالمینی کو دیکھ کر جوق در جوق آگے بڑھ کر حضور کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کرنے لگے۔ اس فاتح اعظم نے اپنے خون کے پیاسے دشمنوں کے سامنے اس عظیم فتح کے موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں دنیا کے سب فاتحوں کیلئے رشد و ہدایت کا وہ دلکش درس ہے جس سے ہر کوئی مستفید ہو سکتا ہے۔ اس خطبہ کے چند اہم جملوں کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔ پوری توجہ سے اس کا ایک ایک جملہ پڑھئے اور قلوب و اذہان کے فاتح اعظم پر صلوٰۃ و سلام کے رنگین اور مہکتے ہوئے پھول نچھاور کرتے جائیے۔ اس کے مطالعہ سے آپ کو دین اسلام کی عظمت، اس کی عالمگیر تعلیمات اور اس دین کے لانے والے نبی معظم کی شان عفو و درگزر اور شان رحمت کا

اعتراف کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہے گا۔

لَا يُقْتَلُ الْمُسْلِمُ بِكَافِرٍ وَلَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ مُخْتَلِفَتَيْنِ لَا تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا وَلَا عَلٰى خَالَتِهَا۔

اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَ الْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ۔

اَلَّا تُسَافِرَ الْمَرْاَةُ مَسِيْرَةَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ اِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ۔

لَا صَلٰوةَ بَعْدَ الْعَصْرِ وَ بَعْدَ الصُّبْحِ۔

لَا يُصَامُ يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ

کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

دو مختلف مذہبوں کے ماننے والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ اگر کسی شخص کے نکاح میں پھوپھی ہے تو اس کی بھتیجی کے ساتھ نکاح جائز نہ ہو گا۔ اگر کسی کے نکاح میں خالہ ہے تو اس کی بھانجی سے نکاح جائز نہ ہو گا۔

دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے گواہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے اور اگر مدعی گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ سے حلف لی جائے گی۔

کوئی عورت تین دن سے زیادہ کا سفر محرم کے بغیر نہ کرے۔

عصر اور صبح کی نماز کے بعد کوئی نفلی نماز نہ پڑھی جائے۔

عید الاضحیٰ کے دن اور عید الفطر کے روز، روزہ نہ رکھا جائے۔

پھر قریش کو خصوصیت سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! اِنَّ اللّٰهَ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَاءِ وَالنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ۔ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔ (1)

1۔ سورہ الحجرات: 13

"اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی رعونت اور اپنے آباء کے ساتھ تفاخر دور کر دیا ہے۔ سارے لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور خاندان تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ علیم اور خبیر ہے۔"☆

صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى نَبِيِّهِ الْكَرِيْمِ وَرَسُوْلِهِ الرَّءُوْفِ الرَّحِيْمِ الَّذِىْ اُرْسِلَ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَعَلٰى اَصْحَابِهِ الْمُعَظَّمِيْنَ الْمُكَرَّمِيْنَ وَمَنْ اَحَبَّهٗ وَاتَّبَعَهٗ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

ان کلمات نے قریش کو نئی زندگی عطا فرمائی۔ وہی تلواریں جو اسلام اور مسلمانوں پر آگ برسایا کرتی تھیں اب وہ اسلام کے علم کو بلند کرنے اور مسلمانوں کی عظمت کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجانے کیلئے چمکنے لگیں۔ اب وہی لوگ اسلام کا دفاع اپنے اموال اور اولاد کی قربانیاں دے کر کرنے لگے۔ اور اپنی جانیں اور روحیں اس پر نثار کرنے لگے۔

یارسول اللہ! آپ نے ان سے عادلانہ قصاص بھی نہیں لیا بلکہ ان پر فضل و احسان فرمایا۔ ان میں ایسے علماء ربانیین پیدا کئے جن کی روحیں اور دل صرف اللہ کی محبت سے معمور تھے۔ قریش میں ایسے دانشور پیدا کئے جن کے فکر اور عقل کی روشنی نے مطلع حیات کو منور کر دیا۔

اس مرشد انسانیت ﷺ نے ان کی عربی قومیت کو نور اسلام سے درخشاں کر دیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ریگزار عرب کے بدو ناقابل تسخیر قوت، بے مثال عزت اور بے داغ بزرگی کے امین بن گئے۔ پیہم فتوحات ان کا مقدر بن گئیں۔ امام الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی تعلیمات نے انسانیت کو نئی آب و تاب ارزانی فرمائی۔ وہ گروہی اور قبائلی عصبیتوں کے چنگل سے رہائی پا کر عالمگیر حیثیت کے مالک بن گئے۔

☆۔ مفصل خطبہ "سبل الہدیٰ والرشاد"، جلد 5 کے صفحات 64-65 پر ملاحظہ کیجئے۔

نبی رحمت ﷺ نے ان کی عربی قومیت کو باقی رکھا لیکن اس کو ایک نیا مفہوم مرحمت فرمایا۔ وہ عربیت، محمد رسول اللہ ﷺ کی عربیت تھی، ابو جہل اور ابو لہب کی عربیت نہ تھی۔ وہ عربیت، عمرو و علی کی عربیت تھی، مقیس اور عبد اللہ بن خطل کی عربیت نہ تھی۔ وہ ایسی قومی عربیت تھی جو صرف ایمان صادق، ہر میدان میں پیش قدمی، ہر حالت میں ہر ایک سے عدل و انصاف، ہر جگہ علم و معرفت کی شمعیں روشن کرنا اور ہر میدان میں فتح و کامیابی کے پرچم لہرانا جانتی تھی۔

اگر خدانخواستہ ہجرت سے پہلے ابو لہب کے جو ارادے تھے، وہ پورے ہو جاتے تو انسانیت عالمی تہذیب و تمدن سے کبھی بہرہ ور نہ ہوتی۔

اگر معرکہ بدر میں ابو جہل اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو پھر یرموک اور قادسیہ کے معرکے ظہور پذیر نہ ہوتے (جن میں عرب کے بادیہ نشینوں نے دو عالمی طاقتوں ایران و روم کو فیصلہ کن شکستیں دی تھیں)، غزوۂ خندق میں اگر ابو سفیان کا منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچ جاتا تو براعظم افریقہ اور براعظم یورپ میں عظیم الشان اسلامی مملکتیں معرض وجود میں نہ آتیں۔

صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدِي يَا رَسُوْلَ اللهِ حضور کے نزدیک کسی خطاکار کی خطا، اس کے لئے ہلاکت کا باعث نہ تھی۔ حضور نے قریش کے اندیشوں کو امن و امان سے بدل دیا۔

وہ لوگ عمر بھر آپ کے ساتھ زیادتیاں کرتے رہے۔ لیکن حضور نے ہمیشہ ان پر احسان فرمایا۔ وہ ہمیشہ فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے رہے لیکن حضور ہمیشہ حلم و بردباری سے پیش آتے رہے۔ انہوں نے قطعی رحمی کو اپنا وطیرہ بنایا ہوا تھا لیکن صلہ رحمی حضور کا شعار رہا۔ اس خلق عظیم کی برکت سے حضور ان کے دلوں کے مالک بن گئے۔(1)

مکہ مشرفہ کی فتح کے بعد نبی کریم ﷺ کے خلق عظیم کی رعنائیوں اور دلربائیوں کی حسین ادائیں

اسلام کے لشکر جرار سے ٹکر لینے کی اہل مکہ میں تاب نہ تھی، وہ اپنی تمام ہٹ دھرمیوں کے باوجود فرزندان توحید کے سامنے صف آرا نہ ہو سکے۔ انہوں نے جنگ کئے بغیر نبی کریم ﷺ

1۔ شوقی ابو خلیل، "فتح مکہ"، دمشق، دار الفکر، 1987، صفحہ 113-117

کے لئے مکہ کے دروازے کھول دیئے لیکن ان میں ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی اب بھی موجود تھی جو کسی قیمت پر اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ دل کی دنیا کو مسخر کرنے کے لیے فولاد کی شمشیریں ہمیشہ کند ثابت ہوئی ہیں۔ اس اقلیم میں اپنی فتح کا پرچم لہرانے میں حسن خلق کی تلوار ہی کامیاب ہوا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو ظاہری اور باطنی جملہ محاسن سے بڑی فیاضی سے آراستہ کر کے گم کردہ راہ انسانوں کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ ان تمام محاسن میں حضور پر نور ﷺ کے خلق کی شان ہی نرالی تھی جس کی گواہی اللہ تعالیٰ نے خود اس طرح دی۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (1)

اس خلق عظیم کی برکت سے ہی اہل مکہ بلا جبر و اکراہ جوق در جوق اسلام قبول کرنے کے لیے بے چین ہو گئے۔

ان گنت واقعات میں سے چند واقعات قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں تاکہ سرور عالم ﷺ کے حسن خلق کی دلوں کو مسخر کر دینے والی قوت کا آپ اندازہ لگا سکیں۔

اہل مکہ کے لیے عفو عام کے اعلان سے پہلے سرکار دو عالم ﷺ نے پندرہ افراد کو مباح الدم قرار دیا تھا اور ان کے بارے میں یہ حکم صادر کیا تھا کہ وہ جہاں بھی پائے جائیں ان کو تہ تیغ کیا جائے۔ کیونکہ ان شقی القلب اور بد بخت لوگوں نے سرور دو عالم ﷺ کو اور اسلام قبول کرنے والوں کو اتنی اذیتیں پہنچائی تھیں جن کا تصور کر کے ہی دل کانپ جاتا ہے۔

ایسے لوگوں کے ساتھ رحمت دو عالم ﷺ نے جس حسن سلوک کا برتاؤ کیا، اسے پڑھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ ان لوگوں کے حالات پیش خدمت ہیں۔ ان کا مطالعہ فرمائیے اور نبی رؤف و رحیم کی شان رحمتہ للعالمینی کی وسعتوں اور دلربائیوں کا اندازہ لگائیے:

(1) عبداللہ بن ابی سرح (2) عبداللہ بن خطل (3-4) دو کنیزیں جو نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف ہجویہ اشعار گایا کرتی تھیں۔ (5) عکرمہ بن ابی جہل (6) حویرث بن نقید (7) مقیس بن صبابہ (8) ہبار بن اسود (9) کعب بن زہیر (10) حارث بن ہشام (یہ ابو جہل کا سگا بھائی تھا) (11) زہیر بن ابی امیہ (12) سارہ (یہ بنی مطلب کی کنیز تھی) (13) صفوان بن امیہ (14) ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان (15) وحشی (قاتل سیدنا امیر حمزہ)۔

1۔ سورۃ القلم: 4

ان سب کو اعلان کے مطابق موت کے گھاٹ نہیں اتارا گیا بلکہ ان میں سے اکثر نے معافی مانگ لی اور ان کے بارے میں معافی کا اعلان کر دیا گیا۔

1۔ **عبداللہ بن ابی سرح العامری:** اس نے اسلام قبول کیا، پھر یہ مرتد ہو گیا اور مدینہ سے چلا گیا۔ یہ مرتد ہونے کے بعد بارگاہ نبوی میں بڑی ہرزہ سرائی کیا کرتا تھا۔ اس لئے حضور نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیدیا تھا، جب اسے یہ پتا چلا تو حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہو کر امان کا طالب ہوا۔ یہ آپ کا رضاعی بھائی تھا۔ آپ نے اس کو کسی جگہ چھپا دیا۔ جب حالات میں سکون رونما ہوا تو آپ اسے لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ! حضور بھی اس کو معاف فرما دیں۔ نبی کریم علیہ ﷺ نے کئی بار اس درخواست کو قبول کرنے سے انکار کیا لیکن آپ نے جب مزید اصرار کیا تو اسے معافی دیدی اور اس کو اپنی بیعت کے شرف سے نوازا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی شقاوت کو سعادت سے بدل دیا اور جہاد میں شریک ہوتا رہا۔ حضرت عمرو بن العاص نے جب مصر پر حملہ کیا تو میمنہ کی کمان ان کے پاس تھی اور انہوں نے شجاعت و جان نثاری کے ایسے کارنامے انجام دیئے کہ دیکھنے والے عش عش کر اٹھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انہوں نے افریقہ کے بہت سے ممالک فتح کئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صعید مصر کے علاقہ میں آپ کو گورنر مقرر کیا۔ حضرت عثمان نے مصر کا علاقہ بھی ان کی ولایت میں دیدیا۔

سنہ 57یا59 ہجری میں انہوں نے وفات پائی۔ ان کی وفات کا واقعہ بڑا ایمان افروز ہے:

ایک صبح آپ نے دعا مانگی۔ یااللہ! میری زندگی کا آخری عمل صبح کی نماز کو بنا دے۔ چنانچہ آپ نے وضو کیا اور نماز صبح کی نیت باندھی۔ آپ نے دائیں طرف سلام پھیرا پھر جب بائیں طرف سلام پھیرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو قبض کر لیا۔ رضی اللہ عنہ وہ جزاہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء(1)

2۔ **عبداللہ بن خطل:** حضور نے اس کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ فتح مکہ سے پہلے مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا اور مشرف باسلام ہوا۔ اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ نبی کریم علیہ ﷺ نے اس کو عبداللہ کے مبارک نام سے موسوم فرمایا اور اسے صدقات وصول کرنے کے لئے قبائل پر متعین کیا۔ ایک انصاری کو اس کے ہمراہ بھیجا تا کہ اس کی خدمت کرے۔

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 275-276

ایک دفعہ وہ اپنے خادم کے ہمراہ ایک قبیلہ میں گیا اور اپنے خادم کو حکم دیا کہ وہ اس کے لئے کھانا تیار کرے اور خود سو گیا۔ جب بیدار ہوا تو اسے پتا چلا کہ اس کا خادم سویا ہوا ہے اور اس نے کھانا تیار نہیں کیا۔ غصہ سے بے قابو ہو گیا اور اس کو سوتے میں ہی قتل کر دیا۔ پھر مرتد ہو کر مکہ واپس لوٹ آیا۔ یہ قادر الکلام شاعر تھا۔ واپس آ کر اس نے حضور کی ہجو میں اشعار لکھنے شروع کئے۔ اس کی دو کنیزیں تھیں انہیں اپنے ہجویہ اشعار یاد کرا دیتا اور انہیں حکم دیتا کہ وہ یہ اشعار گایا کریں۔ جب فتح مکہ کا دن آیا تو اس نے زرہ پہنی، اپنے ہاتھوں میں نیزہ پکڑا، گھوڑے پر سوار ہوا اور قسم کھائی کہ میں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو زبردستی مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہونے دوں گا۔ لیکن جب اس نے اللہ کے شہسواروں کو دیکھا تو یوں مرعوب ہوا کہ سیدھا کعبہ کی طرف گیا، گھوڑے سے اترا، اپنے ہتھیار پھینک دیئے۔ کعبہ شریف کے غلاف میں چھپ گیا۔ ایک آدمی نے اس کے ہتھیار لے لئے اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور اس کے بارے میں بتایا۔ سرکار نے اس کو حکم دیا کہ وہ اسے جہاں پائے قتل کر دے۔ جب رحمت للعالمین نے کعبہ شریف کا طواف کیا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ! یہ ہے عبداللہ بن خطل جو کعبہ کے غلاف سے چمٹا ہوا ہے۔ حضور نے فرمایا اس کو قتل کر دو، کعبہ کسی مجرم بدکار کو پناہ نہیں دیتا۔ چنانچہ سعید بن حریث اور ابو برزہ الاسلمی نے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کی دو کنیزیں جو ہجویہ اشعار گایا کرتی تھیں، ان کو قتل کرنے کا بھی حکم دیا۔ ایک تو ان میں سے قتل کر دی گئی، دوسری کیلئے امان طلب کی گئی جو حضور نے عطا فرما دی۔ چنانچہ وہ بچ گئی اور اس کے بعد اس نے اسلام قبول کر لیا۔

5۔ عکرمہ بن ابی جہل: اس کو قتل کرنے کا بھی سرور عالم ﷺ نے اذن عام عطا فرما دیا تھا۔ حضور کو بھی اور صحابہ کو بھی یہ ازحد اذیتیں پہنچایا کرتا تھا۔ جب اس کو اطلاع ملی کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو مباح الدم قرار دیدیا ہے تو مکہ سے اس ارادہ سے بھاگ نکلا کہ سمندر میں کود کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر دے گا۔ اس کی بیوی ام حکیم اس سے پہلے مسلمان ہو چکی تھی، وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور اپنے خاوند کے لئے عفو و درگزر کی التجا کی جو حضور نے قبول فرمالی۔

ابوداؤد اور نسائی میں مروی ہے کہ عکرمہ وہاں سے بھاگ کر کشتی میں سوار ہو کر روانہ

ہو گیا۔ راستہ میں طوفان نے آلیا اور کشتی ہچکولے کھانے لگی تو عکرمہ نے لات وہبل کو پکارنا شروع کر دیا۔ کشتی والوں نے اسے کہا، اللہ وحدہ لاشریک کو پکارو۔ تمہارے یہ جھوٹے خدا تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ عکرمہ نے یہ سن کر کہا، اگر سمندر میں ان بتوں کی پوجا نہیں بچا سکتی تو خشکی میں بھی ان کی شفاعت ہمارے کسی کام نہیں آسکتی، اگر سمندر کی موجوں میں اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص نجات کا باعث بنتا ہے تو میں کیوں نہ خشکی میں اسی کو اخلاص سے پکاروں۔ پھر اس نے کہا:

اَللّٰهُمَّ لَكَ عَهْدٌ إِنْ اَنْتَ عَافَيْتَنِيْ مِمَّا أَنَا فِيْهِ اَنْ
اٰتِيَ مُحَمَّدًا حَتّٰى أَضَعَ يَدِيْ فِيْ يَدِهٖ لَأَجِدَنَّهٗ عَفُوًّا
غَفُوْرًا كَرِيْمًا

”اے اللہ! میں تجھ سے پختہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تو مجھے اس مصیبت سے بچالے گا تو تیرے رسول محمد مصطفیٰ کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ انہیں میں معاف کرنے والا، بخشنے والا کریم پاؤں گا۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نجات دی۔ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔

بیہقی میں مروی ہے کہ اس کی بیوی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کی۔ یارسول اللہ! عکرمہ آپ سے ڈر کر یمن بھاگ گیا ہے۔ مہربانی فرما کر اسے امان دے دیں۔ حضور نے فرمایا میں اس کو امان دیتا ہوں اس کی بیوی اس کی تلاش میں نکلی۔ جب ساحل سمندر پر پہنچی تو اس نے دیکھا کہ وہ کشتی میں سوار ہے اور کشتی کا ملاح اسے کہہ رہا ہے اَخْلِصْ اَخْلِصْ خلوص کا اظہار کر۔ اس نے پوچھا میں کیا کہوں۔ اس نے کہا کہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کے قفل کھول دیئے اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اسی اثناء میں اس کی بیوی ام حکیم پہنچ گئی اور اسے کہا، اے میرے چچا کے بیٹے! میں تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی بارگاہ سے آئی ہوں جو تمام لوگوں سے زیادہ نیک وکار ہے اور سراپا خیر ہے تو اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈال، میں اللہ کے رسول سے تمہارے لئے امان لے کر آئی ہوں۔ چنانچہ وہ اپنی زوجہ کے ساتھ واپس آیا، ابھی وہ حضور کی خدمت میں پہنچا نہیں تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے صحابہ کو فرمایا کہ عکرمہ تمہارے پاس آنے والا ہے، تم اس کے

باپ کو اس کے سامنے برا بھلا نہ کہنا کیونکہ مرے ہوئے کو اگر برا بھلا کہا جائے تو اس کے زندہ رشتہ داروں کو اذیت پہنچتی ہے۔

امام زہری اور ابن عقبہ روایت کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے اپنی قوم کے فرعون ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کو جب دیکھا تو حضور فرط مسرت سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی چادر اتار کر اس پر ڈال دی اور فرمایا:

مَرْحَبًا بِمَنْ جَاءَ مُؤْمِنًا مُهَاجِرًا

"میں اس شخص کو خوش آمدید کہتا ہوں جو ایمان لایا اور ہجرت کر کے میرے پاس آیا۔"

وہ حضور کی خدمت میں اپنی بیوی کی معیت میں دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ اس کی بیوی نے نقاب اوڑھا ہوا تھا، اس نے عرض کی کہ اس عورت نے مجھے اطلاع دی ہے کہ حضور نے مجھے امان دے دی ہے۔ حضور نے فرمایا، اس نے سچ کہا ہے۔ تجھے امان ہے۔ اس نے پوچھا، آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ حضور نے فرمایا کہ میں اس امر کی دعوت دیتا ہوں کہ تم یہ گواہی دو اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو وغیرہ۔ وہ کہنے لگا آپ کی دعوت سراپا خیر ہے، اس سے زیادہ خوبصورت کیا بات ہو سکتی ہے؟ پھر اس نے کہا یا رسول اللہ! آپ اعلان نبوت سے پہلے بھی اپنی قوم میں سب سے زیادہ سچ بولنے والے اور احسان کرنے والے تھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی خدا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر اس نے کہا، اس کے علاوہ اور کیا؟ فرمایا تم یہ کہو کہ تم اس بات پر اسلام لائے ہو کہ اسلام کے مجاہد ہو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والے ہو۔ ان امور پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناؤ اور تمام لوگ جو یہاں حاضر ہیں ان کو گواہ بناؤ۔ عکرمہ نے اسی طرح کیا۔ عکرمہ نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّكَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ یہ کہہ کر فرط حیا سے اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ کریم و رؤف نبی نے اسے فرمایا-- اے عکرمہ! جو تم مجھ سے مانگو گے وہ میں تمہیں عطا کروں گا۔ اس نے کہا اِسْتَغْفِرْ لِیْ كُلَّ عَدَاوَةٍ عَادَيْتُكَهَا میرے رسول! جو عداوتیں میں نے آپ سے کی ہیں، میری ہر عداوت کو معاف فرما دیجئے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کی:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعِكْرِمَةَ كُلَّ عَدَاوَةٍ عَادَانِيْهَا اَوْ مَنْطِقٍ تَكَلَّمَ بِهٖ۔

"اے اللہ! عکرمہ نے جو میرے ساتھ دشمنیاں کی ہیں، ان سب کو اس کے لئے معاف فرمادے اور زبان سے جو اس نے اذیت پہنچائی ہے، اس کو بھی بخش دے۔"

سرکار دوعالم ﷺ نے اس کی بیوی ام حکیم کے ساتھ اس کا نکاح برقرار رکھا۔

اسلام لانے کے بعد عکرمہ نے اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لئے جہاد کرتے گزار دی۔ حضرت صدیق اکبر جب مرتدین اور نبوت کے جھوٹے مدعیوں کی جنگ سے فارغ ہوئے تو آپ نے رومی لشکروں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لشکر اسلام کا سپہ سالار بنایا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت صدیق اکبر نے ان کے بجائے لشکر اسلام کی قیادت کا فریضہ حضرت خالد بن ولید کو تفویض فرمایا۔ رومیوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے جو صحابہ کرام حضرت خالد کی قیادت میں نکلے، ان میں عکرمہ، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو جہاد کے لئے وقف کر دیا اور وعدہ کیا کہ وہ میدان جہاد سے لوٹ کر واپس نہیں جائیں گے۔ شام میں جتنی فتوحات ہوئیں ان میں یہ حضرات شریک تھے۔ جب فاروق اعظم مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے پھر عساکر اسلامیہ کی کمان حضرت ابوعبیدہ کو سونپی اور حضرت خالد کو بھی ابوعبیدہ کی فوج کا ایک اعلیٰ افسر مقرر فرمایا۔ ان مجاہدین نے بعلبک اور دیگر بہت سے بڑے بڑے شہروں کو فتح کیا۔ پھر حمص پر اسلام کی فتح کا علم لہرانے کے لئے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ حمص کے دفاع کے لئے رومی کثیر التعداد فوج میدان میں لے آئے اور مسلمانوں سے شدید جنگ کی۔ اس روز عکرمہ نے جس جرأت، شجاعت اور جاں فروشی کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ جہاں دشمن کے نیزہ بردار سپاہی مسلمانوں پر حملہ کرتے تھے حضرت عکرمہ سینہ تانے ہوئے ان نیزوں کی چمکتی ہوتی انیوں پر دھاوا بول دیتے تھے کسی نے انہیں کہا عکرمہ! اپنی جان پر رحم کرو۔ آپ نے جواب دیا، اے قوم! جب میں بتوں کی خدائی کو بچانے کے لئے جنگ کرتا تھا تو میں نے اپنی کبھی پروا نہیں کی تھی۔ آج تو میں اس حقیقی بادشاہ کے نام کو بلند کرنے کے لئے مصروف جہاد ہوں، یہاں میں کیسے اپنے بچاؤ

کے بارے میں سوچ سکتا ہوں؟ مجھے آہو چشم حوریں نظر آ رہی ہیں جو مجھ سے ملاقات کے شوق میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی ہیں۔ اللہ کے رسول نے جو وعدے ہم سے فرمائے تھے، وہ سچے وعدے تھے۔ پھر آپ نے اپنی تلوار بے نیام کی۔ رومی سپاہیوں کے ہجوم میں گھس گئے۔ ان کا ہر قدم آگے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ رومی ان کی شجاعت اور بہادری کو دیکھ کر عش عش کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں رومیوں کا ایک بہت بڑا بطریق جس کا نام ہربیس تھا اور جس کے ہاتھ میں بہت بڑا نیزہ تھا، جس کی انی چمک رہی تھی، اس نے اسے جنبش دی اور حضرت عکرمہ کے دل میں گھونپ دیا جو ان کی پشت کو چیرتا ہوا پار نکل گیا۔ آپ غش کھا کر گر گئے اور اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دی۔ اسلام کا یہ کتنا بڑا معجزہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنی ساری زندگیاں اس چراغ ہدایت کو بجھانے کے لئے صرف کی تھیں، آخر کار وہی لوگ اس شمع ہدایت پر پروانہ وار قربان ہو کر دونوں جہاں کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوئے: ؎

تپید یک دم و کردند زیب فتراکش
خوشا نصیب غزالے کہ زخم او کاریست

حضرت خالد نے جب اسلام کے بہادر سپاہی اور اپنے چچازاد بھائی عکرمہ کو خاک و خون میں یوں غلطاں و پیچاں دیکھا تو تڑپ اٹھے۔ سعید بن زید رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے، انہوں نے بجلی کی سرعت سے حضرت عکرمہ کے قاتل بطریق پر حملہ کیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس دن اتنی شدید جنگ ہوئی تھی کہ کفار کے پانچ ہزار سپاہی قتل ہوئے اور مسلمانوں کے دو سو پینتیس جان نثاروں نے جام شہادت نوش کیا۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ "احیاء العلوم" میں لکھتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد عکرمہ جب قرآن کریم کی تلاوت کے لئے مصحف کھول کر سامنے رکھتے تھے تو ان پر غشی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور آپ بے خودی کے عالم میں بار بار یہ جملہ دہراتے **ھُوَ کَلَامُ رَبِّیْ** **ھُوَ کَلَامُ رَبِّیْ** یہ میرے رب کا کلام ہے، یہ میری پروردگار کا کلام ہے۔

آپ کی بیوہ ام حکیم کا عدت گزرنے کے بعد خالد بن سعید سے عقد ہوا۔ چند دن بعد وہ بھی رومیوں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شرف شہادت سے مشرف ہوئے۔ ام حکیم نے جب اپنے خاوند کو خون میں تڑپتے ہوئے دیکھا تو خیمہ کی چوب نکال لی اور اس سے دشمن پر

حملہ کر دیا۔ اس بہادر خاتون نے سات رومیوں کو واصل جہنم کر دیا۔

ایک روز عکرمہ نے بارگاہ رسالت میں آکر شکایت کی کہ مسلمان مجھے عکرمہ بن ابی جہل کہہ کر بلاتے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا اور حکم دیا جو لوگ مرگئے ہیں ان پر طعن و تشنیع کر کے ان کے زندہ رشتہ داروں کو اذیت نہ پہنچاؤ۔ پھر فرمایا اُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوْا عَنْ مَسَاوِيْهِمْ "جو لوگ فوت ہوگئے ہوں ان کی خوبیاں بیان کیا کرو اور ان کی برائیوں سے اپنی زبان بند رکھا کرو۔" اس ارشاد رسالت میں ہم سب کے لئے کتنا بڑا درس ہے اور اگر ہم اس پر عمل کریں تو امت مسلمہ میں محبت اور اخوت کے رشتے کس قدر مستحکم ہو جائیں؟

ایک دفعہ اسلام قبول کرنے سے پہلے عکرمہ نے ایک مسلمان مجاہد کو دعوت مبارزت دی اور اسے قتل کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر سرور عالم ﷺ ہنس پڑے۔ اس مقتول انصاری کے رشتہ داروں نے عرض کی، یارسول اللہ! ہمارا بھائی قتل کر دیا گیا ہے۔ حضور اس پر کیوں ہنس رہے ہیں؟ ارشاد فرمایا:

اَضْحَكَنِیْ اَنَّهُمَا فِیْ دَرَجَةٍ وَاحِدَةٍ فِی الْجَنَّةِ (1)

"میں اس لئے ہنس رہا ہوں کہ آج یہ دونوں آپس میں جنگ آزما ہیں لیکن جنت میں دونوں ایک ہی مقام پر فائز ہوں گے یعنی آج اس انصاری کو شہادت کا تاج پہنایا گیا ہے، کل قاتل عکرمہ کو بھی قبائے شہادت سے سرفراز فرمایا جائے گا۔"

چنانچہ اس روز جو حضور نے ارشاد فرمایا تھا، عہد فاروق اعظم میں لشکر روم سے لڑتے ہوئے وہ پیش گوئی پوری ہوئی۔

6۔ حویرث بن نقید بن وہب: اس کے خون کو بھی سرکار دو عالم ﷺ نے مباح قرار دیا تھا کیونکہ وہ بارگاہ رسالت میں بڑی دلآزار ہجو کیا کرتا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ فاطمہ اور حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو مکہ سے مدینہ لے جارہے تھے کہ راستہ میں حویرث ملا۔ اس نے اونٹ کی بغل میں جس پر یہ دو شہزادیاں سوار تھیں۔ اپنے عصا سے

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 276-279، "السیرۃ الحلبیہ"، جلد 2، صفحہ 217، "تاریخ الخمیس"، صفحہ 91-92

کچو کے دیئے۔ اونٹ بدکا اور حضور کی دونوں صاحبزادیوں کو نیچے گرادیا۔

7۔ ہبار بن اسود: اس نے بھی اسی قسم کی نازیبا حرکت کی۔ حضور کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا جب ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ عازم سفر تھیں تو ہبار نے بھی آپ کے اونٹ کی بغلوں میں اپنے عصا سے کھجلایا جس سے آپ کا اونٹ بدکا اور آپ گر پڑیں۔ آپ کا حمل ضائع ہو گیا، آپ بیمار ہو گئیں اور اسی بیماری سے آپ کی وفات ہوئی۔

یہ اس قسم کے بدبخت لوگ تھے کہ انہیں خانوادہ نبوت کی ان معصوم شہزادیوں پر بھی رحم نہیں آتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو بھی مباح الدم قرار دیا۔ وہ اپنے بارے میں یہ فیصلہ سن کر وہاں سے بھاگ گیا۔ جب رحمت عالم ﷺ جعرانہ کے مقام پر تشریف فرماتھے۔ یہ ہبار حاضر ہوا۔ لوگوں نے اسے دیکھا تو عرض کی، یارسول اللہ! یہ ہے ہبار ابن اسود۔ حضور نے فرمایا، میں نے اسے دیکھ لیا ہے۔ کوئی صاحب اٹھے تا کہ اس کا کام تمام کردے۔ حضور نے اسے اشارہ سے منع کیا۔ فرمایا بیٹھ جاؤ۔ ہبار بارگاہ رسالت میں دست بستہ کھڑا ہو کر عرض پیرا ہوا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللهِ ۔ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ
وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ ۔

"میں یہاں سے بھاگ کر چلا گیا تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ عجمیوں کے ملک میں چلا جاؤں اور وہاں رہائش اختیار کرلوں۔ پھر مجھے حضور کی عنایات، صلہ رحمی عفو و درگزر کی صفات جمیلہ کا خیال آیا۔ اے اللہ کے رسول! حضور کی بعثت سے پہلے ہم لوگ مشرک تھے، آپ کے صدقے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی اور ہلاکت سے ہمیں نجات دی۔ مجھ سے جو غلطیاں ہوئیں ان سے درگزر فرمائیے، جو میری باتیں حضور کیلئے اذیت کا باعث بنیں، انہیں معاف فرمائیے۔ میں اپنی غلطیوں اور بدکاریوں کا اقرار کرتا ہوں۔ اپنے گناہوں کا معترف ہوں۔

اس سراپا رافت و رحمت نبی نے اس کی عرض داشت کو مسترد نہیں کیا، فرمایا:

قَدْ عَفَوْتُ عَنْكَ اے ہبار! میں نے تجھے معاف فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا کہ اس نے اسلام قبول کرنے کی تجھے ہدایت دی اور جب انسان اسلام قبول کرتا ہے تو اسلام اس کی سابقہ بدکرداریوں اور خطاؤں کو ملیامیٹ کر دیتا ہے۔

8۔ کعب بن زہیر المزنی: یہ بڑا قادر الکلام شاعر تھا۔ یہ اپنی شاعری کو پیکر حسن و جمال و کمال ﷺ کی بدگوئی اور ہجو میں استعمال کرتا تھا۔ اس کا بھائی بجیر مسلمان ہوا تو اس کو بھی

عار دلایا کرتا تھا۔ ایک روز بجیر نے اپنے بھائی کعب کو کہا کہ تم میری ان بکریوں کو سنبھالو میں ذرا اس شخص کی ملاقات کے لئے جاتا ہوں جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے۔ میں اس کی باتیں سنوں گا اور جو دین وہ لے آیا ہے اس کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا۔ کعب اپنے بھائی کے ریوڑ کو لے کر ابرق العزاف نامی چشمہ کے پاس ٹھہرا رہا۔ یہ چشمہ مدینہ طیبہ اور ربذہ کے درمیان بنی اسد کے علاقہ میں تھا۔ بجیر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ ارشادات طیبات کو سنا۔ اس کا دل نور ایمان سے چمک اٹھا۔ بجیر کے مدینہ جانے کی وجہ یہ تھی کہ اس کا باپ زہیر اہل کتاب کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا اور ان سے اس نے کئی بار سنا تھا کہ نبی آخر الزمان کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے۔ زہیر نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک رسی اس کی طرف لٹکائی گئی ہے۔ اس نے اس کو پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن اس کا ہاتھ اس رسی کو پکڑ نہ سکا۔ اس نے اپنے خواب کی یہ تعبیر کی کہ حضور کی تشریف آوری سے پہلے ہی میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا اور یہ سعادت میسر نہیں آئے گی۔ اس نے اپنے بیٹوں کو اپنا یہ خواب سنایا تھا اور اس نبی کے بارے میں اہل کتاب جو کہا کرتے تھے، ان اقوال سے بھی اپنے بچوں کو مطلع کیا۔ انہیں وصیت کی اگر انہیں اللہ کے اس پیارے رسول کا زمانہ نصیب ہوا تو ادنیٰ توقف کے بغیر اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا دین قبول کرلیں۔ جب بجیر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا تو اس نے اپنے بھائی کو لکھا کہ وہ نبی تشریف لے آیا ہے جس کے بارے میں اس کے باپ نے خواب دیکھا تھا۔ وقت ضائع مت کرو فوراً یہاں پہنچو اور اس دین حق کو قبول کرلو۔

جواباً اس نے اپنے بھائی بجیر کو چند اشعار لکھ کر بھیجے جس میں اپنے بھائی کو مطعون کیا کہ تم ناسمجھ ہو، تم نے اپنے باپ دادا کے دین کو سوچے سمجھے بغیر چھوڑ دیا ہے۔

جب کعب کے اشعار بجیر کو ملے تو اس نے یہ اشعار بارگاہ رسالت میں پیش کر دیئے۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا کہ کعب جس کو ملے وہ اس کو قتل کر دے۔ اس کے بھائی نے اس کو اطلاع دی کہ جو شعراء شان رسالت میں ہجو یہ شعر لکھا کرتے تھے ان کو حضور نے تہ تیغ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر تو زندہ رہنا چاہتا ہے تو حاضر خدمت ہو جاؤ اور معافی مانگ لو۔ جو تائب ہو کر حاضر خدمت ہوتا ہے، حضور اس کو معاف فرما دیا کرتے ہیں۔ اگر تیرے مقدر میں ایمان نہیں تو پھر کہیں دور بھاگ جاؤ۔ کعب کو جب یہ علم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے اس

کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے تو دنیا اپنی وسعتوں کے باوجود اس پر تنگ ہو گئی۔ مدینہ طیبہ میں جہینہ قبیلہ کا ایک شخص اس کا دوست تھا۔ یہ چھپتے چھپتے اپنے دوست کے پاس پہنچا اور اپنا ماجرا بیان کیا۔ اس دوست نے اسے مشورہ دیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جملہ صحابہ کرام سے حضرت ابو بکر بڑے رحم دل اور کریم النفس ہیں وہ اگر تمہاری سفارش کریں تو حضور تجھے معاف فرما دیں گے۔ چنانچہ صبح سویرے وہ دوست کعب کو لے کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا۔ کعب نے اپنا تعارف کرایا اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ حضرت صدیق اکبر کعب کو لے کر بارگاہ رسالت میں گئے اور عرض کی، یارسول اللہ! یہ شخص حضور کی بیعت کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہے۔ حضور نے ہاتھ بڑھایا اور اس کو اپنی بیعت سے مشرف فرمایا۔ اس کے بعد کعب نے اپنا مشہور قصیدہ پیش کیا جس کا پہلا مصرعہ ہے ۔

ے بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِی الْیَوْمَ مَتْبُوْلُ

جب اس نے یہ شعر عرض کیا:

إِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ يُسْتَضَاءُ بِهٖ　　مُهَنَّدٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ مَسْلُوْلُ(1)

"یعنی رسول اکرم تو نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور یہ اللہ کی تلواروں سے ایک بے نیام تلوار ہیں۔"

حضور نے اس شعر کو بہت پسند فرمایا اور اپنی چادر مبارک اتار کر اس کو بطور انعام عطا کر دی۔ انہوں نے ساری عمر یہ چادر بڑی حفاظت سے اپنے پاس رکھی۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، آپ نے اسے کہا کہ دس ہزار دینار لے لو اور مجھے یہ چادر دیدو۔ کعب نے کہا، اللہ کے رسول کا یہ تبرک میں کسی قیمت پر کسی کو دینے کیلئے تیار نہیں۔

جب کعب کی وفات ہو گئی تو امیر معاویہ نے ان کے وارثوں سے یہ چادر بیس ہزار درہم کے بدلے لے لی۔ یہ وہی مبارک چادر ہے کہ جب بھی کوئی سلطان تخت نشین ہوتا تو وہ چادر اس کو اوڑھائی جاتی اور خلفاء عیدوں کے مواقع پر بھی اس چادر کو زیب تن کرتے۔ کہا گیا ہے یہ چادر فتنہ تاتار میں گم ہو گئی۔

کعب بن زہیر خود بھی قادر الکلام اور نغز گو شاعر تھا، اس کے علاوہ اس کا باپ زہیر، اس کا بھائی بجیر اور اس کا بیٹا عقبہ اور اس کا پوتا عوام بن عقبہ رضی اللہ عنہم تمام کے تمام ملک

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 280-283

سخن کے بادشاہ تھے۔

10-9۔ حارث بن ہشام المخزومی اور زہیر بن ابی امیہ: نواں شخص جس کا خون مباح کیا گیا تھا وہ ابو جہل کا سگا بھائی حارث بن ہشام المخزومی تھا، اسی طرح حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھائی زہیر بن امیہ بھی اپنے دل میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں شدید قسم کا بغض رکھتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن ان دونوں کو قتل کرنے کی اجازت دی تھی۔ یہ دونوں حضرت ام ہانی بنت ابی طالب کے پاس حاضر ہوئے اور پناہ کی درخواست کی۔ آپ نے انہیں پناہ دیدی اور حضور نے ام ہانی کی پناہ کو قبول فرمایا۔ پھر آپ ان دونوں کو لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور پھر اس پر ثابت قدم رہے۔

11۔ سارہ: یہ بنی مطلب بن عبد مناف کی کنیز تھی۔ چونکہ یہ مکہ کی مغنیہ تھی اور ایسے اشعار گایا کرتی تھی جس میں حضور ﷺ کی ہجو کی گئی تھی اور یہی وہ عورت تھی جس کے ذریعہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے مکہ والوں کے پاس خط بھیجا تھا۔ یہ مدینہ طیبہ آئی اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اپنی تنگ دستی کا شکوہ کیا اور امداد کیلئے درخواست کی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس سے پوچھا تم مغنیہ ہو۔ جب تم گیت گاتی ہو تو لوگ تجھ پر انعام واکرام کی بارش کر دیتے ہیں۔ کیا یہ داد و دہش تمہیں مستغنی کرنے کے لئے کافی نہیں کہ تو یہاں بھیک مانگنے کیلئے آئی ہے؟ اس نے عرض کی، جب سے بدر کی جنگ میں قریش کے رؤساء قتل کر دیئے گئے اس کے بعد سے انہوں نے گانا بجانا ترک کر دیا۔ اس لئے میری غربت کی یہ حالت ہے۔ حضور ﷺ نے اس کو بھی اپنے بحر سخاوت سے محروم نہیں رکھا بلکہ اسے سامان خوراک سے لدا ہوا ایک اونٹ مرحمت فرمایا۔ اس کے علاوہ بھی اس کی مالی امداد فرمائی۔ جب یہ احسان فراموش مکہ واپس آئی تو اس نے ابن خطل کے ہجویہ اشعار گا گا کر مشرکین کے دل لبھانے شروع کئے۔ فتح مکہ کے روز وہ چھپ گئی۔ اس کے لئے بارگاہ رسالت میں امان دینے کی درخواست کی گئی۔ حضور نے اس کو امان دیدی۔ وہ حاضر ہوئی اور اسلام قبول کیا اور تادم واپسیں اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدمی سے عمل پیرا رہی۔

12۔ ان پندرہ آدمیوں میں سے بارہواں شخص صفوان بن امیہ تھا۔ اس کے دل میں اور اس کے باپ امیہ کے دل میں اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نفرت اور

عداوت کے آتش کدے روز اول سے بھڑک رہے تھے۔ رحمت عالم ﷺ کو اذیت اور دکھ پہنچانے میں وہ کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا تھا۔ سرور عالم ﷺ نے اس کو بھی مباح الدم قرار دیا۔ یہ چھپ گیا اور ارادہ کیا کہ رات کی تاریکی میں مکہ سے نکل جائے اور سمندر میں چھلانگ لگا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر دے۔

اس کے چچا کا بیٹا عمیر بن وہب بارگاہ رحمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، اے اللہ کے پیارے نبی! صفوان اپنی قوم کا سردار ہے اور یہاں سے بھاگ گیا ہے تا کہ سمندر میں کود کر غرق ہو جائے۔ میری التجا ہے کہ حضور اس کو امان عطا فرمائیں۔ کیونکہ حضور نے ہر سرخ و سیاہ کو امان دیدی ہے۔ اس کریم و رحیم نبی نے اسلام کے بدترین دشمن کے بارے میں عمیر کی درخواست سن کر فرمایا، اے عمیر! جاؤ اور اپنے چچا کے لڑکے صفوان کو جا کر خوشخبری سناؤ کہ میں نے اس کو امان دے دی ہے۔ عمیر نے عرض کی، یارسول اللہ! مجھے کوئی اپنی نشانی عطا فرمایئے، کیونکہ میں نے اس کو واپس آنے کیلئے کہا تھا تو اس نے انکار کر دیا اور کہا جب تک تم میرے پاس حضور کی نشانی نہیں لاؤ گے جس کو میں پہچانتا ہوں اس وقت تک میں واپس نہیں آؤں گا۔ اس کریم و رحیم نبی نے اس بدکردار اور روسیاہ کیلئے اپنا نورانی عمامہ اتار کر عمیر کو دیا اور فرمایا، کہ یہ لے جاؤ میرا عمامہ اور جا کر صفوان کو بتلا دو۔

جب عمیر اس کے پاس پہنچا تو وہ سمندر میں کودنے کی تیاری کر رہا تھا۔ صفوان نے عمیر کو دیکھ کر کہا میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔ عمیر نے کہا صفوان! میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں! میں ایک ایسی ہستی کے پاس سے آیا ہوں جو سارے لوگوں سے افضل، تمام لوگوں سے زیادہ احسان کرنے والی، تمام لوگوں سے زیادہ حلیم اور ہر خوبی میں سب سے اعلیٰ و ارفع ہے اور وہ اجنبی نہیں بلکہ تیرے چچا کا بیٹا ہے۔ اس کی عزت تمہاری عزت، اس کا شرف تمہارا شرف، اس کی حکومت تمہاری حکومت ہے۔ اس لئے تم وقت ضائع کئے بغیر ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ صفوان کہنے لگا، مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ عمیر نے کہا ان سے مت ڈرو۔ وہ از حد بردبار اور کرم فرمانے والے ہیں۔ پھر عمیر نے رحمت عالمیان ﷺ کا نورانی عمامہ اس کو دکھایا۔ اب اسے تسلی ہوئی اور وہ عمیر کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ وہاں پہنچا تو کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا (عمیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اس شخص نے مجھے بتایا ہے کہ حضور نے مجھے امان دے دی ہے۔ حضور نے

فرمایا، اس نے تجھے سچ بتایا ہے اس نے عرض کی مجھے غور و فکر کرنے کیلئے دو ماہ کی مہلت دیجئے۔ حضور نے فرمایا دو ماہ نہیں تمہیں چار ماہ تک مہلت ہے۔ تم خوب سوچ بچار کر لو۔ فتح مکہ کے بعد جب حضور بنی ہوازن کی گوشمالی کیلئے روانہ ہوئے تو حضور نے اس سے چالیس ہزار درہم بطور قرضہ حسنہ لئے اور وہ زرہیں جو اس کے پاس تھیں وہ بھی عاریۃً طلب کیں۔ وہ کہنے لگا کیا آپ یہ ساری چیزیں مجھ سے غصب کرنا چاہتے ہیں؟ سرکار نے فرمایا، ہرگز نہیں۔ میں تجھ سے عاریۃً لے رہا ہوں جو تمہیں واپس کر دی جائیں گی۔ اگر ان میں سے کوئی زرہ ضائع ہو گئی تو اس کی قیمت ادا کر دی جائے گی۔ پھر وہ ہوازن کی جنگ میں حضور کے ہمراہ روانہ ہوا ابھی تک حسب سابق اپنے شرک پر تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جب جنگ ہوازن میں حاصل ہونے والے اموال غنیمت تقسیم کئے تو اسے پہلی مرتبہ ایک سو اونٹ، اس کے بعد سو اور اونٹ، اور تیسری مرتبہ مزید سو اونٹ عطا فرمائے۔ پھر حضور نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ اس وادی کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے جس میں بھیڑ بکریاں بھری ہوئی ہیں۔ حضور نے فرمایا، صفوان! یہ بھیڑ بکریاں تجھے اچھی لگ رہی ہیں، کہنے لگا بیشک۔ فرمایا یہ ساری وادی اور اس میں جتنی بھیڑ بکریاں ہیں، سب میں نے تجھ کو عطا کر دیں۔ جب یہ بے اندازہ مال غنیمت رحمت عالم ﷺ نے صفوان کو عطا فرما دیا تو کہنے لگا:

> کوئی بادشاہ تو خوشی سے اتنے ان گنت اموال کسی کو نہیں دیتا۔ یہ تو کسی نبی کی فیاضی ہی عطا کر سکتی ہے اور وہ بیساختہ کہہ اٹھا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پھر اس نے سچے دل سے اسلام قبول کیا اور غور و خوض کے لئے اس نے چار ماہ کی مدت طلب کی تھی اس کے اختتام کا انتظار نہ کر سکا اور اسی وقت اس نے ہادی برحق ﷺ کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کر لی۔

وہ کہا کرتا تھا۔ سب مخلوق سے زیادہ میرے دل میں حضور کے بارے میں بغض و عداوت تھی۔ حضور مجھے دیتے گئے، اتنا دیا، اتنا دیا کہ ساری مخلوق سے زیادہ حضور میرے محبوب بن گئے۔

13۔ ہند بنت عتبہ زوجہ ابو سفیان: حضور نے ہند کی کارستانیوں کے باعث اس کو قتل کرنے کی بھی اجازت دی تھی۔ یہ وہی سنگدل ہند ہے جس نے اللہ اور اس کے رسول کے شیر حضرت حمزہ کی شہادت کے بعد آپ کا سینہ چاک کیا، آپ کا دل نکالا، منہ میں ڈال

کر چبایا لیکن نگل نہ سکی اور باہر تھوک دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو فتح مبین عطا فرمائی اور مکہ کی فضاؤں میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا تو وہ ابوسفیان کے گھر میں چھپ گئی۔ پھر اسلام قبول کیا اور ابطح وادی میں حضور کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ کہنے لگی:

اس اللہ تعالیٰ کی ساری تعریفیں ہیں جس نے اس دین کو غلبہ عطا فرمایا جس کو اس نے اپنی ذات کیلئے پسند فرمایا تاکہ اے اللہ کے محبوب! تیرے دریائے رحمت سے میری تشنگی کا بھی درماں ہو۔ میں وہ عورت ہوں جو اللہ پر سچے دل سے ایمان لائی ہوں اور اس کی تصدیق کرتی ہوں۔

یہ کہنے کے بعد عرض کرنے لگی:

یارسول اللہ! میں ہند بنت عتبہ ہوں۔ اس کریم ذات نے فرمایا، مَرْحَبًا بِكِ اے ہند خوش آمدید! ہند نے دو بھنے ہوئے کم عمر بکرے بھیجے۔ حضور نے دعائیں دیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ریوڑوں میں برکتیں عطا فرمائے۔ ہند کہتی ہے حضور کی دعا کی برکت سے ہمارے ریوڑ میں اتنی برکت ہوئی کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔

ہند جب مسلمان ہوئی تو اپنے اس بت کے پاس گئی جسے اس نے بڑی عزت و احترام سے اپنے گھر میں سجا کر رکھا ہوا تھا۔ اس نے کلہاڑا اٹھایا اور اس کے پرزے پرزے کر دیئے اور ساتھ ہی یہ کہتی تھی كُنَّا مِنْكَ فِي غُرُوْرٍ اے بت! ہم تیری وجہ سے آج تک دھوکا میں رہے۔ اس کا خاوند ابوسفیان اس سے پہلے اسلام لے آیا۔ کیونکہ عدت کے ختم ہونے سے پہلے دونوں مسلمان ہو گئے تھے اس لئے نبی کریم ﷺ نے ان کا پہلا نکاح برقرار رکھا۔(1)

فتح مکہ کے دن پہلے سرور عالم ﷺ نے مردوں کو اپنی بیعت کا شرف بخشا۔ پھر عورتوں کو بیعت کرنے کی اجازت دی۔ انہیں بیعت کرنے والیوں میں ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ بھی تھی۔ اس نے خوف کے مارے اپنے چہرے پر نقاب ڈالا ہوا تھا۔ جب وہ مستورات حضور کے قریب پہنچیں تو فرمایا کہ ان امور پر میری بیعت کرو:

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی، چوری نہیں کرو گی، زنا نہیں کرو گی، اپنے بچوں کو قتل نہیں کرو گی، کسی پر بہتان نہیں لگاؤ گی اور میری نافرمانی

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 285-286

نہیں کرو گی۔

جب حضور یہ ارشاد فرما چکے تو ہند بولی، پہلے میں ابو سفیان کا تھوڑا تھوڑا مال چوری چھپے لے لیا کرتی تھی۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ میرے لئے حلال ہے یا نہیں۔ ابو سفیان بھی وہاں موجود تھا وہ بولا آج تک جو تم نے میرا مال چرایا ہے میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ حضور نبی کریم ﷺ یہ سن کر ہنس دیئے اور حضور نے پہچان لیا کہ یہ عورت ابو سفیان کی بیوی ہند ہے۔ فرمایا تو ہی عتبہ کی بیٹی ہند ہے؟ عرض کی میں ہی ہوں۔ اے اللہ کے نبی! آج تک جو ہم سے غلطیاں ہوئیں وہ معاف فرمادیں۔ جب حضور نے فرمایا کہ لَا تَزْنِیْنَ تم بدکاری نہیں کرو گی تو ہند حیران ہو کر کہنے لگی، کیا آزاد عورتیں بھی یہ جرم کیا کرتی ہیں؟ اور جب حضور نے فرمایا اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی۔ ہند بولی ہم نے اپنے بچوں کو جب وہ چھوٹے تھے پال کر بڑا کیا اور جب بڑے ہو گئے تو آپ نے ان کو قتل کر دیا۔ کیا آپ نے بدر کے میدان میں ہمارے کسی بچہ کو زندہ بھی چھوڑا ہے؟ اس کی یہ بات سن کر حضرت فاروق اعظم نے قہقہہ لگایا یہاں تک کہ زمین پر لوٹ پوٹ ہو گئے سرکار دو عالم ﷺ مسکرا دیئے۔

جب حضور نے فرمایا کہ بیعت کرو کہ کسی پر تہمت نہیں لگاؤ گی۔ ہند بولی واقعی کسی پر جھوٹا بہتان لگانا بڑی بری بات ہے؟ اور آپ تو ہمیں صرف ان باتوں کا حکم دیتے ہیں جو سراپا ہدایت اور مکارم اخلاق ہوتی ہیں۔

آخر میں حضور نے فرمایا کہ میری بیعت کرو کہ میری نافرمانی نہیں کرو گی۔ ہند نے عرض کی ہم آپ کی اطاعت گزار بن کر یہاں حاضر ہوئی ہیں۔ ہمارے ذہن میں آپ کی نافرمانی کا اب گمان بھی نہیں ہو سکتا۔

عہد فاروق اعظم میں جب شام کا مشہور شہر یرموک فتح کرنے کے لئے لشکر اسلام نے حملہ کیا تو ہند اپنے خاوند ابو سفیان کے ساتھ اس معرکہ میں شریک ہوئی اور دوسری مسلمان خواتین کی طرح مسلمانوں کو راہ حق میں جہاد کرنے کیلئے شوق دلا رہی تھی۔ ہند کا وصال عہد فاروقی میں ہوا۔ اسی روز حضرت صدیق اکبر کے والد ماجد حضرت ابو قحافہ نے بھی وصال فرمایا۔

18۔ وحشی بن حرب: یہ وہ شخص ہے جس نے اللہ اور اس کے رسول کے شیر، سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سگے چچا کو میدان احد میں چھپ کر حملہ کر کے شہید کیا تھا۔ نبی

کریم نے وحشی کا خون بھی مباح کر دیا۔ جس روز مکہ فتح ہوا تو یہ طائف بھاگ گیا۔ وہ کہتا ہے میں طائف میں تھا کہ لشکر اسلام نے طائف کا محاصرہ کر لیا اور اہل طائف کا وفد مسلمانوں کو اپنا شہر حوالہ کرنے کے لئے وہاں سے روانہ ہوا۔ وحشی کہتا ہے کہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں شام یا یمن چلا جاؤں یا کسی اور ملک میں پناہ لے لوں۔ میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک آدمی نے مجھے کہا۔ اے وحشی! جو شخص حضور پر ایمان لاتا ہے اور اسلام قبول کر لیتا ہے وہ کتنا ہی مجرم ہو، حضور اس کو قتل نہیں کرتے۔ میرے دل میں بھی امید کی کرن چمکی۔ ہمت کر کے میں حضور کی خدمت میں اچانک حاضر ہوا۔ میں نے فوراً کھڑے ہو کر کلمہ شہادت پڑھا۔ حضور نے میری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تو فرمایا تم وحشی ہو؟ عرض کی ہاں، یارسول اللہ! فرمایا بیٹھ جاؤ اور مجھے وہ واقعہ سناؤ جب تم نے حمزہ کو قتل کیا تھا۔ میں نے تفصیل سے واقعہ بیان کیا۔ حضور نے مجھے حکم دیا اپنا چہرہ مجھ سے چھپالو۔ میرے سامنے نہ آیا کرنا۔

حضرت صدیق اکبر کے زمانہ میں جب منکرین ختم نبوت کے ساتھ جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ وحشی بھی ان جنگوں میں شریک ہو گیا اور جب مسیلمہ کذاب کے ساتھ مسلمانوں کا معرکہ کارزار گرم ہوا تو اسی نیزہ سے وحشی نے مسیلمہ کذاب کا کام تمام کر دیا جس سے اس نے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔ اب وہ کہتا تھا اللہ کے کرم سے کچھ بعید نہیں کہ میرے اس گناہ کی تلافی مسیلمہ کذاب کو قتل کرنے سے ہو جائے۔

پسران ابولہب کا ایمان لانا

ان کے علاوہ ابولہب کے دو بیٹے عتبہ اور معتب بھی چھپے پھرتے تھے۔ ان میں سامنے آنے کی جرأت نہیں تھی۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے چچا عباس سے پوچھا آپ کے بھائی کے دونوں بیٹے عتبہ اور معتب کہاں ہیں، وہ مجھے نظر نہیں آ رہے؟ حضرت عباس نے عرض کی، یارسول اللہ جس طرح دوسرے مشرک چھپے پھرتے ہیں وہ بھی سامنے آنے کی جسارت نہیں کر رہے۔ حضور نے فرمایا جاؤ اور ان دونوں کو میرے پاس لاؤ۔ حضرت عباس اپنے اونٹ پر سوار ہو کر ان کے پاس گئے اور انہیں لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، دونوں نے اسلام قبول کر لیا، ان کے مشرف باسلام ہونے سے حضور کو از بس مسرت ہوئی۔ حضور نے ان دونوں کو اپنی

دعائے خیر سے نوازا۔

حضور علیہ السلام پھر کھڑے ہوئے اور دونوں کا ہاتھ پکڑ کر ملتزم کی طرف تشریف لے گئے اور کچھ وقت تک دعا فرماتے رہے۔ جب دعا سے فارغ ہوئے تو حضور کا رخ اقدس فرط مسرت سے چمک رہا تھا۔ حضرت عباس نے عرض کی، یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ حضور کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے! آج حضور کے رخ انور پر مجھے مسرت کے آثار نظر آرہے ہیں۔ اس رحمت للعالمین نے فرمایا، میں نے اپنے چچا کے بیٹوں کو اپنے رب سے مانگا اور میرے رب نے مجھے یہ دونوں عطا فرمادیئے ہیں، اس لئے میرا دل آج بہت مسرور ہے۔ یہ دونوں حنین اور طائف کے غزوات میں حضور کے ہمرکاب رہے اور بڑی ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ حنین کی جنگ میں معتب کی آنکھ ضائع ہوگئی لیکن یہ دونوں ایک لمحہ کے لئے بھی حضور سے الگ نہیں ہوئے۔

سہیل بن عمرو کا قبول اسلام

اس کا بیٹا عبداللہ پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا لیکن فتح مکہ کے روز سہیل چھپ گیا تھا تاکہ کوئی مسلمان اس کو قتل نہ کردے۔ اس کا بیٹا عبداللہ حضور کی خدمت میں آیا تاکہ اپنے باپ کیلئے حضور سے امان طلب کرے۔ سرکار دو عالم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، اللہ کی امان سے وہ امن میں ہے۔ بیشک اسے کہو کہ چھپنے کی کوئی ضرورت نہیں، سامنے آوٴ۔ پھر سرکار نے اپنے صحابہ کو فرمایا، تم میں سے جس کی ملاقات سہیل بن عمرو سے ہو وہ تیز نظروں سے اس کی طرف مت دیکھے۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم! سہیل بڑا دانشمند اور شریف النفس ہے اور سہیل جیسا آدمی زیادہ دیر تک اسلام کا انکار نہیں کرسکتا۔

اس کا بیٹا عبداللہ، سہیل کے پاس گیا اور حضور سرور عالم علیہ السلام کے ارشاد سے اس کو آگاہ کیا۔ سہیل کہنے لگا۔ كَانَ وَاللّٰهِ بَرًّا صَغِيْرًا بَرًّا كَبِيْرًا بخدا حضور جب چھوٹے تھے تب بھی احسان و کرم فرمایا کرتے تھے اور جب بڑے ہوئے تب بھی احسان و کرم ان کا شیوہ ہے۔ پھر غزوۂ حنین میں وہ شریک ہوا حالانکہ ابھی اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جب سرکار دو عالم جعرانہ کے مقام پر تشریف فرما ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے نور اسلام سے اس کے سینے کو منور فرمادیا۔ پھر ان کا شمار ان بزرگ صحابہ کرام میں ہوتا تھا جنہوں نے بڑے مشکل

حالات میں اسلام کے پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ مکہ مکرمہ میں جب رحمت عالم ﷺ کے انتقال پر ملال کی المناک اطلاع پہنچی تو کئی لوگوں کے قدم ڈگمگانے لگے۔ حضرت سہیل نے اس وقت ایک ایسا ایمان افروز خطبہ دیا جس سے اہل مکہ کو اسلام پر استقامت نصیب ہوئی۔ آپ یرموک کی جنگ میں شریک ہوئے۔ اپنی بہادری کے جوہر دکھائے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے خلعت شہادت سے ان کو مشرف فرمایا۔(1)

کلید کعبہ

عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ سے یہ واقعہ ان کی زبانی سنئے۔ وہ کہتے ہیں:

ہجرت مکہ سے پہلے ایک روز نبی کریم ﷺ سے میری ملاقات ہوئی۔ حضور نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ میں نے کہا یا محمد! آپ کیسی عجیب و غریب باتیں کر رہے ہیں؟ آپ مجھ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ میں آپ کا پیروکار بن جاؤں حالانکہ آپ نے اپنی قوم کے دین کو ترک کر دیا ہے اور ایک نیا دین لے آئے ہیں؟ وہ کہتا ہے کہ عہد جاہلیت میں ہمارا یہ دستور تھا کہ ہم زائرین کیلئے سوموار اور جمعرات کو کعبہ شریف کا دروازہ کھولا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور تشریف لائے تاکہ دوسرے لوگوں کی معیت میں کعبہ میں داخل ہوں۔ میں نے آپ کے ساتھ بڑی بدخلقی کا مظاہرہ کیا اور نہایت ناشائستہ انداز میں گفتگو کی۔ لیکن حضور نے کسی قسم کی برہمی اظہار نہ کیا بلکہ بڑے حلم اور بردباری سے میری بدکلامی کو برداشت کیا۔ البتہ بڑی نرمی سے مجھے فرمایا:

يَا عُثْمَانُ لَعَلَّكَ سَتَرَى هٰذَا الْمِفْتَاحَ يَوْمًا بِيَدِيْ أَضَعُهُ حَيْثُ شِئْتُ۔

"اے عثمان! یاد رکھو ایک دن آنے والا ہے جب تو دیکھے گا کہ یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہو گی اور میں جس کو چاہوں گا عطا کروں گا۔"

میں یہ سنکر بوکھلا گیا اور میں نے کہا، کیا اس روز قریش کی عزت و آبرو خاک میں مل چکی ہو گی تبھی تو یہ انقلاب رونما ہو سکتا ہے؟ حضور نے فرمایا، اے عثمان! جس دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہو گی اس روز قریش ذلیل و خوار نہیں ہوں گے بلکہ ان کی عزت و شوکت

1۔ احمد زینی بن دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 288

کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا ہو گا۔ بَلْ عَمِرَتْ يَوْمَئِذٍ وَعَزَّتْ

عثمان کہتا ہے کہ حضور کا یہ ارشاد میری لوح قلب پر نقش ہو گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ ایسا ہی ہو گا۔ ان کی زبان پاک سے جو بات نکلتی ہے وہ لا محالہ ہو کر رہتی ہے۔ میں نے سوچا کہ میں مسلمان ہو جاؤں لیکن میری قوم کو میرے اس ارادہ کی کہیں بھنک پڑ گئی، انہوں نے مجھے سختی سے جھڑکا، اس لئے میں نے ایمان لانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

جس روز مکہ فتح ہوا تو حضور نے مجھے حکم دیا کہ کعبہ کی کلید پیش کرو۔ میری کیا مجال تھی کہ انکار کرتا۔ فوراً گھر سے چابی لے آیا اور بصد ادب بارگاہ رسالت میں پیش کر دی۔ حضور نے فرمایا، عثمان! تمہیں وہ دن یاد ہے جب میں نے تمہیں کہا تھا کہ ایک روز یہ کلید میرے ہاتھ میں ہو گی اور میں جس کو چاہوں گا عطا کر دوں گا۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! بیشک آپ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور اللہ کے رسول ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے وہ چابی مجھے عطا فرمائی۔ ساتھ ہی فرمایا خُذُوهَا خَالِدَةً تَالِدَةً لَا يَنْزِعُهَا مِنْكُمْ إِلَّا ظَالِمٌ یعنی یہ چابی لے لو اور میں یہ تمہیں ابد تک کیلئے دے رہا ہوں اور جو تم سے یہ کلید چھینے گا وہ ظالم ہو گا۔

حضرت علی مرتضیٰ اور عبدالرزاق کی روایت کے مطابق حضور کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کی، يَا رَسُولَ اللهِ إِجْمَعْ لَنَا الْحِجَابَةَ وَالسِّقَايَةَ اے اللہ کے رسول! کعبہ کے زائرین کو پانی پلانے کی خدمت کے ساتھ ساتھ ہمیں کعبہ کی کلید برداری کا شرف بھی مرحمت فرمائیے۔

لیکن رحمت عالم نے اپنے محترم چچا کی اس عرضداشت کو شرف قبول نہیں بخشا بلکہ فرمایا آج کا دن انتقام لینے کا دن نہیں، آج کا دن میرے ابر کرم و وفا کے برسنے کا دن ہے۔ اس وقت چابی سیدنا علی مرتضیٰ کے ہاتھ میں تھی ان کے ہاتھ سے لے کر حضرت عثمان کو دیدی۔ اور فرمایا:

خُذُوهَا خَالِدَةً تَالِدَةً لَا يَنْزِعُهَا مِنْكُمْ إِلَّا ظَالِمٌ (1)

"اے عثمان! یہ کلید میں صرف تمہیں نہیں دے رہا بلکہ قیامت تک آنے والی تیری نسلوں کو بخش رہا ہوں۔ میری عطا کی ہوئی یہ کلید جو تم

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 366 و "خاتم النبیین"، جلد 3، صفحہ 1010

سے چھینے گا وہ ظالم ہو گا۔"

چودہ صدیاں بیت چکی ہیں۔ ابھی تک وہ کلید جو مصطفیٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے انہیں دی تھی انہیں کی نسل میں ہے اور یقیناً قیامت تک ان کی نسل میں ہی باقی رہے گی اور کعبہ مشرفہ کی کلید برداری کا شرف انہیں ہی حاصل رہے گا۔

شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کا اسلام قبول کرنا

شیبہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بڑے مزے لے لے کر خود بیان کرتے تھے۔ آپ بھی ان کے الفاظ میں یہ واقعہ سماعت فرمائیں:

"لوگ فتح مکہ کے بعد ایمان لے آئے مگر میں اپنے کفر و شرک پر اڑا رہا۔ نبی مکرم ﷺ جب بنو ہوازن کی سرکوبی کیلئے مکہ سے روانہ ہوئے تو میں بھی ساتھ ہو لیا۔ میری نیت یہ تھی کہ شاید اس سفر میں مجھے کوئی ایسا موقع مل جائے کہ میں حضور پر حملہ کر کے آپ کی شمع حیات کو گل کر دوں۔ مسلمانوں نے میدان احد میں میرے باپ، چچا اور چچازاد بھائیوں کا قتل عام کیا تھا، شاید اس طرح میں اپنے عزیز مقتولوں کا انتقام لینے میں کامیاب ہو جاؤں۔ میں نے اپنے دل میں یہ طے کر رکھا تھا کہ اگر عرب اور عجم کا ہر شخص اسلام قبول کر لے، میں کسی بھی قیمت پر حضور کی اطاعت قبول نہیں کروں گا۔ اسلام ترقی کر رہا تھا۔ لوگ دھڑا دھڑ حلقہ بگوش اسلام ہو رہے تھے لیکن کفر پر ڈٹے رہنے کے میرے عزم میں مزید پختگی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ جب حنین کی جنگ میں دونوں فریق آپس میں گتھم گتھا ہوئے اور نبی کریم بھی اپنے خچر سے نیچے اتر آئے تو میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اپنی تلوار بے نیام کر لی اور میں حضور کے نزدیک ہونے کیلئے آگے بڑھا۔ میں وار کرنے ہی والا تھا کہ آگ کا ایک شعلہ بجلی کی تیزی سے میری طرف لپکا اور میری آنکھیں اس کی چمک سے خیرہ ہو گئیں۔ میں خوف سے کانپنے لگا۔ اس کی تیز روشنی سے بچنے کیلئے میں نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس وقت شفیع عاصیاں ﷺ نے میری طرف متوجہ ہو کر تبسم فرمایا۔ حضور نے میری نیت بد کو بھانپ لیا تھا اور میرا نام لے کر پکارا، یَا شَيْبَةُ اُدْنُ مِنِّيْ "اے شیبہ! میرے نزدیک آ جاؤ۔" جب میں قریب ہوا، رحمت عالم ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھ دیا اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی:

اَللّٰھُمَّ أَعِذْہُ مِنَ الشَّیْطَانِ الٰہی! شیبہ کو شیطان کے شر سے بچالے۔ اس ایک نگاہ لطف و کرم نے میرے دل کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ شیبہ اپنے دل کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

فَوَاللّٰہِ لَھُوَ فِی السَّاعَۃِ صَارَ أَحَبَّ إِلَیَّ مِنْ سَمْعِی وَ بَصَرِی وَأَذْھَبَ اللّٰہُ مَا کَانَ فِیَّ

"اسی لمحہ حضور مجھے اپنے کانوں اور آنکھوں سے بھی زیادہ محبوب ہو گئے اور میرے دل میں حضور کے خلاف جو جذبات جوش مار رہے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام و نشان مٹا دیا۔

پھر حضور نے حکم دیا اُدْنُ فَقَاتِلْ "میرے قریب آجا اور کفار سے برسرپیکار ہو جا۔" میں اس جوش و خروش سے کفار پر حملہ آور ہوا کہ اگر میرا باپ زندہ ہوتا، وہ میرے سامنے آتا تو میں اس کا سر بھی قلم کر کے رکھ دیتا۔ جب تک یہ جنگ جاری رہی میں دشمنان اسلام سے برسرپیکار رہا۔

جنگ کے بعد میں خدمت اقدس میں زیارت کیلئے حاضر ہوا۔ حضور پر نور ﷺ اپنے خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ مجھے دیکھا تو فرمایا:

یَا شَیْبَۃُ الَّذِی أَرَادَ اللّٰہُ خَیْرٌ مِمَّا أَرَدْتَ بِنَفْسِکَ فَدَلَّنِی بِکُلِّ مَا أَضْمَرْتُہُ فِی نَفْسِی مِمَّا لَمْ أَذْکُرْہُ لِأَحَدٍ قَطُّ فَقُلْتُ إِنِّی أَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَ أَشْھَدُ أَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ (1)

"اے شیبہ! اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں جو ارادہ فرمایا وہ اس ارادہ سے کہیں بہتر تھا جو تو نے اپنے بارے میں کیا۔ اس وقت حضور ﷺ نے میرے دل میں چھپے ہوئے جذبات پر مجھے آگاہ کیا حالانکہ میں نے کسی شخص کو بھی ان پر مطلع نہیں کیا تھا۔ یہ سن کر میں بیساختہ کہہ اٹھا، بیشک میں گواہی دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 294-295

ابوسفیان کے وساوس کا ازالہ

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطہ سے یہ روایت کیا ہے کہ :
فتح مکہ کے ایام میں ابوسفیان نے ایک روز دیکھا کہ رسول مکرم ﷺ ایک راستہ پر تشریف لے جا رہے ہیں اور اہل مکہ کا ایک جم غفیر حضور کے پیچھے پیچھے سر اطاعت خم کئے جا رہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر ابوسفیان اپنے دل ہی دل میں یہ کہنے لگا کہ کاش میں اپنے لوگوں کا لشکر اکٹھا کروں اور ان سے پھر جنگ و قتال کا آغاز کر دوں۔ سرور عالم ﷺ اسی اثناء میں ابوسفیان کے پاس پہنچ گئے اور اس کے سینہ پر اپنے دست مبارک سے ضرب لگائی اور فرمایا اِذًا یُخْزِیْكَ اللّٰہُ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ پھر تمہیں ذلیل و رسوا کرے گا۔ ابوسفیان یہ ارشاد سن کر ششدر رہ گیا اور عرض کرنے لگا:

أَتُوْبُ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِمَّا تَفَوَّهْتُ بِهٖ
مَا أَيْقَنْتُ أَنَّكَ نَبِيٌّ حَتَّى السَّاعَةِ إِنِّيْ كُنْتُ لَأُحَدِّثُ
نَفْسِيْ بِذٰلِكَ ۔ (1)

"یارسول اللہ! میں توبہ کرتا ہوں اور وہ بکواس جو میں نے اپنے دل ہی دل میں کیا ہے اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ یہ بات تو میں نے صرف اپنے دل میں کہی تھی یعنی اگر ایسی باتوں پر بھی آپ آگاہ ہو جاتے ہیں تو اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔"

عبداللہ بن الزبعری کا قبول اسلام

فتح مکہ کے بعد یہ بھاگ کر نجران چلا گیا۔ حضرت حسان نے اس کی طرف چند اشعار لکھ کر بھیجے جن میں اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ ان اشعار کو پڑھتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام محفل میں تشریف فرما تھے۔ اسے یوں لگا جیسے نورانی ستاروں کے جھرمٹ میں چودھویں کا

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 370

چاند ضیا پاشی کر رہا ہے۔ سرور عالم ﷺ نے نگاہ اٹھا کر جب اس کی طرف دیکھا تو فرمایا، یہ ہے ابن الزبعری۔ اس کے چہرہ پر آج اسلام کا نور چمک رہا ہے۔ سرکار کی اس دل موہ لینے والی گفتگو کو سن کر اسے یارائے تکلم ہوا۔ عرض کی اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے مجھے آج اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ آج تک میں حضور سے عداوت کرتا رہا، آپ کے خلاف لشکر کشی کرتا رہا، گھوڑوں، اونٹوں پر سوار ہو کر آپ پر حملہ آور ہوتا رہا، اگر کبھی کوئی سواری میسر نہ آئی تو پیدل چل کر بھی آپ کے خلاف معرکہ آرائی سے باز نہ آیا، جب آپ نے مکہ پر علم اسلام لہرا دیا تو میں وہاں سے بھاگ کر نجران چلا گیا، میں نے دل میں یہ طے کیا ہوا تھا کہ میں کسی قیمت پر اسلام قبول نہیں کروں گا، لیکن میرے رب کریم نے مجھ پر رحم فرماتے ہوئے میرے دل میں اسلام کی اور حضور کی محبت کی شمع روشن کر دی۔ پھر جب اس گمراہی کے بارے میں غور کرتا ہوں جس میں مبتلا تھا تو شرم و ندامت سے میری گردن جھک جاتی ہے۔

اس کی باتیں سن کر نبی رحمت ﷺ نے اسے بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَاكَ لِلْاِسْلَامِ اِنَّ الْاِسْلَامَ یَجُبُّ مَا کَانَ قَبْلَهٗ۔ (1)

"سب تعریفیں اللہ کیلئے جس نے تجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق بخشی اور سن لو کہ جو اسلام قبول کرتا ہے تو اس کے پہلے سارے گناہ ملیامیٹ کر دیئے جاتے ہیں۔"

فضالہ بن عمیر کا مشرف باسلام ہونا

فتح مکہ کے بعد فضالہ، حرم شریف میں آیا۔ دیکھا نبی کریم ﷺ طواف میں مصروف ہیں۔ اس نے ارادہ کیا جب میں پاس سے گزروں گا تو خنجر سے حضور پر حملہ کر کے آپ کی زندگی کے چراغ کو بجھا دوں گا۔ جب وہ قریب پہنچا تو مرشد برحق نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اَفُضَالَةُ؟ کیا تم فضالہ ہو؟ عرض کی ہاں، میں فضالہ ہوں۔ پھر حضور نے فرمایا:

1۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 355

مَاذَا كُنْتَ تُحَدِّثُ بِهٖ نَفْسَكَ ؟

"تم اپنے جی میں کیا گفتگو کر رہے تھے ؟"

اس نے جواب دیا۔ کچھ بھی نہیں، میں تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا تھا۔ حضور اس کا یہ بہانہ سن کر ہنس دیئے اور فرمایا۔ اِسْتَغْفِرِ اللّٰہ، فضالہ! اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو۔ پھر اپنا دست مبارک اس کے سینہ پر رکھا اور اس کے بے چین دل کو سکون نصیب ہو گیا۔ فضالہ خود کہتا تھا۔ بخدا! حضور نے میرے سینہ پر ہاتھ رکھ کر جب اٹھایا تو میرے دل کی دنیا بدل گئی اور حضور ﷺ دنیا جہان سے مجھے محبوب معلوم ہونے لگے۔ اسی وقت اس نے بلا تامل حضور کے دست ہدایت پرست پر اسلام کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ فضالہ کہتے ہیں کہ جب میں حرم شریف سے واپس گھر جا رہا تھا میرا گزر اس عورت کے پاس سے ہوا جس کے پاس بیٹھ کر میں خوش گپیاں کیا کرتا تھا۔ جب میں چپکے سے اس کے پاس سے گزر گیا تو اس نے مجھے آواز دی۔ فضالہ! آؤ باتیں کریں۔ فضالہ نے جواب دیا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اور اسی وقت فی البدیہہ ان کی زبان پر اشعار جاری ہو گئے:

قَالَتْ هَلُمَّ إِلَى الْحَدِيْثِ فَقُلْتُ لَا يَأْبَىٰ عَلَيَّ اللّٰهُ وَالْإِسْلَامُ

لَوْ مَا رَأَيْتِ مُحَمَّدًا وَقَبِيْلَهٗ بِالْفَتْحِ يَوْمَ تَكَسَّرَ الْأَصْنَامُ

لَرَأَيْتِ دِيْنَ اللّٰهِ أَضْحَىٰ بَيِّنًا وَالشِّرْكُ يَغْشَىٰ وَجْهَهُ الْإِظْلَامُ (1)

"اس نے کہا فضالہ آؤ بیٹھیں باتیں کریں۔ میں نے کہا ہرگز نہیں۔ اللہ اور میرا دین اسلام مجھے اس بات سے منع کرتا ہے۔"

"فتح مکہ کے دن اگر تو اللہ کے حبیب محمد مصطفیٰ کو اور آپ کے صحابہ کو دیکھتی جس روز بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا گیا تھا۔"

"اس روز تو دیکھتی کہ اللہ کا دین واضح اور روشن ہو گیا ہے اور شرک کے منحوس چہرے کو ظلمتیں ڈھانپ رہی ہیں۔"

حضرت صدیق اکبر کے والد ابو قحافہ عثمان بن عامر کا مشرف باسلام ہونا

سرور انبیاء ﷺ جب مسجد حرام میں تشریف فرما ہوئے تو حضرت صدیق اکبر اپنے بوڑھے باپ کو ہاتھ سے پکڑے ہوئے لے آئے۔ رسول اکرم ﷺ نے جب دیکھا تو فرمایا۔

1۔ ایضاً، صفحہ 355-356

"اے ابو بکر! تم اس شیخ کو گھر میں رہنے دیتے۔ تا کہ میں خود اس کے پاس چل کر جاتا"

صدیق اکبر نے عرض کی، یارسول اللہ! یہ میرے والد کا حق تھا کہ وہ چل کر حضور کی خدمت اقدس میں شرف باریابی حاصل کرتا بجائے اس کے کہ حضور اس کے پاس چل کر تشریف لے جاتے۔ نبی کریم ﷺ نے ابو قحافہ کو اپنے سامنے بٹھایا۔ پھر ان کے سینہ پر دست مبارک پھیرا، پھر فرمایا، اسلام لے آؤ۔ چنانچہ ابو قحافہ نے کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت صدیق اکبر کو ان کے والد کے اسلام قبول کرنے پر ہدیہ تبریک پیش کیا۔

نبی رحمت ﷺ کا حضرت صدیق اکبر کو یہ فرمانا کہ آپ نے شیخ کو گھر میں ہی رہنے دیا ہوتا تا کہ میں اس کے پاس چل کر جاتا، اس سے حضرت ابو بکر کی عزت افزائی مقصود تھی۔ صحابہ کرام میں یہ شرف بھی حضرت صدیق اکبر کو نصیب ہوا کہ ان کی چار پشتیں مشرف باسلام ہوئیں اور ان کو صحابی بننے کا اعزاز نصیب ہوا۔ حضرت ابو قحافہ، آپ کے صاحبزادے ابو بکر صدیق، حضرت صدیق کے صاحبزادے عبدالرحمٰن، اور ان کے صاحبزادے محمد۔ یہ چاروں مشرف باسلام ہوئے اور نبی الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کے صحابی بننے کا بھی انہیں شرف نصیب ہوا۔

دوسری طرف سے بھی آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ابو قحافہ، آپ کے صاحبزادے ابو بکر صدیق۔ ان کی صاحبزادی اسماء اور اسماء کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیر ان چاروں کو بھی صحابی بننے کا شرف حاصل ہوا۔ (1)

مکہ مکرمہ میں قیام

رحمت عالمیاں ﷺ نے مکہ فتح کرنے کے بعد پندرہ دن تک وہاں قیام فرمایا اور اس اثناء میں مکہ کے نظم ونسق کا تسلی بخش اہتمام کرنے کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائی۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے مندرجہ ذیل اہم اقدامات کیے:

(1) پہلے روز نبی کرم ﷺ نے خانہ خدا کو بتوں کی نجاست سے پاک کیا۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ حضور جب بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے تو حضور کے دست مبارک میں

1۔ الامام ابو محمد عبد الملک ابن ہشام ابن ایوب الحمیری (213ھ)، "سیرۃ الامام ابن ہشام"، القاہرہ، المطبعہ الخیریہ، 1329ھ، طبع 1، جلد 4، صفحہ 25

ایک چھڑی تھی جس بت کی طرف اشارہ فرماتے وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑتا۔ کعبہ شریف کے باہر ان کا سب سے بڑا بت ہبل نصب تھا۔ اس کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے اس مقدس گھر کو ہر قسم کے بتوں کی آلائش سے پاک اور صاف کر دیا۔

اذان بلال

(2) پہلے دن ہی جب ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو نبی الانبیاء ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ جاؤ اور اذان دو۔ مکہ کی کفر آلود اور تاریک فضاؤں کو نور اسلام سے منور کرنے کیلئے جب حضرت بلال کی اذان گونجی تو اس وقت ابوسفیان، عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام حرم شریف کے صحن میں بیٹھے تھے۔ اذان سن کر غصہ سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے عتاب بولا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے باپ اسید پر بڑا کرم فرمایا کہ اسے موت کی نیند سلا دیا۔ آج اگر وہ زندہ ہوتا اور اذان کے ان کلمات کو سنتا تو یقیناً اس کو بڑا غصہ آتا۔ پھر کہنے لگا، محمد (ﷺ) کو اس کالے کوے کے بغیر اور کوئی مؤذن نہیں ملا۔ حارث بن ہشام کہنے لگا۔ اگر میں جانتا کہ وہ حق پر ہیں تو میں ضرور ان کی پیروی کرتا۔
ابوسفیان بولا۔ لَآ أَقُوْلُ شَيْئًا لَوْ تَكَلَّمْتُ لَأَخْبَرَتْ عَنِّيْ هٰذِهِ الْحَصٰى یعنی میں تو کچھ نہیں کہتا اگر میں کوئی بات کروں گا تو یہ کنکریاں حضور کو بتا دیں گی۔
وہ یہی بات کر رہے تھے کہ اللہ کا پیارا رسول ان کے پاس تشریف لے آیا اور فرمایا جو باتیں تم نے کی ہیں ان کا مجھے علم ہے۔ ہر ایک کو الگ الگ مخاطب کر کے فرمایا، اے عتاب! تم نے یہ بات کی۔ اے حارث! تم نے یہ کہا۔ ابوسفیان بولا -- یا رسول اللہ! میں نے تو کوئی بات نہیں کی۔ حضور اس بات پر ہنس پڑے۔ حارث اور عتاب نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ان باتوں کو کسی آدمی نے نہیں سنا۔ اگر کسی نے سنی ہوتیں تو ہم یہ سمجھتے کہ اس نے آپ کو ان سے آگاہ کیا ہے۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔
سعید بن عاص کے بیٹوں سے ایک بیٹے نے جب حضرت بلال کو اذان دیتے ہوئے سنا تو کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے میرے باپ سعید پر بڑا احسان فرمایا کہ اس کالے کو کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوا دیکھنے سے پہلے وہ ملک عدم کو سدھارا۔ حکم بن ابو العاص بولا۔ یہ ایک عجیب و غریب

سانحہ ہے کہ بنی جمح کا غلام (بلال) ابوطلحہ کی تعمیر کردہ عمارت پر کھڑے ہو کر چیخ رہا ہے۔

اس تمام شور وغل کے باوجود حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد نبوی کے مطابق کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر مکمل اذان دی۔ اس ساعت ہمایوں سے لے کر آج تک یہ روح پرور کلمات اس فضا میں گونج رہے ہیں اور نور برسا رہے ہیں۔ اور قیامت تک ایسا ہی ہوتا رہے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بت کدوں کو مسمار کرنے کا حکم

(3) حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ کے گردونواح میں جو بڑے بڑے صنم کدے تھے ان کو تباہ و برباد کرنے اور ان کے بتوں کو پارہ پارہ کرنے کے لئے مجاہدین کے مختلف دستے ان کی طرف روانہ کئے۔

(الف) حضرت خالد بن ولید کو ان کے صنم اکبر عزی کو ریزہ ریزہ کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ یہ بت نخلہ کے مقام پر ایک مکان میں تھا جس پر تین کھجور کے درخت اگے ہوئے تھے۔ قریش، بنو کنانہ اور مضر کے قبائل اس کی پوجا کیا کرتے تھے اور اس کے استھان کا متولی بنی سلیم قبیلہ کا ایک خاندان بنو شیبان تھا۔ جب عزی کے پہرہ داروں کو اطلاع ملی کہ خالد بن ولید اپنے مجاہدوں سمیت عزی کو نیست و نابود کرنے کے لئے بڑھتے چلے آرہے ہیں تو اس نے اپنی تلوار عزی کی گردن میں آویزاں کر دی۔ پھر وہاں سے تیزی سے بھاگا تاکہ پہاڑ کی کسی غار میں پناہ لے سکے۔ وہ بھاگتا جا رہا تھا اور یہ اشعار گنگناتا جا رہا تھا۔

أَيَا عُزَّ شُدِّيْ شِدَّةً لَا شَوٰى لَهَا
عَلٰى خَالِدٍ أَلْقِي الْقِنَاعَ وَشَمِّرِيْ
يَا عُزَّ إِنْ لَمْ تَقْتُلِي الْمَرْءَ خَالِدًا
وَبُوْئِيْ بِإِثْمٍ عَاجِلٍ أَوْ تَنَصَّرِيْ (1)

"اے عزی! اس تلوار سے خالد پر ایسا بھرپور وار کر جو خطا نہ ہو۔ آج اپنے چہرہ سے نقاب الٹ دے اور اپنی آستین چڑھا دے۔"

"اے عزی! اگر تم اس شخص خالد کو اس دفعہ قتل نہیں کرو گی تو سارے

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 597

گناہ کا بوجھ تمہاری گردن پر ہو گا۔"

جب خالد وہاں پہنچے تو اس مکان کو گرا دیا۔ اس کے بعد لوٹ کر بارگاہ رسالت میں حاضری دی۔ حضور نے پوچھا کیا کوئی چیز تم نے دیکھی؟ عرض کی، یارسول اللہ! کوئی چیز نہیں دیکھی۔ حضور نے حضرت خالد کو فرمایا، تم نے کچھ نہیں کیا۔ پھر لوٹ کر وہاں جاؤ اور مقصد کی تکمیل کرو۔ جب آپ وہاں پہنچے تو اس کوٹھے سے ایک سیاہ فام عورت جس نے اپنے بال بکھیرے ہوئے تھے نکلی، وہ واویلا کر رہی تھی، حضرت خالد نے اس پر اپنی تلوار بلند کی اور یہ شعر کہتے ہوئے اس پر تلوار کا وار کیا اور اس کا کام تمام کر دیا۔

يَا عُزّٰى كُفْرَانَكِ لَا سُبْحَانَكِ

إِنِّي رَأَيْتُ اللهَ قَدْ أَهَانَكِ (1)

"اے عزی! میں تیرا انکار کرتا ہوں اور تیری پاکی بیان نہیں کرتا۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔"

پھر آپ نے اس مکان کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا اور اس میں جو قیمتی اموال تھے وہ لے لئے اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کیا۔ فرمایا۔ تِلْكَ الْعُزّٰى وَلَا تُعْبَدُ أَبَدًا یہی عزی تھی اب کبھی بھی اس کی پرستش نہیں کی جائے گی۔ (2) یہ واقعہ 25 / رمضان المبارک کو پیش آیا۔

حضرت عمرو بن العاص کی سواع کی طرف روانگی

سواع، ہذیل قبیلہ کا بت تھا جس کی وہ پرستش کیا کرتے تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس کو ریزہ ریزہ کرنے کیلئے حضرت عمرو بن العاص کو روانہ کیا۔ حضرت عمرو کہتے ہیں کہ جب میں اس سواع نامی بت کے پاس پہنچا تو اس وقت اس کے پاس ایک خادم بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا تمہارا کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا مجھے اللہ کے رسول نے حکم دیا ہے کہ میں اس بت کو گرا کر پیوند خاک کر دوں۔ اس نے کہا۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میں نے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا کہ یہ بت اپنا دفاع خود کرے گا۔ میں نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا نادان!

1۔ ایضاً

2۔ ایضاً

ابھی تک تم باطل پر اڑے ہوئے ہو۔ تیرا خانہ خراب۔ کیا یہ کچھ سنتا اور دیکھتا ہے؟ پھر میں اس بت کے اور زیادہ قریب ہوا۔ میں نے اس پر وار کر کے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اپنے مجاہد ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس کے معبد کو گرا دیں اور جہاں یہ اپنے قیمتی اموال رکھتے ہیں وہ نکال لیں۔ لیکن وہ معبد بالکل خالی تھا۔ وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ میں نے سواع کے خادم سے کہا، اب تم نے دیکھا تمہارے اس جھوٹے خدا کا کیا انجام ہوا؟ اور وہ فوراً بولا

أَسْلَمْتُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مناۃ: مشلل کے مقام پر ان کا ایک بہت بڑا بت تھا جس کا نام منات تھا۔ اوس، خزرج اور غسان کے قبائل اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سعد بن زید الاشہلی کو بیس سواروں کے ساتھ روانہ فرمایا تاکہ منات کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ اس کے پاس بھی اس کا ایک خادم موجود تھا۔ اس نے حضرت سعد سے پوچھا آپ کیسے آئے ہیں؟ آپ نے فرمایا، میں تمہارے اس جھوٹے خدا کو گرانے کیلئے آیا ہوں۔ اس نے کہا تم جانو اور وہ جانے، میں کوئی مداخلت نہیں کروں گا۔ چنانچہ وہ ایک طرف ہو گیا۔ حضرت سعد چل کر مناۃ کی طرف گئے۔ وہاں سے ایک عریاں عورت نکلی جو سیاہ فام تھی۔ اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ واویلا کر رہی تھی اور سینہ کوبی کر رہی تھی۔ اس کے نوکر نے کہا، اے مناۃ! یہ ہیں تیرے نافرمان! حضرت سعد نے اس عورت پر وار کیا اور اس کو قتل کر دیا۔ پھر اپنے مجاہدین کے ساتھ اس بت کے پاس آئے اور اس کو گرا کر پیوند خاک کر دیا۔ اس کے مخزن سے بھی کوئی قیمتی چیز دستیاب نہیں ہوئی۔ فرمان رسالت کی تعمیل کرنے کے بعد حضرت سعد واپس آئے۔ اس دن رمضان المبارک کی چوبیس تاریخ تھی۔(1)

انصار علیہم الرضوان کے وسوسوں کا ازالہ

جب مکہ فتح ہو گیا۔ اسلام کی عظمت کا پرچم اس کی نورانی فضاؤں میں لہرانے لگا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے خون کے پیاسے دشمنوں کیلئے عفو عام کا اعلان فرما کر ان کے دلوں کو بھی فتح کر لیا۔ فتح مبین کے ان مسرت بخش اور فرحت آگیں لمحوں میں انصار کو ایک اندیشہ نے بے قرار کر دیا۔ وہ جانتے تھے کہ مکہ مکرمہ میں اللہ تعالیٰ کا مقدس گھر ہے۔

1۔ محمد بن محمد بن سید الناس (م 734ھ)، "عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر"، بیروت، دار المعرفہ، ب ت، جلد 2، صفحہ 184-185

جس کے باعث اس خطہ کو بڑی عظمتیں اور عزتیں نصیب ہو گئی ہیں۔ یہی شہر رحمت عالم ﷺ کی جائے ولادت بھی ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کے قبیلہ نے عداوت وعناد کی سابقہ روش ترک کر کے اطاعت و غلامی کا طوق اپنے گلو کی زینت بنالیا ہے۔ ان لمحات میں انصار کو یہ خیال بار بار ستانے لگا کہ کہیں ان کا محبوب رسول انہیں چھوڑ کر اپنے پرانے وطن میں اقامت پذیر نہ ہو جائے۔ اپنے محبوب سے جدائی کا صدمہ ان سے برداشت نہ ہو سکے گا۔ یہ درد فراق کے مارے قلب حزیں کی تسکین کیلئے کہاں جائیں گے؟ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی جدائی کا تصور کر کے وہ لرز لرز جایا کرتے۔

ان کا ہادی و مرشد بھی ان کی ان بے چینیوں سے بے خبر نہ تھا۔ ایک روز سرکار دو عالم ﷺ اپنے جاں نثار صحابہ سمیت صفا کی پہاڑی پر تشریف فرما تھے۔ نبی کریم ﷺ نے دعا کیلئے اپنے دست مبارک اٹھائے۔ اسلام کی سربلندی اور اسلام کے مخلص مجاہدین کی فلاح دارین کیلئے بڑے عجز و نیاز سے التجائیں کیں۔ دعا کے بعد حضور پرنور اپنے انصار کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے دریافت کیا کہ تم آپس میں کیا گفتگو کر رہے تھے؟ انصار نے بات کو ٹالنا چاہا لیکن حضور نے بار بار اصرار فرمایا تو انہوں نے اپنے قلب حزیں کی داستان درد پیش کرنے کی جسارت کر لی۔

دلنواز آقا نے ان کے دلوں کو پریشان کرنے والے وسوسوں کو ہمیشہ کیلئے یہ فرما کر ختم کر دیا:

مَعَاذَ اللّٰهِ ! اَلْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ

"یعنی میں اس خیال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں تمہیں چھوڑ کر یہاں آباد ہو جاؤں۔ میری زندگی اور میری موت تمہارے ساتھ ہوگی۔"

اس قسم کے تمام وسوسوں کو اپنے دل سے نکال دو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ میری مدد فرمائی ہے جبکہ مکہ والوں نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ یہ فتح مبین تمہاری مخلصانہ اور جانگسل مساعی کا نتیجہ ہے۔ میں تمہیں چھوڑ کر چلے آنے کا تصور تک بھی نہیں کر سکتا۔ پھر ایک مرتبہ فرمایا:

لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِنَ الْاَنْصَارِ وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ

شِعْبًا وَسَلَكَ الْاَنْصَارُ شِعْبًا لَسَلَكْتُ شِعْبَ الْاَنْصَارِ (1)

"اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کے قبائل کا ایک فرد ہوتا۔ اگر انصار ایک وادی میں چلیں اور باقی لوگ دوسری وادی میں چلیں تو میں اپنے لئے اس وادی کو اختیار کروں گا جس میں انصار چل رہے ہوں گے۔"

حضور کے اس ارشاد کے بعد انصار کے بے قرار دلوں کو اطمینان ہو گیا اور سرکار دو عالم ﷺ نے جو فرمایا، اسے عملی جامہ پہنا کر سب کو مطمئن کر دیا۔

ابلیس لعین کی چیخ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس روز نبی رحمت ﷺ نے مکہ فتح کیا (اس روز شیاطین جن وانس کے گھروں میں کہرام مچ گیا) فرط غم واندوہ سے ابلیس نے ایسی زور سے چیخ ماری کہ اس کی اولاد جہاں کہیں تھی سب نے سنی۔ سب دوڑ کر اس کے پاس حاضر ہو گئے۔ ابلیس نے کہا:

اِيْأَسُوْا اَنْ تَرُدُّوْا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اِلَى الشِّرْكِ بَعْدَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَلٰكِنْ اَفْشُوْا فِيْهَا - يَعْنِيْ مَكَّةَ النَّوْحَ وَالشِّعْرَ

"اے میرے بچو! اب اس بات سے تم مایوس ہو جاؤ کہ محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی امت کو آج کے دن کے بعد تم شرک کی طرف لوٹا دو گے۔ البتہ ان میں نوحہ اور شعر گوئی کو عام کر دو۔"

آج کل بعض متشدد حلقوں کی طرف سے امت محمدیہ کے سواد اعظم پر مشرک ہونے کا فتویٰ لگایا جاتا ہے اور بڑے دھڑلے سے فرزندان توحید کو مشرک کہا جاتا ہے۔ قارئین کی خدمت میں رحمت عالم ﷺ کے ایک خطبہ کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ یہ خطبہ حضور نے اپنی آخری علالت کے ایام میں مسجد نبوی شریف کے منبر پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا تھا۔ اسے امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں روایت کیا ہے جس کی صحت کے بارے میں کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

1۔ "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1114

ثُمَّ طَلَعَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ إِنِّي بَيْنَ أَيْدِيكُمْ فَرَطٌ وَأَنَا عَلَيْكُمْ شَهِيدٌ وَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ وَإِنِّي لَأَنْظُرُ إِلَيْهِ مِنْ مَقَامِي هٰذَا وَإِنِّي قَدْ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ وَإِنِّي لَسْتُ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي وَلٰكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا وَتَهْلِكُوا كَمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ۔ (1)

''منبر پر تشریف فرما ہو کر نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: میں تمہارا پیشرو ہوں۔ میں تم پر گواہی دوں گا اور بیشک حوض کوثر پر میری تم سے ملاقات ہوگی اور میں یہاں بیٹھے ہوئے حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرما دی گئی ہیں۔ مجھے قطعاً یہ اندیشہ نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے۔ البتہ مجھے خدشہ ہے کہ تم دولت اکٹھی کرنے کیلئے ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرو گے اور جس طرح پہلے لوگ ہلاک ہوئے تھے تم بھی ہلاک ہو گے۔''

مکہ سے روانگی سے پہلے، والی کا انتخاب

فتح مکہ کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے تمام اہم امور کو طے کرنے کیلئے پندرہ روز تک وہاں قیام فرمایا۔ اس عرصہ میں شاید ہی کوئی مرد یا عورت باقی رہ گئے ہوں جنہوں نے نبی رحمت کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت نہ کی ہو۔ ان نو مسلموں میں سینکڑوں حضرات ایسے تھے جو بڑی اہلیتوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان تمام میں سے سرکار دو عالم ﷺ نے مکہ کی امارت کے لئے عتاب بن اسید کو منتخب فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر صرف اکیس سال تھی۔ انہیں حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھایا کریں۔

حضور کریم نے انہیں فرمایا:

اے عتاب! کیا تم جانتے ہو کہ میں نے کن لوگوں پر تمہیں والی مقرر کیا ہے؟

پھر فرمایا۔ میں نے تمہیں اللہ عزوجل کے خاص بندوں پر والی مقرر کیا ہے اور

1۔ ابوالحسن علی الندوی، ''السیرۃ النبویہ''

اگر میری نظر میں اس منصب کیلئے تم سے کوئی بہتر آدمی ہوتا تو یقیناً میں اس کو اس منصب پر فائز کرتا۔ اب جاؤ اپنے فرائض انجام دو۔ میں نے اللہ کے خاص بندوں پر تمہیں والی مقرر کیا ہے۔ (یہ کلمات حضور نے تین مرتبہ دہرائے) میں تمہیں ان کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔

حضرت عتاب رضی اللہ عنہ مومنین کیلئے بڑے نرم خو تھے اور کفار کے لئے بڑے سخت تھے۔ ان کے علاوہ حضور نے حضرت معاذ بن جبل کو مکہ میں معلم کی حیثیت سے۔ متعین فرمایا تاکہ وہ مسلمانوں کو دین اسلام کے عقائد، عبادات اور دیگر احکام کے بارے میں انہیں تعلیم دیں۔

حضور سرور عالم ﷺ نے گورنر مکہ حضرت عتاب کیلئے ایک درہم یومیہ وظیفہ مقرر فرمایا۔ حضرت عتاب فرمایا کرتے ایک درہم سے جس شخص کا پیٹ نہیں بھرتا اللہ تعالیٰ اس کے پیٹ کو کبھی سیر نہ کرے۔ ایک دن آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، اے لوگو! جو آدمی ایک درہم یومیہ وظیفہ کے باوجود بھوکا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے کلیجہ کو ہمیشہ بھوکا رکھے۔

رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے ایک درہم روزانہ وظیفہ مقرر فرمایا۔ مجھے اب کسی چیز کی حاجت نہیں۔ آپ اس منصب پر حضرت صدیق اکبر کی خلافت کے اختتام تک فائز رہے۔ حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ انہوں نے بھی داعی اجل کو اس وقت لبیک کہا جس روز اللہ تعالیٰ کے محبوب کا یار غار صدیق اکبر راہی ملک بقا ہوا (1)۔ رضی اللہ عنہ وعن سائر الصحابۃ۔

رومانیہ کے وزیر خارجہ کے تاثرات

کونستانس جورجیو وزیر خارجہ رومانیہ نے فتح مکہ کے ذکر کا اختتام کرتے ہوئے چند امور کی طرف اشارہ کیا ہے جن کے مطالعہ سے قارئین کی معلومات میں اضافہ کی امید کی جاسکتی ہے۔ اس لئے یہاں ان امور کو نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ ہمارے قارئین بھی مستفید ہو سکیں:

فاتح قلوب وعقول ﷺ نے جس روز کعبہ مقدسہ کو اصنام واوثان کی نجاستوں سے پاک کیا اور مکہ کی شرک آلود فضاؤں میں پرچم اسلام کو لہرایا، اس روز کعبہ کے مخزن میں چار

1۔ شوقی ابو خلیل، "فتح مکہ"

سو بیس مثقال زر خالص موجود تھا۔ صادق و امین نبی نے اعلان فرمایا کہ اس زر خالص کو کوئی ہاتھ تک نہ لگائے۔ یہ بدستور کعبہ کے خزانہ میں محفوظ رہے گا اور اسے بیت اللہ شریف پر خرچ کیا جائے گا۔ (1)

فتح مکہ کے بعد دس روز کی مدت میں دو ہزار قریشیوں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ جو قریشی اسلام قبول کرنا چاہتا وہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے سے گزرتا۔ کلمہ شہادت پڑھتا اور یہ وعدہ بھی کرتا کہ وہ آئندہ کسی پاک دامن خاتون کے ساتھ بدکاری نہیں کرے گا۔ بدکاری سے اجتناب کا اعلان ہر مسلم کے لئے اس لئے ضروری قرار دیا گیا کہ مکہ میں زناکاری کا رواج عام تھا۔ پیشہ ور عورتوں کے مکانوں پر جھنڈا لہرایا کرتا جو اس بات کا اعلان تھا کہ یہاں فساق و فجار مردوں کے استقبال کے لئے ان جیسی بازاری خواتین موجود ہیں۔ وہاں جا کر بدکاری کرنے سے کسی کو شرمانے کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے ہر نو مسلم کیلئے جو پاکیزہ مسلم معاشرہ کا فرد بننا چاہتا تھا، اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ شہادتین کے اعلان کے ساتھ یہ بھی اعلان کرے کہ وہ آئندہ اپنے دامن عفت کو ہرگز آلودہ نہیں ہونے دے گا۔ مکہ کا شہر جو اس زمانہ میں سیاسی کاروباری مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ مذہبی مرکز بھی تھا، وہاں فسق و فجور کا دور دورہ تھا۔ اسلام کے نور کے پھیلنے سے صرف بتوں کی خدائی کا ہی تختہ الٹ نہیں گیا تھا بلکہ فسق و فجور پر بھی پابندی لگا دی گئی تھی۔ تقویٰ و پارسائی کے عہد کا بھی آغاز کر دیا گیا تھا۔ مکہ کے اہل ثروت کھلے بندوں مے خواری کا شوق پورا کیا کرتے اور قمار بازی سے اپنے دلوں کو لبھایا کرتے۔ مکہ کے افق پر اسلام کے آفتاب کے طلوع ہونے سے ان قباحتوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا گیا۔

فتح مکہ کے بعد سرور عالم ﷺ پندرہ روز تک یہاں تشریف فرما رہے۔ حضور کی طلعت زیبا کے نور کی کرنیں قلوب و اذہان کو مطلع انوار بناتی رہیں۔ اس عرصہ میں مکہ کے تقریباً تمام باشندوں نے اسلام قبول کر لیا جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا کا دل افروز منظر مکہ کے گوشہ گوشہ میں دکھائی دینے لگا۔ (2)

1۔ "نظرة جديدة" صفحہ 359

2۔ ایضاً، 360

نبی اکرم ﷺ کی بے مثال عسکری قیادت

فتح مکہ کے تاریخ ساز معرکہ کے تفصیلی حالات کا آپ نے مطالعہ فرمالیا۔ اگرچہ سرور عالم ﷺ کا ہر اقدام اپنے اندر معجزانہ شان رکھتا ہے۔ لیکن چند ایسے واقعات بھی ہیں جو قارئین کرام کیلئے خصوصاً حرب و ضرب کی تاریخ کے طالب علموں کے لئے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ اگر وہ ان کا بغور مطالعہ کریں گے تو خود ان کی جنگی صلاحیتوں کو نشوونما پانے کا زریں موقع ملے گا۔ اس میدان میں ہادی برحق کے نقوش پا کو اگر وہ اپنا خضر راہ بنائیں گے تو وہ اس کی برکت سے فن حرب کو ایسا مواد فراہم کریں گے کہ جنگیں تباہی و بربادی کا نقیب ہونے کے بجائے نوع انسانی کیلئے امن و عافیت کی روح پرور نوید ثابت ہوں گی۔

فرزندان اسلام قبل ازیں بیشمار معرکوں میں کفار کے سر غرور کو خاک میں ملا چکے تھے اور ان کی شجاعت و بہادری کے کھوکھلے نعروں کی قلعی کھول چکے تھے۔ معرکہ بدر، غزوۂ احزاب اور غزوۂ خیبر وغیرہ میں انہوں نے اپنی قوت ایمانی سے دشمن کے ٹڈی دل لشکروں کو شرم ناک ہزیمتوں سے دوچار کیا تھا۔ ابوسفیان نے جزیرۂ عرب کے تمام بت پرست قبائل کی اجتماعی قوت کے ساتھ مدینہ طیبہ پر دھاوا بولا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ وہ مسلمانوں کا نام ونشان تک مٹادیں گے اور دنیا کے نقشہ سے مدینہ کی بستی کو ملیامیٹ کردیں گے۔ لیکن اسلام کے شیروں نے کفروشرک کی لومڑیوں کو اس جنگ میں وہ شرم ناک شکست دی کہ ان کے غبارہ سے ہمیشہ کیلئے ہوا نکل گئی۔ ہادی انس و جان ﷺ نے اس وقت برملا اعلان فرما دیا کہ آئندہ کفار کو ہم پر حملہ کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوگی، اب ہم ہی ان پر حملہ آور ہوا کریں گے۔

صلح حدیبیہ کے بعد فرزندان اسلام کو جب مکہ میں آمدورفت کی آزادی حاصل ہوگئی اور دیگر مشرک قبائل میں بھی وہ آنے جانے لگے تو بہت سے دل جو کفر کی ظلمتوں میں ڈوبے ہوئے تھے، وہاں اسلام کا نور روشنی پھیلانے لگا۔ مکہ میں اب شاید ہی کوئی گھرانہ رہ گیا ہو جہاں گھر کے کسی نہ کسی فرد نے اسلام قبول نہ کرلیا ہو۔ رحمت عالمیاں اپنے جاں نثار غلاموں کے ساتھ جب صلح حدیبیہ کے دوسرے سال عمرہ کی قضا کیلئے تشریف لائے تو فرزندان اسلام کی شان جلال و جمال سے اہل مکہ ایسے مرعوب ہوئے کہ ان میں یہ حوصلہ

ہی دم توڑ گیا کہ وہ پھر کبھی مسلمانوں کو دعوت مبارزت دے سکتے۔ جس یکجہتی اور اتحاد کا مظاہرہ جنگ بدر سے پہلے کیا تھا اور اپنے باطل معبودوں کی جھوٹی خدائی کو بچانے کے لئے جس جوش وخروش کے ساتھ انہوں نے جنگ احزاب میں مدینہ پر چڑھائی کی تھی، اب اس کا نام ونشان تک بھی باقی نہ رہا تھا۔ مکہ کی نصف کے قریب آبادی حلقہ بگوش اسلام ہو چکی تھی۔ نیز ابو جہل اور ابو لہب کی ہلاکت کے بعد اہل مکہ جاندار قیادت سے بھی محروم ہو چکے تھے۔ اب ان کی قیادت کی باگ ڈور ابو سفیان کے ہاتھ میں تھی جس کو اس کی بیوی مجمع عام میں گالیاں نکالتی تھی اور اس کی مونچھیں مروڑ کر لوگوں کو کہتی تھی کہ اس بدبخت تیل کے مٹکے کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔

جب اہل مکہ کے دلوں میں اپنے بتوں کی خدائی کے بچانے کے لئے وہ جوش وخروش دم توڑ چکا تھا۔ جب مکہ کی آبادی کا کافی حصہ حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا۔ جب ابو جہل جیسی دبنگ قیادت کے بجائے ابو سفیان کی کمزور اور بے جان قیادت نے جگہ لے لی تھی۔ اب مکہ پر چڑھائی کرنے میں مسلمانوں کو کسی خطرناک مقاومت کا اندیشہ نہ تھا۔ اگر اسلامی لشکر کی تعداد دو تین ہزار ہوتی تب بھی وہ بآسانی مکہ پر قبضہ کر سکتے تھے۔ لیکن سرور عالم ﷺ نے اس مہم کے لئے اس قدر تیاری فرمائی کہ آج تک کسی جنگ کیلئے نہیں فرمائی تھی۔ نہ صرف تمام مہاجرین اور انصار کو اسلامی لشکر میں شریک ہونے کا حکم دیا بلکہ بیرون مدینہ جو قبائل آباد تھے ان میں جن خوش نصیبوں نے اسلام قبول کیا تھا ان کو بھی تاکیدی حکم بھیجا کہ وہ سب اس ماہ رمضان میں مدینہ طیبہ میں حاضر ہو جائیں۔ اس غیر معمولی تیاری کا مقصد یہ تھا کہ اس معرکہ میں ناکامی کا ایک فیصد احتمال بھی باقی نہ رہ جائے۔ قائد لشکر اسلامیاں ﷺ کفر وشرک کے مرکز مکہ پر ہر صورت میں قبضہ کرنا چاہتے تھے تاکہ یہ جنگ کفار کے ساتھ آخری اور فیصلہ کن ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ کا وہ مقدس گھر جس کو حضرت خلیل نے محض اس لئے تعمیر کیا تھا کہ وہاں صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی جائے، وہاں اب تین سو ساٹھ اندھے اور بہرے خداؤں کی دھوم دھام سے پوجا پاٹ ہو رہی تھی۔ اس مہم کا مقصد یہ تھا کہ اس مقدس گھر کو بتوں کی نجاست سے ہمیشہ کیلئے پاک کر دیا جائے تاکہ انسان صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بے ہمتا کے سامنے سجدہ ریز ہوں۔

اس سلسلہ میں دوسرا اہم اقدام جو نبی رحمت نے فرمایا، وہ یہ تھا کہ اس مہم کو مکمل طور پر

صیغہ راز میں رکھا گیا تاکہ دشمن قبل از وقت اس مہم پر مطلع ہو کر مقابلہ کیلئے تیاری شروع نہ کر دے اس مقصد کیلئے مدینہ طیبہ کے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی گئی اور ہر اہم جگہ پر پہرے دار مقرر کر دیئے تاکہ دشمن کا کوئی جاسوس نہ مدینہ طیبہ میں داخل ہو سکے اور نہ یہاں سے معلومات حاصل کر کے باہر نکل سکے۔ اس اہم کام کا انچارج اس مردم شناس نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ ان سے زیادہ بیدار مغز اور نظم و نسق کے معاملہ میں ماہر اور کون ہو سکتا تھا۔ آپ جب بھی کسی اجنبی آدمی کو مدینہ طیبہ میں داخل ہوتا یا نکلتا دیکھتے تو اس کو پکڑ لیتے۔ اس کے بارے میں پوری طرح چھان بین کرتے۔ تب اس کو رہا کرتے۔ اس رازداری کا مقصد یہ تھا کہ یہ حملہ دشمن پر اچانک کیا جائے۔ اس حملہ کے بارے میں اس کو پہلے سے کوئی معلومات میسر نہ ہوں تاکہ وہ تیاری کر کے اسلامی لشکر کا راستہ روکنے کی جرأت نہ کر سکے۔

ان ظاہری انتظامات کے باوجود حضور بڑے عجز و نیاز سے اپنے رب کریم کی بارگاہ میں یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے: الٰہی! اہل مکہ کی آنکھوں کو اندھا اور ان کے کانوں کو بہرہ کر دے تاکہ ہماری ان تیاریوں سے وہ بے خبر رہیں۔ اسی دعا کی برکت تھی اور انہی دانشمندانہ کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اتنا بڑا لشکر مدینہ طیبہ سے روانہ ہو کر مر الظہران تک جو مکہ سے چند مراحل کے فاصلہ پر ہے، پہنچ گیا لیکن کفار کو اس کی کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔ جب راہبر انسانیت اپنے جاں نثاروں کے اس لشکر جرار کے ساتھ مر الظہران تک پہنچ گئے تو اب اپنے لشکر کی پیش قدمی کو صیغہ راز میں رکھنے کی ضرورت نہ رہی۔ بلکہ جاہ و جلال کے ساتھ اپنی پوری طاقت کے مظاہرہ کرنے کا وقت آ گیا۔ چنانچہ مر الظہران کے مقام پر شب باشی کا پروگرام طے ہوا۔ سرکار نے مجاہدین اسلام کو حکم دیا کہ اس وسیع و عریض وادی میں اپنے خیمے نصب کریں اور ہر خیمہ کے سامنے آگ کا الاؤ روشن کر دیں یہاں تک کہ رات کی تاریکی میں آگ کی چمک آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی۔ میلوں میں پھیلے ہوئے لشکر اسلام کے اس کیمپ کو جب اہل مکہ نے دیکھا تو وہ ہوش و حواس گم کر بیٹھے۔ ابو سفیان اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ جب اسلامی کیمپ کے قریب پہنچا تو یہ پر جلال اور مرعوب کن منظر دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔

حضور انور نے اپنے چند مجاہدین کو حکم دیا کہ ابو سفیان مر الظہران میں آیا ہوا ہے، اسے

پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ مسلمانوں نے اس کو ڈھونڈ نکالا اور اسے پکڑ کر بارگاہ نبوت میں حاضر کر دیا۔ حضور نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو رات کو اپنے پاس رکھیں اور صبح میرے پاس لے آئیں۔ صبح جب اس نے واپس مکہ جانے کی اجازت طلب کی تو سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ وہ ابوسفیان کے ساتھ جائیں اور وادی کے کنارہ پر اسے کھڑا کریں تاکہ اسلام کے لشکر جرار کے دستے پوری طرح مسلح ہو کر اسلام کا پرچم لہراتے ہوئے نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے ہوئے اس کے پاس سے گزریں۔ وہ اپنی آنکھوں سے ان کے جاہ و جلال کا مشاہدہ کرے اور پھر مکہ میں جا کر وہاں کے باشندوں کو مجاہدین اسلام کی قوت و سطوت سے آگاہ کرے تاکہ ان کے ذہن میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا خیال تک بھی پیدا نہ ہو۔

کافی دیر تک فوجی نظم و ضبط کے ساتھ سرفروشان اسلام کے چاق و چوبند دستے اس کے سامنے سے گزرتے رہے اور وہ ان کا مشاہدہ کرتا رہا۔ لشکر اسلام کی نمائش کا مقصد یہ تھا کہ دشمن مرعوب ہو جائے اور جنگ کرنے کا خیال تک بھی اس کے دل سے نکل جائے۔ نہ جنگ کی نوبت آئے گی نہ قتل عام ہوگا، نہ خون کے دریا بہیں گے اور نہ خاندان جنگ میں اپنے سربراہوں کے لقمہ اجل بننے سے ویران و برباد ہوں گے۔

غزوۂ حُنین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ

وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ

اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ

شَیْــٴًـا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ

بیشک مدد فرمائی تمہاری اللہ تعالیٰ نے بہت سے جنگی میدانوں
میں اور حنین کے روز بھی جبکہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری
کثرت نے پس نہ فائدہ دیا تمہیں (اس کثرت نے) کچھ بھی اور تنگ
ہوگئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے اور تم مڑے پیٹھ پھیرتے
ہوئے ۔ (التوبۃ آیت ۲۵)

غزوہ حنین

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۔ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ (1)

”بیشک مدد فرمائی تمہاری اللہ تعالیٰ نے بہت سے جنگی میدانوں میں اور حنین کے روز بھی جبکہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے۔ پس نہ فائدہ دیا تمہیں اس کثرت نے کچھ بھی اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے۔ پھر تم مڑے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔ پھر نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص تسکین اپنے رسول پر اور اہل ایمان پر اور اتارے وہ لشکر جنہیں تم نہ دیکھ سکے۔ اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے کافروں کی۔ پھر رحمت سے توجہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ اس کے بعد جس پر چاہے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔“

مکہ مکرمہ سے جانب شمال مشرق چودہ پندرہ میل کی مسافت پر ایک وادی ہے جو حنین کے نام سے مشہور ہے۔ بعض جغرافیہ دانوں نے لکھا ہے کہ ایک چشمہ کا نام حنین تھا جس کی وجہ سے یہ ساری وادی حنین کہلائی۔ یہاں قبیلہ ہوازن سکونت پذیر تھا۔ اس قبیلہ کا نسب یوں بیان کیا گیا ہے۔

1۔ سورۃ التوبہ : 25-27

ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان بن الیاس بن مضر (1)

اس قبیلہ کو اپنی افرادی کثرت، اپنے نوجوانوں کی شجاعت و بسالت اور فنون سپہ گری خصوصاً تیر اندازی میں ان کی بے نظیر مہارت کے باعث تمام عرب قبائل میں ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔ اس وادی میں ایک جگہ کا نام اوطاس ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں لشکر اسلام سے ان کی فیصلہ کن جنگ ہوئی تھی۔ کتب سیرت میں یہ غزوہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ اوطاس کے نام سے معروف ہے۔

مکہ، جو صدیوں سے کفر و شرک کا گڑھ بنا ہوا تھا جب اس کی فضاؤں میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور قبیلہ قریش جنہوں نے انیس بیس سال تک ہادی برحق مرشد اعظم ﷺ کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا تھا، آخر کار انہوں نے پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ ان کی غالب اکثریت نے اس دین کو دل و جان سے قبول کر لیا جس کو مٹانے کیلئے انہوں نے سالہا سال تک اپنے بزرگوں اور جوانوں کی بے دریغ قربانیاں دی تھیں اور اسلام قبول کرنے والوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے تھے۔ عرب کے بیشتر قبائل اسلام قبول کرنے کے بارے میں اس بات کے منتظر تھے کہ فرزندان توحید اور مکہ کے قریش میں جو جنگ عرصہ دراز سے بڑی شدت سے جاری ہے، اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ انہوں نے اپنے دل میں یہ طے کیا ہوا تھا کہ اگر مسلمان مکہ کو فتح کر لیتے ہیں اور قریش کو آخری شکست سے دوچار کر دیتے ہیں تو یہ اسلام کے دین برحق ہونے کی قطعی دلیل ہو گی۔ اس وقت ہم اسلام کو بلا تامل قبول کر لیں گے۔ چنانچہ جب سرور عالم ﷺ نے مکہ کو فتح کر لیا اور قبائل قریش کی اکثریت نے صدق دل سے اسلام قبول کر لیا تو جزیرۂ عرب کے بیشتر قبائل فوج در فوج بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے لگے لیکن قبیلہ ہوازن اور ثقیف کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ قریش کے ساتھ عرصہ دراز سے ان کی جنگیں ہو رہی تھیں اور وہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کیلئے حدود حرم اور اشہر حرم (محترم و پر امن مہینے) میں بھی جنگ کرنے سے باز نہ آتے تھے۔ اس لئے وہ لڑائیاں جو ان دو قبیلوں کے درمیان لڑی گئی تھیں وہ "حرب فجار" کے نام سے مشہور ہیں۔

جب قریش نے اپنی شکست تسلیم کر کے اسلام قبول کر لیا تو ان مشرکانہ عقائد کی حفاظت

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 307

کیلئے اور اس کے پرچم کو بلند کرنے کیلئے ہوازن میدان میں نکل آئے۔ انہیں اپنی قوت پر بڑا ناز تھا، اس لئے انہوں نے اپنے تمام حلیف قبیلوں کو ساتھ لے کر سرور عالم ﷺ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ انہیں یقین تھا کہ وہ بڑی آسانی سے اسلام کے پرچم کو سرنگوں کر لیں گے اور سارا عرب ان کی عظمت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گا کہ جو معرکہ قریش کے سورما، سالہا سال کی جدوجہد کے باوجود سر نہ کر سکے ہوازن کے بہادروں نے ایک بلہ میں ہی مسلمانوں کا کچومر نکال دیا اور اسلام کی شمع کو گل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ قریش کے ساتھ اس منافست کے جذبہ نے انہیں لشکر اسلام پر حملہ کرنے کیلئے برانگیختہ کر دیا۔

دوسری بات جس نے ان کو مسلمانوں پر حملہ کیلئے برانگیختہ کیا، یہ تھی کہ مکہ کو فتح کرنے کے بعد اس کے اطراف واکناف میں جتنے مشہور صنم کدے تھے ان کو منہدم کرنے کیلئے سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے فوجی دستے بھیجے اور ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ خصوصاً عزیٰ کے استھان کو جب پیوند خاک کیا گیا تو ہوازن کے قبائل بھڑک اٹھے اور انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کرنے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ بیس ہزار کا لشکر اپنی بیگمات، بچوں اور مویشیوں سمیت مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے میدان میں نکل آیا۔ انہوں نے یہ قطعی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ فتح حاصل کریں گے یا اپنی جانیں دیدیں گے۔(1)

ان امور کے علاوہ جب سرکار دو عالم ﷺ نے مکہ مکرمہ کو فتح کر لیا اور قریش نے اطاعت قبول کر لی تو ان حالات کو دیکھ کر قبیلہ ہوازن اور قبیلہ ثقیف کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ اب ان کی باری ہے، لشکر اسلام اب ان پر حملہ کرے گا۔ قبیلہ ہوازن کے رئیس مالک بن عوف النصری نے اور قبیلہ ثقیف کے امیر کنانہ بن عبد یالیل نے اس صورت حال سے نپٹنے کیلئے باہمی مشورے شروع کئے۔ مجلس مشاورت میں دونوں قبیلوں کے اہل الرائے کو بھی مدعو کیا گیا۔

سب نے اتفاق رائے سے یہ طے کیا کہ اگر ہم نے کوئی قدم اٹھانے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا تو مسلمان پہلی فرصت میں ہم پر دھاوا بول دیں گے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ وہ پہل کریں ہمیں فوری قدم اٹھانا چاہئے اور ادنیٰ تاخیر کے بغیر ان پر ہلہ بول دینا چاہئے۔ چنانچہ قبیلہ ہوازن، اور قبیلہ ثقیف کے تمام لوگ اس مہم میں شرکت کیلئے آمادہ ہو گئے۔

1۔ "نظریہ جدیدہ"، صفحہ 361-362

ان کے علاوہ قبیلہ نصر، جشم، بنی ہلال اور حلیمہ سعدیہ کے قبیلہ بنو سعد بن بکر نے بھی مالک بن عوف کے پرچم تلے جمع ہو کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے فیصلہ کی تائید کر دی۔

لیکن قبیلہ ہوازن کے دو خاندانوں کعب اور کلاب نے اس لشکر میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ ابن ابی براء نے جوان کا ایک زیرک رئیس تھا، اس نے انہیں اس جنگ میں شامل ہونے سے روکا تھا اور انہیں کہا تھا کہ بخدا! تم کتنے دور بھاگ جاؤ، محمد ﷺ تم پر غالب آجائیں گے۔(1)

علامہ زینی دحلان کی تحقیق کے مطابق لشکر کفار کی تعداد تیس ہزار تھی۔ سب نے اتفاق رائے سے مالک بن عوف النصری کو سپہ سالار اعلیٰ مقرر کیا۔ مالک بن عوف کی عمر اس وقت تیس سال تھی البتہ اس پر یہ شرط عائد کی گئی کہ وہ درید بن الصمہ کی رائے پر عمل پیرا ہو گا۔ اور اس کے مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائے گا۔(2)

جب یہ لشکر جرار میدان جنگ کی طرف روانہ ہونے لگا تو ان کے کمانڈر انچیف مالک نے حکم دیا کہ سب لشکری اپنی بیویوں، بچوں اور مال مویشی کو ہمراہ لے کر میدان جنگ کی طرف روانہ ہوں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جب ان کے اہل و عیال اور مال مویشی ان کے ہمراہ ہوں گے تو وہ کسی قیمت پر میدان جنگ سے فرار ہونا گوارا نہ کریں گے اور بڑی ثابت قدمی سے داد شجاعت دیں گے۔ جب یہ لشکر اوطاس کی وادی میں پہنچا تو وہاں اسے خیمہ زن ہونے کا حکم دیا گیا۔ پھر سب لوگ اپنے سپہ سالار اعلیٰ مالک بن عوف کے پاس جمع ہوئے۔ بنو جشم میں ایک پیر فرتوت تھا جس کی عمر ایک سو بیس سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ اس کی بینائی بھی جاتی رہی تھی۔ وہ خود تو جنگی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے قابل نہیں رہا تھا لیکن جنگی امور میں اس کی مہارت اور طویل تجربہ نے ان معاملات میں اس کی ذات کو بہت اہم بنا دیا تھا۔ اس بوڑھے کا نام درید بن الصمہ تھا۔ جسے ایک ہودج میں بٹھا کر یہاں لایا گیا تھا۔ جب وہ ہودج سے نیچے اترا تو اس نے پوچھا یہ کون سی جگہ ہے؟ اسے بتایا گیا کہ وادی اوطاس ہے۔ درید نے کہا کہ یہ وادی گھوڑوں کیلئے بہترین جولانگاہ ہے، نہ تو یہاں تیز نوک دار پتھر ہیں کہ گھوڑوں کے سموں کو زخمی کر کے ناکارہ کر دیں اور نہ یہ ریتلا میدان ہے کہ گھوڑوں کے پاؤں

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 459

2۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 307

اس میں دھنس جائیں۔

پھر درید نے پوچھا کہ اونٹوں کے بلبلانے، گدھوں کے رینکنے، بچوں کے رونے اور بھیڑوں کے ممیانے کی آوازیں کہاں سے سن رہا ہوں؟ اسے بتایا گیا کہ مالک کے حکم کے مطابق لوگ اپنے بچوں، عورتوں اور مال مویشی کو اپنے ہمراہ لے آئے ہیں، یہ ان کی آوازیں ہیں اس نے پوچھا مالک کہاں ہے؟ لوگوں نے مالک کو بلا کر اس کے سامنے پیش کر دیا۔ درید نے اسے کہا:

"اے مالک! تم اب اپنی قوم کے رئیس ہو اور آج کا دن بڑی اہمیت کا حامل ہے، جو کام آج کیا جائے گا، اس سے ہمارا مستقبل بھی متاثر ہوگا۔ مجھے اونٹوں کے بلبلانے، گدھوں کے رینکنے، بچوں کے رونے اور بھیڑوں کے ممیانے کی آوازیں کیوں سنائی دے رہی ہیں؟ مالک نے کہا کہ میں نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال اور مال مویشی اپنے ہمراہ لے آئیں۔ درید نے پوچھا کہ تم نے لوگوں کو یہ حکم کیوں دیا ہے؟ مالک نے کہا تا کہ یہ لوگ جنگ میں سر دھڑ کی بازی لگا دیں اور کوئی شخص بھی میدان جنگ سے فرار ہونے کا تصور نہ کرے۔

درید نے مالک کو جھڑکتے ہوئے بلند آواز سے کہا:

تم نرے بھیڑوں کے چرواہے ہو، جنگی امور سے تمہارا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کیا شکست کھا کر بھاگنے والے کو کوئی چیز روک سکتی ہے؟ اس روز جنگ میں تمہیں فتح نصیب ہوئی تو اس کا باعث وہ بہادر سپاہی ہوں گے جن کے ہاتھوں میں چمکدار تلواریں لہرا رہی ہوں گی اور جن کے کندھوں پر چمکدار سنان والے نیزے ہوں گے۔ اور اگر اس معاملہ کے برعکس ہوا اور شکست تمہارے مقدر میں ہوئی تو تم صرف جنگ ہی نہیں ہارو گے بلکہ اپنی عزت و ناموس کو بھی خاک میں ملا دو گے۔ تمہیں معلوم نہیں تمہارا مدمقابل کون ہے؟ تمہارا مدمقابل وہ کریم النفس شخص ہے جس نے سارے عرب کو روند ڈالا ہے۔ شاہان عجم اس کی ہیبت سے لرزاں و ترساں ہیں۔ جس نے یہودیوں کو ان کے مستحکم قلعوں سے نکال باہر کیا ہے۔" (1)

1۔ شوقی ابو خلیل، "حنین و طائف"، دمشق، دار الفکر، صفحہ 16

درید نے پھر لوگوں سے پوچھا کعب اور کلاب نے کیا کیا ہے، کیا وہ تمہارے ساتھ اس جنگ میں شرکت کر رہے ہیں؟ مالک نے کہا، ان میں سے تو ایک فرد بھی ہمارے ساتھ نہیں۔ درید نے یہ سن کر کہا، پھر تو ہمارے ساتھ نہ تیز دھار ہتھیاروں والے ہیں اور نہ عزت و جاہ کے مالک ہیں۔ اگر ہماری فتح و کامرانی کا دن ہوتا تو کعب اور کلاب بھی یہاں سے غیر حاضر نہ ہوتے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم بھی ان کی پیروی کرو اور جنگ چھڑنے سے پہلے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔

مالک نے جب ماہر فنون حرب درید کی یہ بات سنی تو اس نے غضبناک ہو کر کہا، بخدا! میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ تم اب پیر فرتوت ہو۔ تم اور تمہاری عقل بوڑھی اور ناکارہ ہو گئی ہے۔ اے قبیلہ ہوازن! یا تو تم میرے حکم کی تعمیل کرو گے یا میں اپنا سینہ تلوار کی نوک پر رکھ کر دباؤں گا یہاں تک کہ تلوار میری پشت سے باہر نکل آئے۔

مالک از راہ حسد یہ برداشت نہ کر سکا کہ اس معرکہ کے سر کرنے میں لوگ درید کا نام بھی لیں۔ یہ سارا شرف وہ اپنے لئے مخصوص کرنا چاہتا تھا۔ درید بن الصمہ نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

> اے قبیلہ ہوازن کے جوانو! یہ شخص (مالک) تمہیں ذلیل و رسوا کرنا چاہتا ہے۔ تمہاری عورتوں کی عصمت و آبرو کو خاک میں ملانا چاہتا ہے۔ تمہاری اولاد کو غلامی کی ذلت سے دوچار کرنا چاہتا ہے۔ جب گھمسان کا رن پڑے گا تو یہ تمہیں دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ کر خود بھاگ جائے گا اور طائف کے قلعہ میں جا کر پناہ لے لے گا۔ اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ تم گھر لوٹ جاؤ اور اسے تنہا چھوڑ دو۔

لوگوں نے درید کے اس مشورہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جب درید نے اپنی قوم کا یہ رویہ دیکھا تو بصد حسرت کہنے لگا۔۔ میری زندگی کا یہ وہ منحوس دن ہے کہ میں اس روز نہ حاضر ہوں نہ غائب۔ (1)

مالک نے درید سے کہا کہ ہم تمہارے اس مشورہ کو مسترد کرتے ہیں۔ ان حالات میں اگر تم ہمیں کوئی اور مشورہ دینا چاہتے ہو تو بتاؤ۔ درید نے کہا کہ "مسلمانوں کے راستہ میں جو کمین گاہیں ہیں تم وہاں اپنے سپاہیوں کو بٹھا دینا وہ تیرے لئے بڑے معاون ثابت ہوں گے۔

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 99 و "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 460

اگر مسلمانوں نے تم پر حملہ کرنے میں پہل کی توان کمین گاہوں میں چھپے ہوئے تمہارے سپاہی ان کی پشت پر حملہ کر دیں گے اور تو سامنے سے ان پر پلٹ کر حملہ کرے گا تو تم ان کا کچومر نکال دو گے، اور اگر حملہ کرنے میں پہل تم نے کی تو مسلمانوں کا کوئی فرد بچنے نہیں پائے گا۔

چنانچہ اس راہ میں جتنی کمین گاہیں تھیں وہاں اس نے اپنے تیر انداز سپاہی متعین کر دیئے اور انہیں حکم دیا کہ جب مسلمان یہاں سے گزریں توان پر دفعتہ ٹوٹ پڑنا۔(1)

لشکر کے کوچ کرنے سے پہلے مالک نے حکم دیا کہ سب سے آگے شتر سوار بہادروں کی صفیں ہوں، پیدل سپاہی ان کے پیچھے پیچھے اپنی صفیں درست کریں، پھر عورتیں اونٹوں پر سوار کر کے جنگجو بہادروں کے پیچھے صفوں میں کھڑی کی جائیں، عورتوں کے بعد اونٹ، گائے اور بکریاں کھڑی کی جائیں تاکہ کوئی بھی راہ فرار اختیار کرنے کا تصور تک نہ کر سکے اور اپنی عصمتوں، اپنے بچوں اور اپنے اموال کی حفاظت کیلئے لوگ جانیں لڑادیں۔

آخر میں مالک نے اپنے لشکریوں کو کہا:

"اے لوگو! جب تم مجھے مسلمانوں پر حملہ کرتے ہوئے دیکھو تو تم سب یکجان ہو کر ان پر ٹوٹ پڑنا۔"

لشکر اسلام کی ہوازن پر حملہ کرنے کے لئے تیاریاں

لوگوں نے حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا کہ صفوان بن امیہ کے پاس زرہیں اور اسلحہ کثیر مقدار میں موجود ہیں۔ حضور نے اسے بلا بھیجا۔ وہ آیا تو حضور نے فرمایا کہ ہم دشمن کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے جا رہے ہیں ہمیں اپنا اسلحہ عاریۃً دیدو۔ صفوان جو سرکار دو عالم ﷺ کا اداشناس نہ تھا کہنے لگا أَغَصْبًا يَا مُحَمَّدُ؟ "یا محمد (ﷺ) آپ یہ اسلحہ مجھ سے زبردستی لینا چاہتے ہیں؟

اس کریم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَا بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُونَةٌ حَتّٰى نَرُدَّهَا عَلَيْكَ

"ہرگز نہیں، ہم اسے زبردستی تم سے نہیں چھین رہے بلکہ عاریۃً لے

1۔ ایضاً، صفحہ 462 واحمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 311

رہے ہیں، اگر ان میں سے کوئی چیز ضائع ہو گئی تو ہم اس کی قیمت ادا کریں گے"

اس نے کہا کہ اگر ایسی بات ہے تو آپ زرہیں اور اسلحہ لے سکتے ہیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اس نے حضور کو سو زرہیں مع ان کے متعلقہ سامان کے پیش کیں۔ حضور نے فرمایا کہ انہیں اپنے اسلحہ خانہ سے اٹھا کر میدان جنگ تک پہنچانا بھی تمہارے ذمہ ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے اونٹوں پر لاد کر یہ زرہیں اوطاس کے مقام پر پہنچا دیں۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صفوان سے چار سو زرہیں مع ضروری سامان کے عاریۃً لیں جن کو اس نے میدان جنگ تک اپنے اونٹوں کے ذریعہ پہنچانے کا انتظام کیا۔

سہیل کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ان زرہوں کے علاوہ نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے تین ہزار نیزے بھی عاریۃً لئے اور فرمایا:

كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى رِمَاحِكَ تَقْصِفُ ظَهْرَ الْمُشْرِكِيْنَ (1)

"گویا میں دیکھ رہا ہوں تیرے ان نیزوں کی طرف کہ وہ کافروں کی پشتیں توڑ رہے ہیں۔"

جنگی اخراجات کو پورا کرنے کیلئے حضور ﷺ نے تین قریشیوں سے قرضہ بھی لیا۔ صفوان بن امیہ سے پچاس ہزار درہم، عبداللہ بن ربیعہ سے چالیس ہزار درہم اور حویطب بن عبدالعزیٰ سے چالیس ہزار درہم۔ ان دراہم کو ان مجاہدین میں تقسیم فرمادیا جو مفلس تھے تاکہ وہ اس رقم سے سامان جنگ بھی خریدیں اور اپنی ضروریات بھی پوری کریں۔

عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ

سرکار دو عالم ﷺ نے دشمن کے حالات سے پوری طرح باخبر ہونے کیلئے عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو لشکر ہوازن کی طرف بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ وہاں ایک دن رات یا دو دن قیام کریں اور ان کے حالات سے پوری طرح آگاہی حاصل کر کے ہمیں اطلاع دیں۔ چنانچہ آپ گئے اور لشکر کفار نے جہاں پڑاؤ ڈالا ہوا تھا اس میں داخل ہو گئے اور بڑے غور سے ان کی جنگی سرگرمیوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ حضرت عبداللہ ایک دفعہ ان کے

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 462

کمانڈر انچیف مالک بن عوف کے خیمہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے، دیکھا کہ قبیلہ ہوازن کے رؤسا اس کے پاس جمع ہیں اور مالک انہیں کہہ رہا ہے کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے آج تک کسی بہادر قوم سے جنگ نہیں کی۔ وہ ہمیشہ ناتجربہ کار اور غیر معروف قبیلوں سے جنگ آزمارہے ہیں جو فن حرب کے ابجد سے بھی واقف نہ تھے، اس لئے یہ ان پر فتح پاتے رہے۔ اے میری قوم! جب سحری کا وقت ہو جائے تو اپنی صفیں درست کرلو۔ سب سے آخر میں اپنے مویشیوں کو صفوں میں کھڑا کرو، ان سے آگے اپنی عورتوں کو، پھر اپنے جوانوں کی صفیں بناؤ اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے مستعد ہو جاؤ۔ حملہ کرنے سے پہلے اپنی تلواروں کی نیاموں کو توڑ دو۔ جب تمہاری بیس ہزار تلواریں جن کے نیام توڑ دیئے گئے ہوں گے ان پر برسیں گی اور تم ان پر یکجان ہو کر حملہ آور ہوگئے تو کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ اور خوب جان لو کہ جنگ میں فتح اس کو حاصل ہوتی ہے جو حملہ کرنے میں پہل کرتا ہے۔ (1)

عبداللہ بن ابی حدرد یہ سب کچھ سننے اور دیکھنے کے بعد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور جو دیکھا یا سنا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس سے آگاہ کر دیا۔

دشمن کی تیاریوں کے بارے میں قابل اعتماد ذریعہ سے مکمل معلومات حاصل کرنے کے بعد سرور کائنات ﷺ نے مکہ میں مزید قیام مناسب نہ سمجھا بلکہ سب صحابہ کو حکم دیا کہ وہ یہاں سے کوچ کیلئے فوراً تیار ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت عتاب بن اسید کو مکہ مکرمہ کا حاکم مقرر فرمایا اور حضور خود لشکر اسلام کے ہمراہ بتاریخ 6/ شوال سنہ 8 ہجری مطابق 27/ جنوری سنہ 630ء کو اس سمت روانہ ہوئے جہاں ہوازن اور ثقیف کے قبائل جمع ہو رہے تھے۔ اور بتاریخ 10/ شوال سنہ 8 ہجری مطابق 31/ جنوری سنہ 630 کو منزل مقصود پر پہنچ گئے (2) اس جنگ میں امہات المومنین میں سے حضرت ام سلمیٰ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما اپنے آقا کے شریک سفر تھیں۔

لشکر اسلام کے عناصر ترکیبی

سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ اجمل الصلوات واطیب التسلمات جس لشکر کو ہمراہ لے کر

1۔ ایضاً واحمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 310
2۔ ابوالکلام آزاد، "رسول رحمت" (مرتبہ مولانا غلام رسول مہر)، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، س ن، صفحہ 455

وادی حنین کی طرف روانہ ہوئے، اس میں مندرجہ ذیل عناصر شریک تھے:

1۔ انصار و مہاجرین جو اپنے ہادی برحق ﷺ کے ہمراہ مدینہ طیبہ سے آئے تھے، جن کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے مکہ کی فضاؤں میں اسلام کا پرچم لہرایا گیا تھا، یہ اسلام کے وہ جانباز مجاہد تھے جن کی وفاشعاری اور کلمہ حق کو بلند کرنے کیلئے ان کا جذبہ سرفروشی ہر شک و شبہ سے بالاتر تھا۔ ان کی تعداد دس ہزار تھی جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

انصار	چار ہزار
مہاجرین	ایک ہزار
قبیلہ جہینہ	ایک ہزار
قبیلہ مزینہ	ایک ہزار
قبیلہ اسلم	ایک ہزار
قبیلہ غفار	ایک ہزار
قبیلہ اشجع	ایک ہزار
میزان:	دس ہزار

2۔ دو ہزار وہ نو مسلم تھے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ جنہیں نبی اکرم ﷺ نے أَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ کا مژدہ سنا کر آزاد کر دیا تھا۔ ان میں سے کئی ایسے لوگ تھے جنہوں نے زبان سے تو کلمہ شہادت پڑھ لیا تھا لیکن ابھی ان کے دلوں میں شمع توحید روشن نہیں ہوئی تھی اور فیضان صحبت نبوت سے ابھی انہیں پوری طرح فیض یاب ہونے کا موقع میسر نہیں آیا تھا۔

3۔ ان کے علاوہ جب یہ لشکر مکہ سے روانہ ہوا تو وہاں کے کثیر التعداد لوگ جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا، وہ ساتھ ہو لئے۔ ان میں سے کئی گھوڑوں، اونٹوں پر سوار تھے اور جنہیں سواری میسر نہ آئی وہ پیدل ہی چل پڑے۔ مردوں کے علاوہ مکہ کی بہت سی عورتیں بھی شریک سفر ہو گئیں۔ ان لوگوں کے دلوں میں جذبہ جہاد نام کی تو کوئی چیز نہ تھی۔ انہیں یا تو یہ لالچ لے چلا تھا کہ مسلمانوں کو اگر فتح ہوئی تو ان اموال غنیمت سے انہیں بھی کچھ نہ کچھ مل جائے گا یا وہ محض تماشابین کی حیثیت سے ہمراہ ہو لئے تھے۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ ہوازن و ثقیف کے تیس ہزار نوجوان ان مسلمانوں کو پیس کر رکھ دیں گے۔ وہ

مسلمانوں کی شکست کے منظر کو دیکھ کر لطف اندوز ہونے کیلئے ساتھ ہو لئے تھے۔

4۔ اس لشکر میں ایسے ضعیف الاعتقاد لوگ بھی تھے کہ جب انہوں نے راستہ میں بیری کا ایک تناور اور سرسبز درخت دیکھا تو انہیں اس درخت کی یاد نے بے چین کر دیا جسے کفار "ذات انواط" کہا کرتے تھے۔ ذات انواط اس درخت کو کہا جاتا جو بڑا تناور و سرسبز درخت ہوتا۔ کفار و مشرکین اس کے پاس جمع ہوتے، اپنے ہتھیار حصول برکت کیلئے اس کی ٹہنیوں کے ساتھ آویزاں کر دیتے، وہاں جانور ذبح کرتے اور رات دن وہاں قیام کرتے۔ جب بیری کے ایک قد آور اور شاداب درخت کے پاس سے اس لشکر کا گزر ہوا تو بعض لوگوں نے بارگاہ رسالت میں یوں گزارش کی:

اِجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ

"یعنی جس طرح ان کفار و مشرکین کا ایک درخت ہوتا ہے جسے وہ ذات انواط کہتے ہیں اور رسوم عبادت اس کے پاس بجالاتے ہیں، مہربانی کر کے ہمارے لئے بھی ایسا درخت بنا دیجئے۔"

فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ قُلْتُمْ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسٰى اِجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ (1)

"اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ان کے اس لایعنی مطالبہ کو سن کر ازراہ حیرت فرمایا اللہ اکبر! اللہ سب سے بڑا ہے۔ مجھے اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ تم نے بھی وہی بات کہی جو قوم موسیٰ نے کہی تھی کہ جب انہوں نے بت پرستوں کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام سے کہا، جس طرح ان کے خدا ہیں اسی طرح ہمارے لئے بھی ایک خدا بنا دیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جھڑکتے ہوئے فرمایا تم تو نرے جاہل اور احمق لوگ ہو۔"

5۔ اس لشکر میں شیبہ بن عثمان کی قماش کے کئی افراد شریک تھے جو صرف اس لئے اس لشکر میں شامل ہوئے تھے کہ جنگ کی افراتفری کے عالم میں شاید انہیں ایسا موقع میسر آ جائے

1۔ "الاکتفاء"، جلد 2، صفحہ 325-326 و "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 464-465

کہ وہ حضور پر نور کی شمع حیات کو گل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اس لشکر کے ان عناصر ترکیبی کو اگر آپ نگاہ میں رکھیں تو آپ کو اس معرکہ کے ابتدائی مرحلہ میں اس لشکر کی ہزیمت و پسپائی کے اسباب تلاش کرنے کیلئے زیادہ مغزماری کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔

لشکر اسلام کی جنگی ترتیب

سرکار دو عالم ﷺ نے بھی سحری کے وقت اپنے صحابہ کو صفیں درست کرنے کا حکم دیا اور مختلف دستوں کے سالاروں کو جھنڈے اور پرچم تقسیم کیے۔ مہاجرین کا ایک جھنڈا حضرت فاروق اعظم کو، دوسرا علی ابن ابی طالب کو، تیسرا اسعد بن ابی وقاص کو مرحمت فرمایا۔ قبیلہ اوس کا جھنڈا اسید بن حضیر کو اور خزرج کا جھنڈا خباب بن منذر کو عطا فرمایا۔ سرکار دو عالم ﷺ دلدل نامی اپنے سفید خچر پر سوار ہوئے۔ حضور نے دو زرہیں زیب تن فرمائی ہوئی تھیں۔ سر مبارک پر خود سجایا اور وادی حنین کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر اسلام کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا۔

مقدمتہ الجیش --اس میں بنو سلیم قبیلہ کے علاوہ اہل مکہ بھی شامل تھے۔ میمنہ، میسرہ اور قلب۔ نبی مکرم ﷺ خود قلب لشکر میں تشریف فرما تھے۔(1)

حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ جان نثار مجاہدین اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی معیت میں قبیلہ ہوازن کی طرف پیش قدمی فرماتے رہے یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا۔ سب نے امام الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی اقتداء میں نماز ظہر ادا کی۔ اس اثناء میں ایک سوار آیا اور اس نے عرض کی-- یارسول اللہ! میں لشکر اسلام کے آگے آگے جا رہا تھا، جب میں فلاں پہاڑ پر چڑھا تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ سارا قبیلہ ہوازن اپنی عورتوں، بچوں، اونٹوں اور بکریوں سمیت سامنے والی وادی میں اکٹھا ہو چکا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے کسی خوف اور تشویش کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ حضور نے تبسم فرماتے ہوئے ان سے ارشاد فرمایا:

تِلْكَ غَنِيمَةُ الْمُسْلِمِينَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللهُ (2)

1۔ ایضاً

2۔ ایضاً، صفحہ 466

"کل یہ تمام چیزیں مسلمانوں کو بطور غنیمت مل جائیں گی۔ انشاء اللہ"

چنانچہ دوسرے روز ایسا ہی ہوا جیسا حضور نے ارشاد فرمایا تھا۔(1)

مشرکین کے جاسوسوں نے کیا دیکھا

ابو نعیم اور بیہقی نے ابن اسحاق کے واسطہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ 10/ شوال، منگل کی شام کو وادی حنین میں تشریف فرما ہوئے۔ اس وقت کفار کے سالار مالک بن عوف نے اپنے تین جاسوس بھیجے تا کہ لشکر اسلام کی سرگرمیوں کا جائزہ لیں اور ان کے حالات سے اسے آگاہ کریں۔ جب وہ واپس آئے تو تھر تھر کانپ رہے تھے۔ مالک نے کہا، تمہارا خانہ خراب ہو۔ تم کیوں کانپ رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ جب ہم مسلمانوں کے معسکر میں پہنچے تو وہاں ہم نے سفید رنگ کے آدمی ابلق گھوڑوں پر سوار دیکھے۔ ان کے دیکھنے سے ہم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ بخدا! ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہماری جنگ اہل زمین کے ساتھ نہیں ہے بلکہ آسمان کے مکینوں کے ساتھ ہے۔ اگر تم ہماری بات مانو تو اپنی قوم کو لے کر واپس چلے جاؤ کیونکہ اگر دوسرے لوگوں نے بھی وہ منظر دیکھ لیا جو ہم نے دیکھا ہے تو وہ بھی مارے خوف کے کانپنے لگیں گے۔ مالک نے کہا، افسوس ہے تم پر۔ تم سارے لشکر سے زیادہ بزدل ہو۔ اس نے حکم دیا کہ انہیں الگ کسی مکان میں بند کر دیا جائے تا کہ یہ لوگ سارے لشکر میں خوف وہراس نہ پھیلا دیں۔

پھر مالک نے لوگوں سے دریافت کیا کہ تم میں سے سب سے زیادہ بہادر اور شجاع کون ہے؟ سب نے بالاتفاق ایک آدمی کے بارے میں کہا کہ یہ ہم سب سے زیادہ بہادر آدمی ہے۔ مالک نے اس کو مجاہدین کے لشکر کی طرف ان کے حالات دریافت کرنے کیلئے بھیجا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کا رنگ بھی اڑا ہوا تھا، پسینہ بہ رہا تھا اور وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ مالک نے پوچھا تم نے کیا دیکھا؟ اس نے جواب دیا کہ سفید رنگت والے آدمی ابلق گھوڑوں پر سوار دیکھے ہیں۔ ان کے رعب کے باعث ان کو نظر بھر کر دیکھا نہیں جاسکتا۔ بخدا! میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی بڑی کوشش کی لیکن میری حالت تم دیکھ رہے ہو۔

اس کے باوجود مالک نے لشکر اسلام سے جنگ ترک کرنے کا فیصلہ نہ کیا۔(2)

1۔ ایضاً

2۔ ایضاً، صفحہ 469

جنگ کیلئے لشکر کفار کی صف بندی

وادی حنین میں چھوٹے چھوٹے پہاڑوں کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ہر پہاڑ میں گہری وادیاں، تنگ درے اور محفوظ کمین گاہیں ہیں جہاں لشکر کے سپاہی چھپ کر گھات لگا کر بیٹھ سکتے ہیں اور جب دشمن کے سپاہی ان کے نرغے میں آجاتے تو وہ ان پر اچانک جھپٹ کر حملہ کر سکتے تھے۔

مالک بن عوف جو قبیلہ ہوازن اور دیگر قبائل کا سپہ سالار اعلیٰ تھا، اس نے درید کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کمین گاہوں میں اپنے آزمودہ کار تیر انداز بٹھادیئے تھے اور انہیں چوکس رہنے کا حکم دیا تاکہ جب مسلمانوں کا لشکر ان کی زد میں آجائے تو ادنیٰ توقف کئے بغیر وہ ان پر تیروں کا مینہ برسادیں تاکہ وہ سراسیمہ ہو کر اپنے آپ کو بچانے کیلئے ادھر ادھر منتشر ہونے پر مجبور ہو جائیں۔ چنانچہ لشکر اسلام کے وہاں پہنچنے سے پہلے انہوں نے اپنی کمین گاہوں میں اپنے اپنے مورچے سنبھال لئے اور اس انتظار میں گھات لگا کر بیٹھ گئے کہ مسلمان ان کے قابو میں آئیں تو وہ ان پر یک لخت تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دیں۔ ادھر مسلمانوں نے جب اپنے لشکر کی کثرت کا مشاہدہ کیا تو ازراہ غرور ان کے بعض سپاہیوں کی زبان سے اچانک یہ جملہ نکل گیا۔ لَنْ نُغْلَبَ الْيَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ آج ہم تعداد کی کمی کے باعث مغلوب نہیں ہوں گے۔ حضور نے یہ جملہ سنا تو حضور کو سخت ناگوار گزرا۔ نیز مجاہدین نے جب یہ دیکھا کہ آج پہلی دفعہ مکہ اور مدینہ کے بہادر باہم متحد ہو کر دشمن سے جنگ کرنے کیلئے جارہے ہیں تو ان کے دلوں میں کبر و نخوت کے جذبات ابھرنے لگے کہنے لگے۔

اَلْاٰنَ نُقَاتِلُ حِيْنَ اجْتَمَعْنَا آج ہم جب اکٹھے ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں گے تب لڑنے کا مزا آئے گا۔ حضور نے یہ فقرہ سنا تو حضور نے بہت ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ کیونکہ کفار و مشرکین کے ساتھ جو جنگیں انہوں نے کی تھیں اور ہمیشہ کامیاب و کامران ہوئے تھے، ان کی وجہ ان کی عددی کثرت نہ تھی، بلکہ محض نصرت و تائید خداوندی کے باعث انہیں کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں۔ آج مسلمانوں کی نظر نصرت خداوندی کے بجائے اپنی تعداد کی کثرت پر تھی۔ حضور سرور عالم ﷺ کو اس قسم کی باتیں سخت ناگوار گزریں۔

لشکر اسلام کا مقدمۃ الجیش جب وادی حنین کی طرف پیش قدمی کرتا ہوا ان کوہستانی

دروں اور ان کی پیچ در پیچ گھاٹیوں میں پہنچا تو کمین گاہوں میں چھپے ہوئے دشمن کے تیر اندازوں نے ان پر تیروں کی موسلا دھار بارش شروع کر دی۔ بنی سلیم کے نوجوانوں کو اس کا سان گمان بھی نہ تھا۔ یہ نو مسلم جو صبر اور استقامت کی اسلامی اصطلاحوں سے پوری طرح آشنا نہ تھے اور مقدمتہ الجیش میں ان کے علاوہ مکہ کے جو عوام شریک تھے، ان کے قدم بھی اکھڑ گئے۔ ان کے قدم کیا اکھڑے کہ پھر وہ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے اور جان بچانے کیلئے انہوں نے راہ فرار اختیار کر لی۔ جب لشکر کے ہراول دستے بھاگنا شروع کر دیں تو بقیہ لشکر کا سنبھلنا کب ممکن رہتا ہے؟ بھاگنے میں اہل مکہ پیش پیش تھے۔

ان سنگین حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کا سچا نبی اور اس کا محبوب رسول کوہ استقامت بنا کھڑا رہا۔ رخ انور پر کسی قسم کی گھبراہٹ اور خوف کے آثار نہ تھے۔ تیروں کی اس برسات میں حضور نے اپنے سفید خچر کو دائیں طرف موڑا اور بلند آواز سے پکارا:

يَا أَنْصَارَ اللّٰهِ وَأَنْصَارَ رَسُوْلِهٖ أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ إِلَيَّ أَيُّهَا النَّاسُ۔

”اے اللہ اور اس کے رسول کے مددگارو! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ بھاگ کر کدھر جا رہے ہو؟ میری طرف پلٹو۔“

لیکن تیروں کی غیر متوقع بے پناہ بوچھاڑ نے لشکر اسلام کے بہت سے مجاہدین کو حواس باختہ کر دیا۔ صرف دس آدمی حضور کے ساتھ رہ گئے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:
حضرت ابو بکر، عمر، علی بن ابی طالب، عباس بن عبد المطلب، ابو سفیان بن حارث، ان کے بیٹے جعفر، فضل بن عباس یا قثم بن عباس، ربیعہ بن حارث، اسامہ بن زید اور ایمن بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ (1)

حضرت ایمن، حضور کے سامنے شہید ہو گئے۔ بعض سیرت نگاروں نے حضرت عبد اللہ بن زبیر اور عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے دو ناموں کا اضافہ کیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جنگ حنین کے دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ بہت سے لوگ بھاگ نکلے اور میں ان اسی مہاجرین و انصار سے ایک تھا جو حضور کے ساتھ ثابت قدم رہے اور ہم نے پیٹھ نہیں پھیری۔ یہی وہ

1۔ ”تاریخ الخمیس“، جلد 2، صفحہ 101-103

لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ أَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلٰى رَسُولِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ (1)

حضرت عباس نے حضور کے خچر کی لگام پکڑی ہوئی تھی۔ ابو سفیان بن حارث جو نبی کریم ﷺ کا چچازاد بھائی تھا، نے حضور کی رکاب تھام رکھی تھی، ان سے مروی ہے۔ جب ہم دشمن سے جنگ آزما تھے، میں نے اپنے گھوڑے سے چھلانگ لگادی۔ میرے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی، خدا شاہد ہے کہ میں حضور کے قدموں میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کیلئے سخت بے چین تھا اور کفار سے مصروف پیکار تھا، حضور میری طرف دیکھ رہے تھے۔ اس ایمان افروز منظر کو دیکھ کر حضرت عباس نے عرض کی، یارسول اللہ! یہ حضور کا بھائی اور حضور کے چچا حارث کا بیٹا ابو سفیان ہے، اب آپ اس پر راضی ہو جائیں۔ رحمت عالمیاں نے فرمایا:

غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ كُلَّ عَدَاوَةٍ عَادَانِيهَا

"جو مخالفتیں اور دشمنیاں اس نے میرے ساتھ روا رکھیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو معاف فرمادے۔"

ابو سفیان کہتے ہیں-- پھر حضور نے میری طرف نگاہ التفات کرتے ہوئے فرمایا:
يَا أَخِي (اے میرے بھائی) فَقَبَّلْتُ رِجْلَهُ فِي الرِّكَابِ (یا اخی کا کلمہ سن کر میری خوشی کی حد نہ رہی۔ "میں نے فرط محبت سے حضور ﷺ کے قدم ناز کو رکاب میں چوم لیا"
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی محبت اور جذبہ جان نثاری کو دیکھ کر فرمایا:

أَبُو سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ مِنْ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ (2)

"ابو سفیان بن حارث اہل جنت کے جوانوں میں سے ہے۔"

اس افراتفری کے عالم میں محبوب رب العالمین ﷺ فولادی چٹان بنے ہوئے اس طوفان بلا کے سامنے کھڑے رہے۔ اپنی سواری کو ایڑ لگا کر دشمن کی طرف بڑھاتے رہے اور ساتھ یہ اعلان فرماتے رہے: أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

"میں اللہ کا سچا نبی ہوں، اس میں ذرا جھوٹ نہیں۔ میں فخر بنی ہاشم۔

1۔ سورۃ التوبہ: 26

2۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 312

عبد المطلب کا فرزند ہوں۔"

پھر حضور نے اپنے چچا عباس کو فرمایا۔ جن کی آواز قدرتی طور پر بہت اونچی تھی، اے عم محترم! اپنی بلند آواز سے یہ اعلان کرو:

يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ يَا أَصْحَابَ السَّمُرَةِ يَا لَلْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ بَايَعُوا تَحْتَ الشَّجَرَةِ وَيَا لَلْأَنْصَارِ الَّذِينَ آوَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

"اے گروہ انصار! اے بیری کے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو! اے مہاجرین! جنہوں نے درخت کے نیچے جان دینے کی بیعت کی تھی، اے انصار! جنہوں نے اللہ کے رسول کو پناہ دی تھی۔"

حضرت عباس کے اعلان کے بعد حضور نے دائیں طرف متوجہ ہوتے ہوئے نعرہ لگایا

يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ "اے گروہ انصار!"

سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ أَبْشِرْ نَحْنُ مَعَكَ "اے اللہ کے پیارے رسول ہم حاضر ہیں، حضور خوش ہوں ہم حضور کے ساتھ ہیں۔"

پھر بائیں طرف توجہ فرماتے ہوئے نعرہ لگایا يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ

جتنے انصار اس جانب تھے، سب نے جواب دیا لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ نَحْنُ مَعَكَ يَا رَسُولَ اللهِ "ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں، اے اللہ کے رسول! ہم حضور کے ساتھ ہیں۔"

جس کے کانوں تک اپنے آقا کی آواز گونجی اس نے اپنے اونٹ کا رخ اللہ کے رسول کی طرف موڑ لیا اور جس کے اونٹ نے منہ موڑنے میں دیر کی اور کسی سرکشی کا مظاہرہ کیا تو اس نے اونٹ کی پشت سے چھلانگ لگا دی۔ اپنے اونٹ کو چھوڑ دیا، صرف تلوار اور ڈھال لے کر اس طرف دوڑتا ہوا گیا جہاں اللہ کا پیارا رسول ﷺ تشریف فرما تھا۔ جس طرح اونٹنی اپنے بچے کی طرف بے تابانہ دوڑ کر جاتی ہے، اس روز اس بے تابی سے انصار اپنے آقا کے قدموں میں حاضر ہونے کے لئے دوڑ لگانے لگے۔(1)

تھوڑی دیر میں تمام بکھرے ہوئے مہاجر اور انصار اپنے دائیں ہاتھوں میں اپنی تلواریں لہراتے ہوئے جو شہاب ثاقب کی طرح چمک رہی تھیں، حضور کے قدموں میں حاضر ہو گئے۔

1۔ ایضاً، صفحہ 313

حضور نے انہیں حکم دیا کہ سب سیسہ پلائی دیوار بن جاؤ اور کفار پر برق خاطف کی طرح حملہ کر دو۔ چنانچہ مجاہدین اسلام نے کفار پر ہلہ بول دیا۔ ان کی تلواریں دشمن کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کاٹ کر زمین پر پھینک رہی تھیں۔ وہ اپنے نیزوں کی چمکتی ہوئی سنانوں سے دشمن کے سینوں کو گھائل کر رہے تھے اور ان کے قلب و جگر کو پارہ پارہ کر رہے تھے۔ سرکار دوعالم ﷺ نے جب اپنے جانباز مجاہدین کی یہ سرفروشی دیکھی تو فرمایا اَلْاٰنَ حَمِیَ الْوَطِیْسُ "اب لڑائی کا تنور بھڑک اٹھا ہے۔" تھوڑی دیر بھی کفار اسلام کے شیروں کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ انہوں نے اپنی پیٹھیں پھیر لیں، منہ موڑ لئے اور راہ فرار اختیار کی۔ مسلمان ان کے پیچھے دوڑ کر انہیں موت کے گھاٹ اتارتے رہے اور بعض کو جنگی قیدی بناتے رہے۔
حضور نبی کریم ﷺ کی بے نظیر شجاعت اور عدیم المثال ثابت قدمی نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ اسلام کے بکھرے ہوئے شیر پھر علم توحید کے نیچے اکٹھے ہوگئے اور گرجتے ہوئے کفار پر ٹوٹ پڑے اور ان کی فتح کو بڑی شرمناک شکست میں بدل دیا۔ اس روز حضور کا اپنی سواری کیلئے خچر کو منتخب کرنا بھی حضور کی شجاعت و بہادری کی روشن دلیل ہے۔ عام طور پر جنگوں میں شہسوار گھوڑے کو سواری کیلئے پسند کرتے ہیں جو کروفر یعنی آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے میں بڑی سرعت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ خچر میں یہ تیزی اور سبک خرامی کہاں۔ اس لئے شہسوار جنگ میں اپنی سواری کیلئے خچر کو پسند نہیں کرتے۔ حضور کا اس موقع پر خچر پر سوار ہو کر میدان جنگ میں قدم رنجہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کو کوئی جلدی نہ تھی بلکہ بڑی ثابت قدمی کے ساتھ حضور دشمن کی بے پناہ یلغار کے سامنے ڈٹے رہے۔

جب مشرک شکست کھا کر بھاگے تو مسلمان ان کے تعاقب میں نکلے، بعض کو قتل کر دیا اور بعض کو قیدی بنا لیا۔ یہاں تک کہ بنی ہوازن میں سے ایک شخص نے مسلمان ہونے کے بعد اپنی مرعوبیت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ "اس روز ہمیں ہر درخت اور ہر چٹان ایک شہسوار کی طرح نظر آتی تھی جو ہمارے تعاقب میں بھاگا چلا آرہا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے اس روز پانچ ہزار فرشتے مجاہدین کی مدد کیلئے نازل فرمائے اور ان کے دلوں میں طمانینت و تسکین کا نور انڈیل دیا تا کہ وہ ثابت قدمی سے دشمن کے ساتھ جنگ لڑ سکیں۔ اس موقع پر نبی رحمت ﷺ نے دعا کیلئے اپنے دونوں مبارک ہاتھ اپنے رب العزت کی بارگاہ میں پھیلائے اور بایں کلمات التجاء کی:

اَللّٰهُمَّ أَنْشُدُكَ مَا وَعَدْتَنِيْ اَللّٰهُمَّ لَا يَنْبَغِيْ أَنْ يَظْهَرُوْا عَلَيْنَا، اَللّٰهُمَّ كُنْتَ وَتَكُوْنُ وَأَنْتَ حَيٌّ لَا تَمُوْتُ تَنَامُ الْعُيُوْنُ وَتَنْكَدِرُ النُّجُوْمُ وَأَنْتَ حَيٌّ قَيُّوْمٌ لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ، اَللّٰهُمَّ إِنْ تَشَأْ أَنْ لَا تُعْبَدَ بَعْدَ الْيَوْمِ، اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَإِلَيْكَ الْمُشْتَكٰى وَأَنْتَ الْمُسْتَعَانُ۔ (1)

"الٰہی! جس نصرت کا تو نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے، میں تجھے اس وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ الٰہی یہ تیری شان کے شایاں نہیں کہ وہ مشرک ہم پر غالب آجائیں۔ الٰہی! تو ازل سے ہے ابد تک رہے گا۔ تو زندہ جاوید ہے تجھے موت نہیں آسکتی۔ آنکھیں سو جاتی ہیں ستارے اپنی چمک کھو بیٹھتے ہیں لیکن تو حی وقیوم ہے، تجھے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند، یاحی یاقیوم۔ الٰہی! کیا تیری یہ مرضی ہے کہ آج کے بعد تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے۔ سب تعریفیں تیرے لئے ہیں۔ ہم تیری ہی جناب میں اپنے درد و الم کا شکوہ کرتے ہیں اور تجھی سے مدد کی درخواست کرتے ہیں۔"

جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی، یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آج وہ دعائیہ کلمات آپ کو القاء فرمائے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو اس روز القاء فرمائے تھے جب ان کے سامنے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور ان کے عقب میں فرعون کا لشکر جرار دوڑا چلا آرہا تھا۔

جب گھمسان کا رن پڑ رہا تھا تو سرکار نے حضرت عباس کو فرمایا کہ مجھے ایک مٹھی کنکریوں کی دو۔ یہ سنتے ہی اللہ کے حکم سے وہ خچر یہاں تک جھک گیا کہ اس کا شکم زمین کو مس کرنے لگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کنکریوں کی مٹھی بھر لی اور اسے کفار کی جانب پھینکا اور زبان پاک سے فرمایا شَاهَتِ الْوُجُوْهُ حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ دشمنوں کے چہرے بدنما ہو جائیں حم ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔" دشمن کا کوئی سپاہی ایسا نہ رہا جس کی آنکھوں میں وہ کنکریاں نہ پڑی ہوں اور دیکھنے سے معذور نہ ہو گیا ہو۔ دشمن کے سپاہی دور و نزدیک، سامنے

1۔ ایضاً، صفحہ 314

اور پیچھے جہاں کہیں بھی کھڑے یا بیٹھے تھے، ان سب کی آنکھوں میں وہ کنکریاں پڑیں اور وہ دیکھنے سے معذور ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو جنگوں میں اپنی مٹھی میں کنکریاں لے کر دشمن کی طرف پھینکیں۔ جس کے باعث وہ جنگ کرنے کی قوت سے محروم ہو گئے۔ پہلے غزوہ بدر میں، دوسری بار غزوۂ حنین میں۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (1) "جب آپ نے کنکریاں پھینکیں وہ آپ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں۔"

حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے تنہا تیس مشرکوں کو واصل جہنم کیا اور ربیعہ بن رفیع سلمی نے درید بن الصمہ کو پالیا اور اس کے اونٹ کی نکیل پکڑلی۔ ربیعہ نے خیال کیا کہ کوئی عورت اونٹ پر سوار ہے لیکن جب اس نے غور سے دیکھا تو وہ ایک بوڑھا مرد تھا جس کی بینائی جاتی رہی تھی۔ ربیعہ، درید کو نہیں پہچانتا تھا۔ درید نے اس سے پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا میں تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں ربیعہ السلمی ہوں۔ اس پر ربیعہ نے تلوار کا وار کیا جو کارگر ثابت نہ ہوا۔ درید نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا بِئْسَمَا سَلَّحَتْكَ أُمُّكَ "تیری ماں نے جس اسلحہ سے تمہیں مسلح کیا ہے وہ بالکل ردی ہے" میری تلوار جو کجاوہ کے پچھلے حصہ میں آویزاں ہے وہ لے لو اور اس تلوار سے میرا کام تمام کردو، لیکن جب تم اپنی ماں کے پاس واپس جاؤ تو اسے بتانا کہ تو نے درید بن الصمہ کو قتل کیا ہے۔ چنانچہ اس نے درید کو قتل کر دیا۔ واپس آکر اس نے اپنی ماں کو بتایا کہ میں نے درید کو قتل کیا ہے۔ ماں نے کہا۔ تم نے اچھا نہیں کیا۔ اس نے تیرے بزرگوں میں سے تین کو آزاد کیا تھا۔ کاش! تم نے اپنے بزرگوں کے محسن کو قتل نہ کیا ہوتا۔ ربیعہ نے کہا۔ میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا پر سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار ہوں۔ (2)

حضرت ابو طلحہ انصاری کی زوجہ ام سلیم اپنے شوہر کے ہمراہ اس جنگ میں شریک تھیں۔ انہوں نے اپنی چادر سے اپنی کمر کس کر باندھی ہوئی تھی اور ایک خنجر اس کے پہلو کے ساتھ لٹک رہا تھا۔ ابو طلحہ نے پوچھا، اے ام سلیم! یہ خنجر تم نے کس لئے اپنے پاس رکھا ہوا ہے؟ ام سلیم نے کہا تا کہ اگر کوئی کافر میرے نزدیک آنے کی جرأت کرے تو اسے اس

1۔ سورہ الانفال: 17

2۔ ایضاً، صفحہ 316

کے پیٹ میں گھونپ دوں۔ حضرت ابو طلحہ نے عرض کی یارسول اللہ! حضور سن رہے ہیں جو ام سلیم کہہ رہی ہے۔ حضور نے شاید نہیں سنا تھا۔ ابو طلحہ نے پھر وہ سوال دہرایا، ام سلیم نے وہی جواب دہرایا جسے سن کر حضور ہنس دیئے۔ ام سلیم عرض کرنے لگی، یارسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں -- جن لوگوں نے اس جنگ میں راہ فرار اختیار کی ہے ان کے سر قلم فرما دیجئے کیونکہ وہ اسی لائق ہیں۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گناہ کو معاف کر دیا ہے اب کسی مزید سزا کی ضرورت نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (1)

"اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے کافروں کی۔ پھر رحمت سے توجہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ اس کے بعد جس پر چاہے گا اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔"

اس جنگ میں چار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا اور جنگ کے دوران ستر مشرکین کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ لیکن جب وہ شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگے تو تین سو سے زائد کو مسلمانوں نے تعاقب کر کے واصل جہنم کر دیا۔ مسلمانوں کو اس جنگ میں کثیر مقدار میں جو اموال غنیمت ملے ان کی تفصیل درج ہے:

اسیران جنگ	چھ ہزار
اونٹ	چوبیس ہزار
بکریاں	چالیس ہزار
چاندی	چار ہزار اوقیہ

جب اللہ تعالیٰ نے ہوازن کو شکست دی تو مکہ کے بقیہ کافروں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

لشکر اسلام کی عارضی ہزیمت پر اہلِ مکہ کے جذبات مسرت

وقتی طور پر جب میدان جنگ میں مسلمانوں کے قدم اکھڑے تو اہل مکہ کے دلوں میں اسلام کی عداوت کے جو جذبات پنہاں تھے، وہ ان کو چھپا نہ سکے۔ ان کا خبث باطن ان کی زبان

1۔ سورہ التوبہ: 26-27

سے ظاہر ہو کر رہا۔ ان میں سے چند لوگوں نے جو کلمات اپنی زبان سے نکالے تاریخ نے انہیں اپنے صفحات میں محفوظ کر لیا۔ ان میں سے چند اقوال قارئین کی خدمت میں پیش خدمت ہیں:

1۔ لشکر اسلام میں دس ہزار انصار و مہاجرین کے علاوہ جو لوگ تھے ان میں سے کچھ وہ نو مسلم تھے جنہوں نے زبان سے تو اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تھا لیکن ان کے دلوں میں ایمان کی شمع ابھی روشن نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کی اس عارضی پسپائی پر بڑی مسرت و شادمانی کا اظہار کیا۔ ابو سفیان جس نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا، جس کے دل میں حسد و عناد کی چنگاریاں ابھی تک دہک رہی تھیں وہ اپنے ان جذبات کو چھپا نہ سکا۔ ابو سفیان نے برملا کہا: لَا تَنْتَهِي هَزِيمَتُهُمْ دُونَ الْبَحْرِ "لشکر ہوازن انہیں دھکیل کر سمندر تک پہنچا کر دم لے گا۔ سمندر سے پہلے مسلمانوں کے قدم اب جمنے نہیں پائیں گے۔"

ایک روایت میں ابو سفیان سے یہ قول بھی مروی ہے کہ اس نے فرحت و شادمانی سے سرشار ہو کر یہ نعرہ لگایا:

غَلَبَتْ وَاللّٰهِ هَوَازِنُ لَا يَرُدُّهُمْ شَيْءٌ إِلَّا الْبَحْرُ

"خدا کی قسم! ہوازن غالب آگئے اور مسلمانوں کو سمندر کے سوا کوئی چیز اب نہیں روک سکتی۔"

صفوان نے یہ سن کر کہا:

بِفِيكَ الْكِثْكِثُ: (1) اے سفیان! تیرے منہ میں پتھر اور خاک

کلدہ بن حنبل جو صفوان کا ماں کی طرف سے بھائی تھا، اس نے موقع پر بلند آواز سے یہ نعرہ لگایا:

أَلَا بَطَلَ السِّحْرُ الْيَوْمَ "سن لو! اسلام کا جادو آج ٹوٹ گیا"

صفوان، جس نے ابھی اسلام قبول کرنے کا اعلان تو نہیں کیا تھا لیکن اس کے دل میں قرشی حمیت زندہ تھی، کلدہ کا یہ اعلان سن کر وہ چپ نہ رہ سکا۔ اس نے فوراً کہا اُسْكُتْ فَضَّ اللّٰهُ فَاكَ "خاموش! خدا تیرا منہ پھوڑے۔" قریش کی سرپرستی میں زندگی بسر کرنے کو میں اس بات پر ترجیح دیتا ہوں کہ کوئی اعرابی بدو، میرا سرپرست بنے۔

1۔ ایضاً، صفحہ 314-315

ایک اور آدمی نے صفوان کو کہا أَبْشِرْ فَإِنَّ مُحَمَّدًا وَأَصْحَابَهُ قَدِ انْهَزَمُوا "اے صفوان مبارک باد! محمد ﷺ اور ان کے صحابہ کو شکست ہو گئی ہے۔" صفوان نے اس کو بھی بڑے کرخت لہجہ میں جواب دیا۔

أُسْكُتْ فَضَّ اللّٰهُ فَاكَ (1) "چپ رہو۔ تیرے منہ کو خدا پھوڑے۔"

اس فوج میں ایسے لوگ بھی تھے جو محض اس لئے مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے کہ جنگ کے ہنگامہ میں انہیں کوئی ایسا موقع ملے جب حضور تنہا ہوں اور اس تنہائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ حضور کی شمع حیات کو گل کر کے اپنی دیرینہ آتش انتقام کو ٹھنڈا کر سکیں۔ شیبہ بن عثمان انہیں لوگوں میں سے ایک تھا۔ وہ خود اپنا ماجرا ان الفاظ بیان کرتا ہے کہ:

"جب فتح مکہ کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے قبیلہ ہوازن پر لشکر کشی کا عزم کیا تو میں بھی اس لشکر میں شامل ہو گیا تاکہ شاید مجھے کوئی ایسا موقع ملے کہ جب حضور بے خبر اور تنہا ہوں، میں اس وقت حضور پر حملہ کر کے اپنے باپ اور چچا کا انتقام لے سکوں۔ اس طرح میں قریش کے تمام مقتولوں کا انتقام چکا سکوں گا۔ میں نے اپنے دل میں یہ طے کر رکھا تھا کہ اگر عرب و عجم کے تمام لوگ حضور کی پیروی اختیار کر لیں، میں تب بھی کسی قیمت پر آپ کا دین قبول نہیں کروں گا۔ چنانچہ اس سفر میں، میں اسی تاڑ میں رہا۔ جب سرکار دو عالم ﷺ اپنے خچر سے نیچے اتر آئے اور صحابہ افراتفری کا شکار ہو کر پراگندہ ہو گئے تو میں نے اس کو بہترین موقع پایا، اپنی تلوار بے نیام کی اور اپنے مذموم ارادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے حضور کے قریب ہوا۔ جب میں دائیں طرف سے نزدیک ہوا تو وہاں حضرت عباس سفید زرہ زیب تن کئے کھڑے تھے۔ میں نے سوچا عباس کسی قیمت پر حضور کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ پھر میں بائیں طرف گیا وہاں میں نے ابوسفیان بن حارث کو دیکھا جو حضور کا چچازاد بھائی تھا۔ میں نے سوچا یہ بھی کسی قیمت پر حضور کو تنہا نہیں چھوڑے گا، اپنی جان دے دیگا لیکن حضور پر آنچ نہیں آنے دے گا پھر میں حضور ﷺ کی پشت کی طرف ہو گیا اور میں نے تلوار کا وار کرنا چاہا تو اچانک آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے میرے اور حضور ﷺ کے

1۔ ایضاً

درمیان حائل ہو گئے۔ ان کی برق آسا چمک سے میری آنکھیں چندھیا گئیں۔
میں پیچھے ہٹا، اس وقت سرکار نے میری طرف نگاہ کرم فرمائی اور ارشاد فرمایا:
يَا شَيْبُ أُدْنُ مِنِّي "اے شیبہ دور کیوں ہٹتے ہو! میرے قریب ہو جاؤ۔"
میں قریب ہو گیا تو رحمت عالم ﷺ نے اپنا دست رحمت میرے سینہ پر رکھ دیا اور دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنْهُ الشَّيْطَانَ "اے اللہ شیطان کو اس سے دور بھگا دے۔" اب جب میں نے حضور کی طرف دیکھا تو مجھے سرکار دو عالم ﷺ اپنے کانوں، آنکھوں اور اپنے دل سے بھی زیادہ پیارے محسوس ہونے لگے۔ پھر حضور نے حکم دیا، اے شیبہ! کفار سے نبرد آزما ہو جاؤ۔ یہ ارشاد سنتے ہی میں بے اختیار کفار پر ٹوٹ پڑا۔ میری خواہش تھی کہ حضور کے دفاع میں، میں اپنی جان قربان کر دوں۔"

جب ہوازن کو شکست ہوئی اور وہ میدان جنگ سے بھاگ گئے تو حضور اپنی قیام گاہ کی طرف تشریف لائے۔ اس وقت میں حاضر خدمت ہوا۔ حضور نے مجھے دیکھ کر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَرَادَ بِكَ خَيْرًا مِمَّا اَرَدْتَ

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں کہ اس نے تیرے بارے میں خیر کا ارادہ فرمایا، تم تو اپنی کشتی ڈبونے کا ارادہ کر ہی چکے تھے۔"

پھر حضور نے وہ تمام باتیں مجھے بتائیں جو اس وقت میرے نہاں خانہ دل میں حضور ﷺ کے بارے میں نمایاں ہوئی تھیں۔

لشکر ہوازن کی شرمناک ہزیمت اور انجام

جب اسلام کے شیروں نے اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں مجتمع ہونے کے بعد ہوازن پر حملہ کیا تو سب سے پہلے میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنے والا وہی مالک بن عوف تھا جس کی جنگی تدابیر کے بارے میں آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔ وہ میدان کارزار سے یوں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا کہ طائف کے قلعہ سے پہلے اسے کہیں امان نہ ملی۔ اس کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ اس کو اپنے لشکریوں کا خیال تک نہ رہا جن کو مسلمان اپنی فولادی شمشیروں سے لخت لخت کر رہے تھے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو جنگی قید بنا

رہے تھے۔ وہ اپنے ساتھ اپنے بھگوڑے لشکریوں کا ایک گروہ لے کر طائف پہنچا۔ لشکر کے ایک حصہ نے اوطاس میں جا کر دم لیا۔ ان کے لشکر کا تیسرا حصہ حنین سے بھاگا اور نخلہ کے مقام پر جا کر رکا۔ میدان جنگ میں رحمت عالم ﷺ نے ایک عورت کی لاش پڑی ہوئی دیکھی تو برہمی کا اظہار فرمایا اور ایک آدمی کو دوڑایا کہ وہ خالد بن ولید کو حضور کا یہ پیغام پہنچائے کہ حالات کتنے ہی اشتعال انگیز ہوں لیکن بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ لشکر ہوازن کا ایک حصہ میدان جنگ میں شرم ناک شکست سے دوچار ہونے کے بعد طائف جا پہنچا، وہاں انہوں نے اپنی بکھری ہوئی قوت کو یکجا کرنا شروع کر دیا تاکہ دوبارہ متحد و متفق ہو کر لشکر اسلام کا مقابلہ کریں۔

معرکہ اوطاس

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مشرکین کے لشکر کا ایک حصہ اوطاس جا پہنچا اور وہاں جا کر وہ خیمہ زن ہو گیا ان کے لشکر کا تیسرا حصہ نخلہ کی طرف بھاگ گیا۔ مسلمان شہسواروں نے ان کے لشکر کے تینوں حصوں کا تعاقب کیا۔ جو لوگ اوطاس کی طرف بھاگ کر گئے تھے، ان کی سرکوبی کیلئے نبی مکرم ﷺ نے ابو عامر الاشعری کو چند سواروں سمیت روانہ کیا۔ ابو عامر الاشعری نے ان بھگوڑوں کو جا لیا۔ کفار سے ان کی جھڑپ ہوئی جس میں ابو عامر شہید ہوئے لیکن شہادت کا تاج سر پر سجانے سے پہلے انہوں نے اپنی شجاعت و بسالت کے خوب جوہر دکھائے۔ ان کو دعوت مبارزت دینے کیلئے یکے بعد دیگرے دس بھائی میدان میں اترے۔ آپ نے ان میں سے نو کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور دسویں بھائی نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا۔(1)

اس کے بعد ابو عامر نے داد شجاعت دیتے ہوئے خود جام شہادت نوش کیا۔ ابو عامر کی شہادت کے بعد ان کے چچا زاد بھائی ابو موسیٰ اشعری نے اسلام کا پرچم تھاما اور مشرکین ہوازن کے ساتھ جنگ کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمائی اور اعداء اسلام کو دوبارہ شکست کی ذلت سے دوچار ہونا پڑا۔ جنگ اوطاس میں بیش قیمت اموال غنیمت اور جنگی قیدی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ ان تمام اموال غنیمت کو سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جعرانہ کے

1۔ "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1043-1044

مقام پر بھیج دیا۔ یہ مقام مکہ سے پندرہ میل جانب شمال واقع ہے۔ منتظمین کو تاکیدی حکم دیا کہ اسیران جنگ کو لباس مہیا کرنے اور ان کو مناسب غذا دینے میں کسی کوتاہی کا مظاہرہ نہ کریں۔(1)

رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جنگ کے اختتام کے بعد ان اموال غنیمت کو فوراً تقسیم نہیں کیا بلکہ دو ہفتہ تک حضور پاک اس انتظار میں رہے کہ شاید ہوازن اسلام قبول کر کے حاضر خدمت ہو جائیں اور ان کے جنگی قیدی، ان کے مویشی اور دیگر اموال غنیمت واپس کر دیئے جائیں۔ لیکن جب دو ہفتہ تک ہوازن کی طرف سے کوئی سلسلہ جنبانی نہ ہوئی تو پھر سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان اموال غنیمت کو تقسیم کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس کی تفصیل آپ آئندہ ملاحظہ فرمائیں گے۔

حصار طائف

معرکہ حنین کی ابتدائی چند ساعتیں مسلمانوں کیلئے بڑی تکلیف دہ اور صبر آزما تھیں لیکن قائد لشکر اسلامیاں سیدنا محمد رسول اللہ فداہ روحی و قلبی کی بے نظیر شجاعت اور بے عدیل استقامت نے جنگ کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے۔ اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو سن کر مہاجرین و انصار آناً فاناً اپنے ہادی و مرشد کے ارد گرد جمع ہو گئے اور حکم ملتے ہی انہوں نے ہوازن و ثقیف کے لشکر جرار پر یوں حملہ کیا جس طرح شیر ببر بھیڑوں کے گلے پر جھپٹتا ہے اور انہیں بھاگ جانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ لوگ اپنی چہیتی بیگمات اور اپنے جان سے پیارے فرزندوں کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر محض اپنی جانیں بچانے کیلئے حواس باختگی کے عالم میں میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ ان کا ایک حصہ نخلہ کی طرف بھاگ گیا، دوسرے حصہ نے اوطاس کا رخ کیا، اس کی تفصیلات آپ ابھی پڑھ چکے ہیں۔ لیکن اس لشکر کی کثیر تعداد طائف کے مستحکم قلعوں میں مورچہ بند ہونے کیلئے طائف کی طرف دوڑی۔ ان کا سپہ سالار اعلیٰ مالک بن عوف اپنی فوج کے بھگوڑوں کے آگے آگے بھاگا جا رہا تھا۔ ماہ شوال سنہ 8 ہجری میں سرکار دو عالم فداہ ابی وامی نے جب طائف کی طرف روانگی کا ارادہ فرمایا تو طفیل بن عمرو الدوسی کو حکم دیا کہ وہ "ذوالکفین"

1۔ "نظرۃ جدیدۃ"، صفحہ 342

کے صنم اوراس کے متعلقہ بت کدہ کو تباہ و برباد کرنے کے بعد طائف میں آکر حضور پاک کے لشکر کے ساتھ مل جائے۔ ذوالکفین لکڑی سے بنا ہوا بت تھا۔ اس کے بت کدہ کے پروہت کا نام عمرو بن حممہ تھا۔ طفیل بڑی سرعت سے اس پر حملہ آور ہوئے اور اسے آگ میں جھونک کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ اس وقت اس نے یہ شعر پڑھے :

يَا ذَا الْكَفَّيْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِكَا
مِيلَادُنَا أَقْدَمُ مِنْ مِيلَادِكَا

"اے ذوالکفین! میں تیرے بندوں سے نہیں ہوں۔ میری پیدائش تمہاری پیدائش سے بہت پہلے ہوئی تھی۔"

إِنِّي حَشَيْتُ النَّارَ فِي فُؤَادِكَا (1)

"میں نے تیرے دل میں آگ جھونک دی ہے۔"

اس فریضہ کی ادائیگی کے بعد اپنی قوم کے چار سو مجاہدوں کو ساتھ لے کر بڑی تیزی سے طائف کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ اپنے ساتھ منجنیق اور دبابہ لے کر گئے تھے۔ حضور کے طائف میں پہنچنے کے چار دن بعد طفیل اپنی منجنیق اور دبابہ کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوگئے۔ (2)

طائف کی دفاعی اہمیت

دفاعی نقطہ نظر سے طائف کا شہر بہت مستحکم تھا۔ اس کے اردگرد دوہری فصیل تھی جو سنگ خارا سے تیار کی گئی تھی۔ اس کے معماروں نے اس کی بنیادیں اس طرح اٹھائی تھیں اور اس کی دیواروں کی ایسی چنائی کی تھی کہ اس کو ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔ طائف کے باشندوں نے جب دیکھا کہ اسلامی لشکر ان کے شہر کے قریب پہنچنے والا ہے تو انہوں نے اپنے شہر کی فصیل میں جتنے دروازے تھے انہیں مضبوطی سے بند کر دیا۔ انہوں نے عزم مصمم کر لیا کہ وہ ہر قیمت پر اپنے شہر کا دفاع کریں گے اور مسلمانوں کیلئے اس شہر میں داخلہ کو ناممکن بنا دیں گے۔

سرکار دوعالم ﷺ کو جب طائف کے قبیلہ ثقیف کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تو نبی کریم

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 318

2۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 109

علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کی سرکوبی کیلئے طائف کا رخ کیا۔ حضور پاک نے اپنے سے پہلے حضرت خالد بن ولید کو ایک ہزار مجاہدین کا کمانداربنا کر طائف کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ حضرت خالد نے طائف پہنچ کر قلعہ کے ایک کونہ میں اپنے خیمے نصب کر دیئے۔ قبیلہ ثقیف کے جوان مسلح ہو کر قلعہ کی دیوار پر پرابنا کر کھڑے ہوگئے۔ حضرت خالد نے قلعہ کے ارد گرد چکر لگایا تا کہ اس کے اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ دریافت کر سکیں۔ جب کوئی راستہ نہ ملا تو آپ نے ایک طرف کھڑے ہو کر بلند آواز سے قلعہ والوں کو پکارا۔ کہ تم میں سے بعض آدمی قلعہ سے اتر کر میرے پاس آئیں تا کہ ہم باہمی مذاکرات سے کسی نتیجہ پر پہنچیں۔ جب تک تمہارے آدمی ہمارے پاس رہیں گے ہم انکی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے اور اگر تمہیں ہمارے پاس آنے میں کوئی عذر ہے تو اسی شرط پر میں تمہارے پاس آنے کیلئے اور گفتگو کرنے کیلئے تیار ہوں۔ تمہیں میری حفاظت کا یقین دلانا ہوگا۔ انہوں نے کہا، نہ ہم میں سے کوئی آدمی آپ کے پاس بات چیت کرنے کیلئے آئے گا اور نہ ہم آپ کو اپنے پاس آنے کی اجازت دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا، اے خالد! آج تک تمہارے صاحب کو کسی ایسی قوم سے جنگ کرنے کا اتفاق نہیں ہوا جو جنگ کرنے میں مہارت رکھتی ہو۔ پہلی دفعہ انہیں ہم سے برسرپیکار ہونے کا موقع ملا ہے۔ ہم انہیں بتائیں گے کہ جنگجو کیسے ہوتے ہیں اور میدان کارزار میں وہ اپنے مدمقابل کو کس طرح شکست سے دوچار کرتے ہیں۔

حضرت خالد نے فرمایا کہ ان گیدڑ بھبکیوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ میرے آقا فداہ روحی و قلبی نے اس سے پہلے خیبر میں یہود کے قلعوں کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ اہل فدک کی طرف حضور نے صرف ایک آدمی بھیجا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ میں تمہیں اس ہولناک انجام سے ڈراتا ہوں جو بنی قریظہ کا مقدر بنا۔ پھر حضور نے مکہ پر اپنی فتح کا پرچم نصب کیا۔ اس کے بعد قبیلہ بنی ہوازن کو دندان شکن شکست دی۔ تمہاری تو ان طاغوتی قوتوں کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہی نہیں۔ تم صرف ایک چھوٹے قلعہ میں سمٹ کر بیٹھے ہو۔ اگر سرکار دو عالم ﷺ تم پر حملہ نہ بھی کریں تو ارد گرد کے قبائل ہی تمہاری تکہ بوٹی کر دیں گے۔

حضرت خالد کو پہلے بھیجنے کے بعد حضور نبی پاک ﷺ بنفس نفیس طائف کی طرف روانہ ہوئے۔ حضور پاک سنہ 8 ہجری ماہ شوال میں طائف کی طرف متوجہ ہوئے۔ حنین سے جب روانہ ہوئے تو پہلے نخلہ، یمانیہ، قرن اور ملیح کی بستیوں سے گذرتے ہوئے بحرۃ

الرعاء تشریف لائے۔ وہاں ایک مسجد تعمیر کی اور اس میں نماز ادا کی۔ یہاں اثنائے قیام ایک قتل کا مجرم پیش ہوا جس کو بطور قصاص موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ یہ اسلام میں قصاص کا پہلا مقدمہ تھا جس کا فیصلہ فرمایا گیا۔ بنی لیث کے ایک آدمی نے ہذیل کے آدمی کو قتل کیا تھا۔ قاتل کو بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے بطور قصاص اسے قتل کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ لیہ کے علاقہ میں ہی مالک بن عوف کا ایک قلعہ تھا جس کو منہدم کرنے کا حکم دیا گیا۔ سرکار دوعالم ﷺ نے ظہر کی نماز لیہ میں ادا کی۔ پھر ایک راستے پر حضور روانہ ہوئے۔ اس راستے کا نام پوچھا تو عرض کی گئی اس کا نام اَلضَّیِّقَۃ ہے۔ آپ نے فرمایا بَلْ هِيَ الْيُسْرٰى "یہ تنگ نہیں بلکہ آسان راستہ ہے۔" پھر حضور پاک کا گزر نخب کی وادی سے ہوا۔ یہاں آکر حضور پاک نے ایک بیری کے درخت کے نیچے آرام فرمایا۔ اس درخت کو اَلصَّادِرَۃ کہا جاتا تھا۔ یہاں بنو ثقیف کے ایک آدمی کا مکان تھا جس میں وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ حضور نے اس کی طرف پیغام بھیجا کہ یا تو باہر نکل آؤ یا ہم اس مکان کو نذر آتش کر دیں گے۔ اس نے باہر نکلنے سے انکار کیا تو حضور نے اس کو جلا دینے کا حکم دیا۔ (1)

یہاں سے روانہ ہو کر طائف کے قریب خیمہ زن ہوئے۔ بنو ثقیف کے جو لوگ قلعہ کی فصیل پر کھڑے ہوئے تھے، ان کی تعداد ایک سو تھی، انہوں نے لشکر اسلام پر تیر برسانے شروع کئے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ تیر نہیں بلکہ ٹڈی دل کا ایک لشکر ہے جو مسلمانوں کو تہس نہس کر کے دم لے گا۔ مسلمانوں کے بہت سے مجاہدین زخمی اور بارہ مجاہد شہید ہو گئے۔ سرکار دوعالم فداہ قلبی وروحی نے لشکر کو خیمے اکھیڑ لینے کا حکم دیا اور انہیں وہاں خیمے نصب کرنے کی ہدایت فرمائی جو تیروں کی رسائی سے باہر تھی۔ (یہی وہ جگہ ہے جہاں بعد میں مسجد تعمیر کی گئی۔ اس مسجد کو تعمیر کرنے والے خود قبیلہ ثقیف کے جوان تھے جنہوں نے صدق دل سے اسلام قبول کیا اور خداوند قدوس کی عبادت کیلئے یہ مسجد تعمیر کر دی۔ اس مسجد کے بانی کا نام امیہ بن عامر بن وہب تھا۔ کہتے ہیں اس مسجد میں ایک ستون تھا کہ ہر صبح جب سورج طلوع ہوتا تو اس سے ایک خاص قسم کی آواز نکلتی۔ لوگ کہا کرتے کہ یہ اللہ کی تسبیح کر رہا ہے۔)

اس سفر میں دو امہات المومنین رضی اللہ عنہما۔ حضرت ام سلمہ اور سیدتنا زینب ہمراہ

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 556-557

تھیں۔ حضور پاک کیلئے دو خیمے نصب کئے گئے تھے اور ان خیموں کے درمیان حضور پاک کا مصلیٰ بچھایا جاتا۔

عمرو بن امیہ ثقفی، جو اپنے زمانے میں بہت ہی چالاک و شاطر تسلیم کیا جاتا تھا، اس نے اپنے قبیلے والوں کو حکم دیا کہ اگر مسلمانوں کی طرف سے تمہیں قلعہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کی دعوت دی جائے تو تم اسے ہرگز قبول نہ کرنا۔ مسلمانوں کو یہاں ٹھہرے رہنے دو جتنا وہ ٹھہر سکتے ہیں۔ اسی اثناء میں حضرت خالد تشریف لے آئے اور آپ نے مَنْ يُبَارِزُ کا چیلنج دیا کہ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو میرے ساتھ آکر جنگ کرے؟ لیکن کسی نے جواب نہ دیا۔ اسی طرح آپ نے دوسری بار پھر تیسری بار چیلنج کیا لیکن کوئی مقابلہ کیلئے نہیں آیا۔ آخر کار ان کا ایک رئیس عبدیالیل نے جواب دیا تم ایک بار نہیں، سو بار ہمیں پکارو ہم کھلے میدان میں تمہارے ساتھ پنجہ آزمائی نہیں کریں گے۔ ہم نے اشیائے خوردنی اتنی وافر مقدار میں ذخیرہ کرلی ہیں کہ کئی سال بھی اگر تم ہمارا محاصرہ کئے رکھو تو ہمیں خوراک کی قلت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اور اگر تم اپنے محاصرے کو اتنے سال طول دو کہ ہماری رسد ختم ہو جائے تو ہم سب شمشیر بکف میدان میں نکل آئیں گے اور تمہارے ساتھ اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک ہمارا ایک آدمی بھی زندہ ہوگا۔

مسلمان باہر سے ان لوگوں پر تیر برساتے اور وہ قلعہ کے اندر سے مسلمانوں پر تیر افگنی کرتے رہے یہاں تک کہ دونوں طرف سے کثیر تعداد میں لوگ زخمی ہوگئے اور مسلمان مجاہدین میں سے متعدد افراد نے رتبہ شہادت حاصل کیا۔

حضور کا ایک اہم اعلان

رحمت عالم ﷺ کی طرف سے ایک اعلان کیا گیا کہ جو غلام لشکر اسلام میں داخل ہو جائے گا وہ آزاد ہوگا۔ چودہ پندرہ ایسے غلام تھے جو یہ اعلان سن کر لشکر اسلام میں شامل ہوگئے اور سرکار دوعالم ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا اور اس قسم کے ہر شخص کو ایک مسلمان کے حوالے کر دیا اور اس کو اس آزاد کردہ غلام کی خوراک، لباس اور بود و باش کا ذمہ دار قرار دے دیا۔

مجلس مشاورت

جب طائف کے محاصرہ نے طول کھینچا تو سرکار دو عالم ﷺ نے مشورہ کیلئے اپنے صحابہ کرام کو طلب فرمایا۔ جب سب جمع ہو گئے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! میری رائے تو یہ ہے کہ حضور اس قلعہ کی دیواروں کو پاش پاش کرنے کیلئے منجنیقیں نصب کریں۔ ہم ایران میں قلعوں کی فصیلوں کو گرانے کیلئے منجنیقوں سے سنگباری کیا کرتے تھے اور اس طرح ان کی دیواروں میں شگاف کر کے اندر گھس جاتے اور ان پر قبضہ کر لیا کرتے تھے۔ حضور پاک نے آپ کو منجنیق تیار کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے ایک منجنیق بنائی اور اسی کے ذریعے سے طائف کے قلعہ پر سنگ باری کی گئی۔ یہ پہلی منجنیق تھی جو اسلام میں بنائی گئی اور استعمال کی گئی۔

دوسری روایت میں ہے کہ یزید بن زمعہ بن اسود، وہ شخص ہیں جو دو دبابے لے کر آئے تھے اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ طفیل بن عمرو الدوسی ایک منجنیق اور ایک دبابہ اپنے ساتھ لیکر طائف میں حاضر ہوئے۔ بعض نے خالد بن سعید کا نام لیا ہے کہ وہ جرش کے مقام سے ایک منجنیق اور دو دبابے لے کر حاضر ہوئے تھے۔

منجنیق ایک آلہ ہے جس سے بھاری بھر کم پتھر پھینک کر دیوار کو گرایا جاتا ہے۔ دبابہ ایک گاڑی نما آلہ ہے۔ اس کے اوپر ایک چمڑے کا بنا ہوا پختہ سائبان تان دیا جاتا ہے۔ اس کمرہ نما گاڑی میں دس سپاہی بیٹھ سکتے ہیں اور چمڑے کی تنی ہوئی چھت کے باعث قلعے والوں کے تیروں اور پتھروں سے اپنے آپ کو محفوظ کر کے قلعہ کی دیوار کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور دیوار میں نقب لگا کر اس میں شگاف ڈال لیتے ہیں۔ پھر اس دیوار کو منجنیقوں کے ذریعے سنگباری کر کے منہدم کر دیتے ہیں۔ ان آلات حرب سے اہل عرب واقف نہ تھے اور نہ کبھی انہوں نے جنگوں میں اسے استعمال کیا تھا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، جنہوں نے جنگ احزاب میں مدینہ طیبہ کے ارد گرد خندق کھودنے کا مشورہ دے کر مشرکین عرب کے لشکر جرار کو مبہوت کر کے رکھ دیا تھا، انہی کے مشورے سے مسلمانوں نے منجنیق کا استعمال شروع کیا۔

طائف کے محاصرہ میں مسلمانوں نے منجنیق کے ذریعے فصیل کی دیواروں پر سنگباری

کی لیکن وہ اس میں شگاف نہ ڈال سکے۔ پھر مسلمان دبابوں میں بیٹھ کر فصیل کے قریب پہنچے تا کہ فصیل میں نقب لگا کر مجاہدین کے اندر گھسنے کیلئے راستہ بنائیں۔ اہل طائف نے لوہے کی سلاخوں کو آگ میں سرخ کر کے ان دبابات پر پھینکا جن میں بیٹھ کر مسلمان نقب لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان سرخ سلاخوں کے گرنے سے دبابوں کی چھتیں جل گئیں اور مسلمانوں پر انہوں نے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ اس لئے مسلمانوں کو واپس جانا پڑا۔ چالیس روز تک لشکر اسلام نے طائف کا محاصرہ جاری رکھا لیکن طائف فتح نہ ہوا۔ اس عرصہ میں کافی مسلمان زخمی ہوئے اور بعض نے جام شہادت نوش کیا۔(1)

سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہش تھی کہ کسی طرح ان کو ان کے قلعہ سے نکلنے پر مجبور کیا جائے تا کہ وہ کھلے میدان میں مجاہدین اسلام سے پنجہ آزمائی کریں۔ جب منجنیق اور دبابوں کے استعمال سے یہ مقصد پورا نہ ہوا تو نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ان کے انگوروں کی بیلوں اور کھجور کے درختوں کو کاٹ کر رکھ دیں۔ اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میں جب مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش سے انگور کی بیلوں اور کھجوروں کے درختوں کو کاٹنا شروع کیا تو بنو ثقیف کے ہوش اڑ گئے۔ انہوں نے عرض کی، آپ ہمارے ان قیمتی باغات کو کیوں برباد کر رہے ہیں۔ اگر آپ نے ہم پر فتح حاصل کر لی، یہ باغات آپ کے کام آئیں گے اور اگر ہم غالب ہوئے تو یہ ہمارے پاس رہیں گے۔ ہم آپ کو اللہ اور اپنی قرابت کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ ان ہرے بھرے باغات کو اپنے حال پر رہنے دیں۔ رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا فَاِنِّیْ اَدَعُهَا لِلّٰهِ وَلِلرَّحِمِ "میں ان کو اللہ کیلئے اور قرابت کیلئے چھوڑ رہا ہوں۔"

علامہ زرقانی کی تحقیق کے مطابق سرور عالم ﷺ کے ساتھ ثقیف کا یہ رشتہ تھا: حضور کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام برہ بنت عبد العزیٰ بن قصی تھا اور اس برہ کی والدہ کا نام ام حبیب بنت اسد تھا۔ ام حبیب کی والدہ کا نام برہ بنت عوف تھا اور برہ کی والدہ کا نام قلابہ بنت حرث تھا اور قلابہ کی والدہ کا نام ہند بنت یربوع تھا جو قبیلہ ثقیف کی ایک خاتون تھی۔ چنانچہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ انگوروں کی بیلوں اور کھجور کے درختوں کو کاٹنا بند کر دیں۔

1۔ ایضاً، صفحہ 516

عیینہ بن حصن

عیینہ بن حصن بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی، اگر آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اہل طائف کے ساتھ مذاکرات کروں، تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے دے گا۔ سرکار دوعالم ﷺ نے اجازت دیدی۔ وہ ان کے پاس گیا اور انہیں کہا کہ تم اپنے موقف پر ڈٹے رہو، اگر تم نے ہار مان لی تو ہم غلاموں سے زیادہ ذلیل وخوار ہو جائیں گے۔ ہرگز اپنے ہاتھوں سے کوئی چیز نہ دو اور اگر وہ تمہارے باغات کاٹ رہے ہیں تو اس سے دل گرفتہ ہونے کی ضرورت نہیں، تھوڑی سی کوشش سے اور باغات اگائے جاسکتے ہیں۔ یہ باتیں کرنے کے بعد وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا۔ آپ نے پوچھا، عیینہ! تم نے ان کے ساتھ کیا باتیں کیں؟ اس نے کہا میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ میں نے ان کو آتش جہنم سے ڈرایا ہے اور جنت کی راہ انہیں دکھائی ہے۔ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا عیینہ! تم جھوٹ بول رہے ہو بلکہ تم نے یہ یہ باتیں کیں۔ جو کچھ اس نے کہا تھا، حضور پاک نے کہہ سنایا۔ یہ سن کر اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلا صَدَقْتَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ وَ اِلَیْکَ مِنْ ذٰلِکَ "یارسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا۔ جو ہذیاں سرائی میں نے کی ہے اس پر اللہ کی جناب میں بھی توبہ کرتا ہوں اور حضور سے بھی معافی مانگتا ہوں۔" (1)

صخر بن عیلہ الاحمسی

صخر بن عیلہ نے جب یہ سنا کہ رحمت عالم ﷺ نے بنو ثقیف پر حملہ کیا ہے تو وہ اپنے شہسواروں سمیت گھوڑوں پر سوار ہو کر رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد کرنے کیلئے طائف آیا۔ جب وہ طائف پہنچا تو حضور پاک محاصرہ اٹھا کر واپس تشریف لے جاچکے تھے اور طائف فتح نہیں ہوا تھا۔ صخر نے اپنے ساتھ یہ عہد کیا کہ میں اس مقام کو اس وقت تک چھوڑ کر نہیں جاؤں گا جب تک بنو ثقیف اللہ کے پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ماننے کیلئے تیار نہ ہو جائیں۔ چنانچہ وہ کافی عرصہ وہاں قیام پذیر رہا یہاں تک کہ بنو ثقیف نے حضور

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 659

پاک کے حکم کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا اعلان کر دیا۔ صخر نے بارگاہ رسالت میں عریضہ تحریر کیا۔ یارسول اللہ! ثقیف نے حضور پاک کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ میں انہیں اپنے ہمراہ لے کر حاضر ہو رہا ہوں، وہ میرے لشکر میں شامل ہو گئے ہیں۔ سرکار دو عالم نے جب یہ مژدہ سنا تو صحابہ کرام کو نماز کیلئے جمع ہونے کا حکم دیا اور ان الفاظ سے دس بار احمسی کیلئے دعا فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِاَحْمَسَ فِیْ خَیْلِھَا وَ رِجَالِھَا "اے اللہ! احمس کے سواروں اور پیادوں میں برکت عطا فرما۔"

جب یہ لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے عرض کی، یارسول اللہ! صخر نے میری پھوپھی کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس کو طلب کیا اور اسے سمجھایا، اے صخر! جب کوئی قوم اسلام قبول کر لیتی ہے تو ان کے خون اور اموال محفوظ ہو جاتے ہیں۔ مغیرہ کی پھوپھی اس کو واپس کر دو۔ چنانچہ اس نے ارشاد نبوت کی تعمیل کی۔

اسی صخر نے بارگاہ رسالت پناہ میں عرض کی کہ بنو سلیم کا چشمہ مجھے عطا فرمایا جائے کیونکہ وہ اسلام سے دستبردار ہو کر یہاں سے بھاگ گئے ہیں اور اس چشمہ کو چھوڑ دیا ہے مجھے اور میری قوم کو وہاں اقامت گزیں ہونے کی اجازت فرمائی جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجازت دے دی۔ پھر بنی سلیم قبیلہ حضور پاک کے پاس حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔ نیز عرض کی کہ صخر کو حکم دیں کہ وہ ہمارا چشمہ ہمیں واپس کر دے۔ حضور نے فرمایا، اے صخر! جب کوئی قوم اسلام قبول کر لیتی ہے تو ان کی جانیں اور اموال محفوظ ہو جاتے ہیں۔ تم اس چشمہ کو انہیں واپس کر دو۔ صخر نے تعمیل کرتے ہوئے چشمہ ان کے حوالے کر دیا۔(1)

طائف کا محاصرہ اٹھانے کی وجوہات

"الرسول القائد" کے مصنف نے ان اسباب پر روشنی ڈالی ہے جن کے باعث نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طائف کا محاصرہ اٹھانے کا فیصلہ فرمایا:

1--طائف کے قلعے بہت مضبوط تھے، بنو ثقیف قبیلہ کے لڑاکے بڑے بہادر تھے اور تیر افگنی میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ نیز انہوں نے سامان خورونوش اتنی وافر مقدار میں

1۔ شوقی ابو خلیل، "حنین وطائف"، صفحہ 77-78

ذخیرہ کر لیا تھا کہ وہ باہر سے کسی رسد کے ملے بغیر عرصہ دراز تک مسلمانوں کے ساتھ جنگ کا سلسلہ جاری رکھ سکتے تھے۔

2-- جنگی نقطہ نظر سے طائف کی بڑی اہمیت تھی۔ کسی وقت بھی اسلام دشمن قوتیں یہاں اکٹھی ہو کر مسلمانوں کیلئے خطرہ کا باعث بن سکتی تھیں لیکن جب قبیلہ ہوازن نے میدان جنگ میں شکست فاش کھائی اور مسلمانوں کے اخلاق حسنہ سے متاثر ہو کر سارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا۔ نیز بنو ثقیف کے کثیر التعداد لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا حتیٰ کہ ان کے سپہ سالار اعلیٰ مالک بن عوف نے بھی شرک و کفر سے رشتہ توڑ کر حضور نبی کریم ﷺ کی غلامی کی سعادت حاصل کر لی اور سچے دل سے اسلام کی ترقی کیلئے اپنی مساعی کو وقف کر دیا تو اب طائف مسلمانوں کیلئے خطرہ کا مرکز نہ رہا۔ دفاعی نقطہ نظر سے اس کی سابقہ اہمیت باقی نہ رہی۔ ایک غیر اہم شہر پر بلا مقصد محاصرہ کو طول دینا قرین دانشمندی نہ تھا۔

3-- ماہ شوال ختم ہونے والا تھا۔ اس کے بعد ماہ ذیقعد کا چاند طلوع ہونیوالا تھا جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے جنگ و قتال کو مسلمانوں کیلئے ممنوع قرار دے دیا ہے۔ اس لئے اس ماہ کے ہلال کے طلوع سے پہلے طائف کے حصار کو ختم کرنا ضروری سمجھا گیا۔

4-- مسلمانوں کو مدینہ طیبہ سے نکلے ہوئے دو ماہ سے زیادہ عرصہ گزرنے والا تھا۔ اب مجاہدین یہ خواہش کرنے لگے کہ انہیں اپنے وطن واپس جانے کی اجازت دی جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے اس اقدام کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب طائف کے محاصرہ کو دو ہفتوں سے زیادہ گزر گئے تو حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نوفل بن معاویہ الدیلمی سے مشورہ کیا اور فرمایا، اے نوفل! تمہاری کیا رائے ہے، کیا ہم ان کا محاصرہ جاری رکھیں؟

انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! ایک لومڑی بھٹ میں گھسی ہوئی ہے۔ اگر آپ وہاں ٹھہرے رہیں گے تو ضرور اس کو پکڑ لیں گے اور اگر آپ اس کو نظر انداز کر دیں تو حضور پاک کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

ان حالات کے پیش نظر نبی رحمت ﷺ نے طائف کا محاصرہ اٹھانے کا فیصلہ فرمایا۔ اس وقت بعض صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! ثقیف کیلئے بددعا فرمائیے۔ سرکار دو عالم

نبی رحمت ﷺ نے بددعا کرنے کی بجائے انہیں اپنی دعائے خیر سے سرفراز فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِھْدِ ثَقِیْفًا وَّاٰتِ بِھِمْ "اے اللہ! ثقیف کو نور ہدایت بخش دے اور ان سب کو میرے پاس لے آ۔" (1)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی التجاء کو شرف قبولیت بخشا اور بہت جلد یہ لوگ مدینہ طیبہ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے جس کا تذکرہ عام الوفود کے حالات میں کیا جائے گا۔

طائف سے واپسی

ایک دن حضرت خویلہ نے حضرت فاروق اعظم کو بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس سال مجھے طائف فتح کرنے کا اذن نہیں ملا۔ یہ سن کر حضرت فاروق اعظم بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ! خویلہ نے مجھے حضور کی طرف سے یہ بات بتائی ہے، کیا حضور نے یہ فرمایا ہے؟ حضور نے فرمایا، ہاں! میں نے ایسا کہا ہے۔ کیا حضور کو اس سال طائف فتح کرنے کا اذن نہیں ملا؟ فرمایا نہیں۔ حضرت عمر نے عرض کی، کیا میں کوچ کا اعلان کر دوں؟ حضور نے فرمایا کر دو۔ چنانچہ حضرت عمر نے اعلان کر دیا کہ لشکر اسلام کل صبح واپس روانہ ہو جائے گا۔ لوگوں نے جب یہ اعلان سنا تو انہوں نے واویلا شروع کر دیا کہ کیا طائف کو فتح کئے بغیر ہم واپس چلے جائیں گے؟ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر تمہیں طائف کو فتح کئے بغیر واپس جانا ناگوار ہے تو پھر صبح سویرے دشمن کے ساتھ جنگ شروع کر دو۔ چنانچہ مسلمان صبح سویرے میدان جنگ میں پہنچ گئے۔ اہل طائف نے ان پر زبردست تیر برسائے جس سے مسلمان بڑی تعداد میں زخمی ہو گئے۔ اسی معرکہ میں ابوسفیان بن حرب کی ایک آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔ اور وہ اپنی آنکھ کے ڈھیلے کو ہاتھ میں لئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے فرمایا ابوسفیان! تمہیں کیا پسند ہے، کیا اس کے بدلے میں تم جنت میں آنکھ لینا چاہتے ہو یا اللہ سے دعا کروں اور تمہاری یہ آنکھ درست ہو جائے؟ حضرت ابوسفیان نے عرض کی یارسول اللہ! مجھے جنت میں آنکھ عطا فرمائیں۔ انہوں نے آنکھ کا ڈھیلا جو اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا زمین پر دے مارا۔ پھر عہد فاروقی میں ابوسفیان کو جنگ

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 309

یرموک میں شرکت کا موقع ملا۔ وہاں انہوں نے کفار سے جنگ کی۔ اس جنگ میں آپ کی دوسری آنکھ بھی ضائع ہوگئی۔ پھر حضور نے فرمایا:

إِنَّا قَافِلُونَ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ وَسُرُّوا بِذٰلِكَ وَأَذْعَنُوا وَجَعَلُوا يَرْحَلُونَ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُ۔

"ہم ان شاء اللہ اب لوٹ جائیں گے۔ یہ سن کر لوگوں کو بڑی خوشی ہوئی اور کوچ کی تیاریوں میں منہمک ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ یہ منظر دیکھ کر ہنسنے لگے۔"

اس جنگ میں بارہ صحابہ کرام شہید ہوگئے۔ جن میں سے سات قریش کے مختلف قبائل سے تھے، چار انصاری تھے اور ایک شخص بنولیث قبیلہ کا فرد تھا۔

شہداء طائف کے اسماء گرامی

1۔ سعید بن سعید بن العاص بن امیہ

2۔ عرفطہ بن حباب

3۔ یزید بن زمعہ بن الاسود

4۔ عبداللہ بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما

5۔ عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ المخزومی

6۔ عبداللہ بن عامر بن ربیعہ

7۔ السائب بن الحارث بن قیس

8۔ عبداللہ بن الحارث

9۔ جلیحہ

10۔ ثابت بن الجذع۔ ان کا نام ثعلبہ السلمی تھا

11۔ حارث بن سہل صعصعہ

12۔ منذر بن عبداللہ بن نوفل رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ (1)

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 565-566

عروہ بن مسعود کی شہادت

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب طائف سے مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے تو عروہ بن مسعود طائف پہنچے۔ جب انہیں پتا چلا کہ رحمت عالمیاں واپس مدینہ طیبہ روانہ ہوگئے ہیں تو حضور کے دیدار کا شوق انہیں کشاں کشاں حضور پاک کے پیچھے لے آیا اور راستے میں ہی ان کی ملاقات حضور پاک سے ہوگئی۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ! مجھے اجازت ہو تو میں واپس طائف چلا جاؤں اور اپنی قوم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دوں۔ حضور پاک نے فرمایا تمہاری قوم تمہیں کہیں قتل نہ کردے۔ عروہ کہنے لگا، یارسول اللہ! وہ تو مجھ پر جان چھڑکتے ہیں اور اپنی کنواری بچیوں سے زیادہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ بلاشبہ اپنی قوم میں وہ مخدوم اور مطاع تھا۔ وہ جب پہنچا، اسے امید تھی کہ جب یہ انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دے گا تو بلا تامل وہ اسے قبول کرلیں گے۔ لیکن جب اس نے ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر اپنی قوم کو اسلام قبول کرنے کی تلقین کی تو انہوں نے اسے اپنے تیروں کا نشانہ بنایا جن کے لگنے سے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ اپنی وفات سے پہلے انہوں نے ایک بڑا ایمان افروز جملہ کہا کَرَامَۃٌ اَکْرَمَنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی بِھَا وَشَہَادَۃٌ سَاقَھَا اللّٰہُ تَعَالٰی اِلَیَّ "یہ بڑی عزت افزائی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرف فرمایا ہے۔ یہ میری موت شہادت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے ارزانی فرمائی۔" میرے ساتھ وہی برتاؤ کرنا جو میرے دوسرے شہید بھائیوں کے ساتھ کروگے اور مجھے انہیں شہداء کے پہلو میں دفن کردینا۔(1)

عروہ جیسے محبوب اور ہر دلعزیز رئیس کو انہوں نے قتل تو کردیا لیکن اس سانحہ نے ان کو ہلا کر رکھ دیا۔ اب انہیں اپنی اس حماقت کا احساس ہونے لگا۔ انہوں نے اپنے چاروں طرف نظر دوڑائی تو ارد گرد آباد قبائل کی غالب اکثریت نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اب ان کی مثال ایک چھوٹے سے جزیرے کی تھی جس کو چاروں طرف سے سمندر نے گھیر رکھا ہو۔ انہوں نے سوچا کہ اگر اب بھی وہ کفر پر اڑے رہے تو وہ اسلامی لشکر کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے اور انہیں عبرت ناک شکست سے دوچار ہونا پڑے گا۔ انہوں نے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ وہ عبدیالیل کو حضور پاک کے پاس بھیجیں۔ عبدیالیل نے ان کی اس درخواست کو مسترد

1۔ "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1057

کر دیا۔ انہوں نے کہا تم میرے ساتھ بھی وہی سلوک کرو گے جو تم نے عروہ کے ساتھ کیا ہے۔ عبدیالیل نے کہا کہ میرے ساتھ اپنا ایک وفد روانہ کرو۔ چنانچہ یہ وفد مدینہ طیبہ پہنچا(1)۔ اس وفد کی بارگاہ رسالت میں حاضری اور اس کے خوش آئند نتائج کا تذکرہ ہم عام الوفود کے ضمن میں کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی طائف سے جعرانہ واپسی

حضور نبی پاک ﷺ طائف سے روانہ ہو کر دحناء آئے، وہاں سے قرن المنازل پہنچے، وہاں سے خلہ تشریف لائے۔ وہاں سے جعرانہ قدم رنجہ فرمایا، جو مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے جہاں اموال غنیمت کو اور جملہ قیدیوں کو جمع کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ سراقہ بن جعشم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی رحمت ﷺ طائف سے جعرانہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو میری حضور پاک سے ملاقات ہو گئی۔ میں مجمع کو چیرتا ہوا حضور پاک کے پاس پہنچ گیا۔ لوگ گروہ در گروہ حضور کے آگے آگے جا رہے تھے۔ میں انصار کے سواروں کے دستہ میں کھڑا ہو گیا۔ وہ نیزوں سے مجھے کچوکے دینے لگے۔ مجھے کہتے سامنے سے ہٹ جاؤ، ہٹ جاؤ، تم کون ہو؟ انہوں نے مجھے پہچانا نہیں تھا۔ جب میں سرکار دو عالم ﷺ کے قریب پہنچ گیا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ یہاں سے حضور میری آواز سن سکتے ہیں تو میں نے وہ گرامی نامہ جو سفر ہجرت میں صدیق اکبر نے مجھے لکھ کر دیا تھا، اپنی جیب سے نکالا اور اپنی دو انگلیوں میں پکڑا اور اپنے اس ہاتھ کو بلند کر کے آواز دی أَنَا سُرَاقَةُ بْنُ جُعْشُمٍ وَهٰذَا كِتَابِي "یا رسول اللہ! میں جعشم کا بیٹا سراقہ ہوں اور یہ ہے حضور کا گرامی نامہ" (جس میں میرے لئے حضور نے امان لکھی ہے۔) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ یہ دن وعدہ کو پورا کرنے اور نیکی کرنے کا دن ہے۔ سراقہ کو میرے نزدیک کرو۔ چنانچہ صحابہ نے مجھے حضور کے نزدیک جانے دیا۔ مجھے حضور پاک کی پنڈلی مبارک نظر آنے لگی جو چمک رہی تھی۔ جب میں حضور کے قریب پہنچ گیا تو میں نے سلام عرض کیا۔ میں نے کوئی اور مطالبہ کرنے کے بجائے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! جس حوض کو میں نے اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کیلئے بھرا ہوا ہے، اگر کوئی بھاگا ہوا اونٹ اس حوض سے پانی پیئے تو کیا مجھے اس کا

1۔ ایضاً

اجر ملے گا؟ سرکار نے فرمایا:

نَعَمْ فِیْ کُلِّ ذَاتِ کَبِدٍ حَرٍّ أَجْرٌ

"ہاں! ہر وہ جانور جس کا کلیجہ ہو اس کے پانی پینے سے تجھے ثواب ملے گا۔"

وفد ہوازن کی آمد

سرکار دو عالم ﷺ فداہ قلبی وروحی جب جعرانہ پہنچ گئے تو ہوازن کی طرف سے چودہ آدمیوں کا ایک وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ ان کا رئیس زہیر بن صرد تھا۔ ان میں حضور پاک ﷺ کا رضاعی چچا ابو برقان بھی تھا۔ ان سب نے اسلام قبول کر لیا اور عرض کی، یارسول اللہ! ہماری اصل ایک ہے۔ ہم ایک قبیلہ کے فرد ہیں۔ ہمیں ایسی مصیبت پہنچی ہے جو حضور پر مخفی نہیں۔ حضور ہم پر احسان فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنے احسانات فرمائے، پھر ان کا خطیب اور رئیس زہیر بن صرد کھڑا ہوا اور عرض کی:

یارسول اللہ! ان قیدیوں میں حضور کی پھوپھیاں، خالائیں اور دائیاں بھی ہیں جو حضور کی خدمت کیا کرتی تھیں اور اگر ہم مکہ کے رؤساء میں سے حارث بن ابی شمر یا نعمان بن منذر کے پاس بطور اسیران جنگ پیش کئے جاتے تو وہ ضرور ہم پر مہربانی کرتے اور ہمیں معاف کر دیتے۔ یارسول اللہ! آپ تو بہترین کفالت کرنے والے ہیں۔ پھر اس نے اپنا ایک قصیدہ پڑھ کر سنایا جس کے چند اشعار آپ بھی سماعت فرمائیے:

اُمْنُنْ عَلَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فِیْ کَرَمٍ
فَاِنَّکَ الْمَرْءُ نَرْجُوْہُ وَ نَنْتَظِرُ

"اے اللہ کے رسول! ہم پر کرم فرماتے ہوئے احسان فرمائیے کیونکہ آپ کی وہ ذات ہے جس سے خیر کی امید کی جاسکتی ہے اور جس کے احسان کا انتظار کیا جاتا ہے۔"

اُمْنُنْ عَلٰی نِسْوَۃٍ قَدْ کُنْتَ تَرْضَعُھَا
اِذْ فُوْکَ مَمْلُوْءَۃٌ مِنْ مَحْضِھَا الدِّرَرُ

"ان عورتوں پر احسان فرمائیے جن کا آپ دودھ پیا کرتے تھے اور آپ

کادہن مبارک ان کے خالص دودھ سے بھر جاتا تھا۔"

إِنَّا نُؤَمِّلُ عَفْوًا مِنْكَ تُلْبِسُهُ

هَادِي الْبَرِيَّةِ اَنْ تَعْفُوَ وَتَنْتَصِرُ (1)

"ہم حضور سے عفو و درگزر کی توقع رکھتے ہیں۔ حضور ساری مخلوق کے راہبر ہیں۔ اگر حضور عفو و درگزر سے کام لیں اور ہماری مدد فرمائیں تو بعید از کرم نہ ہوگا۔"

اس قصیدہ کو سن کر حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، مجھے وہ بات محبوب ہے جو سچی ہو۔ ان دو چیزوں سے ایک چیز کو چن لو، یا اپنے جنگی قیدیوں کو یا اپنے مال مویشیوں کو۔ میں نے آج تک تمہارا انتظار کیا اور مال غنیمت تقسیم کرنے میں دانستہ تاخیر کی۔ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! حضور نے ہمیں اپنی عورتوں اور بچوں اور مال مویشی میں سے ایک چیز چننے کا اختیار دیا ہے۔ حضور ہماری عورتوں اور بچوں کو ہمیں واپس فرما دیجئے۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا، ان قیدیوں میں سے جو میرا حصہ ہے اور عبد المطلب کے کسی فرزند کا حصہ ہے، وہ تو میں تمہیں واپس کرتا ہوں۔ بقیہ قیدیوں کے بارے میں تم ایسا کرنا کہ جب میں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ چکوں تو تم کھڑے ہو جانا اور یوں گویا ہونا کہ "ہم مسلمانوں کے سامنے حضور کو بطور شفیع پیش کرتے ہیں اور مسلمانوں کو بارگاہ رسالت میں اپنا شفیع پیش کرتے ہیں اپنے بچوں اور عورتوں کی واپسی کے سلسلہ میں۔ تم جب اس طرح کہو گے تو میں اپنے حصہ کے جنگی قیدی تمہارے حوالے کردوں گا۔ اور دوسرے مسلمانوں سے ان کے حصہ کے جنگی قیدیوں کے بارے میں واپسی کا مطالبہ کروں گا۔" نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ظہر کی نماز سے فارغ ہو گئے تو وہ لوگ کھڑے ہو گئے، جس طرح سرکار دو عالم ﷺ نے انہیں سمجھایا تھا اسی طرح اپنی گذارش پیش کی۔ حضور مسلمانوں کے اجتماع میں کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی ثناء کی جس طرح اس کی ثناء کرنے کا حق ہے۔ پھر سب حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ "یہ تمہارے بھائی ہیں جو اب تائب ہو کر تمہاری خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ میں نے یہ مناسب سمجھا ہے کہ ان کے قیدیوں کو واپس کر دوں۔ جو شخص اپنی مرضی سے ایسا کرنا چاہتا ہے وہ بے شک ان کے قیدیوں کو واپس کر

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 571

دے اور جو شخص اپنے حصہ کے اسیران جنگ سے دستبردار ہونے کیلئے تیار نہیں تو وہ اپنے حصہ کے قیدی اپنے پاس رکھے۔ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے جو اموال فئی ہمیں عطا فرمائے گا اس میں سے ہر مجاہد کو جو حصہ ملے گا اس سے چھ گنا فی قیدی ہم اس کو معاوضہ دیں گے۔" یہ سن کر سارے مہاجر یک زبان ہو کر بولے:

وَمَا كَانَ لَنَا فَهُوَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

"جو جنگی قیدی ہمارے ہیں وہ ہم اللہ کے رسول کی نذر کرتے ہیں۔"

اسی طرح سب انصار نے عرض کی وَمَا كَانَ لَنَا فَهُوَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ "جو جنگی قیدی ہمارے حصہ میں آئے ہیں ہم وہ سارے کے سارے بارگاہ رسالت میں بطور نذرانہ پیش کرتے ہیں۔"

صحابہ کرام کے ایمان، تسلیم اور اپنے آقا کے ارشاد کی تعمیل کی یہ حالت تھی کہ جو ان کے ہادی برحق کی خواہش ہوتی، وہی ان کی خواہش ہوتی اور حضور ﷺ کی ہر پسند ان کیلئے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔

مہاجرین و انصار کے علاوہ جو قبائل حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے ان کے فکر کا انداز مختلف تھا۔ بنو تمیم کے سردار اقرع بن حابس نے کہا أَمَّا أَنَا وَبَنُوْ تَمِيْمٍ فَلَا کہ میں اور بنو تمیم اپنے حصہ کے جنگی قیدیوں سے دستبردار ہونے کیلئے تیار نہیں۔"

بنو فزارہ، کا رئیس عینہ بن حصن بولا أَمَّا أَنَا وَبَنُوْ فَزَارَةَ فَلَا "کہ میں اور بنو فزارہ بھی اپنے جنگی قیدیوں کو واپس کرنے کے لئے تیار نہیں۔"

بنو سلیم کے رئیس عباس بن مرداس سلمی نے کہا أَمَّا أَنَا وَبَنُوْ سُلَيْمٍ فَلَا کہ میں اور بنو سلیم بھی اپنے حصہ کے جنگی قیدیوں کو واپس نہیں کریں گے۔" (1)

لیکن بنو سلیم جو صادق الایمان مسلمان تھے اور اپنے ہادی برحق کے اشارہ ابرو پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کیلئے بے تاب رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے رئیس کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا بلکہ عرض کیا بَلْ مَا كَانَ لَنَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ یعنی "جو جنگی قیدی ہم غلاموں کے حصہ میں آئے ہیں وہ سب اللہ کے رسول کی بارگاہ عالی

1۔ ابن ہشام، "السیرۃ النبویہ"، جلد 4، صفحہ 135

میں پیش کرتے ہیں۔" عباس بن مرداس نے اپنی قوم کو کہا کہ تم نے مجھے رسوا کیا۔

اقرع بن حابس، جس نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا وہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھا۔ وہ فیضان صحبت مصطفوی سے ابھی کندن نہیں بنا تھا۔ اس میں ابھی کئی آلودگیاں باقی تھیں وہ مؤلفۃ القلوب کے مقام سے اوپر نہ بڑھ سکا۔

عیینہ بن حصین بھی اجڈ بدوؤں سے تھا۔ فتح مکہ کے بعد اس نے صرف زبان سے اسلام کا اقرار کیا تھا، وہ پھر مرتد ہو گیا اور طلیحہ اسدی، جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا وہ اس کا حلقہ بگوش بن گیا۔(1)

اسیران جنگ کے تصفیہ کے بعد حضور اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے۔ لوگ حضور کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ بدو حضور کے ساتھ لٹکے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے "یا رسول اللہ! ہماری فئی کو ہم پر تقسیم فرمائیے۔" انہوں نے حضور کو ایک درخت کے نیچے جانے پر مجبور کیا اور چادر تک اتار لی۔ حضور نے فرمایا۔ میری چادر تو مجھے واپس کرو۔ مجھے اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، اگر میرے پاس تمہارے حصے کے اتنے اونٹ ہوتے جتنے تہامہ کے درخت ہیں تو ان سب کو میں تم پر تقسیم کر دیتا اور اگر اتنے اونٹ ہوتے جتنے کانٹے ہیں تو میں ان کو بھی تقسیم کر دیتا۔ تم مجھے اموال فئی کو تقسیم کرنے میں نہ بخیل پاتے، نہ غلط بیانی کرنے والا پاتے اور نہ بزدل پاتے۔

رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کی کوہان سے ایک بال لیا۔ اس بال کو اپنے دونوں انگلیوں کے درمیان رکھا، پھر بلند کیا اور کہا اے لوگو! تمہاری فئی میں سے اس بال کے برابر بھی میرا حصہ نہیں ہے۔ میرا حصہ صرف خمس میں ہے اور وہ خمس بھی میں تم میں تقسیم کر دیا کرتا ہوں۔ مال غنیمت سے اگر کسی نے کوئی دھاگا یا سوئی بھی ناحق لی ہے تو وہ واپس کر دو کیونکہ مال غنیمت میں خیانت قیامت کے دن باعث ننگ و عار ہو گی۔ آتش جہنم کے عذاب کا سبب اور بہت بڑا عیب ہو گی۔(2)

سرکار دو عالم ﷺ کا یہ زہد کوئی استثنائی صورت نہ تھا بلکہ حضور کی ساری زندگی اس زہد سے عبارت تھی۔ کئی کئی مہینے گزر جاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں آگ نہیں جلتی

1۔ "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1048 و دیگر کتب سیرت

2۔ ابن ہشام، "السیرۃ النبویہ"، جلد 4، صفحہ 139

تھی۔ حضرت عروہ نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے پوچھا، خالہ جان! آپ کی گزران کیسی تھی؟ آپ نے فرمایا، صرف اسودان پر یعنی کھجور اور پانی پر گزر اوقات ہوتا تھا۔ ہمارے پڑوس میں انصار کے گھر تھے انہوں نے بکریاں پال رکھی تھیں۔ ہمیں وہ اپنی بکریوں کا دودھ بھجوایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

دوسری حدیث میں ام المومنین عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ آل محمد کو تین دن لگاتار گندم کی روٹی میسر نہیں ہوتی تھی۔ حضور اگر چاہتے تو شاہانہ زندگی بسر کر سکتے تھے لیکن حضور نے شاہانہ زندگی پر فقیرانہ زندگی کو ترجیح دی وَلٰكِنَّهٗ اٰثَرَ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا نَّبِيًّا وَّرَفَضَ اَنْ يَّكُوْنَ مَلِكًا نَّبِيًّا۔ ”لیکن آپ ﷺ نے بندہ اور نبی ہونا پسند فرمایا اور بادشاہ اور نبی ہونے کو قبول نہ فرمایا۔“ جب مسلمانوں نے سرور دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد سنا کہ ”اگر کسی نے دھاگا یا سوئی مال غنیمت سے ناحق لیا ہے تو واپس کردے“ ایک انصاری آیا جس کے پاس بالوں سے بٹا ہوا دھاگا تھا، اس نے عرض کی، یارسول اللہ میں نے مال غنیمت سے دھاگا اٹھایا ہے تاکہ اپنے زخمی اونٹ کو ڈھانپنے کیلئے ایک کپڑا بناؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس میں جتنا میرا حق ہے وہ میں تجھے دیتا ہوں۔ اس آدمی نے وہ دھاگا واپس کر دیا۔

عدل وانصاف کا نادر نمونہ

حضرت عبداللہ بن ابی بکر سے مروی ہے کہ حنین کے ایک مجاہد نے بتایا کہ وہ حضور کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور میں اپنی اونٹنی پر سوار تھا۔ میرے پاؤں میں اسوقت موٹی جوتی تھی۔ میری اونٹنی حضور کی اونٹنی کے ساتھ آٹکرائی۔ اس طرح میری موٹی جوتی کا ایک کنارہ حضور کی پنڈلی مبارک کے ساتھ جا ٹکرایا جس سے حضور کو تکلیف ہوئی۔ حضور کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ آپ نے اس سے میرے پاؤں پر مارا اور فرمایا۔ تو نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، مجھ سے پیچھے ہو کر چلو۔ میں ایک طرف ہو گیا۔ دوسرے روز حضور نے مجھے تلاش کرنا شروع کر دیا۔ جب مجھے پتا چلا، میں نے یہ خیال کیا کہ کل میں نے حضور کو اذیت پہنچائی تھی اس کے بارے میں شاید حضور مجھے سرزنش فرمائیں گے۔ میں حاضر ہوا۔ مجھے تو یہ اندیشہ تھا کہ مجھے کل والی غفلت پر سرزنش کی جائے گی لیکن حضور نے میری توقعات کے بالکل برعکس فرمایا۔۔ کل تیرا پاؤں میری پنڈلی سے ٹکرایا تھا جس سے

مجھے اذیت پہنچی تھی اور میں نے چھڑی سے تمہارے پاؤں کو مارا تھا۔ اب میں نے تمہیں بلایا ہے تاکہ اس چھڑی مارنے کا تمہیں معاوضہ ادا کروں۔ پس حضور نے مجھے اسی بکریاں اس کے بدلے میں عطا فرمائیں۔(1)

مؤلفتہ القلوب

جن لوگوں کے دلوں میں الفت پیدا کرنے کیلئے اموال غنیمت میں سے حظ وافر دیا گیا انکی تین قسمیں ہیں:

1۔ پہلی قسم ان لوگوں کی تھی جن کے دلوں میں اسلام کے بارے میں بغض و عناد کی آگ بھڑک رہی تھی۔ ان کو ان کی توقع سے زیادہ جب مال غنیمت دیا گیا تو ان کے دلوں سے اسلام کے خلاف بغض و عناد کے جذبات کافور ہوگئے اور انہوں نے صدق دل سے اسلام کو قبول کرلیا اور ان کے مشرف باسلام ہونے سے اسلام اور اہل اسلام کو بڑی تقویت حاصل ہوئی جیسے صفوان بن امیہ۔

2۔ دوسری قسم ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے اسلام تو قبول کرلیا تھا لیکن ان اموال غنیمت کے ملنے سے ان کا عقیدہ مزید پختہ ہو گیا۔ حضور علیہ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةَ أَنْ يُكَبَّ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِ

"میں بسااوقات ایک شخص کو اموال کثیرہ دیتا ہوں حالانکہ دوسرا شخص مجھے اس شخص سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ میں اس کو اس لئے زیادہ دیتا ہوں تاکہ وہ پھر پھسل نہ جائے اور اسے دوزخ میں اوندھا کر کے نہ پھینک دیا جائے۔"

3۔ تیسری قسم ان لوگوں کی تھی جن کے شر سے اہل اسلام کو بچانے کے لئے انہیں اموال کثیرہ دیئے گئے جس طرح عیینہ بن حصین، عباس بن مرداس اور اقرع بن حابس کو۔ ان لوگوں کو سرکار دوعالم علیہ ﷺ نے اس لئے اموال غنیمت سے حظ وافر عطا فرمایا تاکہ یہ لوگ مسلمانوں کو اذیت دینے سے باز آجائیں۔ ان تینوں قسموں کی مجموعی تعداد تیس تھی اور ان کو

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 575-576

اموال غنیمت میں سے یہ انعام واکرام نہیں دیا گیا بلکہ خمس میں سے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے زید بن ثابت کو حکم دیا کہ وہ مجاہدین کی بھی گنتی کریں اور جو اموال غنیمت حاصل ہوئے ہیں ان کو بھی گنیں اور پھر ان مجاہدین پر تقسیم کریں۔ انہوں نے حساب کیا تو ہر پیدل مجاہد کے حصہ میں چار اونٹ اور چالیس بھیڑیں آئیں اور سواروں کے حصہ میں اس سے تین گنا یعنی بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بھیڑیں آئیں۔ اگر کسی سوار کے پاس ایک گھوڑے کے بجائے دو گھوڑے ہوتے تو اسے بھی ایک گھوڑے کا حصہ ملتا۔ سرکار دو عالم علیہ السلام نے اموال غنیمت سے جو خمس تھا، جو اللہ کے پیارے رسول کا حصہ تھا، اس میں سے ان لوگوں کو فیاضانہ انعامات سے مالا مال فرمایا۔ جن لوگوں کو زیادہ حصہ دیا گیا ان میں سے ایک ابوسفیان بن حرب تھے۔ ان کو چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ دیئے گئے۔ ابوسفیان نے عرض کی، میرا بیٹا یزید بھی لشکر اسلام میں شامل تھا، اس کا حصہ؟ حضور نے اسے بھی چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ دیئے۔ ابوسفیان نے پھر عرض کی، میرا بیٹا معاویہ، وہ بھی لشکر اسلام میں شامل تھا اس کا حصہ؟ حضور نے اسے بھی چالیس اوقیہ چاندی اور ایک سو اونٹ عطا فرمائے۔ جود وسخا کی یہ بارش دیکھ کر ابوسفیان عرض پرداز ہوئے:

بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَأَنْتَ كَرِيمٌ فِي الْحَرْبِ وَفِي السِّلْمِ لَقَدْ حَارَبْتُكَ فَنِعْمَ الْمُحَارِبُ كُنْتَ وَقَدْ سَالَمْتُكَ فَنِعْمَ الْمُسَالِمُ أَنْتَ هٰذَا غَايَةُ الْكَرَمِ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا (1)

"اے اللہ کے پیارے رسول! میرے ماں باپ حضور پر قربان! بیشک حضور جنگ اور صلح دونوں حالتوں میں بڑے کریم ہیں۔ میں نے آپ کے ساتھ جنگ بھی کی تو آپ بہترین شخص تھے جن سے جنگ کی جاتی ہے۔ پھر میں نے آپ کے ساتھ صلح کی تو آپ بہترین مصالحت کرنے والے تھے۔ جود و کرم میں آپ کا مقام سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔"

دوسرا شخص جس کو بہت زیادہ حصہ ملا، وہ حکیم بن حزام تھے۔ پہلے نبی اکرم علیہ السلام نے انہیں ایک سو اونٹ دیئے۔ انہوں نے عرض کی، ایک سو اونٹ مزید دیجئے، حضور نے وہ

1۔ احمد زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 325

بھی عطا فرمائے۔ پھر انہوں نے عرض کی، ایک سو اونٹ اور دیجئے۔ حضور نے تیسری بار بھی انہیں ایک سو اونٹ عطا فرمائے۔ پھر انہیں نصیحت کی۔ فرمایا، اے حکیم! یہ مال بہت سبز اور میٹھا ہے۔ جو اس کو سخاوت نفس کے ساتھ حاصل کرتا ہے اس کے لئے اس میں برکت ڈال دی جاتی ہے اور جو حرص ولالچ کی وجہ سے لیتا ہے، اس کے لئے اس میں برکت نہیں ڈالی جاتی۔ وہ اس آدمی کی طرح بن جاتا ہے جو کھاتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا۔ حکیم سنو! اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والا ہاتھ (لینے والے) سے بہت بہتر ہے۔

ان کلمات کا یہ اثر ہوا کہ حکیم نے ایک سو اونٹ لے لئے اور باقی دو سو واپس کر دیئے اور عرض کی، یارسول اللہ! مجھے اس خدا کی قسم! جس نے آپکو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں اس کے بعد حضور سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گا اور حضور کے بعد بھی کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا یہاں تک کہ میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔(1)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب صحابہ میں عطیات تقسیم کرتے تو حکیم بن حزام کو بھی بلاتے کہ اپنا حصہ لے جاؤ لیکن وہ ہمیشہ قبول کرنے سے معذرت کرتے۔ اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی اپنے عہد خلافت میں انکو بلاتے رہے تاکہ مال فئی سے وہ اپنا حصہ لیں۔ پھر بھی آپ نے اپنا حصہ لینے سے انکار کیا۔ سیدنا عمر نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ إِنِّي أَعْرِضُ عَلَيْهِ حَقَّهُ الَّذِي
قَسَمَ اللهُ لَهُ مِنْ هٰذَا الْفَيْءِ وَيَأْبَى أَنْ يَأْخُذَهُ

"مال فئی سے اللہ تعالیٰ نے ان کو جو حصہ دیا ہے، میں نے انہیں پیش کیا ہے لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔"

حضرت حکیم نے کبھی کسی شخص سے کوئی چیز نہیں مانگی یہاں تک کہ وہ دنیائے فانی سے عالم آخرت کو تشریف لے گئے۔ جن لوگوں کو سو سو اونٹ دیئے گئے انکے نام یہ ہیں:۔

نضیر بن حارث بن کلدہ، علاء بن حارثہ الثقفی، حارث بن ہشام، حویطب بن عبد العزیٰ بن ابی قیس، علقمہ بن علاثہ، جبیر بن مطعم، سہیل بن عمرو اور صفوان بن امیہ۔ اس شخص پر حضور کا ابر جود وکرم اس طرح برسا کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے:

مَا زَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِيْنِيْ مِنْ

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 114

غَنَائِمِ حُنَیْنٍ وَھُوَ اَبْغَضُ الْخَلْقِ اِلَیَّ حَتّٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ شَیْئًا اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْہُ۔

"یعنی حضور حنین کے اموال غنیمت سے مجھ کو دیتے گئے، دیتے گئے یہاں تک کہ ذات پاک مصطفیٰ جو میرے نزدیک اللہ کی ساری مخلوق سے زیادہ مبغوض تھی وہ سب سے زیادہ محبوب ہو گئی۔"

اقرع بن حابس التمیمی بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اصحاب المین کہا جاتا ہے یعنی وہ لوگ جن کو سو سو اونٹ عطا کیے گئے۔

نبی اکرم ﷺ نے عباس بن مرداس کو جو ایک گنوار اور اجڈ بدو تھا، ایک سو اونٹ سے کم اونٹ عطا فرمائے تو اس نے ایسے اشعار نظم کیے جس میں کم اونٹ ملنے پر شکوہ و شکایت کا طومار باندھا۔ اللہ کے کریم نبی ﷺ نے فرمایا۔ اس کی زبان کاٹ دو۔ حضور نے اس کو اتنا دیا کہ وہ راضی ہو گیا اور آئندہ اس کے لئے ممکن نہ رہا کہ وہ شان رسالت میں کسی گستاخی کا ارتکاب کرے۔

جن لوگوں کو سو سے کم اونٹ دیئے گئے ان کے نام یہ ہیں۔ ان سب کا تعلق قبیلہ قریش سے ہے۔ مخرمہ بن نوفل بن اہیب الزہری، عمر بن وہب الجمحی، ہشام بن عمرو، اخو بن عامر بن لوی، سعید بن یربوع بن عنکثہ اور عدی بن قیس السہمی۔ (1)

ایک دلچسپ واقعہ

ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں عرض کی، یا رسول اللہ! حضور نے عیینہ اور اقرع کو سو سو اونٹ دیئے ہیں اور جعیل بن سراقہ الضمری کو بالکل محروم رکھا ہے حالانکہ وہ اصحاب صفہ میں سے ہے اور فقراء میں سے ہے اور قدیم الاسلام ہے۔ حضور نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، میں نے عیینہ اور اقرع کو اس لئے سو سو اونٹ دیئے ہیں تاکہ ان کے دل میں اسلام کی الفت پیدا ہو جائے اور وہ اسلام کو مضبوط ہاتھوں سے پکڑ لیں۔ ہم نے جعیل بن سراقہ کو اسلام کے حوالہ کر دیا ہے یعنی اس کے دل میں جو اسلام کی سچی محبت ہے اس کے لئے وہی کافی ہے، وہ اس کے پاؤں کو راہ حق سے پھسلنے

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 326

نہیں دے گی۔ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ان اکابر مہاجر اور انصار کو جنہوں نے ساری زندگیاں اور اپنے سارے مالی وسائل خدمت دین کیلئے وقف کر رکھے تھے، کچھ نہیں دیا بلکہ ان کو ان کے ایمان کے حوالے کر دیا۔

مؤلفۃ القلوب کو اس لئے عطا فرمایا گیا تا کہ ان کے قدم کسی وجہ سے پھسلنے نہ پائیں۔ ایمان کا جو درخت ان کے دل کی سر زمین میں لگایا گیا ہے وہ سوکھنے نہ پائے بلکہ سرسبز و شاداب رہے۔ ان لوگوں نے شرک اور عہد جاہلیت سے ابھی ابھی اپنا تعلق توڑا تھا۔ پھر کسی وجہ سے وہ حق سے پھر کر باطل کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ ان خطرات سے بچانے کیلئے رحمت عالم ﷺ نے ان پر مال و دولت کی وہ بارش فرمائی کہ ان کے ایمان کی جڑیں گہری ہو گئیں۔ اس کے بعد کوئی طوفان برق و باد انہیں اپنی جگہ سے جنبش نہ دے سکا۔

انصار کی خلش کا ازالہ

جب سرکار دو عالم ﷺ نے ان ضعیف الایمان لوگوں پر اپنے جود و کرم کی بارش کی اور انہیں سینکڑوں اور ہزاروں بھیڑ بکریوں کا مالک بنا دیا تو انصار میں سے بعض لوگوں کی زبان سے یہ نکلا:

يَغْفِرُ اللّٰهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِيْ قُرَيْشًا وَيَتْرُكُنَا وَسُيُوْفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَاءِهِمْ

"اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے درگزر فرمائے کہ حضور قریش کو تو فیاضی سے اموال دے رہے ہیں اور ہمیں محروم چھوڑ رہے ہیں، حالانکہ ہماری تلواروں سے ابھی تک ان دشمنان اسلام کے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔"

وہ اب مال غنیمت سے لدے پھندے واپس جا رہے ہیں۔ جب شدت و امتحان کا موقع آتا ہے تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور مال غنیمت غیروں کو بخشا جاتا ہے۔ انصار میں سے ایک آدمی نے اپنے دوستوں کو کہا، بخدا! میں تمہیں بتایا نہیں کرتا تھا کہ اگر حضور کے حالات درست ہو جائیں تو وہ اپنے قبیلہ کو تم پر ترجیح دیں گے۔ یہ بات سن کر انصار کے غصہ کی حد نہ رہی اور اسے بری طرح جھڑکا کہ ایسی بات کرتے ہوئے تمہیں حیا نہیں آتی۔

ایک مرتبہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی، یارسول اللہ! انصار کا یہ قبیلہ دل ہی دل میں بہت ناراض ہے۔ حضور نے پوچھا کس وجہ سے؟ حضرت سعد نے عرض کی، اس لئے کہ حضور نے سارے اموال غنیمت کو اپنی قوم میں اور دوسرے عربوں میں تقسیم کر دیا ہے اور انہیں کچھ نہیں دیا ہے۔ حضور نے فرمایا، سعد! تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے عرض کی، میں اپنی قوم کا ایک فرد ہوں، جو ان کا خیال ہے وہ میرا خیال ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا سعد! جاؤ اور اپنی ساری قوم کو اس چھپر کے نیچے جمع کرو اور جب سارے جمع ہو جائیں تو مجھے بتاؤ۔ چنانچہ انصار اس چھپر کے نیچے جمع ہو گئے یہاں تک کہ وہ بھر گیا اور انہوں نے کسی غیر کو اپنے پاس نہ رہنے دیا۔ جب سارے جمع ہو گئے تو سعد نے عرض کی، یارسول اللہ! سارے انصار حضور کے حکم کے مطابق اکٹھے ہو گئے ہیں۔ حضور ان کے پاس تشریف لے گئے۔

پہلے رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جس طرح اس کی شان کے شایان ہے پھر ارشاد فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ مَا قَالَةٌ بَلَغَتْنِي عَنْكُمْ وَجِدَةٌ وَجَدْتُمُوْهَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ۔

"اے گروہ انصار! یہ کیا بات ہے جو تمہاری طرف سے مجھے پہنچی ہے۔
یہ کیا ناراضگی ہے جو تم اپنے دلوں میں محسوس کر رہے ہو؟"

پھر فرمایا:

أَلَمْ اٰتِكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ بِيْ

"کیا ایسا نہیں کہ میں جب تمہارے پاس آیا تھا تو تم گمراہ تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ذریعہ ہدایت فرمائی۔"

وَعَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللّٰهُ بِيْ

"جب میں آیا تو تم مفلس اور تنگ دست تھے، اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں غنی کر دیا۔"

وَأَعْدَاءً فَأَلَّفَ اللّٰهُ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ

"تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پس اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت

پیدا کر دی۔"

سب نے عرض کی:

اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمَنُّ وَاَفْضَلُ

"اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ احسان کرنے والے ہیں اور بزرگ و برتر ہیں۔"

پھر رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلَا تُجِیْبُوْنِیْ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ؟

"اے گروہ انصار! میری ان باتوں کا تم جواب کیوں نہیں دیتے؟"

انہوں نے عرض کی:

قَالُوْا بِمَ ذَا نُجِیْبُکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَلِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ الْمَنُّ وَالْفَضْلُ؟

"اے اللہ کے پیارے رسول! ہم حضور کے ارشادات کا کیا جواب دیں، سارا احسان اور فضل و کرم تو اللہ کیلئے اور اس کے رسول کیلئے ہیں۔"

حضور نے فرمایا:

اَمَا وَاللّٰہِ لَوْشِئْتُمْ، لَقُلْتُمْ، فَلَصَدَقْتُمْ وَلَصُدِّقْتُمْ

"بخدا! اگر تم چاہتے تو یہ جواب دیتے تو تمہارا یہ جواب سچا ہوتا اور سب اس کی تصدیق کرتے۔"

اَتَیْتَنَا مُکَذَّبًا فَصَدَّقْنَاکَ

"حضور جب ہمارے پاس تشریف لائے تو حضور کو جھٹلایا جاتا تھا۔ ہم نے حضور کی تصدیق کی۔"

مَخْذُوْلًا فَنَصَرْنَاکَ

"آپ کا کوئی معاون نہ تھا ہم نے آپ کی مدد کی۔"

وَطَرِیْدًا فَاٰوَیْنَاکَ

"آپ کو اپنے شہر سے نکال دیا گیا تھا ہم نے حضور کو پناہ دی۔"

وَعَائِلًا فَاٰسَیْنَاکَ

"اس وقت حضور تنگدست تھے ہم نے آپ کی مالی امداد کی۔"

حضور نے فرمایا:

وَاَوَجَدْتُمْ عَلَيَّ يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ فِي اَنْفُسِكُمْ فِي لُعَاعَةٍ مِنَ الدُّنْيَا تَاَلَّفْتُ بِهَا قَوْمًا لِيُسْلِمُوا وَوَكَلْتُكُمْ اِلٰى اِسْلَامِكُمْ۔

"تم دنیا کی ایک معمولی چیز کیلئے اپنے دلوں میں مجھ پر ناراض ہو گئے ہو۔ حالانکہ میں نے ان لوگوں کو اس انعام واکرام سے اس لئے نوازا کہ ان کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا ہو جائے اور وہ اسلام قبول کر لیں اور میں نے تمہیں تمہارے اسلام کے سپرد کر دیا۔"

اَلَا تَرْضَوْنَ يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاءِ وَالْبَعِيْرِ وَتَرْجِعُوْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى رِحَالِكُمْ۔

"اے گروہ انصار! تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ تو بکریاں اور اونٹ لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم اللہ کے پیارے رسول کو اپنے ساتھ اپنی اقامت گاہوں میں لے جاؤ۔"

فَوَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَمَا تَنْقَلِبُوْنَ بِهٖ خَيْرٌ مِمَّا يَنْقَلِبُوْنَ بِهٖ۔

"اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے جو نعمت عظمیٰ لے کر تم لوٹ رہے ہو وہ بدرجہا بہتر ہے ان چیزوں سے جو وہ لے کر جا رہے ہیں۔"

وَلَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ اِمْرَأً مِنَ الْاَنْصَارِ

"اگر ہجرت کا معاملہ نہ ہوتا تو میں قوم انصار کا ایک فرد ہوتا۔"

وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ شِعْبًا وَوَادِيًا وَسَلَكَتِ الْاَنْصَارُ شِعْبًا وَوَادِيًا لَسَلَكْتُ شِعْبَ الْاَنْصَارِ وَوَادِيَهَا۔

"دوسرے لوگ اگر ایک گھاٹی اور وادی میں چلتے اور انصار دوسری گھاٹی

اور وادی میں چلتے تو میں اس وادی میں چلتا جس وادی اور گھاٹی میں انصار چلتے۔"

. اَلْاَنْصَارُ شِعَارٌ وَالنَّاسُ دِثَارٌ

"تم انصار میری چادر کا اندر والا حصہ ہو اور دوسرے لوگ چادر کا باہر والا حصہ ہیں۔"

آخر میں اپنے نیاز کیشوں کے لئے دعا فرمائی۔ عرض کی:

اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَاَبْنَاءَ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَاءَ اَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ۔

"اے اللہ! انصار پر رحم فرما، انصار کے بیٹوں پر رحم فرما، انصار کے پوتوں پر رحم فرما۔"

حضور کے دلوں میں اتر جانے والے ان کلمات طیبات نے انصار کی دنیا بدل کر رکھ دی۔ وہ زار و قطار رونے لگے، آنسوؤں کا مینہ برسانے لگے یہاں تک کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ اور سب نے یک زبان ہو کر عرض کی:

رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا رَضِيْنَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ قَسْمًا وَحَظًّا

"ہم اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان کر راضی ہو گئے ہیں اور اللہ کے رسول نے جو تقسیم فرمائی ہے اور حصہ ہمیں عطا فرمایا ہے، ہم اس پر راضی اور مطمئن ہیں۔"

پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے اور انصار اپنی اپنی قیام گاہوں میں واپس چلے گئے۔ (1)

چند ایمان افروز واقعات

امام بخاری اپنی صحیح میں ابو موسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں کہ میں جعرانہ کے مقام پر حضور کی خدمت میں حاضر تھا۔ حضرت بلال بھی وہاں موجود تھے۔ ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کی اَلَا تُنْجِزُ لِيْ مَا وَعَدْتَنِيْ کہ "آپ نے جو وعدہ میرے ساتھ کیا ہے اس کو پورا نہیں کرتے؟" حضور نے فرمایا: "تمہیں خوشخبری ہو"۔ وہ حقیقت ناشناس

1۔ "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 474

کہنے لگا قَدْ اَكْثَرْتَ عَلَيَّ مِنْ اَبْشِرْ "حضور بار بار مجھے اَبْشِرْ اَبْشِرْ کا کلمہ فرماتے ہیں۔" اس کی اس قدر ناشناسی سے حضور کے رخ انور پر ناگواری کے آثار رونما ہوئے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور بلال کو فرمایا، اس شخص نے میری بشارت کو مسترد کر دیا ہے، تم دونوں اس کو قبول کرلو۔ پھر حضور نے ایک پیالہ منگوایا جس میں پانی تھا۔ حضور نے اسی سے دونوں مبارک ہاتھ اور رخ انور کو دھویا اور کلی کا پانی اس میں ڈال دیا۔ پھر ان دونوں کو فرمایا کہ تم اس سے پیو اور اسی پانی کے چھینٹے اپنے چہروں اور گردنوں پر ڈال لو اور تم مومنوں کو خوشخبری ہو۔ انہوں نے اس پیالہ کو لیا اور اپنے آقا کے ارشاد کی تعمیل کی۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ خیمہ میں تشریف فرما تھیں۔ انہوں نے جب یہ گفتگو سنی تو پس پردہ فرمایا اَفْضِلَا لِاُمِّكُمَا "اپنی ماں کیلئے بھی کچھ بچانا۔" چنانچہ ان دونوں نے اسی پیالہ میں کچھ پانی رہنے دیا اور ام المومنین کی خدمت میں پیش کر دیا۔(1)

علامہ ابن کثیر اسی مقام پر حضرت امام بخاری کی ایک اور روایت نقل کرتے ہیں جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے نجران کی بنی ہوئی ایک چادر جس کا کنارہ بہت کھردرا اور موٹا تھا، اوڑھی ہوئی تھی۔ ایک بدو آیا اس نے بڑے زور سے اس چادر کو کھینچا یہاں تک کہ حضور علیہ السلام کی نازک گردن پر اس کے نشانات پڑ گئے۔ پھر اس بدو نے کہا مُرْلِيْ مِنْ مَالِ اللّٰهِ الَّذِيْ عِنْدَكَ "اللہ تعالیٰ کا جو مال آپ کے پاس ہے حکم دیجئے کہ اس سے مجھے بھی حصہ دیا جائے۔"

اس ناشائستہ حرکت پر سرکار دو عالم ﷺ نے قطعاً کسی برہمی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ اس کی طرف دیکھا اور ہنس دیئے اور اپنے کسی خادم کو حکم دیا کہ اس کو مال غنیمت سے کچھ عطیہ دیا جائے۔(2)

مالک بن عوف نضری کی بارگاہ رسالت میں حاضری

قبیلہ ہوازن کا وفد جب رسالت مآب ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضور نے ان سے مالک بن عوف کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ انہوں نے عرض کی، طائف میں قبیلہ

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 681

2۔ ایضاً، صفحہ 682

ثقیف کے ساتھ اقامت گزیں ہے۔ حضور نے انہیں فرمایا کہ اس کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچاؤ کہ اگر وہ میرے پاس اسلام قبول کر کے آجائے تو میں اس کے اہل وعیال اور مال مویشی کو واپس کر دوں گا اور اس کے علاوہ اسے مزید ایک سو اونٹ عطا کروں گا۔ مالک کو جب یہ پیغام پہنچا تو وہ چپکے سے بنی ثقیف قبیلہ سے کھسک گیا اور کسی طرح جعرانہ کے مقام پر بارگاہ رسالت کی حاضری سے شرف یاب ہو گیا۔ حضور کے دست مبارک پر اس نے اسلام قبول کیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس کے جنگی قیدی اور اس کے مال مویشی اس کو واپس کر دیئے اور اس کے علاوہ مزید ایک سو اونٹ اسے مرحمت فرمائے۔

جب اس نے حبیب رب العالمین ﷺ کی جود و سخا اور کرم و عطا کا یہ منظر دیکھا تو بے خود ہو کر کہہ اٹھا:

مَا إِنْ رَأَيْتُ وَلَا سَمِعْتُ بِمِثْلِهِ
فِي النَّاسِ كُلِّهِمْ بِمِثْلِ مُحَمَّدِ

"تمام لوگوں میں محمد مصطفیٰ کا مثل نہ میں نے دیکھا ہے، نہ میں نے سنا ہے۔"

أَوْفَى وَأَعْطَى لِلْجَزِيلِ إِذَا اجْتُدِي
وَمَتَى تَشَأْ يُخْبِرْكَ عَمَّا فِي غَدِ

"وہ اپنا وعدہ پورا فرمانے والے ہیں۔ جب کوئی شخص عطیہ مانگتا ہے تو اس کو عطا فرماتے ہیں اور جب تو چاہے وہ تجھے آنے والے کل میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے آگاہ کر دیتے ہیں۔"

وَإِذَا الْكَتِيبَةُ عَرَّدَتْ أَنْيَابُهَا
بِالسَّمْهَرِيِّ وَضَرْبِ كُلِّ مُهَنَّدِ

"جب کوئی لشکر کا دستہ اپنے دانتوں کو طاقتور نیزے سے اور ہندی تلوار کے ساتھ مضبوط کر لیتا ہے۔"

فَكَأَنَّهُ لَيْثٌ عَلَى أَشْبَالِهِ
وَسْطَ الْهَبَاءَةِ خَادِرٌ فِي مَرْصَدِ

"تو حضور ﷺ اس شیر کی مانند ہوتے ہیں جو اپنے کچھار میں بیٹھا ہو اور

غبار میں لپٹا ہوا اپنے بچوں کی حفاظت کر رہا ہوتا ہے۔"

رحمت دو عالم علیہ نے مالک کو ان لوگوں کا امیر مقرر کر دیا جو اس کے قبائل ثمالہ، سلم اور فہم میں مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ وہ ان نو مسلم مجاہدوں کو دیکھ کر ثقیف کے ساتھ نبرد آزما ہوا کرتا تھا۔ جب بھی ان کے مویشیوں کے گلے باہر نکلتے، یہ ان پر حملہ کر کے ان سے چھین لیا کرتا۔

یہ شخص جس نے چند روز قبل اپنے تیس ہزار کے لشکر کو مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے کیلئے حنین کے میدان میں صف بستہ کیا ہوا تھا، آج وہی مالک اپنے گلے میں حبیب رب العالمین علیہ کی غلامی کا طوق سجائے ہوئے جان نثاری اور سر فروشی کے کارنامے انجام دے کر اپنے ہادی و مرشد کو خورسند کر رہا ہے۔(1)

رسالت مآب کی تقسیم پر ذوالخویصرہ کا اعتراض

لشکر اسلام میں ایک طرف تو وہ جانباز اور مخلص اہل ایمان تھے جو سرکار دو عالم علیہ کی خواہش اور رغبت کو قانون کا درجہ دیتے تھے اور اس کے مطابق عمل کرنے کو اپنے لئے باعث ہزار سعادت تصور کرتے تھے۔ حضور کے ادنیٰ اشارے پر سب نے اپنے اپنے حصہ کے قیدیوں کو کوئی فدیہ لئے بغیر بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا اور حضور نے ان کو آزاد فرمایا۔

ان مخلصین کی جماعت میں معدودے چند ایسے بھی بد بخت لوگ تھے جن کی نگاہیں نور مصطفوی کو دیکھنے اور مقام رسالت کو پہچاننے سے اندھی تھیں۔ ان میں سے ایک کا نام ذوالخویصرہ تھا۔ یہ قبیلہ تمیم کا ایک غیر معروف شخص تھا۔ جب رحمت دو عالم علیہ مال غنیمت کو تقسیم فرما رہے تھے تو یہ کھڑا ہو کر دیکھتا رہا۔ جب حضور پر نور تقسیم اموال غنیمت سے فارغ ہوئے تو وہ بولا يَا مُحَمَّدُ قَدْ رَأَيْتُ مَا صَنَعْتَ فِي هٰذَا الْيَوْمِ "یا محمد! میں نے دیکھا جو آج آپ نے کیا۔" اس کا نام لے کر حضور کو پکارنا ہی اس کی منافقت کو ظاہر کر رہا تھا۔ صحابہ کرام کبھی حضور کو نام لے کر نہیں پکارتے تھے بلکہ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، يَا نَبِيَّ اللّٰهِ کے معزز القاب سے خطاب کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ جس طرح ان کے پروردگار نے سارے قرآن میں جب بھی، جہاں کہیں بھی، اپنے حبیب کو خطاب فرمایا تو کبھی حضور کا نام نامی لے کر خطاب نہیں

1۔ ایضاً، صفحہ 683

کیا بلکہ ہمیشہ معزز القاب سے اپنے محبوب رسول اور برگزیدہ بندے کو اپنے خطاب سے نوازا۔ کبھی یَاَیُّهَا النَّبِیُّ فرمایا، کبھی یَاَیُّهَا الرَّسُوْلُ کبھی یَاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ، کبھی یَاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ وغیرہا القاب سے شرف خطاب سے نوازا۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا، میرے اس طرز عمل کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟ قَالَ لَمْ اَرَكَ عَدَلْتَ اس نے کہا میری رائے تو یہ ہے کہ آپ نے اس تقسیم میں عدل وانصاف سے کام نہیں لیا؟ یہ سن کر رؤف ورحیم نبی کو غصہ آگیا، فرمایا:

وَیْحَكَ اِذَا لَمْ یَكُنِ الْعَدْلُ عِنْدِیْ فَعِنْدَ مَنْ یَكُوْنُ

"تیرا خانہ خراب ہو! اگر میرے پاس عدل نہیں ہے تو کس کے پاس تمہیں عدل ملے گا؟"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت تھے۔ آپ نے عرض کی، حضور اجازت دیں تو میں اس منافق کا سر قلم کر دوں؟ حضور نے اجازت دینے سے انکار فرمایا۔ حکم دیا اس کو رہنے دو۔ اس کا بہت بڑا گروہ ہوگا اور یہ لوگ دین میں بڑی باریک بینی سے کام لیں گے یہاں تک کہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر اپنے نشانے سے پار نکل جاتا ہے اور ان پر ان کے دین کا کوئی اثر نہ ہوگا۔(1)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے حنین کے اموال غنیمت کو تقسیم فرمایا تو قبیلہ انصار کے ایک شخص نے کہا، اس تقسیم میں آپ نے اللہ کی رضا کو پیش نظر نہیں رکھا۔ میں نے جب یہ بات سنی تو حضور کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ فلاں شخص یہ کہہ رہا تھا۔ یہ سن کر حضور کے رخ انور کی رنگت تبدیل ہوگئی پھر فرمایا:

رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلٰی مُوْسٰی قَدْ اُوْذِیَ بِاَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ

"اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ان کو اس سے بھی زیادہ اذیت پہنچائی گئی اور آپ نے صبر کیا۔"

امام بخاری سے ایک اور روایت مروی ہے کہ ایک شخص نے کہا، بخدا! اس تقسیم میں نہ عدل کیا گیا ہے اور نہ اس میں رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ میں نے سوچا کہ میں اس

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 115 و ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 687

بات کی اطلاع اللہ کے رسول ﷺ کو ضرور دوں گا۔ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر میں نے بات عرض کی تو حضور نے فرمایا:

مَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ يَعْدِلِ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ، رَحِمَ اللّٰهُ مُوْسٰى قَدْ أُوْذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَصَبَرَ۔

''اللہ اور اس کا رسول عدل نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، آپ کو اس سے بھی زیادہ اذیت پہنچائی گئی اور آپ نے صبر کیا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گزارش کی، یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اس منافق کا سر قلم کر دوں؟ حضور نے فرمایا کہ میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ لوگ میرے بارے میں یہ بات کریں کہ میں اپنے صحابہ کو قتل کرتا ہوں۔ یہ شخص جس نے میرے بارے میں یہ گستاخی کی ہے، یہ شخص اور اس کے ساتھی قرآن کریم پڑھتے ہیں لیکن یہ قرآن ان کے گلے سے نیچے تجاوز نہیں کرتا۔ یہ قرآن سے اس طرح بھاگتے ہیں جس طرح تیر اپنے نشانہ سے پار نکل جاتا ہے۔(1)

حضور کی رضاعی بہن شیماء کی آمد

ابن اسحاق سے مروی ہے کہ انہیں بنی سعد کے کسی شخص نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ ہوازن کے موقع پر کہا، اگر بجاد تمہارے قابو میں آئے تو اسے بھاگ جانے کا موقع نہ دینا۔ یہ بنی سعد کا ایک شخص تھا جس نے کوئی نازیبا حرکت کی تھی۔ مسلمانوں نے اس کو پکڑ لیا، اس کو اور اس کے اہل و عیال کو لے چلے۔ اس کے ساتھ شیماء بنت حارث بھی تھی جو حضور کی رضاعی بہن تھی۔ مسلمان جب ان کو لا رہے تھے تو انہوں نے شیماء پر سختی کی تو اس نے کہا، تم جانتے نہیں ہو کہ بخدا! میں تمہارے صاحب کی رضاعی بہن ہوں؟ انہوں نے اس کی یہ بات تسلیم نہ کی یہاں تک کہ ان سب کو حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس نے عرض کی، یارسول اللہ! میں حضور کی رضاعی بہن ہوں۔ حضور نے فرمایا کوئی نشانی پیش کرو۔ اس نے وہ کاٹنے کا نشان دکھایا، حضور نے پہچان لیا۔ اس کے لئے اپنی

1۔ ایضاً، صفحہ 686-687

چادر بچھائی، اس کو اوپر بٹھایا اور اس کو اختیار دیا کہ مرضی ہو تو ہمارے پاس ٹھہرو، ہم تمہیں بڑی محبت و عزت سے اپنے پاس رکھیں گے اور اگر تمہاری مرضی ہو تو تمہیں انعام واکرام سے مالا مال کر کے اپنی قوم کی طرف واپس بھیج دیں۔ اس نے عرض کی مہربانی فرما کر مجھ پر لطف و کرم فرمائیں اور مجھے اپنی قوم کے پاس بھیج دیجئے۔ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے اس کو انعام اکرام سے نوازا اور اسے اپنی قوم کی طرف واپس بھیج دیا۔

عمرۃ الجعرانہ (جعرانہ سے عمرہ کا احرام)

امام احمد فرماتے ہیں کہ قتادہ نے فرمایا، میں نے انس بن مالک سے پوچھا کہ اللہ کے رسول مکرم ﷺ نے کتنے حج کئے؟ آپ نے بتایا حج صرف ایک کیا اور چار عمرے کئے۔ ایک عمرہ حدیبیہ کے زمانہ میں، دوسرا عمرہ ماہ ذی قعدہ میں مدینہ طیبہ سے اور تیسرا عمرہ ماہ ذی قعدہ میں جعرانہ سے، جب حضور نے حنین کے بعد وہاں مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ چوتھا عمرہ حجۃ الوداع کے ساتھ۔

یہ روایت امام بخاری، مسلم اور ترمذی نے اپنی کتب حدیث میں نقل کی ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں کہا حَسَنٌ صَحِیْحٌ (1)

کعب بن زہیر کا قبول اسلام

یہ عرب کے مشہور شاعر زہیر کا بیٹا ہے جس کا ایک قصیدہ خانہ کعبہ کے باہر لٹکایا گیا اور یہ قصیدہ معلقات سبعہ میں سے ایک ہے۔ ابن اسحاق سے مروی ہے کہ جب نبی مکرم ﷺ طائف سے واپس تشریف فرما ہوئے تو بجیر بن زہیر نے اپنے بھائی کو خط لکھا اور اس میں اسے اطلاع دی کہ رسول اللہ ﷺ نے کئی ایسے شعراء کو موت کے گھاٹ اتارا ہے جو حضور ﷺ کی ہجو کرتے تھے اور اذیت پہنچاتے تھے اور قریش کے جو شاعر ابن الزبعریٰ وغیرہ بچ گئے ہیں وہ بھاگ گئے ہیں۔ اگر تجھے اپنی زندگی کی ضرورت ہے تو اڑ کر سرور عالم ﷺ کی خدمت میں پہنچ جا، کیونکہ حضور کا یہ معمول ہے کہ جو شخص تائب ہو کر حاضر ہو جاتا ہے اس کو حضور قتل نہیں کرتے اور اگر تو اس پر آمادہ نہیں تو کسی ایسی جگہ چلے جا جہاں تجھے پناہ مل سکے۔

1۔ ایضاً، صفحہ 692

بجیر مسلمان ہو چکا تھا اور مدینہ طیبہ میں اپنے حبیب کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر رہا کرتا تھا لیکن اس کا بھائی کعب ابھی تک اپنے آباؤ اجداد کے عقیدہ پر قائم تھا۔ اس نے اپنے بھائی بجیر کو ایک خط لکھا اور اس میں اسے ترغیب دی کہ وہ اسلام کو ترک کر کے اپنے آبائی مذہب کی طرف لوٹ آئے۔ بجیر نے اس کے جواب میں اس کو چند شعر لکھے۔ جس میں اسے بتایا کہ تمہارے زندہ رہنے کی بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ تو دین اسلام کو قبول کر لے۔ کعب نے اپنے بھائی کا جب یہ دھمکی آمیز خط پڑھا تو زمین اپنی وسعتوں کے باوجود اس پر تنگ ہو گئی اور اسے اپنے موت کے گھاٹ اتارے جانے کے خیال نے لرزہ بر اندام کر دیا۔ جب اسے اپنے بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اس نے اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی شان میں ایک معرکتہ الآراء قصیدہ لکھا جس کا پہلا مصرعہ ہے:

بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِی الْیَوْمَ مَتْبُوْلُ

اس میں اس نے حضور کی مدح کی، نیز اس بات کا ذکر کیا کہ کئی چغل خور غلط باتیں میرے بارے میں حضور کو بتا رہے ہیں جن کی وجہ سے میں بہت ہراساں ہوں۔ یہ لکھ کر مدینہ طیبہ آیا۔ جہینہ قبیلہ کے ایک شخص سے جو مدینہ طیبہ میں رہتا تھا، اس کی سابقہ جان پہچان تھی، اس نے رات اس کے پاس گزاری۔ وہ صبح سویرے اسے لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور نماز صبح حضور کے ساتھ ادا کی۔ اس کے دوست نے کعب کو اشارہ کر کے بتایا کہ یہ ہیں اللہ کے رسول۔ اٹھ خدمت اقدس میں حاضر ہو اور حضور سے امان طلب کر۔ وہ اٹھا اور حضور کے قدموں میں جا کر بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ حضور کے دست مقدس پر رکھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کو پہلے نہیں جانتے تھے۔ اس نے حضور کا دست مبارک پکڑا اور یوں گویا ہوا: یا رسول اللہ! کعب بن زہیر آیا ہے تاکہ حضور سے امان طلب کرے، اپنی گذشتہ غلطیوں پر توبہ کرے اور مسلمان ہو جائے۔ اگر میں اس کو حضور کی خدمت میں حاضر کروں تو کیا حضور اس کی توبہ قبول فرمائیں گے؟ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا، ہاں! میں اس کی توبہ قبول کروں گا۔ کعب نے عرض کی اَنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کَعْبُ بْنُ زُھَیْرٍ "اے اللہ کے پیارے رسول! میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔" ایک شخص قبیلہ انصار سے غصہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور عرض کی، یا رسول اللہ! مجھے اجازت فرمائیے تاکہ اللہ کے اس دشمن کا سر قلم کر دوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ اس کو چھوڑ دے یہ تو تائب ہو کر آیا ہے اور اپنی گذشتہ زندگی سے دستبردار ہونے

کیلئے حاضر ہوا ہے۔ اس وقت کعب نے اپنا مشہور قصیدہ بانت سعاد ...... الخ پڑھ کر سنایا۔
جب انہوں نے یہ دو شعر پڑھے:

إِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ يُسْتَضَاءُ بِهٖ   مُهَنَّدٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ مَسْلُوْلُ

"بیشک رسول اکرم ﷺ نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔
حضور اللہ کی تلواروں سے ایک بے نیام تلوار ہیں۔"

نُبِّئْتُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ أَوْعَدَنِيْ   وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَأْمُوْلُ

"مجھے بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دھمکی دی ہے لیکن اللہ
کے رسول سے عفو و درگزر کی امید کی جاسکتی ہے۔"

جب کعب نے یہ دو شعر پڑھے تو حضور نے حاضرین کی طرف اشارہ کیا کہ ان شعروں کو غور سے سنو۔
علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اللہ کے پیارے رسول نے انہیں اپنی چادر مبارک اتار کر عطا فرمائی۔ یہ وہی چادر ہے جو تاج پوشی کے وقت خلفاء (بنی عباس) کو اوڑھائی جاتی ہے۔(1)

قبیلہ ثقیف کا قبول اسلام

رحمت عالم ﷺ نے جب بعض مصلحتوں کے پیش نظر طائف کو فتح کرنے سے پہلے اپنا حصار اٹھا لیا تو اس وقت بعض مسلمانوں نے عرض کی کہ ثقیف کیلئے بد دعا کیجئے تاکہ یہ تباہ و برباد ہو جائیں اور ان کا غرور خاک میں مل جائے۔ اللہ تعالیٰ کا محبوب جو سراپا رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا تھا، وہ اپنے رب سے اپنے مخالفین کی تباہی و بربادی کی بد دعا نہیں کیا کرتا تھا بلکہ اپنی شان رافت و کریمی کے پیش نظر اپنے دشمنوں کیلئے دعا فرمایا کرتا تھا جس سے ان کا سویا ہوا بخت بیدار ہو جایا کرتا تھا اور ان کی شقاوت، سعادت سے بدل جاتی تھی۔ چنانچہ اس موقع پر بھی ان کے لئے بد دعا کرنے کی بجائے نبی رحمت ﷺ نے اپنے رب کی بارگاہ میں بایں کلمات ان کیلئے التجاء کی:

اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيْفًا وَّائْتِ بِهِمْ

"اے میرے کریم رب! ثقیف کو ہدایت عطا فرما اور ان کو میرے پاس لے آ۔"

1۔ ایضاً، صفحہ 707

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کی اس پر خلوص التجاء کو شرف قبول بخشا اور ثقیف کے اس قبیلہ کی سوئی ہوئی قسمت کو جگادیا جو بڑی بے دردی اور شدت سے اللہ کے حبیب اور جان نثار مجاہدین پر تیروں کی موسلادھار بارش برسایا کرتے تھے۔

محاصرہ طائف کے دوران بہت سے صحابہ کرام شہید کردیئے گئے۔ پھر رسالت مآب ﷺ وہاں سے روانہ ہو کر جعرانہ تشریف لائے اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ مکرمہ جاکر عمرہ ادا کیا۔ بیت اللہ شریف کے طواف اور زیارت کی سعادت کبریٰ حاصل کرنے کے بعد اللہ کا محبوب اپنے جاں نثاروں سمیت مدینہ طیبہ مراجعت فرما ہوا۔

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوۂ تبوک کے لئے تشریف لے گئے اور ماہ رمضان میں واپس تشریف لے آئے اور اسی ماہ رمضان میں بارگاہ رسالت مآب میں قبیلہ ثقیف کا وفد حاضر ہوا اور سب نے کلمہ شہادت پڑھ کر اللہ کے محبوب کے دست ہدایت بخش پر اسلام قبول کرلیا۔ اس کی تفصیل ہدیہ ناظرین کر رہا ہوں:

نبی کریم ﷺ جب طائف سے واپسی کے سفر پر روانہ ہوئے تو عروہ بن مسعود طائف پہنچے اور جب انہیں حضور کی روانگی کا علم ہوا تو حضور کے پیچھے پیچھے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوگئے اور حضور کے مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے انہیں حبیب رب العالمین کی زیارت کی سعادت نصیب ہوگئی۔ دیکھتے ہی عروہ نے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی اور عرض کیا کہ اس کو اپنی قوم کے پاس لوٹنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دے۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت عروہ کو کہا کہ کہیں تمہاری قوم تمہیں قتل نہ کردے۔ حضور جانتے تھے کہ ان میں نخوت و غرور کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ وہ عروہ کے اسلام قبول کرنے کو ہرگز برداشت نہیں کرسکیں گے۔ عروہ نے عرض کی، یا رسول اللہ۔ میری قوم تو میرے ساتھ اپنی کنواری بچیوں سے زیادہ محبت کرتی ہے اور واقعی وہ اپنی قوم کے محبوب اور مطاع تھے۔ آپ لوٹے تاکہ انہیں اسلام قبول کرنے کی تبلیغ کریں۔ انہیں یہ امید تھی کہ میری جو عزت و منزلت میری قوم کے دل میں ہے اس کے باعث کبھی وہ میری مخالفت نہیں کریں گے۔

جب وہ طائف پہنچے اور ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا

اعلان بھی کیا اور انہیں اسلام کو قبول کرنے کی بڑی زور و شور سے دعوت بھی دی طائف والوں نے ان پر چاروں طرف سے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ چنانچہ ایک تیر جان لیوا ثابت ہوا اور آپ نے اپنی جان اپنے جان آفریں کی بارگاہ میں پیش کر دی۔ ابھی آپ نیم جان تھے۔ کسی نے پوچھا، آپ کے خون کے بارے میں ہم کیا طرز عمل اختیار کریں، کیا ہم ان لوگوں سے آپ کے قصاص کا مطالبہ کریں یا ان سے جنگ کریں؟ تو اس کشتہ جذبہ الفت نے جواب دیا:

كَرَامَةٌ أَكْرَمَنِيَ اللهُ بِهَا وَشَهَادَةٌ سَاقَهَا اللهُ تَعَالَى إِلَيَّ (1)

"یہ وہ عزت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے معزز و مشرف فرمایا ہے اور یہ شہادت اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجی ہے۔"

چنانچہ جو معاملہ دوسرے شہداء کے قاتلوں سے کیا جائے گا، وہی معاملہ میرے قاتلوں کے بارے میں بھی کرنا اور مجھے بھی ان شہداء کے ساتھ دفن کرنا جو اپنے آقا کے روبرو شہید کر دیئے گے تھے۔ چنانچہ آپ کو انہیں کشتگان خنجر تسلیم کی معیت میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ حضور ﷺ نے جب ان کی شہادت کے بارے میں سنا تو فرمایا:

"یہ اپنی قوم کیلئے ایسے ہی تھے جس طرح صاحب یاسین اپنی قوم میں تھا۔"

حضرت عروہ کو شہید کرنے کے چند ماہ بعد بنو ثقیف نے باہمی مشورے شروع کر دیئے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ ان کے قرب وجوار میں جتنے قبیلے آباد ہیں ان سب نے یکے بعد دیگرے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب ہم تنہا رہ گئے ہیں۔ یہ ہمارے بس میں نہیں کہ ہم اسلام کے علمبرداروں سے جنگ کر سکیں۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنا ایک آدمی حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت میں بھیجتے ہیں۔ انہوں نے عبد یالیل بن عمرو سے اس کے بارے میں گفتگو کی۔ اس کی عمر بھی حضرت عروہ بن مسعود کے برابر تھی۔ انہوں نے اسے کہا کہ وہ ان کا نمائندہ بن کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو۔ لیکن عبد یالیل نے اس خوف سے اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کیا کہ کہیں اس کی قوم اس کے ساتھ بھی وہی سلوک نہ کرے جو انہوں نے عروہ بن مسعود کے ساتھ کیا ہے۔ اس نے کہا میں تنہا جانے کیلئے تیار نہیں، میرے ساتھ چند اور اپنے نمائندے بھی بھیجو۔ چنانچہ انہوں نے اس کا مطالبہ منظور

1۔ "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1057

کرلیا۔ دو آدمی اپنے حلیفوں سے اور تین آدمی قبیلہ بنی مالک کے منتخب کئے گئے، یہ چھ آدمی مدینہ طیبہ روانہ ہوئے۔ اس وفد کے ارکان کے نام درج ذیل ہیں:

(1) الحکم بن عمرو بن وہب (2) شرحبیل بن غیلان (3) عثمان بن ابی العاص (4) اوس بن عوف (5) نمیر بن خرشہ (مؤخر الذکر تینوں افراد قبیلہ بنی مالک سے تعلق رکھتے تھے) (6) عبد یالیل۔

چنانچہ عبدیالیل اس وفد کی معیت میں طائف سے روانہ ہوا یہاں تک کہ وہ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچ گئے اور قناۃ کے مقام پر اترے۔ وہاں ان کی ملاقات مغیرہ بن شعبہ سے ہوئی۔ انہوں نے جب اس وفد کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ ان کے آقا کی دعا کی کمند انہیں کھینچ لائی ہے۔ وہاں سے دوڑے تاکہ اپنے حبیب مکرم ﷺ کو ان کے آنے کی خوشخبری سنائیں۔ راستہ میں ان کی ملاقات حضرت ابوبکر صدیق سے ہوئی۔ انہوں نے ان کی منت کی کہ خدارا! اپنے آقا کو یہ خوشخبری سنانے کا مجھے موقع دو۔ صدیق اکبر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور بنی ثقیف کے وفد کی آمد کی اطلاع دی۔ پھر حضرت مغیرہ بنو ثقیف کے وفد کے پاس گئے اور ظہر کی نماز ان کے ساتھ ادا کی اور انہیں بارگاہ نبوت میں حاضری کے آداب سے آگاہ کیا۔ جب وہ حضور کی خدمت عالی میں حاضر ہوئے تو حضور نے مسجد کے ایک کونہ میں ان کیلئے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا۔ خالد بن سعید بن العاص باہم پیغام رسانی پر مقرر تھے، یہاں تک کہ ایک معاہدہ تحریر کیا گیا۔ خالد بن سعید نے ہی اپنے قلم سے اس کو تحریر کیا تھا۔ سرور عالم ﷺ اپنے پاس سے ان کیلئے جو کھانا ارسال فرمایا کرتے وہ اس وقت تک اسے نہ کھاتے جب تک کہ خالد اس کو نہ کھاتا، اسلام قبول کرنے تک ان کا یہی معمول رہا۔

انہوں نے جو معروضات بارگاہ رسالت میں پیش کیں، ان میں سے چند ایک آپ بھی سماعت کیجئے:

انہوں نے پہلی درخواست یہ کی کہ ان کے معبود "لات" کو تین سال تک نہ گرایا جائے۔ اللہ کے رسول نے ان کا یہ مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ اس پر اصرار کرتے رہے اور مدت میں تخفیف کرتے رہے۔ انہوں نے ایک ایک سال کم کرنے کا مطالبہ کیا لیکن حضور انکار کرتے رہے۔ پھر انہوں نے ایک ایک مہینہ کا مطالبہ کیا۔ حضور نے یہ مطالبہ بھی ٹھکرا دیا۔ وہ اس لئے اپنے اس مطالبہ پر مصر تھے تاکہ ان کے جاہل لوگ ان کی

عورتیں اور ان کی اولادیں ان کے خلاف نہ ہو جائیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک مہینہ مہلت دینے سے بھی انکار فرمادیا۔ حضور نے انہیں فرمایا کہ اس کو گرانے کیلئے تمہارے قریشی رشتہ داروں ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا جائے گا۔

ان کا دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ انہیں نماز پڑھنے کے حکم سے مستثنیٰ کر دیا جائے اور جو بت ان کے ہاتھوں میں ہیں انہیں توڑا نہ جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بت تمہارے ہاتھوں میں ہیں ان کو توڑنے سے تو ہم تم کو معافی دیدیں گے، رہی نماز تو اس کی معافی ممکن نہیں۔

أَمَّا الصَّلٰوةُ فَلَا خَيْرَ فِيْ دِيْنٍ لَا صَلٰوةَ فِيْهِ (1)

"رہی نماز، تو سن لو کہ اس دین میں کوئی خیر نہیں جس میں نماز نہیں۔"

جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو رسول اکرم ﷺ نے ان کیلئے ایک معاہدہ لکھا۔ نیز عثمان بن ابی العاص کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ اگرچہ وہ عمر میں سب سے کم سن تھے لیکن علم دین حاصل کرنے اور قرآن پڑھنے کا جو شوق اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا تھا، اس میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ جب یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد اور معاہدہ تحریر کرانے کے بعد اپنے وطن واپس آئے تو سرور عالم ﷺ نے ان کے ساتھ ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا تاکہ وہ لات کے بت کو ریزہ ریزہ کر دیں۔ چنانچہ یہ دونوں صاحبان اس وفد کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب طائف پہنچے تو مغیرہ بن شعبہ نے ارادہ کیا کہ ابوسفیان کو وہ پہلے بھیجیں تاکہ لات کو وہ جا کر منہدم کریں لیکن ابوسفیان نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ جب مغیرہ بن شعبہ داخل ہوئے تو آپ نے کدال لے کر اس بت کو گرانا شروع کر دیا۔ معتب کے بیٹے مغیرہ کے پاس کھڑے رہے اس اندیشہ سے کہ کہیں عروہ کی طرح ان پر تیروں کا مینہ برسا کر ختم نہ کر دیں۔ جب اس بت کو توڑا جا رہا تھا تو ثقیف کی عورتیں ننگے سر روتی ہوئی باہر نکل آئیں اور مغیرہ اپنے کلہاڑے سے اس پر ضربیں لگا رہے تھے اور ابوسفیان پاس کھڑے ہوئے وَاهًا وَاهًا لَكِ کہہ رہے تھے۔ مغیرہ نے جب اس کو گرا دیا تو اس کے مخزن میں جو نقدی اور زیورات تھے وہ لے آئے اور انہیں ابوسفیان کے پاس بھیج دیا۔

عروہ کا بیٹا ابو ملیح اور اسود کا بیٹا قارب وفد ثقیف کے پہنچنے سے پہلے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے اور وہ ثقیف سے قطع تعلق کرنا چاہتے تھے اور کسی بات میں ان کے ساتھ شریک نہیں

1۔ "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 500 و ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 4، صفحہ 55-56

ہونا چاہتے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس کو تم دونوں چاہو اس کو اپنا والی بنالو۔ انہوں نے عرض کی کہ ہم تو اللہ اور اس کے رسول کو اپنا والی بناتے ہیں۔ رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، کیا تمہیں اپنا ماموں ابوسفیان بن حرب پسند ہے؟ انہوں نے عرض کی ہمیں اپنا ماموں پسند ہے۔

ہجرت کے آٹھویں سال میں درج ذیل اہم نئے شرعی احکام نافذ ہوئے

1۔ چور کیلئے قطع ید کی سزا

جزیرۂ عرب میں کوئی باقاعدہ حکومت قائم نہ تھی جو اپنی عسکری طاقت یا دیگر وسائل کی بناء پر لوگوں کی جان ومال و آبرو کے تحفظ کی ذمہ داری نبھا سکتی۔ اس لئے ہر شخص اور ہر قبیلہ اپنی طاقت کے مطابق اپنے سے کمزور افراد اور قبائل پر جس طرح چاہتا مشق ستم کرتا اور کوئی اس سے باز پرس کرنے والا نہ ہوتا۔ اس لئے راہزنی، قزاقی اور لوٹ مار وغیرہ کے مالی جرائم کا ارتکاب بکثرت ہوتا تھا۔ کوئی شخص صرف اپنے ذاتی اثرورسوخ اور اپنے قبیلہ کی قوت وطاقت کے باعث اپنے مال وجان و آبرو کا تحفظ کر سکتا تھا۔ اب جب جزیرۂ عرب کا اکثر علاقہ اسلامی مملکت کا حصہ بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان قوانین کا اجراء فرمایا جو ملک میں داخلی امن برقرار رکھ سکتے ہیں اور لوگوں کی جان، مال اور آبرو پر ڈاکہ ڈالنے والے سے باز پرس کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس سال چور کیلئے قطع ید کا حکم نازل ہوا یعنی جو شخص کسی کے مال کو نقب لگا کر یا کسی دوسرے طریقہ سے لے اڑتا ہے، اس کے بارے میں ہاتھ کاٹنے کی سزا جاری کی گئی۔

اس میں عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے غریب وامیر، شاہ وگدا اور اعلیٰ وادنیٰ کے درمیان کوئی فرق روانہ رکھا گیا یہاں تک کہ رحمت للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَوْ سَرَقَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ لَقَطَعْتُ يَدَهَا

"اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔"

ارشاد الٰہی:

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (1)

1۔ سورۃ المائدہ: 38

"چوری کرنے والے اور چوری کرنے والی (کی سزا یہ ہے کہ) کاٹو ان کے ہاتھ بدلہ دینے کیلئے جو انہوں نے کیا اور عبرت ناک سزا اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔"

2۔ شراب کی حرمت کا قطعی حکم بھی اس سال نازل ہوا

اگرچہ تنبیہی احکام اس سے پہلے نازل ہو چکے تھے۔ اس سال یہ حکم نازل ہو گیا کہ شراب خوری اسلام میں حرام اور قطعاً ممنوع ہے۔

اہل عرب مے خواری کے ساتھ ساتھ قمار بازی سے بھی شوق کیا کرتے تھے۔ شراب پی کر مست ہونے کے بعد وہ جوا کھیلتے اور جوئے میں اپنی دولت کو اس طرح صرف کرتے کہ وہ اپنا سارا سرمایہ لٹا دیتے۔ اس پر انہیں کوئی ندامت اور افسوس نہ ہوتا بلکہ اس کو اپنی فیاضی اور سخاوت کا ناقابل تردید ثبوت تصور کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی یہ آیت نازل فرما کر مے خواری، قمار بازی اور دیگر قباحتوں کو قطعی طور پر ممنوع قرار دے دیا:

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ (1)

"اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں، شیطان کی کارستانیاں ہیں، سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پا سکو۔"

3۔ ازلام

اہل عرب میں یہ رواج بھی قبول عام حاصل کر چکا تھا کہ ان کے پاس پانسے ہوتے۔ ایک پر لکھا ہوتا کہ یہ کام کرو، دوسرے پر لکھا ہوتا یہ مت کرو --- جب وہ کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرتے تو پانسہ پھینک کر پہلے دریافت کرتے کہ وہ یہ کام کریں یا نہ کریں۔ پھر جس طرح کا پانسہ نکلتا اس پر عمل پیرا ہوتے --- بجائے اس کے کہ انسان عقل و فہم سے کام لے کر یہ فیصلہ کرے کہ یہ کام اسے کرنا چاہئے یا اس سے باز رہنا چاہئے، وہ اپنی تقدیر کو ان بے جان اور

2۔ سورۃ المائدہ: 90

بے شعور پانسوں کے حوالے کر دیتے۔ یہ انسانی عقل و دانش کی صریح توہین تھی۔ اسلام جو دین فطرت ہے، ان خداداد صلاحیتوں کی تذلیل و توہین کو کیونکر گوارا کر سکتا تھا۔ چنانچہ اسی سال بطور فال پانسہ پھینکنے سے روک دیا گیا تاکہ غور و فکر کی خداداد صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے وہ کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں فیصلہ کر سکیں۔

حضرت ماریہ کے بطن سے اسی سال حضور سرور عالم ﷺ کا ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام نبی محتشم ﷺ نے اپنے جد کریم کے نام پر ابراہیم تجویز کیا۔

سرکار دو عالم ﷺ کو اس بچہ سے نہایت محبت تھی۔ جب اس بچے کی عمر تقریباً ایک سال ہوئی تو اس کی شمع حیات گل ہو گئی، مشیت ایزدی کا یہی تقاضا تھا۔ جس دن حضرت ابراہیم نے وفات پائی سورج کو گرہن لگ گیا۔ لوگوں نے اپنے سابقہ عقیدہ کے مطابق یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت ابراہیم کی وفات کا صدمہ اتنا شدید ہے کہ آفتاب بھی اپنی روشنی کھو بیٹھا۔ اہل عرب کے نزدیک کسی شخص کی وفات کے موقع پر سورج گرہن لگنا اس کی بڑائی اور عظمت کی دلیل سمجھا جاتا تھا لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے اس مصنوعی بڑائی کو پسند نہ کیا بلکہ حضور نے سب لوگوں کو جمع کر کے یہ خطبہ ارشاد فرمایا کہ "سورج اور چاند خدا کی قدرت کی آیات بینات ہیں۔ کسی کے مرنے یا جینے سے ان میں گرہن نہیں لگا کرتا۔" اس خطبہ کے بعد نماز کسوف باجماعت ادا فرمائی اور ساری امت کو یہ سبق دیا کہ جب کبھی ایسا حادثہ رونما ہو تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں سب جمع ہو کر سجدہ ریز ہو جایا کریں۔

سرور عالم ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب نے بھی اسی سال وصال فرمایا۔

ہجرت کا سال نہم

ہجرت کا نواں سال

اس سال مندرجہ ذیل اہم واقعات وقوع پذیر ہوئے:۔

1۔ سریہ عیینہ بن حصین فزاری، بنو تمیم کی طرف
2۔ سریہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط، قبیلہ بنی مصطلق کی طرف
3۔ سریہ قطبہ بن عامر، قبیلہ خثعم کی طرف
4۔ سریہ ضحاک بن سفیان الکلابی، قبیلہ بنو کلاب کی طرف
5۔ سریہ علقمہ بن مجزز، حبشہ کی طرف
6۔ سریہ سیدنا علی، فلس کی طرف
7۔ سریہ عکاشہ بن محصن، حباب کی طرف
8۔ کعب بن زہیر کا مشرف باسلام ہونا
9۔ وفود کی آمد
10۔ غزوہ تبوک
11۔ سریہ خالد بن ولید، تبوک سے اکیدر کی طرف
12۔ سرور عالم ﷺ کا گرامی نامہ تبوک سے ہرقل کی طرف
13۔ حضرت عبداللہ ذوالبجادین کی وفات
14۔ مسجد ضرار کا انہدام
15۔ کعب بن مالک اور ان کے دو ساتھیوں کا قصہ
16۔ قصۃ اللعان
17۔ قبیلہ ثقیف کا مشرف باسلام ہونا
18۔ شاہان حمیر کی طرف سے بارگاہ رسالت میں خطوط
19۔ سزائے رجم کا نفاذ
20۔ نجاشی شاہ حبشہ کی وفات
21۔ حضرت ام کلثوم کی وفات
22۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی ہلاکت
23۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں حجاج کی مکہ مکرمہ کی طرف روانگی
24۔ شہریار بادشاہ ایران کا قتل
25۔ کسریٰ کی بیٹی بوران کا بادشاہ مقرر ہونا

سرایا

نبی رحمت ﷺ، ہوازن اور طائف کے معرکوں سے بخیر وعافیت مدینہ طیبہ میں مراجعت فرما ہوئے۔ حضور نے اس کے بعد جزیرۂ عرب کے مختلف اطراف میں اپنے

مجاہدین کے دستے روانہ کیے۔ ان سرایا کا اولین مقصد تو یہ تھا کہ جزیرۂ عرب کے وہ دور دراز علاقے جہاں تک ابھی تبلیغ اسلام کے کام کا آغاز نہیں ہوا تھا، وہاں کے باشندوں میں اسلام کی تبلیغ کرنا تاکہ وہ کفر و شرک سے تائب ہو کر اپنی بندگی کا رشتہ اپنے خالق حقیقی سے قائم کریں۔ نیز ان علاقوں کے حالات سے آگاہی حاصل کرنا بھی ان سرایا کے مقاصد میں سے ایک مقصد تھا یعنی جب ان علاقوں میں جائیں گے تو وہاں کے ندی، نالوں، پہاڑوں، ٹیلوں، بستیوں اور آبادیوں کے حالات سے آگاہی حاصل کریں تاکہ اگر ان قبائل سے جنگ کی نوبت آئے تو مسلمان ان علاقوں کے جغرافیائی حالات سے بے خبر ہونے کی وجہ سے مات نہ کھا جائیں۔ ان سرایا میں اکثر و بیشتر نو مسلموں کو شامل کیا گیا تھا، انصار و مہاجرین کا کوئی مجاہد ان میں شامل نہ تھا۔ ان سرایا سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ان نو مسلموں کو راہ حق میں جہاد کرنے کا سلیقہ بھی سکھایا جائے اور ان کے دلوں میں جہاد اور شہادت کی چنگاری روشن کر دی جائے تاکہ جب کفار سے معرکہ برپا ہو تو السابقون الاولون کی طرح یہ بھی داد شجاعت دے سکیں۔

سریہ عیینہ بن حصین

اس سال کے ماہ محرم میں سرکار دو عالم ﷺ نے بشر بن سفیان الکعبی کو قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ بنو کعب کی طرف ان کے صدقات وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ بنو کعب اس وقت ایک چشمہ کے قریب رہائش پذیر تھے جس کا نام "ذات الاشطاط" تھا۔ بنو تمیم کا قبیلہ بھی اسی چشمہ کے پاس فروکش تھا۔ بنو کعب نے اپنے صدقات بشر بن سفیان کی خدمت میں بصد مسرت پیش کر دیئے۔ بنو تمیم نے جب یہ اموال صدقات دیکھے تو ان کے منہ میں پانی بھر آیا۔ یہ لوگ طبعاً بڑے خسیس اور کنجوس تھے۔ ان کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اتنے اونٹ اور بکریاں دیگر اموال سمیت مدینہ طیبہ بھیج دیئے جائیں۔ انہوں نے بنو کعب سے پوچھا کہ تم اس قدر اموال و مویشی مسلمانوں کے پاس کیوں بھیج رہے ہو؟ چنانچہ بنو تمیم نے تلواریں بے نیام کر لیں اور حضور کے عامل کو وہ صدقات لے کر جانے سے روک دیا۔ بنو کعب نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا اور بتایا کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور ہمارے دین نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنے مال سے زکوٰۃ نکالیں۔ اس لئے اس معاملہ میں مداخلت کا

تمہیں کوئی حق نہیں۔ بنو تمیم کو کیا خبر۔ کہ ایک مومن کیلئے اللہ کی راہ میں اپنا مال دے کر کتنی راحت اور فرحت ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو ایک اونٹ بھی لے جانے کی بشر کو اجازت نہیں دیں گے۔ چنانچہ حضرت بشر، سرور عالم علیہ السلام کو صورت حال سے آگاہ کرنے کیلئے چپکے سے وہاں سے چلے آئے اور بارگاہ رسالت میں تمام حالات عرض کر دیئے۔

بنو تمیم کی سرکوبی کیلئے عیینہ بن حصین فزاری کو سرور عالم ﷺ نے روانہ فرمایا اور پچاس عرب مجاہدین اس کی معیت میں روانہ فرمائے۔ ان سب کا تعلق عرب کے مختلف قبائل سے تھا۔ ان میں نہ کوئی مہاجر تھا اور نہ کوئی انصاری۔ حضرت عیینہ اپنے مجاہدین کی معیت میں روانہ ہوئے۔ وہ رات کو سفر کرتے اور دن کو کسی محفوظ جگہ پر چھپ کر آرام کرتے یہاں تک کہ اسلام کا یہ چھوٹا سا لشکر اس صحراء تک پہنچ گیا جہاں بنو تمیم سکونت پذیر تھے اور اپنے مویشیوں کو چرا رہے تھے۔ (1)

جب انہوں نے مجاہدین اسلام کو دیکھا تو ان کے اوسان خطا ہو گئے اور اپنا مال و متاع چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی۔ مسلمانوں نے بنو تمیم کے گیارہ مرد، اکیس عورتیں اور تیس بچوں کو اپنا قیدی بنا لیا اور انہیں مدینہ طیبہ لے آئے۔ یہاں ان قیدیوں کو رملہ بنت حارث کے مکان میں نظر بند کر دیا گیا۔ ان کے چند رئیس اپنے قیدیوں کی خبر گیری کیلئے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ ان میں قیس بن عامر، عطارد بن حاجب، زبرقان بن بدر اور اقرع بن حابس جیسے ان کے مشہور سردار بھی تھے۔ جب عورتوں اور بچوں نے اپنے سرداروں کو دیکھا تو آہ و فغاں شروع کر دی۔ یہ لوگ بڑی سرعت سے نبی مکرم ﷺ کے در اقدس پر حاضر ہوئے اور باہر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارنا شروع کر دیا:

يَا مُحَمَّدُ اخْرُجْ إِلَيْنَا نُفَاخِرْكَ وَنُشَاعِرْكَ فَإِنَّ مَدْحَنَا زَيْنٌ وَذَمَّنَا شَيْنٌ

"حضور کا نام لے کر کہنے لگے باہر آیئے ہم آپ کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا خطیب آپ کے خطیب کے ساتھ مفاخرت کرے گا۔ اور ہمارا شاعر آپ کے شاعر سے مقابلہ کرے گا۔ جس کی ہم مدح کرتے ہیں وہ مزین و آراستہ ہو جاتا ہے اور جس کی ہم ہجو کرتے ہیں اس

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 331

کو ذلیل اور رسوا کر دیتے ہیں۔"

ان کا یہ گستاخانہ تخاطب اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا اور ان کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں انہیں ان کے اس طرز عمل پر سرزنش فرمائی گئی:

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ. وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ. (1)

"بیشک جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے، ان میں سے اکثر ناسمجھ ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ تشریف لاتے ان کے پاس تو یہ ان کیلئے بہت بہتر ہوتا، اور اللہ غفور رحیم ہے۔"

رحمت عالم ﷺ ان کی ندا سن کر باہر تشریف لے آئے اور حضرت بلال نے اقامت شروع کر دی۔ وہ حضور کے ساتھ چمٹ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ حضور نے چندے توقف فرمایا پھر نماز ظہر ادا کرنے کیلئے مسجد میں تشریف لے گئے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد کے صحن میں تشریف فرما ہوئے ان رؤساء نے جو ڈینگ ماری تھی کہ "ہماری مدح سے ہمارا ممدوح مزین و آراستہ ہو جاتا ہے اور جس کی ہم مذمت کرتے ہیں اس کی عزت خاک میں مل جاتی ہے۔" اس کے جواب میں نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف اتنا فرمایا:

كَذَبْتُمْ بَلْ مَدْحُ اللّٰهِ الزَّيْنُ وَشَتْمُهُ الشَّيْنُ

"تم نے جھوٹ بولا ہے۔ صرف اللہ کی مدح کسی انسان کو معزز و محترم بناتی ہے اور اسی کی مذمت انسان کو ذلیل و خوار کرتی ہے۔"

انہوں نے کہا، ہمارے خطیب اور شاعر کو اجازت دیجئے اور ان کے مقابلہ میں اپنا خطیب اور شاعر پیش کیجئے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، مجھے شعر گوئی کیلئے مبعوث نہیں فرمایا گیا اور نہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں کسی کے ساتھ فخر و مباہات میں حصہ لوں۔ لیکن اگر تمہارا اصرار ہے تو لاؤ اپنا خطیب، اس کے جواب میں میں اپنا خطیب پیش کروں گا۔ اقرع بن حابس نے عطارد بن حاجب کو حکم دیا کہ اٹھو اور اپنے فضائل اور قوم کے فضائل پر

1۔ سورۃ الحجرات: 4

داد فصاحت دو۔ جب وہ اپنے خطاب کو ختم کر چکا تو سرکار دو عالم ﷺ نے ثابت بن قیس بن شماس کو اس کا جواب دینے کا حکم دیا۔ حضرت ثابت نے کھڑے ہو کر ایسا خطاب فرمایا کہ بنو تمیم کے سرداروں اور ان کے خطیبوں کے چھکے چھوٹ گئے اور انہوں نے تسلیم کر لیا کہ ہمارے خطیب سے آپ کا خطیب ارفع و اعلیٰ ہے۔ پھر ان کے ایک رئیس زبرقان نے اپنے ایک آدمی کو کہا کہ اٹھو اپنے فضائل اور اپنی قوم کے فضائل کے بارے میں قصیدہ سناؤ۔ وہ اٹھا اور اس نے ایک قصیدہ سنایا جس کے دو شعر بطور نمونہ پیش خدمت ہیں:

نَحْنُ الْكِرَامُ فَلَا حَيٌّ يُعَادِلُنَا ‌ ‌ ‌ نَحْنُ الرُّؤُسُ وَفِيْنَا يُقْسَمُ الرُّبُعُ

إِذَا أَبَيْنَا فَلَا يَأْبَى لَنَا أَحَدٌ ‌ ‌ ‌ إِنَّا كَذٰلِكَ عِنْدَ الْفَخْرِ نَرْتَفِعُ

"ہم وہ بزرگ و برتر ہیں کہ کوئی قبیلہ ہمارے ساتھ ہم سری نہیں کر سکتا۔ ہم سردار ہیں اور غنیمت کا چوتھائی حصہ ہم میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جب ہم کسی کام سے انکار کر دیتے ہیں تو کسی کو یہ ہمت نہیں ہوتی کہ ہمارے حکم کے سامنے انکار کر سکے۔ جب بزم مفاخرت برپا ہوتی ہے تو اسی طرح ہم سب سے عالی شان ہوتے ہیں۔"

سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت حسان کو حکم دیا کہ اٹھو اور اس کا جواب دو۔ آپ نے فی البدیہہ اشعار کہے۔ جن میں سے دو شعر پیش خدمت ہیں:

نَصَرْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالدِّيْنَ عَنْوَةً ‌ ‌ ‌ عَلٰى رَغْمِ عَاتٍ مِنْ بَعِيْدٍ وَحَاضِرِ

"ہم نے اللہ کے رسول کی اور دین اسلام کی بڑی قوت سے مدد کی ہے۔ اور جتنے دور و نزدیک سرکش تھے ان کی ناک کو خاک سے آلودہ کر دیا۔"

وَأَحْيَاؤُنَا مِنْ خَيْرِ مَنْ وَطِئَ الْحَصَا ‌ ‌ ‌ وَأَمْوَاتُنَا مِنْ خَيْرِ أَهْلِ الْمَقَابِرِ

"ہم میں سے جو لوگ زندہ ہیں وہ ان تمام زندوں سے بہتر ہیں جو کنکریوں پر پاؤں رکھ کر چلتے ہیں اور ہمارے فوت ہونے والے ان تمام سے بہتر ہیں جو قبروں میں مدفون ہیں۔"

بارگاہ رسالت کے شاعر حضرت حسان کی فصاحت و بلاغت نے ان سب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ خصوصاً ان کا شاعر اقرع بن حابس جو شعر و سخن کی لطافتوں اور نزاکتوں سے دوسروں سے کہیں زیادہ آگاہ تھا وہ ایسا متاثر ہوا کہ اس نے ان کا کلام معجز نظام سن کر

اپنے آبائی دین کو بھی الوداع کہہ دیا اور اس سارے وفد میں سب سے پہلے کلمہ شہادت پڑھ کر رحمت عالم ﷺ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی۔

رحمت عالم نے قیس بن عامر کے بارے میں فرمایا هٰذَا سَيِّدُ أَهْلِ وَبَرٍ "یہ خیموں میں زندگی بسر کرنے والے قبائل کا سردار ہے۔"(1) سرکار دو عالم ﷺ نے ان پر مزید کرم یہ فرمایا کہ ان کے سارے قیدیوں کو فدیہ لئے بغیر آزاد کر دیا اور اس وفد کے تمام افراد کو انعام واکرام سے سرفراز فرمایا اور انہیں اپنے وطن واپس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

سریہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط

اس سال سرور عالم ﷺ نے قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ بنو مصطلق کے صدقات وغیرہ وصول کرنے کیلئے ولید بن عقبہ کو ان کی طرف بھیجا۔ بنو مصطلق اس سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے اور نماز ادا کرنے کیلئے انہوں نے کئی مساجد تعمیر کر رکھی تھیں۔

ولید بن عقبہ اور بنو مصطلق کے درمیان زمانہ جہالت سے دیرینہ عداوت چلی آتی تھی جب انہیں معلوم ہوا کہ ولید بن عقبہ ان کی طرف بڑھا چلا آرہا ہے تو انہوں نے اپنے بیس آدمی صدقہ کے اونٹ اور بھیڑ بکریاں دیکر ولید کی پیشوائی کیلئے بھیجے۔ ولید کے دل میں شیطان نے یہ وسوسہ ڈال دیا کہ یہ لوگ انہیں قتل کرنے کیلئے آرہے ہیں۔ وہ اس خوف سے کہ وہ انہیں قتل نہ کر دیں، ان سے ملاقات کئے بغیر مدینہ طیبہ واپس آگیا اور اپنے گمان کے مطابق حضور کریم ﷺ کو آکر اطلاع دی۔ حضور نے تحقیق احوال کیلئے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا اور انہیں ارشاد فرمایا کہ اس طرح جاؤ کہ ان کو تمہارے آنے کی اطلاع نہ ہو۔ ان کے حالات کا جائزہ لینا، اگر ان کے مسلمان ہونے کے شواہد آپ کو مل جائیں تو ان سے صدقہ و خیرات کے اونٹ وغیرہ وصول کر لینا اور اگر کوئی ایسی دلیل نہ ملے تو پھر ان کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو کفار و مشرکین کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ حضرت خالد خفیہ طور پر وہاں پہنچے اور مغرب وعشاء کی نماز کی اذان سنی تو ان سے صدقات وصول کئے اور کسی قسم کی سرکشی کی کوئی علامت انہیں وہاں نظر نہ آئی۔ حضرت خالد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور وہاں کے حالات کے بارے میں مطلع کیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (2)

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 118 و احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 331

2۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 119

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (1)

"اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو، ایسانہ ہو کہ تم ضرر پہنچاؤ کسی قوم کو بے علمی میں، پھر تم اپنے کئے پر پچھتانے لگو۔"

سریہ قطبہ بن عامر

سرکار دو عالم ﷺ نے قطبہ بن عامر کو بیس مجاہدین کا امیر بنا کر قبیلہ خثعم کی طرف بھیجا۔ یہ قبیلہ مکہ کے گردونواح میں "تبالہ" کی سمت میں آباد تھا۔ ابن سعد نے "تبالہ" کی بجائے "بیشہ" کے نواح میں بھیجنے کا ذکر کیا ہے۔ حضرت قطبہ کو حکم دیا گیا کہ وہ ان پر دھاوا بول دیں۔ ان بیس مجاہدین کے پاس سواری کے دس اونٹ تھے جن پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے رات کو انہوں نے آرام کیا اور صبح قبیلہ خثعم پر حملہ کر دیا۔ دونوں فریقوں میں گھمسان کا رن پڑا اور دونوں اطراف سے کثیر تعداد میں لوگ زخمی ہوئے اور چند آدمی مقتول ہوئے جن میں حضرت قطبہ بھی تھے۔ فتح مجاہدین اسلام کو ہوئی۔ انہوں نے بہت سے اونٹ بھیڑ بکریاں غنیمت میں حاصل کیں اور ان کی عورتوں کو یرغمال بنا لیا اور مدینہ طیبہ لے آئے۔ وہ مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر مجاہد کے حصہ میں چار اونٹ آئے اور جس کو کم اونٹ ملے اس کو ہر اونٹ کے بدلے دس بکریاں دی گئیں۔ تقسیم غنائم سے پہلے خمس نکالا گیا۔(2)

سریہ ضحاک بن سفیان الکلابی رضی اللہ عنہ

سرکار دو عالم ﷺ نے ضحاک بن سفیان کی امارت میں قرطاء کی طرف ایک لشکر روانہ کیا ان کا آمنا سامنا "زج" کے مقام پر ہوا جو نجد کی ایک بستی ہے۔ ضحاک نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ فریقین میں جنگ ہوئی، مسلمانوں نے ان کو شکست فاش دی اور مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔

1۔ سورۃ الحجرات: 6

2۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 6، صفحہ 327

سریہ علقمہ بن مجزر

یہ سریہ ماہ ربیع الثانی سنہ 9 ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ حبشہ کے چند باشندے جدہ کے سامنے اکٹھے ہوگئے ہیں۔ یوں ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اہل جدہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے علقمہ بن مجزر کی قیادت میں تین سو مجاہدین کا دستہ ان حبشیوں کی سرکوبی کیلئے روانہ فرمایا۔ حبشیوں نے مجاہدین کے خوف سے سمندر میں چھلانگیں لگادیں اور ایک جزیرہ میں جا کر پناہ گزین ہوگئے۔ ان کے تعاقب میں علقمہ بھی اپنے دستے سمیت سمندر کو عبور کرتے ہوئے اس جزیرہ میں پہنچ گئے۔ انہوں نے جب لشکر اسلام کو اپنے قریب آتے دیکھا تو وہ وہاں سے بھی بھاگ گئے۔ حضرت علقمہ ان حبشیوں کو بھگانے کے بعد واپس آگئے۔ راستہ میں چند مجاہدین نے اپنے سالار سے اجازت طلب کی کہ وہ جلدی میں ہیں اس لئے انہیں لشکر سے پہلے چلے جانے کی اجازت دی جائے۔ حضرت علقمہ نے اجازت دیدی اور پہلے جانے والے مجاہدین کا امیر حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی کو مقرر فرمایا۔ ان کی طبیعت میں بڑی ظرافت تھی۔ جب راستہ میں وہ ایک جگہ اترے تو مجاہدین نے تاپنے کیلئے آگ جلائی۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ کو ایک مزاح سوجھا اور اپنے ساتھیوں کو کہا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اس آگ میں کود جاؤ۔ بعض مجاہد اپنے امیر کے حکم کی تعمیل کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے، جب امیر لشکر نے یہ محسوس کیا کہ یہ لوگ واقعی آگ میں کود جائیں گے تو آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ، میں تو تمہارے ساتھ دل لگی کر رہا تھا۔ جب یہ دستہ مدینہ طیبہ پہنچا تو اس واقعہ کا ذکر بارگاہ رسالت میں کیا گیا تو سرکار دو عالم ﷺ نے قیامت تک آنے والے اپنے امتیوں کیلئے ایک واضح ضابطہ کا اعلان فرمایا:

مَنْ أَمَرَكُمْ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا تُطِيعُوهُ

"جو شخص تمہیں معصیت کے ارتکاب کا حکم دے تو ایسے امیر کی اطاعت مت کرو۔"

علامہ ابن قیم اور امام ابو زہرہ نے یہاں صحیح بخاری کی ایک روایت نقل کی ہے جو اس ارشاد نبوی کی مزید تائید کرتی ہے، وہ ہدیہ ناظرین ہے:

1۔ "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 515

سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ کے پیارے رسول نے ایک سریہ بھیجااور اس کا امیر ایک انصاری کو مقرر فرمایااور تمام مجاہدین کو حکم دیا کہ وہ اپنے سالار کی بات سنیں بھی اور اس پر عمل بھی کریں۔ لشکر روانہ ہوا۔ اثنائے سفر کسی وجہ سے وہ انصاری ان پر ناراض ہو گیااور انہیں حکم دیا کہ ایندھن جمع کرو۔ انہوں نے ایندھن کے ڈھیر لگا دیئے۔ پھر حکم دیا کہ آگ جلاؤ، جب آگ خوب بھڑکنے لگی تو امیر دستہ نے مجاہدین کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کیا اللہ کے رسول ﷺ نے میری بات ماننے کا تمہیں حکم نہیں دیا تھا؟ سب نے کہا بیشک دیا تھا۔ اس انصاری امیر نے کہا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس بھڑکتی ہوئی آگ میں کود جاؤ۔ سارے مجاہدین حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ وہ بولے کہ ہم نے تو آگ کے عذاب سے بچنے کیلئے حضور کا دامن پکڑا تھا۔ وہ اس حالت میں تھے کہ امیر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیااور آگ بجھا دی گئی۔

مجاہدین کا یہ دستہ جب لوٹ کر مدینہ طیبہ آیا تو اس واقعہ کا تذکرہ بارگاہ رسالت مآب میں کیا گیا۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا جو لوگ امیر کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آگ میں داخل ہو جاتے وہ پھر کبھی اس سے باہر نہ نکل سکتے۔ پھر ارشاد فرمایا:

لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ (1)

"اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں۔ اطاعت ہمیشہ نیک کاموں میں ہوتی ہے۔"

سریہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

رسول مکرم ﷺ نے ماہ ربیع الثانی سنہ 9 ہجری میں سیدنا علی المرتضیٰ کو ڈیڑھ سو مجاہدین کے دستہ کا سالار بنا کر بھیجا تاکہ بنی طے قبیلہ کے بت کو جس کا نام فلس تھا، جا کر پاش پاش کر دیں اور اس کے استھان کو پیوند خاک کر دیں۔ ڈیڑھ سو مجاہدین کی سواری کیلئے رحمت عالم ﷺ نے ایک سو اونٹ اور پچاس گھوڑے مہیا فرمائے۔ بنی طے قبیلہ کا سردار حاتم طائی کا بیٹا عدی تھا۔ لشکر اسلام کی آمد کی اطلاع ملتے ہی وہ شام کی طرف بھاگ گیا۔ اسلام کے مجاہدین نے قبیلہ کے افراد پر حملہ کیا، ان کے بت فلس کو پاش پاش کر دیا گیااور اس کے استھان کو

1۔ "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1068

پیوند خاک کردیا۔ بہت سے جنگی قیدی اور دیگر سامان قبضہ میں آیا۔ ان جنگی قیدیوں میں حاتم طائی کی لڑکی سفانہ جو عدی کی سگی بہن تھی، وہ بھی تھی۔ اس بت کے خزانے سے تین تلواریں دستیاب ہوئیں۔ ایک کا نام الرسوب، دوسری کا نام المخذم اور تیسری کا نام الیمانی تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے الرسوب نامی تلوار اپنے لئے چن لی اور المخذم نامی تلوار سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں پیش کردی۔ بقیہ اموال غنیمت احکام الٰہی کے مطابق مجاہدین میں تقسیم کردیئے گئے۔(1)

قبیلہ عدی بن حاتم کا قبول اسلام

قبیلہ بنوطے، عرب کے مشہور قبائل میں سے ایک تھا۔ حاتم طائی اسی قبیلہ کا مایہ ناز فرد تھا۔ جس کی فیاضی اور سخاوت نے اس قبیلہ کے نام کو چار دانگ عالم میں روشن کردیا تھا۔ حاتم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عدی، اپنی قوم کا سردار مقرر ہوا۔ وہ اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ اپنی زبان سے بیان کرتا ہے۔ میں اس واقعہ کو سیرت ابن ہشام سے استفادہ کرتے ہوئے ہدیہ ناظرین کر رہا ہوں:

عدی کہتا ہے کہ عرب کے دوسرے غیر مسلم بھی رسول اللہ ﷺ کو دل سے ناپسند کرتے تھے لیکن میری ناپسندیدگی سب سے زیادہ تھی۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ مجھے نہ ان کی اطاعت کی ضرورت ہے اور نہ ان کے دین کو قبول کرنے کی حاجت ہے۔ کیونکہ میں ایک تو اپنی قوم کا رئیس ہوں، میرا مذہب عیسائیت ہے، میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امتی ہوں، نیز میری قوم اپنی آمدنی کا چوتھا حصہ مجھے پیش کرتی ہے۔ جب میرا مذہب بھی سچا ہے اور قوم نے مجھے اپنا فرمانروا بھی تسلیم کرلیا ہے اور مجھے اپنی آمدنی کا گراں قدر حصہ بطور نذرانہ پیش کرتے ہیں تو مجھے کسی نئے نبی یا نئے دین کو قبول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

لیکن پیغمبر اسلام ﷺ کی فتوحات اور اسلام کی کامیابیوں کے چرچے میں بھی سنتا رہتا تھا۔ اس لئے میرے دل میں یہ تشویش ضرور تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پیغمبر اسلام میرے علاقہ پر بھی حملہ کردیں۔ میرا ایک عربی النسل نوکر تھا، جو میرے اونٹوں کو چرایا کرتا تھا۔ میں نے اسے حکم دیا کہ اصطبل میں ہر وقت چند ایسے اونٹ موجود رہنے چاہئیں جو سرکش نہ

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 120

ہوں اور موٹے تازے ہوں اور جب تو یہ سنے کہ مسلمانوں کے لشکر نے بنی طے کے علاقہ میں قدم رکھا ہے تو مجھے فوراً اطلاع دے دینا۔ چنانچہ ایک روز وہ گھبرایا ہوا آیا اور اس نے آکر مجھے بتایا کہ محمد ﷺ کے شہسوار یہاں پہنچ گئے ہیں۔ میں نے ان کے جھنڈے بھی دیکھے ہیں۔ اس لئے آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں وہ اب کر گزریں۔ میں نے اسے کہا کہ میرے اونٹوں پر پالان کسو اور انہیں میرے پاس لے آؤ۔ وہ لے آیا تو میں نے اپنی بیوی بچوں کو ان پر سوار کیا اور شام کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاں میرے ہم مذہب عیسائیوں کی کافی تعداد موجود تھی۔ جلدی میں اپنی بہن اور حاتم کی بیٹی سفانہ کو وہیں چھوڑ گیا۔

میں شام پہنچا اور وہاں سکونت پذیر ہو گیا۔ میرے وطن سے چلے آنے کے بعد اسلام کے مجاہد میری قوم کے علاقہ میں پہنچے۔ انہوں نے بہت سے لوگوں کو جنگی قیدی بنالیا، ان میں حاتم کی بیٹی سفانہ بھی تھی۔ حضور ﷺ کو شام کی طرف میرے بھاگ جانے کی اطلاع مل گئی تھی۔ جب یہ جنگی قیدی مدینہ طیبہ پہنچے تو انہیں مسجد کے دروازے کے سامنے ایک چھپر میں ٹھہرایا گیا۔ وہاں ہی حاتم کی بیٹی کو بھی رکھا گیا۔ مقریزی کی روایت کے مطابق سفانہ کو رملہ بنت حارثہ کے مکان میں ٹھہرایا گیا۔(1)

ایک روز رسول اللہ ﷺ سفانہ کے پاس سے گزرے، وہ اٹھ کر حضور کے پاس چلی آئی، وہ بڑی فصیح اللسان اور چرب زبان تھی۔ اس نے عرض کی، یارسول اللہ! میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور میری پرسش احوال کیلئے آنے والا شام بھاگ گیا ہے۔ مجھ پر احسان فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا۔ حضور نے پوچھا تیرا وفد کون ہے؟ عرض کی عدی بن حاتم۔ حضور نے فرمایا وہی عدی، جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگ گیا ہے۔ اتنی بات ہوئی اس کے بعد حضور مجھے یوں کھڑا چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ دوسرے روز پھر حضور میرے پاس سے گزرے۔ جو عرض میں نے کل کی تھی، وہی آج بھی پیش کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کل والا ہی جواب مجھے دیا اور تشریف لے گئے۔ تیسرے روز بھی ایسا ہی ہوا اور میں مایوس ہو گئی۔ ایک نوجوان حضور علیہ السلام کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس نے مجھے اشارہ کیا کہ اٹھو اور حضور کی خدمت میں اپنی معروضات پیش کرو۔ اس کے کہنے سے میری حوصلہ افزائی ہوئی۔ میں اٹھی اور عرض کی، یارسول اللہ! میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور میری خبر

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 325

گیری کے لئے آنے والا غائب ہو گیا ہے، مجھ پر احسان فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا۔ رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا میں نے تمہیں آزاد کر دیا۔ لیکن یہاں سے جانے میں جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ تیری قوم کا کوئی قابل اعتبار شخص تمہیں مل جائے جو تمہیں حفاظت کے ساتھ تیرے وطن پہنچا دے، پھر مجھے اطلاع دینا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ جس شخص نے مجھے اشارہ کر کے پھر اپنی گزارش پیش کرنے کا حوصلہ دلایا ہے، وہ کون شخص ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ وہ نوجوان علی بن ابی طالب ہیں رضوان اللہ علیہ۔ میں وہاں ٹھہری یہاں تک کہ قبیلہ بلیہ اور قضاعہ کے چند سوار آئے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں بھی تمہارے ساتھ اپنے بھائی کے پاس شام جانا چاہتی ہوں مجھے اپنے ہمراہ لے چلیں۔ چنانچہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کی یارسول اللہ! میری قوم کے چند لوگ آئے ہیں جن میں قابل اعتماد اشخاص بھی ہیں۔ چنانچہ حضور نے مجھے نیا جوڑا پہنایا۔ سواری کیلئے مجھے اونٹ بخشا اور راستہ کے اخراجات کیلئے نقدی بھی مرحمت فرمائی اس طرح میں ان لوگوں کی معیت میں شام پہنچی۔

عدی کہتے ہیں کہ میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے ایک ہودج دیکھا جس کا رخ میری طرف تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ حاتم کی بیٹی ہے۔ جب وہ قریب آئی تو واقعی وہ حاتم کی بیٹی تھی۔ جب وہ میرے نزدیک آئی تو اس نے مجھے خوب سرزنش کی۔ مجھے قطع رحمی کرنے والا اور ظالم کہا۔ اس نے کہا کہ تم اپنے بال بچوں کو تو اونٹوں پر سوار کر کے ہمراہ لے آئے ہو۔ لیکن تم نے اپنے باپ کی بقیہ نشانی اور اس کی عزت کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا کہ یہ سب و شتم کا موقع نہیں کوئی اچھی بات کہو۔ میں نے جو کیا ہے اس کے لئے میرے پاس کوئی وجہ جواز نہیں، میں شرمندہ ہوں اور معذرت خواہ ہوں۔ چنانچہ وہ اپنے ہودج سے نیچے اتری اور میرے پاس رہائش پذیر ہو گئی۔

ترجمان حقیقت حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو اپنے مخصوص انداز میں یوں بیان کیا ہے:

در مصاف پیش آں گردوں سریر دختر سردار طے آمد اسیر

ایک جنگ میں اس آقا کی خدمت میں جس کا تخت آسمان ہے سردار طے کی بیٹی قیدی کی حیثیت سے پیش ہوئی۔

دخترک راچوں نبی بے پردہ دید چادر خود پیش روئے او کشید

اس بچی کو نبی رحمت نے جب ننگے سر دیکھا تو حضور نے اپنی چادر سے
اس کے چہرہ کو ڈھانپ دیا۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد بارگاہ رسالت میں اپنی قوم کی حالت زار پیش کرتے ہیں:

ما ازاں خاتون طے عریاں تریم پیش اقوام جہاں بے چادریم

ہم خاندان طے کی اس خاتون سے بھی زیادہ برہنہ ہیں۔ دنیا کی ساری
قوموں کے سامنے ہمارا سر بھی ننگا ہے۔

روز محشر اعتبار ما است او در جہاں ہم پردہ دار ماست او

حضور نبی کریم ﷺ قیامت کے روز بھی ہمارا بھروسا ہیں اور اس دنیا
میں بھی حضور ہمارا پردہ رکھنے والے ہیں۔(1)

وہ بڑی زیرک اور دانا خاتون تھی، میں نے اس سے کہا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا، بخدا! وقت ضائع کئے بغیر اس کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہے یا تو وہ نبی ہے یا بادشاہ۔ اگر وہ نبی ہے تو تمہارا بھلا اس میں ہے کہ تم فوراً حاضر ہو کر ان پر ایمان لے آؤ تا کہ تمہارا شمار السابقون الاولون میں ہو۔ اور اگر وہ بادشاہ ہے تو بادشاہوں کو دانشور اور دور اندیش مصاحبوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ تیری خداداد صلاحیتوں کو جب دیکھیں گے تو تیری قدر افزائی کریں گے اور تمہیں کوئی باوقار منصب تفویض کریں گے۔ میں نے کہا بہن! تمہاری رائے بڑی صائب ہے۔ چنانچہ میں شام سے روانہ ہو کر مدینہ طیبہ آیا اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گیا۔ حضور اس وقت اپنی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ حضور نے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے عرض کی عدی بن حاتم۔ حضور کھڑے ہو گئے اور مجھے لے کر اپنے کاشانہ اقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک بوڑھی اور کمزور سی عورت نے حضور کو گزارش کی کہ حضور آپ ٹھہریں میری عرض سماعت فرمائیں۔ نبی کریم ﷺ دیر تک کھڑے رہے اور وہ اپنی بپتا سناتی رہی۔ میں نے جب یہ منظر دیکھا تو میرے دل نے برملا کہا کہ وَاللّٰہِ مَا ھٰذَا بِمَلِكٍ "خدا کی قسم! یہ بادشاہ

1۔ علامہ محمد اقبال (1987-1938ء)، "اسرار خودی"، صفحہ 20

نہیں ہے۔" کہاں بادشاہوں کی نخوت و غرور اور کہاں یہ عجز و انکسار۔

جب وہ فارغ ہوئی تو مجھے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پھر لے کر اپنے گھر کی طرف چلے جب اپنے حجرہ مبارکہ میں داخل ہوئے تو ایک تکیہ جو چمڑے کا تھا اور اس کو کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا تھا، حضور نے وہ میری طرف سرکایا اور فرمایا اِجْلِسْ عَلٰی ھٰذِہٖ "عدی اس پر بیٹھ جاؤ۔" میں نے عرض کی، حضور آپ تشریف رکھئے۔ حضور نے فرمایا بَلْ اَنْتَ "نہیں تم ہی بیٹھو گے۔" میرے لئے اب تعمیل ارشاد کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ بادل نخواستہ میں اس کے اوپر بیٹھ گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے سامنے فرش زمین پر تشریف فرما ہوگئے۔ پھر میرے دل نے یہ آواز دی وَاللّٰہِ مَا ھٰذَا بِاَمْرِ مَلِكٍ خدا کی قسم! یہ کسی بادشاہ کا طرز عمل نہیں ہے۔ پھر حضور نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے حاتم کے بیٹے عدی! کیا تو عیسائیوں کے رکوسی فرقہ سے تعلق نہیں رکھتا! میں نے عرض کی، میرا اسی فرقہ سے تعلق ہے۔ پھر فرمایا-- کیا اپنی قوم سے تو غنیمت کا چوتھا حصہ وصول نہیں کرتا؟ میں نے عرض کی، میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ جواباً حضور نے فرمایا-- تیرے دین میں تو یہ حلال نہیں ہے۔ میں نے عرض کی، بخدا! ایسا ہی ہے۔ حضور کے اس ارشاد سے مجھے معلوم ہو گیا کہ حضور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، ہر چیز جانتے ہیں، ان سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ پھر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا-- اے عدی! شاید اس دین کو قبول کرنے کے راستہ میں یہ چیز حائل ہے کہ مسلمان غریب اور محتاج لوگ ہیں، اس لئے تم غریبوں کا دین قبول نہیں کرتے۔ بخدا! وہ وقت آنے والا ہے جبکہ ان میں مال و دولت کی اتنی فراوانی ہوگی کہ ان میں کوئی لینے والا نہیں ملے گا۔

پھر فرمایا--- شاید تو اس لئے اس دین کو قبول کرنے سے گریز کر رہا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کم ہے اور ان کے دشمنوں کی تعداد ان سے کہیں زیادہ ہے۔ اے عدی! بخدا! عنقریب تو سنے گا کہ ایک عورت اپنے اونٹ پر سوار ہو کر قادسیہ سے نکلے گی اور بیت اللہ شریف کی زیارت کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔

آخر میں فرمایا، اے عدی! شاید تو اس لئے اس دین کو قبول کرنے سے ہچکچا رہا ہے کہ تو دیکھتا ہے کہ حکومت و سلطنت غیروں کے قبضہ میں ہے۔ خدا کی قسم! عنقریب تو سنے گا کہ بابل کے قصر ابیض کو یہ فتح کریں گے اور اس میں داخل ہوں گے اور کسریٰ کی وسیع و

عریض مملکت پر ان کا پرچم لہرائے گا۔ حضور کے ان ارشادات کو سن کر میری آنکھوں سے تعصب کے پردے اٹھ گئے۔ حق کا روئے زیبا مجھے صاف نظر آنے لگا اور میں نے بصد مسرت اسلام قبول کر لیا۔

عدی کہا کرتے کہ حضور نے جو تین پیش گوئیاں فرمائی تھیں ان میں سے دو پوری ہو چکی ہیں اور تیسری بھی ضرور پوری ہو گی۔ میں نے اس لشکر میں شرکت کی جس نے بابل کے قصر ابیض پر فتح کا پرچم لہرایا، میں نے اس عورت کو دیکھا جو اونٹ پر سوار ہو کر قادسیہ سے روانہ ہوئی اور بلا خوف و خطر اس نے یہ طویل مسافت طے کی اور بیت اللہ کا حج کیا۔ خدا کی قسم! تیسری بات بھی ضرور پوری ہو گی کہ اس امت میں مال و دولت کی اتنی فراوانی ہو گی کہ کوئی لینے والا نہیں ملے گا۔(1)

1۔ابن ہشام، "السیرۃ النبویہ"، جلد4، صفحہ 247 وابن اثیر، "الکامل فی التاریخ"، جلد2، صفحہ 285

غزوۂ تبوک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انفروا خفافا وثقالا وجاھدوا باموالکم

وانفسکم فی سبیل اللہ ذلکم خیر لکم

ان کنتم تعلمون

(جہاد کے لیے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو
اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں یہ بہتر ہے
تمہارے لیے اگر تم اپنا (نفع نقصان) جانتے ہو۔
(التوبہ آیت ۴۱)

غزوہ تبوک

تبوک، ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ طیبہ اور دمشق کے بالکل وسط میں واقع ہے۔ غزوہ تبوک نبی مکرم ﷺ کی حیات طیبہ کا آخری غزوہ ہے جو ماہ رجب سنہ 9 ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔
اس غزوہ کے متعدد اسباب کتب سیرت میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مساعی جمیلہ سے چند سالوں میں جزیرۂ عرب کے بکھرے ہوئے متحارب قبائل کو ایک قوم اور ایک ملت میں تبدیل کر دیا تھا۔ سرزمین عرب جو بیشمار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ کر رہ گئی تھی، اب وہ ایک وسیع و عریض ریاست میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اسلام کا نور ایک طرف تو یمن اور بحرین کی سرحدوں تک روشنی پھیلا رہا تھا تو دوسری طرف بحر احمر کے مشرقی ساحل اور شمال میں اردن کی حدود کو تابندہ کر رہا تھا۔ عرب کے باشندے جو رحمت عالم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے سینکڑوں خداؤں کے پرستار ہونے کے باعث سینکڑوں ملتوں میں بٹ کر رہ گئے تھے، اسلام کے رشتہ میں پروئے جانے کے بعد بنیان مرصوص بن گئے تھے۔ حضور پرنور کی پیہم جدوجہد، قابل صد رشک کامیابی سے ہمکنار ہو چکی تھی۔ مکہ کی فتح اور ہوازن کی شرمناک شکست کے بعد ملک عرب میں کوئی ایسی طاقت باقی نہیں رہی تھی جو اسلام اور اہل اسلام سے ٹکر لینے کی جرأت کر سکے۔

حضور کی شان رحمت للعالمینی کا اب یہ تقاضا تھا کہ جزیرۂ عرب کے اردگرد جن ممالک میں ابھی گھپ اندھیرا تھا اور جہاں کے باشندے طرح طرح کی گمراہیوں میں پھنسے ہوئے تھے، ان ممالک کو نور توحید سے منور کرنے اور وہاں کی خفتہ بخت اقوام کو بیدار کرنے کی طرف توجہ مبذول فرمائیں۔ چنانچہ اللہ جل مجدہ نے اپنے رسول پر یہ آیت نازل فرمائی:

انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (1)

1۔ سورۃ التوبہ: 41

"جہاد (کیلئے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے ہو یا بو جھل اور جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم (اپنا نفع، نقصان) جانتے ہو۔"

اب وقت آ گیا تھا جب اسلام کے سر فروش مجاہد اپنے ہادی اعظم ﷺ کی قیادت میں عرب کی سرحدوں سے باہر دنیا کی طرف اپنی عنان توجہ مبذول کریں۔ چنانچہ مجاہدین اسلام پتھروں کے بنے ہوئے لات و ہبل کو پاش پاش کرنے کے بعد انسانی پیکر میں جو فرعون اور نمرود انسانیت کا خون چوس رہے تھے، ان کی عزتوں کو خاک میں ملا رہے تھے، ان کے وجود نا مسعود کے بوجھ سے نوع انسانی کو آزادی کا مژدہ سنائیں۔

خداوند ذوالجلال نے اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا ----- کا حکم اس وقت دیا جب اس کے محبوب نے ایک ایسی امت تیار کر لی تھی جو اس ارشاد ربانی پر لبیک لبیک کہنے کی استعداد رکھتی تھی۔ ان میں اپنے اعلیٰ مقصد کی بقا اور نشو و نما کیلئے اپنی جان عزیز کی بازی لگانے کا جذبہ صادقہ، عزم محکم اور ہمت بلند پیدا کر دی گئی تھی۔ ان کے نقد ایمان کو پرکھنے کیلئے قدرت الٰہی نے غزوۂ تبوک کی راہ ہموار کر دی۔

تبوک کی جنگ عام قسم کی جنگ نہ تھی بلکہ ہر پہلو سے یہ بے مثال جنگ تھی۔ مدینہ طیبہ سے میدان جنگ دس بیس یا پچاس ساٹھ میل کی مسافت پر نہ تھا بلکہ سات سو کلو میٹر اور ایک روایت کے مطابق نو سو کلو میٹر پر تبوک کا شہر واقع تھا جہاں یہ جنگ لڑی جانے والی تھی اور یہ فاصلہ لق و دق صحراؤں اور بے آب و گیاہ ریگزاروں سے ہو کر گزرتا تھا۔ مجاہدین اسلام کے پاس نہ خورونوش کے اطمینان بخش ذخائر تھے اور نہ مجاہدین کی سواری کیلئے معقول انتظام تھا۔ تین مجاہدین کیلئے ایک اونٹ کا بندوبست ہو سکا تھا۔ ہر مجاہد اگر پانچ میل اونٹ وغیرہ پر سوار ہو کر طے کرتا تھا تو اسے دس میل پیدل چلنا پڑتا تھا۔ پانی جیسی اہم ترین چیز کی از حد قلت تھی۔ انہیں اپنی خشک زبانوں اور خشک حلق کو صرف تر کرنے کیلئے اپنے سواری کے اونٹ ذبح کرنا پڑتے تھے تاکہ ان کی آنتوں اور معدوں سے جو مائع چیز دستیاب ہو، اس سے وہ اپنی زبان کو تر کر سکیں۔

وہ موسم جس میں یہ جنگ پیش آئی تھی سخت گرمیوں کا موسم تھا۔ گرم لو چلتی تھی تو جسم کی کھال کو جلا کر رکھ دیتی تھی۔ صحرائے عرب کا سورج سارا دن ایسی آتشیں کرنیں

برساتا رہتا تھا کہ زمین تانبے کی طرح تپ جایا کرتی تھی۔ لشکر اسلام کا مقابلہ کسی صحرائی قبیلہ سے نہ تھا جس کے جوانوں کی تعداد چند سو یا چند ہزار تھی۔ بلکہ یہاں مقابلہ سلطنت روم سے تھا جو اس وقت کی دو عالمی طاقتوں میں سے ایک طاقت تھی، جس نے ابھی ابھی اپنی حریف عالمی طاقت (سلطنت ساسان) کو زبردست شکست دی تھی۔ جس کے پاس جدید اسلحہ کے انبار تھے اور فوج کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔ کھانے پینے کی اشیاء کے ذخائر طویل مدت تک فوج کی ضروریات کیلئے کافی تھے۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں مجاہدین اسلام نے جس جرأت اور پامردی کا مظاہرہ کیا، اقوام عالم کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

غزوۂ تبوک کے اسباب

غزوۂ تبوک کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے ہم ان اسباب کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں جو اس تاریخ ساز غزوہ کے محرک بنے۔

استاد شوقی ابو خلیل کی تصنیف "تبوک الغزوۃ العسری" سے استفادہ کرتے ہوئے چند چیزیں پیش خدمت ہیں:

حنین کے میدان میں عرب کے مشہور قبیلہ ہوازن کو شکست فاش دینے اور طائف سے بعض مصلحتوں کے پیش نظر محاصرہ اٹھا لینے کے بعد نبی مکرم ﷺ مراجعت فرمائے مدینہ طیبہ ہوئے۔ اس وقت ذی الحجہ کا مہینہ تھا اور ہجرت کا آٹھواں سال تھا۔ سرکار دو عالم علیہ الصلوۃ والسلام کو یہ اطلاع ملی کہ رومیوں نے شام میں لشکر جرار اکٹھا کر لیا ہے اور وہ مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کیلئے زبردست تیاریوں میں مصروف ہیں اور ان کے متعدد فوجی دستے بلقاء کے شہر تک پہنچ گئے ہیں۔ وہاں انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا ہے۔ شام میں جن عربی قبائل نے نصرانیت اختیار کر لی تھی، وہ ہر وقت قیصر کو اس بات پر اکساتے رہتے تھے کہ وہ بلا تاخیر مسلمانوں پر حملہ کرے اور دین اسلام کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دے۔ اگر مسلمانوں کو مزید مہلت دی گئی تو عنقریب وہ اتنی قوت حاصل کر لیں گے کہ پھر ہمارے لئے ان کا مقابلہ کرنا ممکن نہ رہے گا۔ انہوں نے قیصر کو برانگیختہ کرنے کیلئے من گھڑت باتیں اسے بتانی شروع کیں کہ آج کل عرب میں شدید قحط ہے اور بھوک سے مسلمانوں کا بہت برا حال ہے۔ ان کے سواری کے جانور بڑی کثرت سے مر رہے ہیں۔ ایسے حالات میں اگر مسلمانوں پر حملہ

کیا جائے تو کامیابی یقینی ہے۔ ہم بڑی آسانی سے ان کا قلع قمع کر دیں گے۔ اس طرح اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ادھر یہ منصوبہ بندی تھی۔ مگر ادھر نبی رحمت ﷺ عربوں کے کفر و شرک سے زنگ آلود دلوں کا تزکیہ کر کے انہیں نور اسلام سے منور فرما رہے تھے۔ انہیں توحید باری کی شراب طہور پلا کر اسلام کے پرچم کے نیچے متحد اور منظم فرما رہے تھے۔ سلطنت روم کا فرمانروا قیصر اس دین قیم کی مسلسل پیش رفت کو بڑی تشویش سے ملاحظہ کر رہا تھا۔

مسلمانوں کی پے در پے فتوحات کے باعث قیصر روم کو طرح طرح کے اندیشے پریشان رکھتے تھے:

(1) رومیوں کے تجارتی کارواں جو شمال سے جنوب کی طرف جاتے تھے، ان کے راستے جزیرۂ عرب کے درمیان سے گزرتے تھے۔ اگر مسلمان سارے جزیرۂ عرب پر قابض ہو جاتے ہیں تو ان کاروانوں کی آمد و رفت خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس طرح انہیں شدید مالی خسارہ کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(2) رومیوں کے وہ کارندے جو جزیرۂ عرب کے شمال میں آباد تھے، جو اس کے ہر حکم کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا کرتے تھے، مسلمان ان کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس طرح اس کا سیاسی اقتدار کا قصر رفیع زمین بوس ہو جائے گا۔

(3) ان کے مددگار جو جزیرۂ عرب میں مختلف مقامات پر رہائش پذیر تھے، جو ان کے تجارتی قافلوں کے تحفظ کرتے تھے، ان کا وجود بھی خطرے میں پڑ جائے گا اور آئندہ وہ ان کے قافلوں کی حفاظت کا فریضہ ادا کرنے کے قابل نہیں رہیں گے۔

(4) عیسائیت، سلطنت روم کا رسمی اور سرکاری مذہب تھا۔ اگر اسلام کو غلبہ نصیب ہو گیا تو مسلمان صرف ان کی حکومت کا ہی خاتمہ نہیں کر دیں گے بلکہ ان ممالک میں ان کے مذہب کا بھی جنازہ نکل جائے گا۔

(5) رومیوں کی ایرانیوں سے ہمیشہ جنگ رہتی تھی۔ انہیں ہر وقت خطرہ رہتا تھا کہ ایرانی ان پر جنوب کی طرف سے حملہ نہ کر دیں۔ اس لئے وہ جزیرۂ عرب پر اپنا تسلط قائم کر کے اپنے ملک کی جنوبی سرحدوں کو محفوظ کر لینا چاہتے تھے تاکہ ایران ان پر جنوب کی طرف سے حملہ کرنے کا خیال ہی دل سے نکال دے۔

جزیرۂ عرب کے ارد گرد جتنے سلاطین اور حکمران تھے، ان میں سب سے پہلے قیصر نے

ان خطرات کا احساس کیا اور ان خطرات کا بروقت سدباب کرنے کیلئے اس نے دین اسلام کے مرکز مدینہ طیبہ پر لشکر کشی کا عزم مصمم کر لیا۔

اسی اثناء میں ملک شام سے تجار کی ایک جماعت میدہ، تیل اور شام کی بہت سی مصنوعات لے کر مدینہ طیبہ آئی اور انہوں نے مسلمانوں کو بتایا کہ قیصر روم نے اپنی بے پناہ فوج مسلمانوں سے جنگ کرنے کیلئے جمع کر لی ہے۔ اور ہرقل نے اپنی فوج کے سپاہیوں کو ایک سال کی پیشگی تنخواہ دے دی ہے۔ اور انہیں کثیر انعامات کا لالچ دے کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کیلئے تیار کر دیا ہے۔ اپنی فوج کے علاوہ وہ عربی قبائل جو عیسائی ہو چکے تھے لخم، عاملہ، جذام اور غسان قبائل کو اپنے ہمراہ لے لیا ہے اور ان کے کئی دستے بلقاء کے مقام تک پہنچ گئے ہیں۔(1)

رومی سلطنت کے فرمانروا، جزیرۂ عرب میں دین اسلام کے زیر اثر جو تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں، ان سے وہ اپنے آپ کو پوری طرح باخبر رکھتے تھے۔ ان کے جاسوس انہیں لحظہ لحظہ کی معلومات فراہم کیا کرتے تھے یہاں تک کہ جب سرور عالم ﷺ اپنے ایک جانباز کعب بن مالک پر اس لئے ناراض ہوئے کہ وہ بلاوجہ غزوۂ تبوک میں شامل نہیں تھے، اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے حضرت کعب کو بہکانے میں ذرا دیر نہیں کی، بلکہ انہیں خط لکھا اور اپنے مخصوص قاصد کے ہاتھ روانہ کیا جس میں تحریر تھا اَلْحِقْ بِنَا نُوَاسِكَ ہم سے آ ملو، ہم تمہاری دلجوئی کریں گے۔

مسجد ضرار

مسجد ضرار کا شاخسانہ بھی رومیوں کی سازش کا نتیجہ تھا، انہوں نے منافقین کی جماعت سے رابطہ قائم کر کے انہیں ایک مسجد تعمیر کرنے کی ترغیب دی تاکہ وہ سادہ لوح مسلمان جو نماز ادا کرنے کیلئے وہاں آئیں، وہ انہیں ورغلا کر مسلمانوں سے علیحدہ کر دیں۔ قیصر نے انہیں ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا تاکہ وہ مسجد کے نام پر مسلمانوں کے اتحاد میں نقب لگا سکیں اور ان کے شیرازہ کو بکھیرنے میں کامیابی حاصل کر سکیں۔ اس ساری سازش کا سرغنہ ابو عامر راہب تھا جو اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھتا اور جل کر کباب ہوتا رہتا۔ آخر کار ابو

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 626

عامر مدینہ کو چھوڑ کر قیصر روم کے پاس چلا گیا اور اس سے اسلام کو مٹانے کیلئے مدد کا طلبگار ہوا۔ قیصر روم نے اس کے ساتھ پختہ وعدہ کیا کہ وہ اسلام کے خلاف اس کی ہر ممکن امداد کرے گا۔ اس نے ابو عامر کو اپنے پاس بڑی عزت و احترام سے ٹھہرا لیا۔ ابو عامر راہب نے قیصر کی یقین دہانی کے بعد مدینہ میں اپنے منافق دوستوں کی طرف لکھا کہ وہ بہت جلد قیصر کا لشکر جرار لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوگا اور مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دے گا۔ اس نے انہیں ہدایت کی کہ وہ وہاں ایک دینی مرکز قائم کریں تاکہ وہاں عبادت کے بہانے جمع ہوا کریں۔ اس طرح انہیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صلاح مشورے کرنے کا سنہری موقع مل جائے گا۔ چنانچہ قیصر کے ایماء پر ابو عامر نے یثرب کے منافقوں کو ایک مسجد تعمیر کرنے پر آمادہ کر لیا۔

پس پردہ بڑی رازداری سے یہ منصوبے بن رہے تھے کہ اسی اثناء میں فروہ بن عمرو بن النافرہ کے قتل کے واقعہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

فروہ بن عمرو قبیلہ جذام کی ایک شاخ بنو نفاثہ کا امیر تھا۔ عہد نبوت میں قیصر نے اس کو اپنی قوم بنو نافرہ کا حاکم اعلیٰ مقرر کر دیا۔ اس کی قوم بنو نافرہ خلیج عقبہ اور ینبع شہر کے درمیانی علاقہ میں رہائش پذیر تھی۔ جب حجاز کے دو بڑے شہروں مکہ، مدینہ شرفہما اللہ تعالیٰ، پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا تو اس نے بارگاہ رسالت میں ایک عریضہ تحریر کیا اور اس میں اپنے مشرف باسلام ہونے کا اعلان کیا اور ایک سفید رنگ کا خچر بطور نذرانہ عقیدت ارسال کیا۔ قیصر کی حکومت کو علم ہو گیا کہ اس کے مقرر کردہ گورنر نے اسلام قبول کر لیا ہے تو اس نے ابو شمر غسانی کو حکم دیا کہ وہ جائے اور فروہ کو غداری اور خیانت کے ارتکاب کے جرم میں گرفتار کر لے۔ ہرقل نے بڑے جتن کئے کہ کسی طرح اس کو اسلام سے برگشتہ کر کے پھر عیسائی بنا دے لیکن قیصر کی ان مساعی کے باوجود اس کے پائے ثبات میں ذرا لغزش نہ آئی اور وہ اسلام سے برگشتہ ہونے پر آمادہ نہ ہوا۔ چنانچہ قیصر کے حکم سے پہلے فروہ کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔ پھر اسے سولی پر لٹکا دیا گیا۔(1)

فروہ کی شہادت کا حادثہ کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ اس حادثہ فاجعہ نے مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ایک مرد مومن کو قیصر نے اس لئے قتل کروا دیا کہ اس بندہ خدا نے فرمانروائے

1۔ شوقی ابو خلیل، "تبوک الغزوہ العسرئ" دمشق، دار الفکر، ب ت، صفحہ 13-18

روم کے اس حکم کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا کہ وہ اپنے دل پسند دین کو چھوڑ کر پھر عیسائیت کو اختیار کر لے۔ عدل و مساوات کا علمبردار نبی اس استبداد کو کیونکر نظر انداز کر سکتا تھا۔(1)

انہیں حالات میں شام سے تجار کا ایک قافلہ آیا جو میدہ، سفید آٹا، مصالحہ جات اور تیل وغیرہ سامان تجارت لے کر مدینہ طیبہ آیا۔ ان لوگوں نے اہل مدینہ کو بتایا کہ رومیوں نے دمشق میں بہت بڑا لشکر جمع کر رکھا ہے اور ہرقل کے حکم سے ہر سپاہی کو سال کی پیشگی تنخواہ ادا کر دی گئی ہے اور انہیں مزید انعامات و اکرامات سے نوازنے کے وعدے بھی کئے گئے ہیں۔ اس رومی لشکر کے ساتھ کئی عرب قبائل بھی شریک ہیں جنہوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی ہے لخم، جذام، غسان اور عاملہ -- عرب قبائل بھی اس رومی لشکر کے ساتھ مل گئے ہیں۔ اس لشکر نے حملہ کرنے کیلئے پیش قدمی شروع کر دی ہے۔ ان کے مقدمتہ الجیش کے دستے بلقاء تک پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے وہاں اپنے خیمے نصب کر دیئے ہیں۔ ہرقل بذات خود اس لشکر کے ساتھ نہیں آیا بلکہ وہ حمص چلا گیا ہے۔(2)

بعض مورخین کی رائے ہے کہ ان کی اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ رومی حکومت کے ایماء پر ان تاجروں نے محض افواہ پھیلانے کیلئے یہ باتیں کی تھیں تاکہ مسلمانوں میں خوف وہراس پیدا ہو جائے۔(3)

مسلمانوں کیلئے چارۂ کار

مسلمانوں کیلئے اب اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ یا تو وہ رومی عساکر کا انتظار کریں کہ وہ آگے بڑھتے چلے آئیں اور آخر کار ان کے مرکز مدینہ طیبہ پر یلغار کر کے مسلمانوں کو جنگ کی بھٹی کا ایندھن بنا کر انہیں خاکستر کر دیں۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ شمع اسلام کے پروانے، نبی مختار کے جانباز مجاہد آگے بڑھ کر دشمن کے سیل رواں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو جائیں اور اپنی قوت ایمان سے دشمن کے دانت کھٹے کر دیں اور انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیں۔

1۔ ایضاً

2۔ ایضاً و "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 122

3۔ ایضاً

رحمت عالم ﷺ نے ان دو طریقوں میں سے دوسرا طریقہ اختیار فرمایا۔ کیونکہ بزدلوں کی طرح بلوں میں گھس جانے سے دشمن کو میدان جنگ میں للکارنا ہی امت محمدیہ کے شایان شان تھا۔ ان کی غیرت ایمانی اور حمیت دینی کا یہی تقاضا تھا۔

جنگ کا اعلان عام

رسول مکرم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ وہ جنگوں کے بارے میں رازداری سے کام لیتے۔ اس مقام کا نام صراحۃً ذکر نہ کرتے بلکہ کنایۃً بتادیا جاتا کہ کدھر کا قصد ہے، لیکن غزوۂ تبوک کیلئے روانگی کے وقت صاف صاف اعلان فرمادیا کہ اس دفعہ لشکر اسلام کا ہدف تبوک ہے، جہاں اسلام کے مجاہد، رومیوں کے قشون قاہرہ سے نبرد آزما ہوں گے۔ اس کی کئی وجوہات تھیں:

1۔ مسافت بہت طویل تھی۔ 2۔ شدید گرمی کا موسم تھا۔ 3۔ جس دشمن سے نبرد آزما ہونے کا ارادہ تھا اس دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

اپنی منزل کا صراحۃً ذکر کرنے سے مدعا یہ تھا کہ کوئی مجاہد کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو۔ حقیقت حال سے انہیں پوری طرح آگاہ کر دیا گیا تاکہ وہ اس جنگ میں شرکت کرنے کیلئے اگر روانہ ہو رہے ہیں تو پوری طرح تیار ہو کر اپنے گھر سے قدم باہر رکھیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ جن ایام میں ایک عالمی طاقت سے جہاد کرنے کا اعلان فرمایا گیا وہ ایام لوگوں کیلئے بڑی عسرت اور تنگ دستی کے تھے۔ شدید گرمی کا موسم تھا، عرصہ دراز سے ملک میں بارش نہیں ہوئی تھی، قحط سالی کا عالم تھا اور یہ وہ دن تھے جبکہ میٹھے پھل کھانے، ٹھنڈا پانی پینے، درختوں کے گھنے سائے میں آرام کرنے کی خواہش ہر شخص کو تھی۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ سفر کی صعوبتوں اور موسم گرما کی تمازت سے اپنے آپ کو بچائے، ٹھنڈے سائے میں استراحت کرے، میٹھے اور تازہ پھلوں سے اپنے کام و دہن کی تواضع کرے۔

تاہم اللہ کے سچے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لشکر کے تمام مجاہدین کو جنگ کیلئے تیار ہو جانے کا حکم دیدیا اور انہیں صاف صاف بتا دیا کہ اس دفعہ حکومت روم سے ٹکر لینے کا ارادہ ہے۔

جہاد کے لئے انفاق کی دعوت وترغیب

مرشد کریم اور رحیم ﷺ نے اپنی امت کے اغنیاء اور اصحاب ثروت کو حکم دیا کہ وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کیلئے دل کھول کر مالی اعانت کریں تاکہ مجاہدین اسلام کے لئے

خورونوش اور سواریوں کا بندوبست کیا جاسکے، اور انہیں ترغیب دی کہ وہ اپنی آخرت کو سنوارنے کیلئے دل کھول کر راہ خدا میں اپنے سیم وزر کو بصد مسرت پیش کریں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں اپنے انعامات سے سرفراز فرمائے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بے مثل ایثار

حضرت رسالت مآب علیہ الصلوٰت والتحیات کے اس فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے سب سے پہلے جو صحابی اللہ کی راہ میں اپنی عمر بھر کا اندوختہ پیش کرنے کیلئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ آپ کے گھر میں جو سرمایہ تھا وہ سب ایک گٹھڑی میں باندھا۔ اس میں چار ہزار درہم کے علاوہ اور بھی چیزیں تھیں جو سب کا سب اپنے آقا محمد عربی ﷺ کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیا۔ نبی رحمت ﷺ نے جب اپنے یار کے اس ایثار کو دیکھا تو دریافت کیا هَلْ أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ شَيْئًا "کیا تم اپنے اہل و عیال کیلئے کوئی چیز چھوڑ آئے ہو؟" حضرت صدیق نے بصد ادب و نیاز عرض کی أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ "میں اپنے گھر میں ان کیلئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔" (1)

حضرت علامہ اقبال نے اس واقعہ کو بڑے ایمان افروز انداز میں بیان کیا ہے۔ اس عاشق رسول کے چند اشعار بھی سن لیجئے تاکہ آپ کو اس یار غار کے جذبہ ایثار کا جائزہ لینے میں آسانی ہو:

اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آگیا — جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفا سرشت — ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
بولے حضور چاہئے فکر عیال بھی — کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر — اے تیری ذات باعث تکوین روزگار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس — صدیق کیلئے ہے خدا کا رسول بس (2)

حضرت صدیق اکبر کے بعد حضرت فاروق اعظم حاضر خدمت ہوئے، رضی اللہ عنہما۔ آپ کے گھر میں جو دولت تھی اس کو دو برابر حصوں میں بانٹ دیا۔ ایک نصف اٹھا کر اپنے

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 628

2۔ علامہ محمد اقبال، "بانگ درا"، کلیات اقبال (اردو) لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، 1979ء، طبع 4، صفحہ 224-225، "صدیق"

آقا کی خدمت میں لے آئے۔ رحمت مجسم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا هَلْ أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ شَيْئًا؟ "اے عمر! کیا تم اپنے اہل وعیال کیلئے کچھ چھوڑ آئے ہو؟" آپ نے عرض کی، یارسول اللہ! نصف مال حضور کی خدمت میں لایا ہوں اور نصف مال اہل وعیال کیلئے گھر رکھ آیا ہوں۔ اس روز حضرت عمر کو معلوم ہو گیا کہ وہ حضرت ابو بکر سے کسی میدان میں سبقت نہیں لے جاسکتے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ایثار

آپ نے دو سو اوقیہ چاندی حضور کی خدمت میں پیش کر دی اور بقیہ سارا مال نصف نصف بانٹ دیا اور ایک نصف جہاد کے اخراجات پورا کرنے کیلئے حاضر کر دیا۔ نبی رحمت ﷺ نے ان کی اس انداز ایثار کو اپنی دعاؤں سے نوازا اور بارگاہ الٰہی میں ان کیلئے یوں دعا کی:

بَارَكَ اللهُ لَكَ فِي مَا أَنْفَقْتَ وَفِي مَا أَبْقَيْتَ

"اے عبدالرحمٰن! اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے اس مال میں بھی جو تو نے خرچ کیا اور اس میں بھی جو تو نے باقی رکھا۔"

حضور کی اس دعا کے باعث اللہ تعالیٰ نے آپ کے مال میں اتنی برکت دی جس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ صرف اندازہ لگانے کیلئے آپ ملاحظہ فرمائیں کہ آپ نے چار ہزار درہم ایک مرتبہ خرچ کئے۔ پھر ایک موقع پر چالیس ہزار دینار خرچ کئے۔ پھر ایک موقع پر پانچ صد گھوڑے راہ خدا میں پیش کئے۔ پھر ایک موقع پر پانچ سو اونٹ اللہ کی راہ میں دیئے۔ آپ نے سنہ ۴۱ ہجری میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر پچھتر سال تھی۔ آپ نے وصیت کی تھی کہ ان کے مال سے پچاس ہزار دینار اللہ کی راہ میں خرچ کئے جائیں اور ہر بدری کو جو اس وقت زندہ تھا چار سو دینار دینے کی وصیت کی۔ زندہ بدریوں کی تعداد اس وقت ایک سو تھی۔ ایک ہزار گھوڑے مجاہدین کو مہیا کرنے کی وصیت کی۔ ان وصیتوں کو ادا کرنے کے بعد اتنا سونا ورثہ میں چھوڑا کہ کلہاڑوں سے کاٹا گیا۔ آپ نے چار بیوائیں چھوڑیں۔ آپ کی ایک بیوی نے میراث میں سے اپنے حصے کے بدلے میں اسی ہزار دینار وصول کئے۔" (1)

1۔ عزالدین ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالکریم، ابن الاثیر (م 630ھ)، "اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ"، تہران، کتاب فروشی اسلامیہ، ب ت، جلد 2، صفحہ 485

حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کا انفاق

آپ نے کھجوروں کے ستر وسق پیش کیے وسق، اس وزن کو کہتے ہیں جو ایک اونٹ پر لادا جاتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فیاضانہ انفاق

آپ نے لشکر اسلام کے تیسرے حصہ یعنی دس ہزار مجاہدین کیلئے سواری کے جانور، اسلحہ، زرہیں اور دیگر ضروریات جہاد مہیا کیں۔ کلمہ حق کو بلند کرنے کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جس فیاضی سے اپنی دولت خرچ کی، اس کی نظیر نہیں ملتی۔ حضرت امام احمد بن حنبل اور امام بیہقی، حضرت حذیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ان کی آستین میں دس ہزار دینار تھے وہ آپ نے فخر دو عالم ﷺ کی جھولی میں پلٹ دیئے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حضور ان دیناروں کو الٹ پلٹ رہے تھے اور ساتھ ہی دعا فرما رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ ارْضَ عَنْ عُثْمَانَ فَاِنِّیْ عَنْهُ رَاضٍ

"اے اللہ عثمان سے راضی ہو جا، میں اس سے راضی ہوں۔ پھر انہیں دعا دی۔"

غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا عُثْمَانُ مَا اَسْرَرْتَ وَمَا اَعْلَنْتَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا يُبَالِىْ مَا عَمِلَ بَعْدَهَا۔

"اے عثمان! اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے اس دولت پر جو تم نے مخفی رکھی اور جس کا تو نے اعلان کیا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے، عثمان کو کوئی پروا نہیں کہ آج کے بعد وہ کوئی عمل کرے۔"

دوسرے مسلمان بھی اپنے قبیلہ کے نادار مجاہدوں کے لئے سواری کا انتظام بھی کرتے اور اسلحہ بھی مہیا کرتے۔ خواتین بھی اپنے مومن بھائیوں سے پیچھے نہ رہیں۔ ہر قسم کے زیور، سونے کے کڑے، گلوبند، پازیب، گوشوارے اور انگشتریاں۔۔ جو کچھ زیور کسی نے پہن رکھا تھا، اس نے اتار کر مجاہدین کی خدمت کیلئے بارگاہ نبوت میں پیش کر دیا۔

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 123 و احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 342-343، "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 629

حضرت ابو عقیل انصاری رضی اللہ عنہ کا فقر وایثار

ان اکابر صحابہ میں جنہوں نے اپنی دولت کے ڈھیر حضور کے قدموں میں لگا دیئے، ان کے علاوہ فقراء صحابہ کا ایثار بھی بڑا ایمان افروز تھا۔ حضرت ابو عقیل انصاری نے جب اپنے آقا کو اللہ کے راستہ میں اپنا مال قربان کرنے کی تلقین کرتے ہوئے سنا تو انہوں نے اپنے گھر پر نظر ڈالی تو گھر میں کوئی چیز نہ تھی جو وہ پیش کر سکتے۔ وہ ایک یہودی کے پاس گئے اور اس کے ساتھ یہ طے کیا کہ وہ کنوئیں سے ڈول نکال نکال کر اس کے باغ کو سیراب کریں گے۔ اور وہ اسے دو صاع کھجور دے گا۔ ساری رات آپ ڈول نکالتے رہے، صبح کے وقت تک انہوں نے سارے باغ کو سیراب کر دیا۔ اس یہودی نے آپ کو دو صاع کھجور دی۔ آپ ایک صاع کھجوریں اپنے اہل وعیال کیلئے گھر چھوڑ آئے اور ایک صاع اپنے آقا کی خدمت میں نذر کر دیا۔ اس کریم آقا نے اس کی دل شکنی نہیں کی کہ ایک صاع کھجور لے کر آئے ہو، اس سے کتنے لشکر کی ضرورت پوری ہو گی بلکہ اس کی دلجوئی اور عزت افزائی کرتے ہوئے ایک صحابی کو حکم دیا کہ یہ کھجور جو ابو عقیل لے کر آیا ہے، اٹھا لو اور جتنے ڈھیر سامان خور ونوش کے جمع ہو چکے ہیں دو دو کھجوریں ہر ایک ڈھیر پر رکھتے جاؤ۔ اس شخص کے خلوص کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کے صدقات کو بھی قبول فرمائے گا۔(1)

مخلص اہل ایمان نے جب اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس جہاد میں شمولیت کی دعوت سنی تو وہ بصد مسرت وخلوص بڑے جوش وخروش سے مجاہدین کے اس لشکر میں شریک ہو گئے اور اپنی حیثیت سے بھی بڑھ کر مالی ایثار کا مظاہرہ کیا لیکن یہاں بعض ایسے لوگ بھی تھے جو جاں نثاروں کے اس لشکر میں شریک نہیں ہوئے۔ یہ سب ایک قماش کے لوگ نہ تھے۔ بعض ان میں سے وہ تھے جنہوں نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا لیکن ان کے دلوں میں نفاق کا روگ تھا۔ یہ لوگ خود بھی اس لشکر میں شریک نہ ہوئے اور دوسرے لوگوں کو بھی جہاد میں شرکت کرنے سے روکا کرتے۔ وہ مسلمان کو بھی کہتے لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ کہ سخت گرمی سے لو چل رہی ہے، سورج آگ برسا رہا ہے، اتنی شدید گرمی میں مت نکلو، آرام سے گھروں میں بیٹھے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے یہ

1۔ "رحمت للعالمین"، جلد 1۔ صفحہ 136

آیت نازل فرمائی:

قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ (1)

"اے میرے حبیب! ان نادانوں کو بتاؤ کہ آتش جہنم اس گرمی سے بہت زیادہ گرم ہے۔ کاش یہ لوگ حقیقت کو سمجھ سکیں۔"

لشکر اسلام کی روانگی

جب لشکر اسلام کی روانگی کا وقت قریب آیا، وہ صحابہ جن کے پاس سواری کیلئے جانور نہ تھے، وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ انہیں سواری کیلئے جانور مرحمت فرمائے جائیں تاکہ جہاد میں شرکت کی سعادت حاصل کریں۔ یہ سب لوگ سچے مسلمان تھے لیکن مفلس و نادار تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس سواری کے جانور نہیں ہیں جن پر میں تمہیں سوار کروں۔ اس جواب سے انہیں بڑا دکھ ہوا۔ اور جب وہ حضور کی مجلس سے باہر نکلے تو ان کی آنکھیں اشکبار تھیں وہ رو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت کی یوں تصویر کشی کی ہے:

تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ۔ (2)

"وہ واپس ہوئے اس حال میں کہ شدید غم واندوہ کے باعث ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے اور وہ اس بات پر از حد رنجیدہ تھے کہ راہ حق میں خرچ کرنے کیلئے ان کے پاس کوئی چیز نہیں۔"

یامین بن عمیر النضری کی ملاقات ابو یعلی عبدالرحمٰن بن کعب اور عبداللہ بن مغفل سے اس حالت میں ہوئی کہ وہ زار و قطار رو رہے تھے۔ اس نے ان دونوں سے رونے کی وجہ پوچھی انہوں نے بتایا کہ ہم رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ درخواست لے کر حاضر ہوئے تھے کہ ہمیں سواری کے لئے اونٹ مہیا کئے جائیں تاکہ وہ اس جہاد میں شرکت کی سعادت حاصل کر سکیں، لیکن حضور پر نور کے پاس اس وقت سواری کے جانور نہ تھے، اس

1۔ سورۃ التوبہ: 81

2۔ ایضاً: 92

لئے ہم واپس جارہے ہیں اور اس محرومی پر اشک فشاں ہیں۔ یامین بن عمیر نے ان دونوں کو ایک اونٹ دیا اور زادراہ کے طور پر کھجوریں بھی دیں۔ چنانچہ وہ اس جہاد میں حضور کے ہمرکاب ہو کر شریک ہوئے۔ جو لوگ سواری نہ ملنے کی وجہ سے رونے لگ گئے تھے، ان کی تعداد سات ہے اور ان کے اسماء مبارکہ درج ذیل ہیں:

(1) سالم بن عمیر (2) علبہ بن زید (یہ قبیلہ بنی حارثہ سے تھے) (3) ابویعلی عبدالرحمٰن بن کعب (ان کا تعلق بنی نجار کے بنومازن قبیلہ سے تھا) (4) عمرو بن حمام بن الجموح (یہ بنو سلیم کے ایک فرد تھے۔) (5) عبداللہ بن مغفل المزنی (6) ہرمی بن عبداللہ۔ (ان کا تعلق بنی واقف سے تھا۔) (7) عرباض بن ساریہ فزاری۔ (1)

بعض اہل ایمان ایسے تھے جو واقعی معذور تھے۔ ان کو اتنا ہی اجر و ثواب ملے گا جو جہاد میں شرکت کرنے والے مجاہدین کو ملتا ہے کیونکہ وہ عذر کی وجہ سے اس شرف سے محروم رہے، کسی نفاق یا ایمان کی کمزوری کی وجہ سے وہ غیر حاضر نہیں تھے۔

بعض ایسے صحابہ تھے جو شرکت سے محروم رہے لیکن اس غیر حاضری کا ان کے پاس کوئی عذر نہ تھا۔ بلکہ محض غفلت اور سستی کے باعث وہ اس لشکر میں شریک نہ ہو سکے۔ یہ تین حضرات تھے -- کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع۔

منافقین

مدینہ طیبہ میں ایک گروہ ایسے اعداء اسلام کا تھا جو بظاہر تو نماز بھی ادا کرتے، اپنے آپ کو اسلام کا شیدائی بھی کہلاتے لیکن اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں ان کے دل حسد و عناد سے لبریز تھے۔ ان کا سرغنہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا۔ روز اول سے ہی ان کا مشغلہ ریشہ دوانیاں کر کے مسلمانوں کے شیرازہ کو بکھیرنا تھا۔ قرآنی احکام پر وہ طرح طرح کی حجت بازیاں کیا کرتے۔ صحابہ کرام پر زبان طعن دراز کرتے۔ اس نازک موقع پر بھی ان کے وہی اطوار رہے۔ جب غریب مسلمان خدمت دین کیلئے مقدور بھر مالی اعانت پیش کرتے تو کہتے کہ یہ صاحب جو پانچ دس درہم لے آئے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ان کی کیا ضرورت۔ حضرت ابوعقیل انصاری نے رات بھر کنوئیں سے ڈول نکال نکال کر ایک یہودی کے باغ

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 124

کو سیراب کیا تو اس یہودی نے انہیں دو صاع کھجوریں دیں۔ آپ نے ایک صاع اپنے اہل خانہ کو دیا اور دوسرا صاع بارگاہ نبوت میں مجاہدین کی اعانت کیلئے پیش کیا تو یہ منافق کہنے لگے اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنْ تَمْرِ ھٰذَا اس شخص نے جو کھجوریں دی ہیں اللہ تعالیٰ کو ان کی ضرورت نہیں" اور جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنا نصف مال پیش کیا تو بکنے لگے کہ یہ سب نام و نمود کیلئے دیا جا رہا ہے، ان میں اخلاص نام کی کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا راز فاش کرتے ہوئے یہ آیت نازل کی:

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (1)

"جو لوگ ریاکاری کا الزام لگاتے ہیں خوشی خوشی خیرات کرنے والوں پر، مومنوں سے اور جو نادار نہیں پاتے بجز اپنی محنت و مشقت کی مزدوری کے تو یہ ان کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سزا دے گا انہیں اس مذاق کی اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

لشکر اسلام کی مدینہ طیبہ سے روانگی

نبی رحمت ﷺ نے مدینہ طیبہ سے روانگی کے وقت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا کیونکہ سفر بہت طویل تھا اور تبوک کا مقام مدینہ طیبہ سے بہت دور تھا۔ اس لئے امہات المومنین اور اہل بیت کرام کی مومنات طاہرات کی حفاظت کیلئے خصوصی انتظام فرمائے۔ کیونکہ مدینہ طیبہ میں منافقین کی کافی تعداد تھی، وہ کسی وقت بھی فتنہ برپا کر کے اہل بیت کرام اور ازواج مطہرات کیلئے پریشانی کا باعث بن سکتے تھے۔ اس لئے اس اہم کام کیلئے سیدنا علی مرتضیٰ کو ان کی حفاظت کیلئے مقرر فرمایا تاکہ کوئی بداندیش شیر خدا کی موجودگی میں کسی قسم کی شرارت کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اس انتظام کے بعد نبی کریم ﷺ تشریف لے گئے۔ منافقین نے اودھم مچا دیا اور سیدنا شیر خدا کے بارے میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔ کوئی منافق کہتا کہ علی لشکر اسلام کیلئے ایک بوجھ تھے اس لئے حضور

1۔ سورۃ التوبہ: 79

انہیں ساتھ نہیں لے گئے۔ کوئی کہتا ڈرپوک تھے اس لئے پیچھے چھوڑا۔ سیدنا علی ایسا بہادر اور شیر دل سپاہی اپنے بارے میں اس قسم کی باتیں کیونکر برداشت کر سکتا تھا۔ آپ نے اپنے جسم پر ہتھیار سجائے اور جرف کے مقام پر حضور کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوگئے اور عرض کی یارسول اللہ! میرے بارے میں یہود ہر قسم کی ہرزہ سرائیاں کر رہے ہیں، از راہ کرم مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں حضور کے ساتھ میدان جہاد میں جاکر اپنی جانبازی کے جوہر دکھاؤں۔ سرور عالم ﷺ نے فرمایا منافق جھوٹ بکتے ہیں۔ میں نے تمہیں اس لئے وہاں چھوڑا کہ آپ خاندان نبوت کی حفاظت کریں اور جو ضعیف و کمزور مسلمان پیچھے رہ گئے ہیں، ان کی خبر گیری کریں۔

أَفَلَا تَرْضٰى يَا عَلِيُّ اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ۔

"اے علی! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لئے اس طرح ہو جاؤ جس طرح ہارون موسیٰ علیہ السلام کیلئے تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔"

یہ ارشاد گرامی سننے کے بعد آپ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے گئے۔

جنگ میں شرکت سے معذرت کرنے والے

بہت سے اعرابی آئے اور عرض کرنے لگے کہ وہ جنگ میں شرکت کرنے سے معذور ہیں اس لئے ان کو جنگ میں شرکت کرنے پر مجبور نہ کیا جائے بلکہ معذرت قبول کرلی جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی اس درخواست کو مسترد کر دیا اور جو عذر انہوں نے پیش کئے انہیں قبول نہیں کیا بلکہ ایسے لوگوں کے بارے میں مندرجہ ذیل آیات نازل فرمائیں:

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ۔ (1)

1۔ سورہ التوبہ: 44-45

"نہ اجازت مانگیں گے آپ سے جو ایمان لائے ہیں اللہ پر اور روز قیامت پر کہ نہ جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے پرہیزگاروں کو۔ صرف وہی اجازت مانگتے ہیں آپ سے جو نہیں ایمان رکھتے اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر اور شک میں مبتلا ہیں ان کے دل تو وہ شک میں ڈانواں ڈول ہیں۔"

دانستہ پیچھے رہ جانے والے

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب کوچ کا حکم دیا تو چند لوگ جو پکے اور سچے مسلمان تھے وہ بھی اس لشکر میں شرکت نہ کر سکے۔ حالانکہ ان کے پاس کوئی عذر نہ تھا۔ ان کے اسماء یہ ہیں:

(1) کعب بن مالک، جو قبیلہ بنی سلمہ کے ایک فرد تھے (2) ہلال بن امیہ، بنو واقف کے ایک فرد تھے (3) مرارہ بن ربیع، خاندان عمرو بن عوف سے (4) ابو خثیمہ۔ ان حضرات کے مسلمان ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں تھا لیکن یہ سعادت ان کے نصیب میں نہ تھی۔ ان کے حالات ابھی آپ مطالعہ کریں گے۔

امام الانبیاء ﷺ نے ماہ رجب سنہ 9 ہجری میں مدینہ طیبہ سے تبوک کیلئے کوچ فرمایا۔ تیس ہزار مجاہد حضور کے ہمرکاب تھے۔ اس لشکر میں مدینہ طیبہ کے انصار و مہاجرین کے علاوہ دیگر قبائل کو بھی شامل ہونے کی دعوت دی گئی تھی اور مکہ میں جو لوگ مشرف باسلام ہو چکے تھے انہیں بھی کہا گیا کہ وہ مجاہدین کے ساتھ شامل ہو کر اس سعادت جہاد سے بہرہ ور ہوں۔ مجاہدین کی سواری کیلئے اونٹوں کے علاوہ دس ہزار گھوڑے تھے۔ ہر تین آدمیوں کیلئے ایک سواری کا جانور مرحمت فرمایا گیا۔ یہ تینوں باری باری اس پر سوار ہوتے تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے لشکر کا سب سے بڑا پرچم حضرت صدیق اکبر کو مرحمت فرمایا اور بڑا جھنڈا حضرت زبیر بن عوام کو عطا کیا۔ قبیلہ اوس کا علمبردار حضرت اسید بن حضیر اور قبیلہ خزرج کا علمبردار حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہما کو مقرر فرمایا۔ انصار کے ہر خاندان اور عرب کے ہر قبیلہ کو ان کی حیثیت کے مطابق علم یا پرچم عطا فرمایا۔ یہ حضرات جن کو لشکر اسلام کا علمبردار بننے کا اعزاز حاصل ہوا، ان کا ماضی بڑا شاندار تھا۔ اشاعت اسلام کے سلسلہ میں

ان کی خدمات قابل صد تحسین تھیں۔ ان انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد نبی کریم مع اپنے مجاہدین کے روانہ ہوئے اور مدینہ طیبہ کے باہر ثنیۃ الوداع کے مقام پر سارے لشکر کو اکٹھا ہونے کا حکم دیا۔ مدینہ طیبہ سے روانگی کے وقت عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین اپنے حواریوں سمیت لشکر اسلام کے ہمراہ روانہ ہوا لیکن جب حضور اکرم نے ثنیۃ الوداع کے مقام پر قیام فرمایا تو اس نے کوہ ذباب کے سامنے اپنا الگ ڈیرا جمایا۔ نبی کریم ﷺ تھوڑے توقف کے بعد جب اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے تو عبداللہ بن ابی اپنے دوستوں کے ساتھ چپکے سے کھسک گیا۔ ان کھسکنے والوں میں عبداللہ بن بنتل اور رفاعہ بن زید جماعت منافقین کے سرغنہ بھی تھے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَارِهُونَ (1)

"اے حبیب۔ وہ کوشاں رہے فتنہ انگیزی میں پہلے بھی۔ اور الٹ پلٹ کرتے تھے آپ کے لئے تجویزیں یہاں تک کہ آ گیا حق اور غالب ہوا اللہ کا حکم اور وہ ناخوش تھے۔"

ان پیچھے رہنے والوں میں چند مخلص مسلمان بھی تھے۔ ان میں ابوخیثمہ اور مالک بن قیس کا نام بہت معروف ہے۔

ابوخیثمہ کا جذبہ ایمان

ایک روز شدید گرمی تھی۔ ابوخیثمہ اپنے اہل خانہ کے پاس آئے اور دیکھا کہ ان کے باغ میں ان کی دونوں بیویاں اپنے اپنے چھپر میں تھیں۔ ہر ایک نے اپنے چھپر پر چھڑکاؤ کر کے اسے ٹھنڈا بنا لیا تھا اور ہر ایک نے اپنے چھپر میں ٹھنڈے پانی سے بھرے ہوئے گھڑے سجا رکھے تھے نیز بڑا لذیذ کھانا بھی انہوں نے تیار کر رکھا تھا۔ جب ابوخیثمہ اپنے باغ میں داخل ہوئے تو دونوں چھپروں کے دروازے تک آ کر رک گئے۔ اپنی بیویوں کو دیکھا، انہوں نے ان کے آرام و آسائش کیلئے جو اہتمام کر رکھے تھے اسے بھی ملاحظہ فرمایا تو عاشق صادق کی زبان سے نکلا:

1۔ سورہ التوبہ: 48

رَسُوْلُ اللّٰہِ فِی الضِّحِّ وَالرِّیْحِ وَاَبُوْخَیْثَمَۃَ فِیْ ظِلَالٍ بَارِدَۃٍ وَمَاءٍ بَارِدٍ وَطَعَامٍ مُھَیَّاٍ وَامْرَأَۃٍ حَسْنَاءَ فِیْ مَالِہٖ مُقِیْمٌ مَا ھٰذَا بِالنَّصَفِ"

"اللہ کا پیارا رسول تو دھوپ اور لو میں اور ابو خیثمہ ٹھنڈے سائے میں، جہاں ٹھنڈا پانی رکھا ہے لذیذ کھانا تیار ہے اور خوبرو بیوی موجود ہے۔ یہ تو انصاف کا تقاضا نہیں۔"

پھر اپنی بیویوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

میں تم میں سے کسی ایک کے چھپر میں قدم بھی نہیں رکھوں گا بلکہ اپنے ہادی و مرشد ﷺ کے ساتھ جاملوں گا۔ میرے لئے زاد راہ تیار کرو۔ چنانچہ ان نیک بخت بیویوں نے ان کیلئے فوراً زادِ راہ تیار کر دیا۔ پھر آپ کی اونٹنی آپ کے سامنے پیش کی گئی اور اس پر سوار ہو کر ابو خیثمہ حضور اکرم ﷺ کی جستجو میں نکلے۔ چنانچہ جس روز رسول اللہ ﷺ تبوک کے مقام پر پہنچے تو یہ بھی وہاں شرف باریابی سے مشرف ہوئے۔ ان کے علاوہ عمیر بن وہب الجمحی بھی پیچھے رہ گئے تھے، وہ بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے گھر سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں ان کی ملاقات ابو خیثمہ سے ہو گئی۔ دونوں ایک ساتھ جب تبوک کے قریب پہنچے تو ابو خیثمہ نے عمیر بن وہب کو کہا کہ مجھ سے ایک بڑا گناہ سرزد ہوا ہے، اگر تم مجھ سے کچھ پیچھے رہ جاؤ تو میں بارگاہ رسالت میں تم سے پہلے حاضر ہو جاؤں۔ لوگوں نے جب ایک سوار کو اپنی طرف آتے دیکھا تو عرض کی یارسول اللہ! کوئی شتر سوار ہماری طرف آ رہا ہے حضور نے فرمایا کُنْ اَبَا خَیْثَمَۃَ "خدا کرے یہ ابو خیثمہ ہو۔" (1)

کچھ دیر بعد صحابہ نے عرض کی، بخدا! یہ سوار ابو خیثمہ ہی ہے۔ وہاں پہنچ کر ابو خیثمہ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کے بعد سلام عرض کیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ابو خیثمہ کو فرمایا۔ اَوْلٰی لَكَ یَا اَبَا خَیْثَمَۃَ ثُمَّ اَخْبَرَہٗ خَبَرَہٗ "اے ابو خیثمہ! تمہیں مبارک ہو۔ پھر نبی کریم ﷺ نے ابو خیثمہ پر جو بیتی تھی اس سے اسے آگاہ کیا۔" حضور نے اس کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ (2)

1۔ "الاکتفاء"، جلد 2، صفحہ 379

2۔ ایضاً، صفحہ 380

بلاد ثمود

اس سفر میں لشکر اسلام کا گزر حجر نامی گاؤں سے ہوا۔ یہ گاؤں وادی القریٰ میں ہے اور اسی وادی میں قوم ثمود کے مکانات ہیں۔ حضور ﷺ وہاں اترے اور لوگوں نے اپنے مشکیزوں اور برتنوں میں وہاں کے کنوؤں کا پانی بھر لیا اور جب لشکر اسلام روانہ ہوا تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس پانی سے تم نے پینا نہیں، نہ نماز کیلئے وضو کرنا ہے اور اس پانی سے جو آٹا گوندھا ہے وہ اونٹوں کو کھلا دو اور اپنی روٹی اس سے نہ پکاؤ۔ رات کے وقت اگر کسی شخص کو اپنے خیمہ سے باہر نکلنے کی ضرورت محسوس ہو تو اکیلا مت نکلے بلکہ اپنے کسی ساتھی کو ہمراہ لے جائے۔ لوگوں نے ارشاد رسالت مآب کی تعمیل کی لیکن بنو ساعدہ کے دو آدمی خیموں سے تنہا تنہا نکلے اور کسی دوسرے ساتھی کو اپنے ہمراہ نہ لے گئے۔ ایک شخص قضائے حاجت کیلئے اور دوسرا اپنے اونٹ کی تلاش کیلئے نکلا۔ پہلا شخص جب باہر نکلا تو کسی نے اس کا گلا دبا دیا اور جو اونٹ کی تلاش میں نکلا تھا، اسے تیز آندھی اڑا کر لے گئی اور بنی طے قبیلہ کے دو پہاڑوں کے درمیان پھینک دیا۔ بارگاہ رسالت میں اس کے بارے میں عرض کی گئی۔ حضور نے فرمایا، کیا میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا کہ اکیلے باہر نہ نکلنا؟ حضور نے اس شخص کیلئے دعا فرمائی جس کو کسی نے گلے سے دبوچ کر حواس باختہ کر دیا تھا، وہ صحت یاب ہو گیا۔ اور جس کو تیز ہوا نے اڑا کر بنی طے کے کوہستان میں جا پھینکا تھا جب وہاں کے لوگ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو اس شخص کو ہمراہ لیتے آئے۔

علامہ ابن ہشام لکھتے ہیں۔۔ حضور اکرم جب حجر کے پاس سے گزرے تو اپنے رخ انور پر کپڑا ڈال لیا اور اپنے اونٹ کو ایڑی لگائی تا کہ وہ جلدی جلدی یہاں سے گزر جائے۔ نیز فرمایا کہ ظالموں کے گھروں میں مت داخل ہو مگر یہ کہ تم اللہ سے ڈر کر رو رہے ہو۔۔ کہ مبادا تم پر عذاب الٰہی نازل ہو جائے۔

وہاں سے اپنی منزل کی طرف کوچ کیا۔ اثنائے سفر ایک ایسے چشمہ کے پاس سے گزر ہوا جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔ حضور نے اپنے امتیوں کو فرمایا معجزات کا مطالبہ نہ کیا کرو، تمہیں علم ہے کہ حضرت صالح کی قوم نے معجزہ کا مطالبہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پتھر کی چٹان سے ایک اونٹنی ظاہر کی لیکن ان کی قوم اس کی

قدرومنزلت کو نہ پہچان سکی اور نہ اس کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں انہوں نے کوئی توجہ کی۔ آخرکار انہوں نے تنگ آکر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اس کو ہلاک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس گستاخی کے بدلے میں ان پر ایک تند آندھی کی شکل میں ایسا عذاب بھیجا کہ جس نے ان کا نام ونشان تک مٹا کر رکھ دیا۔

بارش کا نزول

آپ پڑھ آئے ہیں کہ جب غزوۂ تبوک کیلئے مجاہدین اسلام روانہ ہوئے تو شدید گرمی کا موسم تھا۔ اور ایک طویل و عریض صحرا سامنے تھا، جس کو عبور کرنا تھا۔ وہاں پانی کا ایک قطرہ بھی دستیاب نہ تھا۔ پیاس کی شدت کے باعث مسلمانوں کی حالت بڑی نازک تھی۔ اپنی جان کو بچانے کیلئے وہ اپنے اونٹوں کو، جس کی سواری ان کے لئے اشد ضروری تھی، ذبح کرنے پر مجبور ہوئے۔ ان کے معدوں اور آنتوں سے چند گھونٹ پانی مل جاتا تو اس سے وہ اپنے ہونٹوں اور حلق کو تر کر کے وقت گزارتے۔ جب پانی کی نایابی اور پیاس کی شدت کے باعث مجاہدین کی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی تو حضرت صدیق نے عرض کی، یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کی دعاؤں کو ہمیشہ شرف قبول ارزانی فرمایا کرتا ہے۔ اگر حضور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں بارش کیلئے دست سوال دراز کریں تو اللہ تعالیٰ حضور کو مایوس نہیں کرے گا۔ حضور نے فرمایا، اے ابوبکر! کیا یہ بات تجھے پسند ہے کہ بارش کیلئے دعا کروں؟ آپ نے عرض کی بیشک۔ حضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے۔ وہ اٹھے ہوئے ہاتھ ابھی واپس نہیں آئے تھے کہ کالے بادل سارے آسمان پر چھا گئے اور تھوڑی دیر کے بعد موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ مسلمانوں نے اپنے برتن اور اپنے مشکیزے بھر لئے۔ خوب سیر ہو کر خود بھی پیا اور اپنے مویشیوں کو بھی پانی پلایا۔ صحابہ کہتے ہیں، جب ہم اپنی چھاؤنی سے باہر پہنچے تو وہاں زمین خشک تھی جہاں پانی ایک قطرہ بھی نہ ٹپکا تھا، بارش صرف اس علاقہ تک محدود رہی جہاں مجاہدین اسلام نے خیمے نصب کئے ہوئے تھے۔(1)

صحابہ کرام کے ہمراہ چند منافق بھی تھے۔ مسلمانوں نے انہیں کہا کہ دیکھی تم نے ہمارے نبی کی شان! ہاتھ اٹھنے کی دیر تھی کہ ہر طرف گھنگھور گھٹائیں امڈ کر آگئیں اور اتنی

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 645

بارش برسی کہ ہر طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ صحابہ کا مقصد تو یہ تھا کہ وہ شخص جس کے دل میں نفاق کا روگ ہے وہ بارگاہ الٰہی میں حضور ﷺ کی شان و عظمت کا جائزہ لے، نفاق سے توبہ کرے اور صدق دل سے ایمان لے آئے لیکن جن کے دلوں پر مہر لگی ہوتی ہے، انہیں ان باتوں سے ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ ایک منافق نے کہا، فلاں ستارہ آسمان پر طلوع ہوا ہے اس کی وجہ سے بارش برسی ہے۔ دوسرے نے کہا، آپ کی دعا کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ عام قسم کا بادل ہے جو یہاں سے گزرا اور چند بوندیں ٹپکا دیں۔(1)

سچ ہے اللہ تعالیٰ جب تک خود ہدایت کا دروازہ نہ کھولے اس وقت تک کوئی روشنی شاہراہ حیات کو منور نہیں کر سکتی۔

ناقہ کی گمشدگی

لشکر مجاہدین اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ ایک جگہ رات بسر کی تو سرکار دو عالم ﷺ کی ناقہ قصواء گم ہو گئی۔ صحابہ کرام اس کو تلاش کرنے کیلئے بڑی دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔ حضرت عمارہ بن حزم بارگاہ رسالت میں حاضر تھے لیکن ان کی اپنی فرودگاہ میں ایک اور شخص بھی ٹھہرا ہوا تھا جس کا نام زید بن لصیت تھا، جو منافق تھا۔ اس کا تعلق یہودی قبیلہ بنو قینقاع سے تھا۔ اس نے حالات کی مجبوری کے پیش نظر اسلام قبول کر لیا لیکن اس کے دل میں نفاق کا مرض موجود تھا یہ ہر معاملہ میں منافقین کی پاسداری کیا کرتا تھا۔ زید کہنے لگا کہ دیکھو محمد ﷺ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نبی ہیں اور آسمان کی باتوں سے تمہیں آگاہ کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ رات سے اونٹنی گم ہے۔ ان کے ساتھی تلاش کرتے کرتے تھک کر چور ہو گئے ہیں اور ابھی تک انہیں خبر تک نہیں ہوئی کہ اونٹنی کہاں ہے؟ ادھر زید یہ بات کر رہا تھا اور ادھر محبوب رب العالمین ارشاد فرما رہے تھے جسے عمارہ بھی سن رہے تھے کہ ایک منافق نے میرے بارے میں ایسی ایسی بات کی ہے کہ دعویٰ تو ان کا یہ ہے کہ وہ نبی ہیں اور آسمان کی باتوں سے تمہیں آگاہ کرتے ہیں لیکن حالت یہ ہے کہ انہیں اپنی اونٹنی کے بارے میں بھی علم نہیں کہ وہ کہاں ہے؟ پھر فرمایا، بخدا! میں صرف اس بات کو جانتا ہوں جو میرا رب مجھے سکھاتا ہے۔ میرے رب نے مجھے بتا دیا ہے کہ گمشدہ اونٹنی فلاں وادی کے

1۔ ایضاً

فلاں گوشہ میں ہے اور اس کی نکیل ایک درخت کے ساتھ الجھ گئی ہے۔ جاؤ تم اونٹنی پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ صحابہ کرام گئے اور اونٹنی کو لے آئے۔ حضرت عمارہ حضور سے اجازت لے کر اپنے خیمہ میں آئے اور کہنے لگے میں بہت حیران ہوں کہ اس بات سے جو اللہ کے رسول نے فرمائی ہے۔ حضور نے ابھی ابھی اس بات سے مجھے آگاہ کیا ہے کہ فلاں شخص نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں۔ عمارہ کا بھائی جو اپنے خیمہ میں تھا وہ جھٹ بولا کہ یہ بات تو زید نے کہی ہے۔ حضرت عمارہ کو جب زید کے خبث باطن پر آگاہی ہوئی تو انہوں نے زید کو گردن سے دبوچ لیا اور غصہ سے فرمایا:

اُخْرُجْ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ مِنْ رَحْلِي فَلَا تَصْحَبْنِي

"اے اللہ کے دشمن! میری قیام گاہ سے فوراً نکل جاؤ، میں تمہیں اپنے ساتھ رہنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو گئی کہ صرف منافق ہی اللہ کے رسول کے علم اور شان رفیع پر زبان طعن دراز کرتے ہیں، کوئی بندہ مومن اس قسم کی جسارت نہیں کر سکتا۔(1)

نماز صبح، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اقتداء میں

اس سفر میں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ مغیرہ بن شعبہ بسند صحیح روایت کرتے ہیں کہ جب ہم حجر اور تبوک کے درمیان سفر کر رہے تھے تو رحمت عالم ﷺ قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے۔ حضور کا یہ معمول تھا کہ جب قضائے حاجت کیلئے تشریف لے جاتے تو بہت دور نکل جاتے۔ میں بھی پانی کا لوٹا لے کر حضور کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اسی اثناء میں صبح کا اجالا پھیل گیا یہاں تک کہ صحابہ کرام کو یہ فکر دامن گیر ہو گیا کہ کہیں سورج نہ طلوع ہو جائے اور نماز نہ قضا ہو جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے حضرت عبدالرحمٰن کو آگے بڑھایا اور انہوں نے نماز پڑھانا شروع کی۔ میں پانی کا بھرا ہوا لوٹا لے کر حضور کے ہمراہ تھا۔ حضور نے اس روز رومی جبہ زیب تن فرمایا ہوا تھا۔ جب حضور استنجا سے فارغ ہوئے میں وضو کرانے لگا۔ حضور نے اپنا رخ انور دھویا پھر بازو دھونے کا ارادہ فرمایا لیکن اس جبہ کی آستین بڑی تنگ تھی، کوشش کے باوجود اوپر نہ چڑھ سکی۔ حضور نے اپنا بازو نیچے سے نکال لیا پھر اپنے

1۔ ایضاً، صفحہ 646-647

دونوں بازو دھوئے۔ پھر جوتے اتارنے کیلئے میں جھکا تو حضور نے فرمایا مغیرہ! انہیں رہنے دو۔ میں نے انہیں پاک کر کے خفین پہنی ہیں۔ چنانچہ حضور نے خفین پر مسح کیا۔ پھر ہم واپس آئے۔ حضرت عبدالرحمٰن ایک رکعت پڑھا چکے تھے۔ صحابہ کو جب حضور کی آمد کا احساس ہوا تو تسبیح کہی تا کہ حضرت عبدالرحمٰن کو حضور کی آمد کا پتا چل جائے۔ نمازیوں میں ہلچل پیدا ہو گئی۔ حضرت عبدالرحمٰن نے بھی پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے ایک رکعت حضرت عبدالرحمٰن کی اقتداء میں ادا فرمائی۔ جب انہوں نے سلام پھیرا تو حضور نے کھڑے ہو کر باقی ماندہ رکعت ادا کی۔ پھر مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا أَحْسَنْتُمْ "تم نے بہت اچھا کیا" کہ اپنی اپنی نماز مکمل کر لی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے بروقت نماز ادا کی۔ پھر فرمایا کہ کوئی نبی وفات نہیں پاتا جب تک اس کی امت کا ایک صالح مرد اس کی امامت نہ کرائے۔(1)

ایک عجیب فیصلہ

اثنائے سفر بارگاہ رسالت میں دو آدمی پیش کئے گئے۔ ایک تو حضرت یحیٰی بن امیہ کا ملازم تھا اور دوسرا لشکر اسلام کا ایک مجاہد۔ ان دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔ مجاہد نے اس اجیر کا ہاتھ اپنے دانتوں سے چبا ڈالا۔ اجیر کو درد ہوا تو اس نے ہاتھ کھینچا، جس سے مجاہد کے اگلے دو دانت اکھڑ کر ہاتھ کے ساتھ باہر آ گئے۔ اس سپاہی نے بارگاہ رسالت میں دعویٰ دائر کیا کہ اس شخص نے میرے دو اگلے دانت اکھیڑ دیئے ہیں، مجھے ان کا معاوضہ دلایا جائے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس کو جھڑکتے ہوئے فرمایا۔ کیا تیری مرضی یہ تھی کہ وہ اپنا ہاتھ تیرے منہ سے نہ کھینچتا اور تو اسے چباتا رہتا جس طرح نر اونٹ اپنے منہ میں آنے والے کسی ہاتھ کو چباتا ہے۔ چنانچہ حضور نے اس کو معاوضہ نہ دلوایا۔ (رواہ البخاری)

نبی کریم ﷺ استراحت فرما ہوئے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا

امام بیہقی عقبہ بن عامر سے روایت کرتے ہیں کہ میں غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھا۔ رات کو کافی دیر تک سفر جاری رہا۔ آخر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام استراحت فرما ہوئے اور آنکھ اس وقت کھلی جب سورج ایک نیزہ کے برابر بلند ہو چکا تھا۔

2۔ ایضاً، صفحہ 648

حضور نے حضرت بلال کو فرمایا، اے بلال! کیا میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ وقت فجر کا خیال رکھنا؟ عرض کی، یارسول اللہ! مجھے نیند نے بے بس کر دیا، میں سو گیا جس طرح حضور سو گئے۔ وہاں سے فوراً کوچ کا حکم ہوا۔ کچھ مسافت طے کرنے کے بعد حضور نے سب کو رکنے کا حکم دیا۔ پھر نماز فجر قضا پڑھی گئی۔ رات دن بڑی سرعت کے ساتھ یہ مسافت طے کی گئی۔ دوسرے روز حضور تبوک میں تشریف فرما ہوئے۔

نبی رحمت ﷺ کی تبوک تشریف آوری

حضرت حذیفہ، حضرت معاذ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ میں غزوۂ تبوک کے سفر میں سرکار دو عالم ﷺ کے ہمراہ تھا۔ ایک دن سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ کل تم تبوک کے چشمہ پر پہنچ جاؤ گے اور جو شخص وہاں پہلے پہنچ جائے وہ مجھ سے پہلے اس چشمہ کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے۔ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کو بتایا گیا کہ وہاں پانی کی شدید قلت ہے۔ حضور نے حکم دیدیا کہ سارے لشکر میں منادی کر دی جائے کہ مجھ سے پہلے کوئی شخص چشمے پر مت جائے۔ جب ہم تبوک کے مقام پر پہنچے تو دو آدمی ایسے تھے جو حکم عدولی کرتے ہوئے پہلے پہنچ گئے۔ چشمہ سے پانی بہت قلیل مقدار میں رس رہا تھا۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا کیا تم نے پانی کو ہاتھ لگایا ہے، انہوں نے کہا، جی ہاں۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو بہت جھڑکا۔ پھر اس چشمہ سے جو پانی رس رہا تھا، اس کو چلو بھر کر ایک مشک میں جمع کیا گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس سے اپنے چہرہ مبارک اور دونوں ہاتھ دھوئے اور کلی کی۔ پھر کلی کا پانی اس چشمہ میں ڈال دیا گیا۔ جس کے ڈالتے ہی اچانک ایک بڑا چشمہ جاری ہو گیا جس سے کثیر مقدار میں پانی نکلنے لگا۔ پانی اس جوش سے نکل رہا تھا گویا وہ زمین کو پھاڑ کر نکل رہا ہے۔

وہ چشمہ اب تک جاری ہے اور وہ فوارہ تبوک کے نام سے معروف ہے۔ لوگوں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے معاذ! اگر تیری زندگی لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ یہاں ہر طرف باغات ہی باغات ہوں گے۔

تبوک میں پہلی نماز

رحمت عالم ﷺ مع اپنے مجاہدین کے جب تبوک پہنچ گئے تو قبلہ کی سمت میں ایک پتھر رکھا اور تمام مجاہدین کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی۔ پھر نمازیوں کی طرف متوجہ ہو کر

فرمایا، اس سمت میں شام ہے اور اس سمت میں یمن۔ اہل اسلام نے اس جگہ ایک مسجد تعمیر کی جس جگہ نبی کریم ﷺ نے اپنی نورانی پیشانی سے اپنے رب قدوس کو سجدہ کیا۔

پھر حضور کریم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

خطبہ تبوک

فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ

سب سے زیادہ سچی بات، کتاب خدا قرآن کریم ہے۔

وَأَوْثَقُ الْعُرَى كَلِمَةُ التَّقْوٰى

اور سب سے مضبوط سہارا، تقویٰ کا کلمہ ہے۔

وَخَيْرُ الْمِلَلِ مِلَّةُ إِبْرٰهِيْمَ

سب سے بہتر ملت، ملت ابراہیمی ہے۔

وَخَيْرُ السُّنَنِ سُنَّةُ مُحَمَّدٍ

سب طریقوں سے بہترین طریقہ، خدا کے رسول حضرت محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔

وَأَشْرَفُ الْحَدِيثِ ذِكْرُ اللّٰهِ

تمام باتوں میں بہتر بات، اللہ کا ذکر ہے۔

وَأَحْسَنُ الْقَصَصِ هٰذَا الْقُرْاٰنُ

سب قصوں میں سے بہتر یہ قرآن ہے۔

وَخَيْرُ الْأُمُوْرِ عَوَازِمُهَا
وَشَرُّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا
وَأَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ الْأَنْبِيَاءِ

بہترین کام وہ ہیں جو انسان پوری تندہی سے اور عزم راسخ سے کرے اور بدترین کام وہ ہیں جو (دین خدا میں) از خود وضع کر لئے جائیں تمام راہوں میں سے سب سے عمدہ راہ پیغمبروں کی راہ ہے۔

وَأَشْرَفُ الْمَوْتِ قَتْلُ الشُّهَدَاءِ

سب سے بہتر موت، جام شہادت پینا ہے۔

وَأَعْمَى الْعَمٰى الضَّلَالَةُ بَعْدَ الْهُدٰى

سب سے برا نابیناپن، ہدایت کے بعد گمراہی ہے۔

وَخَيْرُ الْأَعْمَالِ مَا نَفَعَ

بہتر عمل وہ ہے جو نفع دے۔

وَخَيْرُ الْهُدٰى مَا اتُّبِعَ

اور بہتر ہدایت وہ ہے جس پر عمل کیا جائے۔

وَشَرُّ الْعَمٰى عَمَى الْقَلْبِ

بدترین اندھاپن، دل کا اندھاپن ہے۔

وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى

اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

وَمَا قَلَّ وَكَفٰی خَیْرٌ مِّمَّا کَثُرَ وَاَلْھٰی
جو چیز کم ہو مگر کافی ہو وہ اس سے بہتر ہے کہ جو ہو تو زیادہ مگر غافل کرنے والی ہو۔

وَشَرُّ الْمَعْذِرَةِ حِیْنَ یَحْضُرُ الْمَوْتُ
بدترین معذرت، موت کے وقت کی معذرت ہے۔

وَشَرُّ النَّدَامَةِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ
بدترین ندامت، قیامت کے دن ہو گی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ لَّا یَأْتِی الْجُمُعَةَ اِلَّا دُبُرًا وَمِنْھُمْ مَنْ لَّا یَذْکُرُ اللہَ اِلَّا ھَجْرًا۔
سنو! بعض ایسے لوگ ہیں جو بہت دیر کر کے جمعہ میں آتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو خدا کا ذکر لاتعلقی سے کرتے ہیں۔

وَمِنْ اَعْظَمِ الْخَطَایَا اللِّسَانُ الْکَاذِبُ
بڑے بڑے گناہوں میں سے ایک جھوٹی زبان ہے۔

وَخَیْرُ الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ
بہترین تونگری، دل کی تونگری ہے۔

وَخَیْرُ الزَّادِ التَّقْوٰی
اصلی کار آمد توشہ، تقویٰ ہے۔

وَرَاْسُ الْحِکْمَةِ مَخَافَةُ اللہِ
دانائیوں کا سرتاج، اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے۔

وَخَیْرُ مَا وَقَرَ فِی الْقُلُوْبِ الْیَقِیْنُ
دلوں کی سب سے پسندیدہ چیز یقین ہے۔

وَالْاِرْتِیَابُ مِنَ الْکُفْرِ
شک، کفر کا ایک جزو ہے۔

وَالنِّیَاحَةُ مِنْ عَمَلِ الْجَاھِلِیَّةِ
میت پر چیخنا چلانا جاہلیت کا عمل ہے۔

وَالْغُلُوْلُ مِنْ حَرِّ جَھَنَّمَ
خیانت دوزخ کی آگ ہے۔

وَالسُّکْرُ کَیٌّ مِّنَ النَّارِ
شراب کا پینا، دوزخ کی آگ سے داغے جانے کے مترادف ہے۔

وَالشِّعْرُ مِنْ اِبْلِیْسَ
(برے) شعر ابلیس کی طرف سے ہیں۔

وَالْخَمْرُ جِمَاعُ الْاِثْمِ
شراب تمام گناہوں کا منبع ہے۔

وَشَرُّ الْمَاْکَلِ مَالُ الْیَتِیْمِ
سب سے بری خوراک، یتیم کا مال ہے۔

وَالسَّعِیْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَیْرِہٖ وَالشَّقِیُّ مَنْ شُقِیَ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ
سعادت مند انسان وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے اور بدنصیب انسان وہ ہے جو ماں کے پیٹ میں ہی برا لکھ دیا گیا ہو۔

وَإِنَّمَا يَصِيرُ أَحَدُكُمْ إِلَىٰ مَوْضِعِ أَرْبَعَةِ أَذْرُعٍ	تم میں سے ہر ایک کو چار ہاتھ کے گڑھے میں جانا ہے۔
وَالْأَمْرُ إِلَى الْآخِرَةِ	اور معاملہ آخرت پر منحصر ہو گا۔
مَلَاكُ الْعَمَلِ خَوَاتِمُهُ	عمل کا مدار انجام کار پر ہو گا۔
وَشَرُّ الرُّؤْيَا رُؤْيَا الْكَذِبِ	سب سے برا خواب جھوٹا خواب ہے۔
وَكُلُّ مَا هُوَ آتٍ قَرِيبٌ	ہر آنے والی چیز قریب ہے۔
سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوقٌ	مومن کو گالی دینا فسق ہے۔
وَقِتَالُهُ كُفْرٌ۔	اور اس سے لڑنا کفر ہے۔
وَأَكْلُ لَحْمِهِ مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ	اس کا گوشت کھانا (اس کی غیبت کرنا) خدا کی نافرمانی ہے۔
وَحُرْمَةُ مَالِهِ كَحُرْمَةِ دَمِهِ	اس کے مال کی حرمت، اس کے خون کی حرمت کی طرح ہے۔
وَمَنْ يَتَأَلَّ عَلَى اللّٰهِ يُكَذِّبْهُ	جو اللہ کے مقابلہ میں قسم کھائے گا (اللہ) اس کو جھٹلا دے گا۔
وَمَنْ يَغْفِرْ يُغْفَرْ لَهُ	جو (دوسروں کی خطائیں) بخش دے گا، اسے بخش دیا جائے گا۔
وَمَنْ يَعْفُ يَعْفُ اللّٰهُ عَنْهُ	جو (دوسروں کو) معاف کر دے گا، اللہ اس کے گناہ معاف کر دے گا۔
وَمَنْ يَكْظِمِ الْغَيْظَ يَأْجُرْهُ اللّٰهُ	جو غصہ پی جائے گا، اللہ اسے اس کا اجر دے گا
وَمَنْ يَصْبِرْ عَلَى الرَّزِيَّةِ يُعَوِّضْهُ اللّٰهُ	جو مصیبت پر صبر کرے گا، اللہ اسے اس کا بدلہ دے گا۔
وَمَنْ يَتَّبِعِ السُّمْعَةَ يُسَمِّعِ اللّٰهُ بِهِ	جو سنی سنائی باتیں پھیلائے گا، اللہ اس کو رسوا کرے گا۔
وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُضْعِفِ اللّٰهُ لَهُ	جو شخص مصنوعی صبر ظاہر کرے گا، اللہ اس کی تکلیف کو بڑھا دے گا۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ يُعَذِّبْهُ اللّٰهُ — اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کرے گا، اللہ اس کو عذاب دے گا۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ — میں اللہ سے مغفرت کا طلب گار ہوں۔ میں اللہ سے مغفرت کا طلب گار ہوں۔ میں اللہ سے مغفرت کا طلب گار ہوں۔(1)

ایک معجزہ

محمد بن عمر الواقدی نے اپنے شیوخ کے حوالہ سے روایت کیا ہے کہ بنی سعد بن ہذیم کے ایک آدمی نے بتایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب حضور تبوک میں تشریف فرما تھے، چند اور آدمی بھی بیٹھے ہوئے تھے، حضور نے بلال کو حکم دیا یَا بِلَالُ اَطْعِمْنَا "اے بلال ہمیں کھانا کھلاؤ۔" حضرت بلال نے چمڑے کا دستر خوان بچھایا۔ پھر وہ کھجوریں جو گھی میں گوندھی ہوئی تھیں، مٹھی بھر بھر کر آگے رکھنا شروع کر دیں۔ حضور نے سب کو فرمایا کھاؤ۔ ہم نے اتنی کھجوریں کھائیں کہ پیٹ بھر گیا۔ میں نے عرض کی، یارسول اللہ! کہ یہ اتنی مقدار میں کھجوریں تھیں کہ میں اکیلا نہیں کھا جاتا لیکن اب ہم سب سیر ہوگئے ہیں۔ سرکار دو عالم نے فرمایا، کافر سات آنتوں سے کھاتا ہے اور مومن صرف ایک آنت سے۔

دوسرے دن میں پھر اسی وقت حاضر ہوگیا تاکہ میرے ایمان میں مزید پختگی ہو۔ میں نے دیکھا کہ دس آدمی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اردگرد حلقہ باندھے بیٹھے ہیں۔ حضور نے فرمایا، اے بلال کھانا لاؤ اور ہمیں کھلاؤ۔ حضرت بلال نے اس تھیلی سے مٹھی بھر بھر کر پھر کھجوریں نکالنی شروع کیں۔ وہ کھجوریں نکالتے جاتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے:

اُخْرُجْ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِی الْعَرْشِ اِقْلَالًا۔

"اے بلال! کھجوریں نکالتے جاؤ۔ عرش کے مالک سے یہ اندیشہ مت کرو کہ کھجوریں کم ہو جائیں گی۔"

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد5، صفحہ 651-652

آپ ایک اور بوری لے آئے اور اس کو انڈیل دیا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ دو مد تھیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنا دست مبارک کھجوروں پر رکھا اور فرمایا، اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرو۔ سب حاضرین نے میرے سمیت خوب سیر ہو کر کھایا۔ اس کے باوجود اس دستر خوان پر اتنی کھجوریں اب بھی موجود تھیں جتنی حضرت بلال نے بکھیری تھیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے ان کھجوروں سے ایک دانہ تک بھی نہیں کھایا۔

تیسرے دن پھر صبح سویرے پہنچ گیا اور وہ لوگ بھی آموجود ہوئے جن کی تعداد دس تھی۔ سرکار دو عالم نے فرمایا یَا بِلَالُ اَطْعِمْنَا "اے بلال! ہمیں کھانا کھلاؤ۔" حضرت بلال اس تھیلا کی باقی ماندہ کھجوریں لے آئے اور ان کو دستر خوان پر بکھیر دیا۔ رحمت عالم ﷺ نے اپنا دست مبارک ان پر رکھا اور فرمایا اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ ہم نے انہیں کھانا شروع کر دیا یہاں تک کہ ہم خوب سیر ہو گئے اور باقی کھجوروں کو اسی تھیلا میں ڈال دیا گیا۔ الغرض تین دن تک اس تھیلے سے میں بھی اور ہمارے دوسرے ساتھی بھی سیر ہو کر کھاتے رہے۔(1)

آندھی

ایک رات تبوک میں تیز آندھی آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایک بہت بڑا منافق ہلاک ہو گیا ہے۔ اس کی ہلاکت کی وجہ سے ہی یہ آندھی آئی ہے۔ جب ہم مدینہ طیبہ پہنچے تو ہمیں معلوم ہوا کہ اس رات ایک نامی گرامی منافق ہلاک ہو گیا تھا۔

ایک اور معجزہ

قبیلہ سعد بن ہذیم کے چند آدمی حاضر ہوئے۔ عرض کی، یا رسول اللہ! ہم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور اپنے اہل و عیال کو ایک کنوئیں کے پاس چھوڑ کر آئے ہیں۔ اس کنوئیں میں پانی بہت قلیل ہے اور گرمی کی شدت آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ ہمیشہ اندیشہ ہے کہ اگر وہ کنواں سوکھ گیا تو ہمیں ادھر ادھر بکھرنا پڑے گا اور کافر قزاق ہمیں لوٹ لیں گے کیونکہ ہمارے علاقہ میں مسلمانوں کی تعداد برائے نام ہے۔ حضور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس پانی میں برکت ڈال دے۔ اگر ہم اپنے کنوئیں سے سیراب ہونے کے

1۔ ایضاً، صفحہ 653

قابل ہو گئے تو اس علاقہ میں کوئی قوم ہم سے زیادہ طاقتور نہیں ہو گی اور ہم کسی کافر کو یہاں سے گزرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس چند سنگریزے چن کر لے آؤ۔ چنانچہ تین کنکریاں چن کر بارگاہ رسالت میں پیش کر دی گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اپنے ہاتھ میں ملا پھر فرمایا کہ یہ کنکریاں لے جاؤ اور ایک ایک کر کے اس کنوئیں میں پھینک دو۔ ہر بار اللہ کا نام لیتے رہنا۔ وہ لوگ اپنے کنوئیں پر واپس آئے اور حسب ارشاد، اللہ کا نام لے لے کر وہ تینوں کنکریاں ایک ایک کر کے کنوئیں میں پھینکیں۔ پانی فوراً جوش مار کر ابلنے لگا۔ اس طرح وہ پانی کے معاملہ میں مستغنی ہو گئے۔ انہوں نے، جتنے مشرک وہاں آباد تھے، انہیں نکال دیا یا وہاں بسنے والے تمام کفار نے اسلام قبول کر لیا۔

پانچ خصوصی انعامات

نبی کریم ﷺ کا معمول تھا کہ رات کو بیدار ہو کر نماز تہجد ادا فرمایا کرتے اور جب نماز تہجد کیلئے وضو فرماتے تو مسواک ضرور کرتے۔ تبوک میں بھی حضور کا یہی معمول رہا۔ ایک رات حضور بیدار ہوئے، مسواک کی، وضو فرمایا اور نماز تہجد ادا کی۔ اس سے فراغت کے بعد حضور حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

آج رات مجھے ایسی پانچ چیزیں عطا فرمائی گئی ہیں جو آج تک کسی کو عطا نہیں فرمائی گئیں۔

1۔ مجھ سے پہلے تمام انبیاء ایک مخصوص قوم کی راہنمائی کیلئے مبعوث کئے جاتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام بنی نوع انسان کی راہنمائی کیلئے مبعوث فرمایا ہے۔

2۔ میرے لئے ساری زمین کو سجدہ گاہ بنایا گیا ہے۔ جب بھی نماز کا وقت آئے، جہاں بھی ہوں، قبلہ رو ہو کر اپنے رب کو سجدہ کر لیتا ہوں۔ مجھ سے پہلے ساری امتیں اپنی مخصوص عبادت گاہوں میں نماز ادا کر سکتی تھیں۔

3۔ اور پانی نہ ملنے کی صورت میں مٹی سے تیمم کر کے نماز ادا کر سکتا ہوں۔

4۔ اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو میرے لئے حلال کر دیا حالانکہ مجھ سے پہلے مال غنیمت کا استعمال ممنوع تھا۔

5۔ تین مرتبہ فرمایا ھِیَ مَا ھِیَ۔ ھِیَ مَا ھِیَ۔ ھِیَ مَا ھِیَ صحابہ نے عرض

کی یا رسول اللہ! یہ کیا چیز ہے؟ حضور نے فرمایا مجھے کہا گیا ہے کہ میں سوال کروں ہر ایک نبی نے اپنے رب سے سوال کیا ہے اور یہ سوال میں نے تمہارے لئے کیا ہے اور ان لوگوں کیلئے جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر یقین رکھتے ہیں۔

سرکار دو عالم ﷺ کا گرامی نام ہرقل کے نام

رسول اللہ ﷺ جب تبوک پہنچے تو ہرقل اس وقت حمص میں تھا۔ اس نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا تصور تک بھی نہیں کیا تھا۔ ایک دن رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میرا مکتوب لے کر قیصر کے پاس جائے گا، اسے جنت ملے گی۔ ایک شخص نے عرض کی، اگر قیصر نے اس گرامی نامہ کو قبول نہ کیا تو بھی اسے جنت ملے گی؟ فرمایا، یقیناً۔ چنانچہ وہ شخص (حضرت دحیہ کلبی) گرامی نامہ لے کر ہرقل کے پاس پہنچا۔ ہرقل نے اسے کہا کہ تم اپنے نبی کے پاس واپس جاؤ اور انہیں اطلاع دو کہ میں آپ کا پیروکار ہوں لیکن اپنا تخت و تاج چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اس نے حضرت دحیہ کے ذریعہ کئی دینار بارگاہ رسالت میں بھیجے۔ حضرت دحیہ واپس آئے۔ تمام حالات گوش گزار کئے۔ حضور نے سن کر فرمایا:

"بدبخت نے جھوٹ بولا ہے۔" اور جو دینار اس نے بھیجے تھے ان کو آپ نے مجاہدین میں تقسیم فرمادیا۔

حضرت امام احمد سے مروی ہے کہ سعید بن ابی راشد نے بتایا کہ میری ملاقات تنوخی سے ہوئی جس کو ہرقل نے بارگاہ رسالت میں اپنا قاصد بنا کر بھیجا تھا جبکہ وہ حمص میں فروکش تھا۔ سعید بن ابی راشد کہتے ہیں کہ یہ شخص میرا پڑوسی تھا۔ اس کی عمر ایک سو سال سے زیادہ تھی۔ میں نے کہا، کیا تم مجھے اس گرامی نامہ کے بارے میں بتاؤ گے جو رسول کریم ﷺ نے ہرقل کی طرف بھیجا تھا اور اس خط کے بارے میں جو ہرقل نے حضور کی خدمت میں تحریر کیا۔ اس نے کہا، بیشک۔ اللہ کے رسول ﷺ جب تبوک تشریف لائے تو حضور نے دحیہ کلبی کو ہرقل کی طرف روانہ فرمایا۔ جب ہرقل کو سرکار دو عالم ﷺ کا گرامی نامہ ملا تو اس نے روم کے قسیسوں اور بطریقوں کو اپنے پاس بلایا۔ جب وہ آگئے تو اس نے محل کے دروازے بند کر دیئے اور ان لوگوں سے یوں گویا ہوا: وہ شخص یعنی سرور عالم ﷺ وہاں تک پہنچ گئے ہیں جہاں تم نے دیکھ لیا ہے۔ انہوں نے مجھے خط لکھا ہے اور مجھے تین باتوں میں

سے ایک بات قبول کرنے کی دعوت دی ہے: 1۔ میں ان کا دین قبول کرلوں۔ 2۔ ہماری زمینوں پر جو ہمارے باغات یا مکانات ہیں، وہ ہم ان کے حوالے کر دیں اور زمینیں ہمارے قبضہ میں رہیں۔ 3۔ یا جنگ کیلئے تیار ہو جائیں۔ ہر قل نے کہا، حاضرین! تم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے اور تم اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہو کہ یہ نبی ہم سے ہماری زمینیں چھین لے گا۔ پس آؤ! اس کی اطاعت قبول کرلیں اور ہماری زمینوں پر جو املاک ہیں، وہ ان کے حوالے کر دیں۔ لوگوں نے شور مچانا شروع کیا اور بڑے غرور سے کہا۔۔ کیا تو ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم اپنے مذہب نصرانیت کو چھوڑ دیں اور ایک عربی جو حجاز سے آیا ہے، اس کے غلام بن جائیں؟ قیصر نے جب ان کا یہ رد عمل دیکھا تو اس نے سوچا، اگر یہ لوگ اسی حالت میں یہاں سے چلے گئے تو لوگوں کو بھڑکا کر مجھ سے تاج و تخت چھین لیں گے۔ لہذا قیصر نے انہیں رام کرنے کے لئے کہا، میں تو صرف تمہارے دین پر تمہاری پختگی اور صلابت کو آزمانا چاہتا ہوں۔ پھر اس نے ایک عربی کو بلایا جو نصرانی تھا۔ اسے کہا کہ میرے لئے ایک ایسا آدمی تلاش کرو جس کی زبان عربی ہو، اس کا حافظہ قوی ہو، جو بات سنے اس کو اچھی طرح یاد رکھے تاکہ میں اس کو اس شخص کی طرف بھیجوں جس نے مجھے خط لکھا ہے۔ چنانچہ ان صفات کا حامل آدمی تلاش کر کے قیصر کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ قیصر نے اسے کہا کہ میرا یہ خط لے جاؤ اور اس شخص کو پہنچا دو اور وہ جو باتیں کرے ان کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا۔ خصوصاً یہ دیکھنا کہ ان کی گفتگو میں ان چیزوں کا تذکرہ کہیں پایا جاتا ہے۔ کیا جو خط پہلے لکھا گیا تھا اس کا تذکرہ ان کی گفتگو میں ہے؟ اور اس بات کو ملاحظہ کرو کہ جب وہ میرے مکتوب کو پڑھ چکے، کیا اس نے اس کے بعد رات کا کہیں ذکر کیا ہے؟ نیز یہ کہ کیا اس کی پشت پر کوئی ایسی عجیب و غریب چیز ہے جو نگاہ کو اپنی طرف ملتفت کرتی ہے؟

وہ شخص کہتا ہے کہ میں قیصر کا پیغام لے کر تبوک آیا۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کی محفل میں تشریف فرما ہیں۔ چنانچہ میں ان کی خدمت میں پہنچا اور ہر قل کا خط خدمت اقدس میں پیش کیا۔ حضور نے اسے لے لیا اور پوچھا تم کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو؟ میں نے کہا کہ میں تنوخ کا بھائی ہوں۔ پھر حضور نے مجھ سے پوچھا کہ دین اسلام جو ملت حنیفیہ کی طرف دعوت دینے کیلئے آیا ہے، کیا تم اس کو قبول کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ میں نے کہا کہ میں اپنی قوم کا قاصد ہوں اور ابھی تک اپنی قوم کے دین پر قائم ہوں اور جب

تک اپنے وطن نہ لوٹ جاؤں، اسی دین پر قائم رہوں گا۔ حضور ہنسے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ پھر فرمایا، اے تنوخی بھائی! میں نے ایک خط کسریٰ کو لکھا تھا۔ اس نے اسے پرزے پرزے کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حکومت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ میں نے نجاشی کی طرف خط لکھا۔ پھر میں نے تیرے صاحب ہرقل کی طرف گرامی نامہ لکھا۔ اس نے اس کو پکڑ لیا، اس کی برکت سے لوگ اس کا احترام کرتے رہیں گے اور اس کی ہیبت ان پر چھائی رہے گی۔ جب میں نے سابقہ گرامی نامہ کا ذکر سنا تو میں نے یاد کر لیا کہ ہرقل کی تین باتوں سے ایک بات پوری ہو گئی۔ پھر اس نے کہا کہ تمہارے صاحب کے خط میں ہے کہ تَدْعُوْنِيْ إِلٰى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ جب آسمانوں اور زمینوں کے عرض میں جنت ہے تو دوزخ کہاں ہو گی، اس کے لئے جگہ تک نہ ہو گی؟ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ سبحان اللہ۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے؟ "لیل" کا لفظ سن کر پھر اس نے یاد کر لیا۔ جب وہ میرے مکتوب کے پڑھنے سے فارغ ہوئے تو حضور نے فرمایا، تیرا حق ہے کیونکہ تو قاصد ہے۔ اس وقت سفر میں ہے۔ ہماری مالی حالت ناگفتہ بہ ہے ورنہ میں تمہیں اعزازات و انعامات کے ساتھ واپس روانہ کرتا۔

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ جب وہ جانے لگا تو ایک آدمی نے اسے بلایا اور کہا میں اسے انعام دیتا ہوں۔ اس نے اپنا کجاوہ کھولا، وہاں سے صفوریہ کی ایک پوشاک نکالی اور میری گود میں رکھ دی۔ میں نے پوچھا کہ یہ تحفہ دینے والا کون ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ اس کا نام عثمان ہے۔ پھر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے پوچھا کہ اس مہمان کو اپنے گھر کون ٹھہرائے گا؟ ایک انصاری نے عرض کی؟ یارسول اللہ! میں۔ انصاری اٹھ کھڑا ہوا۔ میں بھی اٹھا یہاں تک کہ جب میں اس ہجوم سے باہر نکلا تو مجھے رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور فرمایا تعالَ يَا أَخَا تَنُوْخ اے تنوخ کے بھائی! ادھر آؤ۔ میں تیزی سے لپک کر حضور کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ حضور نے اپنی چادر کا بند کھولا اور فرمایا، ادھر سے گزرو جو تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ میں پشت کی طرف سے پلٹا تو مجھے کندھے کے قریب مہر نبوت دکھائی دی۔ وہ شخص ہرقل کی طرف واپس آیا اور ساری روئیداد اس کو سنائی۔ اس نے ایک بار پھر قوم کے مذہبی راہنماؤں کو اپنے پاس طلب کیا۔۔ اور انہیں مشورہ دیا کہ تم اس نبی پر ایمان لے آؤ اور ان کی

دعوت کو قبول کرلو۔ لیکن انہوں نے اس نصیحت پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔

سہیلی کہتے ہیں کہ ہرقل نے ایک تحفہ بارگاہ نبوت میں ارسال کیا جس کو حضور نے قبول فرمایا اور اسے مسلمانوں میں بانٹ دیا۔ ہرقل نے منادی کرنے والے کو حکم دیا کہ یہ اعلان کرے کہ ہرقل محمد رسول اللہ پر ایمان لے آیا ہے اور حضور کی اطاعت اختیار کر لی ہے۔ یہ سنتے ہی اعلیٰ فوجی افسر بھپر گئے اور شاہی محل میں زبردستی گھس آئے۔ وہ ہرقل کو قتل کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ ہرقل نے جب بات بگڑتی دیکھی تو کہنے لگا، میں ہرگز اپنا آبائی مذہب چھوڑنے کیلئے تیار نہیں۔ میں تو ان باتوں سے تمہیں آزمانا چاہتا تھا۔ پھر اس نے ایک عریضہ بارگاہ رسالت میں لکھا اور دحیہ کے حوالہ کیا اور زبانی یہ پیغام دیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں لیکن از بس مجبور ہوں، کچھ نہیں کر سکتا۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا:

كَذَبَ عَدُوُّ اللّٰهِ وَلَيْسَ بِمُسْلِمٍ بَلْ هُوَ عَلٰى نَصْرَانِيَّتِهٖ (1)

"اللہ تعالیٰ کے دشمن نے جھوٹ بولا، وہ مسلمان نہیں ہوا بلکہ اپنی نصرانیت پر ہے۔"

ذوالبجادین اور حضور کی شان بندہ نوازی

امام ابن اسحاق اور ابن مندہ، حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ ذوالبجادین مزینہ قبیلہ کا فرد تھا۔ بچپن میں اس کا والد فوت ہو گیا اور اس نے کوئی ترکہ نہ چھوڑا۔ اس کے چچا نے اسے اپنی کفالت میں لے لیا۔ یہاں تک کہ وہ خوشحال ہو گیا۔ وہ اونٹوں، بکریوں اور غلاموں کا مالک بن گیا۔ رحمت عالم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے تو اس کے دل میں اسلام قبول کرنے کا شوق پیدا ہوا لیکن اپنے چچا کی وجہ سے وہ اپنے اس شوق کی تکمیل نہ کر سکا۔ اسی کشمکش میں کئی سال گزر گئے، بڑی بڑی جنگیں اپنے انجام کو پہنچیں۔ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے بعد جب واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ عبداللہ اپنے چچا کے پاس گئے اور کہا چچا جان! میں نے آپ کا بہت انتظار کیا کہ آپ کب اسلام قبول کرتے ہیں اور میں آپ کے ساتھ اسلام قبول کروں؟ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا نبی کریم پر ایمان لانے کا کوئی ارادہ نہیں، آپ مجھے اسلام قبول کرنے کی اجازت

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 658-660 و ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 4، صفحہ 27

دیدیں۔ چچا یہ سن کر غصہ سے بے قابو ہو گیا۔ اس نے کہا کہ اگر تم نے یہ جرأت کی تو جتنی چیزیں میں نے آج تک دی ہیں، وہ سب چھین لوں گا۔ حتیٰ کہ وہ کپڑے جو تو نے پہنے ہوئے ہیں وہ بھی اتار لوں گا۔ یہ دھمکی سننے کے بعد عبداللہ نے کہا میں تو ضرور محمد عربی فداہ امی وابی کا اتباع کروں گا اور اسلام لے آؤں گا۔ زیادہ دیر تک میں لکڑی اور پتھر کے بتوں کی پوجا نہیں کر سکتا۔ آپ کی جو چیزیں میرے پاس ہیں وہ واپس کرتا ہوں، آپ انہیں سنبھالیں۔ اس نے ساری چیزیں واپس لے لیں یہاں تک کہ اس کا تہبند بھی اتروالیا۔ پھر وہ اپنی ماں کے پاس آیا۔ ماں نے اپنی ایک لکیر دار چادر کو پھاڑ کر دو چادریں بنادیں، ایک کا تہبند اور دوسری اس نے اوپر اوڑھ لی۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر مدینہ طیبہ آیا اور مسجد میں جا کر لیٹ گیا۔ صبح کی نماز رحمت عالم ﷺ کی اقتداء میں ادا کی۔ سرور عالم ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو لوگوں کو غور سے دیکھتے۔ اب اس کو دیکھا تو اسے اجنبی پایا۔ پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میرا نام عبدالعزیٰ ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا اَنْتَ عَبْدُاللّٰہِ ذُوالْبِجَادَیْنِ (آج کے بعد تم اب عزیٰ کے بندے نہیں ہو بلکہ) "اللہ کے بندے ہو اور تمہارا لقب ذوالبجادین ہے۔" پھر فرمایا کہ تم میرے نزدیک قیام کرو۔ وہ صفہ کے دریشوں کے ساتھ اقامت گزین ہو گئے اور سرکار دو عالم ﷺ کے مہمان اور شاگرد بنے۔ حضور پرنور انہیں قرآن کریم پڑھایا کرتے۔ قلیل مدت میں اس نے قرآن کریم کا بہت سا حصہ یاد کر لیا۔ ان کی آواز قدرتی طور پر بلند تھی۔ وہ مسجد میں ہی ٹھہرا کرتے تھے اور بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے۔ ایک دن حضرت فاروق اعظم نے عرض کی یارسول اللہ! یہ اعرابی بلند آواز سے قرآن کریم پڑھتا ہے یہاں تک کہ دوسرے لوگ قرأت نہیں کر سکتے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا:

دَعْهُ يَا عُمَرُ فَاِنَّهٗ قَدْ خَرَجَ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ۔

"اے عمر! اس کو کچھ نہ کہو، یہ اللہ اور اس کے رسول کیلئے ہجرت کر کے آیا ہے۔"

رحمت عالم ﷺ جب تبوک کی طرف روانہ ہونے لگے تو یہ اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہو کر یوں عرض پرداز ہوا:

يَا رَسُولَ اللهِ اُدْعُ اللهَ تَعَالىٰ لِيْ بِالشَّهَادَةِ

"یارسول اللہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب کرے۔"

حضور نے فرمایا، وہ سامنے بیری کا درخت ہے اس کا چھلکا اتار کر لاؤ۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کی۔ حضور نے وہ چھلکا ان کے بازو پر باندھا اور دعا فرمائی اِنِّیْ اُحَرِّمُ دَمَهٗ عَلَى الْكُفَّارِ یااللہ! "میں نے تمام کفار پر اس کا خون حرام کر دیا ہے۔" یہ سن کر وہ تڑپ اٹھے۔ عرض کی، یارسول اللہ! میں نے اس مقصد کیلئے تو دعا کی درخواست نہیں کی تھی۔ اس کریم نبی نے فرمایا، اے عبد اللہ! اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کی نیت سے نکلو اور اثنائے سفر تمہیں بخار آئے اور تم فوت ہو جاؤ تو پھر بھی تم شہید ہو گے۔

شہید محبت کی تدفین کا روح پرور منظر

مجاہدین اسلام کا یہ لشکر جب تبوک پہنچا۔ جب کئی دن گزر گئے تو انہیں بخار آنے لگا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔ حضرت بلال بن الحارث المزنی فرماتے ہیں کہ میں ذوالبجادین کی تجہیز و تکفین کے وقت حاضر تھا۔ حضرت بلال (مؤذن) نے روشنی کیلئے ایک مشعل اٹھا رکھی تھی اور وہ کھڑے تھے۔ چنانچہ اس وقت رسول اللہ ﷺ خود ان کی قبر میں اترے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ان کی نعش کو حضور کی طرف بڑھا رہے ہیں اور حضور انہیں فرما رہے ہیں کہ اپنے بھائی کو میرے قریب کرو۔ چنانچہ سرور عالم ﷺ نے لحد میں ان کو دائیں پہلو پر لٹا دیا۔ پھر اپنے رب کریم سے التجاء کی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ قَدْ اَمْسَيْتُ عَنْهُ رَاضِيًا فَارْضَ عَنْهُ

"اے اللہ! میں آج کی شام تک اس تیرے بندے سے راضی تھا تو بھی اس سے راضی ہو جا۔"

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ ایمان افروز منظر دیکھا تو کہہ اٹھے:

يَا لَيْتَنِيْ كُنْتُ صَاحِبَ اللَّحْدِ "اے کاش! اس لحد میں میں دفن ہوتا۔" (1)

شاہ ایلہ کی مصالحت

جب رحمت عالم ﷺ نے حضرت خالد کو دومۃ الجندل کے والی اکیدر کی طرف بھیجا تو

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 661

ایلہ (☆) کے بادشاہ یحنہ بن رؤبہ کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ حضور مجاہدین کا کوئی دستہ میری طرف نہ بھیج دیں۔ چنانچہ وہ خود ہی حاضر خدمت ہو گیا۔ اس کے ساتھ جرباء، اذرح اور مقنا کے باشندے بھی تھے۔ اس نے حضور کی بارگاہ میں سفید خچر بطور ہدیہ پیش کیا۔ حضور نے اسے اپنی چادر مبارک اوڑھائی اور اس کے لئے ایک امان نامہ لکھ دیا۔ حضرت جابر فرماتے ہیں، جب یحنہ بن رؤبہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ اس نے سونے کی صلیب گلے میں آویزاں کی ہوئی ہے۔ اس کی پیشانی پر گرہ دار بالوں کا گچھا تھا۔ جب اس نے سرور دو عالم ﷺ کو دیکھا تو ادب کی وجہ سے اپنا سر جھکا لیا۔ حضور نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کیا کہ اپنا سر اٹھاؤ۔ اس دن اس کے ساتھ صلح نامہ تحریر ہوا۔ ان کے لئے جزیہ مقرر کیا گیا کہ ہر بالغ ایک دینار سالانہ ادا کرے گا۔ اس صلح نامہ میں لکھا گیا کہ اللہ اور اس کا رسول، ان کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کا ذمہ دار ہے اور جس نے کوئی قانون شکنی کی تو اس کو اس کا مال اس کی سزا سے بچا نہ سکے گا، انہیں چشموں سے اور بری و بحری راستے استعمال کرنے سے روکا نہیں جائے گا۔ اسی طرح اہل جرباء اور اذرح کیلئے بھی صلح نامہ لکھا گیا۔ (2)

اہل اذرح سے صلح

اذرح، شام کی سرحد پر ایک شہر کا نام ہے جو بلقاء کے نزدیک ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کیلئے ایک صلح نامہ تحریر فرمایا جس میں انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے امان دی گئی اور ہر سال ماہ رجب میں ایک سو دینار بطور جزیہ کی ادائیگی ان پر لازم قرار دی گئی۔ اسی طرح اہل مقنا کے ساتھ مصالحت کی گئی۔ انہیں اپنے پھلوں کا چوتھا حصہ بیت المال میں جمع کرانے کا حکم دیا گیا۔

دمشق کی طرف پیش قدمی کے بارے میں مشورہ

نبی مکرم ﷺ نے طویل مدت تک تبوک میں قیام فرمایا لیکن قیصر روم کو یہ ہمت نہ

1۔ ایضاً، صفحہ 662 و ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 4، صفحہ 29

☆ "ایلہ" بحر قلزم کے ساحل پر ایک شہر کا نام ہے۔ حجاز کی آخری اور شام کی ابتدائی سرحد پر واقع ہے۔ ابوزید کہتے ہیں کہ یہ چھوٹا سا آباد شہر تھا۔ اس میں کھیتی باڑی ہوا کرتی تھی۔ اس شہر میں وہ یہودی آباد تھے جن پر ہفتہ کے روز مچھلی کا شکار حرام کر دیا گیا تھا لیکن انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا۔ ("معجم البلدان" جلد 1، صفحہ 292)

ہوئی کہ وہ محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درویشوں سے پنجہ آزمائی کی جسارت کر سکے۔
سرورِ عالم ﷺ قیصر کی گیدڑ بھبکیاں سن کر نو سو کلو میٹر کی کٹھن مسافت طے کر کے اس کے ملک میں پہنچ گئے لیکن وہ بھیگی بلی بنا بیٹھا رہا اور باہر نکلنے کی جرأت نہ کر سکا۔ اس مہم کا اولین مقصد تو ہرقل کی دھمکیوں کا دندان شکن جواب دینا تھا اور اس پر اسلام کی قوت و شوکت کا اظہار کرنا تھا، وہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ ارد گرد جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں، ان کے ساتھ بھی صلح کے معاہدے طے پا گئے اور انہوں نے جزیہ ادا کرنا منظور کر لیا۔ اس لئے یہاں مزید قیام بے مقصد تھا۔ چنانچہ نبی مکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کی ایک مجلس مشاورت منعقد کی اور اس کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا کہ کیا ہمیں یہاں سے دمشق کی طرف پیش قدمی کرنی چاہئے یا واپس مدینہ طیبہ لوٹ جانا چاہئے؟ حضرت فاروق اعظم نے عرض کی، یارسول اللہ! اگر حضور کو دمشق کی طرف پیش قدمی کا حکم ہوا ہے تو ضرور تشریف لے جائیے۔ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا:
اگر مجھے اس بارے میں حکم ملتا تو میں تم سے قطعاً مشورہ نہ کرتا۔ حضرت عمر نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے گزارش کی، یارسول اللہ! رومیوں کے پاس بے حد و بے شمار فوجیں ہیں۔ شام کے ملک میں اسلام کو قبول کرنے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہم قیصر روم کی قیام گاہ کے بالکل قریب پہنچ گئے ہیں۔ ہمارا یہاں تک پیش قدمی کرتے ہوئے بڑھتے چلے آنا انتہائی پریشان کن ہے۔ اگر ہم اس سال واپس چلے جائیں تو پھر تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد کوئی فیصلہ کر سکیں گے، یا اللہ تعالیٰ کوئی نئی صورت حال پیدا فرمائے گا۔ اس اثناء میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مدینہ طیبہ واپس لوٹنے کا حکم دیا۔ فرمایا:

فِيهَا مَحْيَاكَ وَمَمَاتُكَ وَمِنْهَا تُبْعَثُ

"یعنی اس شہر میں آپ کی زندگی بسر ہو گی۔ اسی میں حضور وفات پائیں گے اور اسی شہر کی خاک سے حضور کو اٹھایا جائے گا۔"

اس ارشاد الٰہی کے بعد حضور نے مدینہ طیبہ لوٹنے کا فیصلہ فرمایا۔ اس وقت حضرت جبرئیل امین نے حاضر ہو کر عرض کی، یارسول اللہ! اپنے خداوند قدوس سے سوال کیجئے، کیونکہ ہر نبی کو ایک سوال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا، اے

جبرئیل! تم بتاؤ اپنے رب سے کیا مانگوں؟

انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ آپ یہ دعا مانگیں:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا۔ (1)

"اے میرے رب! جہاں کہیں تو مجھے لے جائے، سچائی کے ساتھ لے جا، اور جہاں سے تو مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آ، اور عطا فرما مجھے اپنی جناب سے وہ قوت جو مدد کرنے والی ہو۔"

طاعون زدہ علاقہ میں جانے کی ممانعت

اس سفر تبوک میں ہی حضور نے اپنے امتیوں کو ایک نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذَا وَقَعَ الطَّاعُوْنُ بِاَرْضٍ وَّاَنْتُمْ فِيْهَا فَلَا تَخْرُجُوْا مِنْهَا وَاِذَا كُنْتُمْ بِغَيْرِهَا فَلَا تَقْدَمُوْا اِلَيْهَا (2)

"اگر کسی علاقہ میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑے اور تم اس علاقہ میں رہائش پذیر ہو تو وہاں سے نکل کر باہر نہ جاؤ اور اگر تم اس علاقہ سے باہر ہو تو پھر اس طاعون زدہ علاقہ میں مت داخل ہو۔"

تبوک سے مدینہ طیبہ کی طرف واپسی

جب رسول اللہ ﷺ نے تبوک سے واپسی کا ارادہ فرمایا تو اشیاء خوردنی کی قلت کے باعث مجاہدین فاقہ کشی میں مبتلا تھے اور ان کی صحت دن بدن کمزور ہوتی جارہی تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجاہدین نے عرض کی، یارسول اللہ! اگر حضور اجازت فرمائیں تو ہم اپنی سواری کے اونٹوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت پکا کر کھائیں اور ان کی چربی سے اپنے بالوں کی خشکی اور پراگندگی کا ازالہ کریں۔ اجازت لینے کے بعد لوگ جب واپس آرہے تھے تو راستہ میں ان کی ملاقات حضرت فاروق اعظم سے ہوگئی۔

1۔ سورہ بنی اسرائیل: 80

2۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 664

آپ نے انہیں اونٹ ذبح کرنے سے روکا۔ پھر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت نبی مکرم ﷺ خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے عرض کی، یارسول اللہ! کیا حضور نے لوگوں کو اپنی سواری کے جانور ذبح کرنے کی اجازت دی ہے؟ حضور نے فرمایا، انہوں نے میرے سامنے فاقہ کشی کی شکایت کی تو میں نے انہیں اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دیدی۔ حضرت عمر نے عرض کی، یارسول اللہ! حضور انہیں اجازت مرحمت نہ فرمائیں کیونکہ لوگوں کے پاس اگر ضرورت سے زائد سواری کے جانور ہوں تو اس میں سب کیلئے بہتری ہے۔ ہمارے اونٹ بھوک کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ اگر راستہ میں چند اونٹوں کو کوئی حادثہ پیش آ جائے تو ان زائد سواریوں پر سوار ہو کر مجاہدین راحت و آرام سے مدینہ طیبہ پہنچ جائیں گے۔ دوبارہ حضرت عمر نے عرض کی، یارسول اللہ! حضور مجاہدین کو حکم دیں کہ اشیاء خوردنی میں سے ان کے پاس تھوڑا بہت جتنا کچھ ہے وہ لے آئیں۔ حضور اس پر برکت کی دعا فرمائیں، اللہ تعالیٰ ان قلیل مقدار اشیاء خوردنی میں اتنی برکت ڈالے گا کہ تمام لشکر کی ضروریات پوری ہو جائیں گی جس طرح حضور نے حدیبیہ سے واپسی کے موقع پر دعا مانگی تھی۔ حضور! آپ دعا مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول فرمائے گا۔

نبی رحمت ﷺ نے اپنے وزیر خوش تدبیر کی اس تجویز کے ساتھ اتفاق فرمایا۔ چنانچہ دستر خوان بچھا دیا گیا اور سب مجاہدین کو حکم ملا کہ کھانے کی جو چیز ان کے پاس ہے، وہ لے آئیں اور اس دستر خوان پر ڈھیر کر دیں۔ صحابہ کرام کے پاس جتنا کچھ بھی تھا وہ لا کر پیش کرنے لگے۔ جس کے پاس مٹھی بھر مکئی کا آٹا تھا، وہ لے آیا۔ جس کے پاس مٹھی بھر کھجوریں تھیں، وہ لے آیا۔ کوئی روٹی کا ٹکڑا لے آیا اور کوئی ستو لے آیا۔ الغرض یہ سارا سامان جمع ہوا۔ اس کا وزن ستائیس صاع بنا۔ پھر رحمت عالم ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے، وضو فرمایا اور دو رکعت نفل ادا کئے۔ اس کے بعد دعا کیلئے ہاتھ پھیلا دیئے، عرض کی:

"یا اللہ اس طعام میں برکت عطا فرما"

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ حضور ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور سب کو اذن عام دیا کہ آؤ اور جتنا جی چاہے یہاں سے لے جاؤ، لیکن لوٹ کھسوٹ سے احتراز کرنا۔ چنانچہ مجاہدین بوریاں، تھیلے بلکہ اپنی قمیص کے دامنوں میں جو چیز ملتی تھی، بھر بھر کر لے جانے لگے۔ لشکر میں کوئی برتن ایسا نہ رہا جس کو انہوں نے اجناس خوردنی سے بھر نہ لیا ہو۔ سب نے خوب پیٹ بھر

کر کھایا اور کافی بچ بھی گیا۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں نے روٹی کا ایک ٹکڑا اس دستر خوان پر رکھا اور ایک مٹھی بھر کھجور۔ وہ سارا دستر خوان بھر گیا۔ پھر میں دو بوریاں لے آیا ایک کو ستو سے بھر لیا اور دوسری کو روٹیوں سے اور اپنی چادر میں آٹا باندھ لیا۔ اس طرح میں نے جو کچھ لیا مدینہ طیبہ واپس پہنچنے تک میں اسے کھاتا رہا اور وہ ختم نہیں ہوا۔ رحمت عالم ﷺ نے اپنے کریم پروردگار کی ان عنایات و برکات کا یہ عالم دیکھا تو فرمایا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔"

پھر فرمایا جو آدمی یہ کلمہ یقین کے ساتھ پڑھے گا، اس کو جنت سے نہیں روکا جائے گا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے تبوک میں بیس شب قیام فرمایا اور نماز قصر ادا فرماتے رہے۔(1)

تبوک سے واپسی کے دوران معجزات کا ظہور

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم حضور کی معیت میں سفر کر رہے تھے کہ سب پر غنودگی طاری ہو گئی۔ حضور نے فرمایا، اے ابو قتادہ! ذرا سو نہ جائیں؟ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! جیسے آپ کی مرضی۔ حضور کے حکم سے ہم سب اپنی سواریوں سے اتر کر زمین پر لیٹ گئے۔ میرے پاس ایک برتن تھا جس میں پانی تھا اور ایک پانی پینے کا پیالہ۔ لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی اور اس وقت کھلی جب سورج کی حرارت نے ہمیں بیدار کر دیا۔ ہم نے بڑی حسرت سے کہا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۔ افسوس! ہماری صبح کی نماز فوت ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ہم شیطان کو اسی طرح برافروختہ کریں گے جس طرح اس نے ہمیں غضبناک کیا ہے۔ حضور نے اس برتن میں جو پانی تھا اس سے خود وضو فرمایا، کچھ پانی بچ گیا۔ حضور نے ابو قتادہ کو فرمایا اِحْتَفِظْ بِمَا فِي الْاَدَوَاتِ وَالرَّكِيَّةِ فَاِنَّ لَهَا شَانًا اے ابو قتادہ! برتن اور پیالے میں جو پانی ہے اس کو سنبھال کر رکھنا ان دونوں برتنوں کی خاص شان ہے۔" پھر سرور عالم ﷺ نے طلوع آفتاب کے بعد ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور نماز میں سورۃ

1۔ ایضاً، صفحہ 666

المائدہ کی تلاوت کی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ اگر لوگ ابو بکر و عمر کی اطاعت کرتے تو ہدایت پاتے۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ جب لشکر نے آرام کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت ابو بکر اور عمر نے کہا کہ چشمہ کے قریب ہم اتر کر آرام کریں، لیکن دوسرے لوگوں نے وہاں اترنے سے انکار کر دیا اور کچھ مسافت طے کرنے کے بعد ایسے جنگل میں اترے جہاں پانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر لشکر کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے اور زوال آفتاب تک ہم لشکر کے ساتھ مل گئے۔ اہل لشکر کی حالت بڑی خستہ تھی۔ پیاس کی شدت اور سفر کی تھکاوٹ کے باعث ان کی اور ان کے سواری کے جانوروں کی گردنیں جھک گئی تھیں۔ حضور نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو ابو قتادہ کو فرمایا کہ وہ پانی والا برتن لے آؤ۔ اس برتن کا پانی پیالہ میں انڈیل دیا گیا۔ حضور نے اپنی مبارک انگلیاں اس پیالے میں رکھ دیں ان انگلیوں سے پانی بہنے لگا۔ یوں معلوم ہوتا تھا گویا پانی کے چشمے ابل رہے ہیں۔ لوگ جن کی شدت پیاس سے نازک حالت تھی، دوڑے آئے پانی پینے لگے یہاں تک کہ سب مجاہدین بھی سیراب ہو گئے اور ان کے علاوہ گھوڑے اونٹ بھی سیراب ہو گئے مگر پانی پھر بھی بچ گیا۔ لشکر اسلام میں اس وقت بارہ ہزار اونٹ تھے۔ بارہ ہزار گھوڑے تھے اور مجاہدین کی تعداد تیس ہزار تھی۔ حضور نے کچھ وقت پہلے ابو قتادہ کو فرمایا تھا کہ ان دونوں برتنوں کو سنبھال کر رکھنا۔ اس ارشاد میں اسی امر کی طرف اشارہ تھا۔

بعض لوگ جو سفر میں شریک نہ تھے لیکن ثواب میں شریک تھے

صحیح بخاری میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے موقع پر جب ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچ گئے تو سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس سفر میں ہمارے ساتھ شریک نہ تھے لیکن وہ ثواب میں ہمارے ساتھ شریک ہیں۔ عرض کی گئی، کیا وہ لوگ مدینہ میں تھے؟ فرمایا کہ وہ لوگ مدینہ میں تھے۔ انہوں نے جہاد پر جانے کی بڑی کوشش کی لیکن غربت و ناداری کے باعث وہ اس سفر پر روانہ نہ ہو سکے۔

ھٰذِہٖ طَابَۃٌ

حضرت امام احمد اور امام بخاری، حضرات جابر، انس اور ابو قتادہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ جب ہم غزوۂ تبوک سے واپسی کے موقع پر مدینہ طیبہ کے قریب

پہنچ گئے۔ ہمیں اس کی عمارتیں نظر آنے لگیں تو حضور نے اس شہر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا هٰذِهٖ طَابَةٌ یعنی یہ پاکیزہ شہر ہے، میرے رب نے مجھے یہاں بسایا ہے۔ یہ شہر اپنے باشندوں سے خبث کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح تار کول لوہے کے زنگار کو دور کرتی ہے۔

حضور کی نظر جب کوہ احد پر پڑی تو فرمایا هٰذَا اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ "یہ احد ایک پہاڑ ہے وہ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔"

صحیح بخاری اور دیگر کتب صحاح میں حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے، آپ نے فرمایا مجھے یاد ہے جس روز رحمت عالم ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے تو میں بچوں کے ساتھ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی پیشوائی کیلئے ثنیۃ الوداع تک آیا تھا۔ جب نبی اکرم ﷺ نے شہر مدینہ میں قدم رنجہ فرمایا تو مدینہ کی عورتیں، بچے اور بچیاں یہ اشعار گاتے ہوئے حضور کا استقبال کرنے کیلئے نکل آئی تھیں اور دوسری پردہ دار خواتین اپنے مکانوں کی چھتوں پر اکٹھی ہو گئیں۔ وہ سب یہ اشعار گا رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ
أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ (1)

نبی رحمت ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے اپنے کاشانہ اقدس میں قدم رنجہ نہ فرماتے بلکہ اللہ کے گھر میں حاضر ہوتے اور دو نفل نماز ادا کرتے۔ اس دفعہ بھی حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کئی ماہ مدینہ طیبہ سے باہر گزارنے کے بعد تشریف لائے تھے۔ حضور حسب معمول پہلے اللہ جل مجدہ کے گھر میں حاضر ہوئے اور دو رکعت نفل ادا کیے۔ جب حضور نفل پڑھنے سے فارغ ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت عباس حاضر ہوئے، عرض کی، یا رسول اللہ! میں نے حضور کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے اجازت ہو تو پیش کروں۔ حضور نے فرمایا قُلْ لَا يَفْضُضِ اللّٰهُ فَاكَ "سناؤ اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو سلامت رکھے۔" آپ نے ایک عظیم الشان قصیدہ اس محفل میں پڑھ کر سنایا جس کی صدارت، صدر بزم کائنات محمد رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے، جس کے سامعین صحابہ کرام کی نوری جماعت تھی اور اس جلسہ کا انعقاد مسجد نبوی کے

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 355

پاکیزہ صحن میں ہو۔ اس قصیدہ کے چند اشعار آپ بھی سماعت فرمائیں تاکہ آپ کو علم ہو جائے کہ شمع جمال مصطفوی کے پروانے کس پیار و محبت سے اپنے محبوب کی ثناخوانی کیا کرتے تھے اور کس عزت واحترام کے ساتھ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے میلاد پاک کا تذکرہ کیا کرتے تھے:

وَأَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ أَشْرَقَتِ الْأَرْضُ   فَضَاءَتْ بِنُوْرِكَ الْأُفُقُ
فَنَحْنُ فِي ذٰلِكَ الضِّيَاءِ وَفِي النُّوْرِ   وَسُبُلَ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ
وَرَدْتَ نَارَ الْخَلِيْلِ مُكْتَتِمًا   فِيْ صُلْبِهِ أَنْتَ كَيْفَ يَحْتَرِقُ (1)

"اے اللہ کے محبوب! جب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تو ساری زمین کا چپہ چپہ روشن ہو گیا اور آسمان کے کنارے بھی آپ کے نور سے جگمگانے لگے۔"

"اور ہم آپ کے اس ضیاء و نور میں ہدایت کے رستوں کو طے کر رہے ہیں۔"

"آپ ابراہیم خلیل اللہ کیلئے بھڑکائی ہوئی آگ میں تشریف لے گئے۔ ان کی صلب میں آپ کا نور تھا۔ آگ کی کیا مجال تھی کہ ان کو جلا سکے۔

مسجد ضرار اور اس کا انہدام

مختلف طرق سے، متعدد جلیل القدر صحابہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ جب ہجرت کر کے قبا تشریف لائے تو بنو عمرو بن عوف کے محلّہ میں قیام فرمایا اور انہوں نے یہاں اپنے قطعہ زمین میں (قبا کی بستی میں) وہ تاریخی مسجد تعمیر کی جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔

جب یہ مسجد تعمیر ہو گئی تو ان لوگوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ حضور تشریف لائیں اور ہماری مسجد کا افتتاح فرمائیں۔ چنانچہ حضور نے وہاں قدم رنجہ فرمایا اور نماز ادا کی۔ بنو عمرو بن عوف کے چچا کے لڑکے بنو غنم بن عوف جو زمرہ منافقین میں سے تھے اور جن کا تعلق ابو عامر فاسق سے تھا، انہوں نے بھی اس مسجد کے قریب ایک مسجد تعمیر کرنے

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 4، صفحہ 51؛ "شرح المواہب اللدنیہ"، جلد 3، صفحہ 84

کا پروگرام بنایا۔ ابو عامر فاسق کا تذکرہ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔ یہ آخر دم تک کفار کے لشکر میں شامل ہو کر اسلام کے خلاف معرکہ آرا ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ہوازن کی جنگ میں کفار کی شکست نے اسے ہمیشہ کیلئے مایوس کر دیا۔ اس نے اپنے حواریوں، بنو غنم بن عوف کو یہ پیغام بھیجا کہ میں یہاں سے سیدھا قیصر روم کے پاس جا رہا ہوں، وہ مستقبل قریب میں اپنے لشکر جرار کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کرے گا اور مدینہ کی بستی کو تہس نہس کر کے رکھ دے گا۔ ان کے نبی اور اس کے مشہور صحابہ کو جنگی قیدی بنا کر اور زنجیروں میں جکڑ کر اپنے ملک شام میں لے جائے گا اور اسلام کا یہ فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دم توڑ دے گا۔ اس اثناء میں اپنی کوششوں کو جاری رکھو، اپنی الگ ایک مسجد بناؤ جہاں تم آزادی کے ساتھ اپنے منصوبوں پر مشورے کر سکو۔ جہاں تک ممکن ہو تم اسلحہ اور قوت تیار کرو۔

جب وہ مسجد تیار کر چکے تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یا رسول اللہ! ہم نے ایک مسجد بنائی ہے تاکہ بیمار اور معذور لوگ اور موسم برسات اور موسم سرما کی تاریک راتوں میں جو لوگ مسجد نبوی میں حاضر نہیں ہو سکتے، وہ یہاں باجماعت نماز ادا کر لیا کریں۔ ہماری دلی آرزو ہے کہ حضور تشریف لائیں، ہمیں نماز پڑھائیں اور ہمارے لئے برکت کی دعا کریں۔

یہ ساری باتیں مکر و فریب پر مبنی تھیں۔ حضور کو دعوت دینے کا مقصد یہ تھا کہ جب سرکار دو عالم ﷺ ان کی مسجد میں قدم رنجہ فرمائیں گے اور نماز ادا کریں گے تو سادہ لوح مسلمان کثرت سے ان کی مسجد کی طرف رجوع کریں گے اور ان کیلئے ان سادہ لوح لوگوں کو اپنے دام فریب میں پھنسا لینا آسان ہو جائے گا۔ ابو عامر کا رابطہ اپنے چیلوں کے ساتھ بدستور قائم رہا۔ اس کے خطوط بھی آتے رہتے تھے اور اس کے نمائندے بھی یہاں آکر اس کی ہدایات سے منافقین کو باخبر کیا کرتے تھے اور یہاں کے حالات اسے جا کر بتایا کرتے۔ یہ لوگ جب دعوت دینے کیلئے حاضر ہوئے تو اس وقت حضور غزوۂ تبوک کی تیاری میں مصروف تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، ہم آمادۂ سفر ہیں۔ بڑی مصروفیت ہے۔ اگر ہم واپس آئے تو ان شاء اللہ میں تمہارے پاس آؤں گا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو منافقوں کی تعمیر کردہ مسجد میں نماز ادا کرنے سے بچا لیا۔

تبوک کی مہم سے فراغت کے بعد رحمت عالم ﷺ واپس تشریف فرما ہوئے تو مدینہ

طیبہ سے ایک گھنٹہ کی مسافت پر ایک گاؤں "ذی اوان" میں نزول فرمایا۔ منافقین کو جب پتا چلا تو وہ حاضر ہوئے اور دوبارہ عرض کی کہ آپ ان کی مسجد میں تشریف لے آئیں اور نماز پڑھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ۔ (1)

"آپ نہ کھڑے ہوں اس میں کبھی۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے پہلے دن سے وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ کھڑے ہوں اس میں۔"

حضور سرور عالم ﷺ نے مالک بن دخشم، معن بن عدی، عامر بن السکن اور وحشی قاتل سیدنا حمزہ کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اس مسجد ضرار کی طرف جائیں جس کے نمازیوں نے ظلم پر کمر باندھی ہوئی ہے، اس کو جا کر گرا دیں اور پھر اسے جلا کر خاکستر کر دیں۔

اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کیلئے یہ چاروں حضرات بڑی سرعت سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ سالم بن عوف کے محلہ میں پہنچ گئے۔ یہ لوگ مالک بن دخشم کے قریبی رشتہ دار تھے۔ مالک نے اپنے ساتھیوں کو کہا میرا انتظار کرو میں ابھی اپنے گھر سے آگ کی مشعل روشن کر کے لاتا ہوں۔ چنانچہ وہ مشعل روشن کر کے لے آئے۔ پھر وہاں سے دوڑ لگائی۔ مسجد ضرار میں داخل ہو گئے۔ پہلے اس کو نذر آتش کیا پھر اس کو گرا کر پیوند زمین کر دیا۔ اس کے بنانے والے سب تتر بتر ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ اس جگہ پر کوڑا کرکٹ، مردار جانور اور بدبودار چیزیں پھینکی جائیں۔ (2)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر اس شخص کو جس نے مسجد ضرار کی تعمیر یا آبادی میں تھوڑا یا زیادہ حصہ لیا، اچھی نظروں سے نہیں دیکھا کرتے تھے۔ آپ نے ایک شخص سے پوچھا تم نے اس مسجد کے بنانے میں کیا حصہ لیا۔ اس نے کہا میں نے ایک ستون دیا ہے۔ حضرت فاروق نے فرمایا:

أَبْشِرْ بِهَا فِي عُنُقِكَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ

1۔ سورۃ التوبہ: 108
2۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 130

"تمہیں خوشخبری ہو کہ جب تم آتش دوزخ میں پھینکے جاؤ گے تو یہ ستون تمہاری گردن میں لٹکا دیا جائے گا۔"

مسجد قبا کے متولیوں نے حضرت فاروق اعظم سے اجازت طلب کی کہ وہ مجمع بن حارثہ کو مسجد قبا کا امام مقرر کرلیں۔ آپ نے فرمایا، کیا یہ شخص مسجد ضرار میں بطور امام نمازیں نہیں پڑھاتا رہا؟ مجمع بن حارثہ یہ بات سن رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی، اے امیر المومنین! مجھ پر فتوی لگانے میں جلدی نہ فرمائیں، بخدا! میں نے اس مسجد میں نماز تو ادا کی لیکن ان منافقین کے دلوں میں جو بغض و عناد پنہاں تھا، اس کے بارے میں قطعاً مجھے علم نہ تھا۔ اگر مجھے علم ہوتا تو میں ہرگز ان کے ساتھ نماز ادا نہ کرتا۔ میں اس وقت نوجوان تھا اور قرآن کریم قرأت کے ساتھ تلاوت کیا کرتا تھا۔ دوسرے لوگ سارے بوڑھے تھے جن کی زبان پر قرآن کریم رواں ہی نہ تھا۔ اس لئے میں ان کے مذموم ارادوں سے بے علمی کے باعث وہاں امامت کراتا رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا یہ عذر قبول فرمایا اور مسجد قبا کا انہیں امام مقرر کر دیا۔(1)

غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے والوں سے ملاقات

ابن عقبہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب مدینہ طیبہ کے نزدیک پہنچے تو وہ لوگ جو اس غزوۂ میں شریک نہیں ہوئے تھے، وہ کثیر تعداد میں ملاقات کیلئے آنے لگے۔ سرور عالم ﷺ نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ ان میں سے کسی سے نہ گفتگو کریں اور نہ ان کے پاس بیٹھیں، جب تک میں اجازت نہ دوں۔ چنانچہ رحمت عالم ﷺ نے بھی ان سے رخ انور پھیر لیا اور مومنین نے بھی ان سے اپنے منہ پھیر لئے یہاں تک کہ اگر بیٹا باپ کے پاس جاتا تو باپ اس کو منہ نہ لگاتا، اگر بھائی، بھائی کے پاس جاتا تو وہ اس کے سلام کا جواب تک نہ دیتا۔ اگر خاوند اپنی بیوی کے پاس جاتا تو وہ اس سے منہ پھیر لیتی۔ کافی دن اسی طرح گزر گئے۔ ان لوگوں پر زمین اپنی فراخی کے باوجود تنگ ہو گئی اور بارگاہ رسالت میں اپنی بیماری، ناداری اور اپنی مصروفیتوں وغیرہا کا بہانہ پیش کر کے معافی کی التجاء کرتے رہے اور قسمیں کھا کھا کر اپنی صداقت کا یقین دلاتے رہے۔ چنانچہ آخر کار رحمت للعالمین ﷺ نے ان پر رحم

1۔ ایضاً، صفحہ 131 و "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 675

فرمایا۔ ان کی نئے سرے سے بیعت لی اور بارگاہ الٰہی میں ان کی مغفرت کیلئے دعا مانگی۔

بغیر عذر کے جو لوگ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے

دس آدمی وہ تھے جو غزوۂ تبوک میں سرکار دو عالم ﷺ کی ہمرکابی کے شرف سے محروم رہے تھے، ایک کا نام ابو لبابہ تھا۔ حضرت قتادہ نے باقی لوگوں کے نام بھی ذکر کئے ہیں۔ ان میں سے جد بن قیس اور جذام بن اوس بھی تھے۔ جب سرکار دو عالم ﷺ غزوۂ تبوک سے بخیریت واپس تشریف لائے تو ان دس میں سے سات نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ وہی جگہ رسول اللہ ﷺ کی گزرگاہ تھی۔ مسجد سے واپسی کے وقت حضور ان کے پاس سے گزرے۔ جب حضور نے انہیں دیکھا، پوچھا یہ کون لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ رکھا ہے؟ عرض کی گئی، یہ تو ابو لبابہ ہیں اور یہ دوسرے ان کے ساتھی ہیں جو غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ عہد کیا ہے کہ یہ اپنے آپ کو نہیں کھولیں گے یہاں تک کہ حضور خود ان کو کھول کر آزاد فرمائیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ نہ میں ان کو کھولوں گا اور نہ میں ان کا عذر قبول کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خود انہیں آزاد کرنے کا حکم دے۔ ان لوگوں نے مجھ سے روگردانی کی ہے اور مسلمانوں کے ساتھ اس غزوۂ میں شرکت سے باز رہے ہیں۔ حضور کا یہ ارشاد انہوں نے سنا تو کہنے لگے ہم خود اپنے آپ کو ہرگز نہیں کھولیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کھولے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (1)

"اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اعتراف کر لیا ہے اپنے گناہوں کا انہوں نے ملا جلا دیئے ہیں کچھ اچھے اور کچھ برے عمل۔ امید ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ان کی توبہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔"

1۔ سورۃ التوبہ: 102

جب یہ آیت نازل ہوئی تو سرور عالم ﷺ نے ایک آدمی کو بھیجا کہ ان کو کھول دے۔ جب یہ شخص ابو لبابہ کے پاس گیا تا کہ انہیں کھول دے تو انہوں نے اسے کھولنے سے روک دیا اور کہا کہ مجھے صرف رسول اللہ ﷺ کھولیں گے، حضور کے سوا اور کسی کو کھولنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ چنانچہ رسول کریم خود تشریف لائے۔ اپنے دست مبارک سے اپنے اسیر گیسوئے عنبریں کو رہا فرمایا۔ یہ لوگ رہا ہونے کے بعد اپنے اپنے گھر گئے اور اپنے سارے اموال اٹھا کر لائے اور حضور کے قدموں میں ڈال دیئے۔ عرض کی یا رسول اللہ! یہ ہمارے اموال ہیں۔ حضور ہماری طرف سے انہیں صدقہ کر دیں اور ہمارے لئے مغفرت کی دعا مانگیں۔ حضور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا، مجھے تمہارے اموال قبول کرنے کا حکم نہیں ہوا، چنانچہ پھر یہ آیت نازل ہوئی:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (1)

"(اے حبیب) وصول کیجئے ان کے مالوں سے صدقہ تاکہ آپ پاک کریں انہیں اور بابرکت فرمائیں انہیں اس ذریعہ سے۔ نیز دعا مانگئے ان کیلئے بیشک آپ کی دعا (ہزار) تسکین کا باعث ہے ان کے لئے۔"

ان دس میں سے تین ایسے تھے جنہوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے نہ باندھا۔ ان کا معاملہ ایک سال تک ملتوی رہا، وہ نہیں سمجھتے تھے کہ ان کو کوئی سزا ملے گی یا ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ چنانچہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَّقَد تَّابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔ (2)

"یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے پیروی کی تھی نبی کی مشکل گھڑی میں اس کے بعد

1۔ ایضاً: 103

2۔ سورہ التوبہ: 117

کہ قریب تھا کہ ٹیڑھے ہو جائیں دل ایک گروہ کے ان میں سے، پھر
رحمت سے توجہ فرمائی ان پر۔ بیشک وہ ان سے بہت شفقت کرنے والا
رحم فرمانے والا ہے۔"

حضرت کعب بن مالک اور ان کے دو ساتھیوں رضی اللہ عنہم کی داستان

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دیگر بہت سے محدثین نے بھی اپنے اسفار جلیلہ میں
اس واقعہ کا تذکرہ حضرت کعب بن مالک کے حوالہ سے کیا ہے، آپ نے کہا:

"میں غزوہ تبوک کے سوا کسی دوسرے غزوہ سے غیر حاضر نہیں ہوا تھا، البتہ
غزوۂ بدر میں بھی میں شامل نہیں تھا لیکن اس غیر حاضری پر اللہ تعالیٰ نے کسی
کو عتاب نہیں فرمایا۔ کیونکہ بدر کی طرف روانگی کے وقت جنگ کا کوئی ارادہ نہ
تھا۔ میں بیعت عقبہ میں بھی شریک ہوا تھا جس رات ہم نے سچے دل سے اسلام
قبول کیا تھا۔ غزوۂ تبوک سے میری غیر حاضری کی تفصیل یوں ہے:
اس وقت میں جسمانی لحاظ سے بھی صحت مند تھا اور مالی لحاظ سے بھی خوشحال
تھا۔ اس طرح کی بدنی صحت اور تونگری مجھے کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اس
وقت میرے پاس سواری کیلئے ایک کے بجائے دو اونٹ تھے۔ سرور عالم ﷺ
نے خلاف معمول اس غزوہ کے بارے میں تمام مجاہدین کو بتایا دیا تھا تاکہ
مسلمان اس کٹھن اور طویل سفر اور کثیر التعداد دشمن سے ٹکر لینے کیلئے پوری
طرح تیاری کر لیں۔ (مجاہدین اسلام کی تعداد امام مسلم کی روایت کے مطابق
دس ہزار سے زائد تھی لیکن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ
نے فرمایا کہ ہم تیس ہزار سے زائد مجاہد اللہ کے محبوب رسول ﷺ کی معیت
میں غزوۂ تبوک کیلئے روانہ ہوئے۔) فخر دو عالم ﷺ اس غزوہ کیلئے اس وقت
روانہ ہوئے جب پھل پکے ہوئے تھے، شدید گرمی تھی، درختوں کے ٹھنڈے
سائے کے نیچے آرام کرنے کے دن تھے اور لوگ اپنے نخلستانوں میں ٹھنڈے
سائے کے نیچے گرمیاں گزار رہے تھے۔ حضور سرور عالم ﷺ اور تمام مجاہدین
نے تیاری کر لی۔ مجاہدین کا لشکر جمعرات کے روز مدینہ طیبہ سے عازم تبوک

ہوا۔ حضور نبی کریم ﷺ جہاد کیلئے یا کسی اور کام کیلئے سفر پر روانہ ہوتے تو اس سفر کا آغاز جمعرات کے دن کرتے۔

صحابہ کرام تیاری میں مصروف تھے، میں بھی صبح کے وقت اسی ارادہ سے گھر سے نکلا تاکہ سفر کیلئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے، ان کو فراہم کروں۔ وہ دن سارا گزر گیا میں دوسرے کاموں میں الجھا رہا، جنگ کیلئے تیاری کی فرصت نہ ملی۔ میں نے سوچا کوئی بات نہیں آج نہیں تو کل تیاری کرلوں گا، ہر چیز میرے پاس موجود ہے۔ چنانچہ دوسرا دن آیا اس روز بھی میں اس نیت سے باہر نکلا کہ جنگ کیلئے تیاری کروں لیکن یہ دن بھی گزر گیا، میں اس سلسلہ میں کچھ بھی نہ کر سکا یہاں تک کہ جمعرات کا دن آ گیا اور رحمت عالم ﷺ اپنے تیس ہزار جانباز مجاہدین کو ہمراہ لے کر تبوک کیلئے روانہ ہوئے۔ پھر بھی میں نے یہ کہہ کر اپنے دل کو بہلایا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، ایک دو دن میں تیاری مکمل کرلوں گا۔ میرے پاس تیز رفتار اونٹ ہیں، ان پر سوار ہو کر لشکر اسلام سے جا ملوں گا۔ لشکر کی روانگی کے بعد بھی کئی دن گزر گئے، میں دوسرے کاموں میں پھنسا رہا لیکن جہاد کیلئے اپنے آپ کو پوری طرح تیار نہ کر سکا۔

تب مجھے یہ خیال آیا کہ اب تو لشکر اسلام بہت دور نکل گیا ہے، اب ان کو جا لینا دشوار ہے۔ چنانچہ میں نے جہاد پر جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اب میں بازار میں نکلتا تو مجھے کوئی سچا مسلمان وہاں نظر نہ آتا یا وہ لوگ ہوتے جو منافقت سے متہم ہیں یا اندھے، بہرے، لولے، لنگڑے لوگوں سے ملاقات ہوتی جن کو اللہ تعالیٰ نے خود معذور قرار دیا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر مجھ پر غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، رحمت عالم ﷺ نے بھی اثنائے سفر مجھے یاد نہ فرمایا یہاں تک کہ تبوک پہنچ گئے، وہاں ایک روز جب حضور صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے تو حضور نے مجھے یاد کرتے ہوئے کہا مَا فَعَلَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ "یعنی کعب بن مالک نے کیا کیا ہے؟" ایک صاحب نے عرض کی یا رسول اللہ اس کو تو اس کی دو قیمتی شالوں نے آنے نہیں دیا۔ ان کو اپنے دونوں کندھوں پر ڈال لیتا ہے اور ان کو اپنے کندھوں پر پھیلا ہوا دیکھتا ہے تو اس میں مگن رہتا ہے۔ اس چیز نے اسے

جہاد میں شرکت سے محروم رکھا۔

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ حَبَسَہٗ بُرْدَاہُ وَنَظْرُہٗ فِیْ عِطْفَیْہِ۔ (1)

"یارسول اللہ! اس کو اپنی چادر نے جو اس نے اپنے کندھوں پر ڈال رکھی تھی اس کے دیکھنے نے روکا ہے۔"

حضرت معاذ بن جبل نے اس شخص کو کہا کہ تم نے بڑی غلط بات کی ہے۔ اے اللہ کے رسول! بخدا! میں تو اس کے متعلق خیر ہی جانتا ہوں۔ پھر حضور نے سکوت فرمالیا۔

حضرت کعب کہتے ہیں کہ دن گزرتے گئے یہاں تک کہ مجھے اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ بخیر وعافیت فتح وکامرانی کے پرچم لہراتے ہوئے واپس تشریف لا رہے ہیں تو غم واندوہ نے مجھے نڈھال کر دیا۔ میں اب ایسا عذر تلاش کرنے لگا جو حضور کی آمد پر اپنے بارے میں خدمت اقدس میں پیش کر سکوں اور ایسے فقرے تیار کر رہا تھا جن کے ذریعہ سے میں معذرت خواہی کروں۔ میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ حضور کے غضب سے میں کس طرح اپنے آپ کو بچاؤں گا۔ اس سلسلہ میں میں نے ہر دانشور سے مشورہ کیا۔ جب مجھے یہ اطلاع ملی کہ سرکار دو عالم ﷺ تو تشریف لا چکے ہیں تو ہر غلط خیال میرے ذہن سے محو ہو گیا اور مجھ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ میں کذب بیانی سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔ میں نے طے کر لیا کہ میں اپنے آقا کی خدمت میں صرف سچی بات کہوں گا، مجھے یہ یقین ہو گیا کہ سچ بول کر ہی میں اس غلطی سے اپنے آپ کو نجات دلا سکتا ہوں۔ چنانچہ وہ دن بھی آیا جب حضور پر نور ﷺ نے مدینہ طیبہ میں نزول اجلال فرمایا۔

یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ حضرت کعب کہتے ہیں کہ حضور کا یہ معمول تھا کہ سفر سے چاشت کے وقت واپس تشریف لاتے۔ پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نفل ادا فرماتے، پھر سب سے پہلے اپنی نور نظر حضرت خاتون جنت کے گھر قدم رنجہ فرماتے، پھر اپنی ازواج مطہرات کو اپنے دیدار کا شرف ارزانی فرماتے، پھر حضور عوام کی ملاقات کیلئے تشریف فرما ہوتے۔

پیچھے رہ جانے والے آئے، قسمیں کھا کھا کر عذر بہانے کرنے لگے۔ ان کی تعداد اسی اور پچاسی کے قریب تھی، جو شخص اس قسم کا عذر پیش کرتا، حضور اس کے عذر کو قبول فرماتے اور پھر بیعت فرماتے اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے۔ ان کی خفیہ نیتوں کو اللہ

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 5، صفحہ 679

کے سپرد کر دیتے۔ پھر میں حاضر خدمت ہوا۔ سلام عرض کیا۔ حضور نے تبسم فرمایا لیکن اس تبسم میں حضور کی ناراضگی جھلک رہی تھی۔ فرمایا، آگے آؤ۔ میں آگے بڑھا اور حضور کے قدمین شریفین کے سامنے بیٹھ گیا۔ حضور نے مجھ سے رخ انور موڑ لیا، میں نے عرض کی، یارسول اللہ! حضور نے اس غلام سے رخ انور کیوں پھیر لیا ہے؟ بخدا! نہ میں منافق ہوں اور نہ میرے دل میں کوئی شک پیدا ہوا اور نہ میں نے اپنا عقیدہ بدلا۔ حضور نے فرمایا، پھر تم جہاد سے کیوں پیچھے رہ گئے؟ کیا تمہارے پاس سواری کیلئے جانور نہیں تھا؟ میں نے بصد ادب عرض کی، بیشک میں نے سواری کا جانور خرید لیا تھا، اگر اس وقت میں کسی دنیادار کے سامنے بیٹھا ہوتا تو آپ دیکھتے کس طرح میں چرب زبانی سے کام لیتا اور اس کا غصہ کافور ہو جاتا اور وہ مجھے ہر قسم کی غلطی سے بری قرار دیتا۔ کیونکہ مجھ میں مناظرہ کا بڑا ملکہ ہے۔ لیکن میں جانتا تھا کہ میں اللہ کے رسول کی بارگاہ میں پیش ہوں، اگر میں نے جھوٹ بولا بھی تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس پر آگاہ کر دے گا اور آپ مجھ پر اور زیادہ ناراض ہوں گے۔ اور اگر میں نے سچی سچی بات کہہ دی تو حضور مجھ پر ناراض تو ہوں گے لیکن مجھے امید ہے میرا رب مجھے معاف فرمادے گا۔ یہ سوچنے کے بعد میں نے عرض کی، یارسول اللہ! سچی بات تو یہ ہے کہ اس غیر حاضری کیلئے میرے پاس کوئی عذر نہیں۔ اس روز جس قدر میں صحت مند اور خوش حال تھا ایسا پہلے کبھی نہ تھا۔ جب حضرت کعب نے یہ گزارش کی تو آقائے دوجہان نے فرمایا اَمَّا هٰذَا فَقَدْ صَدَقَ البتہ اس شخص نے سچی بات کہی ہے۔ فرمایا، تم اب گھر چلے جاؤ یہاں تک کہ تیرے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہو۔ چنانچہ میں کھڑا ہوا اور اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ بنو مسلمہ کے چند آدمی بھی میرے پیچھے چل پڑے۔ انہوں نے مجھے کہا ہمیں علم ہے کہ اس سے پہلے کبھی ایسی غلطی تجھ سے صادر نہیں ہوئی، اگر تم بھی کوئی عذر پیش کر دیتے جس طرح دوسرے پیچھے رہنے والوں نے عذر پیش کئے ہیں تو تجھے بھی معافی مل جاتی اور حضور جب تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت طلب فرماتے تو یہ سارے داغ بھی دھل جاتے۔ میرے قبیلے والے مجھے جھڑکتے رہے، سرزنش کرتے رہے یہاں تک کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں واپس لوٹ جاؤں اور حضور کی بارگاہ میں غیر حاضری کا کوئی عذر لنگ پیش کر دوں۔ پھر سوچا دوگنا ہوں کو ہرگز جمع نہیں کروں گا۔ جہاد میں شرکت سے محروم رہوں اور پھر حضور کی بارگاہ میں جھوٹ بولوں۔ ایسا کرنا میرے لئے ممکن

نہیں۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کوئی اور شخص بھی ہے جس کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا ہو؟ انہوں نے کہا دو آدمی اور ہیں۔ انہوں نے بھی اس طرح عرض کیا جس طرح تو نے عرض کیا۔ ان کیلئے بھی سرکار نے وہی ارشاد فرمایا جو تمہارے لئے ارشاد فرمایا۔ میں نے پوچھا وہ دو کون ہیں؟ مجھے بتایا گیا مرارہ بن ربیع العمری اور ہلال بن امیہ الواقفی۔ دوسرے ساتھیوں کا حال یوں بیان کیا گیا ہے: حضرت مرارہ کا ایک باغ تھا اس کے پھل پکے ہوئے تھے اور خوب بہار دکھا رہے تھے۔ مرارہ نے اپنے دل میں خیال کیا کہ پہلے میں تمام غزوات میں شریک ہوتا رہا ہوں، اگر اس ایک غزوہ میں شریک نہ ہوا تو کوئی حرج نہیں۔ پھر جب نفس نے ملامت کی کہ تم نے کتنی غلطی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب کی ہمرکابی سے محروم رہے ہو تو آپ کی زبان سے یہ جملہ نکلا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُشْھِدُکَ اَنِّیْ قَدْ تَصَدَّقْتُ بِہٖ فِیْ سَبِیْلِکَ "اے اللہ! میں تجھے اس بات پر گواہ بناتا ہوں، جس باغ کی وجہ سے میں تیرے حبیب کی ہمرکابی سے محروم رہا، اس کو تیرے راستہ میں صدقہ کرتا ہوں۔"

دوسرے صاحب-- ہلال بن امیہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت غزوۂ تبوک کیلئے روانگی کا وقت آیا، میرے اہل و عیال ادھر ادھر تھے۔ جب وہ جمع ہوگئے تو میں نے سوچا، اگر اس سال ان کے پاس قیام کروں تو کوئی حرج نہیں لیکن پھر بار ندامت نے مجھے نڈھال کر دیا اور میری زبان سے یہ جملہ نکلا اَللّٰھُمَّ لَکَ عَلَیَّ اَنْ لَّا اَرْجِعَ اِلٰی اَھْلِیْ وَمَالِیْ "یا اللہ! میں تیرے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ جس اہل و مال کی وجہ سے میں اس سعادت سے محروم رہا، اب میں لوٹ کر ان کے پاس ہرگز نہیں جاؤں گا۔"

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ جب مجھے یہ علم ہوا کہ میرے ساتھ دو ایسے آدمی بھی ہیں جو بڑے نیک بھی ہیں اور جنہوں نے غزوۂ احد میں شرکت نہیں کی تھی تو میرے دل کو کچھ اطمینان ہوا، میں ان کی ملاقات کیلئے گیا۔ نبی کریم ﷺ نے سب مسلمانوں کو ہمارے ساتھ گفتگو کرنے سے منع فرما دیا۔ یہ حکم ملتے ہی سب لوگ ہم سے کنارہ کش ہوگئے ان کے چہروں کی رنگت بدل گئی۔ ہم جب بھی باہر نکلتے تو کوئی شخص نہ ہمارے ساتھ کلام کرتا اور نہ سلام کا جواب دیتا۔ وہ بالکل ہمارے لئے اجنبی ہوگئے۔ گویا نہ ہم ان کو پہچانتے ہیں اور نہ وہ ہمیں پہچانتے ہیں حتیٰ کہ اس شہر کے در و دیوار بھی ہمیں اجنبی محسوس ہونے لگے۔ ہمیں یوں خیال آتا تھا کہ یہ مکان، یہ دیواریں اور یہ راستے اس شہر کے نہیں جس میں ہم پیدا

ہوئے تھے اور آج تک زندگی گزارتے رہے ہیں۔ حضرت کعب کہتے ہیں کہ مجھے جو اندیشہ ہلکان کر رہا تھا، وہ یہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس حالت میں میری موت واقع ہو جائے اور حضور پرنور میری نماز جنازہ پڑھانے سے بھی انکار کر دیں۔ اس بے کلی میں پچاس راتیں گزر گئیں۔ میرے دو ساتھی مرارہ اور ہلال تو اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور بغیر رونے کے ان کا کوئی شغل نہ تھا۔ میں چونکہ ان دونوں سے کم عمر اور طاقتور تھا، اس لئے نماز کے بعد میں حضور کی مجلس میں آکر بیٹھتا۔ جب میں آتا تو سلام عرض کرتا، میں تاڑتا رہتا کہ حضور کے لب لعلیں نے جنبش کی ہے یا نہیں۔ پھر میں حضور کے قریب ہی نماز پڑھتا اور چوری چوری حضور کی طرف تکتا رہتا۔ جب میں نماز میں مصروف ہوتا تو حضور میری طرف متوجہ ہوتے۔ جب میں حضور کی طرف متوجہ ہوتا تو حضور اپنا رخ اقدس پھیر لیتے۔ لوگوں کی بے رخی جب کافی طویل ہو گئی تو میں اپنے چچازاد بھائی ابو قتادہ کے گھر کی دیوار پھاند کر اس کے پاس چلا گیا۔ وہ میرا از حد محبوب بھائی تھا۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ بخدا! ابو قتادہ جیسے پیارے بھائی نے مجھے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے انہیں کہا، اے ابو قتادہ! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، کیا تم یہ جانتے ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں؟ ابو قتادہ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے دوبارہ یہ سوال دہرایا اور واسطہ دیا۔ پھر بھی وہ خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ پھر میں نے یہی سوال پوچھا۔ پھر بھی انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہ کی۔ تیسری یا چوتھی بار صرف اتنا کہا اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ "اس بات کو اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔" اس وقت میری آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے، میں واپس آ گیا۔ اسی حالت میں میں مدینہ کے بازار میں چل رہا تھا کہ اچانک شام کے ایک نبطی جو شام سے اشیاء خوردنی لے کر انہیں بیچنے کیلئے مدینہ طیبہ آیا تھا، وہ کہہ رہا تھا۔ تم میں سے کون ہے جو مجھے کعب بن مالک کا پتا بتائے۔ اتنے میں میں وہاں پہنچ گیا۔ لوگ میری طرف اشارہ کر کے اس کو بتا رہے تھے کہ یہ وہ شخص ہے جس کو تم تلاش کر رہے ہو۔ وہ آدمی میرے پاس آیا اور غسان کے بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ "مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تمہارے صاحب نے تم پر جفا کی ہے اور تمہیں اپنے پاس سے نکال دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شہر میں تجھے نہ رکھے جہاں تیرے جیسے شخص کی توہین کی جاتی ہے۔ اگر تو چاہتا ہے تو ہمارے پاس لوٹ آ۔ ہم تیری پوری طرح دلجوئی کریں گے۔" میں یہ خط پڑھ کر بھونچکا سا رہ گیا۔

میں نے سوچا یہ پہلی مصیبت سے بھی بڑی مصیبت ہے کہ اہل کفر و شرک مجھ سے یہ توقع کرنے لگے ہیں کہ میں اتنی سی بات پر اپنے آقا کا دامن چھوڑ کر ان سے آ کر مل جاؤں گا۔ میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ سامنے ایک تنور میں آگ جل رہی تھی۔ میں نے وہاں جا کر اس خط کو اس تنور میں پھینک دیا۔ میں نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بد قسمتی کی شکایت کی کہ یا رسول اللہ! آپ نے مجھ سے رخ انور پھیر لیا ہے۔ اب میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ اہل شرک مجھے اپنے دام تزویر میں پھنسانے کی جرأت کرنے لگے ہیں۔

کعب فرماتے ہیں کہ پہلی پچاس راتوں کے بعد مزید چالیس راتیں گزر گئیں، کیا دیکھتا ہوں۔ اللہ کے رسول علیہ کا قاصد میری طرف آ رہا ہے۔ یہ قاصد خزیمہ بن ثابت تھے اور یہی حضور کا پیغام لے کر حضرت مرارہ اور ہلال کے پاس بھی گئے تھے۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ اس قاصد نے آ کر مجھے پیغام دیا کہ رسول اللہ علیہ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے الگ رہو۔ میں نے پوچھا، کیا حضور نے اسے طلاق دینے کا حکم دیا ہے، اب میں کیا کروں؟ انہوں نے کہا، حضور نے طلاق کا حکم نہیں دیا، صرف ان سے کنارہ کش ہونے کا حکم دیا ہے اور اس کے قریب جانے سے منع فرمایا ہے۔ یہی پیغام حضور نے میرے ان دونوں ساتھیوں کی طرف بھیجا۔ میں نے اپنی بیوی کو بلایا اور اسے کہا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ اور وہیں ان کے پاس رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اس معاملہ میں کوئی فیصلہ فرمائے۔

حضرت کعب کہتے ہیں کہ ہلال بن امیہ کی زوجہ خولہ بنت عاصم بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کی، یا رسول اللہ! میرا خاوند ہلال بن امیہ بہت بوڑھا ہے، اس کے پاس کوئی خادم بھی نہیں، اس کی بینائی بھی کمزور ہو گئی ہے، کیا حضور اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ میں اس کی خدمت کروں؟ فرمایا، نہیں۔ البتہ اسے تمہارے نزدیک آنے کی اجازت نہیں۔ اس نے عرض کی اِنَّہٗ وَاللّٰہِ مَا بِہٖ حَرَکَۃٌ (یا رسول اللہ! خدا کی قسم! اس دن سے جب سے حضور نے اس سے نگاہ کرم پھیری ہے، اس نے رونا شروع کیا ہے اور آج تک زار و قطار رو رہا ہے۔) "اسے تو کسی اور چیز کا ہوش ہی نہیں۔"

کعب کہتے ہیں کہ میرے اہل خانہ میں سے کسی نے مجھے مشورہ دیا کہ تم بھی اپنی بیوی کے بارے میں سرکار دو عالم علیہ سے اذن طلب کر لو۔ جس طرح حضور نے ہلال کی بیوی کو اپنے خاوند کی خدمت کی اجازت دیدی ہے۔ میں نے کہا، خدا کی قسم! اللہ کے پیارے

رسول سے میں تو ہرگز یہ اذن طلب نہیں کروں گا۔ میں جوان آدمی ہوں، اپنا کام کاج خود کر سکتا ہوں۔

اس کے بعد پھر مزید دس راتیں گزر گئیں اور پوری پچاس راتیں ہو گئیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رات کے تیسرے حصہ کے گزرنے کے بعد ہماری توبہ کی قبولیت کے بارے میں اپنے محبوب پر وہ آیات نازل کیں۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو پتا چلا تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا میں کعب بن مالک کو یہ مژدہ نہ سناؤں؟ حضور نے فرمایا لوگ جب یہ سنیں گے تو جوق در جوق یہاں آنا شروع ہو جائیں گے اور ساری رات تمہیں سونے نہیں دیں گے۔

حضرت کعب کہتے ہیں کہ جب پچاسویں رات کی صبح کی نماز میں نے ادا کی تو میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا۔ میری یہ کیفیت تھی کہ میں اپنی جان سے بھی بیزار تھا اور زمین اپنی کشادگی کے باوجود مجھ پر تنگ ہو رہی تھی۔ میں نے سنا کہ جبل سلع کے اوپر کوئی شخص بلند آواز سے یہ منادی کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعب بن مالک کی توبہ قبول کر لی ہے۔ اے کعب! تمہیں خوشخبری ہو۔

ابن عقبہ لکھتے ہیں کہ دو آدمی دوڑ کر آ رہے تھے تاکہ حضرت کعب کو ان کی توبہ کی قبولیت کی خوشخبری سنائیں۔ ایک آگے نکل گیا تو پیچھے رہنے والے نے جبل سلع کی چوٹی پر چڑھ کر یہ اعلان کر دیا۔ آپ کہتے ہیں، میں اسی وقت سجدہ میں گر پڑا اور خوشی کے آنسوؤں کا سیلاب امڈ کر آ گیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے نماز فجر کے بعد اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی توبہ قبول فرمالی ہے۔ لوگ دھڑا دھڑ اپنے بھائیوں کو یہ خوشخبری سنانے کیلئے دوڑ دوڑ کر جارہے تھے۔ حضرت کعب کہتے ہیں، جس کی آواز میں نے سب سے پہلے سنی تھی وہ حمزہ الاسلمی تھے جنہوں نے مجھے بشارت دی تھی۔ میں نے اظہار مسرت کیلئے دونوں کپڑے اتارے اور دونوں کو پہنائے جو مجھے خوشخبری سنانے کیلئے آئے تھے۔ میرے پاس ان دو چادروں کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ میں نے دو چادریں حضرت ابو قتادہ سے عاریۃً لیں انہیں پہنا۔ ہلال بن امیہ کو سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے بشارت دی۔ وہ حد درجہ کمزور ہو گئے تھے۔ کئی کئی روز تک کھانا نہ کھاتے اور صوم وصال رکھا کرتے اور رونے کے بغیر ان کا کوئی کام نہ تھا۔ جس نے مرارہ بن ربیع کو توبہ کی قبولیت کی خوشخبری دی، اس کا نام سلکان

بن سلامہ تھا۔

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ توبہ کی قبولیت کا مژدہ سننے کے بعد میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کیلئے چل پڑا۔ لوگ مجھے راستہ میں فوج در فوج ملتے اور ہدیہ تبریک پیش کرتے یہاں تک کہ میں مسجد شریف میں داخل ہوا۔ وہاں میرے آقا و مولا ﷺ تشریف فرما تھے اور لوگ حضور کے اردگرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر طلحہ بن عبید اللہ اٹھے، دوڑ کر میری طرف آئے، میرے ساتھ مصافحہ کیا اور مجھے مبارکباد دی۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا، حضور نے فرمایا در آں حال کہ حضور کا چہرہ مبارک فرط سرور سے چمک رہا تھا، فرمایا أَبْشِرْ بِخَيْرِ يَوْمٍ مَرَّ عَلَيْكَ مُنْذُ وَلَدَتْكَ أُمُّكَ "جب سے تیری ماں نے تجھے جنا ہے تیری زندگی میں اس سے بہتر کوئی دن نہیں گزرا، تمہیں اس کی مبارک ہو۔" میں نے عرض کی، یارسول اللہ! یہ ارشاد حضور کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ فرمایا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ تم نے اللہ تعالیٰ کے سامنے سچ سچ کہہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تیری تصدیق فرمادی۔ رسول اللہ ﷺ جب خوش ہوتے تو حضور کا رخ انور چاند کی طرح چمکنے لگتا۔ ہم اس نشانی کو دیکھ کر حضور کی قلبی کیفیت کا اندازہ لگالیا کرتے تھے۔ جب میں خدمت اقدس میں مؤدب ہو کر بیٹھ گیا تو میں نے عرض کی، یارسول اللہ! میں اپنی توبہ کی قبولیت کی خوشی میں اپنی ساری جائیداد اللہ اور اس کے رسول کیلئے صدقہ کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا، کچھ مال اپنے پاس رکھ لو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ انہوں نے عرض کی، نصف مال؟ فرمایا نہیں۔ عرض کی تیسرا حصہ؟ فرمایا، ہاں۔ عرض کی خیبر میں جو میرا حصہ ہے وہ اپنے لئے رکھ لیتا ہوں، باقی مال اللہ اور اس کے رسول کیلئے صدقہ کرتا ہوں۔

پھر میں نے گزارش کی کہ سچ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس آزمائش میں سرخرو کیا۔ اب میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہا، سچی بات کہوں گا۔ پھر حضرت کعب نے فرمایا کہ اس دن سے لے کر آج تک میں نے کبھی کذب بیانی نہیں کی اور میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آخر دم تک میری حفاظت فرمائے گا۔

اسی توبہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ

فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (1)

"یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی نیز مہاجرین وانصار پر جنہوں نے پیروی کی تھی نبی کی مشکل گھڑی میں اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ٹیڑھے ہو جائیں دل ایک گروہ کے ان میں سے۔ پھر رحمت سے توجہ فرمائی ان پر۔ بیشک وہ ان سے بہت شفقت کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔"

ان تین حضرات (حضرت کعب، ہلال بن امیہ، مرار بن ربیعہ) کیلئے یہ خصوصی آیت نازل ہوئی:

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا أَنْ لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (2)

"اور ان تینوں پر بھی (نظر رحمت) فرمائی جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی ان پر زمین باوجود کشادگی کے اور بوجھ بن گئیں ان پر ان کی جانیں اور جان لیا انہوں نے کہ نہیں کوئی جائے پناہ اللہ تعالیٰ سے مگر اس کی ذات۔ تب اللہ تعالیٰ ان پر مائل بہ کرم ہوا تاکہ وہ بھی رجوع کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔"

حضرت کعب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی نعمت کے بعد سب سے عظیم نعمت جو مجھ پر کی ہے وہ یہ ہے کہ میں نے اللہ کے رسول کی جناب میں سچ بولا۔ اگر میں نے جھوٹ بولا ہوتا تو میں بھی ان لوگوں کی طرح ہلاک ہو جاتا جنہوں نے جھوٹ بولا تھا۔

کعب کہتے ہیں کہ میری توبہ کی قبولیت کی آیت نازل ہوئی تو میں نے فرط محبت وشوق سے اپنے آقا کے ہاتھ مبارک چوم لئے۔ (3)

1۔ سورہ التوبہ: 117

2۔ ایضاً: 118

3۔ "سبل الہدیٰ" جلد 5، صفحہ 685 و "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 131 و "الاکتفاء"، جلد 2، صفحہ 397 و دیگر کتب سیرت

قبائل عرب کے وفود کی آمد

قبائل عرب کے وفود کی آمد

دعوت توحید کی دلنواز اور روح پرور صدا اکیس بائیس سال سے گونج رہی تھی۔ وہ لوگ جنہیں فطرت سلیمہ کی نعمت سے بہرہ ور کیا گیا تھا، وہ کفر و شرک کی زنجیروں کو توڑ کر ہادی برحق ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور توحید کی شراب طہور سے اپنی تشنگی کا درماں کرتے۔ لیکن اکثر قبائل اپنے گمراہ آباء و اجداد کی اندھی تقلید سے چمٹے ہوئے تھے۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں کہ قریش مکہ کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ قریش حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعمیر کردہ کعبہ کے متولی تھے۔ جزیرۂ نمائے عرب کا ہر قبیلہ ان کی مذہبی سیادت اور قیادت کو تہ دل سے تسلیم کرتا تھا۔ انہوں نے اپنے بارے میں یہ طے کیا ہوا تھا کہ اگر قبیلہ قریش نے اسلام کو قبول کر لیا تو وہ بھی اس دین کو قبول کر لیں گے۔ سنہ 8 ہجری میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو فتح مبین سے سرفراز کیا اور حضور فاتحانہ انداز سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ اس روز قریش مکہ کے اکثر سرکردہ افراد نے سر اطاعت خم کر دیا اور سرور انبیاء کے دست مبارک پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کاملہ اور سید الرسل کی رسالت عامہ پر بیعت کی۔ کعبہ مقدسہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کر دیا گیا۔ وہ فضا جہاں لات و ہبل کی خدائی کے بھجن گائے جاتے تھے، وہاں لا الہ الا اللہ کے رسیلے اور میٹھے نغموں سے سارا مکہ گونجنے لگا تھا۔ قبائل عرب کے اسلام قبول کرنے کے راستہ میں جو آخری چٹان حائل تھی وہ بھی چور چور ہو گئی۔ اب اسلام کا آفتاب عالمتاب اپنی سنہری کرنوں سے ہر تاریک دل کو منور کرنے لگا۔ عرب کے دور دراز خطوں سے قبائل کے وفود کا تانتا بندھ گیا۔ یہ قبائل اپنے معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور نظریاتی پس منظر کے باعث ایک دوسرے سے شدید اختلاف رکھتے تھے۔ ان میں کوئی درشت مزاج تھا اور کوئی نرم خو۔ حاضری کے وقت بعض کے دل اسلام کی عداوت و عناد سے لبریز تھے اور بعض اپنے اندر قبول حق کا جذبہ لے کر حاضر ہوئے تھے۔ کوئی معترض بن کر آیا تھا اور کوئی دعوت حق

کو سمجھنے کیلئے حاضر ہوا تھا۔ کوئی اپنی مادی زندگی کی مشکلات کا حل دریافت کرنے کے لئے آیا تھا تو کوئی اپنی روحانی ترقی کا آرزومند تھا۔ الغرض یہ وفود باہم متصادم خواہشات اور متضاد مطالبات کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تھے لیکن اس ختم المرسلین ﷺ کی بارگاہ رحمت سے کوئی بھی تہی دامن واپس نہیں گیا۔

اس لئے ان وفود کی بارگاہ رسالت میں حاضری اور قبول اسلام سے شرف یابی کے تذکرے ہم سب کیلئے ایمان پرور اور بصیرت افروز ہیں۔ ان کا مطالعہ ہمارے زنگ آلود دلوں کو صیقل کرنے کا باعث بنتا ہے۔ ہمارے کمزور ایمانوں کو مزید تقویت نصیب ہوگی اور اس آیت کریمہ کا صحیح مفہوم ذہن نشین ہوگا۔ ارشاد خداوندی ہے:

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ (1)

"یہ عظیم الشان کتاب ہے ہم نے اتارا ہے اسے آپ کی طرف تاکہ آپ نکالیں لوگوں کو (ہر قسم کی) تاریکیوں سے نور (ہدایت و عرفان) کی طرف ان کے رب کے اذن سے۔"

وفد نجران

ویسے تو نجران کے وفد سے پہلے بھی کئی وفود خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو چکے تھے لیکن ہجرت کے نویں سال جسے عام الوفود (وفدوں کے آنے کا سال) کہا جاتا ہے، اس میں سب سے پہلے حاضری کا شرف نجران کے وفد کو حاصل ہوا۔ اس لئے ان کے ذکر سے عام الوفود کا آغاز کیا جاتا ہے۔

بنو ہوازن کا وفد جعرانہ کے مقام پر حاضر خدمت ہوا تھا۔ بنو ثقیف کا سالار اعلیٰ مالک بن عوف النصری، ہجرت کے آٹھویں سال کے آخر میں حاضر ہوا تھا۔ بنو تمیم کا وفد اپنے رئیس عیینہ بن حصین کی قیادت میں حاضری سے مشرف ہوا تھا۔

نجران، ایک وسیع و عریض علاقہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے یمن کی سمت میں سات مراحل کے فاصلہ پر واقع ہے اور اس وقت اس میں تہتر گاؤں آباد تھے، اور اس میں ایک لاکھ کے

1۔ سورہ ابراہیم: 1

قریب جنگجو جوان موجود تھے۔(1) ان کا قافلہ ساٹھ سواروں پر مشتمل تھا۔

سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی طرف گرامی نامہ ارسال فرمایا جس میں ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ گرامی نامہ ملنے کے بعد یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حضور سرور عالمیاں سے مناظرہ کرنے کی غرض سے مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے۔ اس گرامی نامہ کا متن درج ذیل ہے:

بِسْمِ إِلٰهِ إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ إِلٰى أُسْقُفِ نَجْرَانَ وَأَهْلِ نَجْرَانَ۔ إِنْ أَسْلَمْتُمْ فَإِنِّيْ أَحْمَدُ إِلَيْكُمْ إِلٰهَ إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ۔ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّيْ أَدْعُوْكُمْ إِلٰى عِبَادَةِ اللّٰهِ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ، وَأَدْعُوْكُمْ إِلٰى وِلَايَةِ اللّٰهِ مِنْ وِلَايَةِ الْعِبَادِ، فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَالْجِزْيَةُ، فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَقَدْ اٰذَنْتُكُمْ بِحَرْبٍ۔ وَالسَّلَامُ (2)

"ابراہیم، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کے پروردگار کے نام سے میں اس خط کا آغاز کر رہا ہوں۔ بعد ازاں میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ بندوں کی پرستش کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت کیا کرو اور بندوں کی دوستی کو ترک کر کے اللہ کی دوستی کو اختیار کرو۔ اگر تم اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کرو تو پھر جزیہ ادا کیا کرو۔ اور اگر تم جزیہ ادا کرنے سے بھی انکار کرو تو پھر جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔ والسلام"

جب یہ گرامی نامہ وہاں کے لارڈ پادری کو موصول ہوا اور اس نے اسے پڑھا تو اس پر شدید گھبراہٹ اور اضطراب کی کیفیت طاری ہوئی۔ اس نے اہل نجران میں سے شرحبیل بن وداعہ کو طلب کیا۔ یہ شخص قبیلہ ہمدان کا فرد تھا اور جب کبھی کوئی مشکل مرحلہ پیش آتا تو سب سے پہلے مشورہ کیلئے اس کو طلب کیا جاتا تھا۔ اس کے مقابلہ میں بنو نجران کے تین معروف دانشوروں الایہم السید، ابو حارثہ اور العاقب کی بھی کوئی اہمیت نہ تھی۔ جب شرحبیل

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 6، صفحہ 641

2۔ "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 631 و "سبل الہدیٰ"، جلد 6، صفحہ 640

حاضر ہوا تو لارڈ پادری نے اللہ کے رسول مکرم ﷺ کا گرامی نامہ اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے اسے پڑھا۔ لارڈ پادری نے اسے کہا، اے ابو مریم! بتاؤ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ شرحبیل نے جواب دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل کی اولاد سے نبی مبعوث کرنے کا وعدہ فرمایا تھا، ہو سکتا ہے یہ شخص ہی وہ نبی موعود ہو۔ میں دنیوی معاملات میں تو مشورہ دے سکتا ہوں لیکن نبوت کے باب میں کچھ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ لارڈ پادری نے اس کو بیٹھنے کا حکم دیا، وہ ہٹ کر ایک جگہ پر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد لارڈ پادری نے ایک دوسرے شخص کو بلایا جس کا نام عبداللہ بن شرحبیل تھا۔ اس نے نبی اکرم ﷺ کا گرامی نامہ پڑھا اور وہی رائے دی، جو شرحبیل نے رائے دی تھی۔ لارڈ پادری نے اس کو بھی ایک طرف بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ پھر لارڈ پادری نے ایک اور شخص کو بلایا جس کا نام جبار بن فیض تھا۔ اس کو بھی گرامی نامہ پڑھایا گیا اور اس کی رائے پوچھی گئی۔ اس نے بھی وہی رائے دی جو اس سے پہلے شرحبیل اور عبداللہ دے چکے تھے۔ جب اپنی قوم کے ان تین دانشوروں کی متفقہ رائے پر آگاہ ہوا تو لارڈ پادری نے وادی میں ناقوس بجانے کا حکم دیا۔ وہ ہر مصیبت کے وقت اسی طرح کیا کرتے تھے۔ تمام اہل وادی ناقوس کی آواز سن کر جمع ہوئے۔ اس نے سب کو وہ گرامی نامہ پڑھ کر سنایا اور رائے طلب کی۔ سب نے یہ تجویز پیش کی کہ شرحبیل بن وداعہ ہمدانی، عبداللہ بن شرحبیل، جبار بن فیض الحارثی کو مدینہ طیبہ بھیجا جائے۔ وہاں جا کر حضور سے ملاقات کریں اور پھر واپس آ کر اپنی رپورٹ دیں۔

علامہ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ نجران کے عیسائیوں کا جو وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، وہ ساٹھ شہسواروں پر مشتمل تھا۔ ان میں چودہ ان کے رئیس تھے۔ ان میں سے تین وہ زیرک لوگ تھے جن کی طرف ہر مشکل معاملہ میں رجوع کیا جاتا تھا اور ان کا فیصلہ قطعی تصور کیا جاتا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام عبدالمسیح تھا جو العاقب کے لقب سے ملقب تھا۔ یہ ساری قوم کا امیر اور مشیر تھا۔ اس کی رائے کے بغیر وہ کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ دوسرے کا نام الایہم تھا جو السید کے لقب سے ملقب تھا۔ قافلہ کی آمد و رفت اور قیام و کوچ کا سارا انتظام اس کے سپرد تھا۔ تیسرے کا نام ابو حارثہ بن علقمہ تھا جو بنی بکر بن وائل کا فرد تھا۔

یہی ابو حارثہ نجران کے تمام عیسائیوں کا لارڈ پادری تھا اور ان کا جید عالم اور پیشوا تھا۔ ان کی ساری مذہبی درسگاہوں کا ناظم اعلیٰ تھا۔ شاہان روم نے اس کو بڑے اعزازات دیئے تھے اور اس پر انعام و اکرام کی بارش کر کے اسے رئیس اعظم بنا دیا تھا۔ اس کے لئے انہوں نے جگہ جگہ گرجے تعمیر کر دیئے تھے۔ اس کے علم و فضل میں یگانہ ہونے کے باعث اس پر اپنے اکرام وانعام کی انتہا کر دی تھی۔ (1)

جب یہ وفد مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا تو انہوں نے اپنے سفر کے لباس کو اتارا اور شاندار لباس زیب تن کیا۔ انہوں نے حیرہ کی بنی ہوئی ریشمی خلعتیں پہنیں، سونے کی انگوٹھیاں اپنی انگلیوں میں سجائیں اور رسول کریم ﷺ کی مسجد شریف میں داخل ہوئے۔ اس وقت حضور عصر کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ انہوں نے مسجد نبوی میں داخل ہو کر مشرق کی طرف منہ کیا اور نماز پڑھنی شروع کی۔ بعض صحابہ نے اس سے روکنا چاہا لیکن سرور عالم ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے اطمینان سے اپنے عقیدہ کے مطابق اپنے قبلہ کی طرف منہ کر کے اپنی نماز ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا لیکن حضور نے ان کے سلام کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر انہوں نے سلسلہ گفتگو کا آغاز کرنا چاہا لیکن نبی کریم نے ان سے کوئی بات نہ کی۔ حضور کے اس طرز عمل سے وہ حیرت زدہ ہو گئے۔ یہ لوگ حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے شناسا تھے کیونکہ ان کے درمیان باہمی تجارتی روابط قدیم زمانہ سے تھے۔ یہ لوگ ان دونوں حضرات کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کے نبی نے ہمیں گرامی نامہ تحریر فرمایا۔ ہم اس والا نامہ کو پڑھ کر یہاں حاضر ہوئے لیکن حضور نے نہ ہمارے سلام کا جواب دیا اور نہ ہمارے ساتھ گفتگو کی۔ اب ہم آپ سے مشورہ طلب کرتے ہیں کہ ہم کیا کریں؟ ان دونوں حضرات نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا۔ رمز شناس نبوت نے فرمایا، انہیں کہو کہ یہ ریشمی اور زرنگار قبائیں اتار دیں، سونے کی انگوٹھیاں انگلیوں سے نکال دیں اور اپنے سفر کا سادہ لباس پہن کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوں۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا علی مرتضیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے سادہ لباس پہنا اور حاضر خدمت ہو کر سلام عرض کیا تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے

1۔ "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1129

سلام کا جواب دیا۔ اور ان سے گفتگو شروع کی۔ رسول کریم علیہ السلام نے آیات قرآنی تلاوت فرما کر انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگے کہ ہم تو آپ کی آمد سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ حضور نے فرمایا، تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تین چیزیں تمہیں اسلام قبول کرنے سے روک رہی ہیں۔ تم صلیب کی عبادت کرتے ہو، خنزیر کھاتے ہو اور یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا ایک بیٹا بھی ہے۔

امام ابو زہرہ فرماتے ہیں کہ ابو حارثہ حضور کریم کی جلوت و خلوت میں بڑی تعظیم و تکریم کیا کرتا تھا۔ جب ابو حارثہ حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے روانہ ہوا تو خچر پر سوار تھا اور اس کے ساتھ اس کا بھائی جس کا نام کرز بن علقمہ تھا، وہ اپنے خچر پر سوار ہو کر جا رہا تھا۔ ابو حارثہ کا خچر ایک دفعہ پھسلا تو اس کے بھائی نے کہا تَعِسَ الْاَبْعَدُ "جو دور ہے وہ ہلاک ہو۔" اس سے وہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ ابو حارثہ یہ گستاخانہ جملہ سن کر ضبط نہ کر سکا۔ اس نے کہا تَعِسْتَ اَنْتَ 'تو ہلاک و برباد ہو۔' بخدا! یہ ہستی تو اللہ کا نبی ہے۔ جس کے لئے ہم صدیوں سے چشم براہ ہیں۔ اس کے بھائی نے یہ جملہ سنا تو ابو حارثہ کو کہا کہ بھئی! جب ان کے بارے میں تمہارا یہ عقیدہ ہے تو پھر ان کی اطاعت کیوں قبول نہیں کرتے۔ ابو حارثہ نے کہا، تم کو علم نہیں ہے کہ روم کے شہنشاہوں نے ہمیں کن اعزازات سے نوازا ہے اور کس طرح سونے چاندی کے ڈھیر ہمارے قدموں میں لگا دیئے ہیں اور ہمیں عزت و شرف کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز کیا، یہ شاہان روم اس نبی کو ماننے کیلئے تیار نہیں اور اگر ہم اس کی اطاعت قبول کر لیں تو ہم سے یہ سارے اعزازات واپس لے لئے جائیں گے، ہمیں سونے اور چاندی کے ان انباروں سے محروم کر دیا جائے گا، اس کے لئے ہم تیار نہیں۔

کرز نے اپنے بھائی ابو حارثہ کی جب یہ بات سنی تو اس کے دل میں گھر کر گئی اور کچھ عرصہ بعد اس نے حضور نبی کریم علیہ السلام کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کر لی۔ (1)

ایک روایت میں ہے کہ نجرانی وفد کے ایک رکن نے کہا اَلْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ "مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے" کیونکہ ان کا کوئی باپ نہیں۔ دوسرے نے کہا کہ مسیح خدا ہے، کیونکہ اس نے

1۔ ایضاً و "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 630

مردوں کو زندہ کیا، غیب کی خبریں بتائیں، لاعلاج بیماروں کو ان کی بیماریوں سے شفایاب کیا اور مٹی کے کیچڑ سے پرندہ بنا کر اسے زندہ کر کے محو پرواز کر دیا۔ کیا ان کمالات کے باوجود آپ انہیں عبد (بندہ) کہتے ہیں؟ پیغمبر اسلام ﷺ نے کسی جھجک کے بغیر یہ اعلان فرمایا هُوَعَبْدُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗٓ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں اور یہ اس کلمہ "کُن" سے پیدا ہوئے جو سارے انسانوں کے خالق نے حضرت مریم میں پھونکا تھا۔" یہ سنتے ہی وہ غصہ سے بھڑک اٹھے، کہنے لگے کہ ہم اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ انہیں خدا نہ کہیں۔ اگر آپ سچے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام بندے ہیں تو ہمیں کوئی ایسا بندہ دکھایئے جس نے مردوں کو زندہ کیا ہو۔ مادر زاد اندھے یا کسی کوڑھی کو شفایاب کیا ہو۔ یا کیچڑ سے پرندہ بنا کر اسے زندہ کر کے اڑایا ہو۔ ان کی ان ہرزہ سرائیوں کے جواب میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے سکوت اختیار فرمایا۔ فوراً جبرئیل امین یہ آیات لے کر حاضر ہوئے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (1)

"بیشک کافر ہو گئے وہ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ مسیح بن مریم ہی تو ہے حالانکہ کہا تھا خود مسیح نے اے بنی اسرائیل! عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ یقیناً جو بھی شریک بنائے گا اللہ کے ساتھ تو حرام کر دی ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا آگ ہے اور نہیں ظالموں کا کوئی مددگار۔

بیشک کافر ہو گئے وہ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تیسرا ہے تین (خداؤں)

1۔ سورۃ المائدہ: 72-73

سے اور نہیں ہے کوئی خدا مگر ایک اللہ -- اور اگر باز نہ آئے تو اس (قول باطل) سے جو وہ کہہ رہے ہیں تو ضرور پہنچے گا جنہوں نے کفر کیا ان میں سے، دردناک عذاب۔"

پھر انہوں نے پوچھا کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں تاکہ ہم اپنی قوم کے پاس واپس جا کر آپ کی رائے سے انہیں آگاہ کریں۔ حضور نے فرمایا کہ اس سوال کے جواب کیلئے آج کا دن میرے پاس قیام کرو تاکہ میں تمہیں اس سوال کا جواب دوں۔

جب دوسرا دن ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۔ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ۔ (1)

"بیشک مثال عیسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی مانند ہے، بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جا، تو وہ ہو گیا۔ (اے سننے والے) یہ حقیقت کہ عیسیٰ انسان ہیں تیرے رب کی طرف سے بیان کی گئی ہے۔ پس تو نہ ہو جا شک کرنے والوں سے۔"

اس کے باوجود وہ اپنی ضد پر اڑے رہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ ان عقل کے اندھوں کو مباہلہ کا چیلنج دیں۔ چنانچہ یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۔ (2)

"پس جو شخص جھگڑا کرے آپ سے اس بارے میں اس کے بعد کہ آ گیا آپ کے پاس (یقینی) علم تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو

1۔ سورہ آل عمران: 59-60

2۔ ایضاً: 61

بھی۔ اپنے آپ کو اور تم کو۔ پھر بڑی عاجزی سے (اللہ کے حضور) التجاء کریں۔ پھر بھیجیں اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر۔"

اس آیت کے نزول کے بعد رحمت عالمیاں نے فرمایا، میرے خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر اتنی وضاحتوں کے باوجود تم باطل پر اڑے رہو تو آؤ میرے ساتھ مباہلہ کرو۔ دونوں فریق میدان میں نکل کر بڑی عاجزی سے بارگاہ الٰہی میں دعا مانگیں کہ جو جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو تباہ و برباد کر دے۔ یہ سن کر وہ بولے ہمیں اس معاملہ میں غور و فکر کرنے کی مہلت دیجئے۔ حضور نے مہلت عطا فرمائی۔ وہ خلوت میں مشورہ کرنے کیلئے جمع ہوئے۔ ان میں سے بعض نے مشورہ دیا کہ تم خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور جب کوئی قوم اللہ کے رسول سے مباہلہ کرتی ہے تو اس کو تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک فرد باقی نہیں رہتا۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ بے جا ضد ترک کر دو اور ان پر ایمان لے آؤ اور اگر تم اپنے مذہب کو کسی قیمت پر چھوڑنے کیلئے تیار نہیں تو پھر ان سے صلح کر لو اور اپنے وطن واپس لوٹ جاؤ۔

دوسرے روز صبح سویرے خداوند ذوالجلال کے نبی برحق محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ حضور کے ہمراہ حسنین کریمین، ان کی والدہ محترمہ حضرت خاتون جنت، اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم جیسی برگزیدہ ہستیاں تھیں۔ ان کے نورانی اور پر جلال چہروں کو دیکھ کر ان کا لارڈ پادری چیخ اٹھا اور کہنے لگا کہ مجھے ایسے چہرے نظر آ رہے ہیں کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں کہ اس پہاڑ کو یہاں سے ہٹا دے تو اللہ تعالیٰ اس پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ چنانچہ انہوں نے مباہلہ کا چیلنج قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر وہ اس روز میرے ساتھ مباہلہ کرتے تو اسی وقت ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا جاتا۔ نیز ان کی ساری وادی کو مع اس کے جملہ مکینوں کے صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا۔

آخر کار انہوں نے مصالحت کی درخواست پیش کی جو سرور کائنات نے قبول فرمائی۔

اہل نجران نے بطور جزیہ ایک ہزار جوڑے پوشاک ماہ صفر میں اور ایک ہزار جوڑے پوشاک ماہ رجب میں مع کچھ مقدار چاندی ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے صلح نامہ لکھ

کر انہیں دیدیا۔ یہ معاہدہ اپنی مکمل شکل میں "الوثائق السیاسیۃ" مرتبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مطبوعہ دار النفائس بیروت کے صفحات 175-179 پر موجود ہے۔

وفد ابو تمیم الداری

ابو تمیم الداری اور اس کا بھائی نعیم اپنے قبیلہ کے چار دیگر افراد کے ہمراہ بارگاہ رسالت مآب علیہ السلام میں حاضر ہوا۔ اس سے پہلے وہ نصرانیت کے پیرو تھے۔ رخ انور کو دیکھ کر سب کے سب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں بھی یہ حاضری کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ لیکن ایمان لانے کی سعادت انہیں دوسری ملاقات کے بعد نصیب ہوئی۔ پہلی مرتبہ جب یہ مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کی کہ ملک شام سے انہیں ایک قطعہ زمین عطا فرمایا جائے۔ اس کریم نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا سَلُوْا حَيْثُ شِئْتُمْ "جہاں سے تمہاری مرضی ہے زمین کا قطعہ مانگو۔" تمہیں عطا کیا جائے گا۔ اس وفد کے ایک رکن ابو ہند نے بیان کیا کہ ہم مشورہ کرنے کیلئے اٹھ آئے۔ ابو تمیم نے رائے دی کہ ہم حضور سے بیت المقدس اور اس کے گردونواح کا علاقہ طلب کریں۔ ابو ہند نے اس رائے سے اختلاف کیا۔ اس نے کہا، یہ مرکزی مقام ہے، پہلے یہاں عجم کے بادشاہوں کا قبضہ تھا، اب یہاں عرب کے سلاطین اپنا مرکز بنائیں گے، وہاں ہمارا رہائش پذیر ہونا مشکل ہوگا۔ ابو تمیم نے یہ بات سن کر ایک دوسرے خطہ کا نام لیا۔ اس نے کہا ہم حضور سے اپنے لئے بیت جیرون کے گردونواح کے علاقہ کے بارے میں درخواست کریں گے۔ چنانچہ ہم سب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور اپنی گزارش پیش کی۔ حضور نے ازراہ شان کریمی ہماری یہ گزارش قبول فرمائی۔ چمڑے کا ٹکڑا منگوایا اور اس پر ہمیں لکھ دیا۔ سرکار دوعالم علیہ السلام کی دستاویز گرامی کے الفاظ:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ هٰذَا كِتَابٌ ذُكِرَ فِيْهِ مَا وَهَبَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لِلدَّارِيِّيْنَ إِذَا أَعْطَاهُ اللّٰهُ الْأَرْضَ وَهَبَ لَهُمْ بَيْتَ عَيْنُوْنَ وَجَيْرُوْنَ وَالْمَرْطُوْمِ وَبَيْتَ إِبْرٰهِيْمَ إِلَى الْأَبَدِ شَهِدَ عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَخُزَيْمَةُ بْنُ قَيْسٍ وَ

شُرَحبِیلُ بنُ حَسَنَۃَ۔ (1)

"یہ وہ تحریر ہے جس میں محمد رسول اللہ ﷺ نے دارین کو جو جاگیر عطا فرمائی ہے وہ ذکر کی گئی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو یہ سرزمین عطا فرمائے گا تو حضور دارین کو بیت عینون، جیرون، مرطوم اور بیت ابراہیم کے علاقے عطا فرمائیں گے اور یہ عطیہ تا ابد ہوگا۔ اس تحریر پر حضرت عباس بن عبدالمطلب، خزیمہ بن قیس، شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بطور گواہ دستخط کئے۔"

حضور نے یہ دستاویز انہیں عطا فرمائی اور حکم دیا اب تم اپنے وطن واپس چلے جاؤ اور جب تم کو یہ پتا چلے کہ میں مکہ سے ہجرت کر کے چلا گیا ہوں تو تم میرے پاس آنا۔ چنانچہ حضور کی ہجرت کے بعد یہ لوگ پھر مدینہ طیبہ میں حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے اس دستاویز کی تجدید کیلئے گزارش کی۔ چنانچہ اسی مضمون کا ایک نیا عہد نامہ تحریر فرما کر انہیں عطا فرمایا۔ اور اس پر بطور گواہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان ذوالنورین، سیدنا علی بن ابی طالب اور حضرت امیر معاویہ نے اپنے دستخط ثبت کئے۔

وفد کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ

فتح مکہ کے ضمن میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

وفد ثقیف

حضور نبی رؤف رحیم ﷺ ماہ رمضان المبارک میں تبوک کے طویل اور کٹھن سفر سے مراجعت فرمائے مدینہ طیبہ ہوئے۔ اسی ماہ سعید میں بنو ثقیف کا وفد بھی حاضر خدمت اقدس ہوا۔

آپ ابھی پڑھ آئے ہیں کہ بعض مصلحتوں کے پیش نظر حضور سرور عالم ﷺ نے طائف کا محاصرہ اٹھا لیا اور مدینہ طیبہ کو روانہ ہوئے۔ عروہ بن مسعود ثقفی، حضور کی زیارت سے مشرف ہونے کی نیت سے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی راستہ

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 15 و "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 335

میں ہی تھے کہ حضرت عروہ کو شرف نیاز حاصل ہوا اور ہادی بر حق کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کی سعادت حاصل کی۔ ان کا اجازت لے کر طائف لوٹنا، اپنی قوم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا اور اپنی قوم کے تیروں سے گھائل ہو کر مرتبہ شہادت پر فائز ہونا--ان کی تفصیلات آپ مطالعہ کر چکے ہیں۔

بنو ثقیف، حضرت عروہ کو شہید کرنے کے بعد کئی ماہ تک اپنے کفر سے چمٹے رہے لیکن دل ہی دل میں وہ یہ سوچ کر ہلکان ہوئے جاتے تھے کہ ان کے شہر کے گردونواح میں اسلام کا نور پھیل چکا تھا۔ وہاں کے مکینوں کی اکثریت صدق دل سے اسلام قبول کر چکی تھی۔ اب ان کے لئے کوئی چارہ نہیں رہا تھا کہ وہ دامن مصطفوی کو صدق لے سے تھام لیں۔ چنانچہ انہوں نے عبدیالیل اور اس کے ہمراہ پانچ دیگر افراد کا ایک وفد مدینہ طیبہ روانہ کیا۔ بعض اصحاب سیر نے اس وفد میں شرکاء کی تعداد انیس بتائی ہے جن میں بنو ثقیف کے بہت سے رؤساء بھی شامل تھے۔ عبدیالیل، شرحبیل بن غیلان، کنانہ بن عبدیالیل اور عثمان بن ابی العاص جیسی ہستیاں بھی شریک تھیں۔ جب یہ وفد مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا اور انہیں مغیرہ بن شعبہ ثقفی نے دیکھ لیا تو وہ تیز رفتاری سے روانہ ہوا تاکہ سب سے پہلے اپنے آقا علیہ السلام کو ثقیف کی آمد کا مژدۂ جانفزا سنائیں۔ راستہ میں ان کی ملاقات حضرت صدیق اکبر سے ہوگئی۔ آپ نے حضرت مغیرہ کو واسطہ دیا کہ وہ انہیں مژدہ جانفزا سرورِ عالم ﷺ کو سنانے کا موقع دیں۔ آپ مان گئے۔ صدیق اکبر نے آگے بڑھ کر اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ مژدۂ جانفزا سنایا۔ آپ خود اندازہ لگایئے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ کو ان کی آمد پر کتنی قلبی مسرت ہوئی ہوگی۔ وہ سرکش قبیلہ جسے دس بارہ ہزار کا اسلامی لشکر مسخر نہ کر سکا، اللہ تعالیٰ کے حبیب کی دعا کی کمند، انہیں کشاں کشاں بارگاہ رسالت میں لے آئی۔

حضرت مغیرہ، مدینہ طیبہ سے واپس بنو ثقیف کے پاس آئے تاکہ انہیں بارگاہ نبوت کی حاضری کے آداب سے آگاہ کریں اور انہیں سلام عرض کرنے کا سلیقہ سکھائیں۔

جب یہ وفد بارگاہ رسالت کی حاضری سے مشرف ہوا تو ان کی رہائش کیلئے مسجد نبوی شریف کے ایک کونے میں خیمہ نصب کر دیا گیا تاکہ وہ قرآن کریم سنیں اور مسلمانوں کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھیں۔ وہ ہر صبح بارگاہ اقدس میں حاضر ہوتے اور فیضان صحبت سے فیض یاب ہوتے۔ وہ اپنے سامان کی حفاظت کیلئے عثمان بن ابی العاص کو چھوڑ آتے۔ جب یہ

لوگ اپنی اقامت گاہ پر واپس آتے تو کمسن عثمان بن ابی العاص، بارگاہ اقدس میں حاضر ہو جاتا اور سرکار دو عالم ﷺ سے قرآن کریم پڑھتا۔ اس کمسنی کے عالم میں اس کے قرآن پڑھنے کے شوق کو حضور بہت پسند فرماتے اور خوش ہوتے۔ اگر کسی وقت نبی کریم ﷺ استراحت فرما ہوتے تو یہ شوقین طالب علم حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر ہوتا اور علم سیکھتا۔ یہی عثمان بیان کرتے ہیں کہ اس مدت قیام میں، میں نے سورۃ البقرۃ یاد کرلی۔

ایک دن میں نے عرض کی، یارسول اللہ! میں قرآن کریم یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن بھول جاتا ہوں۔ قرآن میرے دل میں نہیں ٹھہرتا۔ میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا اور فرمایا یَا شَیْطَانُ اُخْرُجْ مِنْ صَدْرِ عُثْمَانَ ”اے شیطان! عثمان کے سینہ سے باہر نکل جا۔“ آپ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے کبھی نسیان نہیں ہوا۔ عثمان کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے عرض کی، یارسول اللہ! اپنے اللہ سے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دین کا فہم عطا فرمائے اور علم کی دولت سے میرے سینے کو معمور کردے۔ سرکار نے پوچھا، عثمان! تم نے کیا کہا؟ میں نے اپنی التجاء دہرائی تو حضور نے فرمایا تم نے مجھ سے ایسی چیز مانگی ہے جو تیرے ساتھیوں میں سے کسی نے نہیں مانگی۔ پھر فرمایا اِذْهَبْ وَاَنْتَ اَمِیْرٌ عَلَیْهِمْ ”جاؤ میں نے تمہیں ان کا امیر بنادیا ہے۔“

وفد کی واپسی

اہل وفد نے گزارش کی کہ ہمارے لئے کسی کو امیر مقرر فرمائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عثمان بن ابی العاص کو ان کا امیر مقرر فرمادیا۔ کیونکہ ان کا علم حاصل کرنے کا شوق نرالا تھا۔ انہیں امیر مقرر کرتے ہوئے خصوصی تاکید فرمائی کہ جب نماز میں امامت کراؤ تو بہت لمبی قرأت نہ کرنا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد بنو ثقیف نے درخواست کی کہ ہمیں نماز پڑھنے سے مستثنیٰ کیا جائے۔ ہادی برحق ﷺ نے فرمایا لَا خَیْرَ فِیْ دِیْنٍ لَا صَلٰوةَ فِیْهِ ”اس دین میں کوئی خیر نہیں جس میں نماز نہ ہو۔“ بنو ثقیف نے ایک اور التجاء کی کہ انہیں زنا، ربا اور مے خواری سے منع نہ کیا جائے۔ سرور عالم ﷺ نے ان کی اس لغو درخواست کو بھی مسترد کردیا۔

روانگی سے پہلے انہوں نے ایک اور بیہودہ مطالبہ کیا۔ ان کے آباء واجداد صدیوں سے

"لات" کے صنم کی پوجا کرتے چلے آئے تھے۔ اس کی الوہیت کا تقدس ان کے قلوب و اذہان پر چھایا ہوا تھا۔ انہیں یہ خدشہ تھا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کہیں اس کو دیگر اصنام کی طرح پاش پاش کرنے کا حکم صادر نہ فرمائیں۔ پیش بندی کرتے ہوئے وہ عرض پیرا ہوئے کہ تین سال تک ان کے قدیم معبود لات کو یوں ہی رہنے دیا جائے، اس کو گرایا نہ جائے۔ لیکن توحید باری تعالیٰ کے سچے علمبردار نے ان کی اس درخواست کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے صاف صاف فرمادیا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس کو بھی دوسرے بتوں کی طرح ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ پھر انہوں نے اپنے تین سال کے مطالبہ میں خود تخفیف کرنا شروع کر دی کہ تین سال نہیں تو دو سال تک اسے کچھ نہ کہا جائے۔ حضور کے انکار پر ایک سال کی مدت طلب کی۔ پھر مہینوں تک اسے کچھ نہ کہنے کی التجاء کی۔ آخر ایک ماہ تک اسے اپنے حال پر رہنے کی التجاء کی۔ اس وفد کے سارے ارکان نے تو اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کا رشتہ عبودیت ہمیشہ ہمیشہ کیلئے معبودان باطل سے کٹ کر اپنے معبود برحق کے ساتھ قائم ہو چکا تھا۔ یہ گزارشات وہ اپنے لئے نہیں کر رہے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ان کی قوم کے دیگر افراد آہستہ آہستہ اسلام کو قبول کر لیں۔ اگر اچانک انکے اس قدیم معبود کو ریزہ ریزہ کر دیا گیا تو ان کے دلوں پر سخت چوٹ پڑے گی۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اسلام سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے برگشتہ ہو جائیں۔ اپنی قوم کے نادانوں، عورتوں اور کمسن بچوں کیلئے وہ یہ مراعات طلب کر رہے تھے۔ لیکن ان کا واسطہ کسی سیاسی لیڈر یا فوجی جرنیل سے نہ تھا جو بعض مصلحتوں کے پیش نظر اپنے مقصد حیات سے دستبردار ہونا گوارا کر لے۔ ان کا واسطہ اللہ تعالیٰ کے ایک راست باز بندے اور اس کے سچے رسول سے تھا جو اپنے عظیم مقصد سے کسی قیمت پر اعراض نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ حبیب رب العالمین نے ان کے ان تمام بے ہودہ مطالبات کو مسترد کر دیا۔

بفرض محال اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی بڑی سے بڑی مصلحت کے پیش نظر اسلام کے بنیادی عقائد اور نظام عبادات میں ذرہ برابر ردوبدل قبول کر لیتے تو آج تک ہر عہد میں نمودار ہونے والے روح اسلام سے بے بہرہ مجتہدین کی تراش خراش سے اسلام کا حلیہ تک بگڑ گیا ہوتا۔

مدینہ طیبہ سے روانہ ہونے سے پہلے بنو ثقیف کے دانشوروں نے طرح طرح کی مراعات

حاصل کرنے کی کوششیں کیں جو ناکامی کی نذر ہو گئیں۔ اب انہوں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ وہ اپنی قوم کے پاس کیا منہ لے کر جائیں گے۔ ان کے ایک رئیس کنانہ بن عبدیالیل نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ میں تم سب سے زیادہ اپنے قبیلہ ثقیف کی نفسیات سے باخبر ہوں۔ ان پر اپنے اسلام قبول کرنے کا راز افشاء نہ کرنا۔ جب تمہاری اپنے قبیلہ والوں سے ملاقات ہو تو انہیں بتائیں کہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم سے بڑے مشکل اور دشوار امور کا مطالبہ کیا لیکن ہم نے ان کا کوئی مطالبہ تسلیم نہیں کیا۔ انہوں نے ہمیں کہا کہ ہم لات کا صنم منہدم کر دیں۔ نیز ہم سے یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ ہم زنا، شراب اور سود کو ترک کر دیں۔ ہم نے انہیں صاف صاف بتا دیا کہ ہم آپ کے ان احکام کی تعمیل کیلئے ہرگز تیار نہیں۔ یہ طے کرنے کے بعد وہ اپنے وطن روانہ ہوئے۔

جب طائف پہنچے تو ان کی قوم ان کے اردگرد جمع ہو گئی تا کہ جملہ حالات سے آگاہی حاصل کریں۔ اہل وفد نے انہیں بتایا کہ ہم مدینہ گئے تھے۔ وہاں جس شخص سے ہمارا واسطہ پڑا وہ بڑا خودسر اور درشت مزاج آدمی تھا۔ اس نے تلوار کے زور سے سارے علاقہ پر غلبہ حاصل کر لیا ہے۔ سب لوگوں نے اب ان کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ اس نے بڑے مشکل امور کو تسلیم کرنے کا ہم سے مطالبہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تمہیں نماز پڑھنا ہو گی، تمہیں بدکاری اور سود خوری سے توبہ کرنا ہو گی۔۔ تمہیں شراب کو چھوڑنا پڑے گا اور اپنے معبود لات کو اپنے ہاتھوں سے ٹکڑے ٹکڑے کرنا پڑے گا وغیرہ وغیرہ۔ ہم ان کے ان مطالبات کو تسلیم کرنے کیلئے کسی قیمت پر تیار نہیں۔ ہمارے لئے اب جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا۔ اٹھو! اپنے ہتھیار سنبھالو اور جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔

فصیل کے قابل مرمت جگہوں کی مرمت کا کام آج ہی شروع کر دو۔ چنانچہ سب لوگ آخر دم تک لڑنے کا عزم مصمم کر کے جنگ کیلئے تیاریاں کرنے کے ارادہ سے اپنے اپنے گھروں کو لوٹے۔ دو تین روز تک تو لڑ مرنے، جان کی بازی لگا دینے کا جوش اپنے جوبن پر رہا۔ جس کو دیکھو وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے نعرے لگا رہا ہے۔ کوئی اپنی زرہ مرمت کر کے اسے صاف کرنے میں مصروف ہے، کوئی اپنی تلوار کی دھار کو تیز کر رہا ہے، کوئی اپنی نیزوں کی سنانوں کو چمکا رہا ہے، کوئی اپنی کمانوں کے چلّے اور تیروں کے پیکان درست کرنے میں مصروف ہے۔ لیکن چند روز بعد یہ مصنوعی جوش و خروش صابن کی جھاگ کی طرح بیٹھ

گیا، تلخ حقیقتیں آہستہ آہستہ اپنے رخ سے نقاب سرکانے لگیں۔ مسلمانوں کی جس بے نظیر شجاعت واستقامت کا مشاہدہ چند روز پہلے انہوں نے حنین کے میدان جنگ میں کیا تھا، اس کا خیال کر کے ان پر کپکپی طاری ہونے لگی۔ انہیں خوب یاد تھا کہ طائف کی جنگ میں مسلمانوں نے انہیں بار بار دعوت مبارزت دی تھی لیکن ان میں سے کوئی بھی تو اس دعوت کو قبول کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ اگر طائف کی فصیل آڑے نہ آتی تو مجاہدین اسلام کا سیل رواں ان کو تنکوں کی طرح بہا کر لے جاتا۔

اب انہیں پھر اسلام کے ان بہادروں سے ٹکر لینا ہوگی جو موت سے نہیں ڈرتے بلکہ راہ حق میں جان دینے کی تمنا ان کی زندگی کی حسین ترین تمنا ہے۔ شمع جمال مصطفوی کے ان دل باختہ پروانوں سے ان کا مقابلہ ہوگا جو صرف آگے بڑھنا جانتے ہیں پیچھے ہٹنے کا تو ان کے ہاں کوئی تصور ہی نہیں۔ چند روز کی پس و پیش کے بعد وہ یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگئے کہ ہم غلامان مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والثناء سے جنگ آزما ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ انہوں نے اپنے وفد کے ارکان کو مجلس مشاورت میں شمولیت کی دعوت دی۔ جب قوم کے سارے رؤساء اور دانشور جمع ہوگئے تو لوگوں نے کہا کہ ہم مسلمانوں سے جنگ کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ تم واپس جاؤ اور جو حکم وہ دیں، اس کو فوراً قبول کر لو۔

اب وفد کے ترجمان نے حقیقت حال کا اظہار کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ جو احکام انہوں نے ہمیں دیئے تھے، وہ سب ہم نے تسلیم کر لئے، جو شرائط انہوں نے کہیں وہ بھی ہم نے مان لی ہیں۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ جب حقیقت یہ ہے تو تم نے ہم سے اسے پوشیدہ کیوں رکھا؟ انہوں نے کہا تا کہ تمہارے دماغوں میں جو ابلیسی نخوت و غرور ہے وہ نکل جائے اور تم سچے دل سے اللہ کے سچے رسول پر ایمان لے آؤ۔

چنانچہ قبیلہ بنو ثقیف کے جملہ افراد، مرد و زن، پیر و جواں اور امیر و فقیر سب نے صدق دل سے پڑھا:

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

چند روز بعد بارگاہ رسالت کے قائدین کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ لات کے صنم کو گرانے کیلئے حکیم و دانا رسول نے ان کے رشتہ داروں -- ابو سفیان بن حرب اور مغیرہ بن

شعبہ رضی اللہ عنہما کو روانہ فرمایا۔ ان دونوں نے اپنی ضربات قاہرہ سے طاغوت کے اس نشان کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نیست ونابود کر دیا۔ (1)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الَّذِیْ نَصَرَ عَبْدَہٗ وَاَیَّدَ جُنْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

وفد بنی عامر بن صعصعہ

اس وفد میں قبیلہ کے دیگر افراد کے علاوہ ان کے تین سردار بھی تھے (1) عامر بن طفیل، جس کے دل میں سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ (2) اربد بن قیس اور (3) جبار بن سلمیٰ۔

عامر، اس قبیلہ کا رئیس اعظم تھا۔ جب عکاظ میں تجارتی میلہ لگتا اور اطراف واکناف سے بے شمار لوگ اکٹھے ہوتے تو اس کی طرف سے ایک منادی کرنے والا یوں اعلان عام کیا کرتا:

"کسی پیدل کو سواری کی ضرورت ہو تو ہمارے پاس آئے ہم اس کو سواری کا جانور دیں گے۔ اگر کوئی فاقہ سے ہے تو ہمارے پاس آئے ہم اس کو کھانا کھلائیں گے۔ اگر کوئی اپنے دشمن سے خائف وہراساں ہے تو وہ ہمارے پاس آئے ہم اسے پناہ دیں گے۔ اس کے علاوہ وہ غضب کا حسین تھا لیکن وہ ہر وقت حضور نبی کریم ﷺ کو دھوکا سے قتل کرنے کے منصوبے بناتا رہتا تھا۔"

ایک روز اس نے اپنے ساتھی اربد کو کہا، جو عرب کے مشہور شاعر لبید کا بھائی تھا کہ جب ہم اس شخص (حضور پرنور) کے پاس پہنچیں تو میں ان کو باتوں میں مشغول کر کے اپنی طرف متوجہ کر لوں گا۔ تم اس وقت اپنی تلوار سے ان پر حملہ کر کے ان کا کام تمام کر دینا۔ اس کے قبیلہ کے دوسرے افراد اسلام قبول کرنے پر آمادہ تھے۔ انہوں نے اسے ازراہ خیر خواہی مشورہ دیا، اے عامر! سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے، تم نادان نہ بنو۔ تم بھی اسلام قبول کر لو۔ اس نے کہا میں نے حلف اٹھائی ہوئی ہے کہ میں اسلام ہرگز قبول نہیں کروں

1۔ "شرح المواہب اللدنیہ"، جلد 4، صفحہ 6-9

گا۔ جب یہ قافلہ بارگاہ رسالت میں پہنچا تو عامر بن طفیل نے حضور کے نزدیک ہو کر کہا:
"یا محمد (ﷺ) مجھے اپنا دوست اور صدیق بنا لیجئے۔ حضور نے فرمایا، جب تک تم اسلام قبول نہ کرو، میں تمہیں اپنا دوست نہیں بناؤں گا۔ اس نے پھر وہی جملہ دہرایا کہ مجھے اپنا دوست بنا لیجئے اور اس نے اپنی گفتگو کا سلسلہ دراز کیا تاکہ طے شدہ منصوبہ کے مطابق "اربد" حضور کو مصروف دیکھ کر اپنی تلوار کا وار کر دے۔ لیکن اربد تھا کہ بے جان مجسمہ بنا، بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ دراصل اربد نے جب تلوار بے نیام کرنے کیلئے اپنا ہاتھ بڑھایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ کو شل کر دیا اور اس کو تلوار نیام سے نکالنے کی تاب ہی نہ رہی۔

ایک روایت میں ہے کہ جب عامر بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا تو سرکار دو عالم ﷺ نے اس کے بیٹھنے کیلئے تکیہ بچھایا۔ پھر اسے فرمایا، اے عامر! اسلام قبول کر لو۔ عامر کہنے لگا، میں ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ حضور نے فرمایا کہ میرے قریب ہو جاؤ اور جو بات کرنا چاہتے ہو تسلی سے کرو۔ وہ اتنا نزدیک ہو گیا کہ حضور پر جھک گیا اور یوں گویا ہوا کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو آپ مجھے اپنا جانشین مقرر فرمانے کیلئے تیار ہیں۔ حضور نے فرمایا، اس میں تیرا اور تیری قوم کا کوئی دخل نہیں۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، وہ جس کو چاہے گا میرا جانشین بنا دے گا۔ البتہ میں تجھے گھڑ سوار دستے کا امیر بنا دوں گا۔ وہ کہنے لگا کہ میں تو آج بھی نجد کے گھڑ سواروں کے دستوں کا امیر ہوں۔ مجھے اس عہدہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں آپ ایسا کر دیں کہ عرب کے صحرا نشین قبائل کا مجھے امیر بنا دیں اور بڑے شہروں اور قصبوں کی امارت اپنے پاس رکھیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس کی اس تجویز کو ٹھکرا دیا۔

پھر اس نے کہا اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا، فرمایا لَكَ مَا لِلْمُسْلِمِيْنَ وَ عَلَيْكَ مَا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ "جو دوسرے مسلمانوں کے حقوق ہیں وہی تمہارے حقوق ہوں گے اور جو ان کے فرائض اور ذمہ داریاں ہوں گی وہی تمہاری ہوں گی۔" وہ غصہ سے بھر گیا اور کہنے لگا "میں آپ کے مقابلہ کے لئے اتنے شہسوار اور اتنے پیدل لڑا کے لے آؤں گا جو ان وادیوں کو بھر دیں گے" حضور علیہ السلام نے اس کی متکبرانہ بات کا ایک ہی جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا کرنے کی ہمت نہیں دے گا۔ حضور علیہ السلام کئی روز تک یہ دعا مانگتے رہے۔ اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ عَامِرَ بْنَ طُفَيْلٍ بِمَا شِئْتَ "الٰہی! عامر کے شر سے مجھے بچا جس طرح تیری مرضی ہو۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے ایسی بیماری مسلط کر دی جو اس کی ہلاکت کا باعث بنی۔

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ اس نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ میں تین تجویزیں پیش کرتا ہوں، ان میں سے کوئی ایک چن لیں:

(۱) اَنْ یَکُوْنَ لَکَ اَھْلُ السَّھْلِ وَلِیَ اَھْلُ الْوَبَرِ (۲) اَوْ اَکُوْنَ خَلِیْفَتَکَ مِنْ بَعْدِکَ (۳) اَوْ اَغْزُوَ مِنْ غَطْفَانَ بِاَلْفِ اَشْقَرَ وَبِاَلْفِ شَقْرَاءَ

"صحرائی علاقہ آپ کے لئے اور شہری علاقہ میرے لئے۔ یا مجھے اپنے بعد اپنا خلیفہ نامزد کریں۔ یا غطفان سے ہزار سرخ گھوڑے لا کر جنگ کروں گا۔"

حضور کی بارگاہ سے باہر نکلے تو عامر نے اربد کو کہا کہ میں نے تجھے حملہ کرنے کا کتنا موقع دیا۔ جو بات میرے اور تیرے درمیان طے ہوئی تھی تو نے اس پر عمل نہ کیا۔ میں تجھے سب سے زیادہ بہادر سمجھتا تھا لیکن تو پرلے درجے کا بزدل نکلا۔ اب مجھے تیری ذرا پروا نہیں۔ اربد نے جھلا کر جواب دیا۔ تیرا باپ مرے! میرے بارے میں جلدی فیصلہ نہ کر۔ میں نے کئی بار تیری تجویز پر عمل کرنے کی کوشش کی لیکن ہر بار ایسی صورت پیدا ہوئی کہ میں اس پر عمل نہ کرسکا۔ پہلی بار تو میرے درمیان اور ان کے درمیان لوہے کی ایک دیوار کھڑی کردی گئی، دوسری بار میں نے تلوار نیام سے نکالنی چاہی تو میرا ہاتھ سوکھ کر شل ہوگیا۔ پھر میں نے کوشش کی تو ایک مست اونٹ منہ کھولے مجھ پر حملہ کرنے کیلئے دوڑا، اور ایک بار جب میں نے حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو تو میرے سامنے آگیا۔ کیا میں تجھے قتل کردیتا؟(1)

جب عامر، خائب و خاسر ہو کر اپنے قبیلہ کے ساتھ وطن روانہ ہوا تو راستہ میں اسے طاعون نے آلیا۔ غرور سے اکڑی ہوئی گردن میں طاعون کی گلٹی نکل آئی۔ لاچار ہو کر اس نے بنو سلول کی ایک عورت کے گھر میں پناہ لی۔ بنو سلول کا قبیلہ پرلے درجے کا خسیس تھا۔ ان کی کمینگی کو شہرت عام حاصل تھی۔ ایک کمینہ خاندان کی ایک سفلہ صفت خاتون کے گھر میں مرنے کا تصور کر کے وہ لرز لرز جاتا۔ اس نے اپنی قوم کو اپنے پاس بلایا اور کہا ایک بڑی گلٹی میری گردن میں پھوڑے کی مانند نکل آئی ہے۔ بنو سلول کی ایک بڑھیا کے گھر میں موت کا انتظار کر رہا ہوں۔ لے آؤ میرا گھوڑا تاکہ اس پر سوار ہو کر راہ فرار اختیار کروں۔

1۔ ایضاً، جلد3، صفحہ 20 و "سبل الہدیٰ"، جلد6، صفحہ 550

اس کا گھوڑا لایا گیا اور اس پر سوار ہو کر وہ اپنا نیزہ ہاتھ میں لے کر لہرانے لگا۔ گھوڑا کودا اور وہ مغرور زمین پر آگرا۔ اسی وقت ہلاک ہو گیا۔(1)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ عامر بن طفیل مسلمان ہو گیا اور کافی عرصہ تک زندہ رہا۔ لیکن یہ ان لوگوں کی غلط فہمی ہے۔ یہ عامر اسی وقت گھوڑے سے گرا اور طاعون کی گلٹی کے درد سے کراہتا ہوا واصل جہنم ہو گیا۔ جو عامر، مسلمان تھے وہ عامر بن طفیل الاسلمی تھے جو جلیل القدر صحابی تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ بارگاہ رسالت میں عرض کی۔ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ زَوِّدْنِيْ بِكَلِمَاتٍ اَعِيْشُ بِهِنَّ "یا رسول اللہ! مجھے ایسے کلمات سکھائیے جن کے مطابق میں اپنی زندگی بسر کرتا رہوں۔" پیارے حبیب نے یہ پیارے پیارے جملے اپنے پیارے صحابی کو تلقین فرمائے۔ ان جملوں میں حضور سرور کون و مکاں کے ہر نیاز آگین غلام کیلئے ہدایت کے بیش بہا خزانے پوشیدہ ہیں۔ اس لئے قارئین کے افادہ کیلئے اس ارشاد کو پورا لکھ رہا ہوں۔ فرمایا اللہ کے حبیب اور محبوب نے:

يَا عَامِرُ اَفْشِ السَّلَامَ وَاَطْعِمِ الطَّعَامَ وَاسْتَحْيِ مِنَ اللّٰهِ كَمَا تَسْتَحْيِيْ مِنْ رَجُلٍ مِنْ اَهْلِكَ - وَاِذَا اَسَأْتَ فَاَحْسِنْ وَاِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (2)

"اے عامر! امن و سلامتی کو پھیلاؤ۔ فاقہ کشوں کو کھانا کھلاؤ۔ اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیا کرو جس طرح تم اپنے اہل کے کسی مرد سے حیا کرتے ہو۔ اور اگر تم کوئی گناہ کر بیٹھو تو اس کے بعد نیک کام کرو کیونکہ نیکیاں برائیوں کو نیست و نابود کر دیتی ہیں۔"

اربد اور جبار دونوں واپس آگئے۔ اربد سے لوگوں نے پوچھا کہ تم ان سے ملنے گئے تھے کیا ہوا؟ وہ بکنے لگا کہ کچھ بھی نہیں۔ اس نے ہمیں ایک بات پر ایمان لانے کی دعوت دی، اگر آج وہ میرے سامنے ہوتا تو میں اس کو اپنے تیر کا نشانہ بناتا اور اس کا کام تمام کر دیتا۔ اس گستاخانہ بات پر دو روز مشکل سے گزرے تھے کہ وہ اپنے اونٹ کو چرانے کیلئے اس کے پیچھے جا رہا تھا۔ مطلع بالکل صاف تھا، بادل کا نام و نشان تک نہ تھا، شدت کی گرمی پڑ رہی تھی،

1۔ ایضاً، صفحہ 21 و "سبل الہدیٰ"، جلد 6، صفحہ 550-553 و "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1109-1110

2۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 21

اچانک بجلی کوندی، آگ کا ایک شعلہ اس پر اور اس کے اونٹ پر گرا اور دونوں کو جلا کر سیاہ بنا دیا۔ البتہ ان کا تیسرا ساتھی جبار کچھ عرصہ زندہ رہا اور اپنی قوم کے ساتھ نعمت ایمان سے بہرہ ور ہوا۔(1)

وفد ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہم

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ وفد 5 ہجری میں حاضر خدمت ہوا تھا لیکن صحیح قول وہ ہے جو امام ابن حجر سے مروی ہے کہ یہ وفد سنہ 9 ہجری میں ہی خدمت اقدس میں باریاب ہوا تھا۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہم نے کسی سے یہ نہیں سنا کہ ضمام بن ثعلبہ کے وفد سے کوئی دوسرا وفد افضل اور بہتر ہے۔ نور مجسم علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک روز تکیہ لگا کر اپنے صحابہ کرام کے حلقہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک بدو اپنے اونٹ پر سوار ہو کر آیا۔ مسجد شریف کے دروازہ کے قریب اس نے اپنا اونٹ بٹھایا اور اس کا گھٹنا عقال سے باندھ دیا۔ پھر لوگوں سے دریافت کیا اَيُّكُمُ ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ "تم میں سے عبد المطلب کا فرزند ارجمند کون ہے؟" لوگوں نے حضور انور کی طرف اشارہ کر کے کہا، وہ جو تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ اس نے عرض کی، یا حضرت! میں آپ سے سوال پوچھنا چاہتا ہوں، میرے سوال میں شدت ہوگی۔ پس آپ مجھ پر ناراض نہ ہوں۔ حضور نے فرمایا، تمہیں اجازت ہے سَلْ عَمَّا بَدَا لَكَ "جو چاہو پوچھو۔" اس نے استفسار کیا کہ یا حضرت! آپ کا ایک قاصد ہمارے پاس آیا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ آپ کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ حضور نے فرمایا، اس نے سچ کہا ہے۔ پھر سائل نے پوچھا، میں آپ کو اس خدا کا واسطہ دیتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور جس نے یہ فلک بوس پہاڑ جگہ جگہ نصب کئے ہیں، مجھے بتائیے کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ہمیں یہ حکم دیں کہ ہم صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ان بتوں کی عبادت کا طوق گلے سے اتار کر پرے پھینک دیں جنہیں ہمارے آباء واجداد پوجا کرتے تھے۔ حضور نے فرمایا، میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے۔ اس نے پھر پوچھا کہ اس بات کا حکم بھی آپ کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے کہ ہم اغنیاء سے مال لے کر فقراء و مساکین میں تقسیم

کریں۔ حضور نے فرمایا بیشک میرے رب نے ہی مجھے یہ حکم دیا ہے۔ اس نے پھر استفسار کیا، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم ماہ رمضان کے روزے رکھیں؟ حضور نے فرمایا، یہ حکم بھی میرے رب نے مجھے دیا ہے۔ اس نے ایک اور سوال پوچھا، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم میں سے جو ذی استطاعت ہو وہ فریضہ حج ادا کرے قَالَ اَللّٰھُمَّ نَعَمْ "ہاں میرے اللہ نے مجھے یہ حکم دیا ہے۔" اپنے سوالات کے تسلی بخش جوابات سننے کے بعد اسے یارائے ضبط نہ رہا، وہ فوراً کہہ اٹھا اٰمَنْتُ وَصَدَّقْتُ اَنَا ضِمَامُ بْنُ ثَعْلَبَۃَ "میں سچے دل سے آپ پر ایمان لایا ہوں اور آپ کی تصدیق کرتا ہوں۔ میرا نام ضمام ہے میں ثعلبہ کا بیٹا ہوں۔"

دولت ایمان سے مالا مال ہونے کے بعد جب ضمام اپنے وطن پہنچے تو سب سے پہلے انہوں نے لات وعزیٰ کی ہجو میں زبان کھولی۔ اس کی قوم نے اسے اس بات سے ٹوکا، اسے کہا اگر تم اس سے باز نہ آئے تو تمہیں کوڑھ کی بیماری لگ جائے گی، تم پاگل اور دیوانے ہو جاؤ گے۔ آپ نے بڑے پر از یقین لہجہ میں اپنے ناصحین کو جواب دیا وَیْلَکُمْ اِنَّھُمَا لَا یَضُرَّانِ وَلَا یَنْفَعَانِ "تم پر افسوس ہے۔ یہ دونوں بت نہ کوئی ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔" اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی کیلئے ایک رسول مبعوث فرمایا ہے اور اس پر مقدس کتاب نازل فرمائی ہے جس کے ذریعہ تمہیں گمراہی کے اندھیروں سے باہر نکالتا ہے۔ سن لو!

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

میں اس نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کے بعد تمہارے پاس یہ پیغام اور یہ احکام لے کر آیا ہوں۔

ان کی تقریر دل پذیر کا وہ اثر ہوا کہ قبیلہ کے تمام مرد وزن نے کفر وشرک سے توبہ کی اور دین اسلام کو سچے دل سے قبول کر لیا۔

وفد عبد القیس

ان کی آبادیاں اور مساکن بحرین میں تھے۔ اس قبیلہ کا جو وفد بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوا، ان میں جارود نامی ایک شخص تھا جو نصرانی تھا۔ اس نے کتب آسمانی کا عمیق مطالعہ کیا ہوا تھا۔ اس نے حاضر خدمت ہو کر چند اشعار پڑھ کر سنائے جن میں حضور کو اس نے

مخاطب کیا ہوا تھا۔ جن میں یہ دو شعر بھی تھے :

يَا نَبِيَّ الْهُدٰى أَتَاكَ رِجَالٌ قَطَعَتْ فَدْفَدًا وَّآلًا فَآلًا
لَا تَتَّقِي وَقْعَ يَوْمٍ عَبُوْسٍ أَوْجَلَ الْقَلْبَ ذِكْرُهُ ثُمَّ هَالَا

"اے ہدایت کے نبی! یہ لوگ وسیع و عریض جنگلات کو طے کرتے ہوئے اور سرابوں کو عبور کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔"

"وہ اس ترش دن کے وقوع پذیر ہونے سے نہیں ڈرتے جس کا ذکر دل کو خوفزدہ اور ہراساں کر دیتا ہے۔"

اس وفد کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ سنہ 10 ہجری میں حاضر خدمت ہوا۔ جارود نے اپنے اشعار سنانے کے بعد عرض کی کہ اس سے پہلے میں نے نصرانیت اختیار کی ہوئی تھی لیکن اب میں اس کو چھوڑ کر آپ کا لایا ہوا دین قبول کرتا ہوں۔ میرے گناہوں کی بخشش کا حضور ذمہ اٹھائیں۔ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا:

نَعَمْ أَنَا ضَامِنٌ أَنْ قَدْ هَدَاكَ إِلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ

"میں یہ ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت دی ہے اور تو نے وہ دین قبول کیا ہے جو تیرے پہلے دین سے صدہا مرتبہ بہتر ہے۔" چنانچہ اس نے دین اسلام کو قبول کیا اور اس کی پیروی کرتے ہوئے وفد کے دیگر ارکان بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اس وفد کے مسلمان ہونے کے سلسلہ میں ایک اور روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ اس سفر میں جارود کے ہمراہ سلمہ بن عیاض اسدی بھی تھا۔ جارود نے ایک روز سلمہ سے کہا کہ ایک نیا شخص ظاہر ہوا ہے جس نے نبوت کا دعوی کیا ہے۔ کیا تم اس کے پاس جانے کیلئے تیار ہو؟ اگر ہمیں اس میں کوئی صداقت معلوم ہوئی تو ہم اس کو قبول کر لیں گے۔ میرا یہ خیال ہے کہ یہ وہی نبی ہے جس کی آمد کی بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے دی تھی، لیکن ہم دونوں اس کو آزمانے کیلئے اپنے اپنے دل میں تین مسئلے مخفی رکھیں گے۔ اگر اس نے ہمارے نہاں خانہ دل میں مضمر مسائل کو جان لیا تو پھر وہ یقیناً نبی برحق ہو گا۔

یہ باتیں طے کرنے کے بعد وہ بارگاہ مصطفوی میں حاضر ہوئے۔ پہلے جارود نے اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ اس نے پوچھا بِمَ بَعَثَكَ رَبُّكَ يَا مُحَمَّدُ "اے سراپا حسن و خوبی! آپ کے

رب نے آپ کو کیا دے کر مبعوث فرمایا؟" حضور نے جواب ارشاد فرمایا:

بِشَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ وَالْبَرَاءَةِ مِنْ كُلِّ نِدٍّ يُعْبَدُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَبِإِقَامِ الصَّلٰوةِ لِوَقْتِهَا وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ بِحَقِّهَا وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَيْتِ بِغَيْرِ الْحَادٍ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ نیز مجھے حکم دیا ہے کہ میں معبودان باطل سے اپنا تعلق منقطع کر لوں۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بروقت ہر نماز کو ادا کروں، اپنے مال کی زکوٰۃ دوں اور حج کروں۔ نیز مجھے اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا ہے کہ جو شخص نیک اعمال کرتا ہے ان کا فائدہ اس کو ملتا ہے اور جو برے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے، ان کا بوجھ بھی اس (کی گردن) پر ہوگا اور آپ کا رب بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتا۔"

پھر جارود نے کہا، اگر آپ نبی ہیں تو ہمیں بتائیں کہ ہم نے اپنے دلوں میں کیا چھپا رکھا ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے تھوڑی دیر توقف کیا جیسے اونگھ آئی ہو پھر سر مبارک کو اٹھایا۔ اس وقت پسینے کے قطرے ڈھلک رہے تھے۔ پھر فرمایا، اے جارود! تم نے یہ تین باتیں اپنے دل میں چھپائی ہوئی ہیں تاکہ ان کے بارے میں مجھ سے دریافت کرے (1) جو لوگ زمانہ جاہلیت میں مقتول ہوئے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ (2) زمانہ جاہلیت میں جو معاہدے طے پائے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ (3) زمانہ جاہلیت میں جو عطیات دیئے گئے تھے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس دانندہ مافی الصدور نے ان تینوں سوالات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا، زمانہ جاہلیت کے مقتولوں کا خون ہدر ہے۔ ان کے قاتلوں سے کوئی قصاص نہیں لیا جائے گا۔ زمانہ جاہلیت کی قسمیں بھی مردود ہیں۔ بہترین صدقہ یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کو اپنے اونٹ پر سوار کر لو اور اپنی بکری کا دودھ اسے پیش کرو۔ پھر روئے سخن اس کے دوسرے ساتھی کی طرف کرتے ہوئے فرمایا کہ

اے سلمہ! تم نے یہ تین سوال اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں:

(1) بتوں کی پرستش کا کیا حکم ہے؟ (2) یوم سباسب کی حقیقت کیا ہے؟
(3) عقل بجین کی حقیقت کیا ہے؟

لو! اب اپنے ان سوالات کا جواب گوش ہوش سے سنو۔ بتوں کی پوجا قطعاً حرام ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ۔ (1)

"تم اور اللہ کے سوا جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو وہ جہنم کا ایندھن ہیں اور تم اس میں داخل ہو گے۔"

سباسب کے عوض اللہ تعالیٰ نے تمہیں لیلۃ القدر عطا فرمائی ہے، ارشاد الٰہی ہے:

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ (2) اس کو ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کے خون کو برابر قرار دیا ہے، چھوٹے بڑے امیر و غریب کی کوئی تفریق نہیں۔

ان کے دلوں میں مخفی سوالات سے پردہ اٹھانے کے بعد ان کے تسلی بخش جواب سے جب آگاہ کیا گیا تو انہوں نے از خود رفتہ ہو کر باواز بلند اعلان کر دیا نَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّكَ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔ (3)

وفد عبد بن قیس کی حاضری کے بارے میں ایک اور روایت یوں بیان کی گئی ہے۔

ایک روز رحمت عالم ﷺ اپنے صحابہ کی معیت میں تشریف فرما تھے اور ان سے محو تکلم تھے تو مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اچانک فرمایا، ادھر سے ایک وفد آنے والا ہے، مشرق کی طرف سے آنے والے تمام وفود سے یہ بہترین وفد ہے۔ کسی جبر و اکراہ کے بغیر انہوں نے دور دراز کی مسافت طے کی ہے۔ ان کی سواریوں کے جانور سفر کی طوالت کے باعث لاغر اور دبلے ہو گئے ہیں، زاد راہ ختم ہو گیا ہے۔ پھر دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ الْقَيْسِ "اے اللہ! عبد قیس کے وفد کو بخش دے۔"

1۔ سورہ الانبیاء: 98

2۔ سورہ القدر: 3

3۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 23 و "السیرۃ الحلبیہ"، جلد 2، صفحہ 343

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھ کر اس وفد کے استقبال کیلئے تشریف لے گئے اور راہ میں ہی ان سے ملاقات ہو گئی۔ ان کی تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، یہ تیرہ، بیس اور چالیس بیان کی گئی ہے۔ آپ نے ان سے پوچھا مَنِ الْقَوْمُ؟ "آپ کا تعلق کس قبیلہ سے ہے؟" انہوں نے جواب دیا مِنْ بَنِیْ عَبْدِ الْقَیْسِ "ہم عبد القیس کے قبیلہ کے افراد ہیں" حضرت عمر نے ان کلمات خیر سے انہیں شاد کام کیا جو رحمت عالم ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمائے تھے۔ سیدنا فاروق انہیں لے کر وہاں پہنچے جہاں نبیوں کا سردار جلوہ فرما تھا۔ انہیں بتایا کہ یہ ہے وہ ذات اقدس جس کی زیارت کیلئے تم طویل مسافتیں طے کر کے آئے ہو۔

فَرَمَی الْقَوْمُ بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ رَكَائِبِهِمْ بِبَابِ الْمَسْجِدِ وَتَبَادَرُوْا يُقَبِّلُوْنَ يَدَهٗ وَرِجْلَهٗ۔ (1)

"(انہیں یارائے ضبط نہ رہا) اپنی سواریوں سے چھلانگیں لگا لگا کر نیچے اتر رہے تھے اور دوڑ کر بارگاہ اقدس میں حاضر ہو رہے تھے اور جو بھی حاضر ہوتا وہ حضور کے دست مبارک کو بھی بوسہ دیتا اور قدم ناز کو بھی چوم لیتا۔"

یوں اپنے دل بے قرار کی حسرت کو پورا کر رہے تھے۔

اس دلنواز آقا نے اپنے مشتاقان جمال کو ان کلمات طیبات سے خوش آمدید کہا مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ غَيْرِ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰى (2) "اے قوم! میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں تم کبھی رسوا نہ ہو اور کبھی نادم نہ ہو۔"

دست بوسی اور قدم بوسی سے اپنے قلب مضطر کو تسکین دینے کے بعد اپنی گزارشات یوں پیش کرنے لگے "یا رسول اللہ! ہم دور دراز کی مسافتیں طے کر کے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہماری راہ میں ایک کافر اور سرکش قبیلہ مضر کی آبادیاں ہیں، وہ پرلے درجے کے قزاق اور لٹیرے ہیں۔ ہم صرف اشہر حرم (حرمت والے مہینوں میں) ہی حاضر خدمت

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 23 و "سبل الہدیٰ"، جلد 6، صفحہ 560-561 و "السیرۃ الحلبیہ"، جلد 2، صفحہ 344

2۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 24 و "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1110

ہو سکتے ہیں۔ از راہ کرم! ہمیں ایسے ارشادات سے نوازیئے جن پر ہم خود بھی عمل پیرا ہوں اور اپنے قبیلہ کے ان افراد کو بھی جا کر بتائیں جو پیچھے رہ گئے ہیں تا کہ وہ بھی ان پر کاربند ہو کر اپنی دنیا و آخرت کو سنوار لیں اور سب جنت میں داخل ہو سکیں۔" حضور نے فرمایا!

"میں تمہیں اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ ایمان کیا ہے۔" اور خود ہی اس کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ شَهَادَةُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَاَنْ تُعْطُوا الْخُمُسَ مِنَ الْمَغْنَمِ؟

"یہ گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفیٰ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، ماہ رمضان کے روزے رکھو اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرو۔"

پھر فرمایا:

وَاَنْهَاكُمْ عَنْ اَرْبَعٍ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالنَّقِيْرِ وَ الْمُزَفَّتِ۔

تمہیں چار چیزوں سے منع کرتا ہوں۔ یہ چاروں مختلف قسم کے برتن تھے، جن میں وہ شراب بنایا کرتے تھے:

الدباء: کدو کا گودا نکال کر کے اس کی جلد کو خشک کر لیا گیا ہو۔

حنتم: وہ گھڑا جس پر سبز رنگ کا لیپ کر دیا گیا ہو تا کہ اس کے مسام بند ہو جائیں۔

نقیر: درخت کے تنے کو کھود کر گھڑا بنایا گیا ہو۔

مزفت: جس پر تار کول کا لیپ کیا گیا ہو۔

کیونکہ ان برتنوں میں وہ شراب بنایا کرتے تھے، ابتداء میں جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو ان برتنوں کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا گیا تا کہ انہیں دیکھ کر شراب پینے کا شوق ان کو پھر شراب پینے پر مجبور نہ کر دے۔ لیکن جب وہ احکام اسلامی کی بجا آوری میں پختہ ہو گئے تو پھر ان برتنوں کے استعمال کی حرمت باقی نہ رہی۔(1)

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 24 و "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 605

وفد بنی حنیفہ

نجد، جزیرۂ عرب کے صوبوں سے ایک صوبہ ہے جس کا رقبہ وسیع و عریض ہے، اس کا ایک حصہ یمامہ کے نام سے موسوم ہے، یہی یمامہ کا خطہ بنو حنیفہ کا مسکن تھا۔ ان میں سے ہی ایک شخص نے نبوت کا جھوٹا دعوی کیا، اپنے قبیلہ کی قبائلی عصبیت کو بھڑکایا اور اپنے قبیلہ کے بیشمار ناسمجھ جوانوں کو اپنے جھنڈے کے نیچے اکٹھا کر لیا۔ ان کی فتنہ انگیزیوں کے احوال آپ اپنے مقام پر پڑھیں گے۔

سنہ 9 ہجری میں اسی قبیلہ بنو حنیفہ کا ایک سترہ رکنی وفد مدینہ طیبہ آیا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں مسیلمہ کذاب بھی شریک تھا۔ جب یہ لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو مسیلمہ بھی ان کے ہمراہ حاضر ہوا، اس کے تقدس کے باعث لوگوں نے اس کو ایک بڑی چادر میں چھپایا ہوا تھا۔ وہ اپنے رؤساء کے ساتھ اسی طرح برتاؤ کیا کرتے تھے۔ ان پر ایک بڑی چادر ڈال دیتے کہ عام لوگوں کی نگاہوں سے وہ مخفی رہیں اور ان کے دلوں پر اس کی ہیبت برقرار رہے۔ حضور خاتم الانبیاء علیہ الصلوۃ والثناء اس وقت اپنے صحابہ کرام کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ حضور کے دست مبارک میں کھجور کی ایک بوسیدہ شاخ کی چھڑی تھی۔ سیاسی زعماء کی طرح مسیلمہ نے سودا بازی شروع کی، کہنے لگا۔ آپ مجھے اپنی نبوت میں شریک کر لیجئے میرا سارا قبیلہ آپ کے پرچم کے نیچے جمع ہو جائے گا، ان کی وجہ سے آپ کی قوت و طاقت میں بے پناہ اضافہ ہو جائے گا اور آپ سارے جزیرۂ عرب پر باسانی اپنا تسلط جما لیں گے۔ لیکن اللہ کے سچے نبی نے ہر قسم کے سیاسی مفادات کو یکسر پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے برملا فرمایا:

> "مسیلمہ! نبوت تو بہت بڑی چیز ہے، تم اگر مجھ سے یہ پرانی اور بوسیدہ چھڑی بھی مانگو تو میں تمہیں ہرگز نہیں دوں گا۔"

جب یہ وفد اپنے کذاب نبی مسیلمہ سمیت خائب و خاسر ہو کر اپنے وطن پہنچا تو اس کذاب نے یہ مشہور کر دیا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مجھے اپنی نبوت میں شریک کر لیا ہے اور وفد کے دیگر افراد کو اس پر بطور گواہ پیش کیا۔

صحیحین میں مروی ہے کہ ایک بار حضور علیہ الصلوۃ والسلام از راہ مہمان نوازی اس وفد

کی قیام گاہ پر تشریف لے آئے۔ اس وقت حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ تھے۔ حضور کے دست مبارک میں کھجور کی ٹہنی کی چھوٹی سی چھڑی تھی جب مسیلمہ کے پاس پہنچے تو وہ اپنے قبیلہ کے عقید تمندوں کے جھرمٹ میں بیٹھا ہوا تھا۔ حضور علیہ السلام کو یہ بتایا گیا کہ مسیلمہ یہ کہتا ہے کہ اگر حضور مجھے اپنا جانشین مقرر کر دیں تو میں آپ کی اطاعت اختیار کر لوں گا۔ اس نے دوبارہ سودا بازی کرنے کی ناپاک جسارت کی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"تو میری جانشینی کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اگر تو مجھ سے یہ معمولی سی چھڑی بھی مانگے تو میں تجھے یہ بھی دینے کیلئے تیار نہیں۔"

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے یہ حدیث مروی ہے:

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ وَّاُتِیْتُ بِخَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَ فِیْ کَفِّیْ سِوَارَیْنِ مِنْ ذَھَبٍ وَکَبُرَا عَلَیَّ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ اَنْ اَنْفُخْھُمَا فَنَفَخْتُھُمَا فَذَھَبَا فَاَوَّلْتُھُمَا الْکَذَّابَیْنِ الَّذَیْنِ اَنَا بَیْنَھُمَا صَاحِبُ صَنْعَاءَ وَصَاحِبُ الْیَمَامَۃِ۔ (1)

"حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس اثناء میں کہ میں سو رہا تھا۔ میرے پاس زمین کے خزانے لائے گئے اور میرے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنا دیئے گئے۔ یہ چیز مجھ پر بڑی گراں گزری تو میری طرف وحی کی گئی کہ ان دونوں کڑوں کو پھونک مار کر اڑا دو۔ میں نے دونوں کو پھونک ماری، دونوں غائب ہو گئے۔ میں نے اس خواب کی تعبیر یہ کی ہے کہ دو جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے اور میں ان دونوں کے درمیان ہوں گا۔ ان دونوں جھوٹے نبیوں سے مراد ایک صنعاء کا باشندہ اسود عنسی ہے اور دوسرا یمامہ کا باشندہ مسیلمہ ہے۔"

ان دونوں جھوٹے مدعیان نبوت کو محمد عربی فداہ امی وابی کے غیور رب نے ہر میدان میں خائب و خاسر کیا۔ مسیلمہ نے مدینہ طیبہ حاضر ہونے سے پہلے ایک خط بارگاہ رسالت

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 6، صفحہ 498

میں اپنے ایک قاصد کے ہاتھ روانہ کیا، اس کا متن یہ ہے:

مِنْ مُسَيْلِمَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ إِلٰى مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ۔
أَمَّا بَعْدُ! فَإِنِّيْ قَدْ أُشْرِكْتُ فِي الْأَمْرِ مَعَكَ وَإِنَّ لَنَا
نِصْفَ الْأَمْرِ وَلَيْسَ قُرَيْشٌ قَوْمًا يَعْدِلُوْنَ۔

"یہ خط مسیلمہ کی طرف سے ہے جو اللہ کا رسول ہے بنام محمد (ﷺ) جو اللہ کے رسول ہیں۔ مجھے امر نبوت میں آپ کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہے۔ آدھی چیز ہمارے لئے ہو گی۔ قریش ایسا قبیلہ ہے جو عدل و انصاف نہیں کرتا۔"

رحمت عالم ﷺ نے اس کے جواب میں یہ گرامی نامہ تحریر فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ
إِلٰى مُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابِ۔ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى
أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ
عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔

"یہ گرامی نامہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کو لکھا جا رہا ہے۔ اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرنے والا ہے۔ اما بعد! زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور متقین کیلئے ہی بہترین انجام ہے۔"

سرکار دو عالم ﷺ نے مسیلمہ کی طرف سے بھیجے ہوئے دو قاصدوں کو فرمایا کہ اگر قاصد کو قتل کرنا روا ہوتا تو میں تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا، حضور کے اس ارشاد سے یہ اصول طے پا گیا کہ قاصد کو کسی قیمت پر قتل نہیں کیا جائے گا۔

مسیلمہ نے اپنی قوم کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرنے کیلئے اور اپنی نبوت کا گرویدہ بنانے کیلئے کئی پابندیوں سے آزاد کر دیا تا کہ وہ ان آسانیوں کے باعث اسلام کو چھوڑ کر اس کے پیروکار بن جائیں۔ اس نے نماز کی فرضیت ساقط کر دی۔ ان کیلئے شراب اور زنا کو حلال کر دیا۔ سچے اور جھوٹے نبی میں جو تفاوت ہے وہ انہیں باتوں سے اجاگر ہو جاتا ہے۔ اس نے سرور عالم ﷺ کے ساتھ سودا بازی کرنے کی کئی بار کوشش کی۔ یہ کہا کہ اگر آپ مجھے

منصب نبوت میں شریک بنالیں گے تو میرا سارا قبیلہ آپ کی اطاعت کرے گا اور آپ کے پرچم کے نیچے متحد ہو کر آپ کے دشمنوں سے نبرد آزما ہوگا۔ اور اگر آپ مجھے نبوت میں شریک نہیں کرتے تو مجھے اپنا جانشین مقرر کر دیں، اس طرح میں بھی اپنے لاکھوں بہادر جوانوں کے ساتھ آپ کی اطاعت کر لوں گا۔ لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے اس کی ان دونوں پیشکشوں کو مسترد کر دیا اور یہ واضح کر دیا کہ نبی سودا بازی نہیں کیا کرتا۔ اس کے پیش نظر تو اپنی دعوت رسالت کو ہر قیمت پر لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے، مسیلمہ کذاب نے اپنی قوم کو جو مراعات دیں یہ بھی اس کے کذاب ہونے کی واضح دلیلیں ہیں۔

نبوت کا جھوٹا دعوی کرنے والے دونوں کو اللہ تعالیٰ نے ہر میدان میں خائب و خاسر کیا۔ مسیلمہ عہد صدیقی میں وحشی کے ہاتھوں قتل ہو کر جہنم رسید ہوا۔ اسود عنسی یمن کے مشہور شہر صنعاء میں ظاہر ہوا اور اپنے نبی ہونے کا اعلان کیا۔ اس سلسلہ میں ابو مسلم خولانی کا واقعہ اخبار مستفیضہ میں سے ہے جس کو اصحاب سنن نے بہت سے صحابہ کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔ اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

> اسود عنسی نے جب نبوت کا دعوی کیا تو اس نے ابو مسلم خولانی ایک صحابی کو اپنے پاس طلب کیا۔ اسے کہا، تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو آپ نے بات ٹالتے ہوئے فرمایا مَا أَسْمَعُ "میں کچھ نہیں سنتا۔" دوسرا سوال اس نے یہ پوچھا، کیا! تم یہ گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں تو انہوں نے جھٹ کہا کہ ہاں میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ اللہ کے رسول ہیں۔ اس نے یکے بعد دیگرے تین بار یہ دونوں سوال دہرائے۔ آپ نے ہر بار اس کو وہی پہلا جواب دیا۔ اس نے اپنے عقید تمندوں کو حکم دیا کہ ایندھن جمع کرو۔ انہوں نے ایندھن کے ڈھیر جمع کر دیئے اور اس میں آگ لگا دی۔ جب اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے اور انگارے خوب دہکنے لگے تو اس نے حکم دیا کہ ابو مسلم خولانی کو رسی میں باندھ کر اس بھڑکتی آگ میں پھینک دیا جائے۔ اس کے حکم کی تعمیل کی گئی لیکن لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان لپکتے ہوئے شعلوں اور دہکتے ہوئے انگاروں نے ان کا بال بھی بیکا نہ کیا جو لباس انہوں نے پہنا ہوا تھا وہ جوں کا توں سلامت رہا۔ اس کا رنگ بھی میلا نہ ہوا۔

اسود کے مشیروں نے اس کو مشورہ دیا کہ تم ابو مسلم خولانی کو یہاں سے خدارا نکال دو ورنہ وہ لوگوں کو تم سے برگشتہ کر دے گا۔ چنانچہ انہیں وہاں سے نکال دیا گیا۔ جب یہ واقعہ رونما پذیر ہوا تو رحمت دو عالم ﷺ اپنے رفیق اعلیٰ سے واصل ہو چکے تھے اور حضرت صدیق اکبر کو امت مسلمہ نے بالاتفاق اپنا خلیفہ منتخب کر لیا تھا۔

ابو مسلم خولانی نے مدینہ طیبہ کا رخ کیا۔ وہاں پہنچے۔ مسجد نبوی کے دروازے پر اپنی سواری کا اونٹ بٹھایا، اندر داخل ہوئے اور مسجد کے ایک ستون سے کھڑے ہو کر نماز کی نیت باندھ لی۔ حضرت فاروق اعظم نے انہیں دیکھ لیا۔ جب سلام پھیر چکے تو آپ نے پوچھا مِمَّنِ الرَّجُلُ؟ "آپ کون صاحب ہیں؟" انہوں نے بتایا، میں اہل یمن سے ہوں۔ حضرت عمر نے پوچھا، ہمارے اس بھائی کا کیا حال ہے جس کو اس جھوٹے نبی نے آگ کے الاؤ میں پھینکا تھا، انہوں نے بتایا أَنَا هُوَ "میں وہی شخص ہوں۔" آپ نے پھر کہا، بخدا کیا تم وہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ "بخدا! میں وہی ہوں۔" حضرت فاروق اعظم نے انہیں اپنے سینے سے لگا لیا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ انہیں اپنے ہمراہ لے کر حضرت صدیق اکبر کے پاس بٹھا دیا۔ پھر کہا الحمد للہ، جس نے مجھے مرنے سے پہلے اس شخص کی زیارت کا شرف بخشا ہے جس کو حضرت ابراہیم کی طرح آگ میں ڈالا گیا لیکن آگ نے اس کا بال بھی بیکا نہ کیا۔(1)

اس روایت کے راوی مشہور ہیں اور یہ خبر مستفیض ہے۔

دوسرے کذاب مسیلمہ کو یمامہ کے میدان جنگ میں وحشی کے ہاتھوں جہنم رسید کیا۔ وحشی کہتے ہیں کہ میری یہ آرزو تھی کہ حضرت حمزہ کو شہید کرنے کا جو جرم مجھ سے سرزد ہوا تھا اس کا ازالہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ میں اسلام کے کسی گبر دشمن کو موت کے گھاٹ اتاروں۔ میں یمامہ کی جنگ میں شریک تھا، میں نے مسیلمہ کذاب کو ایک مست اونٹ کی طرح بال بکھیرے ہوئے کھڑا دیکھا۔ میں نے تاک کر اس کے سینے پر اپنا نیزہ پھینکا جو اس کے سینہ کو چیرتا ہوا اس کی پشت سے پار نکل گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے میری یہ دیرینہ حسرت پوری کر دی۔ پھر ایک انصاری بھائی نے اپنی تلوار کا وار کر کے اس کا سر قلم کر دیا۔

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 26-27

وفدِ طے

بنی طے قبیلہ کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں قبیصہ بن اسود کے علاوہ ان کا سردار زید الخیل بھی تھا۔ اس کو زید الخیل اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس کے پانچ بہترین گھوڑے تھے۔ اور یہ زید اپنی سخاوت، اخلاق حسنہ، فصاحت وبلاغت اور ظاہری حسن وجمال میں اپنے سارے قبیلہ میں کوئی ثانی نہیں رکھتا تھا۔ جب وہ اپنے سب سے قد آور گھوڑے پر سوار ہوتا تو اس کے طویل القامت ہونے کے باعث اس کے پاؤں زمین پر گھسٹتے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کی یہ پہلی ملاقات تھی۔ اسے دیکھ کر رحمت عالمیان ﷺ نے فرمایا کہ ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو تجھے دشوار گزار گھاٹیوں، ناہموار میدانوں سے گزار کر یہاں لے کر آیا اور ایمان قبول کرنے کیلئے تیرے دل کو ہموار کر دیا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑا اور پوچھا تم کون ہو؟ اس نے عرض کی، میں زید الخیل بن مہلہل ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا، تم زید الخیل نہیں بلکہ زید الخیر ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اور ان کے سارے ہمراہیوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ سب نے اس دعوت کو فوراً قبول کر لیا اور بلا توقف حضور کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی اور تادم واپسیں اسلام پر ثابت قدم رہے اور بڑے حسن وخوبی کے ساتھ دینی فرائض کو انجام دیتے رہے۔

اس مردم شناس نبی نے حضرت زید کے حق میں یہ جملہ فرما کر انہیں زندہ جاوید کر دیا:

> "عرب کے رؤساء میں سے جس کسی کی میرے سامنے تعریف وتوصیف کی گئی تو ملاقات میں میں نے اسے اس تعریف وتوصیف سے کمتر پایا۔ بجز زید الخیر کے اس کی جو تعریفیں میں نے سنی تھیں، جب ان کو میں نے دیکھا تو انہیں ان تعریفوں سے بالاتر پایا۔"

جب یہ وفد واپس وطن جانے لگا تو حضور انور نے ان کے ساتھیوں کو پانچ پانچ اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی اور ان کے رئیس زید الخیر کو اس کریم وغنی آقا نے بارہ اوقیہ چاندی اور دو جاگیریں عنایت فرمائیں اور اس سلسلہ میں انہیں ایک سند تحریر فرما دی۔ (1)

1۔ ایضاً، صفحہ 24 و "سبل الہدیٰ"، جلد 6، صفحہ 545 و "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1113

رَحْمَةُ اللهِ تَعَالیٰ عَلیٰ زَیْدِ الْخَیْرِ وَعَلیٰ سَائِرِ رُفَقَائِہٖ وَأَنْصَارِہٖ فِی الدَّارَیْنِ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً وَّرِضْوَانًا کَامِلًا

وفد عدی بن حاتم الطائی

عدی بن حاتم کے ایمان لانے کا واقعہ آپ تفصیل سے پڑھ آئے ہیں، اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

وفد عروہ المرادی

قبیلہ مراد کا ایک وفد اپنے رئیس عروہ کی سربراہی میں بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوا۔ عروہ اس سے پہلے کندہ کے شاہی دربار سے وابستہ تھا۔ اس نے اس رشتہ کو منقطع کر دیا اور سرور انبیاء کی غلامی کا طوق زیب گلو کرنے کیلئے مدینہ طیبہ آپہنچا۔ اسلام کا آفتاب طلوع ہونے سے پہلے اس کے قبیلہ مراد اور قبیلہ ہمدان میں سخت جنگ ہوئی تھی جس میں قبیلہ مراد کو سخت ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اس کے بہت سے آدمی لقمہ اجل بنے تھے۔ یہ دن عرب کی تاریخ میں "یوم روم" کے نام سے معروف ہے۔ جب یہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے دریافت کیا کہ روم کی جنگ میں تیرے قبیلہ کو جو زک پہنچی، کیا تیرے دل کو اس سے دکھ پہنچا؟ عرض کی، یا رسول اللہ! کون ایسا سنگدل ہے کہ اس کی قوم کو اتنی بڑی مصیبت پہنچے اور اس کا دل حزن و ملال سے لبریز نہ ہو جائے۔ حضور علیہ السلام نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے فرمایا، فکر مت کرو۔ اس تکلیف کے باعث اسلام میں تمہارا درجہ بہت بلند ہوگا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے عروہ کو اپنی قوم کا والی مقرر فرمایا اور ان کے ساتھ حضرت خالد بن سعید بن العاص کو روانہ فرمایا تاکہ صدقات جمع کرنے میں اس کی اعانت کریں۔ سرور عالم ﷺ کے وصال پر ملال تک یہ دونوں اکٹھے رہے اور فرائض منصبی کی ادائیگی میں باہم اعانت کرتے رہے۔

وفد بنی زبید

بنو زبید کا ایک وفد مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا۔ ان میں مشہور شہسوار اور ان کا فقید المثال سخنور عمرو بن معدیکرب بھی شامل تھا۔ اپنی شجاعت و بہادری کے باعث اسے "فارس

العرب" کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا۔ اس کا ایک بھتیجا تھا جس کا نام قیس مرادی تھا۔ عمرو نے اسے ایک روز کہا کہ تم اپنی قوم کے سردار ہو، ہمیں اطلاع ملی ہے کہ مکہ مکرمہ میں قبیلہ قریش کا ایک شخص ظاہر ہوا ہے جس کا نام محمد ﷺ ہے۔ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ چلو اس سے ملاقات کریں اور اس کی باتیں سنیں۔ اگر وہ اچھی باتیں کرتا ہے اور خیر و فلاح کی طرف دعوت دیتا ہے تو اس کی دعوت کو قبول کر لیں ورنہ گھر لوٹ آئیں گے۔ بھتیجے قیس نے اپنے چچا کی اس تجویز کو مسترد کر دیا اور اسے کہا کہ تم نرے احمق ہو۔ عمرو نے اپنے بھتیجے کی مخالفت کے باوجود اپنے گھوڑے پر زین کسی اور مدینہ طیبہ کا رخ کیا۔ اس کی قوم بھی اس سفر میں اس کے ہمراہ تھی۔

جب یہ سب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور کے روئے انور کو دیکھ کر آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھ گئے اور سب نے آپ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کا شرف حاصل کیا اور صحابہ کرام کے زمرہ مبارکہ میں شامل ہو گئے۔

قیس اس وقت تو نعمت ایمان سے محروم رہا لیکن حضور کے وصال کے بعد اس نے اسلام قبول کر لیا البتہ صحابیت کے شرف عظیم سے محروم رہا۔ بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ اس نے بھی حیات طیبہ میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا اور اسے بھی صحابیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ (1)

وفد کندہ

کندہ، یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے جو اپنے دادا کندہ کی طرف منسوب ہے۔ ان کے دادا کا نام نور بن عفیر تھا اور کندہ اس کا لقب تھا۔ سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک دادی اس قبیلہ کی خاتون تھی جو حضور کے ایک دادا کلاب کی والدہ تھیں۔ اس وفد کی تعداد اسی تھی، بعض نے ساٹھ بتائی ہے اس وفد میں اشعث بن قیس نامی ایک شخص بھی تھا جو بڑا وجیہ اور خوبصورت تھا۔ اگرچہ وہ کمسن تھا لیکن سارا قبیلہ اس کی دل سے اطاعت کیا کرتا تھا۔ جب وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے لگے تو انہوں نے خوب تیاری کی۔ اپنے بالوں میں تیل لگایا، کنگھی کی، آنکھوں میں سرمہ ڈالا اور حیرہ کے بنے ہوئے جبے زیب تن کئے جن کے کنارے ریشمی تھے۔ جب حاضر خدمت ہوئے تو وہ سلام عرض کیا جو اپنے ملوک و سلاطین کو پیش کیا

1۔ "السیرۃ الحلبیہ"، جلد 2، صفحہ 349 و احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 30

کرتے تھے۔ انہوں نے عرض کی اَبَیْتَ اللّعَنَ (یہ ان کا جاہلانہ سلام تھا) حضور نے فرمایا کہ میں بادشاہ نہیں ہوں، محمد بن عبداللہ ہوں۔ (فداہ ابی وامی علیہ ﷺ) انہوں نے عرض کی، ہم آپ کو نام سے بلانے کی جسارت نہیں کر سکتے۔ اپنا کوئی لقب ارشاد فرمائیے جس سے ہم حضور کو مخاطب کر سکیں۔ ان کے اس سوال کے جواب میں حضور نے انہیں اپنی کنیت بتائی۔ فرمایا، میں ابوالقاسم ہوں۔ اب وہ عرض پرداز ہوئے، اے ابوالقاسم! ہم نے آپ کے لئے ایک چیز چھپا رکھی ہے، بتائیے وہ کیا ہے؟ فرمایا، سبحان اللہ! ایسی باتیں تو کاہنوں سے پوچھی جاتی ہیں۔ انہوں نے پھر عرض کی کہ ہمیں کیسے معلوم ہو کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ حضور نے کنکریوں کی مٹھی بھری۔ فرمایا یہ بے جان کنکریاں گواہی دیں گی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پس تمام کنکریوں نے دست مبارک میں تسبیح کہی اور گواہی دی کہ حضور اللہ کے رسول ہیں۔ کنکریوں کی یہ تسبیح سن کر انہوں نے فوراً کہا نَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔" حضور نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مجھے دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور مجھ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں کسی جانب سے بھی باطل نہیں گھس سکتا۔ انہوں نے عرض کی، وہ کلام پاک ہمیں بھی سنائیے۔ چنانچہ رحمت عالم نے سورہ الصافات کی ابتداء سے رَبُّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ تک تلاوت فرمائی۔ زبان اقدس تلاوت کر رہی تھی، چشم مازاغ سے لوء لوئے آبدار ٹپک رہے تھے، سبحان اللہ! کیا روح پرور منظر ہو گا! کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ رحمت کے ان انمول قطروں نے کتنے بنجر دلوں کو سیراب کر کے رشک فردوس بریں بنا دیا ہو گا اور کتنی مردہ روحوں کو حیات جاوید سے ہمکنار کر دیا ہو گا۔

ہر کوئی فدا ہے بن دیکھے، دیدار کا عالم کیا ہو گا

پھر ان سے دریافت کیا، کیا تم اسلام قبول نہیں کرو گے؟ سب نے یک زبان ہو کر عرض کی، ہم سب دل و جان سے ایمان لانے کیلئے تیار ہیں۔ حضور نے فرمایا، پھر یہ ریشمی کناروں والے جبے تم نے کیوں پہنے ہیں؟ اسی وقت سب نے ریشمی کنارے پھاڑ کر الگ پھینک دیئے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ ریشمی کنارے شرعی حد سے زیادہ تھے۔

سرور انبیاء علیہ ﷺ کا یہ معمول مبارک تھا کہ وفود کی ملاقات کے وقت خود بھی بہترین لباس زیب تن فرماتے اور اپنے صحابہ کو بھی حکم دیتے کہ وہ صاف ستھرا لباس پہن کر حاضر

ہوں۔ اس روز سرکار دو عالم ﷺ نے بھی یمن کا بنا ہوا لباس زیب تن فرمایا ہوا تھا۔ یہ "حلہ ذی یزن" کے نام سے مشہور تھا اور حضرت صدیق اور فاروق اعظم نے بھی اسی قسم کے جبے پہنے ہوئے تھے۔ سرور انبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ و اجمل الثناء کی دار بقا کی طرف رحلت کے بعد یہ اشعث مرتد ہو گیا لیکن عہد صدیقی میں توبہ کی اور از سر نو اسلام قبول کیا۔ عہد صدیقی میں اسے جنگی قیدی بنا کر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس نے عرض کی؟ مجھے قتل نہ کیجئے، زندہ رہنے دیجئے، میں جنگوں میں آپ کے کام آؤں گا۔ چنانچہ اس نے یرموک اور قادسیہ کی جنگوں میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے اور فتح عراق کے سلسلہ میں جو معرکے ہوئے ان میں بھی یہ شریک تھا۔ جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ کے لشکر میں شامل ہو کر جنگ کی اور جنگ صفین کے چالیس روز بعد اس نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ حضرت امام حسن مجتبیٰ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (1)

وفد ازد شنوءہ

قبیلہ ازد کا ایک وفد بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ ان میں صرد بن عبد اللہ الازدی بھی تھا جو ان میں سب سے افضل تھا۔ حضور نے قبیلہ ازد کے مومنین پر انہیں امیر مقرر کیا۔ اور انہیں حکم دیا کہ وہ اہل اسلام کو اپنے ساتھ لے کر ان مشرکین سے جنگ کریں جو اس کے قرب و جوار میں آباد ہیں۔ چنانچہ اہل ایمان کی ایک جماعت کو ہمراہ لے کر صرد نے جرش شہر کا محاصرہ کر لیا، یمنی قبائل آباد تھے۔ مسلمانوں نے ایک ماہ تک جرش کا محاصرہ کیے رکھا۔ ایک ماہ بعد مسلمانوں نے وہ محاصرہ اٹھا لیا اور اپنے وطن لوٹ گئے۔ جب وہ شکر نامی پہاڑ تک پہنچ گئے تو اہل جرش نے یہ خیال کہ کہ مسلمان شکست کھا کر یہاں سے بھاگ گئے ہیں لہذا وہ مسلمانوں کے تعاقب میں نکلے۔ جب ان کا لشکر پہاڑ کے قریب پہنچا تو مسلمانوں نے پلٹ کر ان پر حملہ کر دیا اور چن چن کر انہیں موت کے گھاٹ اتارنے لگے۔ ان لوگوں نے اپنے دو جاسوس مدینہ طیبہ بھیجے ہوئے تھے تاکہ وہاں کے حالات کا مشاہدہ کریں اور انہیں آگاہ کریں۔ ایک روز وہ دونوں آدمی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بیٹھے تھے۔ حضور نے ان سے پوچھا، شکر نامی پہاڑ کس علاقہ میں ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ یہ پہاڑ ہمارے علاقہ میں ہے،

1۔ ایضاً، صفحہ 31-32

اس کا نام کشر ہے۔ پھر فرمایا، نہیں اس کا نام شکر ہے۔ انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ! اس پہاڑ کا ذکر حضور کیوں فرمارہے ہیں؟ فرمایا! اس پہاڑ کے دامن میں اللہ کے اونٹ ذبح کئے جا رہے ہیں یعنی تمہاری قوم کے افراد کو قتل کیا جارہا ہے۔

وہ دونوں وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت فاروق اعظم کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ نادانو! حضور تمہیں بتارہے ہیں کہ تمہاری قوم کے مردوں کو ذبح کیا جارہا ہے اور تم یوں ہی مہر بلب بیٹھے ہو، اٹھو اور حضور کی خدمت میں اپنی قوم کی سلامتی کی دعا کیلئے عرض کرو۔ انہوں نے دعا کی درخواست کی۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ ادْفَعْ عَنْهُمْ "الٰہی! ہمارے اہل وطن کا دفاع فرما۔"

وہاں سے اجازت لے کر اپنے وطن لوٹے۔ وہاں پہنچے تو پتا چلا کہ اس روز اور اسی وقت جب حضور ارشاد فرمارہے تھے، ان کے کئی افراد کو قتل کر دیا گیا۔ پھر جرش کے لوگ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ حضور نے انہیں مرحبا کہتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مَرْحَبًا بِكُمْ أَحْسَنُ النَّاسِ وُجُوهًا أَنْتُمْ مِنِّي وَأَنَا مِنْكُمْ

"اے لوگوں سے زیادہ خوبصورت چہرے والو! مرحبا کہتا ہوں۔ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔"

حارث بن کلال اور اس کے دوستوں کی طرف سے بارگاہ رسالت میں قاصد کی روانگی

حارث بن کلال، نعمان، معافر اور ہمدان نے اپنا ایک قاصد حضور کی خدمت میں روانہ کیا۔ اسے ایک خط بھی دیا جس میں انہوں نے اپنے اسلام قبول کرنے کی حضور کو اطلاع تحریر کی تھی۔ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بھی ان کے مکتوب گرامی کا جواب تحریر فرمایا جس میں انہیں ہدایت قبول کرنے اور شریعت کے احکام کی پابندی پر اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا تھا۔

فروہ بن عمرو الجذامی کا قاصد بارگاہ رسالت میں

فروہ نے اپنا قاصد بارگاہ نبوت میں روانہ کیا تاکہ وہ اس کے مشرف باسلام ہونے کی اطلاع عرض کرے۔ اس نے مندرجہ ذیل اشیاء بطور ہدیہ ارسال کیں:

ایک سفید خچر، جس کا نام فضہ تھا۔ ایک دراز گوش، جس کا نام یعفور تھا۔ ایک گھوڑا جس کا نام ظرب تھا۔ حضور کیلئے پوشاک اور ایک قبا جو سونے کی تاروں سے مرصع تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے نیاز مند کے بھیجے ہوئے ان تحائف کو قبولیت کا شرف بخشا اور اس کے قاصد کو بارہ اوقیہ چاندی سے نوازا۔

یہ فروہ، قیصر روم کی طرف سے اس علاقہ کا گورنر تھا اور اس کی قیام گاہ "معان" کا شہر تھا۔ جب قیصر کو فروہ کے مسلمان ہونے کی اطلاع ملی تو اس نے اس کو قید کرنے اور نظر بند کرنے کا حکم دیا۔ قیصر نے اسے کہا کہ اب بھی اگر تم توبہ کر کے اپنے دین کی طرف لوٹ آؤ تو تمہیں معاف کر دیا جائے گا اور تمہاری گورنری کا عہدہ بحال کر دیا جائے گا۔ اس عاشق صادق نے قیصر کو جواب دیا کہ میں کسی قیمت پر اپنے محبوب کا دین نہیں چھوڑوں گا کیونکہ تمہیں بھی اچھی طرح علم ہے کہ یہ وہی نبی ہے جس کی آمد کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تم صرف اپنا تخت بچانے کیلئے ایمان نہیں لا رہے۔ قیصر نے فروہ کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا۔ اس وفا کیش نے اپنی جان دیدی، سر قلم کرا لیا لیکن اپنے آقا کے دامن رحمت کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔

حضرت اقبال نے فروہ جیسے وفا کیشوں کو دیکھ کر یہ فرمایا تھا۔

برتر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

وفد حارث بن کعب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے قبیلہ کی گوشمالی کیلئے حضرت خالد بن ولید کو ان کی طرف بھیجا تھا۔ جب حضرت خالد واپس آئے تو ان کا وفد بھی ان کے ہمراہ آیا۔ جب یہ لوگ بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور نے ان سے ایک سوال پوچھا کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی قبیلہ سے تم جنگ کیا کرتے تھے تو کیونکر ان پر فتح حاصل کرتے تھے۔ انہوں نے جواباً عرض کیا کہ كُنَّا نَجْتَمِعُ وَلَا نَتَفَرَّقُ وَلَا نَبْدَءُ أَحَدًا بِظُلْمٍ "ہم متحد و متفق ہو کر دشمن سے معرکہ آرا ہوا کرتے تھے اور باہمی اختلاف اور ناچاقی سے کلیتہً احتراز کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ہم کسی پر پہلے ظلم نہیں کرتے تھے۔ ان کا جواب سن کر حضور نے فرمایا،

تم نے سچ کہا۔ حضور نے زید بن حصین کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔

وفد رفاعہ بن زید الخزاعی کی حاضری اور قبول اسلام

رفاعہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ روئے انور کی زیارت اور اسلام قبول کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ انہوں نے ایک غلام بطور ہدیہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا۔ سرکار نے انہیں ایک مکتوب گرامی مرحمت فرمایا، اس میں تحریر تھا کہ

یہ مکتوب محمد رسول اللہ نے رفاعہ کیلئے تحریر کیا ہے۔ میں اسے تمہارا امیر بنا کر بھیج رہا ہوں تاکہ تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے۔ جو ان کی دعوت قبول کرے گا تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے گروہ میں داخل ہو جائے گا اور جو انکار کرے گا اس کو غور و فکر کرنے کیلئے دو ماہ کی مہلت دی جائے گی۔

جب رفاعہ واپس اپنے قبیلہ میں پہنچے تو انہوں نے حسب ارشاد سب کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ سب نے صدق دل سے ان کی دعوت کو قبول کیا اور سب مشرف با سلام ہو گئے۔

وفد ہمدان

اس سال قبیلہ ہمدان کا ایک وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ ان میں مالک بن نمط نامی ایک شخص بھی تھا جو بڑا قادر الکلام شاعر تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ جب تبوک سے بعافیت واپس تشریف لائے تو اسے حاضری اور ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان لوگوں نے اس وقت یمنی لکیر دار چادریں اپنے اوپر اوڑھی ہوئی تھیں اور عدنی عمامے باندھے ہوئے تھے۔ مالک بن نمط جب حاضر ہوا تو اس نے اپنے چند شعر سنائے۔

نبی کریم نے اس مالک کو اپنی قوم کے مسلمانوں کا امیر مقرر فرمایا۔ جب ان کے اسلام لانے کی اطلاع ملی تو حضور نے سجدہ شکر ادا کیا۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا:

نِعْمَ الْحَیُّ الْھَمْدَانُ وَمَا اَسْرَعَھَا اِلَی النَّصْرِ

"قبیلوں میں سے ہمدان بہترین قبیلہ ہے۔ مدد کرنے کیلئے وہ کس تیز رفتاری سے آگے بڑھتے ہیں اور جہد و مشقت کے وقت وہ کس صبر کا

مظاہرہ کرتے ہیں۔"

اس میں اسلام کے ابدال اور اوتاد ہیں۔(1)

وفد نجیب

نجیب، کندہ کے قبائل سے ایک قبائل کا نام ہے۔ اس قبیلہ کا ایک وفد جو تیرہ افراد پر مشتمل تھا، بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ اپنے ہمراہ اموال کی زکوٰۃ و صدقات بھی لے آئے تھے۔ ان کی اس بات سے حضور انور کو بڑی مسرت ہوئی۔ سرکار نے فرمایا کہ یہ زکوٰۃ و صدقات کے اموال انہیں واپس کر دو تا کہ وہ ان اموال کو اپنے علاقہ کے فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیں۔ انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ! ہم نے اپنے علاقہ کے فقراء میں پہلے اموال تقسیم کئے ہیں جو ان سے بچا ہے، وہ لے کر حاضر ہوئے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر بھی حاضر خدمت تھے۔ ان کی باتیں سن کر فرمایا، یارسول اللہ! ہمارے پاس اہل عرب سے ان جیسا کوئی وفد نہیں آیا۔ ہادی برحق نے فرمایا، اے ابو بکر! ہدایت اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ جس کے ساتھ وہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو ان کے دلوں کو اسلام قبول کرنے کیلئے کشادہ کر دیتا ہے۔ وہ بڑے ذوق شوق سے قرآن کریم اور سنتوں کے بارے میں دریافت کرتے رہے۔ ان کے اس ذوق کو دیکھ کر حضور نے ان کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی۔

انہوں نے واپسی کی اجازت طلب کی۔ حضور نے پوچھا، واپسی میں اتنی جلدی کیا ہے؟ عرض کی، یارسول اللہ! ہمیں جلدی یہ ہے کہ واپس جائیں اور جن لوگوں کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں، ان کو حضور کے رخ انور کی زیارت اور ملاقات کے بارے میں بتائیں اور جو گزارشات ہم نے پیش کی ہیں اور حضور نے ازراہ کرم جو جوابات ارشاد فرمائے ہیں، ان سے انہیں آگاہ کریں۔

جب وہ الوداعی سلام عرض کر کے رخصت ہونے لگے تو حضور نے حضرت بلال کو ان کی طرف بھیجا کہ انہیں انعامات سے سرفراز کریں۔ انہیں اتنا نوازا کہ کسی دوسرے وفد پر ایسی نوازشات نہیں فرمائی تھیں۔ پھر پوچھا، تم میں سے کوئی رہ تو نہیں گیا جس کو انعام نہ ملا ہو۔ عرض کی، ایک نوجوان کو ہم اپنے سامان کے پاس چھوڑ آئے تھے، اس کے علاوہ سب نے

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 6، صفحہ 657

عطیات سے دامن بھر لیا ہے۔ حضور نے اس کو بلانے کا حکم دیا۔ وہ نوجوان حاضر خدمت ہو کر عرض پرداز ہوا کہ میں اس وفد کا ایک فرد ہوں جو ابھی حضور سے انعامات لے کر، جھولیاں بھر کر گیا ہے۔ میری بھی ایک حاجت ہے، اسے پورا فرمایئے۔ سرکار نے پوچھا تمہاری کیا حاجت ہے؟ عرض کی، یارسول اللہ! میری حاجت میرے دوستوں کی حاجت سے مختلف ہے۔ میری عرض یہ ہے کہ میں نے اتنی طویل مسافت فقط اس لئے طے کی ہے کہ میں حضور سے دعا کی التجاء کروں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرمائے اور میرے دل کو غنی فرمائے۔ حضور نے اس کے لئے دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَاجْعَلْ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ

"اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اس پر رحمت نازل کر اور اس کے دل کو غنی کر دے۔"

پھر فرمایا، جس کے لئے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے اور جس کے لئے بھلائی کا ارادہ نہیں فرماتا تو فقر و تنگدستی کو اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے۔ وہ اسے دیکھتا اور پریشان رہتا ہے۔ پھر حضرت بلال کو حکم دیا کہ اس نوجوان کو اتنا دو جتنا تم نے دوسروں کو دیا ہے۔

کچھ عرصہ بعد اس وفد کے ارکان سے منیٰ کے میدان میں حضور کی ملاقات ہوئی۔ لیکن وہ جوان ان میں موجود نہ تھا۔ حضور نے اس نوجوان کے بارے میں دریافت کیا کہ اس کا کیا حال ہے؟ سب نے اس کے استغناء اور قناعت کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ ہم نے ایسا نوجوان کبھی نہیں دیکھا۔

سرکار دوعالم ﷺ کے وصال کے بعد یمن میں ارتداد کی لہر چل گئی۔ لوگوں کے قدم پھسل گئے لیکن اس نوجوان کے قدموں میں ذرا لغزش نہ آئی۔ حضرت صدیق اکبر ہمیشہ اس کے بارے میں استفسار فرماتے رہے۔ حضرموت کے گورنر زیاد بن ولید کی طرف آپ نے لکھا کہ اس نوجوان کا خاص خیال رکھیں۔ (1)

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 35-36 و "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 615 و "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1136

وفد بنی ثعلبہ

سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام جعرانہ میں اموال غنیمت تقسیم کرنے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے۔ بنو ثعلبہ کے چار افراد نے شرف نیاز حاصل کیا اور اپنے اسلام قبول کرنے کا اقرار کیا۔ حضور اس وقت اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف فرما تھے۔ حضرت بلال نے اقامت شروع کر دی۔ ہم نے عرض کی، یا رسول اللہ! ہم اپنی قوم کے فرستادہ ہیں۔ ہم اسلام قبول کرنے کا اقرار کرتے ہیں اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ حضور کا یہ ارشاد ہے:

لَا إِسْلَامَ لِمَنْ لَا هِجْرَةَ لَهُ "جس نے ہجرت نہیں کی اس کا اسلام معتبر نہیں۔" اب ہمارے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ حضور نے فرمایا۔ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ وَاتَّقَيْتُمُ اللّٰهَ فَلَا يَضُرُّكُمْ "جہاں کہیں تم ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تمہیں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔" حضور کی اقتداء میں ہم نے نماز ادا کی۔ پھر حضور گھر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر آئے اور ہمیں یاد فرمایا۔ ہم حاضر ہوئے تو پوچھا تمہارا علاقہ کیسا ہے؟ ہم نے عرض کی، نہایت زرخیز و سرسبز و شاداب ہے۔ فرمایا، الحمد للہ۔ ہم چند روز تک خدمت اقدس میں ٹھہرے رہے اور حضور کی میزبانی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ جب الوداعی سلام عرض کرنے کیلئے حاضر خدمت ہوئے تو حضرت بلال کو حکم دیا۔ آپ نے ہم سب کو پانچ پانچ اوقیہ چاندی عطا فرمائی (ایک اوقیہ میں چالیس درہم ہوتے ہیں)۔

وفد بنی سعد ہذیم بن قضاعہ

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے-- آپ نے بتایا کہ میں اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ اس وقت ہمارا سارا علاقہ حضور ﷺ کے تسلط میں تھا۔ وہاں دو قسم کے لوگ سکونت پذیر تھے، ایک قسم ان کی تھی جنہوں نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا تھا۔ دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جو ابھی کافر تھے، لیکن مسلمانوں سے ہراساں رہتے تھے۔ ہم نے مدینہ طیبہ کے ایک کونے میں اپنے خیمے نصب کر دیئے۔ وہاں اپنا سامان رکھنے کے بعد مسجد نبوی کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ایک مسلمان امتی کی نماز جنازہ پڑھا رہے تھے۔ ہم پیچھے کھڑے ہو گئے لیکن نماز جنازہ میں شریک نہ ہوئے۔ سرکار دو عالم ﷺ جب نماز جنازہ سے فارغ ہوئے تو

ہماری طرف دیکھا۔ اپنے پاس بلایا، پوچھا، تم کون ہو؟ ہم نے عرض کی کہ ہم بنی قضاعہ کی شاخ سعد بن ہذیم کے قبیلہ سے ہیں حضور نے پوچھا، کیا تم مسلمان ہو؟ ہم نے عرض کی، ہم مسلمان ہیں۔ پھر پوچھا کہ تم نے اپنے مسلمان بھائی کی نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی؟ ہم نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہمارا خیال تھا کہ جب تک ہم حضور کی بیعت کا شرف حاصل نہ کرلیں نماز جنازہ میں ہمارا شریک ہونا جائز نہیں۔ فرمایا، ایسا نہیں۔ جب اور جہاں تم نے کلمہ شہادت پڑھ لیا تم مسلمان ہوگئے۔

پھر ہم نے دست مبارک پر بیعت کر کے اسلام قبول کرلیا اور ہم اپنی قیام گاہ پر واپس آگئے۔ ہم میں سے جو سب سے کم سن تھا اسے ہم اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے، اس لئے وہ شخص بیعت سے محروم رہا۔ کچھ دیر بعد حضور نے ہمیں بلانے کیلئے ایک آدمی بھیجا، ہم حاضر ہوگئے۔ اس وقت ہمارے کمسن پاسبان نے بیعت کی سعادت حاصل کی۔ ہم نے عرض کیا، اے ہمارے آقا! یہ ہم سب سے کم عمر ہے اور ہمارا خادم ہے فرمایا أَصْغَرُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ جو سب سے کم عمر ہوتا ہے وہ قوم کا خادم ہوتا ہے پھر اس کے لئے دعا فرمائی بَارَكَ اللّٰهُ فِيهِ "اللہ تعالیٰ اسے اپنی برکتوں سے نوازے۔" نعمان فرماتے ہیں۔ حضور کی دعا کی برکت سے وہ علم و فضل میں ہم سب سے برتر ہوگیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس کو ہمارا امام مقرر فرمایا۔ جب ہم نے واپسی کا ارادہ کیا تو نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ ہم میں سے ہر ایک کو چند اوقیہ چاندی بطور ہدیہ عطا کریں۔ ہم اپنی قوم کے پاس جب واپس آئے تو ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ سارے قبیلہ نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کرلیا۔

علامہ احمد بن زینی دحلان لکھتے ہیں کہ حضرت بلال نے اپنے آقا کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے اس وفد کے ہر فرد کو پانچ پانچ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔(1)

وفد سلامان

قبیلہ سلامان کا ایک وفد اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کرنے کیلئے خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وفد کے افراد کی تعداد سات تھی اور انہیں میں حضرت خبیب یا حبیب بن عمرو بھی شامل تھے۔ حضور سے ان کی ملاقات اس وقت ہوئی جب رحمت دو عالم ﷺ مدینہ طیبہ سے

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 37 و "سبل الہدیٰ"، جلد 6، صفحہ 523

باہر اپنے غلام کی نماز جنازہ پڑھنے کیلئے تشریف لے جا رہے تھے۔ حضور کو دیکھا تو عرض کی اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا وَعَلَيْكُمْ ، مَنْ اَنْتُمْ ؟ تم پر بھی سلامتی ہو، تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے عرض کی، ہم سلامان قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں اور حضور کی بیعت کرنے کے ارادہ سے ہم یہاں حاضر ہوئے ہیں۔ ہم اپنے پیچھے رہ جانے والے قبیلہ کے افراد کی طرف سے بھی بیعت کریں گے۔ نبی کریم ﷺ اپنے غلام ثوبان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، انہیں مہمان خانے میں اتارو جہاں وفود کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ نماز ظہر کے بعد نبی کریم ﷺ اپنے حجرہ شریف اور منبر مبارک کے درمیان تشریف فرما ہوئے۔ ہم نے بیعت کا شرف حاصل کیا اور دین کے کئی مسائل دریافت کئے۔ جب ہم رخصت ہونے لگے تو سرکار نے ہر شخص کو پانچ پانچ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔ انہوں نے ایک سوال یہ کیا کہ مَا اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ ؟ سب سے افضل عمل کون سا ہے؟" ہادی برحق ﷺ نے فرمایا اَلصَّلٰوةُ فِيْ وَقْتِهَا "بروقت نماز کا ادا کرنا۔" ان لوگوں نے اپنے آقا کی اقتداء میں نماز ظہر اور عصر ادا کی۔ حضور سرور عالم ﷺ نے ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ اجنبیت کا احساس تک ان کے دلوں میں باقی نہ رہا۔ چنانچہ یہ بڑی بے تکلفی سے اپنی معروضات پیش کرنے لگے۔ ایک گزارش یہ کی، یا رسول اللہ! ہمارا علاقہ قحط کی زد میں ہے، عرصہ دراز سے بارش نہیں ہوئی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے حق میں دعا کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں عرض کی اَللّٰهُمَّ اسْقِهِمُ الْغَيْثَ فِيْ دَارِهِمْ الٰہی! ان کے علاقہ میں باران رحمت فرما اور ان کو سیراب کر۔" ان میں سے ایک غلام نے عرض کی، یا رسول اللہ! اپنے دست مبارک بلند کر کے دعا فرمائیں کیونکہ اس میں بڑی برکت ہے۔ نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرا دیئے اور اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کو اتنا بلند کیا کہ حضور کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔

یہ لوگ تین دن تک نبی کریم ﷺ کی ضیافت سے لطف اندوز ہوتے رہے اور حسب معمول نبی کریم ﷺ نے انہیں انعامات سے نوازا اور ہر شخص کو پانچ پانچ اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی۔ حضرت بلال نے جب تعمیل ارشاد کرتے ہوئے انہیں یہ چاندی مرحمت کی تو ساتھ ہی معذرت بھی کی کہ آج ہمارے پاس زیادہ مال نہیں ہے، آپ اس قلیل مقدار کو ہی قبول کر لیں۔ انہوں نے کہا مَا اَكْثَرَ هٰذَا وَاَطْيَبَهٗ "یہ تو بہت ہی زیادہ اور بہت ہی پاکیزہ

انعام ہے۔" جس سے اللہ کے محبوب نے ہم کو نوازا۔

جب یہ لوگ اپنے وطن واپس پہنچے تو وہاں بارش برسنے سے ہر طرف جل تھل کا عالم تھا۔ انہوں نے تحقیق کی کہ یہ بارش کب برسی؟ انہیں معلوم ہوا کہ یہ سحاب کرم اسی روز برسا جب یہ لوگ حضور کی بارگاہ اقدس میں حاضر تھے اور حضور نے اپنا دست مبارک اٹھا کر ان کیلئے بارش کی دعا کی تھی۔ یہ وفد بعض علماء کے نزدیک ماہ صفر سنہ 10 ہجری میں اور بعض کے نزدیک ماہ شوال سنہ 10 ہجری میں حاضری کی سعادت سے بہرہ ور ہوا۔ (1)

وفد غامد

سنہ 10 ہجری میں ہی غامد کا وفد بھی بارگاہ رسالت میں باریابی سے بہرہ ور ہوا۔ جس کے شرکاء کی تعداد دس تھی۔ انہوں نے بقیع الغرقد میں اپنے خیمے نصب کئے۔ وہاں اپنا سامان رکھا اور ان میں جو سب سے کمسن تھا، اس کو سامان کی حفاظت کیلئے وہاں چھوڑا اور خود بارگاہ رسالت میں حاضری کیلئے روانہ ہوئے۔ وہ حضور کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضور نے انہیں دین اسلام کے مختلف مسائل سے آگاہ کیا اور اس سلسلہ میں ایک تحریر لکھ کر دی۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں بتایا کہ تم اپنے سامان کی حفاظت کیلئے جس نوجوان کو چھوڑ کر آئے تھے وہ سو گیا اور ایک چور آیا جو کپڑوں کا تھیلا اڑا کر لے گیا۔ ان میں سے ایک آدمی نے عرض کیا، یا رسول اللہ! وہ چرایا جانے والا تھیلا میرا تھا کیونکہ میرے کسی ساتھی کے پاس کوئی تھیلا نہ تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا تھیلا مل گیا ہے اور تمہاری قیام گاہ پر پہنچ گیا ہے۔ وہ لوگ فوراً اپنی قیام گاہ پر آئے۔ انہوں نے اپنے اس نوجوان ساتھی سے استفسار کیا تو اس نے بتایا کہ مجھے نیند آگئی۔ میں سو گیا پھر اچانک میری آنکھ کھلی دیکھا کہ وہ تھیلا موجود نہیں، میں اس کو تلاش کرنے کیلئے باہر نکلا تو ایک آدمی جو پہلے بیٹھا تھا، مجھے دیکھ کر بھاگ نکلا۔ میں بھی اس کے پیچھے دوڑنے لگا یہاں تک کہ میں نے اس کو جالیا۔ میں نے دیکھا کہ اس نے گڑھا کھود کر اس تھیلے کو دبا رکھا ہے۔ چنانچہ میں نے اس گڑھے کو کھودا تو وہ تھیلا موجود تھا۔ میں اسے اٹھا کر واپس لے آیا ہوں۔

سرکار دو عالم ﷺ نے انہیں جو بات بتائی تھی وہ اسی طرح وقوع پذیر ہو چکی تھی۔ یہ دیکھ کر

1۔ ایضاً، صفحہ 525 و "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1150 و احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 46

وہ کہنے لگے نَشْهَدُ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ ۔ یہ حضرات پھر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی، یارسول اللہ! جس طرح حضور نے فرمایا تھا اسی طرح وقوع پذیر ہوا۔ اس دفعہ وہ اپنے خادم کو بھی ہمراہ لائے۔ اس نے شرف بیعت حاصل کیا۔ حضور نے اسے ابی بن کعب کے حوالے کیا کہ اسے قرآن کریم کی چند سورتیں پڑھادیں۔ حسب معمول بارگاہ رسالت سے انہیں بھی انعامات سے نوازا گیا۔(1)

وفد ازد

علامہ محمد ابو زہرہ رحمتہ اللہ علیہ، "خاتم النبیین" میں اس وفد کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

یہ وفد، بارگاہ رسالت پناہ ﷺ میں حاضر ہوا۔ حضور ان کی شکل وصورت اور صاف و پاکیزہ لباس کو دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے۔ پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کی، ہم ایماندار قوم ہیں۔ نبی کریم ﷺ ان کا یہ جواب سن کر مسکرائے اور ان سے دریافت کیا کہ ہر بات کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے۔ تمہارے اس قول اور ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ انہوں نے عرض کی، ہمارے ایمان اور قول کی حقیقت وہ پندرہ خصلتیں ہیں جن پر ہم عمل پیرا ہیں۔ ان پندرہ خصلتوں سے پانچ وہ ہیں جو حضور کے قاصدوں نے ہمیں سکھائی ہیں۔ پانچ وہ ہیں، جو حضور نے خود سکھائی ہیں اور پانچ وہ ہیں جن پر ہم زمانہ جاہلیت میں بھی عمل پیرا تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ پانچ خصلتیں کون سی ہیں جو میرے قاصدوں نے سکھائی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حضور کے قاصدوں نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کے رسولوں پر، اس کی کتابوں پر، یوم قیامت پر اور قدر پر ایمان لے آئیں۔ پھر حضور نے دریافت فرمایا، وہ پانچ خصلتیں کون سی ہیں جو میں نے تم کو سکھائی ہیں۔ انہوں نے عرض کی کہ ہم اس بات کا اقرار کریں کہ لا الہ الا اللہ یعنی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، ماہ رمضان کے روزے رکھیں اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کریں۔ پھر حضور نے استفسار کیا کہ وہ پانچ خصلتیں کون سی ہیں جن پر تم زمانہ جاہلیت سے عمل پیرا ہو۔ انہوں نے عرض کی، خوشحالی کے زمانہ میں اللہ

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 6، صفحہ 598 و "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1151 و "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 671

کا شکر ادا کریں، مصیبت کے ایام میں صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑیں، اللہ کے ہر فیصلہ پر راضی رہیں، دشمن سے مقابلہ کرتے وقت ثابت قدم رہیں اور دشمن کو اس کی مصیبت پر مطعون نہ کریں۔

حضور نے ارشاد فرمایا۔ حُكَمَاءُ عُلَمَاءُ "یہ بڑے دانشمند عالم ہیں۔" پھر فرمایا، میں پانچ خصلتوں کا مزید اضافہ کرتا ہوں تاکہ ان خصائل کی تعداد بیس ہو جائے:

فَلَا تَجْمَعُوا مَا لَا تَأْكُلُونَ وَلَا تَبْنُوا مَا لَا تَسْكُنُونَ
وَلَا تَنَافَسُوا فِي شَيْءٍ وَأَنْتُمْ غَدًا عَنْهُ زَائِلُونَ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ وَعَلَيْهِ تُعْرَضُونَ
وَارْغَبُوا فِيمَا عَلَيْهِ تَقْدِمُونَ وَفِيهِ تُخَلَّدُونَ۔ (1)

(1) "ان اشیاء خوردنی کے ڈھیر نہ لگاؤ جنہیں تم کھاؤ گے نہیں۔

(2) بغیر ضرورت کے مکانات تعمیر نہ کرو جن میں تم نے سکونت پذیر نہیں ہونا ہے۔

(3) ایسی چیز کے حصول میں سبقت نہ لے جاؤ جن سے کل تمہیں دستبردار ہونا ہے۔

(4) اس اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم نے لوٹ کر جانا ہے اور جس کے روبرو تمہیں پیش کیا جانا ہے۔

(5) اس چیز میں رغبت کرو جہاں تم نے جانا ہے اور وہاں ہمیشہ رہنا ہے۔"

یہ ارشادات نبوی سننے کے بعد وہ اپنے وطن واپس چلے گئے۔ انہوں نے ان زریں وصایا کو یاد رکھا اور ان پر اللہ کی توفیق اور حضور کی برکت سے عمل پیرا رہے۔ (2)

وائل بن حجر کی آمد

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں، ان کے علاوہ دیگر محدثین، بزاز اور طبرانی نے یہ واقعہ وائل کی زبانی نقل کیا ہے:

1۔ احمد بن زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 53 و "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1152 و "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 672

2۔ ایضاً

وائل نے بتایا کہ جب اللہ کے رسول کی بعثت کی اطلاع ملی تو میں اس وقت ایک بڑی مملکت کا سربراہ تھا۔ ہر قسم کی آسائشیں اور راحتیں میسر تھیں۔ میں نے ان سب کو پس پشت ڈال دیا اور اللہ اور اس کے رسول کی رضا کیلئے میں سب کچھ چھوڑ کر یہاں آیا۔ جب مدینہ طیبہ پہنچا تو صحابہ کرام نے مجھے بتایا کہ تمہارے یہاں پہنچنے سے تین دن پہلے اللہ کے رسول نے اپنے صحابہ کرام کو تمہاری آمد کا مژدہ سنایا تھا۔ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، سلام پیش کیا، حضور نے اس سلام کا جواب دیا۔ پھر اپنی ردائے مبارک بچھائی اور مجھے پکڑ کر اس کے اوپر بٹھادیا۔ پھر نبی کریم ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور مجھے اپنے ساتھ منبر پر بٹھایا۔ اور دونوں مبارک ہاتھ اٹھائے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، اتنے میں سب لوگ جمع ہوگئے۔ حضور نے روئے سخن حاضرین کی طرف کرتے ہوئے فرمایا:

"اے لوگو! یہ وائل بن حجر ہے جو بڑے دور دراز حضرموت کے علاقہ تمہارے پاس آیا ہے اور اپنی آزاد مرضی سے آیا ہے۔ کسی نے اس کو مجبور نہیں کیا۔ یہ اللہ کی رضا اور اس کے رسول کی رضا کا طلبگار بن کر آیا ہے، یہ بادشاہوں کی باقیماندہ اولاد سے ہے۔"

وائل کہتا ہے کہ میں نے عرض کی، یارسول اللہ! جونہی مجھے حضور کی بعثت کا علم ہوا، میں اپنا ملک، شاندار محلات، آرام و آسائش کے جملہ وسائل کو الوداع کہہ کر اللہ کا دین سیکھنے کیلئے حضور کے قدموں میں حاضر ہوا ہوں۔ حضور نے فرمایا صَدَقْتَ "جو تو نے کہا ہے سچ کہا ہے۔"

حضور نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے حاضرین کو نصیحت کی۔ اس کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنا۔ یہ ابھی ابھی اپنا ملک چھوڑ کر یہاں آیا ہے۔

میں نے کہا، میرے خاندان والوں نے میری مملکت مجھ سے چھین لی ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا فکر مت کرو! میں تمہیں اس سے دگنی مملکت کا والی بنادوں گا۔

طبرانی اور ابو نعیم سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس کو منبر پر اپنے ساتھ بٹھایا، اس کے لئے دعا فرمائی، اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْ وَائِلٍ وَوَلَدِهٖ وَوَلَدِ وَلَدِهٖ "اے اللہ! وائل اور اس کی اولاد در اولاد کو اپنی برکتوں سے نواز دے۔"

رحمت عالم ﷺ نے حضرت معاویہ بن ابوسفیان کو حکم دیا کہ ان کو حرہ کے علاقہ میں

ایک مکان میں ٹھہراؤ۔ حضرت معاویہ ان کے ساتھ چل پڑے۔ گرمی بڑی شدید تھی۔ دھوپ کی وجہ سے کنکریاں اور سنگریزے انگاروں کی طرح گرم تھے۔ حضرت امیر معاویہ نے اسے کہا اَرْدِفْنِیْ خَلْفَکَ "مجھے اپنے پیچھے سوار کرلے۔" وائل نے کہا لَسْتَ مِنْ اَرْدَافِ الْمُلُوْکِ "تم ان لوگوں سے نہیں ہو جو بادشاہوں کے پیچھے سوار ہوتے ہیں۔" پھر آپ نے کہا، اپنے جوتے مجھے دیدو تاکہ پہن لوں۔ اس نے کہا کہ میں نے جوتے پہن لئے ہیں اب میں تمہیں نہیں دے سکتا۔ آپ نے کہا، ان سنگریزوں نے میرے پاؤں جلا دیئے ہیں۔ اس نے کہا کہ میری اونٹنی کے سائے میں چلو یہی تمہارے لئے بڑا شرف ہے۔(1)

وفد النخع

قبائل عرب کے وفود میں یہ آخری وفد ہے جو بارگاہ رسالت میں ماہ محرم سنہ ۱۱ ہجری میں حاضر ہوا۔ یہ وفد دو سو افراد پر مشتمل تھا۔ پہلے وہ رملہ بن حارث کے گھر جو دار الاضیاف کے طور پر استعمال ہوتا تھا، اس میں اقامت گزین ہوئے۔ پھر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اپنے اسلام قبول کرنے کا اقرار کیا۔ انہوں نے حضرت معاذ بن جبل کے ہاتھ پر یمن میں ہی اسلام کی بیعت کی تھی۔

اس وفد میں ایک شخص زرارہ بن عمرو نامی تھا۔ وہ بھی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی، یارسول اللہ! میں نے اپنے اس سفر میں ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے خوفزدہ کر دیا ہے۔ حضور نے پوچھا، تم نے کیا خواب دیکھا ہے؟ اس نے کہا، خواب میں اپنی ایک گدھی دیکھی ہے جس کو میں اپنے گھر چھوڑ آیا تھا۔ اس نے ایک بچہ جنا ہے جو سیاہی مائل سرخ ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا، کیا تم اپنی کنیز پیچھے چھوڑ آئے ہو جو حاملہ تھی۔ اس نے عرض کی، یارسول اللہ! میں ایک کنیز چھوڑ آیا ہوں میرا گمان ہے وہ حاملہ تھی۔ حضور نے فرمایا، پھر اس نے بچہ جنا ہے جو تیرا بیٹا ہے۔ یارسول اللہ! پھر وہ سرخ سیاہی مائل کیوں ہے؟ حضور نے اسے فرمایا، میرے نزدیک آؤ۔ جب بالکل نزدیک ہو گیا، حضور نے پوچھا، کیا تیرے جسم پر برص کا نشان ہے جس کو تم ہمیشہ چھپائے رہتے ہو؟ اس نے کہا، اس ذات

1۔ "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1152 و "سبل الہدیٰ"، جلد 6، صفحہ 665 والامام البیہقی، "دلائل النبوۃ"، جلد 5، صفحہ 349 وابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 4، صفحہ 154

کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے حضور کی ذات کے بغیر کسی کو بھی برص کے اس داغ کا کوئی علم نہیں۔ حضور نے فرمایا، اس کی یہ رنگت اس برص کے داغ کی وجہ سے ہے۔

اس نے عرض کی، یارسول اللہ! میں نے خواب میں نعمان بن منذر کو دیکھا ہے، اس کے کانوں میں آویزے ہیں، اس کے ہاتھوں میں کڑے ہیں اور اس کا لباس بڑا خوبصورت اور شاندار ہے۔ حضور نے فرمایا، اس سے مراد ملک عرب ہے جو اپنی شان و شوکت سے ظہور پذیر ہو گا۔

پھر اس نے عرض کی، یارسول اللہ! میں نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا جو زمین سے نکل رہی ہے۔ فرمایا یہ دنیا کی باقیماندہ عمر ہے۔ پھر اس نے عرض کی، میں نے ایک آگ دیکھی جو زمین سے نکل رہی ہے اور میرے اور میرے بیٹے عمرو کے درمیان حائل ہے۔ حضور نے فرمایا، یہ وہ فتنہ ہے جو آخری زمانہ میں ظاہر ہو گا۔ اس نے عرض کی، یارسول اللہ! کیسا فتنہ ہو گا؟ حضور نے ارشاد فرمایا، لوگ اپنے امام کو قتل کر دیں گے، پھر آپس میں دست بگریباں ہو جائیں گے۔ جو بدکار ہے وہ اپنے آپ کو صالح ترین سمجھنے لگے گا۔ مومن کا خون مومن کے نزدیک پانی سے بھی زیادہ ارزاں ہو جائے گا۔ اگر تیرا بیٹا مر گیا تو تو اس فتنہ کو پائے گا اور اگر تو مر گیا تو تیرا بیٹا اس فتنہ میں مبتلا ہو گا۔ اس نے عرض کی، یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ میں اس فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔ چنانچہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے دعا مانگی اَللّٰهُمَّ لَا یُدْرِكْهَا "الٰہی اس فتنہ سے اس کو بچانا۔" چنانچہ وہ آدمی فوت ہو گیا اور اس کا بیٹا فتنہ میں مبتلا ہوا اور وہ فتنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منصب خلافت سے معزول کرنے کا فتنہ تھا۔

واثلہ بن اسقع کی آمد

وہ کہتے ہیں کہ میں اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر روانہ ہوا۔ مدینہ طیبہ پہنچا۔ اس وقت حضور نماز میں مصروف تھے۔ آخری صف میں مجھے جگہ ملی، میں نے وہاں نماز کی نیت باندھ لی۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب نماز سے فارغ ہوئے تو میرے پاس تشریف لائے، دریافت فرمایا، مَا حَاجَتُكَ؟ "تم یہاں کس مقصد کیلئے

آئے ہو؟" میں نے عرض کی۔ اسلام قبول کرنے کیلئے۔ فرمایا، تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ پھر پوچھا، تم ہجرت کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ میں نے عرض کی، بیشک۔ فرمایا، کون سی ہجرت؟ اسلام قبول کرنے کے بعد پھر اپنے اہل خانہ کے پاس واپس چلے جاؤ گے یا رہو گے؟ میں نے عرض کی، ان دونوں میں سے جو بہتر ہو۔ حضور نے فرمایا، ہمیشہ یہاں رہنے والی ہجرت بہتر ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اسے چند نصیحتیں کیں جو ہم سب کیلئے سرمایہ نجات و فلاح ہیں۔ آپ بھی انہیں سنئے، یاد رکھئے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کیجئے، سرکار دو عالم نے فرمایا:

عَلَيْكَ بِالطَّاعَةِ فِي عُسْرِكَ وَيُسْرِكَ وَمَنْشَطِكَ وَمَكْرَهِكَ۔

"یعنی تم ہر حالت میں اطاعت گزار رہو۔ اپنی تنگ دستی میں بھی اور خوشحالی میں بھی، خوشی کی حالت میں بھی اور ناپسندیدگی کی حالت میں بھی۔"

میں نے عرض کی، بیشک میں اسی طرح اطاعت گزار رہوں گا۔ پھر حضور نے اپنا دست مبارک میری طرف بڑھایا اور میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ حضور نے مجھے دیکھا کہ میں اپنے نفس کیلئے کوئی استثناء (رعایت) طلب نہیں کر رہا۔ حضور نے فرمایا، یہ بھی کہو فِيمَا اسْتَطَعْتُ "جہاں تک اطاعت میری طاقت میں ہو گی۔"

میں نے وہی الفاظ دہرا دیئے فِيمَا اسْتَطَعْتُ

مرشد برحق نے یہ الفاظ کہلوا کر اپنا دست مبارک میرے ہاتھ پر رکھا۔(1)

اشعریون اور اہل یمن کا وفد

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے پاس ایک ایسی قوم آنے والی ہے جن کے دل تم سب سے زیادہ رقیق اور نرم ہیں۔ حضور کے ارشاد کے کچھ دیر بعد اشعریون کا وفد مدینہ طیبہ میں وارد ہوا۔ اس وقت وہ یہ رجز پڑھ رہا تھا۔

غَدًا نَلْقَى الْأَحِبَّةَ   مُحَمَّدًا وَحِزْبَهُ

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 6، صفحہ 667

"کل ہم اپنے پیارے دوستوں سے ملاقات کریں گے یعنی محمد عربی سے
اور آپ کے صحابہ سے۔"

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

جَاءَ أَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ أَرَقُّ أَفْئِدَةً وَأَضْعَفُ قُلُوبًا وَالْإِيمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ وَالسَّكِينَةُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي الْفَدَّادِينَ مِنْ أَهْلِ الْوَبَرِ قِبَلَ مَطْلَعِ الشَّمْسِ۔

"اہلِ یمن آگئے ہیں، ان کے دل بڑے نرم اور رقیق ہیں۔ ایمان بھی یمنیوں کا ہے اور حکمت و دانائی بھی یمنیوں کا حصہ ہے۔ تسکین و طمانینت بکریاں پالنے والوں کا شیوہ ہے اور اونٹوں کے مالکان میں فخر اور غرور زیادہ ہوتا ہے اور ان کا مسکن مشرقی طرف ہے۔"

صحیح بخاری میں ہے کہ قبیلہ بنی تمیم کے چند افراد حاضر خدمت ہوئے۔ حضور انور علیہ السلام نے انہیں فرمایا، اے بنی تمیم! تمہیں بشارت ہو۔ انہوں نے کہا، آپ نے ہمیں بشارت دی ہے تو ہمیں مال و دولت سے بھی کچھ دیجئے۔ ان کی اس مادیت گزیدہ ذہنیت کے باعث حضور کے رخ انور کی رنگت تبدیل ہوگئی۔ کچھ دیر بعد اہل یمن کا ایک وفد آیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بنو تمیم کو بشارت دی لیکن انہوں نے اس بشارت کو قبول نہیں کیا۔ میں اب تمہیں بشارت دیتا ہوں، تم اس کو قبول کرو۔ انہوں نے عرض کی، ہم بصد شوق حضور کی دی ہوئی بشارت کو قبول کرتے ہیں۔ پھر عرض کی، یارسول اللہ! ہم دین کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہمیں بتائیے کہ اس کائنات کی تخلیق کی ابتدا کیسے ہوئی؟ فرمایا کہ پہلے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ ہی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز موجود نہ تھی۔ اس کا عرش پانی کے اوپر تھا۔ اس نے ہر چیز کو لوح محفوظ میں تحریر کردیا ہے۔

یہ شرف قبولیت انہیں کیوں ارزانی فرمایا گیا؟ اس کے بارے میں شیخ ابوزہرہ لکھتے ہیں کہ:

"حضور کے اولین جان نثار مدینہ طیبہ کے دو قبیلے اوس و خزرج تھے۔ جن کا اصل

وطن یمن تھا۔ حضور کو ان کے اس اسلامی جذبہ کے باعث ان سے قلبی محبت تھی کیونکہ ان کا آبائی وطن یمن تھا۔ اس لئے حضور کے قلب مبارک میں یمن کے خطہ اور اس میں بسنے والے وہاں کے تمام باشندوں کیلئے بڑی محبت کے جذبات موجزن تھے۔"(1)

وفد دوس

بنی دوس قبیلہ کے سردار طفیل بن عمرو اپنے ایمان لانے کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں:
"میں کسی کام کیلئے مکہ مکرمہ آیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اللہ تعالیٰ کا حبیب وہاں تشریف فرما تھا۔ جب اہل مکہ کو پتہ چلا کہ قبیلہ دوس کا رئیس ان کے شہر میں آیا ہے تو انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ بھی حضور کی دلنشین باتیں سن کر اپنے آبائی دین کو ترک نہ کر دے اور اسلام کو قبول نہ کر لے۔ اس لئے انہوں نے میرا گھیراؤ کر لیا۔ ہر وقت میرے ساتھ رہتے اور مجھے حضور ﷺ سے دور رکھنے کیلئے ہر ممکن کوشش کیا کرتے۔ وہ مجھے کہتے کہ تم ہمارے شہر میں تشریف لائے ہو۔ آج کل اس شہر میں ایسا آدمی ظاہر ہوا ہے جس نے یہاں کا امن و سکون غارت کر دیا ہے۔ بھائی کو بھائی کا، بیٹے کو باپ کا اور بیوی کو خاوند کا باغی بنا دیا ہے۔ وہ بڑا ماہر جادوگر ہے، پھونک مارتا ہے اور دلوں میں ایک دوسرے کیلئے نفرت و حقارت کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں۔ ہمیں یہ خدشہ ہے کہ کہیں آپ بھی اس کے جال میں پھنس نہ جائیں اور آپ کا قبیلہ اس المیہ سے دوچار ہو جائے جس میں ہم مبتلا ہیں۔ اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ نہ آپ ان کی مجلس میں بیٹھیں، نہ ان سے گفتگو کریں اور نہ ان کی کوئی بات سنیں۔

طفیل کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات اتنی بار مجھے کہی کہ میں نے عزم کر لیا کہ میں ایسے شخص سے کبھی ملاقات نہ کروں گا، نہ اس سے گفتگو کروں گا اور نہ اس کی مجلس میں بیٹھ کر اس کی باتیں سنوں گا۔ چنانچہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ غیر شعوری طور پر بھی ان کی آواز میرے کانوں تک نہ ٹکرائے۔ میں نے ان گلی کوچوں میں آمد و رفت بھی بند کر دی جہاں حضور کی آمد و رفت ہوا کرتی تھی۔

1۔ "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 618 و "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1115

ایک روز صبح سویرے میں مسجد حرام میں گیا اور اس وقت اللہ کا پیارا رسول ﷺ کعبہ مقدسہ کے سامنے نماز ادا کر رہا تھا۔ میں ان کے کچھ قریب کھڑا ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کی رسیلی آواز میرے کانوں میں پڑے اور میرے دل میں اتر جائے۔ چنانچہ میں نے حضور کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے سنا۔ قرآن کریم کے میٹھے بول سن کر میں حیران و ششدر رہ گیا۔ میں نے اپنے آپ کو ملامت کرنا شروع کی۔ میں نے اپنے آپ سے کہا

"اے طفیل! تیری ماں تجھے روئے۔" بخدا! تو دانا ہے اور اپنے ملک کا نغز گو شاعر ہے۔ تجھ پر کلام کا حسن اور اس کی قباحت ملتبس نہیں ہو سکتی۔ میں کیوں اپنے آپ کو اس ہستی کے کلام سننے سے باز رکھ رہا ہوں۔ مجھے ان کا کلام سننا چاہئے، اگر وہ کلام اچھا ہوا تو میں اس کو قبول کر لوں گا اور اگر قبیح ہوا تو اسے نظر انداز کر دوں گا۔ چنانچہ میں کچھ وقت حرم شریف میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ سرور عالم ﷺ اپنے کاشانہ اقدس کی طرف تشریف لے گئے۔ میں حضور کے پیچھے پیچھے چلنے لگا یہاں تک کہ حضور اپنے کاشانہ اقدس میں داخل ہو گئے۔ میں نے دستک دی اور حضور کی خدمت میں عرض کی، یا محمد! آپ کی قوم نے مجھے آپ کے بارے میں ایسی ایسی باتیں سنائی ہیں، وہ مجھے اس بات سے ڈراتے رہے کہ میں آپ کا کلام نہ سنوں ورنہ آپ کا جادو مجھ پر بھی اثر کر جائے گا اور میں کسی کام کا نہیں رہوں گا۔ اس خوف سے کہ آپ کی آواز غیر شعوری طور پر میرے کانوں میں پڑے میں نے کانوں کے سوراخ روئی سے بند کر دیئے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ میں آپ کے کلام معجز نظام کے سننے سے محروم رہوں۔ اس لئے آج صبح جب آپ نماز میں کلام الٰہی کی تلاوت کر رہے تھے تو مجھے اس کلام کے سننے کا موقع نصیب ہوا۔ میں اب حاضر خدمت ہوا ہوں۔ مجھے اپنی دعوت کے بارے میں تفصیل سے بتایئے۔ نبی رحمت ﷺ نے مجھے اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا۔ قرآن کریم کی آیات بینات کی تلاوت فرمائی۔ میں نے کہا، بخدا! میں نے آج تک اس سے بہتر اور اس سے دلنشین کلام کبھی نہیں سنا۔ میں اب اسلام قبول کرتا ہوں اور یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اور آپ اس کے سچے رسول ہیں۔

پھر میں نے عرض کی، اے اللہ کے محبوب نبی! میں اپنی قوم کا سردار ہوں۔ میں جو حکم دوں وہ اس کی تعمیل میں ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔ میں اب ان کی طرف واپس جا رہا ہوں۔ وہاں جا کر انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دوں گا۔ حضور میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے

اللہ تعالیٰ کوئی ایسی نشانی عطا فرمائے جس کی وجہ سے وہ میری دعوت قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لَهٗ اٰيَةً "اے اللہ! اس کے لئے کوئی نشانی بنادے۔" چنانچہ میں حضور سے اجازت لے کر اپنی قوم کی طرف آیا۔ جب میں اس گھاٹی پر پہنچا جس کے دامن میں میری قوم اقامت گزیں تھی تو میری دونوں آنکھوں کے درمیان سے روشنی نکلنے لگی جیسے کوئی روشن چراغ ہو۔ میں نے عرض کی، اے اللہ! یہ نشانی میرے چہرے کے علاوہ کسی دوسری جگہ پر ظاہر ہو، ورنہ میری قوم مجھے کہے گی کہ تم نے ہمارے بتوں کو چھوڑا ہے اس نافرمانی کی نحوست کے باعث تمہارا چہرہ بگڑ گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وہی روشنی میرے عصا کے اوپر والے کنارے میں ظاہر کر دی اور دور سے دیکھنے والے کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ میں نے اپنے عصا کے ساتھ کوئی قندیل آویزاں کی ہوئی ہے۔

میں اپنے قبیلہ میں پہنچا، صبح سویرے میرے والد صاحب مجھے ملنے کیلئے آئے، وہ کافی بوڑھے تھے۔ جب وہ میرے نزدیک ہوئے تو میں نے کہا، ابا جان! مجھ سے دور رہئے۔ میرا اور آپ کا تعلق ختم ہو چکا ہے۔ میرے والد نے پوچھا، بیٹے یہ کیونکر؟ میں نے کہا کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور دین محمدی کا پیروکار بن گیا ہوں، اس لئے میرے اور آپ کے سارے رشتے ختم ہو گئے۔ پھر باپ نے کہا، بیٹے! یہ جو تیرا دین ہے وہی میرا دین ہے، میں بھی اس نبی کا پیروکار ہوں جس کی اطاعت تم نے اختیار کی ہے۔ طفیل نے باپ کو کہا، پھر آپ جا کر غسل کیجئے، پاکیزہ لباس پہن کر میرے پاس تشریف لائیے تاکہ جو علم سرکار دو عالم ﷺ نے مجھے سکھایا ہے وہ میں آپ کو سکھاؤں۔ چنانچہ طفیل کے والد گئے، غسل کیا، نئے پاک کپڑے پہنے، اپنے بیٹے کے پاس آئے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ طفیل کہتے ہیں، پھر میری بیوی میرے پاس آئی۔ میں نے اسے کہا، مجھ سے دور ہو جاؤ، نہ میرا تمہارے ساتھ کوئی تعلق ہے اور نہ تمہارا میرے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ اس نے کہا کہ میرے ماں باپ تجھ پر قربان! یہ کیسے؟ میں نے اسے بتایا کہ اسلام نے میرے اور تمہارے درمیان جدائی کر دی ہے۔ میں اسلام لے آیا ہوں اور دین محمدی کو قبول کر لیا ہے۔ اس نے کہا کہ میرا دین بھی وہی ہے جو تیرا دین ہے۔ میں نے اسے کہا کہ جاؤ، غسل کرو۔ وہ گئی، غسل کیا،

پھر میرے پاس آئی، میں نے اس کے سامنے دین اسلام کے بنیادی عقائد بیان کئے، اس نے اسے قبول کیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

پھر میں نے اپنے قبیلہ کے دوسرے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے میری بات ماننے میں تامل سے کام لیا۔ میں رنجیدہ خاطر ہو کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا اور عرض کی، یارسول اللہ! میری قوم نے میری دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ زنا کے بڑے شائق ہیں اور اسلام اس فعل شنیع سے سختی سے منع فرماتا ہے۔ آپ ان کے لئے بددعا فرمائیں۔ رحمت عالم ﷺ نے اپنے رب کی جناب میں عرض کی:

اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا اِلَى الْاِسْلَامِ

"یا اللہ! قبیلہ دوس کو اسلام قبول کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔"

پھر حضور نے فرمایا، جاؤ اور اپنی قوم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دو اور ان کے ساتھ نرمی اختیار کرو۔ چنانچہ سفر سے وطن واپس آکر میں نے تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر میں مدینہ طیبہ زیارت کیلئے حاضر ہوا۔ اس وقت اللہ کا برگزیدہ رسول خیبر میں تشریف فرما تھا۔ چنانچہ میں نے خیبر جا کر اپنے حبیب کے روئے انور کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اس سفر میں میرے ساتھ میرے قبیلہ کے ستر، اسی گھرانے تھے جو اسلام قبول کر چکے تھے۔ حضور ﷺ نے مال غنیمت سے ہم تمام کو بھی حصہ عطا فرمایا۔

سرکار دوعالم ﷺ کے انتقال پرملال کے بعد ارتداد کی لہر چلی تو دوس قبیلہ کا سردار طفیل لشکر اسلام کی معیت میں نبوت کے جھوٹے دعویداروں کے خلاف جنگ میں مصروف رہا۔ پہلے طلیحہ اسدی کو شکست فاش ہوئی۔ پھر یہی طفیل یمامہ کے میدان میں مسیلمہ کذاب کے لشکر کے ساتھ معرکہ آرا ہوئے۔ ان کا بیٹا عمرو بھی اس سفر جہاد میں ان کے ہمرکاب تھا۔ یمامہ کے میدان میں حضرت طفیل نعمت شہادت سے سرفراز کئے گئے اور ان کے بیٹے کو شدید زخم آئے۔ پھر یہ نوجوان عہد فاروقی میں جنگ یرموک میں شامل ہوا، اس میدان میں اس کو شہادت کا تاج پہنایا گیا۔ (1)

1۔ "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 624-628

وفد مزینہ

اہل تحقیق کے نزدیک مزینہ قبیلہ کے دو وفد مختلف اوقات میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ پہلا وفد صرف دس افراد پر مشتمل تھا اور اس کا قائد خزاعی بن عبد سہم تھا۔ خزاعی نے خود بھی بیعت کی اور اپنی قوم کی طرف سے اسلام کی بیعت کی۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ جب وہ واپس جائے گا اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دے گا تو وہ تمام بصد شوق و مسرت اس دعوت کو قبول کرلیں گے۔ لیکن جب یہ اپنی قوم کے پاس آیا اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے اس دعوت کو قبول کرنے سے صاف انکار کردیا۔

خزاعی اور اس کے دس ساتھی اسلام کی تبلیغ میں سرگرم عمل رہے یہاں تک کہ اس قبیلہ کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کرلیا اور دوسری مرتبہ چار سو افراد پر مشتمل اس قبیلہ کا وفد مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا۔ اس دوسرے وفد کی آمد کی تاریخ صلح حدیبیہ کے بعد یا فتح مکہ کے بعد بیان کی گئی ہے۔ جب یہ چار صد افراد کا وفد واپس جانے لگا تو رحمت عالم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا یَا عُمَرُ زَوِّدِ الْقَوْمَ "اے عمر! اس قوم کے زاد راہ کا انتظام کرو۔" آپ نے عرض کی، یارسول اللہ! میرے پاس قلیل مقدار میں کھجوریں ہیں، یہ اتنے لوگوں کیلئے زاد سفر کا کام دیں گی؟ حضور نے دوبارہ فرمایا اِنْطَلِقْ وَزَوِّدْهُمْ" جاؤ اور ان مہمانوں کے زاد سفر کا انتظام کرو۔" حضرت فاروق یہ حکم سنتے ہی انہیں ہمراہ لے کر اپنے گھر تشریف لائے۔ پھر اوپر والے چوبارے میں انہیں لے گئے۔ جب وہ اس کمرے میں داخل ہوئے تو کھجوروں کا بہت بڑا ڈھیر وہاں موجود پایا، گویا خاکستری رنگ کا کوئی موٹا تازہ اونٹ بیٹھا ہوا ہے۔ ان لوگوں کو جتنی ضرورت تھی جھولیاں بھر بھر کر کھجوریں وہاں سے لے لیں۔ حضرت نعمان کہتے ہیں کہ میں سب سے آخر میں اس کمرے سے نکلا، جب میں نے کھجوروں کے ڈھیر پر آخری نگاہ ڈالی تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس ڈھیر سے کسی نے کھجور کا دانہ بھی نہیں اٹھایا۔(1)

1۔ ایضاً، صفحہ 624 و "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1101-1102

وفد فزارہ

رسول اکرم ﷺ غزوۂ تبوک سے جب واپس تشریف لائے تو بنو فزارہ کا وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وفد کے افراد کی تعداد دس پندرہ کے درمیان تھی اور ان میں عیینہ بن حصین کا بھتیجا حسن بن قیس بھی تھا جو وفد میں سب سے کمسن تھا۔ یہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اپنے اسلام کا اقرار کیا۔ یہ لوگ اس وقت قحط سالی کے باعث بڑی مشکل میں مبتلا تھے۔ ان کی سواری کے اونٹ ہڈیوں کے ڈھانچے بن چکے تھے حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ان سے ان کے وطن کے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ! عرصہ دراز گزر گیا ہے بارش کی ایک بوند نہیں ٹپکی، ہمارے جانور ہلاک ہوگئے ہیں، ہماری زمینیں خشک ہوگئی ہیں اور ہمارے بچے بھوکے مر رہے ہیں، خدارا! اللہ تعالیٰ کی جناب میں ہمارے لئے شفاعت فرمائیں تاکہ اللہ پاک ہم پر ابر رحمت برسائے۔

ان کی اس خستہ حالی کے بارے میں سن کر حضور پر رقت طاری ہوگئی۔ حضور منبر پر تشریف لے گئے۔ اپنے ہاتھ بلند کئے اور بارش کیلئے دعا کی۔ اس مبارک دعا کا متن ملاحظہ فرمائیں:

اَللّٰهُمَّ اسْقِ بِلَادَكَ وَبَهَائِمَكَ	اے اللہ! اپنے شہروں اور مویشیوں کو سیراب فرما۔
وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ	اپنی رحمت کو اپنی مخلوق پر پھیلادے۔
وَاَحْيِ بِلَادَكَ الْمَيِّتَةَ	اور وہ بستیاں جو قحط سالی کی وجہ سے مر چکی ہیں ان کو دوبارہ زندہ فرمادے۔
اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا مُغِيْثًا مُرِيْحًا مُرْتِعًا وَاسِعًا عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ۔	اے اللہ! ہم پر بارش نازل فرما، جو فریاد رسی کرنے والی ہو، آرام پہنچانے والی ہو، سرسبز و شاداب کرنے والی ہو، بڑے وسیع خطہ پر ہو، جلدی ہو، تاخیر سے نہ ہو، نفع دینے

والی ہو، ضرر دینے والی نہ ہو۔

اَللّٰهُمَّ سُقْيَا رَحْمَةٍ لَا سُقْيَا عَذَابٍ وَلَا هَدْمٍ وَلَا غَرَقٍ وَلَا مَحْقٍ

اے اللہ! یہ تیری رحمت کا باعث ہو، عذاب کا باعث نہ ہو، اس سے مکان نہ گریں، مویشی ڈوب نہ جائیں۔ کوئی چیز جل نہ جائے۔

اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَانْصُرْنَا عَلَى الْاَعْدَاءِ

اے اللہ! ہمیں بارش سے سیراب فرما اور دشمنوں پر غلبہ عطا فرما۔

یہ بابرکت دعا جب زبان مصطفیٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے نکلی تو بارگاہ الٰہی میں اس کو قبولیت نصیب ہوئی اور اتنی بارش ہوئی کہ بنو فزارہ کے علاقہ میں قحط سالی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔(1)

وفد بہراء

یمن کے علاقہ سے قبیلہ بہراء کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا۔ یہ وفد تیرہ افراد پر مشتمل تھا۔ یہ اپنے سواری کے جانوروں کو ہانکتے ہوئے حضرت مقداد بن اسود کے گھر کے دروازے پر پہنچے۔ انہوں نے اس روز اپنی اولاد کیلئے ایک حلوہ تیار کیا ہوا تھا۔ جو ایک بہت بڑے لگن میں رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے نووارد مہمانوں کے سامنے پیش کر دیا۔ انہوں نے خوب سیر ہو کر کھایا لیکن پھر بھی بچ رہا اور حضرت مقداد کی ساری اولاد نے بھی اس سے پیٹ بھر کر کھایا۔ پھر بھی یوں پتا چلتا تھا کہ اس حلوہ میں سے کسی نے کچھ بھی نہیں لیا۔ پھر انہوں نے ایک پیالے میں یہی کھانا ڈال کر حضور کی بارگاہ رحمت میں بھیجا۔ ان کی خادمہ سدرہ یہ لے کر حاضر ہوئی۔ اس روز سرکار دو عالم ﷺ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں تشریف فرما تھے۔ حضور کی خدمت میں سدرہ نے پیالہ پیش کیا۔ حضور نے پوچھا کیا ضباعہ نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کی، ہاں۔ یارسول اللہ۔ حضور نے فرمایا، رکھ دو۔ پھر فرمایا تمہارے مہمانوں کا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی، ہمارے ہاں قیام فرما ہیں۔ پھر حضور کے کاشانہ اقدس میں جتنے افراد تھے سب نے سیر ہو کر کھایا اور سدرہ کو بھی

1۔ ایضاً، صفحہ 1139

کھلایا۔ جب سب سیر ہو گئے تو حضور نے فرمایا، سدرہ جو باقی بچ گیا ہے وہ مہمانوں کیلئے لے جاؤ۔ سدرہ کہتی ہے کہ میں نے وہ پیالہ اپنی مالکہ کے سامنے پیش کر دیا جتنا عرصہ وہ مہمان مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر رہے یہی کھانا ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا رہا۔ مہمان بڑے حیران ہوئے اور ایک دن انہوں نے حضرت مقداد کو کہا کہ تم ہر روز دن میں کئی بار ہمیں لذیذ ترین کھانا کھلاتے ہو، ہمارے ہاں تو ایسا کھانا کبھی کبھار کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ ہمیں تو یہ بتایا گیا تھا کہ تمہارے ہاں خوراک کی بڑی قلت ہے لیکن ہم تو ہر دفعہ خوب پیٹ بھر کر کھاتے ہیں۔ حضرت مقداد نے انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب نے اپنی بابرکت انگلیاں اس کھانے کو لگائی ہیں یہ ہمارے آقا کی انہی انگلیوں کی برکت ہے کہ یہ کھانا ختم ہونے میں نہیں آتا۔

حضور کا یہ معجزہ دیکھ کر ان میں مزید تقویت پیدا ہوئی اور وہ لوگ بار بار یہ کہتے نَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ "ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور اکرم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔"

مدینہ منورہ میں اپنے قیام کے دوران انہوں نے دین اسلام کے فرائض سیکھے۔ قرآن کریم کی کئی سورتیں یاد کیں۔ پھر الوداعی سلام عرض کرنے کیلئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ ان کو بھی اس انعام واکرام سے نوازیں جس سے دوسرے وفود کے ارکان کو نوازا جاتا ہے۔(1)

وفد بنی عذرۃ

ماہ صفر سنہ 9 ہجری میں بارہ افراد کا ایک وفد مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔ جمرہ بن نعمان بھی اس وفد میں شامل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا مَنِ الْقَوْمُ؟ آپ کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ ان کے ترجمان نے جواب دیا نَحْنُ بَنُوْ عُذْرَةَ اِخْوَةُ قُصَيٍّ لِاُمِّهٖ، ہم عذرہ کی اولاد ہیں اور عذرہ قصی کا ماں کی طرف سے بھائی تھا۔" ہم وہی لوگ ہیں جنہوں نے قصی کی امداد کی اور وادی مکہ سے خزاعہ اور بنی بکر کے تسلط کا خاتمہ کیا۔ ہماری بڑی قربتیں ہیں اور بڑی رشتہ داریاں ہیں۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا مَرْحَبًا بِكُمْ وَاَهْلًا "میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں، تم اپنے گھر والوں کے پاس آ گئے ہو۔" چنانچہ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ نبی محترم نے ان کو خوشخبری دی کہ ہم شام کو فتح کریں گے اور ہرقل یہاں سے راہ فرار اختیار کرے

1۔ ایضاً، صفحہ 1140 و "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 656

گا۔ جو حضور نے فرمایا، وہ پورا ہوا۔ عہد فاروقی میں یرموک کی فتح کے بعد شام کا سارا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گیا اور ہرقل کو شام کو چھوڑنا پڑا۔ جب وہ شام کی سرحد کو عبور کر رہا تھا تو اس نے نگاہ واپسیں اس جنت نظیر علاقہ پر ڈالی تو بصد حسرت اس کی زبان سے نکلا:

سَلَامٌ عَلَيْكَ يَا سُوْرِيَا سَلَامٌ لَا لِقَاءَ بَعْدَهٗ

"اے سوریا الوداع! میں ایسے الوداع کہہ رہا ہوں جس کے بعد ملاقات نہیں ہو گی۔"

سرکار دو عالم ﷺ نے انہیں کاہنوں کے پاس جانے سے منع فرمایا اور انہیں یہ بتایا کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے اور بعض دیگر توہمات جن میں وہ مبتلا تھے ان سے باز رہنے کی تلقین کی۔(1)

وفد بلیّ

ماہ ربیع الاول سنہ 9 ہجری میں قبیلہ کا ایک وفد مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا۔ ان کے ایک رشتہ دار رویفع بن ثابت البلوی مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر تھے۔ جب انہیں اپنے قبیلہ کے وفد کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے انہیں اپنے پاس ٹھہرایا اور انہیں ساتھ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی، کہ یہ میری قوم کے افراد ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا مَرْحَبًا بِكَ وَبِقَوْمِكَ میں تمہیں اور تیری قوم کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ چنانچہ وہ سب اسلام لے آئے تو حضور نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدَاكُمْ لِلْاِسْلَامِ

"میں اس اللہ کی حمد و ثنا کرتا ہوں جس نے تمہیں اسلام قبول کرنے کی ہدایت بخشی۔"

جو شخص بھی دین اسلام کو قبول کئے بغیر مرے گا وہ دوزخ کا ایندھن بنے گا۔"

اس وفد کے ایک بزرگ نے جن کا نام ابو خبیب تھا، عرض کی، یا رسول اللہ! میں مہمانوں کی ضیافت کرنے کا بڑا شوق رکھتا ہوں، کیا مجھے اس ضیافت کے باعث اجر ملے گا؟ حضور نے فرمایا، بیشک ضرور ملے گا۔ ہر اچھا کام جو تم کرو خواہ غریب کے ساتھ یا امیر کے

1۔ "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1141 و "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 657

ساتھ، اس کا اجر تمہیں ملے گا۔ پھر اس نے پوچھا کہ ضیافت کی مدت کتنی ہے؟ فرمایا تین دن۔ اس کے بعد ضیافت نہیں ہوگی بلکہ صدقہ ہوگا۔ مہمان کیلئے ضروری ہے کہ تمہارے پاس تین دن سے زیادہ قیام نہ کرے تاکہ میزبان کو حرج نہ ہو۔ پھر اس شخص نے گمشدہ مویشی کے بارے میں عرض کی، یارسول اللہ! میں کوئی بھیڑ بکری جنگل میں گھومتی دیکھتا ہوں تو کیا کروں؟ فرمایا هِيَ لَكَ وَلِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ "اس سے تم فائدہ اٹھاؤ گے یا تمہارا بھائی ورنہ اسے بھیڑیا اچک لے گا۔" پھر عرض کی، اگر گمشدہ اونٹ مل جائے تو پھر کیا حکم ہے؟ فرمایا مَالَكَ وَلَهُ "تیرا اس سے کیا واسطہ۔" اسے چھوڑ دو یہاں تک کہ اس کا مالک خود اس کو پالے۔ حاضری کا شرف حاصل کرنے کے بعد یہ اپنے میزبان حضرت رویفع کے پاس چلے گئے۔ رحمت عالمیاں ﷺ ان سے ملاقات کیلئے حضرت رویفع کے مکان پر تشریف لے جایا کرتے اور اپنے ساتھ کھجوریں لے جاتے۔ حضور حضرت رویفع کو حکم دیتے کہ اپنے مہمان کی میزبانی میں ان کھجوروں کو استعمال کیا کرو۔

اس وفد کے حالات میں دو امور ہماری توجہ کے مستحق ہیں (1) اسلام نے جن مکارم اخلاق کی تعلیم دی ہے اس میں مہمان نوازی کو اہم مقام حاصل ہے اور مہمان نوازی کی مختلف حالتیں ہیں۔ اگر کوئی نووارد ایسی جگہ میں ہو جہاں اسے اشیاء خورد و نوش کا مہیا ہونا ممکن نہ ہو تو ایسے مسافر کی مہمان نوازی کرنا فرض اور واجب ہے۔ اگر کوئی شخص دانستہ ایسے شخص سے بے اعتنائی برتے گا تو وہ شخص گنہگار ہوگا۔ مثلاً جنگل اور صحراء میں جہاں دور دور تک آبادی کا کوئی نام و نشان نہیں ہوتا، اس علاقہ میں اگر کسی نووارد کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے تو یہ انتہائی قبیح بات ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ لیکن اگر ایسے ماحول میں ہو جہاں خورونوش اور رہائش کا انتظام ہو تو سکتا ہے لیکن بڑی مشکل کے ساتھ، ایسے حالات میں بھی اس کی مہمان نوازی کرنا واجب کے قریب ہوگا، اور اگر آسانی سے رہائش وغیرہ کا انتظام ہو سکتا ہے تو پھر یہ ایک نیکی ہوگی اور خوش خلقی ہوگی جس کی ہر مسلمان سے بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے۔ رحمت عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ

"جو شخص اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت و توقیر کرے۔"

میزبان کو تو یہ حکم دیا اور ساتھ ہی مہمان کو بھی ہدایت کر دی کہ وہ میزبان کی مہربانی سے غلط فائدہ نہ اٹھائے اور اس کے ہاں ڈیرے نہ ڈال دے یہاں تک کہ اس مہمان کا وجود اس کے لئے ناقابل برداشت بوجھ بن جائے۔ اس لئے اسے حکم دے دیا کہ وہ تین دن تک کسی کے ہاں مہمان بن کر رہ سکتا ہے لیکن اس سے زیادہ اگر رہے گا وہ میزبانی نہیں ہو گی بلکہ صدقہ ہے اور اسلام کو یہ بات پسند نہیں کہ مہمان میزبان کی تکلیف کا احساس نہ کرے اور وہاں ڈیرہ جما کر بیٹھ جائے۔

دوسرا مسئلہ جو اس وفد کے حالات کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے وہ گمشدہ چیز کی بازیابی کا مسئلہ ہے۔ کسی نے عرض کی، یارسول اللہ! اگر جنگل میں کوئی گمشدہ بکری مل جائے تو اس کے بارے میں کیا کیا جائے؟ فرمایا، اس کی تین صورتیں ہیں یا تم اس کو اپنی حفاظت میں لے لو۔ ذبح کر کے اس کا گوشت کھاؤ یا اس کا مالک آ جائے تو وہ اپنی بکری لے جائے اور اگر مالک نے بھی اسے اپنے قبضہ میں نہیں لیا اور تم نے اس کو اپنے پاس نہیں رکھا تو پھر یقیناً کوئی بھیڑیا آئے گا اور اسے چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی چیز جس کو ڈھونڈنے والا اپنے پاس نہیں رکھتا، نہ مالک کو وہ چیز دستیاب ہوتی ہے تو پھر اس کے سوا کیا امکان ہے کہ کوئی بھیڑیا کھا جائے۔ اس سے بہتر ہے کہ جس کو وہ چیز ملی ہے وہ اس کو استعمال میں لائے اور اگر بعد میں اس کا مالک آ جائے تو اس کو اس کی قیمت ادا کر دے۔

اگر گمشدہ اونٹ مل جائے تو اس کو اپنے قبضہ میں لینے کی اجازت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسے اعضاء سے مزین کیا ہے کہ مالک کے بغیر بھی وہ بھوکا پیاسا رہ سکتا ہے اور اگر پیاسے رہنے کی نوبت آ بھی جائے تو وہ ان مشقتوں کو برداشت کر سکتا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا، اس کو ہاتھ نہ لگاؤ یہاں تک کہ اس کا مالک اسے تلاش کر لے۔

وفد ذومرہ

جن ایام میں عرب کے وفود بارگاہ رسالت میں آ کر حاضر ہوتے تھے۔ اس طرح حضور ان کے حالات سے آگاہی حاصل کرتے تھے، انہیں ایام میں ذومرہ کا ایک وفد جو تیرہ افراد پر مشتمل تھا، مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا۔ ان کے رئیس کا نام حارث بن عوف تھا۔ انہوں نے

ذکر کیا کہ ہمارا نسب رسالت مآب ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے۔ انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ! ہم لوگ حضور کی قوم اور حضور کا خاندان ہیں۔ ہمارا جد اعلیٰ لوی بن غالب تھا۔ یہ سن کر سرکار دو عالم ﷺ نے تبسم فرمایا اور ان کے علاقہ کے حالات کے بارے میں دریافت کیا۔ ان کے رئیس حارث نے عرض کی، یارسول اللہ! ہم قحط سالی کا شکار ہیں۔ ہر چیز کی شدید قلت ہے۔ مویشیوں کیلئے چارہ بھی نہیں، ہمارے لئے دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ہم پر بارش نازل فرمائے۔ رحمت عالم ﷺ نے اپنے کریم مولا کے دربار میں دست دعا بلند کئے اور عرض کی:

اَللّٰهُمَّ اسْقِهِمُ الْغَيْثَ

"اے پروردگار! انہیں بارش سے سیراب فرما۔"

چند روز یہ لوگ مدینہ طیبہ میں اقامت گزیں رہے پھر واپسی کیلئے اجازت مانگی اور بارگاہ رسالت میں الوداعی سلام عرض کرنے کیلئے حاضر ہوئے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک کو دس دس اوقیہ چاندی بطور ہدیہ دی جائے اور ان کے سردار حارث کو بارہ اوقیہ چاندی دی جائے۔

جب یہ لوگ وطن واپس آئے تو یہ دیکھ کر حیران ہوگئے کہ یہاں موسلا دھار بارش ہوئی ہے، ہر طرف پانی کے تالاب بھرے پڑے ہیں اور مویشیوں کیلئے چارہ اس زور سے اگا ہے کہ سارا علاقہ تختِ زمرد نظر آتا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ بارش کس روز ہوئی ہے؟ لوگوں نے جو تاریخ بتائی بعینہٖ وہی تاریخ تھی جس روز محبوب رب العالمین ﷺ نے اپنے رب کی بارگاہ میں نزول بارش کیلئے التجا کی تھی۔(1)

وفد خولان

یہ وفد جو دس افراد پر مشتمل تھا، شعبان سنہ 10 ہجری میں بارگاہ رسالت میں باریاب ہوا۔ یہ لوگ آنے سے قبل ہی مسلمان ہو چکے تھے۔

ان کے ترجمان نے عرض کی، یارسول اللہ! اپنی قوم کے جو افراد ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں ہم ان کے بھی نمائندے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لا چکے ہیں اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی

1۔ "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1143 و "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 661؛ "سبل الہدیٰ"، جلد 6، صفحہ 630

تصدیق کرتے ہیں۔ ہم بڑے دور دراز کی مسافتیں طے کر کے حاضر خدمت ہوئے ہیں۔ ہم اونٹوں پر سوار ہو کر دشوار گزار، کوہستانی اور ریگستانی علاقوں کو طے کرتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے ہیں۔ ہم پر یہ اللہ کا احسان ہے اور اس کے رسول کا احسان ہے کہ ہم حضور کی زیارت کیلئے حاضر ہوئے ہیں۔ سرکار دوعالم ﷺ نے ان کی دلنوازی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جو تم نے کہا ہے کہ ہم طویل مسافتیں طے کر کے یہاں پہنچے ہیں تو یقین رکھو، تمہارے اونٹوں نے جتنے قدم اس راستہ پر اٹھائے ہیں ہر قدم کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نیکی دے گا اور تم نے کہا کہ ہم زیارت کیلئے حاضر ہوئے تو سن لو! جو شخص میری زیارت کیلئے مدینہ طیبہ حاضر ہوتا ہے، قیامت کے دن وہ میرے پڑوس میں ہوگا۔

ان کا ایک بت تھا جس کا نام "عم انس" تھا۔ وہ اس کے دل سے گرویدہ تھے اور عجیب و غریب واقعات اس کی طرف منسوب کیا کرتے تھے اور جو انعامات اللہ تعالیٰ ان پر فرمایا کرتا تھا، ان انعامات کو بھی اس بت کی طرف منسوب کیا کرتے تھے۔ انہوں نے یہاں حاضر ہو کر اپنے ایمان کا اعلان کیا اور نبی رحمت ﷺ کو ان کے ایمان کی سچائی کا یقین ہو گیا تو حضور نے ان سے پوچھا، اپنے معبود بت کے ساتھ تم نے کیا سلوک کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی، حضور کو مژدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں وہ دین عطا فرمایا ہے جو حضور لے کر تشریف لائے ہیں۔ ہم میں سے چند بوڑھے مرد اور عورتیں رہ گئی ہیں جو اس کی الوہیت کا دم بھرا کرتی ہیں۔ جب ہم واپس جائیں گے تو سب سے پہلا کام یہ کریں گے کہ عم انس کو ریزہ ریزہ کر دیں۔ حضور ان سے ان کے حالات دریافت کرتے تاکہ ان کے جاہلانہ عقیدوں پر پوری طرح آگاہ ہوں تو حضور نے ان سے پوچھا کہ اب تم بت کا کوئی بڑا کمال بتاؤ جو تم نے دیکھا ہو؟ ان کے ترجمان نے کہا، ایک دفعہ ہم سخت قحط سالی میں مبتلا ہو گئے جو سرمایہ ہمارے پاس تھا وہ جمع کیا اور ہم نے ایک سو بیل عم انس کیلئے قربانی دینے کے لئے خریدے۔ اسی لمحہ بادل گھر کر آگئے اور موسلادھار بارش برسی۔ ہمارے لوگ کہتے ہیں کہ عم انس نے ہم پر بڑی مہربانی کی ہے۔ انہوں نے یہ اعتقاد کیا کہ بارش اس بت نے برسائی ہے حالانکہ یہ بے جان مجسمے نہ کوئی نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ان کے ترجمان نے ایک اور بات بھی بتائی کہ ہم اپنے مویشیوں سے کچھ مویشی اللہ کے نام اور کچھ اس بت کے نام نذر کر دیا کرتے تھے۔ اس طرح اپنے کھیتوں کا کچھ حصہ اللہ کے نام اور کچھ حصہ اپنے

بتوں کیلئے نذر کر دیا کرتے تھے۔ اگر بتوں کے نذر شدہ مویشیوں یا کھیت سے کوئی چیز ضائع ہو جاتی تو ہم اللہ تعالیٰ کے نام نذر کئے ہوئے مویشی کھیت بتوں کی طرف منتقل کر دیتے اور اگر اللہ کے نام کی کوئی چیز کم ہو جاتی تو بتوں کے حصہ کو ادھر منتقل نہ کرتے۔ ان کی اس احمقانہ حرکت کو اللہ نے اپنے کلام مقدس میں یوں بیان فرمایا:

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ۔ (1)

"اور انہوں نے بنا رکھا ہے اللہ کیلئے اس سے جو پیدا فرماتا ہے فصلوں اور مویشیوں سے مقررہ حصہ۔ اور کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کیلئے ہے۔ تو وہ حصہ جو ہو ان کے شریکوں کیلئے تو وہ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کو اور جو حصہ ہو اللہ تعالیٰ کیلئے تو وہ پہنچ جاتا ہے ان کے شریکوں کو۔ کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں۔"

اس طرح کے غلط تخیلات ان کے اذہان پر مسلط تھے لیکن جب نبی کریم ﷺ نے میخانہ توحید سے جام طہور پلایا تو ان عقائد باطلہ کی بیخ کنی ہو گئی اور ہدایت، گمراہی سے الگ ہو گئی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کو بڑے دل آویز پند و نصائح سے محظوظ فرمایا۔ ان میں سے چند نصیحتیں یہ ہیں:

اَوْصَاهُمْ بِالْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ وَاَدَاءِ الْاَمَانَةِ وَحُسْنِ الْجِوَارِ لِمَنْ جَاوَرُوْهُ اَنْ لَا يَظْلِمُوْا اَحَدًا۔

"حضور نے انہیں وصیت فرمائی کہ جو وعدہ کریں اسے پورا کریں، جو امانت ان کے پاس رکھی جائے وہ اس کے مالک کو جوں کی توں واپس کریں، اپنے پڑوسیوں کی ہمسائیگی کے حقوق کا پوری طرح خیال رکھیں، کسی پر ظلم نہ کریں۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا کہ جو ظلم وہ کسی پر کریں گے روز محشر تہ در تہ

1۔ سورہ الانعام: 136

اندھیروں میں ظاہر ہوگا۔ پھر انہوں نے دین کے فرائض اور دیگر احکام کے بارے میں دریافت کیا۔ ہر چیز انہیں سکھادی گئی۔ چند روز وہاں قیام کے بعد وہ اپنے وطن لوٹ گئے۔ جب وہ رخصت ہونے لگے تو ان کو عطیات سے نوازا۔ جب وہ اپنے وطن پہنچے تو اپنے اونٹوں سے اترنے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے صنم "عم انس" کو پارہ پارہ کر دیا۔(1)

وفد محارب

ہجرت سے پہلے مکی زندگی کے آخری دو سالوں میں حضور کا یہ معمول تھا کہ موسم حج میں جب جزیرۂ عرب کے قبائل فریضہ حج ادا کرنے کیلئے مکہ آتے تو حضور ان کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو اسلام کی دعوت پیش کرتے۔ سب سے زیادہ جو قبیلہ قساوت قلبی کا ثبوت دیتا اور حضور کی اس پاکیزہ دعوت کو بڑی حقارت سے ٹھکرا دیتا، وہ یہی قبیلہ محارب تھا۔ اسی لئے تمام قبائل میں سب سے آخر میں ایمان لانے کی انہیں توفیق نصیب ہوئی۔ ان کا یہ وفد سنہ 10 ہجری میں حاضر ہوا۔ یہ وہی سال ہے جس میں حضور نے حجتہ الوداع ادا کیا۔

اس وفد کے افراد کی تعداد دس تھی۔ ان کے قبیلہ کے لوگ جو پیچھے رہ گئے تھے، یہ لوگ ان کی طرف سے بھی نمائندگی کر رہے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے سرکاری مہمان خانوں میں انہیں ٹھہرایا۔ حضرت بلال ان کیلئے ہر روز دوپہر اور رات کا کھانا دے کر آتے یہاں تک کہ انہوں نے حضور کی ملاقات کا شرف حاصل کیا اور وہاں ہی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔

ایک روز نبی کریم ﷺ ظہر سے عصر تک ان کی معیت میں رہے۔ ان میں ایک ایسا آدمی تھا جس کی طرف حضور ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہے۔ اس محاربی نے کہا-- یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضور میرے بارے میں کسی تذبذب میں مبتلا ہیں۔ حضور نے فرمایا، بیشک میں نے کبھی تمہیں دیکھا ہے۔ وہ محاربی بولا، بیشک حضور نے مجھے دیکھا تھا اور میرے ساتھ گفتگو کی تھی اور میں نے بڑی سختی اور درشتی سے حضور کی گفتگو کا جواب دیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضور عکاظ کے میلہ میں سب قبائل کی فرودگاہوں پر باری باری تشریف

1۔ "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1144 و "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 662

لے جاتے تھے۔ رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا، بیشک میں نے اس وقت دیکھا تھا۔ پھر اس محاربی نے سراپا التجاء بن کر عرض کی، میرے سارے قبیلے میں مجھ سے زیادہ حضور کے بارے میں کوئی تند خو نہ تھا اور نہ مجھ سے زیادہ اسلام سے دور۔ میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اتنی مہلت دی کہ آج میں حضور پر ایمان لایا اور حضور کی رسالت کی تصدیق کرتا ہوں۔ میرے دوسرے ساتھی جو اس وقت میرے ساتھ تھے، وہ اپنے جھوٹے عقیدہ پر ہی مر گئے۔ حضور کریم علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ بِيَدِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ "یہ دل اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں۔" اس محاربی نے گزارش کی، یارسول اللہ! اس وقت میں نے حضور سے جو بدکلامی کی تھی، اس کے بارے میں میرے لئے مغفرت طلب فرمائیں۔ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا "جب انسان کفر و شرک کو ترک کر کے سچے دل سے اسلام قبول کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ چھوٹے بڑے تمام گناہوں پر قلم عفو پھیر دیتا ہے۔" پھر یہ لوگ اپنے اہل و عیال کی طرف واپس چلے گئے۔ اس وفد کے حالات پڑھنے سے دو چیزیں واضح ہو جاتی ہیں:

1۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تو سخت دلوں کو نرم دل بنا دیتا ہے 2۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں نور حق پیدا کر دیتا ہے تو وہ فوراً صراط مستقیم پر گامزن ہو جاتا ہے اور نعمت ایمان سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

ان حالات سے حضور کی بلند نگاہی، اولوالعزمی اور دلنوازی کی شانیں نمایاں ہو رہی ہیں۔(1)

وفد صداء

قبیلہ صداء کے وفود۔

امام بغوی، بیہقی اور ابن عساکر وغیرہ نے یہ روایت حضرت زیاد بن حارث صدائی سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

میں رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی۔ مجھے معلوم ہوا کہ حضور نے میری قوم کی تسخیر کیلئے ایک لشکر روانہ کیا ہے۔ ابن

1۔ ایضاً "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 663

سعد کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب سنہ 8 ہجری میں جعرانہ سے غنیمتیں تقسیم کرنے کے بعد روانہ ہوئے تو حضور نے قیس بن سعد بن عبادہ کی قیادت میں چار سو مجاہدین کا ایک لشکر یمن پر حملہ کرنے کیلئے روانہ فرمایا۔

زیاد بن حارث الصدائی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی، یارسول اللہ! میں اپنی قوم کا نمائندہ بن کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اپنا لشکر واپس بلا لیجئے، میں ضمانت دیتا ہوں کہ میری قوم اسلام قبول کرلے گی اور حضور کی اطاعت گزار بن جائے گی۔ حضور نے مجھے فرمایا جاؤ اور اس لشکر کو کہو کہ واپس آجائے۔ میں نے عرض کی، یارسول اللہ! میری سواری کا اونٹ سخت تھکا ہوا ہے۔ اس میں چلنے کی سکت نہیں۔ چنانچہ حضور نے ایک اور آدمی کو بھیجا جو انہیں قناۃ کے مقام سے واپس لے آیا۔

میں نے اپنی قوم کی طرف خط لکھا تو وہ تمام کی تمام مسلمان ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوگئی۔ اس کے بعد جب حضور مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو بنی صداء کا ایک وفد جو پندرہ اشخاص پر مشتمل تھا، وہ حاضر خدمت ہوا۔ حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کی، یارسول اللہ! انہیں اجازت دیجئے کہ میرے مہمان بن کر میرے ہاں ٹھہریں۔ چنانچہ وہ وفد حضرت سعد کے پاس جا کر رہائش پذیر ہوا۔ انہوں نے ان کو قیمتی انعامات سے نوازا، ان کو نئی پوشاکیں پہنائیں، ان کی عزت افزائی کی اور پھر ان کو ہمراہ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ چنانچہ سب نے اسلام قبول کیا اور اپنی طرف سے اور اپنے قبیلہ کے ان افراد کی طرف سے جو حاضر نہ ہو سکے، حضور کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

زیاد کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا یَا اَخَا صُدَاءٍ اِنَّکَ لَمُطَاعٌ فِیْ قَوْمِكَ "اے صداء قبیلہ کے سردار! تیری قوم تیری اطاعت کرتی ہے۔" میں نے عرض کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام قبول کرنے کی ہدایت دی ہے۔ حضور نے فرمایا، میں تمہیں تمہاری قوم کا امیر بنادوں؟ میں نے عرض کی، یارسول اللہ! حضور کی مہربانی۔ چنانچہ میری امارت کیلئے ایک فرمان تحریر کیا گیا۔ میں نے عرض کی، یارسول اللہ! مجھے ان کے صدقات وصول کرنے کا منصب بھی تفویض فرمائیں۔ حضور نے میری یہ عرضداشت منظور فرمائی اور اس کے لئے الگ حکم نامہ لکھ دیا۔

راستہ میں ایک قبیلہ نے اپنے عامل کا شکوہ کیا کہ وہ ہم پر بڑی زیادتی کرتا ہے، حضور ﷺ

اس کی تصدیق کرنے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا لَا خَیْرَ فِی الْاِمَارَۃِ لِرَجُلٍ مُؤْمِنٍ کہ "مرد مومن کیلئے امارت میں کوئی بھلائی نہیں۔"

زیاد کہتے ہیں کہ یہ بات میرے دل پر نقش ہوگئی۔

پھر ایک اور آدمی حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی، یارسول اللہ! مجھے یہ منصب عطا فرمائیں۔ حضور نے فرمایا جو غنی ہو اور پھر لوگوں سے سوال کرے، وہ اس کے سر میں درد اور شکم میں بیماری ہے۔

زیاد بن حارث صدائی کہتے ہیں کہ میں ساری رات حضور کی معیت میں سفر کرتا رہا۔ جب صبح ہونے کا وقت آیا تو حضور نے مجھے حکم دیا، میں نے اذان دی۔ پھر میں عرض کرتا رہا، یارسول اللہ! کیا میں اقامت کہوں؟ حضور صبح صادق کی انتظار میں بار بار مشرق کی جانب دیکھتے اور فرماتے نہیں۔ جب صبح ہوگئی تو سرکار دو عالم ﷺ اپنی سواری سے اترے۔ قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے۔ پھر حضور میری طرف آئے۔ فرمایا، اے صداء کے بھائی! تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کی، بہت تھوڑی سی مقدار میں پانی ہے جو حضور کیلئے کافی نہیں۔ حضور نے فرمایا، جتنا کچھ تیرے پاس ہے، کسی برتن میں ڈال کر میرے پاس لے آ۔ میں نے ایسا ہی کیا، حضور نے اپنی ہتھیلی مبارک اس برتن میں رکھ دی اور حضور کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے ابلنے لگے۔ تمام لشکر نے اس پانی سے اپنی ضرورتیں پوری کیں۔

پھر نماز ادا کرنے کیلئے کھڑے ہوئے۔ حضرت بلال نے اقامت کہنے کا ارادہ فرمایا۔ حضور نے فرمایا اِنَّ اَخَا صُدَاءٍ ھٰذَا اَذَّنَ وَمَنْ اَذَّنَ فَھُوَ یُقِیْمُ "جو اذان دے وہی اقامت کہے اور یہ اذان صداء قبیلہ کے بھائی نے دی ہے وہی اقامت کہے گا۔"

جب حضور ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میں دونوں تحریریں لے کر حاضر ہوا۔ عرض کی، یارسول اللہ! ان دو تحریروں میں جو منصب مجھے تفویض کئے گئے، میں ان سے معافی طلب کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا، تجھے کیا ہوگیا ہے؟ میں نے عرض کی، یارسول اللہ! میں نے سنا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ مرد مومن کیلئے امارت میں کوئی بھلائی نہیں اور میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکا ہوں، اس لئے امارت کو پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح حضور نے سائل کو فرمایا کہ بغیر ضرورت کے مانگنا یہ دردِ سر ہے اور پیٹ کی بیماری ہے۔ حضور نے

فرمایا، جیسے تیری مرضی۔ چاہے توان عہدوں کو بر قرار رکھ اور چاہے تو استعفاء دے دے۔ میں نے استعفاء دیدیا۔ حضور نے فرمایا کہ پھر مجھے کوئی ایسا آدمی بتاؤ جو اس ذمہ داری کو اٹھانے کے قابل ہو، تو میں نے ایک آدمی کے بارے میں عرض کی۔ پھر ہم نے عرض کی، یارسول اللہ! ہمارا ایک کنواں ہے۔ سردیوں میں اس کا پانی ہم سب کیلئے کافی ہوتا ہے لیکن گرمیوں میں اس کا پانی خشک ہو جاتا ہے اور ہمارے قبیلے کو مختلف کنوؤں پر جاکر سکونت اختیار کرنا پڑتی ہے جس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ کیونکہ ہمارے اردگرد کے قبائل سے ہماری عداوت ہے اس لئے ان کا حملہ کا خطرہ لگا رہتا ہے۔

حضور نے سات کنکریاں طلب فرمائیں۔ اپنے دست مبارک میں ملا اور دعا فرمائی۔ پھر فرمایا، ان کنکریوں کو لے جاؤ جب تم اس کنوئیں پر پہنچو تو اللہ کا نام لے کر ایک ایک کنکر اس میں ڈالتے جاؤ۔ ہم نے اسی طرح کیا۔ اس کے بعد اس میں اتنا پانی ہو گیا کہ ہماری ساری ضرورتیں پوری ہو گئیں۔ جب یہ پندرہ آدمیوں کا وفد واپس گیا تو انہوں نے بڑی شدومد سے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ یمن کے بیشمار لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ سنہ 10 ہجری میں ایک سو افراد کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ یہ وہی سال ہے جس میں حضور نے حجۃ الوداع ادا کیا۔(1)

طارق بن عبد اللہ کی اپنی قوم سمیت حاضری

مجھے یہ روایت ایک شخص نے کی جس کا نام طارق بن عبد اللہ تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ ایک روز سوق مجاز میں کھڑا تھا (سوق مجاز، ایک بازار کا نام ہے جو زمانہ جاہلیت میں اہل عرب لگایا کرتے تھے) اچانک ایک آدمی ہمارے پاس آیا جس نے جبہ پہنا ہوا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا، اے لوگو! کہو لا الٰہ الا اللہ تم نجات پا جاؤ گے۔ ایک آدمی اس کے پیچھے پیچھے آرہا تھا اور اس پر پتھر برسا رہا تھا اور لوگوں کو کہہ رہا تھا، اے لوگو! اس کی بات مت ماننا یہ کذاب ہے۔ میں نے پوچھا، پہلا شخص کون ہے؟ لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ قبیلہ بنی ہاشم کا ایک نوجوان ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ میں نے پوچھا، دوسرا کون ہے جو اسے پتھر مار رہا تھا؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ ان کا چچا ہے اس کا نام عبدالعزیٰ (ابولہب) ہے۔ یہی طارق کہتا ہے کہ

1۔ ''سبل الہدیٰ''، جلد 6، صفحہ 532 و ''زاد المعاد''، جلد 3، صفحہ 663

جب لوگوں کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا، ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئے، ہم ربذہ سے نکلے تاکہ مدینہ جائیں اور وہاں سے کھجوریں خرید کر لے آئیں۔ جب ہم مدینہ کی دیواروں اور نخلستانوں کے قریب پہنچے تو ہم نے مناسب سمجھا کہ ہم یہاں اتریں اور لباس تبدیل کر لیں۔ ہم لباس تبدیل کر رہے تھے کہ اچانک ایک شخص آیا جس نے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس نے ہمیں سلام کیا اور پوچھا کہ آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ ہم نے بتایا کہ ہم ربذہ سے آئے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا کدھر جا رہے ہیں؟ ہم نے بتایا کہ ہم اس شہر میں جا رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا، اس شہر میں کس کام کیلئے جا رہے ہیں؟ ہم نے بتایا کہ ہم یہاں کی کھجوریں خریدنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ساتھ سرخ رنگ کا اونٹ تھا۔ اس نے پوچھا، کیا یہ اونٹ تم بیچنا چاہتے ہو؟ ہم نے کہا کہ اتنے صاع کھجوروں کے بدلے ہم اس کو فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ جو قیمت ہم نے بتائی تھی اس نے اس میں ذرا کمی کی خواہش نہ کی تھی۔ اس نے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور چل دیا۔ جب وہ دور نکل گیا اور مدینہ کی دیواروں اور گھنی کھجوروں میں غائب ہو گیا تو ہم خیال کرنے لگے، ہم نے یہ کیا حرکت کی ہے کہ ایسے آدمی کے ہاتھ اونٹ فروخت کر دیا ہے جس کو ہم جانتے ہی نہیں اور اس کی قیمت بھی وصول نہیں کی۔ ایک خاتون ہمارے ہم سفر تھی۔ جب اس نے ہماری پریشانی دیکھی تو بولی:

وَاللهِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا كَأَنَّ وَجْهَهُ شِقَّةُ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ أَنَا ضَامِنَةٌ لِثَمَنِ جَمَلِكُمْ

کہ "میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا جس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح نورانی تھا، میں تمہارے اونٹ کی قیمت کی ضامن ہوں" تمہیں آپس میں لڑنے کی ضرورت نہیں، میں نے ایک ایسا چہرہ دیکھا ہے جو لوگوں سے دھوکا بازی نہیں کر سکتا۔

وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں اچانک ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا: اَنَا رَسُوْلُ، رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم "میں اللہ کے رسول کا قاصد ہوں" حضور نے فرمایا لو یہ تمہاری کھجوریں ہیں، کھاؤ اور خوب سیر ہو کر کھاؤ۔ پھر اسے ماپ لو اور پوری کر لو۔ ہم نے کھجوریں کھائیں جس سے ہمارے شکم پر ہو گئے۔ ہم نے ان کو ماپا اور ان کو پورا پایا۔ پھر ہم مدینہ طیبہ میں داخل ہو گئے۔ سامنے حضور کی مسجد تھی، اس میں چلے گئے۔ ہم نے اس ہستی کو منبر پر کھڑے دیکھا جو لوگوں کو خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ ہم نے بھی وہ خطبہ سنا۔ اس کے چند

جملے یاد رہ گئے۔ انہوں نے فرمایا:

تَصَدَّقُوْا فَإِنَّ الصَّدَقَةَ خَيْرٌ لَّكُمْ	صدقہ دیا کرو، صدقہ تمہارے لئے بہتر ہے۔
اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى	اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہت بہتر ہے۔
أُمَّكَ وَأَبَاكَ وَأُخْتَكَ وَأَخَاكَ وَأَدْنَاكَ	ابتدا اپنی ماں سے کرو، پھر باپ سے، پھر بہن سے، پھر بھائی سے، پھر دوسرے قریبی رشتہ دار ہیں درجہ بدرجہ۔

اچانک بنو یربوع کا ایک آدمی آگے آیا، اس نے عرض کی، یارسول اللہ! إِنَّ لَنَا فِي هٰؤُلَاءِ دَمًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ "ان لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں ہمارے چند آدمیوں کو قتل کیا تھا۔" حضور نے فرمایا: لَا تَجْنِي أُمٌّ عَلٰى وَلَدٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ (1) "کوئی ماں اپنی اولاد پر تین مرتبہ ظلم نہیں کرتی۔"

وفد بنی اسد

قبیلہ بنی اسد کا ایک وفد جو دس افراد پر مشتمل تھا، خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ ان میں وابصہ بن معبد اور طلحہ بن خویلد بھی شامل تھے۔ اس وقت اللہ کا پیارا رسول ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ مسجد میں جلوہ فرما تھا۔ انہوں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

یارسول اللہ! ہم نے گواہی دی ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اور آپ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یارسول اللہ! ہم خود حضور کی خدمت میں حاضر ہوگئے ہیں۔ حضور نے ہمیں بلانے کیلئے اپنا کوئی نمائندہ نہیں بھیجا۔ ہم خود بھی ایمان لائے ہیں اور ہمارے قبیلہ کے جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں ان کے بھی ہم ذمہ دار ہیں۔

ان کی اس تعلی میں یہ بات نمایاں تھی کہ گویا انہوں نے ایمان لا کر آپ پر بڑا احسان کیا ہے۔ خداوند ذوالجلال کی غیرت اس بات کو برداشت نہ کر سکی فوراً اپنے محبوب کریم ﷺ

1۔ "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 648 و "سبل الہدیٰ"، جلد 6، صفحہ 543

پر یہ آیت نازل فرمائی:

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۔ (1)

"وہ احسان جتلاتے ہیں کہ وہ اسلام میں آئے، فرمائیے مجھ پر مت احسان جتلاؤ اپنے اسلام کا بلکہ اللہ نے احسان فرمایا ہے تم پر کہ تمہیں ایمان کی ہدایت بخشی اگر تم (اپنے ایمان کے دعوی) میں سچے ہو۔"

انہیں عیافہ، کہانت اور کنکریاں پھینکنے سے منع فرمایا۔ انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ! یہ کام ہم زمانہ جہالت میں کیا کرتے تھے۔ کیا ان میں سے کوئی چیز مباح بھی ہے؟ حضور نے فرمایا رمل، کیونکہ اس کی تعلیم اللہ کے نبی کو دی گئی تھی۔ جس کے خطوط اس نبی سے مطابقت رکھتے ہوں وہ جائز ہے ورنہ نہیں۔

عیافہ: پرندوں کے ناموں، آوازوں اور گزرنے سے فال پکڑنا۔

کہانت: مستقبل کے حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرنا۔

خط: اس سے مراد خط رمل ہے۔

کیونکہ ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے ہم ان خطوط کی اس نبی کے خطوط سے مطابقت ثابت کر سکیں، اس لئے یہ بھی مباح نہیں بلکہ ممنوع ہے۔(2)

وفد غسان

ماہ رمضان سنہ 10 ہجری میں غسان کا ایک وفد جو تین افراد پر مشتمل تھا، حاضر خدمت اقدس ہوا اور اسلام قبول کیا۔ انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ! ہم اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہماری قوم اسلام قبول کرنے میں ہماری پیروی کرے گی یا نہیں۔ وہ اپنی حکومت کو برقرار رکھنا اور قیصر کا قرب بہت پسند کرتے ہیں۔ جب وہ لوگ اپنے وطن واپس جانے لگے تو حسب معمول رحمت دوعالم ﷺ نے انہیں انعام واکرام سے سرفراز فرمایا۔ وہ جب

1۔ سورہ الحجرات: 17

2۔ "زاد المعاد"، جلد 3، صفحہ 654

اپنے وطن پہنچے تو انہوں نے اپنی قوم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے اس دعوت کو مسترد کر دیا۔ ان لوگوں نے اس راز کو افشانہ کیا کہ وہ خود اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ان تینوں میں سے دو آدمی کچھ عرصہ بعد انتقال کر گئے۔ تیسرے آدمی کو حضرت فاروق اعظم کی خلافت کا زمانہ نصیب ہوا اور جس سال یرموک فتح ہوا، اس سال اس کو آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔ اس نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے بھی ملاقات کی اور اپنے اسلام لانے کے بارے میں ان کو آگاہ کیا۔ وہ ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔(1)

وفد بنی عبث

بنو عبث قبیلہ کا ایک وفد جو تین افراد پر مشتمل تھا، خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! ہمارے عالم ان کے پاس آئے ہیں اور انہوں نے انہیں بتلایا ہے کہ جب تک کوئی شخص ہجرت نہ کرے اس کا ایمان لانا مقبول نہیں ہوتا۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہم اپنے مال مویشی جن پر ہماری معیشت کا انحصار ہے، ان سب کو فروخت کر دیں گے اور ہجرت کر کے حضور کے قدموں میں حاضر ہو جائیں گے کیونکہ وہ مال مویشی جو ہمیں نعمت ایمان سے محروم کر دیں ہمارے لئے ان میں کوئی خیر نہیں۔

رحمت عالم ﷺ نے ان کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے فرمایا:

اِتَّقُوا اللّٰهَ حَيْثُ كُنْتُمْ فَلَنْ يَلِتَكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا

"جہاں کہیں بھی تم ہو اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ تمہارے اعمال میں ذرا کمی نہیں آئے گی۔"

سرکار دو عالم ﷺ نے ان سے خالد بن سنان کے بارے میں پوچھا، کیا اس کی اولاد ہے؟ عرض کی، یا رسول اللہ! اس کی ایک بچی تھی وہ فوت ہو گئی ہے، اس کا کوئی بیٹا نہ تھا۔(2)

جریر بن عبد اللہ البجلی کی آمد

طبرانی، بیہقی اور ابن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ نے جریر کی آمد کا واقعہ ان سے ہی روایت کرتے ہوئے یوں تحریر کیا ہے:

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 6، صفحہ 669
2۔ "عیون الاثر"، جلد 2، صفحہ 257

جریر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلانے کیلئے ایک قاصد بھیجا میں حاضر خدمت ہو گیا۔ حضور نے پوچھا مَاجَاءَ بِكَ؟ "تم کس مقصد کیلئے آئے ہو؟" میں نے عرض کی، اسلام قبول کرنے کی نیت سے خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہوں۔ حضور نے اپنی چادر مبارک میرے لئے بچھائی اور اپنی ساری امت کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"جب بھی کسی قوم کا کوئی معزز آدمی تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت کیا کرو۔"

رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا:

أَدْعُوكَ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ - وَأَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ - وَتُصَلِّيَ الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوبَةَ وَتُؤَدِّيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَتَصُومَ شَهْرَ رَمَضَانَ - وَتَنْصَحَ لِكُلِّ مُسْلِمٍ وَتُطِيعَ الْوَالِيَ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا - (1)

"میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ گواہی دو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ پر، یوم آخرت اور تقدیر خیر و شر پر ایمان لے آؤ۔ فرض نماز ادا کرو۔ فرض زکوٰۃ ادا کرو اور ماہ رمضان کے روزے رکھو، ہر مسلم کیلئے خیر خواہی کرو اور ہر والی کی اطاعت کرو اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔"

امام احمد، بیہقی اور طبرانی ثقہ راویوں کے ذریعہ سے حضرت جریر کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

کہ جب میں مدینہ الرسول کے قریب پہنچ گیا تو میں نے اپنی اونٹنی بٹھائی، اپنا تھیلا کھولا، اس میں سے پوشاک نکالی، اسے پہنا اور مسجد میں داخل ہوا۔ اس وقت نبی رحمت ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ میں نے بارگاہ رسالت میں سلام عرض کیا! لوگ مجھے آنکھوں سے اشارے کرنے لگے۔ میں نے اپنے ہم نشین کو کہا، اے اللہ کے بندے! کیا رسول اللہ ﷺ نے میرے بارے میں کوئی

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 6، صفحہ 475

تذکرہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا، ہاں! حضور نے تیرا ذکر خیر بڑے خوبصورت انداز سے کیا ہے۔

حضور نے فرمایا کہ اس دروازے سے یا اس سوراخ سے ایک ایسا آدمی عنقریب داخل ہوگا جو تمام اہل یمن سے بہتر ہے اور اس کے چہرے پر جہانبانی کے نشان ظاہر ہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی پر حمد کی۔

اچانک ایک ناقہ سوار آیا، اپنی اونٹنی سے اترا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوگیا۔ اس نے رحمت عالم ﷺ کا دست مبارک پکڑا اور حضور کی بیعت کی۔ حضور نے پوچھا، تم کون ہو؟ میں نے عرض کی، میرا نام جریر بن عبداللہ البجلی ہے۔ حضور نے مجھے اپنے پہلو میں بٹھالیا اور اپنا دست مبارک میرے سر، چہرہ اور سینے پر پھیرا اور ساتھ ہی میرے لئے اور میری اولاد کیلئے برکت کی دعا فرماتے رہے۔ پھر حضور نے اپنی چادر بچھائی اور فرمایا، اے جریر! اس کے اوپر بیٹھو۔ تھوڑی دیر حضور وہاں تشریف فرما رہے پھر اٹھے اور چلے گئے۔ طبرانی نے رجال صحیح کے واسطہ سے حضرت جریر کا یہ قول نقل کیا ہے:

أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أُبَايِعُكَ عَلَى الْهِجْرَةِ فَبَايَعَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ وَاشْتَرَطَ عَلَيَّ وَالنُّصْحُ لِكُلِّ مُسْلِمٍ ۔ (1)

"میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ عرض کی، یا رسول اللہ! میں حضور کی بیعت کرنے کیلئے حاضر ہوا ہوں اس شرط پر کہ میں ہجرت کروں گا۔ سرور عالم ﷺ نے مجھے بیعت کیا اور فرمایا کہ میں اس شرط پر تمہیں بیعت کر رہا ہوں کہ تم ہر مسلمان کی خیر خواہی کرو گے۔ چنانچہ اس شرط پر میں نے اللہ کے حبیب کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔"

بارگاہ رسالت میں رہاویین کی آمد

امام طبرانی ثقہ راویوں کے ذریعہ سے قتادۃ الرہاوی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی قوم کا امیر مقرر فرمایا اور میرے

1۔ ایضاً، صفحہ 476

لئے پرچم باندھا تو میں نے حضور کے دست مبارک کو پکڑ لیا اور الوداع کہا تو رحمت عالم ﷺ نے مجھے ان دعائیہ کلمات سے رخصت فرمایا:

جَعَلَ اللّٰهُ التَّقْوٰى زَادَكَ وَغَفَرَ لَكَ ذَنْبَكَ وَوَجَّهَكَ لِلْخَيْرِ حَيْثُ مَا تَكُوْنُ۔ (1)

"زندگی کے اس سفر میں اللہ تعالیٰ تقویٰ کو تیرا زاد راہ بنائے، تیرے گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے اور جہاں کہیں بھی تم ہو تمہارے رخ کو خیر کی طرف پھیر دے۔"

اس وفد میں رہاوی قبیلہ کے تیرہ افراد شامل تھے۔ یہ مذحج قبیلہ ایک شاخ ہے۔ یہ وفد سنہ 10 ہجری میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور رملہ بنت حارث کے گھر میں جو سرکاری مہمان خانہ تھا، اس میں ٹھہرایا گیا۔ ایک دن سرکار دو عالم ﷺ ان کے پاس تشریف لے آئے اور دیر تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ انہوں نے بارگاہ اقدس میں چند تحائف پیش کئے۔ ان میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کا نام مرواح تھا۔ حضور کے فرمان کے مطابق اس کے سوار نے اس کا رقص اور دیگر کرتب دکھائے۔ حضور نے اسے بہت پسند کیا۔ ان سب نے اسلام قبول کیا۔ قرآن کریم کی کئی سورتیں یاد کیں اور دین اسلام کی بنیادی تعلیمات حاصل کیں۔ وہ جب رخصت ہونے لگے تو سرکار دو عالم ﷺ نے دیگر وفود کی طرح اس وفد کے ارکان کو بھی اپنے انعام واکرام سے بہرہ ور فرمایا۔ زیادہ سے زیادہ بارہ اوقیہ چاندی اور کچھ اوپر اور کم سے کم پانچ اوقیہ چاندی ان میں تقسیم کی گئی۔ کچھ عرصہ بعد اس وفد کے چند افراد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور حضور کی معیت میں فریضہ حج ادا کیا۔ پھر وہیں سکونت پذیر رہے یہاں تک کہ آفتاب نبوت غروب ہو گیا۔ حضور ﷺ نے ان کیلئے خیبر کے اموال غنیمت سے ایک سو وسق کی وصیت کی اور اس کے لئے ان کو ایک سند لکھ کر دی۔ انہوں نے امیر معاویہ کے زمانہ میں اپنا حصہ فروخت کر دیا۔ (2)

1۔ ایضاً، صفحہ 516

2۔ ایضاً

رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کی ہلاکت

سنہ 9 ہجری ماہ شوال کے آخری دنوں میں عبد اللہ بن ابی کو مرض موت نے آلیا۔ بیس روز تک بیمار رہنے کے بعد ماہ ذی قعدہ میں واصل جہنم ہوا۔

اس واقعہ کی تفصیل کیلئے ضیاء القرآن کا ایک اقتباس ہدیہ ناظرین ہے:

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی مرض موت میں مبتلا ہوا تو حضور اس کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ اس نے التماس کی کہ جب وہ مر جائے تو حضور اس کی نماز جنازہ پڑھیں اور اس کی قبر پر بھی تشریف فرما ہوں اور اس نے ایک آدمی بھیجا، عرض کی کہ کفن کیلئے اسے قمیص مرحمت فرمائی جائے۔ حضور نے اوپر والی قمیص بھیجی۔ اس نے پھر گزارش کی کہ مجھے وہ قمیص چاہئے جو آپ کے جسد اطہر کو چھو رہی ہے۔ حضرت عمر پاس بیٹھے تھے۔ عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ! آپ اس ناپاک اور گندے کو اپنی پاک قمیص کیوں مرحمت فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ نے حقیقت سے نقاب اٹھایا اور فرمایا:

اِنَّ قَمِیْصِیْ لَا یُغْنِیْ عَنْهُ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا فَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُّدْخِلَ بِهٖ اَلْفًا فِی الْاِسْلَامِ۔ (1)

"اے عمر! اس کافر و منافق کو میری قمیص کچھ نفع نہیں پہنچائے گی۔ اس کے دینے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ہزاروں آدمیوں کو مشرف باسلام کرے گا۔"

منافقوں کا ایک انبوہ کثیر ہر وقت عبد اللہ کے پاس رہتا تھا۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ یہ نابکار ساری عمر مخالفت کرنے کے باوجود اپنی بخشش و نجات کیلئے آپ کی قمیص کا سہارا لے رہا ہے تو ان کی آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھ گئے اور یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ اس رحمت عالمیان کی بارگاہ بے کس پناہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ہاں منظوری ناممکن ہے تو بجائے اس کے کہ حالت یاس میں اس کا دامن پکڑنے کی ناکام کوشش کریں ہم اب ہی کیوں نہ اس پر ایمان لے آئیں اور سچے دل سے اپنی گذشتہ خطاؤں کی معافی مانگ لیں اور اس کی شفاعت کے مستحق ہو جائیں۔ چنانچہ اس دن ایک ہزار منافق اس قمیص کی برکت اور قمیص والے کے

1۔ "ضیاء القرآن"، جلد 2، صفحہ 239، سورہ التوبہ: 84

حسن خلق سے مشرف باسلام ہو گئے اَسْلَمَ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ اَلْفٌ (1)

صحیح بخاری کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیے۔ حضور کی شان رحمت للعالمینی کی وسعتوں کا آپ کو کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جائے گا:

قَالَ عُمَرُ، وَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ تُصَلِّي عَلَيْهِ وَقَدْ قَالَ فِي يَوْمِ كَذَا وَكَذَا وَكَذَا وَقَالَ فِي يَوْمِ كَذَا وَكَذَا وَكَذَا۔

"یارسول اللہ! آپ اس بدبخت کی نماز جنازہ پڑھانا چاہتے ہیں جس نے فلاں دن ایسے ایسے ہذیان سرائی کی تھی، فلاں روز ایسی ایسی گستاخیاں کی تھیں۔"

حضور نے فرمایا:

دَعْنِي يَا عُمَرُ - فَإِنِّي بَيْنَ خَيْرَتَيْنِ - وَلَوْ أَعْلَمُ أَنِّي إِنْ زِدْتُ عَلَى السَّبْعِيْنَ غُفِرَ لَهُ لَزِدْتُ

"عمر! ان باتوں کو رہنے دو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے، چاہے تو ان کے لئے مغفرت طلب کروں یا چاہے تو مغفرت طلب نہ کروں۔ اگر میں یہ جانتا کہ میں ستر بار سے زیادہ اگر اس کے لئے مغفرت طلب کروں گا تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا تو میں ستر بار سے زیادہ اس کے لئے مغفرت طلب کرتا۔"

اس کے فوراً بعد یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهِ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ۔

"نہ پڑھئے نماز جنازہ کسی پر ان میں سے جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر۔ بیشک انہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور وہ مرے اس حالت میں کہ وہ نافرمان تھے۔"

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 160 و محمد رضا، "محمد رسول اللہ"، صفحہ 342، و تفسیر کبیر، سورہ التوبہ: 84

اس کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے کبھی کسی منافق کیلئے نہ مغفرت کی دعا کی اور نہ اس کی قبر پر تشریف لے گئے۔(1)

سنہ 9 ہجری میں حج کی ادائیگی (حضرت صدیق اکبر بطور امیر الحج)

سرکار دو عالم ﷺ غزوۂ تبوک سے ماہ رمضان المبارک میں مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ ماہ رمضان کے بقیہ دن، شوال اور ذی قعدہ کے مہینے حضور نے مدینہ طیبہ میں بسر کئے۔ ماہ ذی الحجہ میں حجاج کا ایک قافلہ روانہ ہوا جو تین سو افراد پر مشتمل تھا اور اس کا امیر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے قربانی کیلئے بیس اونٹ عطا فرمائے اور ان کے گلے میں جو قلادے ڈالے گئے تھے، وہ حضور نے خود تیار کرائے اور اپنے دست مبارک سے ان اونٹوں کے گلے میں ڈالے۔

جب حجاج کا یہ کارواں حضرت صدیق اکبر کی قیادت میں مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر ہوا تو اس کے بعد سورۂ براۃ نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسجد حرام میں داخل ہونے کی ممانعت فرمائی اور ان کے ساتھ جو معاہدے تھے ان کو کالعدم قرار دیدیا۔ جو معاہدے ایک متعین مدت کیلئے تھے ان کیلئے حکم دیا کہ جب وہ مدت ختم ہو جائے گی معاہدہ خود بخود کالعدم ہو جائے گا اور جن کیلئے مدت متعین نہ تھی، ان کے لئے چار ماہ کی میعاد مقرر کی گئی تاکہ اس اثناء میں لوگ اپنے گھروں کو بخیریت لوٹ جائیں۔ جب یہ چار ماہ پورے ہو جائیں گے تو معاہدہ ختم تصور کیا جائے گا۔ اس سورت میں کئی دیگر احکام بھی تھے۔

جب یہ سورت نازل ہوئی سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا علی مرتضیٰ کو یاد فرمایا۔ انہیں حکم دیا کہ وہ حج کیلئے جائیں اور جب میدان عرفات میں تمام لوگ جمع ہو جائیں اس وقت یہ سورت سب کو پڑھ کر سنادیں۔

سیدنا علی کی سواری کیلئے حضور نے اپنی ذاتی ناقہ آپ کو مرحمت فرمائی۔ آپ کی ملاقات سیدنا ابو بکر صدیق سے عرج کے مقام پر اور بقول دیگر دجنان کے مقام پر ہوئی۔ حضرت صدیق اکبر صبح کی نماز پڑھانے کیلئے مصلیٰ پر کھڑے تھے۔ ابھی تکبیر تحریمہ نہیں کہی تھی کہ اونٹنی کے بلبلانے کی آواز سنی، آپ فوراً رک گئے۔ فرمایا، یہ محبوب رب العالمین ﷺ کی

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 140

ناقہ کی آواز ہے۔ ہو سکتا ہے سرکار دو عالم ﷺ نے حج کا ارادہ فرمایا ہو اور خود تشریف لے آئے ہوں، اس لئے ٹھہر جاؤ۔ اگر حضور تشریف لائے تو حضور کی اقتداء میں نماز ادا کریں گے۔ جب اونٹنی قریب آئی تو دیکھا کہ علی مرتضیٰ اس پر سوار ہیں۔ آپ نے فوراً دریافت کیا کہ اَمِیْرٌ اَوْ مَامُوْرٌ آپ قافلہ کے امیر بنا کر بھیجے گئے ہیں یا قافلہ کے دیگر افراد کی طرح مامور بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ "سیدنا علی مرتضیٰ نے جواب دیا بَلْ مَامُوْرٌ امیر آپ ہی ہیں، میں تو مامور بنا کر بھیجا گیا ہوں۔" پھر دونوں حضرات اپنے ہمراہیوں سمیت مکے کی طرف روانہ ہوئے۔ سیدنا علی نے اپنی آمد کی وجہ بتائی کہ آپ کے روانہ ہونے کے بعد اللہ کے محبوب پر ایک سورت نازل ہوئی جس میں کفار سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کیا گیا اور دوسرے مسائل جو حج سے متعلق ہیں وہ بتائے گئے ہیں۔ حضور نے مجھے بھیجا ہے کہ عرفات کے میدان میں جب سارے حاجی جمع ہو جائیں تو سب کو یہ سورت پڑھ کر سناؤں تاکہ سب ان احکام سے آگاہ ہو جائیں جو اس سورت میں نازل کئے گئے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر ایام حج میں ہر روز ہر مقام پر خطبہ ارشاد فرماتے تو اس میں سامعین کو ان مسائل سے آگاہ کرتے جن کی اس روز اور اسی مقام پر ادائیگی ضروری تھی۔ اور سیدنا علی آپ کے خطبہ کے بعد سب کے سامنے سورۃ براءت کی تلاوت فرماتے۔

حضرت امام احمد اپنی مسند میں علی مرتضیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے جب مجھے حضرت ابو بکر صدیق کی معیت میں حج ادا کرنے کے لئے بھیجا تو چار باتوں کے اعلان کرنے کا حکم دیا (1) پہلی بات تو یہ تھی کہ مومن کے بغیر کوئی آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا (2) کوئی مرد یا عورت برہنہ طواف نہیں کرے گی (3) جس کے ساتھ حضور کا کوئی عہد ہے جب اس کی مدت پوری ہوگی وہ عہد خود بخود کالعدم ہو جائے گا (4) اس سال کے بعد کسی مشرک کو حج ادا کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جو مشرک اس سال حج کو آئے ہوئے تھے ان کی دو قسمیں تھیں۔ پہلی قسم ان مشرکین کی تھی جن کے ساتھ ایک مقررہ میعاد تک معاہدہ کیا گیا تھا۔ اور دوسری ان لوگوں کی تھی جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں تھا۔ پہلی قسم کا معاہدہ اس وقت ختم تصور کیا جائے گا جب وہ مدت پوری ہوگی اور جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ان کو چار ماہ کی مہلت دی گئی تاکہ اپنی کاروباری ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے بعد وہ آرام سے

اپنے اپنے وطن پہنچ جائیں۔

یہاں شیعہ صاحبان یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق کو قافلہ حجاج کا پہلے امیر مقرر کیا۔ اور چند روز بعد ان کو معزول کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس قافلہ کی امارت تفویض کی۔ جب حضرت ابو بکر ایک مختصر سے قافلہ کی امارت کے لئے بھی موزوں نہ تھے تو وہ ساری امت کی امارت کے منصب کیلئے کب اہل ہو سکتے ہیں۔

کاش یہ حضرات اس روایت کو غور سے پڑھتے تو کبھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوتے۔ آپ نے پڑھا ہے کہ جب سیدنا صدیق اکبر نے اونٹنی کے بلبلانے کی آواز سنی تو فوراً پہچان گئے کہ یہ میرے آقا کی اونٹنی بلبلا رہی ہے۔ لیکن جب وہ اونٹنی قریب ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس اونٹنی پر علی مرتضیٰ سوار ہیں۔ آپ نے فوراً دریافت کیا اَمِيْرٌ اَوْ مَامُوْرٌ کہ آپ قافلہ کے امیر بنا کر بھیجے گئے ہیں تو آیئے منصب امارت کی زمام اپنے دست مبارک میں تھام لیجئے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ میں مامور بن کر آیا ہوں امیر آپ ہی ہیں۔ آپ کی امارت میں میں فریضہ حج ادا کروں گا، آپ کی امارت میں ہی میں دیگر فرائض کو انجام دوں گا، اور آپ کی اقتداء میں ہی نمازیں ادا کروں گا۔ جب علی مرتضیٰ نے اس سارے عرصہ میں حضرت صدیق اکبر کی اقتداء میں نمازیں ادا کیں تو پھر اب کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر کے منصب امارت پر زبان طعن دراز کرے؟

وَقَدْ كَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُصَلِّيْ خَلْفَ اَبِيْ بَكْرٍ اِلٰى اَنْ رَجَعَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ

نجران کی طرف حضرت خالد بن ولید کا سریہ

ماہ ربیع الاول سنہ 10 ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو چار سو مجاہدین کا سالار بنا کر نجران کی طرف بھیجا تا کہ بنو الحارث بن کعب کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضور انور ﷺ نے حضرت خالد کو حکم دیا، جب وہاں پہنچیں تو فوراً ان پر حملہ نہ کر دیں بلکہ انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ صرف ایک مرتبہ نہیں بلکہ تین مرتبہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام کو قبول کر لیں تو ان کو امن دے دیں اور وہاں سکونت

1۔ محمد رضا، "محمد رسول اللہ"، صفحہ 343 و دیگر کتب سیرت

پذیر ہوں اور اس اثناء میں قرآن کریم اور سنت نبوی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلام کے بنیادی عقائد اور فرائض کے بارے میں ان کو تلقین کریں۔ لیکن اگر وہ تین بار اسلام قبول کرنے کی دعوت کے بعد بھی اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیں تو پھر ان کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت ہے۔ اہل نجران، نصرانی تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا تھے۔ حضرت خالد مدینہ طیبہ سے روانہ ہو کر نجران کے علاقہ میں پہنچے اور اپنے سواروں کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر اس علاقہ کے مختلف اطراف واکناف میں بھیجے تاکہ انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ جب ان حضرات نے مختلف آبادیوں میں پہنچ کر اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت خالد کچھ عرصہ وہاں سکونت پذیر رہے اور حسب ارشاد رسالت مآب ان کو قرآن کریم کی سورتیں یاد کراتے رہے۔ حضور کی سنت مطہرہ پر ان کو آگاہ کرتے رہے اور دین اسلام کے بنیادی عقائد اور احکام پر عمل کرنے کی ان کو دعوت دیتے رہے۔

حضرت خالد نے کامیابی کے ساتھ اس علاقہ کو نور اسلام سے منور کرنے کے بعد بارگاہ رسالت میں ایک عریضہ ارسال کیا جس میں اپنی ساری سرگرمیوں کے بارے میں اطلاع درج کی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس مکتوب کا جواب تحریر فرمایا اور ان لوگوں کے اسلام قبول کرنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا-- ان کو اللہ کی رحمت کی بشارت سنائیں۔ اللہ کی نافرمانی سے ڈرائیں۔ جب بھی مدینہ واپس آؤ تو ان کا ایک وفد اپنے ہمراہ لاؤ۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ

حضرت خالد جب مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو ان کا ایک وفد اپنے ہمراہ لائے جو ان کے رؤساء پر مشتمل تھا۔ حضور نے ان سے چند استفسارات فرمائے۔ ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ زمانہ جہالت میں جب تم کسی کے ساتھ جنگ کیا کرتے تھے تو کس طرح ان پر غالب آتے تھے؟ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! ہم متحد و متفق ہو کر دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہوا کرتے اور کسی پر پہلے ظلم نہیں کرتے تھے۔ حضور نے فرمایا تم سچ کہتے ہو۔

پھر حضور نے اس قبیلہ پر قیس بن حسین کو امیر مقرر کیا۔ بنو الحارث بن کعب کا وفد جب اپنے علاقہ میں واپس آ گیا تو مشکل سے چار ماہ گزرے ہوں گے کہ عالم انسانیت کے مرشد کامل محمد رسول اللہ ﷺ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔(1)

1۔ ایضاً، صفحہ 344

سرورِ عالم ﷺ کے لختِ جگر حضرت ابراہیم کی وفات

ماہ ربیع الاول سنہ 10 ہجری میں حضرت ابراہیم نے وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر سولہ ماہ تھی۔ حضرت ابراہیم، جب آخری سانس لے رہے تھے تو سرکار دو عالم ﷺ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف پر ٹیک لگائے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔ جب حضرت ابراہیم وفات پا چکے تو حضور کی مبارک آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی ٹپکنے لگے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے عرض کی، یارسول اللہ! لوگوں کو تو حضور ایسے موقع پر رونے سے منع فرمایا کرتے تھے، جب لوگ حضور کو اشکبار دیکھیں گے تو وہ بھی رونا شروع کر دیں گے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا یہ آنسو رحمت کی نشانی ہیں اور جو کسی پر رحمت نہیں کرتا اس پر بھی رحمت نہیں کی جاتی۔ میں لوگوں کو بین کرنے سے منع کرتا ہوں یا متوفی کی ایسی خوبیاں بیان کرنے سے روکتا ہوں جو اس میں نہیں ہوتیں۔ پھر فرمایا:

وَإِنَّا عَلَيْهِ لَمَحْزُوْنُوْنَ تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُوْلُ مَا يُسْخِطُ الرَّبَّ۔

”ہم ابراہیم کی وفات پر غمگین ہیں۔ آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔ دل مغموم ہے۔ اس کے باوجود ہم اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکالتے جو ہمارے رب کی ناراضگی کا باعث ہو۔“

ابراہیم اپنی شیر خوارگی کے بقیہ ایام جنت میں گزارے گا۔

رحمت عالم ﷺ نے حضرت ابراہیم کو بقیع شریف میں دفن کرنے کا حکم دیا۔ ان پر خود نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں پڑھیں۔ اور جب ان کو دفن کر دیا گیا تو پھر ایک مشک پانی کی اس پر چھڑکی۔ یہ پہلی قبر ہے جس پر پانی چھڑکا گیا۔

حضور نے دیکھا کہ قبر کے ایک حصہ پر مٹی جمع ہے۔ حضور نے اپنی انگشت ہائے مبارک سے مٹی کے اس ڈھیر کو ہموار کر دیا اور فرمایا إِذَا عَمِلَ أَحَدُكُمْ عَمَلًا فَلْيُتْقِنْهُ

”تم میں سے جب کوئی آدمی کام کرے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کام کو بڑی عمدگی سے کرے۔“

حضرت ابراہیم کی وفات کے روز سورج کو گرہن لگ گیا۔ لوگوں نے یہ بات مشہور کر دی کہ حضرت ابراہیم کی موت پر رنج و غم کی وجہ سے سورج کو گرہن لگ گیا۔ رحمت عالم ﷺ

نے یہ بات سنی تو ارشاد فرمایا:

إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ۔ (1)

"کہ سورج اور چاند اللہ کی قدرت کی دو بڑی نشانیاں ہیں، کسی کی موت کی وجہ سے انہیں گرہن نہیں لگتا۔"

اگر حضور ﷺ اللہ کے سچے رسول نہ ہوتے تو اس بات کی تصدیق کرتے اور لوگوں میں یہ بات مشہور ہو جاتی کہ سورج کو اس لئے گرہن لگا ہے۔ لیکن اللہ کے سچے نبی نے فریب و دغا سے کام نہیں لیا بلکہ حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا اور لوگوں کی اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا۔ مسٹر بر منگھم اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ "حضور کے اس ارشاد نے ان خرافات کا خاتمہ کر دیا اور کوئی مکار آدمی ایسی بات نہیں کر سکتا۔ حضور اللہ کے سچے نبی تھے۔ حضور کو اللہ کی دی ہوئی عظمت اور بڑائی کافی تھی۔ حضور ایسی باتوں سے لوگوں کے دلوں پر اپنی عظمت کے نشان ثبت کرنا پسند نہیں فرمایا کرتے تھے۔"(2)

حضرت ابو موسیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کی یمن روانگی

ابو موسیٰ اشعری کا نام عبداللہ بن قیس تھا۔ یہ ان لوگوں سے تھے جو بہت پہلے ایمان لائے تھے۔ حضور نے ان کو زبید اور عدن کا والی بنا کر بھیجا۔ معاذ بن جبل، ان ستر خوش بخت انصار میں سے تھے جنہوں نے عقبہ میں بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ بدر، احد اور دیگر تمام غزوات میں شریک رہے، آپ انصار کے قبیلہ خزرج کے ایک فرد تھے۔ جس وقت آپ ایمان لائے اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے، چار آدمیوں سے قرآن سیکھو۔۔ابن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ۔

حضرت معاذ عہد رسالت میں بھی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ آپ صورت و سیرت کے لحاظ سے حسن و جمال کے پیکر تھے۔ ان کی سخاوت و فیاضی کی یہ حالت تھی کہ کہ ہمیشہ مقروض رہتے تھے۔ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے

1۔ ایضاً، صفحہ 354

2۔ ایضاً

حضرت معاذ کو فرمایا کہ عنقریب تمہاری ملاقات اہل کتاب سے ہوگی اور جب تم ان کے پاس جاؤ تو انہیں دعوت دو کہ وہ اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دیں۔ اگر وہ آپ کی یہ دعوت قبول کرلیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے اغنیاء سے لی جائے گی اور فقراء میں بانٹ دی جائے گی۔ اگر وہ آپ کی یہ بات مان لیں تو جب تم ان کے مالوں سے زکوۃ لینے لگو تو ان کا بہترین جانور مت لینا اور مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا کیونکہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

جب یہ یمن روانہ ہوئے تو سرکار دو عالم ﷺ ان کو الوداع کہنے کیلئے ان کے ساتھ گئے۔ اس وقت معاذ سوار تھے اور حضور پیدل چل رہے تھے اور انہیں اپنے پند و مواعظ سے خورسند فرما رہے تھے۔ جب پند و نصائح کا سلسلہ اختتام پذیر ہوا تو حضور نے فرمایا، اے معاذ! شاید اس سال کے بعد تو مجھ سے ملاقات نہ کر سکے اور تمہارا گزر میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے ہو۔ یہ المناک اطلاع پاکر حضرت معاذ پر گریہ طاری ہو گیا۔ تعمیل ارشاد ضروری تھی، وہ یمن روانہ ہوئے اور اس وقت مدینہ طیبہ آئے جب مسند خلافت پر حضرت ابو بکر صدیق تشریف فرما تھے۔ چند روز یہاں قیام کیا، پھر واپس شام چلے گئے اور وہاں ہی پیک اجل کو لبیک کہا۔

علامہ ابن کثیر مسند امام احمد سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ کو یمن روانہ کیا تو پوچھا، اگر تمہارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے عرض کی، کتاب الہی کے مطابق۔ پھر پوچھا، اگر اللہ کی کتاب میں اس کے بارے میں کچھ نہ ملے تو پھر؟ عرض کی اللہ کے رسول کی سنت کے مطابق۔ پھر فرمایا، اگر سنت میں بھی اس کا جواب نہ ملے تو؟ عرض کی، میں اس کا جواب تلاش کرنے میں پوری کوشش کروں گا اور کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کروں گا۔ آپ کے ان جوابات کو سن کر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ بِمَا یَرْضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ (1)

اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں جس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی ہے

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 4، صفحہ 198

جس سے اس کا رسول خوش ہوتا ہے۔

حضرت ابوذر بارگاہ رسالت ﷺ میں

ایک روز ہادی برحق رحمت عالم ﷺ مسجد میں تنہا تشریف فرما تھے۔ اسی اثناء میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور پاس آ بیٹھے۔ رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر! مسجد میں حاضری کے آداب ہیں۔ انہوں نے عرض کی وہ کیا ہیں؟ حضور نے فرمایا، رَکْعَتَیْنِ --جب مسجد میں داخل ہو تو دو رکعت نماز ادا کرو۔ چنانچہ حضرت ابوذر اٹھے اور دو رکعت نفل تحیۃ المسجد ادا کئے۔

ان تنہائی کے لمحوں کو غنیمت سمجھتے ہوئے حضرت ابوذر نے چند سوالات کئے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے جوابات دیئے۔ درحقیقت یہ جوابات حکمت نبوت کے بحر مواج کے درہائے شہوار ہیں۔ جو بھی ان سے استفادہ کرے گا دونوں جہانوں کی فلاح و کامرانی کا تاج اس کے سر پر سجادیا جائے گا:-

آپ نے عرض کی، یارسول اللہ: اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ؟ "اللہ کے نزدیک کون سے اعمال زیادہ پسندیدہ ہیں؟"

حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: اَلْاِیْمَانُ بِاللّٰہِ وَجِھَادٌ فِیْ سَبِیْلِہٖ "اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے راستہ میں جہاد۔"

ابوذر: فَاَیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَکْمَلُھُمْ اِیْمَانًا؟ "کس مومن کا ایمان زیادہ مکمل ہے؟"

فرمایا: اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا "جو اخلاق حسنہ سے مزین ہو وہ زیادہ کامل ہے۔"

ابوذر: فَاَیُّ الْمُسْلِمِیْنَ اَفْضَلُ؟ "مسلمانوں میں افضل کون ہے؟"

فرمایا: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ "جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں

ابوذر: اَیُّ الْھِجْرَۃِ اَفْضَلُ؟ "کون سی ہجرت افضل ہے؟"

فرمایا: مَنْ ھَجَرَ السُّوْٓءَ "جس نے بدی کو ترک کردیا۔

ابوذر: اَیُّ اٰیَۃٍ مِّمَّا اَنْزَلَھَا اللّٰہُ عَلَیْکَ اَفْضَلُ؟ "جو کتاب اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائی، اس میں سب سے افضل آیت کون سی ہے؟"

فرمایا: "آیۃ الکرسی۔"

ابوذر: "یا رسول اللہ انبیاء کی تعداد کتنی تھی؟"

فرمایا: "ایک لاکھ چوبیس ہزار۔"

ابوذر: "ان میں سے رسولوں کی تعداد کتنی تھی؟"

فرمایا: "تین سو تیرہ۔"

آخر میں حضرت ابوذر نے عرض کی، یا رسول اللہ: أَوْصِنِي "اے اللہ کے پیارے رسول! مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔"

فرمایا: أُوْصِيكَ بِتَقْوَى اللهِ فَإِنَّهُ زَيْنٌ لِأَمْرِكَ "میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ تقویٰ تمہارے حالات کو مزین و آراستہ کر دے گا۔"

عرض کی: زِدْنِي "یا رسول اللہ! اور وصیت فرمائیں۔"

فرمایا: عَلَيْكَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ "خاموشی اختیار کرو۔"

وَإِيَّاكَ وَالضِّحْكَ فَإِنَّهُ يُمِيْتُ الْقُلُوْبَ وَيُذْهِبُ نُوْرَ الْوَجْهِ "زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو، یہ دلوں کو مردہ کر دیتا ہے اور چہرے کی نورانیت کو ختم کر دیتا ہے۔"

پھر عرض کی: زِدْنِي "یا رسول اللہ! اور وصیت فرمائیں۔"

فرمایا: أَحِبَّ الْمَسَاكِيْنَ وَمُجَالَسَتَهُمْ "مسکینوں سے محبت اور ان کے پاس بیٹھنے کو محبوب جانو۔"

عرض کی: اور یا رسول اللہ!

فرمایا: قُلِ الْحَقَّ وَلَوْ كَانَ مُرًّا "سچ کہا کرو خواہ وہ کڑوا ہو۔"

عرض کی: زِدْنِي "یا رسول اللہ! اور وصیت فرمائیں۔"

فرمایا: لَا تَخَفْ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ "اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کرو۔"(1)

حدیث جبرئیل علیہ السلام

ایک روز رحمت عالم ہادی برحق ﷺ اپنے صحابہ کی معیت میں تشریف فرما تھے۔ اچانک ایک آدمی داخل ہوا۔ اس کا لباس بہت ہی اجلا تھا۔ اس کے بال سخت سیاہ تھے۔ لیکن

1۔ ابو حاتم محمد بن حبان، "السیرۃ النبویہ"، صفحہ 388-390

اس پر سفر کے کوئی نشانات نہ تھے اور ہم میں سے کوئی بھی اسے نہیں پہچانتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے پیارے نبی ﷺ کے قریب بیٹھ گیا اور اپنا گھٹنا حضور کے گھٹنے کے ساتھ ملا دیا۔ اور اپنے ہاتھ بطور ادب اپنی رانوں پر رکھ دیئے۔ پھر وہ عرض پیرا ہوا: یا محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اَخْبِرْنِي عَنِ الْاِسْلَامِ "اے اللہ کے رسول! مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے۔" حضور نے فرمایا:

اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَ تَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔

"اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ تو گواہی دے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفیٰ اللہ کے رسول ہیں، تو نماز ادا کرے، زکوٰۃ دے رمضان کے روزے رکھے اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔"

اس اجنبی نے کہا صَدَقْتَ "آپ نے سچ فرمایا۔" مسلمان اس کی یہ بات سن کر بڑے متعجب ہوئے کہ سوال بھی کرتا ہے اور پھر اس کی تصدیق بھی کرتا ہے۔

اس نے دوسرا سوال یہ کیا اَخْبِرْنِي عَنِ الْاِيْمَانِ "مجھے ایمان کی حقیقت پر آگاہ فرمائیں رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ۔

"کہ تو اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، اس کی نازل کی ہوئی کتابوں پر، اس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر، یوم قیامت پر اور اس کی تقدیر جیسی بھی ہو خیر ہو یا شر، اس پر ایمان لاؤ۔"

یہ سن کر اس اجنبی نے پھر کہا صَدَقْتَ "آپ نے سچ فرمایا۔"

تیسرا سوال اس نے یہ پوچھا اَخْبِرْنِي عَنِ الْاِحْسَانِ کہ "احسان کی حقیقت سے مجھے مطلع فرمائیں۔"

حضور اکرم نے فرمایا:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرٰكَ

"احسان اس کیفیت کا نام ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تو یوں
سمجھو گویا تم اللہ تعالیٰ کا دیدار کر رہے ہو اور اگر اس کیفیت پر تم فائز نہ
ہو تو کم از کم تمہارا یہ یقین پختہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

چوتھا سوال اس نے یہ کیا وَاَخْبِرْنِیْ عَنِ السَّاعَةِ "قیامت کے بارے میں مجھے بتائیے کہ وہ کب قائم ہو گی؟"

مرشد برحق حضور ﷺ نے فرمایا مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ اس کے بارے میں جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔"

آخری استفسار اس نے یہ کیا کہ "پھر قیامت کے نشانیوں کے بارے میں مجھے بتائیے۔"

وَاَخْبِرْنِیْ عَنْ اَمَارَاتِهَا

تو نبی برحق نے فرمایا اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا "ایک نشانی یہ ہے کہ کنیز اپنی مالکہ کو جنے گی"

وَاَنْ تَرَی الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ یَتَطَاوَلُوْنَ فِی الْبُنْیَانِ

"اور تو ان لوگوں کو دیکھے گا جن کے پاؤں میں جوتا نہیں، جن کے جسم
پر لباس نہیں، وہ جو عمارتیں تعمیر کریں گے، ایک دوسرے سے اونچی
تعمیر کرنے کی کوشش کریں گے۔ پھر سورہ لقمان کی یہ آیت پڑھی

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ "ان استفسارات کے بعد وہ شخص چلا گیا۔"

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھا جو تمہارا دین تمہیں سکھانے کیلئے یہاں حاضر ہوا تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ کی یمن کی طرف روانگی

نبی رحمت ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ماہ رمضان 10 ہجری میں یمن کی طرف روانہ فرمایا۔ حضرت علی، تین سو سواروں کو اپنے ہمراہ لے کر عازم یمن ہوئے۔ جب یمن کی حدود میں پہنچے تو اپنے شہسواروں کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں منقسم کر دیا۔ ان ٹولیوں نے ان علاقوں میں جو لوگ آباد تھے ان پر ہلہ بول دیا اور ہر قسم کا مال غنیمت ان کے قبضہ میں آیا۔ مال غنیمت میں اونٹ اور بکریاں تھیں۔ پھر ان لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ ان کے سامنے اسلام کی تعلیمات کو پیش کیا اور اسے قبول کرنے کی انہیں دعوت دی لیکن

انہوں نے اس دعوت کو مسترد کر دیا اور مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی بارش برسا دی۔ ان میں سے بنی مذحج قبیلہ کا ایک آدمی میدان میں نکلا اور مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی۔ اس کے مقابلہ کیلئے اسود بن خزاعی نکلے اور اسے للکارا۔ اسود نے اس مذحجی کو قتل کر دیا اور اس کا اسلحہ اور لباس اپنے قبضہ میں لے لیا۔ سیدنا علی مرتضٰی نے اپنے شہسواروں کو صف باندھنے کا حکم دیا اور لشکر کا پرچم مسعود بن سنان کے حوالے کیا۔ انہوں نے مذحج قبیلہ کے بیس جوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد انہیں مقابلہ کی ہمت نہ رہی، چنانچہ وہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ کر فرار ہو گئے۔ حضرت علی نے ان کے تعاقب کو ترک کر دیا۔ پھر ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، انہوں نے بڑی سرعت کے ساتھ اس دعوت کو قبول کیا اور سب مسلمان ہو گئے۔ اس قبیلہ کے کئی رؤساء نے سیدنا علی مرتضٰی کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی۔ علی مرتضٰی نے اموال غنیمت جمع کیے۔ ان کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔ پانچواں حصہ حضور کی بارگاہ میں بھیجنے کیلئے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے۔ اس معرکہ سے فراغت کے بعد علی مرتضٰی مکہ واپس تشریف لائے۔ اس وقت رحمت دو عالم ﷺ حج ادا کرنے کیلئے مکہ میں تشریف فرما ہو چکے تھے۔

اس سے قبل رسول کریم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد علی مرتضٰی کو سنہ 8 ہجری میں یمن کی طرف روانہ کیا۔ یہ یمن کی طرف مسلمانوں کا پہلا نمائندہ وفد تھا۔ نیز آپ کو قبیلہ ہمدان کو اسلام کی طرف دعوت دینے کیلئے بھی روانہ فرمایا۔ ہمدان کا سارا قبیلہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ سیدنا علی المرتضٰی نے یہ خوشخبری اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لکھ کر روانہ کی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جب وہ گرامی نامہ پڑھا تو سجدہ میں گر گئے اور اتنی کثیر تعداد کے مشرف باسلام ہونے پر دل کی گہرائیوں سے ہدیہ تشکر پیش کیا اور اللہ کی حمد و ثناء کی۔ پھر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور فرمایا اَلسَّلَامُ عَلٰی هَمْدَانَ "قبیلہ ہمدان کے تمام خاندان پر سلامتی ہو۔" دوسری مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی مرتضٰی کو ماہ رمضان 10 ہجری میں یمن کی طرف روانہ کیا۔ (1)

1۔ محمد رضا، "محمد رسول اللہ"، صفحہ 347 و ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 4، صفحہ 203

حجۃ الوداع

بسم الله الرحمن الرحيم

حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير
وما أهل لغير الله به والمنخنقة والموقوذة
والمتردية والنطيحة وما أكل السبع إلا ما
ذكيتم وما ذبح على النصب وأن تستقسموا
بالأزلام ذلكم فسق اليوم يئس الذين كفروا
من دينكم فلا تخشوهم واخشون اليوم أكملت
لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم
الإسلام دينا فمن اضطر في مخمصة غير متجانف
لإثم فإن الله غفور رحيم ○

حجتہ الوداع

اس حج کو مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے: حجتہ الوداع، حجتہ التمام، حجتہ البلاغ اور حجتہ الاسلام۔ چونکہ ان ناموں کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے لہذا محتاج بیان نہیں۔ ان ایام میں مختلف مقامات پر حضور نے جو خطابات فرمائے ان میں صراحۃً بتادیا کہ اس مقام پر میری تم سے یہ آخری ملاقات ہے۔ اس کے بعد یہ موقع تمہیں نصیب نہیں ہوگا۔ ان خطبوں میں اپنی امت کو الوداع کہا ہے، اس لئے اس حج کو حجتہ الوداع کہا جاتا ہے۔

چونکہ انہی ایام حج میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ
رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (سورۂ مائدہ)

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات واحسانات کی حد کردی۔ اس لئے اس حج کو حجتہ التمام کہا جاتا ہے۔

اپنے تاریخی خطاب میں سرکار دوعالم ﷺ نے تمام حاضرین سے یہ گواہی لی کہ میں نے احکام الٰہی کی تبلیغ کا حق ادا کردیا ہے تو سب نے اس کی تصدیق کی۔ اس لئے اس کو حجتہ البلاغ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان ایام میں مختلف مقامات پر اپنے خطبات میں رحمت دوعالم ﷺ نے دین کا خلاصہ اور نچوڑ اپنی امت کے سامنے پیش فرمادیا۔ اس لئے اس کو حجتہ الاسلام کہا جاتا ہے۔

حجتہ الوداع کے تذکرے سے پہلے یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ قارئین کو یہ بتایا جائے کہ حضور نے اپنی حیات طیبہ میں کتنے حج کئے اور کتنے عمرے ادا کئے۔

اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں لیکن میں اس قول کے ذکر پر اکتفاء کروں گا جو میرے نزدیک راجح اور قوی ہے۔ امام احمد، امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول مکرم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں چار عمرے ادا کئے۔ ان میں سے تین ماہ ذی قعدہ میں اور ایک حجتہ الوداع کے ساتھ ماہ ذی الحجہ میں ادا فرمایا۔

پہلا عمرہ -- حدیبیہ میں حضور جب پہنچے تو کافروں نے رکاوٹ ڈال دی۔ اس لئے یہ عمرہ مکمل نہ ہو سکا۔ آئندہ سال عمرۃ القضاء، یہ بھی ذی القعدہ میں اور جعرانہ کے مقام پر اموال غنیمت تقسیم کرنے کے بعد جو عمرہ حضور نے کیا وہ بھی ذی قعدہ میں تھا۔ البتہ جو عمرہ حضور نے حجۃ الوداع کے ساتھ کیا وہ ماہ ذی الحجۃ میں تھا۔

حضور کے حجوں کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ امام ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ حضور نے دو حج ہجرت سے پہلے اور ایک حج ہجرت کے بعد ادا فرمایا۔

سفیان ثوری سے منقول ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے ہجرت سے پہلے بہت حج ادا کئے اور ہجرت کے بعد ایک حج فرمایا۔ ہجرت سے پہلے جو حج حضور نے فرمائے ان کی تعداد نہیں بتائی جاسکتی۔ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے سرور عالم ﷺ ہر سال حج ادا کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اہل عرب اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی ہر سال فریضہ حج ادا کرتے تھے تو یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ کفار و مشرکین تو حج ادا کر رہے ہوں اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ﷺ حج ادا نہ کر رہا ہو؟

ہجرت کے بعد رحمت عالم ﷺ نو سال تک مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر رہے لیکن اس عرصہ میں حضور انور نے کوئی حج ادا نہیں کیا۔ جب ہجرت کا دسواں سال آیا تو اسلام کی عظمت و سطوت کا پرچم جزیرۂ عرب کے گوشہ گوشہ میں لہرانے لگا۔ نعمت ایمان سے مالا مال ہونے کے بعد بتوں کے پجاریوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے ان جھوٹے معبودوں کو ریزہ ریزہ کر دیا اُعْلُ الْهُبُل (ہبل زندہ باد) کے نعرے اب ہمیشہ کیلئے ابدی نیند سو چکے تھے۔ گذشتہ سال حجاج کرام کا ایک قافلہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اور سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی معیت میں کیا۔ اس قافلہ میں کفر و شرک کے باقی ماندہ اور تمام لغو اور باطل شعائر کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دیا۔ مرد و زن کا برہنہ ہو کر طواف کعبہ کی شرمناک رسم اور اسی قسم کی دیگر قبیح عادات کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا گیا۔ اب وقت آگیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ اور اس کی ساری مخلوق کا ہادی و مرشد فریضہ حج کو سب کے سامنے صحیح طریقہ سے خود ادا کرے تاکہ سنت ابراہیمی کو زندہ کر کے اسے بقائے دوام سے بہرہ مند کرے تاکہ آئندہ قیامت تک حرم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام میں فریضہ حج ادا کرنے

کیلئے جو آئے وہ ان روحانی سعادتوں اور برکتوں سے مالامال ہو کر واپس جائے جو اس فریضہ کے ادا کرنے کا اہم ترین مقصد ہے۔

چنانچہ تمام اسلامی آبادیوں میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ اس سال حجاج کرام کا جو قافلہ خداوند ذوالجلال کے مقدس گھر کی زیارت اور طواف کیلئے نیز فریضہ حج کی ادائیگی کیلئے جائے گا اس قافلہ عشاق کے سالار رحمت للعالمین، محبوب رب العالمین ﷺ خود ہوں گے۔

یہ مژدۂ جانفزا جس نے بھی سنا اس پر بے خودی کا عالم طاری ہو گیا۔ مکہ مکرمہ کا سفر اور وہ بھی حبیب رب العالمین کی قیادت میں، کعبہ مشرفہ کی زیارت اور وہ بھی اپنے آقا علیہ السلام کی مبارک معیت میں، مناسک حج کی ادائیگی اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول کی براہ راست راہنمائی میں۔ زہے سعادت! زہے قسمت! ہر شخص اپنی خوش بختی پر ناز کرنے لگا اور اس سفر سعادت اثر میں شریک ہونے کی تیاری کرنے لگا۔

نبی کریم ﷺ کے سفر حج پر تشریف لے جانے کی خبر کی تشہیر کے بڑے اہم دینی مقاصد تھے۔

(1) ایک مقصد تو یہ تھا کہ مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد اللہ کے حبیب رسول کو حج کرتے ہوئے دیکھے تاکہ ان کو حج ادا کرنے کے صحیح طریقہ کا علم ہو جائے۔

(2) یہ حج، حجۃ الوداع تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے ارشادات طیبہ کے ذریعہ کئی بار اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا کہ اس مقام پر یہ میری تم سے آخری ملاقات ہے۔ اپنی امت کو الوداع کہنے سے پہلے حضور چند اہم پندونصائح سے انہیں مشرف کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے تمام اہل اسلام کو اس ارادہ سفر سے مطلع کر دیا گیا کہ ہر شخص اپنے رؤف رحیم نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ان پندونصائح کو اپنے کانوں سے سنے اور تادم واپسیں ان پر عمل پیرا رہے۔

(3) اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ نے دعوت اسلام کو عرب کے گوشہ گوشہ میں پہنچانے کیلئے بیس سال تک جو پیہم اور جانگسل جدوجہد کی تھی، اس کے خوش کن نتائج کا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو مشاہدہ کرانا تھا تاکہ حضور اللہ تعالیٰ کے اس بے مثال انعام کا شکریہ ادا کریں کہ جس اہم فریضہ کی ادائیگی اللہ تعالیٰ نے آپ کے سپرد کی تھی وہ اس کی توفیق اور نصرت سے بحسن و خوبی انجام پذیر ہوا۔ نیز اس سفر حج کی تشہیر کے باعث جزیرۂ عرب کے اطراف و اکناف سے جو بے شمار لوگ میدان عرفات میں جمع ہوئے، ان سب نے باآواز بلند

یک زبان ہو کر یہ شہادت دی کہ اے اللہ کے محبوب رسول! بیشک آپ نے اپنے فرائض نبوت کو انتہائی حسن وخوبی سے انجام دیا ہے۔

اس قافلہ میں جو لوگ مدینہ طیبہ سے شریک ہوئے تھے ان کو مناسک حج ادا کرنے کی پوری طرح تعلیم دی اور جو وفد آکر راستہ میں اس قافلہ میں شریک ہوتے تھے، ہر وفد کے ہر رکن کو مناسک حج کی تعلیم دی جاتی تھی اور زمانہ جاہلیت میں حج کی ادائیگی میں جو خرابیاں رونما ہو چکی تھیں، ان سے بچنے کی ان کو تاکید کی جاتی تھی۔

جوں جوں حج کا مہینہ قریب آتا جارہا تھا محبت وشوق کے جذبات میں بے قراریاں اور بے چینیاں بڑھتی جارہی تھیں۔ قافلوں کے قافلے مدینہ طیبہ پہنچنے لگے۔ مدینہ طیبہ کے ارد گرد جو کھلے میدان تھے وہ اللہ کے مہمانوں کے خیموں سے بھر گئے۔ گلیوں میں اتنی بھیڑ ہو گئی کہ کھوے سے کھوا چھلنے لگا۔ ذی قعدہ کی پچیس تاریخ تھی، ہفتہ کا دن تھا۔ نماز ظہر مسجد نبوی کے بقعہ نور میں سید الانبیاء والرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء میں سب نے ادا کی، کیا لطف ہوگا اس قیام میں؟ کیا کیف وسرور ہوگا ان سجدوں میں جو اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء میں ان بندگان خدا نے ادا کئے ہوں گے؟ حضور سرور عالم ﷺ نے حضرت ابو دجانہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا، تمام ازواج مطہرات کو اس سفر میں ہمرکابی کا شرف بخشا اور ہر ایک کیلئے علیحدہ علیحدہ ہودج کا اہتمام فرمایا۔

اس سفر پر روانہ ہونے سے پہلے حضور نے غسل فرمایا۔ جب یہ قافلہ ذوالحلیفہ پہنچا تو سب کو رک جانے کا حکم ملا۔ سب وہاں ٹھہر گئے کیونکہ سفر کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس لئے عصر کی نماز قصر ادا کی گئی۔ یہ رات یہاں بسر ہوئی۔ مغرب، عشاء اور دوسرے روز صبح کی نمازیں اسی مقام پر ادا کی گئیں۔ سیدنا ابو بکر صدیق کے فرزند حضرت محمد بن ابی بکر کی یہاں ہی ولادت ہوئی۔

ذوالحلیفہ، ایک چشمہ کا نام ہے۔ جو مدینہ طیبہ سے پانچ چھ میل کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ چشمہ قبیلہ بنو جشم کی ملکیت تھا۔ اہل مدینہ کیلئے یہی مقام میقات ہے۔ یعنی جو شخص یہاں سے حج یا عمرہ کیلئے مکہ مکرمہ کا قصد کرے اس پر لازم ہے کہ جب اس مقام پر پہنچے تو احرام باندھ کر آگے بڑھے۔ ظہر کی نماز سے پہلے حضور نے احرام کیلئے غسل فرمایا، سر مبارک میں تیل لگایا اور موئے مبارک میں کنگھی کی، خوشبو لگائی، پھر دو چادریں احرام کی باندھیں،

پھر دو رکعت ظہر کی نماز پڑھی، اس کے بعد حج و عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھا، پھر تلبیہ کہا۔ حضور کے تلبیہ کے کلمات طیبات درج ذیل ہیں :

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ
لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ
إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ
وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ

حاضر ہوں میں اے اللہ۔ میں حاضر ہوں۔ حاضر ہوں میں، تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں تیرے دربار میں حاضر ہوں۔ ساری تعریفیں تیرے لئے اور ساری نعمتیں تو نے عطا فرمائی ہیں۔ سارے ملکوں کا تو بادشاہ ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔

رحمت عالم ﷺ اپنے لحن مبارک سے تلبیہ کے یہ روح پرور الفاظ بلند آواز سے ادا کرتے تھے۔ حضور کے چاروں طرف حد نگاہ تک پھیلا ہوا انسانوں کا یہ سمندر ان کلمات کو دہراتا تھا۔ ان کی گونج سے سارے دشت و جبل اور صحراء گونجنے لگتے تھے۔

احرام باندھنے کے بعد حضور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے اور پھر یہی تلبیہ کے ایمان پرور جملے دہرائے۔ جب حضور کی ناقہ کھلے میدان میں پہنچی تو حضور نے بلند آواز سے پھر تلبیہ فرمایا۔ بار بار تلبیہ کے ان کلمات کو دہرانے کا مقصد یہ تھا کہ اس قافلہ میں جتنے لوگ ہیں وہ سب اپنے کانوں سے اپنے ہادی برحق کا یہ تلبیہ سن لیں اور انہیں پاکیزہ کلمات سے وہ خود بھی تلبیہ کہیں۔

یہاں سے عشاق کا یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اپنے آقا علیہ السلام کی قیادت میں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا۔ نماز کے وقت سب اپنی سواریوں سے اتر کر اپنے معبود حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتے راستہ میں اگر کوئی ٹیلہ یا پہاڑی آتی تو جب اس پر چڑھتے یا کسی نشیب میں اترتے تو بلند آواز سے تین تین بار تکبیریں کہتے۔ حضور نے اپنے صحابہ کرام کی معیت میں اپنا یہ سفر جاری رکھا اور عرج، ابواء، وادی عسفان اور سرف وغیرہا مقامات سے گزرتے ہوئے سات آٹھ دن بعد یہ قافلہ اس وقت مکہ مکرمہ کے قرب وجوار میں پہنچا جب سورج غروب ہو رہا تھا۔ یہاں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس کا نام ذوطوای تھا، سرکار دو عالم ﷺ نے یہاں رات بسر کرنے کا فیصلہ فرمایا تاکہ رات بھر آرام کرنے سے سفر کی تھکاوٹ دور ہو جائے اور جب اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کیلئے مکہ میں داخل ہوں تو وہ تازہ دم ہو کر

آگے بڑھیں اور ذوق و شوق سے سرشار ہو کر اپنے رب کریم کے گھر کی زیارت سے مشرف ہوں اور اس کا طواف کریں۔ فجر کی نماز ذو طوی میں ادا کی، پھر غسل فرمایا، پھر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔

یہ اتوار کا دن تھا، ذوالحجہ کی چار تاریخ تھی اور ہجرت کا دسواں سال تھا۔ اس سفر کو طے کرنے کیلئے مسلمانوں کو آٹھ راتیں راستہ میں گزارنا پڑیں۔ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ سمیت سب سے پہلے مسجد حرام میں تشریف لے آئے۔ جب کعبہ مقدسہ پر نظر پڑی تو بایں الفاظ بارگاہ رب العزت میں التجاء کی :

اَللّٰهُمَّ زِدْ بَيْتَكَ هٰذَا تَشْرِيْفًا وَتَعْظِيْمًا وَمَهَابَةً

”اے اللہ! اپنے گھر کے شرف کو، اس کی عظمت کو، اس کی ہیبت کو اور زیادہ بڑھا۔“

ایک روایت میں یوں مروی ہے کہ حضور جب کعبہ شریفہ کی زیارت کرتے تو بایں الفاظ التجاء کرتے :

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ
اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيْفًا وَتَعْظِيْمًا وَتَكْرِيْمًا وَمَهَابَةً (1)

”اے اللہ! تو ہی سلام ہے۔ تجھی میں سلامتی ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں سلامتی سے زندہ رکھ۔ اے اللہ! اس گھر کے شرف اور عزت اور تکریم اور رعب میں اضافہ فرما۔“

طواف

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طواف شروع کیا، پہلے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ طواف کے وقت کعبہ شریفہ حضور کی بائیں جانب تھا۔ جب طواف سے فراغت ہوئی تو حضور مقام ابراہیم پر تشریف لائے، طواف کی دو رکعت نفل ادا کیں اور یہ آیت تلاوت کی :

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى (2)

1۔ ”خاتم النبیین“، جلد 2، صفحہ 1206

2۔ سورہ البقرہ : 125

"مقام ابراہیم کو اپنا مصلیٰ بناؤ۔"

سرکار دو عالم ﷺ اس طرح کھڑے ہو کر یہ دو رکعتیں ادا فرماتے کہ حضور کے درمیان اور کعبہ شریف کے درمیان مقام ابراہیم ہوتا۔ جب اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو حضور پھر حجر اسود کی طرف تشریف لے گئے اور اسے بوسہ دیا۔ طواف سے فراغت کے بعد صفا کا رخ فرمایا۔ جب وہاں پہنچے تو یہ آیت مبارکہ تلاوت کی۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ۔ (1)

"بیشک صفا و مروہ اللہ کی نشانیوں سے ہیں۔ پس جو حج کرے اس گھر کا یا عمرہ کرے تو کچھ حرج نہیں اسے کہ چکر لگائے ان دونوں کے درمیان اور جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ بڑا قدردان اور خوب جاننے والا ہے۔"

سات چکر پورے کرنے کے بعد حضور نے احرام نہیں کھولا۔ کیونکہ حضور اپنے ہمراہ قربانی کے جانور لائے تھے۔ اس لئے جب تک حج ادا کر کے قربانی کے جانوروں کو ذبح نہ کر لیا جائے اس وقت تک احرام برقرار رہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان علماء کا یہ قول زیادہ قوی ہے کہ حضور نے قران کیا تھا اور حضور قارن تھے، لیکن جو صحابہ اپنے ہمراہ قربانی کے جانور نہیں لائے تھے حضور کے حکم سے ان سب نے اپنے احرام کھول دیئے اور پھر آٹھویں ذی الحجہ کو ان حضرات نے از سر نو حج کا احرام باندھا۔ اور اس وقت تک یہ احرام برقرار رکھا جب تک یوم نحر، انہوں نے قربانی کے جانور ذبح نہ کر لئے۔

آٹھ ذی الحجہ (یوم الترویہ) تک سرکار دو عالم ﷺ مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر رہے۔ آٹھ تاریخ کو مکہ سے چل کر منیٰ تشریف لے آئے۔ حضور کے صحابہ بھی حضور کے ہمرکاب تھے۔ اس اثناء میں بعض حضرات لبیک اللھم لبیک کا ورد کرتے اور بعض تکبیر کہتے تھے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کسی پر اعتراض نہیں کیا۔

رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء منیٰ میں پڑھیں۔

1۔ ایضاً: 158

وہاں ہی رات بسر کی اور صبح تک قیام فرمایا۔ اتنی دیر یہاں توقف فرمایا کہ سورج طلوع ہو گیا۔ وہاں سے عرفات تشریف لے گئے۔ مسجد نمرہ کے پاس حضور کیلئے ایک خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ یہ جگہ میدان عرفات کے مشرقی جانب ہے۔ وہاں قیام فرمایا، جب سورج ڈھل گیا تو اپنی ناقہ قصویٰ طلب فرمائی، اس پر کجاوہ کسا گیا، اس پر سوار ہو کر حضور بطن وادی میں تشریف لے آئے۔ وہاں پہنچ کر حضور نے وہ تاریخ ساز عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اسلام کی ساری تعلیمات کو بڑے دلنشین انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ زمانہ جاہلیت کے تمام رسم و رواج کو نیست و نابود کر دیا اور ان عزت و حرمت والے امور کو برقرار رکھا جو تمام مذاہب میں اور تمام زمانوں میں عزت و حرمت کے حامل تھے۔۔ یعنی انسانی جان، انسانی آبرو، اس کے اموال۔ اور وہ قواعد و ضوابط جو انسانی زندگی کے معاشرتی یا معاشی پہلوؤں کو بری طرح متاثر کرتے تھے، ان کو کالعدم قرار دیدیا۔ ان دوررس اصلاحات کا آغاز اپنے خاندان سے کیا۔

زمانہ جاہلیت میں حضور کے چچا حارث کا بیٹا ربیعہ جو قبیلہ بنی سعد بن بکر میں اپنی شیر خوارگی کا زمانہ گزار رہا تھا، اس کو قبیلہ ہذیل کے ایک آدمی نے قتل کر دیا۔ حضور نے اپنے چچا کے بیٹے کے خون کو معاف کر دیا۔ اسی طرح جب سود کو حرام قرار دیا تو فرمایا سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس کا سود جو لوگوں کے ذمہ ہے اس کو کالعدم قرار دیتا ہوں اور اس کو اپنے پاؤں کے نیچے روندتا ہوں۔

اس زمانہ میں ہر ملک میں طبقہ نسواں کی حالت بڑی ناگفتہ بہ تھی۔ حضور نے عورتوں کے ساتھ بہترین سلوک کرنے کی وصیت فرمائی۔ بتایا کہ کچھ حقوق شوہر کے اس کی بیوی پر ہیں، اسی طرح کچھ حقوق بیوی کے اس کے شوہر پر ہیں۔ دونوں پر لازم ہے کہ اپنے اپنے فرائض کو خوش دلی سے انجام دیں۔

اپنی امت کو وصیت فرمائی کہ وہ اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں۔ انہیں بتایا کہ اگر اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوں گے۔

اس خطبہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کا مکمل متن یہاں تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں تاکہ ہمارے نوجوان اپنے آقا کے ان ارشادات کا بغور مطالعہ کریں جس میں نوع انسانی کے جملہ حقوق کی نشاندہی کی گئی ہے اور نوع انسانی کے مختلف اصناف کے حقوق و فرائض کا جو تذکرہ کیا گیا ہے، اس کا بنظر غائر مطالعہ کریں۔

خطبہ حجتہ الوداع -- عرفات کے میدان میں

بَعْدَ الْحَمْدِ لِلّٰهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ إِلَىٰ أَنْ تَلْقَوْا رَبَّكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا۔

"اے لوگو! تمہاری جانیں اور تمہارے اموال تم پر عزت و حرمت والے ہیں یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرو۔ یہ اس طرح ہے جس طرح تمہارا آج کا دن حرمت والا ہے، جس طرح تمہارا یہ مہینہ حرمت والا ہے۔ اور جس طرح تمہارا یہ شہر حرمت والا ہے۔

وَإِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ وَقَدْ بَلَّغْتُ وَمَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَانَةٌ فَلْيُؤَدِّهَا لِمَنِ ائْتَمَنَهُ عَلَيْهَا وَإِنَّ كُلَّ رِبًا مَوْضُوعٌ وَلٰكِنْ لَكُمْ رُؤُسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔

بیشک تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ سنو! اللہ کا پیغام میں نے پہنچا دیا اور جس شخص کے پاس کسی نے امانت رکھی ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اس امانت کو اس کے مالک تک پہنچا دے۔ سارا سود معاف ہے لیکن تمہارے لئے اصل زر ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔

قَضَى اللّٰهُ أَنَّهُ لَا رِبًا۔ وَإِنَّ أَوَّلَ رِبًا أَضَعُ رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ أَلَا إِنَّ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ كَانَ مُسْتَرْضِعًا

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ کوئی سود نہیں۔ سب سے پہلے جس ربا کو میں کالعدم کرتا ہوں وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے۔ یہ سب کا سب معاف ہے۔ زمانہ جاہلیت کی ہر چیز کو میں کالعدم قرار دیتا ہوں اور تمام خونوں میں سے جو خون میں معاف کر رہا ہوں وہ حضرت عبد المطلب کے بیٹے حارث کے بیٹے ربیعہ کا خون ہے جو اس

فِی بَنِیْ سَعْدِ بْنِ بَکْرٍ وَقَتَلَہٗ هُذَیْلُ۔

وقت بنو سعد کے ہاں شیر خوار بچہ تھا اور ہذیل قبیلہ نے اس کو قتل کر دیا۔

اَیُّهَا النَّاسُ! اَلشَّیْطَانُ قَدْ یَئِسَ اَنْ یُّعْبَدَ بِاَرْضِکُمْ هٰذِهٖ اَبَدًا وَلٰکِنَّهٗ اِنْ یُّطَعْ فِیْمَا سِوٰی ذٰلِکَ فَقَدْ رَضِیَ بِمَا تَحْقِرُوْنَ مِنْ اَعْمَالِکُمْ۔ فَاحْذَرُوْهُ عَلٰی دِیْنِکُمْ۔

اے لوگو! شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ اس زمین میں کبھی اس کی عبادت کی جائے گی۔ لیکن اسے یہ توقع ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے گناہ کرانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس لئے تم ان چھوٹے چھوٹے اعمال سے ہوشیار رہنا۔

پھر فرمایا کہ جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، سال کو بارہ مہینوں میں تقسیم کیا ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) ان مہینوں میں جنگ وجدال جائز نہیں۔

کفار اپنے اغراض کے پیش نظر ان مہینوں میں ردوبدل کر لیا کرتے تھے۔

اَیُّهَا النَّاسُ اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا فَاِنَّهُنَّ عِنْدَکُمْ عَوَانٍ لَا یَمْلِکْنَ لِاَنْفُسِهِنَّ شَیْئًا۔

اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، میں تمہیں عورتوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ تمہارے زیردست ہیں، وہ اپنے بارے میں کسی اختیار کی مالک نہیں۔

وَاِنَّکُمْ اِنَّمَا اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانَةِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِکَلِمَةِ اللّٰهِ

اور یہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہیں۔

وَلَکُمْ عَلَیْهِنَّ حَقٌّ۔ وَلَهُنَّ عَلَیْکُمْ حَقٌّ

اور اللہ کے نام کے ساتھ وہ تم پر حلال ہوئی ہیں تمہارے ان کے ذمہ حقوق ہیں اور ان کے تم پر بھی حقوق ہیں۔

وَلَکُمْ عَلَیْهِنَّ اَنْ لَّا یُوْطِئْنَ فُرُشَکُمْ اَحَدًا تَکْرَهُوْنَهٗ

تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر کی حرمت کو برقرار رکھیں۔

وَعَلَیْهِنَّ اَنْ لَّا یَاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ۔

اور ان پر یہ لازم ہے کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب نہ کریں۔

وَاِنْ فَعَلْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ

أَذِنَ لَكُمْ أَنْ تَهَاجُرُوهُنَّ
فِي الْمَضَاجِعِ وَتَضْرِبُوهُنَّ
ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَإِنِ انْتَهَيْنَ
فَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَ
كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَاعْقِلُوا

اور اگر ان سے بے حیائی کی کوئی حرکت سرزد ہو پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تم ان کو اپنی خوابگاہوں سے دور کر دو۔

اور انہیں بطور سزا تم مار سکتے ہو۔ لیکن جو ضرب شدید نہ ہو۔

اور اگر وہ باز آجائیں تو پھر تم پر لازم ہے کہ تم ان کے خورونوش اور لباس کا عمدگی سے انتظام کرو۔

أَيُّهَا النَّاسُ قَوْلِي فَإِنِّي قَدْ
بَلَّغْتُ۔

اے لوگو! میری بات کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرو۔

بیشک میں نے اللہ کا پیغام تم کو پہنچادیا ہے۔

وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ
تَضِلُّوا بَعْدِي أَبَدًا إِنِ
اعْتَصَمْتُمْ بِهِ۔ أَمْرَيْنِ
كِتَابَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَسُنَّةَ
نَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور میں تم میں ایسی دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں کہ اگر تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن کریم) اور اس کے نبی کی سنت ﷺ۔

أَيُّهَا النَّاسُ! اِسْمَعُوا قَوْلِي
وَاعْقِلُوهُ تَعْلَمُنَّ أَنَّ كُلَّ
مُسْلِمٍ أَخٌ لِمُسْلِمٍ وَأَنَّ
الْمُسْلِمِينَ إِخْوَةٌ۔

اے لوگو! میری بات غور سے سنو اور اس کو سمجھو تمہیں یہ چیز معلوم ہونی چاہئے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ مِنْ أَخِيهِ
إِلَّا مَا أَعْطَاهُ عَنْ طِيبِ
نَفْسٍ وَلَا تَظْلِمُنَّ أَنْفُسَكُمْ۔

کسی آدمی کیلئے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے مال سے اس کی رضامندی کے بغیر کوئی چیز لے پس تم اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ الْقُلُوبَ لَا تَغُلُّ

جان لو! کہ دل ان تینوں باتوں پر حسد و عناد

عَلٰی ثَلَاثٍ۔ | نہیں کرتے ۔

إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مُنَاصَحَةُ أُولِي الْأَمْرِ وَعَلٰی لُزُومِ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ۔

کسی عمل کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کرنا۔
حاکم وقت کو ازراہ خیر خواہی نصیحت کرنا۔
مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ شامل رہنا۔

فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِيطُ مِنْ وَرَاءِ هِمْ وَمَنْ تَكُنِ الدُّنْيَا نِيَّتُهُ يَجْعَلِ اللّٰهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَيُشَتِّتُ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهُ وَلَا يَأْتِيهِ مِنْهَا إِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ

اور بیشک ان کی دعوت ان لوگوں کو بھی گھیرے ہوئے ہے جو ان کے علاوہ ہیں۔ جس کی نیت طلب دنیا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے فقر و افلاس کو اس کی آنکھوں کے سامنے عیاں کر دیتا ہے اور اس کے پیشہ کی آمدن منتشر ہو جاتی ہے۔ اور نہیں حاصل ہوتا اس کو اس سے مگر اتنا جو اس کی تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے

وَمَنْ تَكُنِ الْآخِرَةُ نِيَّتَهُ يَجْعَلِ اللّٰهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَيَكْفِيهِ ضَيْعَتَهُ وَتَأْتِيهِ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ۔

اور جس کی نیت آخرت میں کامیابی حاصل کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے، اور اس کا پیشہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ اور دنیا اس کے پاس آتی ہے اس حال میں وہ اپنا ناک گھسیٹ کر آتی ہے۔

فَرَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِيْ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ غَيْرَهُ۔

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جس نے میری بات کو سنا اور دوسروں تک پہنچایا۔

فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ وَلَيْسَ بِفَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ۔

بسا اوقات وہ آدمی جو فقہ کے کسی مسئلے کا جاننے والا ہے وہ خود فقیہ نہیں ہوتا اور بسا اوقات حامل فقہ کسی ایسے شخص کو بات پہنچاتا ہے جو اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔

أَرِقَّاءَكُمْ أَرِقَّاءَكُمْ أَطْعِمُوهُمْ

تمہارے غلام، تمہارے غلام جو تم خود

مِمَّا تَأْكُلُوْنَ وَاكْسُوْهُمْ مِمَّا

کھاتے ہو ان سے ان کو کھلاؤ۔

تَلْبَسُوْنَ فَإِنْ جَاءَ بِذَنْبٍ لَا تُرِيْدُوْنَ أَنْ تَغْفِرُوْهُ، فَبِيْعُوْا عِبَادَ اللّٰهِ وَلَا تُعَذِّبُوْهُمْ۔ أُوْصِيْكُمْ بِالْجَارِ حَتّٰى أَكْثَرَ فَقُلْنَا إِنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ،

جو تم خود پہنتے ہو ان سے ان کو پہناؤ، اگر ان سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے جس کو تم معاف کرنا پسند نہیں کرتے تو ان کو فروخت کر دو۔

اے اللہ کے بندو! ان کو سزا نہ دو۔ میں پڑوسی کے بارے میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ (یہ جملہ سرکار دو عالم ﷺ نے اتنی بار دہرایا کہ ہمیں یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ حضور پڑوسی کو وارث نہ بنا دیں)

أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَدّٰى لِكُلِّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ، وَإِنَّهُ لَا يَجُوْزُ وَصِيَّةٌ لِوَارِثٍ وَالْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ۔ وَمَنِ ادَّعٰى إِلٰى غَيْرِ أَبِيْهِ أَوْ تَوَلّٰى غَيْرَ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا۔ اَلْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالْمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ وَالزَّعِيْمُ غَارِمٌ۔

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے، اس لئے کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ اپنے کسی وارث کیلئے وصیت کرے۔ بیٹا، بستر والے کا ہوتا ہے یعنی خاوند کا اور بدکار کیلئے پتھر۔ جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے بغیر کسی طرف منسوب کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور سارے لوگوں کی لعنت ہو۔

نہ قبول کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے کوئی بدلہ اور کوئی مال۔

جو چیز کسی سے مانگ کر لو اسے واپس کرو۔

عطیہ ضروری واپس ہونا چاہئے اور قرضہ لازمی طور پر اسے ادا کرنا چاہئے اور جو ضامن ہو اس پر اس کی ضمانت ضروری ہے۔

وَأَنْتُمْ تُسْأَلُوْنَ عَنِّيْ وَمَا

تم سے میرے بارے میں دریافت کیا

أَنْتُمْ قَائِلُونَ قَالُوا نَشْهَدُ أَنَّكَ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ۔

جائے گا، تم کیا جواب دو گے؟ انہوں نے کہا، ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا، اس کو ادا کیا اور خلوص کی حد کر دی۔" (1)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھایا، پھر لوگوں کی طرف موڑا اور فرمایا، اے اللہ! تو بھی گواہ رہنا۔ اے اللہ! تو بھی گواہ رہنا۔ اے اللہ! تو بھی گواہ رہنا۔ عرفات میں یہ جلیل الشان خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد حضرت بلال کو حکم دیا، انہوں نے اذان کہی، پھر اقامت کہی۔ امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء نے ظہر کی دو رکعت پڑھیں۔ اس میں قرأت آہستہ دل میں پڑھی، پھر انہوں نے اقامت کہی اور عصر کی دو رکعتیں پڑھیں اس روز یوم الجمعہ تھا۔

جب نماز سے فارغ ہوئے تو اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر موقف پر تشریف لائے اور غروب آفتاب تک یہ سارا وقت بڑے عجز و نیاز سے بارگاہ الٰہی میں مصروف دعا رہے۔ ان دعاؤں میں سے ایک دعا یہ تھی :

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَالَّذِيْ نَقُوْلُ وَخَيْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ۔
اَللّٰهُمَّ لَكَ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ وَاِلَيْكَ مَاٰبِيْ وَلَكَ تُرَاثِيْ
اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَوَسْوَسَةِ الصَّدْرِ وَشَتَاتِ الْاَمْرِ۔
اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا يَجِيْءُ بِهِ الرِّيْحُ وَمِنْ شَرِّ مَا يَلِجُ فِي اللَّيْلِ وَشَرِّ مَا يَلِجُ فِي النَّهَارِ وَشَرِّ بَوَائِقِ الدَّهْرِ۔ (2)

"اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے لئے ہیں اس طرح جس طرح ہم تیری حمد کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی بہتر۔

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 8، صفحہ 644
2۔ ایضاً، صفحہ 646

اے اللہ! میری نمازیں، میری قربانیاں، میری زندگیاں اور میری موت صرف تیرے لئے ہے۔ میرا لوٹنا بھی تیری جناب میں ہے اور میری میراث تیرے حوالے ہے۔

اے اللہ! میں عذاب قبر سے، سینہ میں پیدا ہونے والے وسوسوں اور کسی مقصد کے منتشر ہونے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اے اللہ! میں ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جس کا سبب ہوا ہو اور اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو رات میں داخل ہو اور ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو دن میں داخل ہو۔ نیز زمانہ کی تباہ کاریوں کے شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔

اسی مقام پر دوسری دعا جو حضور نے مانگی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق اس کی یہ عبارت ہے:

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِيْ وَ تَرٰى مَكَانِيْ، وَتَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ، لَا يَخْفٰى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِنْ أَمْرِيْ أَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيْرُ، الْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ، الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِهٖ، أَسْأَلُكَ مَسْأَلَةَ الْمِسْكِيْنِ، وَأَبْتَهِلُ إِلَيْكَ إِبْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ وَأَدْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيْرِ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهٗ وَ فَاضَتْ لَكَ عَبْرَتُهٗ وَذَلَّ جَسَدُهٗ وَرَغِمَ أَنْفُهٗ لَكَ، اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِيْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا وَكُنْ بِيْ رَءُوْفًا رَحِيْمًا يَا خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ وَيَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ۔ (1)

"اے اللہ تو میری گفتگو کو سنتا ہے۔ میری قیام گاہ کو دیکھ رہا ہے۔ میرے باطن اور ظاہر کو جانتا ہے، میرے حالات میں سے کوئی چیز تجھ پر مخفی نہیں، میں غمزدہ اور فقیر ہوں۔ میں تیری جناب میں فریاد کرنے والا ہوں، پناہ مانگنے والا ہوں، ڈرنے والا، خوفزدہ، اپنے گناہوں کا اقرار

1۔ "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1212

واعتراف کرنے والا، میں تجھ سے ایک مسکین کی طرح سوال کرتا ہوں اور ایک گنہ گار، ضعیف اور کمزور کی عاجزی کی طرح عاجزی کرتا ہوں اور تیری جناب میں اس طرح دعا کرتا ہوں جس طرح ایک ڈرنے والا نابینا دعا مانگتا ہے، جس کی گردن تیرے لئے جھک گئی ہے، جس کے آنسو تیرے ڈر سے بہ رہے ہیں، جس کا جسم عاجزی کر رہا ہے، جس کی ناک تیری بارگاہ میں خاک آلود ہے۔ اے میرے اللہ! مجھے شقی نہ بنانا اور میری دعا قبول کرنا اور میرے ساتھ مہربانی اور رحم کا سلوک کرنا۔ اے ان سب سے بہتر جن سے مانگا جاتا ہے اور ان سب سے بہتر جو عطا کرتے ہیں۔"

اس روز کی دعاؤں میں سے ایک دعا جو سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے، یہ ہے:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا، وَفِيْ صَدْرِيْ نُوْرًا وَفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا، وَفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا. اَللّٰهُمَّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ، وَيَسِّرْ لِيْ أَمْرِيْ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَسْوَاسِ الصَّدْرِ، وَ شَتَاتِ الْأَمْرِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا يَلِجُ فِي اللَّيْلِ وَشَرِّ مَا يَلِجُ فِي النَّهَارِ۔ وَشَرِّ مَا تَهُبُّ بِهِ الرِّيَاحُ، وَمِنْ شَرِّ بَوَائِقِ الدَّهْرِ۔ (1)

"کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ سارے ملک، ساری تعریفیں اسی کیلئے ہیں۔ ساری بھلائیاں اس کے دست قدرت میں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! میرے دل میں نور کر دے، میرے سینے میں نور کر دے میرے کانوں میں نور کر دے، میری آنکھوں میں نور کر دے، اے اللہ! میرے

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 8، صفحہ 647

سینے کو اپنے لئے کھول دے، میرے ہر حصہ کو اپنے لئے آسان فرما۔
میں سینہ کے وسوسوں سے، حالات کے پراگندہ ہونے سے، قبر کے شر
سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ! جو فتنہ رات میں داخل ہوتا ہے اور
دن میں داخل ہوتا ہے، اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس کے
شر سے جس کے ساتھ ہوائیں چلتی ہیں اور زمانہ کی ہلاکت انگیزیوں
سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"

اسی مقام پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی جس میں دین کے مکمل ہونے اور نعمتوں کے اتمام پذیر ہونے کا مژدہ جانفزا سنایا گیا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَ
رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (1)

مقبولیت کے ان زریں لمحات میں حضور نے اپنی امت کو فراموش نہیں کیا بلکہ ان کی بخشش و مغفرت کیلئے بھی اپنے کریم و رحیم رب کی جناب میں کمال عجز و نیاز سے دعائیں مانگیں۔

امام ابو زہرہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "خاتم النبیین" میں وہ حدیث نقل کی ہے جس میں سرور عالم نے اپنی امت کے گنہ گاروں کیلئے بارگاہ رب العزت میں بڑے عجز و نیاز سے دعائیں مانگیں۔ یہ روایت بغور پڑھئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے بارے میں جو فرمایا ہے۔ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ اس آیت کی تشریح آپ کو اس روایت میں ملے گی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَأَيْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا عَشِيَّةَ عَرَفَةَ لِاُمَّتِهٖ بِالْمَغْفِرَةِ وَالرَّحْمَةِ فَاَكْثَرَ الدُّعَاءَ فَاَوْحَى اِلَيْهِ اَنِّىْ قَدْ فَعَلْتُ اِلَّا ظُلْمَ بَعْضِهِمْ بَعْضًا وَاَمَّا ذُنُوْبُهُمْ فِيْمَا بَيْنِىْ وَ

"حضرت عباس فرماتے ہیں کہ عرفہ کی رات کو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حضور نے امت کی مغفرت اور اس پر رحمت کیلئے دعا مانگی اور دیر تک بصد عجز و نیاز اپنے رب کے سامنے دامن پھیلائے ہوئے یہ التجاء کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پر یہ وحی نازل کی کہ میں نے

1۔ سورۃ المائدہ: 3

بَيْنَهُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ۔
فَقَالَ يَا رَبِّ إِنَّكَ قَادِرٌ عَلَى
أَنْ تُثِيبَ هٰذَا الْمَظْلُوْمَ
بِالْجَنَّةِ خَيْرًا مِّنْ مَّظْلَمَتِهٖ
وَتَغْفِرَ لِهٰذَا الظَّالِمِ فَلَمْ
يُجِبْ تِلْكَ الْعَشِيَّةَ۔

تیری دعا کو قبول کر لیا جن کیلئے آپ نے مغفرت کی دعا مانگی ان کو بخش دیا۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ایک دوسرے پر ظلم کئے۔ میں مظلوم کا حق ظالم سے ضرور لوں گا۔

وہ گناہ جو میرے درمیان اور میرے بندوں کے درمیان تھے، وہ میں نے معاف کر دیئے۔ نبی کریم ﷺ نے عرض کی، اے میرے پروردگار! تو اس بات پر قادر ہے کہ مظلوم کو اس کے حق کے بدلے میں جنت میں سے کوئی قطعہ دے دے اور اس ظالم کو بخش دے لیکن اس رات کو یہ دعا قبول نہ ہوئی۔"

جب صبح مزدلفہ پہنچے اور وہاں پھر اپنے گنہ گار امتیوں کیلئے مغفرت کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا۔

حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت فاروق اعظم نے جب اپنے محبوب کو ہنستے دیکھا تو عرض کی:

بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ إِنَّ هٰذِهٖ لَسَاعَةٌ مَا كُنْتَ تَضْحَكُ
فِيْهَا وَمَا الَّذِيْ أَضْحَكَ۔ أَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ۔

"ہمارے ماں باپ حضور پر قربان ہوں، ایسے اوقات میں تو حضور ہنسا نہیں کرتے تھے، آج حضور کیوں ہنس رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضور کو ہمیشہ ہنستا رکھے۔"

ارشاد فرمایا:

کہ اللہ کے دشمن ابلیس نے جب یہ جانا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمالی ہے اور میری امت کو بخش دیا ہے تو وہ مٹی کی مٹھیاں بھر بھر کر اپنے سر پر ڈالنے لگا وَيَدْعُوْ بِالْوَيْلِ وَالثُّبُوْرِ اور "میں تباہ ہو گیا، برباد ہو گیا" کا واویلا کرنے لگا۔

اس کی اس حالت زار کو دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی۔(1)

ابن موفق بیان کرتے ہیں کہ ایک سال انہیں حج ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ عرفہ کی رات میں، منیٰ میں سو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے نازل ہوئے، ایک نے دوسرے سے کہا، یا عبد اللہ! دوسرے نے جواب دیا لبیک یا عبد اللہ! پہلے فرشتے نے پوچھا، تم جانتے ہو کہ ہمارے رب کے گھر کا اس سال کتنے لوگوں نے طواف کیا؟ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ پہلے نے کہا، چھ لاکھ لوگوں نے اس سال حج کیا ہے۔ پھر اس نے پوچھا، تجھے معلوم ہے کتنے لوگوں کا حج قبول ہوا؟ میں نے کہا، میں نہیں جانتا۔ پہلے فرشتے نے کہا، ان چھ لاکھ سے صرف چھ کا حج قبول ہوا۔ اس گفتگو کے بعد وہ دونوں فرشتے آسمان کی طرف لوٹ گئے۔ میری آنکھ کھل گئی، میں بہت غمزدہ اور پریشان تھا۔ میں نے سوچا، چھ لاکھ سے صرف چھ کا حج قبول ہوا ہے۔ میں تو ان چھ میں ہرگز نہیں ہو سکتا۔

میں جب عرفات سے چل کر مشعر الحرام پہنچا تو میں نے لوگوں کا انبوہ کثیر دیکھا اور پھر جب یہ خیال کرتا کہ اتنے لاتعداد لوگوں سے صرف چھ کا حج قبول ہوا ہے تو میں گھبرا جاتا، مجھے پھر نیند نے آ لیا۔ میں نے خواب میں دیکھا، وہی دو فرشتے آسمان سے اترے اور وہی گفتگو انہوں نے آپس میں کی۔ پھر ایک نے پوچھا، تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے رب نے اس رات میں کیا فیصلہ کیا ہے؟ دوسرے نے کہا، مجھے علم نہیں۔ پہلے فرشتے نے جواب دیا کہ ان چھ میں سے ہر ایک کو ایک لاکھ حاجی عطا کر دیئے گئے اور اس ایک کے صدقے اس کے حصہ کے ایک لاکھ کا حج بھی قبول فرمایا۔

میں جاگا اور خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔(2)

رحمت عالم ﷺ نو ذی الحجہ کو زوال آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک اپنی امت کیلئے اور نوع انسانی کیلئے اپنے رحیم و کریم رب کی بارگاہ میں انتہائی عجز و نیاز سے مصروف دعا رہے یہاں تک کہ جب سورج غروب ہو گیا، تاریکی پھیل گئی تو حضور مزدلفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت اسامہ بن زید کو اپنی ناقہ پر اپنے پیچھے سوار کیا۔ حضرت اسامہ لوگوں کو بار بار تنبیہ کر رہے تھے۔ اَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ "اے لوگو! دھکم پیل نہ کرو بلکہ سکون و

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 151 نیز ابن ماجہ اور بیہقی نے اپنی سنن کی باب "کتاب البعث والنشور" میں یہ حدیث بیان کی ہے۔

2۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 151

اطمینان سے چلو" حضور اس سفر میں جب کسی اونچے ٹیلے پر چڑھتے یا کسی نشیب میں اترتے تو حضور اس وقت بھی تلبیہ کے ایمان پرور کلمات دہراتے۔ حضور اکرم ﷺ نے مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز کو اکٹھے پڑھا۔ دونوں نمازوں کیلئے مؤذن نے ایک بار اذان دی اور دو بار اقامت کہی۔ کچھ دیر وہاں آرام فرمایا۔ جب صبح صادق طلوع ہوئی تو حضور نے اول وقت میں نماز صبح ادا کی اور اعلان فرمایا کہ سورج طلوع ہونے کے بعد کنکریاں ماریں۔ پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر حرام تشریف لے آئے۔ وہاں قبلہ رو ہو کر کھڑے ہو گئے، پھر اللہ کی تکبیر و تہلیل اور ذکر کرتے رہے اور بڑے عجز و نیاز سے دعائیں مانگتے رہے یہاں تک کہ کافی سفیدی پھیل گئی۔ پھر مزدلفہ سے روانہ ہوئے اور حضرت فضل بن عباس کو اپنے پیچھے اونٹنی پر سوار کیا۔ حضرت ابن عباس حضور کیلئے وہاں سے کنکریاں چنتے رہے۔ جب حضور بطن محسر (یہ وہ وادی ہے جہاں ابرہہ کے ہاتھیوں کے لشکر پر مولا کریم نے ابابیل کا لشکر بھیج کر تباہ و برباد کیا تھا) پہنچے تو حضور نے اپنی اونٹنی کی رفتار تیز کر دی۔ حضور کا یہ معمول تھا جب کبھی ایسی جگہ سے گزر ہوتا جہاں کسی قوم پر عذاب الٰہی نازل ہوا ہوتا تو حضور وہاں سے جلدی سے گزرتے۔ پھر حضور منیٰ پہنچے۔ سب سے پہلے جمرۃ عقبہ تشریف لے گئے۔ حضور نے اونٹنی پر سواری کی حالت میں کنکریاں ماریں۔ سورج کے طلوع ہونے کے بعد، جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے بعد تلبیہ ختم کر دیا گیا۔

پھر وہاں سے منیٰ تشریف لائے اور وہاں تمام حاضرین کو اپنے دوسرے خطبہ سے مشرف فرمایا۔ امام احمد سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں سب حاضرین کو خطاب فرمایا تو ہر طبقہ کو اپنی اپنی جگہ بیٹھنے کا حکم دیا۔ قبلہ کی دائیں جانب اشارہ کر کے فرمایا کہ سارے مہاجرین یہاں بیٹھیں۔ پھر قبلہ کی بائیں طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ سارے انصار اس طرف بیٹھیں۔ ان کے علاوہ جو حاضرین وہاں تھے انہیں حکم دیا کہ ان کے ارد گرد بیٹھ جائیں۔ پھر حضور نے حج کے مناسک سے حاضرین کو آگاہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی آواز میں وہ قوت پیدا کر دی کہ لوگ منیٰ کے وسیع و عریض میدان میں جہاں کہیں بھی تھے حتیٰ کے جو لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے تھے، وہ بھی اللہ کے محبوب کی آواز سن رہے تھے۔

عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ حضور کی اونٹنی کی گردن کے نیچے کھڑے تھے جو لعاب

اونٹنی کے منہ سے ٹپک رہا تھا وہ حضرت عمرو بن خارجہ کے دونوں کندھوں کے درمیان بہ رہا تھا۔ حضور اس وقت اپنی اونٹنی جس کا نام عضباء تھا، پر سوار تھے۔ سرور عالم ﷺ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور اس کے بعد یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

أَلَا إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَالسَّنَةُ إِثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ أَتَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟ قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ وَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ فَقَالَ أَلَيْسَ هٰذَا يَوْمَ النَّحْرِ؟ قُلْنَا بَلٰى قَالَ أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟ قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ ذُو الْحِجَّةِ قُلْنَا بَلٰى. قَالَ فَأَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟ قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ الْبَلْدَةَ؟ قُلْنَا بَلٰى، قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ وَيَسْئَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ أَلَا لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ يُبَلِّغُهُ أَنْ يَكُونَ أَوْعٰى لَهُ مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَهُ، ثُمَّ قَالَ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ اللّٰهُمَّ فَاشْهَدْ (1)

"حاضرین میری بات توجہ سے سنو! زمانہ گردش کرتے ہوئے اس حالت پر پہنچ گیا جب اس کا آغاز ہوا، جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا گیا۔ سال کے بارہ مہینے ہیں ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 8، صفحہ 653، علاوہ ازیں یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کے علاوہ امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے اپنی کتاب "المسند" میں بیان کی ہے۔

تین لگاتار ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور رجب جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو آج کون سا دن ہے؟ ہم نے عرض کی، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور کچھ دیر کیلئے خاموش ہو گئے۔ ہم نے گمان کیا کہ شاید اس مہینہ کا نام بدلنا چاہتے ہیں۔ حضور نے پوچھا کہ یہ یوم النحر نہیں؟ ہم نے عرض کی ہاں یارسول اللہ! پھر فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے عرض کی، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور کچھ دیر کیلئے خاموش ہوئے؟ ہم نے خیال کیا کہ شاید حضور اس کا نام بدلنا چاہتے ہیں۔ فرمایا کیا یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں؟ ہم نے عرض کی، ہاں یارسول اللہ! پھر دریافت فرمایا، یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے عرض کی، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور خاموش ہو گئے۔ ہم نے گمان کیا کہ شاید حضور اس کا نام بدلنا چاہتے ہیں۔ حضور نے فرمایا، کیا یہ شہر مکہ نہیں؟ ہم نے عرض کی، بیشک یہ وہی شہر ہے۔ پھر فرمایا تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر حرام ہیں جس طرح یہ حرمت والا دن، اس حرمت والے شہر میں، اس حرمت والے مہینہ میں، عزت و شرف کا مالک ہے۔ اور عنقریب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے، وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ کان کھول کر سن لو! میرے بعد کافر نہ بن جانا -- کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگ جاؤ! غور سے سنو! جو یہاں موجود ہیں میرا یہ پیغام ان لوگوں تک پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں۔ شاید جس کو تم میرا یہ پیغام پہنچاؤ وہ میرے اس پیغام کو تم سے زیادہ سمجھنے اور یاد رکھنے والا ہو۔ پھر فرمایا بتاؤ کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا؟ ہم نے عرض کی، یارسول اللہ! بیشک۔ پھر حضور نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی، اے میرے اللہ گواہ رہنا۔"

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد حضور منیٰ کے اس مقام پر پہنچے جہاں جانور ذبح کئے جاتے ہیں۔ حضور قربانی کیلئے سو اونٹ اپنے ہمراہ لائے تھے۔ ان میں سے تریسٹھ اونٹ سرکار

دو عالم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ذبح کیے۔ اس وقت حضور کی عمر مبارک تریسٹھ سال تھی۔ ہر سال کے بدلے ایک اونٹ ذبح کیا۔ بقیہ سینتیس اونٹ سیدنا علی مرتضیٰ نے حضور کے حکم کی تعمیل میں ذبح کیے۔ آپ نے حکم دیا کہ ان اونٹوں کا گوشت، چمڑے اور سامان غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے اور حکم دیا کہ قربانی کے جانور کے گوشت سے ذبح کرنے والے کو بطور اجرت کچھ نہ دیا جائے۔

جب حضور قربانی کے جانور ذبح کرنے لگے تو پانچ پانچ اونٹوں کو اکٹھے پیش کیا جاتا اور ہر اونٹ دوڑ کر حضور کے پاس آتا اور اپنی گردن رکھ دیتا تاکہ اللہ کا محبوب اپنے دست مبارک سے اسے راہ خدا میں ذبح کرے۔

فَطَفِقْنَ يَزْدَلِفْنَ إِلَيْهِ بِأَيَّتِهِنَّ يَبْدَأُ

امیر خسرو نے کیا خوب کہا ہے ؎

همه آهوان صحرا سر خود نهاده برکف
بامید آں که روزے بشکار خواہی آمد

سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔(1)

جب رحمت عالم ﷺ قربانی سے فارغ ہوئے تو حجام کو یاد فرمایا جس کا نام معمر بن عبد اللہ بن نضلہ تھا۔ سارے اہل ایمان جمگھٹا بنا کر اس امید میں کھڑے ہو گئے کہ حضور کے موہائے مبارک سے ہمیں بھی کچھ تبرک میسر آجائے گا۔ حضور نے حجام کے چہرہ کی طرف دیکھا اور فرمایا، اے معمر! تجھے اللہ کے رسول نے اجازت دی ہے کہ تو استرا ہاتھ میں لے کر حضور کے سر مبارک کے پاس کھڑا ہے۔ معمر نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بڑا انعام و اکرام ہے کہ اس نے مجھے یہ سعادت ارزانی فرمائی۔

پھر حجام کو اپنے سر کے دائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، یہاں سے حلق شروع کرو۔ جب وہ دائیں جانب حلق کر چکا تو حضور کے موہائے مبارک ان لوگوں میں تقسیم کر دیئے جو اس انتظار میں کھڑے تھے۔ پھر رحمت عالم ﷺ نے سر کے بائیں جانب اشارہ کیا اور فرمایا هٰهُنَا اَبُوْطَلْحَةَ "اے ابو طلحہ! اب ادھر سے" اَقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ "ان موہائے مبارک کو لوگوں میں تقسیم کر دے۔"

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 8، صفحہ 655

ایک روایت میں ہے کہ بائیں جانب سے موہائے مبارک ام سلیم کو عطا کئے گئے لیکن ان روایتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ ام سلیم ابو طلحہ کی زوجہ تھیں۔

حضرت ابو طلحہ نے دائیں طرف سے جو موہائے مبارک لئے تھے وہ لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ کسی کو ایک اور کسی کو دو موہائے مبارک ملے۔ حضرت خالد بن ولید نے حجام کو کہا کہ مجھے پیشانی مبارک کے بالوں میں سے کچھ بال دے۔ حجام نے ان کی خواہش کے مطابق پیشانی مبارک کے موئے مبارک دیئے جنہیں وہ ہمیشہ اپنی ٹوپی میں رکھا کرتے تھے اور اس ٹوپی کو پہن کر جس میدان جنگ میں آپ تشریف لے جاتے اللہ تعالیٰ ان کو کامیابی عطا فرماتا۔ جنگ یرموک میں ایک روز آپ کی یہ ٹوپی گم ہو گئی۔ آپ نے سب کو حکم دیا کہ اس کو تلاش کرو لیکن وہ نہ ملی۔ پھر فرمایا، اسے تلاش کرو۔ اب کے وہ مل گئی۔ وہ ایک پرانی ٹوپی تھی۔ حضرت خالد نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول نے حلق کرایا تو میں نے حضور کی پیشانی مبارک کے بال لے لئے اور اس ٹوپی میں میں نے حفاظت سے رکھ دیئے فَلَمْ أَشْهَدْ قِتَالًا وَهِيَ مَعِيَ إِلَّا رُزِقْتُ النَّصْرَ (1) "جب کبھی کسی جنگ میں میں یہ ٹوپی پہن کر شریک ہوا اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ فتح عطا فرمائی۔

اکثر صحابہ نے حلق کرایا اور بعض نے اپنے بال ترشوائے۔

رحمت عالم ﷺ نے یہ دیکھ کر تین مرتبہ فرمایا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِيْنَ "اے اللہ! حلق کرانے والوں کو بخش دے۔" لوگوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! بال ترشوانے والوں کیلئے بھی دعا فرمائیں تو حضور نے ایک مرتبہ فرمایا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُقَصِّرِيْنَ "اے اللہ! بال ترشوانے والوں کو بھی بخش دے۔"

حلق کے بعد حضور نے خوشبو لگائی، قمیص پہنی اور سارے لوگ احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو گئے۔ رحمت عالم ﷺ نے عبداللہ بن حذافہ اسہمی کو بھیجا اور فرمایا کہ منیٰ میں جاکر میری طرف سے اعلان کر دے إِنَّهَا أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ "یہ کھانے، پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔"

پھر ظہر سے پہلے سرکار دو عالم ﷺ مکہ مکرمہ کی طرف اپنی ناقہ پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ حضور نے اپنے پیچھے حضرت معاویہ بن ابی سفیان کو بٹھایا ہوا تھا اور جاکر طواف افاضہ کیا۔ اسی کو

1۔ ایضاً، صفحہ 657

طواف صدر اور طواف زیارت بھی کہتے ہیں۔ پھر زمزم کا پانی پیا۔
طواف سے فارغ ہونے کے بعد حضور منیٰ تشریف لے آئے اور وہاں پہنچ کر ظہر کی نماز ادا کی۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ظہر کی نماز مکہ مکرمہ میں ادا کی اور اس کے بعد حضور منیٰ تشریف لے گئے۔

ابن حزم نے دوسرے قول کو ترجیح دی کہ حضور نے ظہر کی نماز مکہ مکرمہ میں ادا کی لیکن ابن قیم نے پہلے قول کو ترجیح دی۔ واللہ اعلم۔ حضور زوال آفتاب کے بعد اور نماز ظہر سے پہلے رمی جمار فرمایا کرتے تھے۔ حضور جمرہ اولیٰ کے پاس کافی دیر رکتے۔ پھر جمرہ ثانیہ کے پاس رکتے لیکن زیادہ دیر نہیں، پھر جمرۃ ثالثہ کے پاس رمی کرتے اور تشریف لے جاتے۔

گیارہ ذی الحجہ، اس تاریخ میں سورہ "النصر" نازل ہوئی۔ حضور کو پتا چل گیا کہ عالم فانی سے میرے رحلت کرنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس لئے حکم دیا کہ اونٹنی پر کجاوہ کسا جائے۔ پھر حضور اس پر سوار ہو کر عقبہ کے مقام پر تشریف لے گئے اور سب لوگ وہاں جمع ہو گئے۔ اس وقت رحمت عالم ﷺ نے ایک فصیح و بلیغ اور جلیل الشان خطبہ ارشاد فرمایا۔
پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور اس کے بعد یوں گویا ہوئے :

أَمَّا بَعْدُ أَيُّهَا النَّاسُ: أَلَا وَإِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ۔ أَلَا وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ۔ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَىٰ عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَىٰ عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَىٰ أَحْمَرَ۔ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَىٰ أَسْوَدَ إِلَّا بِالتَّقْوَىٰ۔

"اے لوگو! کان کھول کر سن لو۔ تمہارا پروردگار ایک ہے۔ کان کھول کر سن لو۔ تمہارا باپ ایک ہے۔ کان کھول کر سن لو۔ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ عجمی کو فضیلت ہے عربی پر۔ نہ کالے رنگ والے کو سرخ رنگ والے پر اور نہ سرخ رنگت والے کو کالی رنگت والے پر بجز تقویٰ کے"

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ۔ قَالُوا بَلَّغَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ

اللہ کی جناب میں تم میں سے وہی زیادہ معزز اور محترم ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔ کان کھول کر سن لو! کیا میں نے اللہ کے پیغامات تم تک پہنچا دیئے ؟

الغائب فرب مبلغ اوعى من السامع.

ثم قال اي شهر هذا؟ وسكتوا فقال هذا شهر حرام اي بلد هذا؟ وسكتوا وقال بلد حرام. اي يوم هذا؟ وسكتوا. قال يوم حرام

ثم قال ان الله تعالى قد حرم دماءكم واموالكم واعراضكم كحرمة شهركم هذا في بلدكم هذا. في يومكم هذا الى ان تلقوا ربكم. الا هل بلغت؟

قالوا نعم.

قال اللهم اشهد.

ثم قال انكم ستلقون ربكم ويسئلكم عن اعمالكم الا هل بلغت؟

قال الناس نعم.

قال اللهم اشهد

الا وان من كانت عنده امانة فليؤدها الى من ائتمنه عليها.

الا وان كل ربا في الجاهلية موضوع وان كل دم في الجاهلية موضوع. وان اول دماءكم اضع دم اياس

سب نے کہا، اللہ کے رسول نے اپنے رب کے سارے پیغامات پہنچادیے ہیں۔ حضور نے فرمایا جو یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں ان لوگوں تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ بسا اوقات جس کو بعد میں یہ پیغام پہنچایا جائے گا وہ آج سننے والوں سے زیادہ عقلمند ہوگا۔

پھر فرمایا، یہ کون سا مہینہ ہے؟ صحابہ خاموش رہے۔ حضور نے فرمایا، یہ شہر حرام ہے۔ یہ کون سا شہر ہے؟ سب چپ رہے۔ فرمایا یہ حرمت والا شہر ہے۔ پھر فرمایا، یہ کون سا دن ہے؟ لوگ خاموش رہے۔ خود ہی فرمایا۔ یہ حرمت والا دن ہے۔

ان ارشادات کے بعد پھر فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے خونوں کو، تمہارے اموال کو، تمہاری آبروؤں کو، ایک دوسرے پر حرام کر دیا ہے جس طرح یہ مہینہ اس تمہارے شہر میں اور اس مبارک دن میں بڑی عزت و حرمت والا ہے، اور یہ حرمت اس روز تک برقرار رہے گی جب قیامت کے روز تم اپنے رب سے ملاقات کروگے۔

لوگو! بتاؤ، کیا میں نے اللہ کے احکام تمہیں پہنچادیے ہیں؟

سب نے کہا، بیشک۔

حضور کی زبان سے نکلا، اے اللہ! تو بھی گواہ

بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ حَارِثٍ كَانَ
مُسْتَرْضِعًا فِي بَنِي سَعْدِ
بْنِ لَيْثٍ وَقَتَلَهُ هُذَيْلُ
أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟
قَالُوا نَعَمْ۔

قَالَ اللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔
فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ
أَلَا إِنَّ كُلَّ مُسْلِمٍ مُحَرَّمٌ
عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ۔ ثُمَّ قَالَ
اسْمَعُوا مِنِّي تَعِيشُوا. أَلَا
لَا تَظْلِمُوا، أَلَا لَا تَظْلِمُوا،
أَلَا لَا تَظْلِمُوا۔
إِنَّهُ لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ
مُسْلِمٍ إِلَّا بِطِيبِ نَفْسٍ مِّنْهُ
ثُمَّ قَالَ۔ أَيُّهَا النَّاسُ!
إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي
الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ
كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَ
يُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِئُوا
عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ۔ أَلَا إِنَّ
الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ
يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضَ۔

رہنا پھر فرمایا، اے لوگو! تم اپنے پروردگار سے ملاقات کرو گے وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔

خبردار! کیا میں نے تم کو اللہ کے پیغام پہنچا دیئے ہیں؟

سب لوگوں نے کہا، بیشک۔

حضور نے فرمایا، اے اللہ گواہ رہنا۔

خبردار! جس شخص کے پاس کسی کی کوئی امانت ہے وہ اس امانت کو امانت رکھنے والے کو پہنچادے۔

کان کھول کر سن لو! تمام سود کالعدم کر رہا ہوں تمام قتل معاف کئے جارہے ہیں۔

سب سے پہلا قتل جو میں معاف کرتا ہوں وہ میرے چچا حارث کے بیٹے ربیعہ کا خون ہے، وہ بنی سعد میں شیر خوار بچہ تھا،

ہذیل نے اس کو قتل کر دیا تھا۔

خبردار! کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچادیا ہے؟

سب نے کہا، بیشک۔

حضور نے فرمایا، اے اللہ تو گواہ رہنا۔

پس جو حاضر ہیں ان پر واجب ہے کہ جو یہاں موجود نہیں ان تک میرے یہ پیغامات پہنچادیں کان کھول کر سن لو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

پھر فرمایا، میری یہ بات اچھی طرح سن لو۔ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا۔ ایک دوسرے

پر ظلم نہ کرنا۔ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا۔
کسی مسلمان کا مال دوسرے مسلمان پر حلال
نہیں جب تک وہ خوشی سے نہ دے۔
پھر فرمایا۔ اے لوگو! (حرمت والے
مہینوں کو) ہٹا دینا اور اضافہ کرنا ہے کفر
میں۔ گمراہ کئے جاتے ہیں اس سے وہ لوگ
جو کافر ہیں۔ حلال کر دیتے ہیں ایک ماہ کو
ایک سال۔ اور حرام کر دیتے ہیں اسی کو
دوسرے سال تاکہ پوری کریں گنتی ان
مہینوں کی جنہیں حرام کیا ہے اللہ نے۔
کان کھول کر سن لو! کہ زمانہ لوٹ کر اس
دن پر آگیا ہے جس دن اللہ نے آسمانوں
اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔
پھر یہ آیت پڑھی۔

ثُمَّ قَرَأَ: اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ
عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ
كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ
ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا
تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ،
ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُوالْقَعْدَةِ
ذُوالْحِجَّةِ، مُحَرَّمٌ، وَرَجَبُ
الَّذِيْ يُدْعٰى شَهْرَ مُضَرَ
الَّذِيْ بَيْنَ جُمَادٰى وَشَعْبَانَ
وَالشَّهْرُ تِسْعَةٌ وَعِشْرُوْنَ
وَثَلَاثُوْنَ۔

کہ مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک اللہ کی
کتاب میں بارہ ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے
آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ ان میں سے یہ
چار حرام ہیں۔ یہی درست دین ہے۔ پس
نہ ظلم کرو تم ان میں اپنے نفسوں پر۔ یہ
تین مہینے مسلسل ہیں، ذوالقعدہ، ذوالحجہ،
محرم اور چوتھا رجب ہے جس کو شہرِ مضر
کہا جاتا ہے۔ جو جمادی الثانی اور شعبان کے
درمیان ہے۔ اور مہینے کے کبھی انتیس دن
ہوتے ہیں اور کبھی تیس دن۔
خبردار! کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچادیا ہے؟

أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ ؟
قَالَ النَّاسُ نَعَمْ۔
قَالَ اللّٰهُمَّ فَاشْهَدْ
ثُمَّ قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ لِلنِّسَاءِ عَلَيْكُمْ حَقًّا وَإِنَّ لَكُمْ عَلَيْهِنَّ حَقًّا۔ فَعَلَيْهِنَّ أَلَّا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا وَلَا يُدْخِلْنَ بُيُوتَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ إِلَّا بِإِذْنِكُمْ فَإِنْ فَعَلْنَ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ أَذِنَ لَكُمْ أَنْ تَهْجُرُوهُنَّ بِالْمَضَاجِعِ وَأَنْ تَضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ۔ فَإِنِ انْتَهَيْنَ وَأَطَعْنَكُمْ فَلَهُنَّ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ وَإِنَّمَا النِّسَاءُ عِنْدَكُمْ عَوَانٍ۔ لَا يَمْلِكْنَ لِأَنْفُسِهِنَّ شَيْئًا۔ وَإِنَّمَا أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانَةِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ وَاسْتَوْصُوا بِهِنَّ خَيْرًا۔
أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ ؟
قَالَ النَّاسُ نَعَمْ۔

سب لوگوں نے کہا، بیشک۔
حضور نے فرمایا، اے اللہ! تو بھی گواہ رہنا۔
پھر فرمایا، اے لوگو! عورتوں کے تم پر حقوق ہیں اور تمہارے حقوق ان پر۔
تمہارے حقوق ان پر یہ ہیں کہ وہ تمہارے بستر کو روندنے کی کسی کو اجازت نہ دیں اور جن کو تم ناپسند کرتے ہو انہیں تمہارے گھروں میں داخل نہ ہونے دیں۔ بجز تمہاری اجازت کے۔ اور اگر ایسا کریں تو پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بات کا اذن دیا ہے کہ تم ان کے بستروں کو اپنے سے الگ کر دو اور یہ کہ انہیں زدوکوب کرو جو زیادہ شدید نہ ہو۔ پس اگر وہ باز آجائیں اور تمہاری فرمانبردار بن جائیں تو ان کے خورونوش اور لباس معروف طریقہ سے پیش کرنا تم پر لازم ہے۔ بیشک عورتیں تمہارے زیردست ہیں، وہ اپنے لئے کسی چیز کی مالک نہیں۔ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ سے بطور امانت لیا ہے اور اللہ کے کلام سے تم نے ان کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔ پس عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو اور ان کے بارے میں ایک دوسرے کو بھلائی کی وصیت کرو۔
خبردار! کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے؟
سب نے کہا، بیشک۔

قَالَ اللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔
يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَئِسَ أَنْ يُعْبَدَ بِأَرْضِكُمْ، لٰكِنَّهُ قَدْ رَضِيَ أَنْ يُطَاعَ فِيمَا سِوٰى ذٰلِكَ مِمَّا تَحْقِرُونَهُ، وَقَدْ رَضِيَ بِهٖ، إِنَّ الْمُسْلِمَ أَخُو الْمُسْلِمِ إِنَّمَا الْمُسْلِمُونَ إِخْوَةٌ وَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ مُسْلِمٍ دَمُ أَخِيهِ وَلَا مَالُهُ إِلَّا بِطِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ۔
إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَإِذَا قَالُوهَا۔ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ۔ لَا تَظْلِمُوا أَنْفُسَكُمْ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا وَّيَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوا۔ كِتَابَ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟
قَالَ النَّاسُ نَعَمْ۔
قَالَ اللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔

حضور نے فرمایا، اے اللہ! تو بھی گواہ رہنا۔

اے لوگو! شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ تمہاری اس زمین میں اس کی پوجا کی جائے گی لیکن وہ اس بات پر راضی ہو گیا ہے کہ تم چھوٹے گناہوں کا ارتکاب کرو۔ بیشک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ بیشک سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کسی مسلمان کیلئے اپنے بھائی کا خون اور مال حلال نہیں جب تک وہ خوشی سے نہ دے۔

مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ کہیں لا الٰہ الا اللہ۔ جب وہ یہ کہیں گے تو اپنے خون اور اموال کو ہم سے محفوظ کرلیں گے بجز ان کے حق کے۔ اور ان کے اعمال کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ میرے بعد پھر کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹتے رہو۔

میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو راہ راست سے نہیں بھٹکو گے۔

وہ ہے اللہ کی کتاب۔

اے لوگو! میں نے اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا دیا؟ سب نے کہا، بیشک۔ حضور نے عرض کی،

اے اللہ! تو بھی گواہ رہنا۔

یہ ایک ایسا جامع اور جلیل القدر خطبہ ہے کہ طالبان حق قیامت تک اس سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔ اس میں امت کے ہر طبقہ کیلئے رشد و ہدایت کے وہ قواعد و ضوابط بیان کر دیئے گئے ہیں کہ اگر امت ان پر کاربند رہے گی تو دونوں جہانوں میں فوز و فلاح کا تاج اس کے سر پر چمکتا رہے گا۔

بہت سے پیچیدہ مسائل جس کو حل کرنے کیلئے کسی قوم کے دانشور بڑی ضخیم کتابیں لکھتے ہیں پھر بھی تشنگی دور نہیں ہوتی، حضور کے اس خطبہ کے ایک ایک جملہ میں علم و حکمت کے سمندر موجزن ہیں۔

اس خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد رحمت عالم ﷺ اپنی قیام گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ ظہر اور عصر کی نماز ابطح میں ادا کی۔ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضور نے وادی محصب میں نزول فرمایا۔ سرور عالم ﷺ نے ایام تشریق کے تینوں دنوں میں رمی جمار کی اور منگل کے دن ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد وہاں سے محصب روانہ ہوئے، اسے ہی ابطح اور خیف بنی کنانہ کہا جاتا ہے۔

حضور کی وہاں آمد سے پہلے حضرت ابو رافع نے اپنے آقا کی استراحت کیلئے ایک خیمہ نصب کر رکھا تھا۔ حضور نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں وہاں ادا فرمائیں۔ کچھ دیر آرام فرمانے کے بعد حضور بیدار ہوئے اور مکہ مکرمہ جا کر سحری کے وقت طواف الوداع کیا۔ اس طواف میں رمل نہیں تھا۔

حضور کے ہمراہ جتنے صحابہ تھے ان سب نے نماز صبح سے پہلے طواف وداع کیا۔

واپسی کے وقت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عیادت کیلئے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ حج سے فراغت کے بعد انہیں درد کی تکلیف ہو گئی تھی۔ حضور جب ان کی بالین پر پہنچے تو انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ! میری درد کی تکلیف حضور ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ میں کافی دولت مند ہوں۔ میری وارث صرف میری بچی ہے۔ کیا میں دو تہائیاں اپنے مال سے صدقہ نہ کر دوں؟ حضور نے فرمایا نہیں۔ عرض کی نصف مال صدقہ کرنے کی اجازت ہے؟ فرمایا نہیں۔ فرمایا تیسرا حصہ --اور تیسرا حصہ بہت کافی ہے۔ اس کے بعد اپنے حکیمانہ کلمات سے حضرت سعد کو اور ان کے ذریعہ سے قیامت تک آنے والے اپنے امتیوں کو ایک

حقیقت سے روشناس کرایا۔ فرمایا:

إِنَّكَ إِنْ تَتْرُكْ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَتْرُكَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ تَعَالٰى إِلَّا أَنْ أُجِرْتَ بِهَا حَتّٰى مَا تَجْعَلُهُ فِي فِي امْرَأَتِكَ۔

"اگر تم اپنے وارثوں کو غنی چھوڑ جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کو تم اس حالت میں چھوڑو کہ وہ محتاج و تنگ دست ہوں، لوگوں کے سامنے ہتھیلیاں پھیلاتے رہیں۔ جو خرچ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے دو گے اس کا تمہیں اجر دیا جائے گا۔ وہ لقمہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو اس کا بھی تمہیں ثواب ملے گا۔"

حضرت سعد نے دریائے رحمت کو جوش پر دیکھا تو ایک آرزو پیش خدمت کر دی۔ عرض کی، یا رسول اللہ! اپنے دوستوں کے بعد پیچھے چھوڑ دیا جاؤں گا؟ حضور نے فرمایا تمہیں ہرگز پیچھے نہیں چھوڑا جائے گا (تمہاری موت کا وقت ابھی نہیں آیا) تم زندہ رہو گے، کئی نیک کام کرو گے جس سے تمہارا درجہ اعلیٰ وارفع ہو گا۔ تیری وجہ سے کئی قوموں کو نفع پہنچے گا اور کئی کو نقصان۔

پھر بارگاہ رب العزت میں التجاء کی:

اَللّٰهُمَّ امْضِ لِأَصْحَابِي هِجْرَتَهُمْ وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ

"اے اللہ! میرے صحابہ کی ہجرت کو جاری رکھ۔ وہ اپنی ایڑیوں کے بل نہ لوٹا دیئے جائیں۔"

اپنے بیمار صحابی کو حوصلہ افزائی اور اس کو شاد کام کرنے کے بعد حضور مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب حضور روحاء کے مقام پر پہنچے تو ایک قافلہ آیا، حضور نے انہیں سلام کہا اور پوچھا۔ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے عرض کی، ہم مسلمان ہیں۔ پھر انہوں نے حضور سے پوچھا، آپ کون ہیں؟ حضور نے فرمایا، میں اللہ کا رسول ہوں۔ ایک عورت نے ایک چھوٹے بچے کو بلند کیا، عرض کی، یا رسول اللہ! کیا یہ بچہ حج کر سکتا ہے؟ فرمایا۔ ہاں۔ لیکن حج کا ثواب نہیں ملے گا۔

پھر حضور ذوالحلیفہ پہنچے اور رات وہاں بسر کی جب صبح ہوئی تو وادی کے نشیب میں نماز صبح ادا کی۔ نماز کے بعد پھر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مدینہ طیبہ نظر آیا تو تین بار سرکار دو عالم ﷺ نے تکبیر کہی اور فرمایا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اٰئِبُوْنَ، تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ، سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

"کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اللہ کے جو یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، ساری بادشاہی اس کی ہے، سب تعریفیں اس کیلئے ہیں اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ہم مڑ کر آنے والے ہیں، ہم لوٹ کر آنے والے ہیں، ہم عبادت کرنے والے ہیں، ہم سجدے کرنے والے ہیں، ہم اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور کفار کے لشکروں کو اکیلے شکست دی۔"

رحمت دو عالم ﷺ جب حج، عمرہ یا کسی غزوہ کے سفر سے واپس تشریف لاتے اور ثنیۃ الوداع یا فدفد کے مقام پر پہنچتے تو ان کلمات طیبات سے تین بار تکبیر فرماتے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اٰئِبُوْنَ، تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ، سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

"کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ کے، اس کا کوئی شریک نہیں، ساری بادشاہی اسی کی ہے، سب تعریفیں اس کے لئے ہیں۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور خود اسے موت نہیں آتی، ساری خیر اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم پلٹ کر آنے والے ہیں،

ہم لوٹ کر آنے والے ہیں، ہم عبادت کرنے والے ہیں ہم سجدے کرنے والے ہیں، ہم اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور کفار کے لشکروں کو اکیلے شکست دی۔"

جب حضور اس میدان میں پہنچے جہاں قافلے آرام کرتے ہیں تو وہاں قیام کیلئے ٹھہرے اور سب کو منع کیا کہ آدھی رات کو گھر نہ جا دھمکیں۔ پھر صبح کی نماز ادا کی اور مدینہ طیبہ میں نزول اجلال فرمایا۔

یمن کی طرف سیدنا علی مرتضیٰ کی روانگی

فتح مکہ کے بعد رحمت عالم ﷺ نے سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو یمن کی طرف تبلیغ اسلام کیلئے روانہ فرمایا۔ سیدنا علی مرتضیٰ جب وہاں پہنچے تو ہمدان قبیلہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ آپ کی زبان مبارک سے جو کلمات نکلے، اللہ تعالیٰ نے ہمدان کے لوگوں کے دلوں کے قفل ان کی برکت سے کھول دیئے اور سارا قبیلہ مشرف باسلام ہو گیا۔ سیدنا علی مرتضیٰ نے بارگاہ رسالت میں ایک عریضہ ارسال کیا جس میں ہمدان کے قبول اسلام کی خوشخبری تحریر کی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جب قبیلہ ہمدان کے مشرف باسلام ہونے کی خوشخبری سنی تو حضور فرط مسرت سے سر بسجود ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی نوازش پر صدق دل سے اس کا شکریہ ادا کیا اور قبیلہ ہمدان کو اس دعا سے نوازا :

اَلسَّلَامُ عَلٰی هَمْدَانَ

"قبیلہ ہمدان پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی سلامتی نازل ہو۔"

یمن کی طرف حضرت علی مرتضیٰ کا دوسرا سفر

اس کے بعد سنہ 10 ہجری میں ماہ رمضان (دسمبر 631م) میں رحمت عالمیان ﷺ نے سیدنا علی مرتضیٰ کو تین سو شہسواروں کا امیر بنا کر دوسری بار یمن کی طرف روانہ کیا۔ حضور نے اپنے دست مبارک سے پرچم باندھا اور علی مرتضیٰ کے حوالے کیا۔ پھر اپنے دست مبارک سے ان کے سر اقدس پر دستار باندھی اور انہیں روانہ کرنے سے پہلے درج ذیل

وصیت فرمائی۔

حضور کی وصیت

اے علی! اب آپ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں۔ دائیں بائیں کسی چیز کی طرف التفات نہ کرنا۔ آپ نے عرض کی، یارسول اللہ! اس سفر میں میرا طرز عمل کیسا ہو؟ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ جب آپ اس قوم کے علاقہ میں پہنچیں تو جب تک وہ آپ کے ساتھ جنگ شروع نہ کریں، آپ ان پر حملہ میں پہل نہ کریں۔ اگر وہ آپ پر حملہ کریں تو آپ اس وقت تک کوئی جوابی کارروائی نہ کریں جب تک آپ کے لشکر کا کوئی مجاہد شہید نہ ہو جائے۔ اگر وہ آپ کے کسی مجاہد کو شہید کر دیں تو پھر بھی صبر و تحمل سے کام لیں اور یہ اعلان کریں اے قوم! کیا تم لا الٰہ الا اللہ کہنے کیلئے تیار ہو؟ اگر وہ اثبات میں جواب دیں تو پھر ان سے دریافت کریں، کیا تم نماز پڑھنے کیلئے آمادہ ہو؟ اگر وہ اس کا جواب بھی اثبات میں دیں تو پھر ان سے پوچھو کیا تم اپنے اموال سے صدقہ و زکوٰۃ دینے کیلئے تیار ہو تاکہ تمہارے صدقات و خیرات کو تمہارے فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے۔ اگر وہ یہ بھی تسلیم کرلیں تو پھر ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں اور نہ ان سے مزید کسی چیز کا مطالبہ کریں۔ خدا کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ پر ایک آدمی کو بھی ہدایت عطا فرما دے تو یہ سعادت تمام ان چیزوں سے بہتر اور افضل ہے جن پر سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے۔(1)

اموال غنیمت کی تقسیم

سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ تین سو شہسواروں کو ہمراہ لے کر سرزمین مذحج کی طرف روانہ ہوئے، وہاں پہنچ کر اپنے سواروں کو ادھر ادھر بھیج دیا۔ وہ واپس آئے تو ان کے ہمراہ اموال غنیمت میں عورتیں، بچے، اونٹ، بکریاں اور دیگر اشیاء تھیں۔ یہ پہلا فوجی دستہ تھا جو اس علاقہ میں وارد ہوا۔ سیدنا علی نے حضرت بریدہ بن حصیب کو ان اموال غنیمت پر ناظم مقرر کیا۔ پھر آپ کی ملاقات اس علاقہ کے ایک گروہ سے ہوئی۔ آپ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اسلامی

1۔ "سبل الہدیٰ"، جلد 6، صفحہ 362

لشکر پر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ آپ نے اپنے مجاہدین کو صف بندی کا حکم دیا اور لشکر کا پرچم مسعود بن سنان اسلمی کے حوالے کیا اور اپنے شہسواروں سمیت ان پر ہلہ بول دیا۔ چشم زدن میں ان کے بیس آدمی لقمہ اجل بن گئے۔ بقیہ لوگوں نے راہ فرار اختیار کی لیکن آپ نے ان کا تعاقب نہیں کیا بلکہ انہیں اسلام قبول کرنے کی دوبارہ دعوت دی۔ اب انہوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا اور ان کے بہت سے رؤساء نے آپ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی۔ ان بیعت کرنے والے سرداروں نے کہا کہ ہمارے جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں ان کی طرف سے بھی ہم اسلام کی بیعت کرتے ہیں۔ ہمارے سارے اموال آپ کے سامنے ہیں، ان میں سے اللہ تعالیٰ کا جو حصہ ہے وہ آپ لے لیجئے۔(1)

سیدنا علی مرتضیٰ نے تمام اموال غنیمت کو ایک جگہ جمع کیا۔ پھر ان کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا اور قرعہ اندازی کی۔ جس حصہ پر قرعہ نکلا اسے خمس قرار دیا اور اس خمس میں سے کسی مجاہد کو کوئی حصہ نہیں دیا گیا۔ لوگوں نے علی مرتضیٰ سے اس خمس سے اپنے حصہ کا مطالبہ کیا لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ یہ خمس میں بارگاہ رسالت میں پیش کروں گا اور حضور پرنور کی جیسے منشا مبارک ہوگی اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ نبی کریم ﷺ حج ادا کرنے کیلئے مکہ میں تشریف لانے والے ہیں، وہاں حاضر ہو کر شرف زیارت سے بھی بہرہ ور ہوں اور یہ خمس بھی حضور کی بارگاہ میں پیش کریں گے۔ رحمت عالم ﷺ اپنی مرضی کے مطابق اسے تقسیم فرمائیں گے۔

خمس اور دیگر اموال غنیمت آپ کے ہمراہ تھے۔ اس خمس میں یمنی کپڑوں کی کئی گانٹھیں بھی تھیں۔ مال غنیمت کے اونٹ بھی تھے اور ان کے اموال سے بطور صدقہ اور زکوٰۃ کے جو اونٹ یا دیگر اموال وصول کئے گئے تھے وہ بھی ہمراہ تھے۔ علی مرتضیٰ بڑی تیزی سے اپنے ساتھیوں سے پہلے سرکار دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ حضرت ابورافع کو اپنے لشکر اور اموال خمس کی نگرانی کی ذمہ داری تفویض کی۔ سیدنا علی مرتضیٰ اپنے ساتھیوں کو صدقہ کے اونٹوں پر سواری کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے۔ آپ کے مکہ روانہ ہونے کے بعد ان لوگوں نے حضرت ابورافع سے مطالبہ کیا کہ انہیں احرام باندھنے کیلئے دو دو چادریں دی جائیں چنانچہ آپ نے سب کو احرام باندھنے کیلئے دو دو چادریں

1۔ ایضاً، صفحہ 363

دیدیں۔ یہ لوگ جب حدود مکہ کے اندر داخل ہوئے تو سیدنا علی مرتضیٰ ان کی پیشوائی کیلئے تشریف لائے۔ جب دیکھا کہ ان سب نے خمس کے پارچات سے دو دو چادریں لے کر ان سے احرام باندھا ہوا ہے تو آپ نے حضرت ابو رافع سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ کے تشریف لانے کے بعد انہوں نے مجھ سے مطالبہ کیا۔ اس لئے میں نے ان کو یہ احرام کیلئے دو دو چادریں دے دیں۔ آپ نے حضرت ابو رافع کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا، جب تم نے دیکھا تھا کہ میں نے ان کے اس مطالبہ کو مسترد کر دیا ہے تو آپ نے میری منشاء کے خلاف ان کو یہ چادریں کیوں دی ہیں؟ چنانچہ آپ نے کئی لوگوں سے احرام کی چادریں واپس لے لیں۔ جب وہ رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف شکایات کے دفتر کھول دیئے۔ نبی کریم ﷺ نے آپ کو یاد فرمایا اور ان شکایات کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے عرض کی، یارسول اللہ! میں نے قطعاً کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے ان کو شکایت ہوگئی ہو اور اس غنیمت سے جو ان کا حصہ تھا میں نے ان میں تقسیم کر دیا لیکن خمس کو محفوظ رکھا تاکہ اسے حضور کی خدمت عالی میں پیش کروں اور حضور جس طرح مناسب خیال فرمائیں اس کے بارے میں فیصلہ فرمائیں۔(1)

غدیر خم

ارکان حج ادا کرنے کے بعد رہبر نوع انسانی ﷺ اپنے جملہ جاں نثاروں کے ہمراہ مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ جب یہ کاروان عشق و مستی غدیر خم کے مقام پر پہنچا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب کو یہاں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ علامہ یاقوت حموی معجم البلدان میں رقمطراز ہیں :

غَدِيْرُ خُمٍّ بَيْنَ مَكَّةَ وَمَدِيْنَةٍ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُحْفَةِ مِيْلَانِ۔ (2)

"کہ غدیر خم ایک موضع کا نام ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان میں واقع ہے اور جحفہ کے گاؤں سے اس کی مسافت صرف دو میل ہے۔"

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 362-363

2۔ "معجم البلدان"، جلد 4، صفحہ 118

حجتہ الوداع میں اپنے محبوب کریم کی معیت میں حج ادا کرنے کی سعادت سے بہرہ اندوز ہونے کیلئے جزیرۂ عرب کے گوشہ گوشہ سے لوگ یہاں کھنچے چلے آئے تھے۔ حج سے فراغت کے بعد ہر ایک نے اپنے اپنے علاقہ کی طرف واپس جانا تھا۔ غدیر خم وہ مرکزی مقام تھا جہاں سے جزیرۂ عرب کے تمام اطراف واکناف کی طرف راستے جاتے تھے۔ رحمت عالم ﷺ نے مناسب سمجھا کہ اس سے پیشتر کہ تمام قبائل یہاں سے منتشر ہو کر اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں، ان لوگوں کے دلوں میں حضرت سیدنا علی کی بے داغ سیرت و کردار کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں، ان کا قطعی طور پر ازالہ کر دیا جائے تاکہ آج کے بعد کسی کلمہ گو کے دل میں علی مرتضیٰ کی ذات والا صفات کے بارے میں کسی قسم کی کوئی غلط فہمی باقی نہ رہے۔

سرور عالم ﷺ جب بھی کوئی اہم خطاب فرمانا چاہتے تھے تو مؤذن اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ اعلان کرتا تھا اور یہ آواز سن کر جہاں کہیں بھی کوئی کلمہ گو ہوتا تو وہ بھاگا چلا آتا تھا۔ چنانچہ اس روز بھی مؤذن نے اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ کے مانوس کلمات سے اعلان کیا۔ تمام قبائل جہاں تھے، وہاں رک گئے تاکہ اپنے آقا سے رخصت ہونے سے پہلے اپنے ہادی و مرشد کے ان آخری کلمات کو سن بھی لیں اور انہیں حرز جان بھی بنا لیں۔

علامہ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ اپنی تصنیف "السیرۃ النبویۃ" میں اس کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

> ذی الحجہ کا مہینہ تھا، اس ماہ کی اٹھارہ تاریخ تھی، اتوار کا دن تھا، نبی کریم ﷺ نے اس موقع پر ایک عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا جس میں سیدنا علی مرتضیٰ کے فضل و کمال، امانت و دیانت، عدل و انصاف کے بارے میں اپنی زبان حقیقت بیان سے شہادت دی۔ اس شہادت کے بعد اگر کسی غلط فہمی کے باعث کسی کے دل میں سیدنا علی مرتضیٰ کے بارے میں کوئی وسوسہ تھا تو وہ ہمیشہ کیلئے محو ہو گیا۔ حضرت بریدہ بن حصیب کہتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں سے تھا جن کے دلوں میں سیدنا علی کی ذات والا صفات کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کے اس ارشاد پاک کو سن کر میرے دل میں

سیدنا علی مرتضیٰ کی اتنی محبت پیدا ہو گئی کہ آپ میرے سب سے زیادہ محبوب بن گئے۔(1)

علامہ مذکور کی تصنیف لطیف سے استفادہ کرتے ہوئے حضور پر نور کے وہ ارشادات طیبات قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جن کی سند کی صحت کے بارے علامہ ابن کثیر نے تصدیق کی ہے:

قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ عَلِيٍّ إِلَى الْيَمَنِ فَرَأَيْتُ مِنْهُ جَفْوَةً لَمَّا قَدِمْتُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرْتُ عَلِيًّا فَتَنَقَّصْتُهُ فَرَأَيْتُ وَجْهَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَغَيَّرُ قَالَ يَا بُرَيْدَةُ أَلَسْتُ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ قُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ وَكَذَا رَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ أَبِي دَاوُدَ عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ فَضْلِ بْنِ دُكَيْنٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي غَنِيَّةَ بِإِسْنَادٍ نَحْوِهِ وَهٰذَا إِسْنَادٌ جَيِّدٌ قَوِيٌّ رِجَالُهُ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ۔

(2)

"امام احمد فرماتے ہیں کہ فضل بن دکین نے مجھے یہ حدیث سنائی کہ ابن ابی غنیۃ نے انہی حکم سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے اور انہوں نے بریدہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں سیدنا علی مرتضیٰ کی معیت میں جہاد کرنے کیلئے یمن گیا۔ میں نے آپ سے سختی اور درشتی کا مشاہدہ کیا۔ جب میں بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا تو میں نے حضرت علی مرتضیٰ کے بارے میں شکایت کی جسے سن کر حضور کے رخ انور کی رنگت متغیر ہو گئی اور حضور نے فرمایا، اے بریدہ! کیا میں تم اہل ایمان سے ان کے نفسوں سے بھی زیادہ قریب نہیں ہوں؟ میں نے

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 4، صفحہ 333

2۔ ایضاً، صفحہ 415-416

عرض کی، بیشک یارسول اللہ! آپ تمام مسلمانوں سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا۔ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ "میں جس کا دوست اور محبوب ہوں، علی بھی اس کا دوست اور محبوب ہے۔"

اس روایت کی سند کے بارے میں علامہ ابن کثیر کی بے لاگ رائے ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں: کہ یہ سند جید اور قوی ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اصحاب سنن نے جو شرائط کسی حدیث کی صحت کیلئے رقم کی ہیں، وہ ساری شرائط اس روایت میں پائی جاتی ہیں۔ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ایک جگہ اترے۔ یہ وادی خم کے نام سے موسوم تھی۔ پس اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ کا اعلان کیا گیا۔ لوگ جمع ہوگئے حضور نے پہلے نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔ زید بن ارقم کہتے ہیں کہ پھر حضور نے ہمیں خطاب فرمایا۔ میں اپنی چادر کے ذریعہ اس درخت پر سایہ کئے ہوئے تھا جس کے نیچے حضور تشریف فرما تھے تاکہ سرور عالم ﷺ پر دھوپ کا تارا بھی نہ پڑے۔ حضور نے فرمایا:

أَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ؟ أَوَلَسْتُمْ تَشْهَدُوْنَ؟ أَنِّيْ أَوْلٰى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِّنْ نَّفْسِهٖ قَالُوْا بَلٰى قَالَ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَإِنَّ عَلِيًّا مَوْلَاهُ۔ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ۔ هٰذَا إِسْنَادٌ جَيِّدٌ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ عَلٰى شَرْطِ السُّنَنِ وَقَدْ صَحَّحَ التِّرْمِذِيُّ بِهٰذَا السَّنَدِ۔ (1)

"کیا تم اس بات کو نہیں جانتے؟ کیا تم اس بات کی شہادت نہیں دیتے؟ کہ میں ہر مومن سے اس کی جان سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ سب نے عرض کی، حضور نے بجا فرمایا۔ اور جب سب نے ارشاد نبوت کی تائید کردی تو رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَإِنَّ عَلِيًّا مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ۔

1۔ ایضاً، صفحہ 422

کہ "جس کا میں مددگار اور دوست ہوں علی مرتضیٰ بھی اس کے مددگار اور دوست ہیں۔ اے اللہ! جو ان کو دوست بناتا ہے اس کو تو بھی اپنا دوست بنا اور جو ان سے عداوت کرتا ہے ان سے تو بھی عداوت کر۔"

علامہ ابن کثیر اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں :

"کہ یہ سند جید ہے۔ اس کے سارے راوی ثقہ ہیں اور کتب سنن کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔ امام ترمذی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

یہ دو ایسی روایتیں ہیں جن کی صحت کے بارے میں علماء حدیث میں کوئی اختلاف نہیں۔ اگرچہ امام ابن کثیر نے چند اور احادیث بھی یہاں رقم کی ہیں لیکن ہم صرف ان دو روایات پر اکتفاء کرتے ہیں جن کے سارے راوی ثقہ ہیں اور جن کی سند ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

اس حدیث سے شیعہ نے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ حضور نے یہ ارشاد فرما کر سیدنا علی مرتضیٰ کی خلافت کے بارے میں اعلان کیا۔

لیکن یہ استدلال اہل حق کے نزدیک قطعاً قابل اعتناء نہیں اور اس کی متعدد وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ لفظ مولی مشترک ہے، یہ اکیس معانی پر دلالت کرتا ہے۔ اور لفظ مشترک اپنے تمام معانی پر بیک وقت دلالت نہیں کرتا، اس کے لئے کسی ایک معنی کا تعین ضروری ہے اور اس کے لئے قرینہ اور دلیل کی ضرورت ہے، جس کی بناء پر دیگر معانی کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور ایک معنی پر وہ دلالت کرتا ہے۔

یہاں کوئی ایسا قرینہ نہیں جس کے پیش نظر اس لفظ کے باقی معانی کو نظر انداز کر کے "خلیفہ" کے معنی کیلئے اس کو متعین کر دیں کیونکہ سیاق و سباق اس کی تائید نہیں کرتا۔ اس موقع پر کسی نے بھی سیدنا علی مرتضیٰ کی خلافت کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ صراحۃً، نہ کنایۃً اور نہ ضمناً جب یہاں خلافت کا کسی طرح بھی ذکر نہیں ہے تو یہاں اس حدیث سے سیدنا علی کی خلافت کو ثابت کرنا قطعاً روا نہیں۔

یہاں اگر کوئی مسئلہ زیر بحث تھا تو وہ سیدنا علی کی ذات کے بارے میں وہ شکایات تھیں جو بعض لوگوں نے بارگاہ رسالت میں پیش کیں کہ انہوں نے مجاہدین کے ساتھ بڑا درشت سلوک روا رکھا۔ بیت المال میں نئے کپڑوں کے کئی تھان موجود تھے۔ مجاہدین کا لباس طویل سفر کے باعث بوسیدہ اور میلا ہو چکا تھا۔ انہوں نے درخواست کی کہ انہیں ان

گانٹھوں سے دو چادروں کا کپڑا دیا جائے تاکہ وہ احرام باندھ سکیں لیکن آپ نے ان کی اس درخواست کو مسترد کر دیا۔ اس قسم کی چند دیگر شکایات تھیں جو بارگاہ رسالت میں شیر خدا کے بارے میں عرض کی گئیں۔ حضور سرور عالم ﷺ نے انہی شکایات کا ازالہ کرنے کیلئے اور علی مرتضٰی کی امانت و دیانت کو ہر شک و شبہ سے بالاتر ثابت کرنے کیلئے یہ ارشاد فرمایا تاکہ اب جبکہ لوگ یہاں سے اپنے اپنے علاقوں کو جا رہے ہیں، کسی کے دل میں اللہ اور اس کے دین کے شیر کے بارے میں کسی قسم کی غلط فہمی باقی نہ رہے۔ ان ارشادات سے جملہ حاضرین کو خطاب فرمایا۔ یہاں خلافت کے موضوع پر نہ کوئی گفتگو ہوئی، نہ اس موضوع کے بارے میں کسی نے اختلاف کیا اور نہ سرور عالم ﷺ نے خلافت کے موضوع کو زیر بحث لا کر یہ ارشاد فرمایا۔

صاحب تاج العروس نے لفظ "مولیٰ" کے متعدد معانی لکھے ہیں جو پیش خدمت ہیں:

اَلْمَوْلٰی: اَلْمَالِكُ - اَلْعَبْدُ - اَلْمُعْتِقُ - اَلْمُعْتَقُ -
اَلصَّاحِبُ - اَلْقَرِيْبُ - اَلْجَارُ - اَلْحَلِيْفُ - اِبْنُ الْعَمِّ -
اَلنَّزِيْلُ - اَلشَّرِيْكُ - اِبْنُ الْاُخْتِ - اَلْوَلِيُّ - اَلرَّبُّ
اَلنَّاصِرُ - اَلْمُنْعِمُ - اَلْمُحِبُّ - اَلتَّابِعُ - اَلصِّهْرُ (1)

اس سیاق و سباق میں غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں مولیٰ کے معنی محب۔ محبت کرنیوالا، صدیق، سچا، دوست اور نصیر۔ مدد کرنے والے کے ہیں اور ان معانی سے خلافت پر استدلال کرنا بے محل ہے۔ نیز شیعہ نے اپنی کتب اصول میں امر کی بار بار تصریح کی ہے کہ خلافت کو ثابت کرنے کیلئے دلیل کا قطعی اور حدیث کا متواتر ہونا ضروری ہے جو دلیل قطعی نہ ہو اور جو حدیث متواتر نہ ہو، ان سے خلافت ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ امر شیعہ کے مسلمہ اصولوں کے خلاف ہے اور چونکہ یہ حدیث خبر متواتر نہیں اس لئے سیدنا علی مرتضٰی کی خلافت پر اس سے استدلال کرنا ان کے مسلمہ اصولوں کے خلاف ہے، اس لئے قابل تسلیم نہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

تعین معانی مشترک بے دلیل اعتبار ندارد و ما وایشاں معتقدیم بر صحت ارادت محبوب و ناصر۔ و علی رضی اللہ عنہ و کرم اللہ وجہہ سیدنا و ناصرنا و

1۔ محمد مرتضٰی زبیدی (1145-1205ھ)، "تاج العروس"، القاہرہ، المطبعۃ الخیریہ النشاہ، ب ت، جلد 10، صفحہ 3989

حبیب ماسب وسیاق حدیث نیز دریں معنی ناظر است (1)

"لفظ مشترک کے متعدد معانی سے کسی ایک معنی کی تخصیص یا تعیین کیلئے دلیل درکار ہے اور بغیر دلیل کے اس کے متعدد معانی سے ایک معنی کی تعیین درست نہیں۔ ہم اہل سنت اور وہ اہل شیعہ اس بات پر متفق ہیں کہ سیدنا علی ہمارے محبوب، ہمارے مددگار، اور ہمارے سردار ہیں اور حدیث کا سیاق بھی انہیں معانی کی تائید کرتا ہے کہ ان لوگوں نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ پر جو اعتراض کئے ہیں، وہ بے معنی اور لغو ہیں۔ بلکہ آپ تو تمام مسلمانوں کے محبوب، مددگار اور سردار ہیں۔"

نیز حدیث میں لفظ مولا مذکور ہے اور مولا کا لفظ امام کے معنی میں نہ ازروئے لغت اور نہ ازروئے شریعت مستعمل ہوتا ہے۔ جب لغت اور شریعت دونوں مولیٰ کو امام کے معنی میں استعمال نہیں کرتیں تو اس سے پتا چلتا ہے کہ اس ارشاد گرامی کا مقصد یہ تھا کہ اگر کسی کے دل میں شیر خدا کے بارے میں بغض اور ناراضگی کا کوئی شائبہ تک بھی ہو تو وہ اس سے اجتناب کرے اور دستبرداری کا اعلان کردے۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ ہم ایک لمحہ کیلئے اگر تسلیم کرلیں کہ یہاں مولا، اولیٰ کے معنی میں ہے، لیکن یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیٰ سے امامت مراد ہے بلکہ اولویت ازروئے تقرب اتباع ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا۔ (2)

"بیشک نزدیک تر لوگ ابراہیم علیہ السلام سے وہ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی، نیز یہ نبی کریم اور جو اس نبی پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ مددگار ہے مومنوں کا۔"

نیز تمام دلائل سے اقوی دلیل یہ ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ نے کسی وقت بھی اپنی خلافت کو ثابت کرنے کیلئے اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔ اگر اس حدیث کا وہی مفہوم ہوتا جو شیعہ کہتے ہیں تو حضرت علی اس ارشاد نبوی سے ضرور استدلال کرتے۔ صحابہ کرام

1۔ "مدارج النبوۃ"، جلد 2، صفحہ 402

2۔ سورۃ آل عمران: 68

جب اپنے آقا کا یہ فرمان واجب الاذعان سنتے کہ حضرت علی حضور کے خلیفہ ہیں تو صحابہ کرام کسی اور شخص کو خلیفہ ہر گز نہ بناتے۔ آپ کا اپنی خلافت کو ثابت کرنے کیلئے کسی وقت بھی اس روایت سے استدلال نہ کرنا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یہاں مولا کے معنی خلیفہ نہیں بلکہ ناصر، محب اور سردار ہے۔

نیز رحمت عالم ﷺ جب اپنی ظاہری حیات طیبہ کے آخری ایام گزار رہے تھے تو ایک رزو حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور کی خدمت سے باہر آئے۔ حضرت عباس نے حضرت علی کو مشورہ دیا کہ آپ اس وقت خلافت کے بارے میں بارگاہ رسالت میں عرض کریں تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ حضور کے بعد منصب خلافت پر کون متمکن ہوگا۔ حضرت علی مرتضیٰ نے جواب دیا کہ میں ہر گز حضور سے اس کے بارے میں استفسار نہیں کروں گا کیونکہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اگر میں خلافت کا مطالبہ کروں اور حضور مجھے اپنا خلیفہ مقرر نہ فرمائیں تو پھر ہمیشہ کیلئے ہم اس منصب سے محروم کر دیئے جائیں گے۔

اگر اس حدیث سے حضور کا مقصد علی مرتضیٰ کی خلافت کا اعلان تھا تو پھر حضرت عباس کا یہ مشورہ دینا بے معنی تھا اور سیدنا علی کا انہیں یہ جواب دینا بھی قابل قبول نہیں۔ اگر رحمت عالم ﷺ نے صرف چند روز قبل خم غدیر کے موقع پر اپنے اس ارشاد گرامی سے علی مرتضیٰ کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیا ہوتا تو پھر اس احتمال کی گنجائش نہ تھی جس کے باعث حضرت علی نے حضرت عباس کے مشورہ کو مسترد کر دیا۔

شیعہ کا یہ کہنا کہ صحابہ کو اس نص کا علم تھا لیکن انہوں نے دانستہ اس کی پیروی سے انکار کر دیا۔ نیز شیعہ کا یہ کہنا کہ حضرت علی نے اس وقت بطور تقیہ خاموشی اختیار کی۔ العیاذ باللہ، صحابہ کا آپ کو اتنا خوف تھا کہ آپ نے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اس واضح ارشاد کے بیان کرنے سے بھی دانستہ اعراض کیا۔ سیدنا علی مرتضیٰ کی شخصیت کا دامن اس قسم کے الزمات اور اتہامات سے مبرا اور منزہ ہے۔ کوئی شخص جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہے، سید السادات اور تمام بہادروں کے سردار علی مرتضیٰ کے بارے میں اس بزدلی اور تقیہ کا وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا۔ یہ سراسر کذب و افتراء ہے۔ علی مرتضیٰ کی بے عدیل شجاعت اور بے مثال قوت اور اعوان و انصار کی کثرت اس بات کی متحمل نہیں کہ آپ نے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ایک سچے اعلان کو کسی کی

مخالفت کے خوف سے چھپایا ہو۔

ناظرین کو علم ہے کہ جب سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے مسئلہ پر مہاجرین وانصار میں اختلاف بڑی سنگین صورت اختیار کر گیا کہ خلیفہ کون ہوگا تو اس خطرناک صورت حال کے باوجود سیدنا ابو بکر صدیق نے پورے جوش و عزم کے ساتھ اپنے آقا کے اس ارشاد کا مجمع عام میں اعلان کر دیا کہ حضور نے فرمایا ہے اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ کہ "خلیفہ صرف قریش سے ہوگا۔" تو اس وقت تمام انصار و مہاجرین نے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ارشاد کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور کسی نے اف تک نہ کی۔ اور اگر اس ارشاد نبوی کا یہی مفہوم ہوتا جو شیعہ صاحبان کہتے ہیں تو علی مرتضیٰ اس دلیل سے اس حدیث کا اعلان کر کے اپنی خلافت پر استدلال کرتے اور صحابہ کرام میں سے کوئی بھی آپ کے بغیر کسی کو خلیفہ تسلیم نہ کرتا۔ ایسے اہم اور نازک موقع پر سیدنا علی مرتضیٰ کا جان بوجھ کر خاموش رہنا اور اپنی خلافت کی اس اٹل دلیل کو بیان نہ کرنا خود اس حقیقت کی ناقابل تردید دلیل ہے کہ حضور نے اپنے اس ارشاد گرامی سے کسی کی خلافت کا اعلان نہیں کیا تھا بلکہ مقصد صرف علی مرتضیٰ کے دامن پاک پر ان غلط الزامات کی گرد و غبار کو دور کرنا تھا۔

آخر میں ہم خاندان نبوت کی جلیل القدر اور عظیم الشان شخصیات حضرت امام حسن کے صاحبزادے حضرت حسن المثنیٰ کا فیصلہ کن ارشاد گرامی ناظرین کی توجہ کیلئے پیش کرتے ہیں:۔

حضرت حسن مثنیٰ سے دریافت کیا گیا کہ کیا یہ ارشاد نبوی مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی امامت و خلافت کیلئے نص ہے۔ آپ نے فرمایا، اگر یہ نص ہوتی اور اس سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی امامت و خلافت کو ثابت کرنا مقصود ہوتا تو حضور وضاحت و فصاحت سے یوں فرماتے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ هٰذَا وَالِي بَعْدِي وَالْقَائِمُ عَلَيْكُمْ بَعْدِي
فَاسْمَعُوا لَهُ وَاطِيعُوهُ۔

"اے لوگو! میرے بعد یہ (علی مرتضیٰ) تمہارے والی ہوں گے اور میرے بعد یہ تمہارے امور کے ناظم ہوں گے۔ ان کا حکم سننا اور ان کی اطاعت بجالانا۔"

بخدا اگر رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنا خلیفہ بتایا ہوتا اور آپ نے اس کا مطالبہ کرنے

سے اجتناب کیا ہوتا تو یہ حضرت علی کی سب سے بڑی غلطی ہوتی۔(1)

حجتہ الوداع سے مدینہ طیبہ واپسی

حضور کریم ﷺ جب حجتہ الوداع سے مراجعت فرمائے مدینہ طیبہ ہوئے، اس روز ذی الحجہ کی پچیس تاریخ تھی اور سنہ 10 ہجری تھا۔ اسی اثناء میں حضرت اسامہ بن زید کو حکم دیا کہ وہ اکابر صحابہ کا لشکر جرار لے کر مملکت روم کے اس حصہ کو تاخت و تاراج کرے جہاں بلقاء اور ابنی کے شہر آباد ہیں اور جہاں ان کے والد حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر بن ابی طالب اور عبد اللہ بن رواحہ نے شرف شہادت حاصل کیا تھا۔

ماہ محرم اور ماہ صفر حضور نے مدینہ طیبہ میں بسر کئے۔ ایک روز رحمت دو عالم ﷺ اپنے عاشقان دلفگار کی ملاقات اور ان کے استغفار کیلئے احد کے مقام پر تشریف لے گئے۔ وہاں کافی دیر تک اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان شہدائے اسلام کی مغفرت کیلئے التجائیں کرتے رہے۔ واپسی کے وقت گنج شہیداں کے پاس انہیں اس مژدہ سے خورسند فرمایا أَنْتُمُ السَّابِقُوْنَ وَنَحْنُ بِكُمْ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَاحِقُوْنَ۔ یعنی "تم ہم سے آگے جانے والے ہو اور ہم جلدی تم سے ملنے والے ہیں۔" حضور وہاں سے واپس تشریف لے آئے، مسجد نبوی میں گئے اور منبر پر تشریف فرما ہو کر ایک عظیم خطبہ ارشاد فرمایا:

إِنِّي بَيْنَ أَيْدِيكُمْ فَرَطٌ وَأَنَا عَلَيْكُمْ شَهِيدٌ وَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ وَإِنِّي لَأَنْظُرُ إِلَيْهِ مِنْ مَقَامِي هٰذَا وَإِنِّي قَدْ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ وَإِنِّي لَسْتُ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي وَلٰكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا وَتَهْلِكُوا كَمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ۔

(2)

"میں تمہارا پیشرو ہوں یعنی تم سے آگے جانے والا ہوں اور میں تم پر گواہی دوں گا۔ تمہاری اور میری ملاقات حوض کوثر پر ہوگی اور میں یہاں بیٹھا ہوا

1۔ "السیرۃ الحلبیہ"، جلد 2، صفحہ 398

2۔ ابو الحسن علی الندوی، "السیرۃ النبویہ"، صفحہ 656 و "الرحیق المختوم"، صفحہ 435

حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرما دی گئی ہیں اور مجھے تمہارے بارے یہ اندیشہ نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن مجھے یہ خوف ضرور ہے کہ تم دنیا حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہو گے اور ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئی تھیں۔"

امام ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ ابو مویہبہ جو رسول کریم ﷺ کے غلام تھے، ایک بار سرکار دو عالم ﷺ نے انہیں آدھی رات کے وقت یاد فرمایا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں حاضر ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے ابو مویہبہ! مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ جنت البقیع میں جو لوگ مدفون ہیں میں ان کیلئے طلب مغفرت کروں، تم میرے ساتھ چلو۔ حضور روانہ ہوئے۔ میں بھی حضور کے ساتھ تھا۔ جب جنت البقیع پہنچے تو قبروں کے درمیان کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَهْلَ الْمَقَابِرِ لِيَهْنِ لَكُمْ مَا أَصْبَحْتُمْ فِيهِ مِمَّا أَصْبَحَ النَّاسُ فِيهِ أَقْبَلَتِ الْفِتَنُ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يَتْبَعُ آخِرُهَا أَوَّلَهَا وَالْآخِرَةُ شَرٌّ مِنَ الْأُولَى۔ (1)

"اے قبروں کے مکینو! تم پر سلامتی ہو۔ جس حالت میں تم ہو وہ تمہیں مبارک ہو۔ کیونکہ تمہاری حالت اس حالت سے بہتر ہے جس میں آج کل لوگ مبتلا ہیں۔ تاریک رات کی طرح فتنوں کی تاریکی چھا رہی ہے۔ اگلے فتنے کے پیچھے دوسرا فتنہ ہے اور دوسرے کے پیچھے تیسرا اور بعد والا فتنہ پہلے سے زیادہ سخت اور شدید ہے۔"

پھر حضور میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

اے مویہبہ! میرے سامنے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئی ہیں، پھر طویل زندگی اور پھر جنت۔ میں نے ان طویل آسائشوں اور اختیارات کو مسترد کر دیا ہے اور اللہ کی ملاقات اور جنت کی ابدی بہاروں کو اپنے لئے پسند کر لیا ہے۔

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 4، صفحہ 444

میں نے عرض کی، یارسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں۔ حضور! دنیا کے خزانوں کی کنجیاں اور طویل زندگی کے بعد جنت قبول فرماتے۔ حضور نے فرمایا:

لَا وَاللّٰهِ يَا أَبَا مُوَيْهِبَةَ: لَقَدِ اخْتَرْتُ لِقَآءَ رَبِّيْ وَ الْجَنَّةَ۔ (1)

"اے ابو مویہبہ! بخدا ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں نے اپنے لئے اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو چن لیا ہے۔"

مرض کا آغاز

یہ سنہ 11 ہجری، ماہ صفر کی انتیس تاریخ اور دو شنبہ کا دن تھا کہ ایک صحابی کا انتقال ہوا۔ ان کی نماز جنازہ پڑھنے کیلئے رحمت عالم ﷺ بقیع الغرقد میں تشریف لے گئے۔ اپنے جاں نثار کی تجہیز و تکفین کے بعد حضور جب واپس تشریف لا رہے تھے تو راستے میں ہی سر درد شروع ہو گیا۔ درد کی شدت کے باعث بخار چڑھ گیا اور بخار اتنا تیز تھا کہ جس پٹکے سے رحمت عالم ﷺ نے اپنا سر مبارک باندھا ہوا تھا اس کے اوپر بھی اگر ہاتھ رکھا جاتا تو بخار کی حرارت محسوس ہو جاتی۔ یہی بیماری آخر کار اللہ کے محبوب بندے کی اپنے رب کریم سے ملاقات کا ذریعہ بن گئی۔ اس بیماری کا عرصہ مختلف روایات میں تیرہ، چودہ اور پندرہ دن تک بتایا گیا ہے۔ اس علالت کے دوران گیارہ دن تک امام الانبیاء ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لاتے اور ہر نماز کی امامت کراتے رہے۔ اور سب جاں نثار صحابہ اپنے آقا کی اقتداء میں فریضہ نماز ادا کرتے رہے۔ حضرت عائشہ (ام المومنین) فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنت البقیع سے واپس تشریف لائے تو میرے سر میں اس وقت شدید درد تھا میں کہہ رہی تھی وَارَأْسَاهُ ہائے میرا سر، ہائے میرا سر۔" حضور نے فرمایا بَلْ أَنَا وَاللّٰهِ يَا عَائِشَةُ وَارَأْسَاهُ "اے عائشہ میرے سر میں بھی بڑی شدت سے درد ہے۔"

درد کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس روز نبی مکرم ﷺ ام المومنین حضرت میمونہ کے حجرہ میں تشریف فرما تھے کیونکہ آج ان کی باری کا دن تھا۔ بیماری کی اس شدت کے باوجود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی ازواج مطہرات کی باریوں کا لحاظ رکھا۔ لیکن جب ہر روز مکان

1۔ ایضاً

بدلنے میں دقت محسوس ہوئی تو ان کو طلب کیا اور ان سے بیماری کے دن ام المومنین حضرت عائشہ کے حجرہ میں گزارنے کیلئے اذن طلب کیا۔ جب انہوں نے خوشی سے اجازت دے دی تو اللہ کا نبی حضرت میمونہ کے حجرہ سے حضرت ام المومنین عائشہ کے حجرہ میں تشریف لے آیا۔ علالت کی وجہ سے شدید کمزوری تھی اس لئے حضرت فضل بن عباس اور علی بن ابی طالب کے کندھوں کا سہارا لے کر حضور تشریف لے آئے۔ قدم مبارک نقاہت کی وجہ سے زمین کے ساتھ گھسٹ رہے تھے۔

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ بیماری کے ایام میں حضور یہ فرمایا کرتے تھے:

> اے عائشہ! میں اس کھانے کا درد آج محسوس کر رہا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اس زہر کی وجہ سے میری رگ دل کٹ رہی ہے۔

اسی اثناء میں ایک روز رحمت عالم ﷺ نے مسلمانوں کو اپنے پاس جمع کیا۔ پہلے ان کو اپنی دعاؤں سے نوازا۔ پھر ان کو پند و موعظت فرمائی اور فرمایا:

> اے مسلمانو! مرحبا۔ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت میں رکھے، تمہاری شکستہ دلی کو دور فرمائے، تم کو رزق دے، تمہاری مدد کرے، تم کو رفیع مراتب پر فائز کرے اور تم کو امن و امان میں رکھے۔ اے بندگان خدا! میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اللہ ہی کو تمہارا خلیفہ بناتا ہوں اور تم کو اس سے ڈراتا ہوں کیونکہ میں نذیر مبین ہوں۔ دیکھنا اللہ کی بستیوں میں اور اس کے بندوں کے ساتھ غرور و نخوت کو اختیار نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اور تمہیں حکم دیا ہے کہ
>
> تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (1)
>
> "یہ آخرت کا گھر ہم مخصوص کر دیں گے اس کی نعمتوں کو ان لوگوں کیلئے جو خواہش نہیں رکھتے زمین میں بڑا بننے کی اور نہ فساد برپا کرنے کی اور اچھا انجام پرہیزگاروں کیلئے ہے۔"

1۔ سورہ القصص: 83

اسامہ بن زید کی مہم

سرور دو عالم ﷺ حجتہ الوداع کے طویل اور کٹھن سفر سے ماہ ذی الحجہ کے آخر میں مدینہ طیبہ پہنچے۔ اس ماہ کے بقیہ دن، ماہ محرم اور ماہ صفر یہاں گزارا۔ اسی مدت میں حضرت اسامہ بن زید کو ایک مہم پر روانہ کرنے کیلئے تیاری شروع کر دی۔ آپ کو علم ہے کہ غزوہ موتہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب، عبداللہ بن رواحہ کے علاوہ تیسرے قائد لشکر اسلامیاں جو شہید ہوئے تھے، وہ حضرت اسامہ کے والد زید بن حارثہ تھے۔ اگرچہ حضرت خالد بن ولید لشکر اسلام کو رومیوں کے لشکر جرار کے نرغے سے بسلامت نکال لائے تھے لیکن ان کو شکست فاش دینے کی حسرت پوری نہیں ہوئی تھی۔ جبکہ رومی حکام کو یہ غلط فہمی ہوگئی تھی کہ وہ مسلمانوں کو شکست دے سکتے ہیں۔ ان کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے اور وہاں کے عرب باشندوں کے دلوں میں اسلامی لشکر کی قوت پر اعتماد بحال کرنے کیلئے سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت اسامہ کو اس لشکر کا سردار بنا کر روانہ کیا۔

اس واقعہ کو علامہ شیخ حسین بن محمد بن حسن الدیار بکری نے اپنی کتاب "تاریخ الخمیس" میں بڑی وضاحت سے لکھا ہے۔ اس سے استفادہ کرتے ہوئے اس مہم کی تفصیلات پیش خدمت ہیں۔ علامہ موصوف رقمطراز ہیں:

سنہ 11 ہجری میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو سالار لشکر بنا کر اہل ابنی کی طرف بھیجا گیا۔ یہ ایک شہر کا نام ہے جو بلقاء کے قرب میں ہے۔ یہ آخری فوجی مہم تھی جو نبی کریم ﷺ نے اس جگہ بھیجی جہاں حضرت اسامہ کے والد حضرت زید شہید کئے گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ کو یاد فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ اس جگہ جاؤ جہاں رومیوں نے تیرے باپ کو شہید کیا تھا اور اس لشکر کے گھوڑوں سے اس جگہ کو روند ڈالو۔ مزید فرمایا کہ

صبح سویرے اہل ابنی پر حملہ کرنا، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ فتح و ظفر عطا فرمائے تو وہاں زیادہ دیر نہ ٹھہرنا۔ اپنے جاسوس اپنے آگے آگے روانہ کرنا اور اپنے ساتھ ایسے لوگوں کو لے جانا جو راستوں کے پیچ و خم کو جانتے ہوں۔

جب بدھ کا دن ہوا تو سرکار دو عالم ﷺ کو تکلیف شروع ہو گئی۔ شدید بخار اور سخت درد تھا۔ جمعرات کے روز حضور نے اسامہ کو دیئے جانے والا جھنڈا اپنے دست مبارک سے

باندھا اور فرمایا:

اُغْزُ بِسْمِ اللہِ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ فَقَاتِلْ مَنْ کَفَرَ بِاللہِ۔

"اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کیلئے نکلو اور جو اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان سے جنگ کرو۔"

حضرت اسامہ روانہ ہو کر مع لشکر جرف کے مقام پر آکر ٹھہرے جو مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ اکابر مہاجرین اور اکابر انصار میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کو اس لشکر میں شریک نہ کیا گیا ہو۔ حضرات صدیق اکبر، فاروق اعظم، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، ابو عبیدہ، قتادہ بن نعمان۔ یہ سارے بزرگ صحابہ اس لشکر میں شریک تھے۔ بعد میں لوگوں نے یہ چہ میگوئیاں شروع کیں کہ اتنے اکابر صحابہ اس لشکر میں شامل ہیں اور ان کا سالار ایک بیس سالہ نوجوان کو مقرر کیا گیا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے یہ بات سنی تو حضور کو سخت غصہ آیا۔ حضور نے اپنا سر ایک پٹکے سے باندھ لیا، ایک چادر اوڑھ لی اور منبر پر تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا:

"اے لوگو! یہ کیا بات میرے کانوں تک پہنچی ہے کہ تم اسامہ کے امیر بنانے پر اعتراض کر رہے ہو؟ اگر تم اسامہ کو امیر بنانے پر معترض ہو تو تم نے اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا جب میں نے اس کو لشکر اسلام کا سالار بنایا تھا۔ بخدا! زید بھی اس منصب کا مستحق تھا اور اس کا بیٹا اسامہ بھی اس منصب کا اہل ہے۔"

پھر منبر سے نیچے تشریف لائے اور گھر تشریف لے گئے۔

یہ ہفتہ کا دن تھا اور ربیع الاول کی دس تاریخ تھی۔ وہ مسلمان جو حضرت اسامہ کے ساتھ اس مہم پر جا رہے تھے وہ الوداعی سلام عرض کرنے کیلئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ سلام عرض کرنے کے بعد وہ لشکر میں واپس چلے گئے۔ اتوار کے روز حضور کی بیماری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ درد نے شدت اختیار کر لی۔ حضرت اسامہ سلام عرض کرنے کیلئے حاضر ہوئے تو اس وقت نبی کریم ﷺ پر غشی طاری تھی۔ حضرت اسامہ نے جھک کر سرکار دو عالم ﷺ کے سر مبارک کو بوسہ دیا۔ حضور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے پھر اسامہ کے اوپر رکھ دیتے گویا یہ اسامہ کیلئے دعا فرما رہے تھے۔ اسامہ اپنے آقا کی دعائیں

لینے کے بعد اپنی چھاؤنی میں آگئے اور لوگوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔
وہ اپنی سواری پر ابھی سوار ہونے والے تھے کہ ان کی والدہ ام ایمن کا قاصد ان کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے آکر بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری وقت ہے۔ چنانچہ اسامہ، سیدنا عمر اور سیدنا ابو عبیدہ حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ سوموار کے دن جب سورج ڈھل گیا تو رحمت عالم ﷺ نے رفیق اعلیٰ کی طرف سفر فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ جب حضور کے وصال پر ملال کی اطلاع لشکر کو ملی تو سارے مسلمان مدینہ طیبہ واپس آگئے۔ حضرت اسامہ کا جھنڈا حضرت بریدہ بن حصیب نے اٹھایا ہوا تھا۔ انہوں نے یہ جھنڈا رسول کریم ﷺ کے دروازے کے سامنے آکر گاڑ دیا۔ جب مسلمانوں نے بالاتفاق حضرت صدیق اکبر کی بیعت کر لی تو آپ نے حکم دیا کہ یہ جھنڈا حضرت اسامہ کو دیا جائے تاکہ وہ اپنے لشکر سمیت اس مہم پر روانہ ہوں جس پر جانے کا نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا۔(1)

فتنہ ارتداد

سرکار دو عالم ﷺ کی رحلت کے بعد فتنہ ارتداد نے زور پکڑ لیا۔ اس وقت حضرت اسامہ کا لشکر خندق کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت صدیق اکبر کے پاس بھیجا تاکہ انہیں عرض کریں کہ ارتداد کا فتنہ روز بروز زور پکڑتا جا رہا ہے اس لئے بہتر ہے کہ اسامہ کے لشکر کی روانگی کو کچھ عرصہ کیلئے ملتوی کیا جائے۔ جب حالات ٹھیک ہو جائیں گے تو پھر یہ لشکر روانہ ہو جائے گا۔ حضرت اسامہ نے یہ بھی کہلا بھیجا کہ ہمیں خدشہ ہے کہ مرتدین اور مشرکین مدینہ طیبہ کو خالی سمجھ کر اس پر حملہ نہ کر دیں۔ انصار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہا، اگر صدیق اکبر اس لشکر کو واپس کرنے سے انکار کر دیں تو پھر ہم سب کی طرف سے عرض کیجئے کہ اس کمسن ناتجربہ کار اسامہ کے بجائے کسی تجربہ کار شخص کو اس لشکر کا امیر مقرر کریں۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پہلے حضرت اسامہ کا پیغام گزارش گزار کیا تو اس عاشق صادق صدیق اکبر نے جواب دیا:

وَاللّٰہِ لَوْ تَخَطَّفَنِی الذِّئَابُ وَالْکِلَابُ لَوْ اَرُدُّ قَضَاءً قَضٰی

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 5-154

بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

"بخدا! اگر مجھے بھیڑیے اور کتے اچک کر لے جائیں تو بیشک لے جائیں مگر جو فیصلہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے کیا ہے، میں اس کو منسوخ نہیں کر سکتا۔"

اس کے بعد حضرت عمر نے انصار کا پیغام پہنچایا کہ ان سب کی خواہش ہے کہ ہم اسامہ کے بجائے کسی معمر اور تجربہ کار شخص کو لشکر کا سپہ سالار مقرر فرمائیں۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر کو یارائے صبر نہ رہا اور اٹھ کھڑے ہوئے، حضرت عمر کی داڑھی پکڑلی اور غصہ سے فرمایا:

ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ وَعَدِمَتْكَ يَابْنَ الْخَطَّابِ اسْتَعْمَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَاْمُرُنِيْ اَنْ اَنْزِعَهٗ۔ (1)

"اے عمر! تیری ماں تجھے روئے اور تجھے گم کرے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اسامہ کو سالار مقرر فرمایا ہے تو مجھے یہ کہتا ہے کہ میں اس کو معزول کر دوں۔ یہ ناممکن ہے ایسا نہیں ہو سکتا۔"

چنانچہ حضرت اسامہ ارشاد نبوی کے مطابق اس مہم پر روانہ ہوئے۔ انہوں نے پہلے قضاعہ پر حملہ کیا، پھر موتہ کے مقام پر پہنچے اور بیس رات تک سفر کرنے کے بعد ابنی کے مقام پر حملہ آور ہوئے جس پر حملہ کرنے کیلئے حضور نے اسامہ کو روانہ کیا تھا۔ ان کے بڑے بڑے سردار قتل کر دیئے گئے اور ان کے بہت سے آدمیوں کو جنگی قیدی بنالیا گیا اور جس شخص نے اسامہ کے والد حضرت زید کو شہید کیا تھا وہ حضرت اسامہ کے ہاتھ سے موت کے گھاٹ اتر گیا۔ چنانچہ فتح و کامرانی کے پرچم لہراتے ہوئے یہ مجاہدین مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب یہ لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو حضرت صدیق اکبر مہاجرین و انصار کو ہمراہ لے کر اس لشکر کے استقبال کیلئے پہنچے۔ اس مہم میں چالیس دن صرف ہوئے اور صدیق اکبر کی قوت ایمانی کے باعث اس لشکر کو شاندار کامیابی نصیب ہوئی۔ مسلمانوں کی اس کامیابی کی اطلاع جب دشمنان اسلام اور مرتدین کو پہنچی تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور مسلمانوں کی عسکری قوت کا رعب ان پر اس طرح چھا گیا کہ ان میں سر اٹھانے کی ہمت نہ رہی۔

1۔ "السیرۃ النبویہ"، جلد 2، صفحہ 331

وفات سے پانچ دن پہلے

چہار شنبہ کا دن تھا۔ بخار میں بڑی شدت آ گئی جس کی وجہ سے غشی طاری ہو گئی۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ مختلف کنوؤں سے پانی کے سات مشکیزے بھر کر لاؤ اور انہیں مجھ پر انڈیل دو تاکہ مجھے سکون ہو اور میں لوگوں کے پاس جا کر انہیں وصیت کر سکوں۔ چنانچہ سات مختلف کنوؤں سے پانی کے سات مشکیزے بھر کر لائے گئے۔ حضور پر نور ﷺ کو ایک لگن میں بٹھا دیا گیا اور حضور پر وہ پانی انڈیلا جانے لگا یہاں تک کہ رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔۔ بس بس۔ اس طرح بخار کی حدت میں کمی ہو گئی اور حضور کو آرام محسوس ہونے لگا۔ رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں تشریف لائے، سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور منبر پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ صحابہ کرام نے اردگرد حلقہ بنا لیا اور سمٹ کر بیٹھ گئے تاکہ اپنے ہادی و مرشد کے ان ارشادات طیبات کو پوری دلجمعی سے سن سکیں۔ اس خصوصی محفل میں حضور انور نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآءِهِمْ مَسَاجِدَ۔

"اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر اپنی لعنت بھیجے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔"

حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

کہ مراد از اتخاذ قبور مساجد سجدہ کردن بجانب قبور است وایں بردو طریق متصور است یکے سجدہ بقبور برند و مقصود عبادت آں دارند چنانکہ بت پرستان می پرستند۔ دوم آنکہ مقصود و منظور عبادت وے تعالیٰ دارند ولیکن اعتقاد کنند کہ توجہ بقبور ایشان در نماز و عبادت حق موجب قرب و رضائے تعالیٰ و موقع عظیم است نزد حق تعالیٰ از جہت اشتمال وے عبادت۔ و مبالغہ در تعظیم انبیاء وایں ہر دو طریق نامرضی ونا مشروع است۔ اول خود شرک جلی و کفر صریح است و ثانی نیز حرام و ممنوع از جہت اشتمال بر شرک خفی و ہر طرف تقدیر طعن متوجہ است و نماز کردن بجانب قبر

نبی ومرد صالح بقصد تبرک و تعظیم حرام است وہیچ کس راز علماء در آں خلاف نیست (1)

"شیخ فرماتے ہیں کہ قبروں کو مساجد بنانے سے مراد یہ ہے کہ قبروں کی طرف سجدہ کرتے ہیں اور اس کے دو طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ قبروں کو صاحب قبر کی عبادت کی نیت سے سجدہ کریں جس طرح بت پرست اپنے بتوں کو سجدہ کیا کرتے تھے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس سجدہ سے مقصود تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو لیکن سجدہ کرنے والے کا اعتقاد یہ ہو کہ نماز اور عبادت میں ان قبروں کی طرف متوجہ ہونا اللہ تعالیٰ کے قرب اور رضا کا سبب ہے۔ یہ دونوں طریقے ناپسندیدہ اور ناجائز ہیں پہلا طریقہ اس لئے کہ وہ شرک جلی اور کفر صریح ہے اور دوسرا طریقہ اس لئے کہ اس میں شرک خفی پایا جاتا ہے۔ اس لئے کسی نبی یا ولی کی قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا یا سجدہ کرنا حرام ہے اور تمام علماء اس بات پر متفق ہیں۔

البتہ کسی نبی یا ولی کی قبر کے قرب میں مسجد تعمیر کرنا اور اس میں اس نیت سے نماز پڑھنا کہ صاحب قبر کی نورانیت وروحانیت کی برکت سے ان کی اس عبادت کو درجہ قبول نصیب ہوگا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس حدیث کی جو تشریح حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمائی ہے، علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں بعینہ یہی تشریح نقل کی ہے۔

قَالَ الْبَيْضَاوِيُّ لَمَّا كَانَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى يَسْجُدُوْنَ بِقُبُوْرِ الْأَنْبِيَاءِ تَعْظِيْمًا لِشَأْنِهِمْ وَيَجْعَلُوْنَهَا قِبْلَةً يَتَوَجَّهُوْنَ فِي الصَّلٰوةِ نَحْوَهَا۔ وَاتَّخَذُوْهَا أَوْثَانًا لَعَنَهُمْ وَمَنَعَ الْمُسْلِمِيْنَ عَنْ مِثْلِ ذٰلِكَ فَأَمَّا مَنِ اتَّخَذَ مَسْجِدًا فِيْ جِوَارِ صَالِحٍ وَقَصَدَ التَّبَرُّكَ بِالْقُرْبِ مِنْهُ لَا التَّعْظِيْمَ لَهٗ وَلَا التَّوَجُّهَ نَحْوَهٗ فَلَا يَدْخُلُ فِيْ ذٰلِكَ الْوَعِيْدِ (1)

"امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ کیا کرتے تھے اور ان کو نماز میں اپنا قبلہ بنایا کرتے تھے اور ان کو بت تصور

1۔ "فتح الباری"، جلد 1، صفحہ 417

کرتے تھے۔ اس لئے ہادی برحق ﷺ نے اپنے امتیوں کو اس سے منع کیا لیکن کسی مرد پاکباز کے پڑوس مسجد تعمیر کرنا اور بطور تبرک اس کے قرب میں نماز ادا کرنا، اس وعید میں داخل نہیں۔ کیونکہ اس وقت نہ ان کو قبلہ بنا کر نمازی ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ ان کی تعظیم مقصود ہوتی ہے۔"

علامہ بدر الدین عینی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی بعینہ اسی عبارت سے اس حدیث کی وضاحت کی ہے۔(1)

علماء کبار کی ان تشریحات سے واضح ہو گیا کہ اس حدیث میں کسی نبی یا ولی کی قبر کو سجدہ کرنا یا اس کو اپنا قبلہ بنانا یا بتوں کی طرح ان کی پوجا کرنا ممنوع اور حرام ہے۔ لیکن انبیاء و اولیاء کے مزارات پر حاضری دینا اور ان کے ایصال ثواب کیلئے وہاں کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر قرآن کریم کی تلاوت کرنا ممنوع نہیں ہے۔

اقلیم عدل وانصاف کا شہنشاہ

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت فضل بن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ علالت کے دنوں میں بخار کی حالت میں میرے پاس تشریف لائے۔ حضور نے اپنا سر مبارک باندھا ہوا تھا۔ بخار بہت شدید تھا۔ مجھے حکم دیا، اے فضل! میرا ہاتھ پکڑ لو۔ میں نے دست مبارک پکڑ لیا۔ حضور منبر پر جا کر تشریف فرما ہوئے اور مجھے فرمایا کہ لوگوں میں منادی کر دو کہ سب جمع ہو جائیں۔ میں نے بلند آواز سے کہا۔ الصلوٰۃ جامعۃ۔ لوگ یہ سنتے ہی جوق در جوق مسجد نبوی میں پہنچنا شروع ہو گئے۔ جب سب آ گئے اور اطمینان سے بیٹھ گئے تو اس مرشد برحق نے شدید علالت کے باوجود اپنے صحابہ کرام کو یوں خطاب فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ! مَنْ كُنْتُ جَلَدْتُ ظَهْرًا فَهٰذَا ظَهْرِي فَلْيَسْتَقِدْ مِنْهُ وَمَنْ كُنْتُ شَتَمْتُ لَهٗ عِرْضًا فَهٰذَا عِرْضِي فَلْيَسْتَقِدْ مِنِّي وَمَنْ اَخَذْتُ لَهٗ مَالًا فَهٰذَا مَالِي فَلْيَاْخُذْ مِنْهُ وَلَا يَخْشَى الشَّحْنَاءَ فَهِيَ لَيْسَتْ

1۔ "عمدۃ القاری"، جلد 3، صفحہ 433

مِنْ شَأْنِیْ۔ (1)

"اے لوگو! اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کبھی کوئی درہ مارا ہے تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے، وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔ اگر میں نے کسی کو برا بھلا کہا ہے تو میری آبرو حاضر ہے، وہ اس سے انتقام لے سکتا ہے۔ اگر میں نے کسی کا مال چھینا ہے تو میرا مال حاضر ہے، وہ اس سے اپنا حق لے سکتا ہے۔ تم میں سے کوئی یہ اندیشہ نہ کرے کہ اگر کسی نے مجھ سے انتقام لیا تو میں اس سے ناراض ہو جاؤں گا یہ میری شان نہیں۔"

مجھے یہ امر بہت پسند ہے کہ اگر کسی کا حق میرے ذمہ ہے تو وہ مجھ سے وصول کر لے یا مجھے معاف کر دے تاکہ میں اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کروں کہ کسی کا حق میرے ذمہ واجب الادا نہ ہو۔ ایک آدمی کھڑا ہوا۔ اس نے کہا، یارسول اللہ! میرے تین درہم حضور کے ذمہ ہیں۔ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا، میں کسی دعویٰ کرنے والے کو نہیں جھٹلاؤں گا اور نہ اس سے حلف لوں گا، تم مجھے صرف اتنا بتادو کہ تم سے میں نے یہ تین درہم کس مقصد کیلئے لئے تھے۔ اس نے عرض کی، یارسول اللہ! ایک سائل حضور کے پاس سے گزرا تھا۔ حضور نے مجھے حکم دیا تھا کہ اس کو تین درہم دے دو، میں نے وہ تین درہم اسے دے دیئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت فضل بن عباس کو حکم دیا کہ اس کے تین درہم اس کو ادا کر دیں۔ حضور یہی جملہ بار بار دہراتے رہے۔

پھر فرمایا، اگر کسی نے مال غنیمت سے کچھ ناجائز لیا ہے تو وہ بیت المال میں لوٹا دے۔ ایک آدمی کھڑا ہوا اور عرض کی، یارسول اللہ! مال غنیمت کے تین درہم میرے ذمہ واجب الاداء ہیں۔ حضور نے فرمایا تم نے یہ درہم کیوں لئے تھے؟ عرض کی، اس وقت میں مفلس اور تنگ دست تھا۔ حضور نے حضرت فضل کو حکم دیا کہ اس سے تین درہم لے کر بیت المال میں جمع کرا دیں۔(2)

انصار کیلئے وصیت

میں تمہیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ میرے قلب و جگر ہیں۔ انہوں

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 161

2۔ "خاتم النبیین"، جلد 2، صفحہ 1218

نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے مگر ان کے حقوق باقی رہ گئے ہیں۔ لہٰذا ان کے نیکوکاروں سے ان کی نیکیاں قبول کرنا اور ان کے خطاکاروں سے درگزر کرنا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار گھٹتے جائیں گے یہاں تک کہ کھانے میں نمک کی طرح ہوں گے۔ لہٰذا تمہارا جو آدمی نفع یا نقصان پہنچانے کے کام کا والی ہو تو وہ ان کے نیکوکاروں سے ان کی نیکیاں قبول کرے اور ان کے خطاکاروں سے درگزر کرے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کی امامت کا حکم وفات سے چار دن پہلے

امام الانبیاء ﷺ وفات حسرت آیات سے چار دن پہلے تک علالت و نقاہت کے باوجود تمام نمازیں خود ہی پڑھاتے رہے۔ اس روز بھی مغرب کی نماز حضور نے خود پڑھائی اور اس میں سورۃ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا تلاوت فرمائی۔ عشاء کے وقت تکلیف بڑھ گئی اور حضور مسجد میں تشریف نہ لے جا سکے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا، کیا لوگوں نے نماز عشاء پڑھ لی ہے؟ انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ! وہ سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ حضور نے فرمایا، میرے لئے لگن میں پانی رکھو۔ ہم نے حکم کی تعمیل کی۔ حضور نے غسل فرمایا، اس کے بعد ارادہ کیا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا کریں لیکن حضور پر غشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو حضور نے دریافت کیا، کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ عرض کی، نہیں یارسول اللہ! وہ سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوتا رہا۔ غسل فرماتے مسجد جانے کا ارادہ کرتے پھر غشی طاری ہو جاتی، بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم بھیجا مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ "ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔" ایک روز حضرت بلال در اقدس پر حاضر ہوئے اور حسب معمول اطلاع دی اور عرض کی اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلصَّلٰوةُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ اے اللہ کے رسول۔ آپ پر سلامتیاں ہوں نماز کا وقت ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ حضور پر رحم فرمائے۔"

سرکار دو عالم ﷺ نقاہت کے باعث خود تشریف نہ لے جا سکے۔ حضرت بلال کو حکم دیا مُرْ اَبَا بَكْرٍ يُصَلِّ بِالنَّاسِ "ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔" جب حضرت بلال

نے اپنے آقا کی کمزوری اور نقاہت کی یہ حالت دیکھی تو ان پر غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھا اور بلند آواز سے ندا دینے لگے:

وَا غَوْثَاهُ وَا انْقِطَاعَ الرَّجَاءِ۔ وَا انْكِسَارَ ظَهْرَاهُ۔ لَيْتَنِي لَمْ تَلِدْنِي أُمِّي وَإِذَا وَلَدَتْنِي لَمْ أَشْهَدْ مِنْ رَسُولِ اللهِ هٰذَا۔ (1)

"ہائے میں کس کے سامنے فریاد کروں۔ ہائے میری امیدوں کا رشتہ ٹوٹ گیا ہائے میری پشت دوہری ہو گئی۔ اے کاش! میری ماں نے مجھے نہ جنا ہوتا۔"

اور اگر جنا تھا تو آج سے پہلے مر جاتا۔ اور اپنے آقا علیہ السلام کی بیماری اور نقاہت کا یہ دلخراش منظر نہ دیکھتا۔" غم واندوہ سے چور چور ہو کر حضرت بلال مسجد تک پہنچے، سامنے صدیق اکبر کھڑے تھے، انہیں پیغام دیا۔

يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَتَقَدَّمَ۔ (2)

"اے ابو بکر! حضور ﷺ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آگے کھڑے ہو کر جماعت کرائیں۔"

حضرت صدیق اکبر نے جب امامت کے مصلیٰ کو اللہ کے پیارے رسول سے خالی پایا تو غش کھا کر گر پڑے۔ فرط غم سے مسلمانوں کی چیخیں نکل گئیں۔ رحمت عالم ﷺ نے جب یہ آواز سنی تو اپنی لخت جگر خاتون جنت سے پوچھا۔ اے فاطمہ! یہ کیسا شور ہے؟ انہوں نے عرض کی؟ یا رسول اللہ! مسلمانوں نے حضور کو نہ پایا تو ان کی چیخیں نکل گئیں۔ سرور عالم نے سیدنا علی مرتضیٰ اور حضرت ابن عباس کو یاد فرمایا۔ ان پر ٹیک لگائی اور مسجد کی طرف تشریف لے گئے اور نماز ادا کی، پھر فرمایا:

"اے گروہ مسلمانان! میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تم پر میرے قائم مقام ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہنا۔ اس کی اطاعت کرنا۔ میں تو

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 163

2۔ ایضاً

اب اس دنیا کو چھوڑنے والا ہوں۔"(1)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں:

جن دنوں حضور پر نور کے مرض نے شدت اختیار کر لی تو ایک روز حضرت بلال حاضر ہوئے اور نماز کے بارے میں اطلاع دی۔ فرمایا مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ "ابو بکر کو حکم دو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔" حضرت عائشہ کہتی ہیں، میں نے عرض کی، یارسول اللہ! ابو بکر بڑے رقیق القلب ہیں۔ جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو وہ اونچی آواز سے قرأت نہیں کر سکیں گے۔ اگر آپ حضرت عمر کو جماعت کرانے کا حکم دیں تو بہتر ہو گا۔ حضور نے فرمایا مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ "ابو بکر کو حکم دو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔" حضرت عائشہ فرماتی ہیں، میں نے محسوس کیا کہ میری اس گزارش کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو میں نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنا ہمنوا بنایا۔ چنانچہ انہوں نے میری تائید کرتے ہوئے گزارش کی۔

حضور نے غصہ کی حالت میں فرمایا اِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ "تم تو زنان یوسف ہو۔ ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔" چنانچہ صدیق اکبر نے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے نماز پڑھائی۔

سید شریف جرجانی نے "شرح مواقف" میں لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر کے سوا کسی امتی کی اقتداء میں نماز ادا نہیں کی سوائے ایک دفعہ کے سفر کی حالت میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کی اقتداء میں ایک رکعت ادا فرمائی تھی۔(2)

وہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بیماری کے ایام میں نماز پڑھانے کیلئے حضرت ابو بکر کو اپنا خلیفہ بنایا، خود ان کی اقتداء میں نمازیں ادا کیں اور ان کو کسی وقت معزول نہیں کیا۔

حضرت علی کی حسن تائید

اسی لئے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ حضرت ابو بکر صدیق کو یوں فرمایا کرتے تھے:

1۔ ایضاً

2۔ ایضاً

قَدَّمَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أَمْرِ دِيْنِنَا أَفَلَا نُقَدِّمُكَ فِيْ أَمْرِ دُنْيَانَا۔ (1)

"اے صدیق! اللہ کے رسول نے ہمارے دین کے معاملہ میں آپ کو آگے کیا ہے ہم اپنی دنیا کے معاملات میں آپ کو آگے کیوں نہ کریں۔"

علامہ ابن اثیر الجزری نے اپنی معروف کتاب "اسد الغابۃ" میں حضرت حسن بصری کے واسطہ سے سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

قَالَ قَدَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا بَكْرٍ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ وَإِنِّيْ شَاهِدٌ غَيْرُ غَائِبٍ وَإِنِّيْ لَصَحِيْحٌ غَيْرُ مَرِيْضٍ لَوْ شَاءَ أَنْ يُقَدِّمَنِيْ لَقَدَّمَنِيْ وَرَضِيْنَا لِدُنْيَانَا مَنْ رَضِيَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ لِدِيْنِنَا۔ (2)

"حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صدیق اکبر کو آگے کھڑا کیا اور سب لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ اس وقت میں وہاں حاضر تھا غائب نہیں تھا، میں صحت مند تھا بیمار نہیں تھا، اگر مجھے حضور آگے کھڑا کرنا چاہتے تو حضور مجھے آگے کھڑا کر دیتے، لیکن ایسا نہیں کیا۔ اس لئے جس ہستی کو اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے دین کیلئے پسند فرمایا ہم اس کو اپنی دنیا کیلئے بھی پسند کرتے ہیں۔"

حضرت صدیق اکبر کے خلیفہ برحق ہونے کیلئے ان روشن دلائل کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک بار نہیں بار بار حکم دیا کہ مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ "ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔" ازواج مطہرات نے جب اس حکم میں آڑے آنے کی کوشش کی تو حضور نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود علی مرتضیٰ نے یہ فیصلہ دیا کہ جب اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے دین کیلئے حضرت صدیق اکبر کو پسند کیا ہے تو ہم اپنی دنیا کیلئے بھی انہیں ہی پسند کرتے ہیں۔

1۔ ایضاً، صفحہ 164

2۔ ایضاً

جمعرات کے دن بیماری نے مزید شدت اختیار کرلی، حضور نے چاہا کہ اپنی امت کی راہنمائی کیلئے کچھ ہدایات لکھ دیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت ابو بکر کے بیٹے حضرت عبدالرحمن کو فرمایا، جاؤ اور میرے پاس ایک تختی لاؤ کہ اس پر میں ابو بکر کے بارے میں لکھ دوں تاکہ اس کے ساتھ کوئی نزاع اور اختلاف نہ کرے۔ تعمیل ارشاد کیلئے جب حضرت عبدالرحمن اٹھ کر جانے لگے تو حضور نے فرمایا:

أَبَى اللهُ وَالْمُؤْمِنُونَ أَنْ يُخْتَلَفَ عَلَيْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ (1)

"اے ابو بکر! اللہ تعالیٰ اور اس کے ایماندار بندے اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ تمہارے بارے میں کوئی اختلاف کریں۔"

وفات سے دو روز پہلے

ہفتہ یا اتوار کو سرکار دو عالم ﷺ کے مرض میں تخفیف ہوئی تو سرکار دو عالم ﷺ دو آدمیوں کا سہارا لے کر پاؤں گھسیٹتے ہوئے مسجد کی طرف تشریف لے گئے۔ صدیق اکبر جماعت کرا رہے تھے۔ انہوں نے حضور کی آہٹ سنی تو پیچھے ہٹنے لگے۔ حضور نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو۔ حضور آگے بڑھ کر ابو بکر کی بائیں جانب بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور صدیق اکبر کھڑے ہو کر۔ صدیق اکبر اللہ کے رسول کی اقتداء کر رہے تھے اور دوسرے لوگ حضرت ابو بکر کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے تھے۔ پھر رحمت عالم ﷺ نے منبر شریف پر قدم رنجہ فرمایا اور وہ خطبہ ارشاد کیا جو حضور کی ظاہری حیات طیبہ کا آخری خطبہ تھا۔ فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے، چاہے تو وہ دنیا کی زیب و زینت کو پسند کرلے اور چاہے تو جو انعام و اکرام اللہ کے پاس ہے اس کو اختیار کرلے۔

چنانچہ اس بندے نے جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس کو اختیار کرلیا ہے۔

یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق زار و قطار رونے لگے اور عرض کی

بِأَبِي وَأُمِّي نَفْدِيكَ بِآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا وَأَنْفُسِنَا وَ أَمْوَالِنَا يَا رَسُولَ اللهِ

1۔ ایضاً

2۔ زینی دحلان، "السیرۃ النبویہ"، جلد 3، صفحہ 318

"میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں ہم اپنے باپوں، ماؤں، اپنی جانوں اور اپنے اموال کو حضور کے عوض بطور فدیہ پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ حضور کو ہمیشہ سلامت رکھے۔"

اپنے یار غار کی یہ محبت بھری گفتگو سن کر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا وَلَكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ لَا يَبْقَى فِي الْمَسْجِدِ خَوْخَةٌ إِلَّا سُدَّتْ إِلَّا خَوْخَةَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ۔ (1)

"اپنی صحبت اور اپنے مال میں سے تمام لوگوں سے ابو بکر زیادہ احسان کرنے والا ہے، اگر میں اہل زمین سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا۔ لیکن اس کے درمیان اور میرے درمیان اسلامی اخوت کا رشتہ ہے۔ پھر فرمایا مسجد میں کوئی دریچہ نہ رہنے دیا جائے سوائے ابو بکر کے دریچہ کے۔"

وفات سے ایک روز قبل

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ اس بیماری کے دوران نبی کریم ﷺ نے مجھ سے دریافت کیا، اے عائشہ! وہ دینار کہاں ہیں؟ حضرت عائشہ فوراً اٹھیں اور آٹھ دینار جو رکھے ہوئے تھے لے آئیں اور اپنے آقا کی بارگاہ میں پیش کر دیے۔ حضور دیناروں کو اپنے مبارک ہاتھ میں کچھ دیر الٹ پلٹ کرتے رہے، پھر فرمایا، اے عائشہ! اگر میں یہ دینار اپنے گھر میں چھوڑ کر اپنے پروردگار سے ملاقات کروں تو میرا پروردگار کیا فرمائے گا کہ میرے بندے کو مجھ پر اعتماد نہیں تھا؟ عائشہ! ان کو فوراً مساکین میں تقسیم کر دو۔ چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حبیب کے گھر میں جو آخری پونجی تھی، اسے نکال کر مساکین میں تقسیم کر دیا۔

1۔ ایضاً

وہ ذات اقدس واطہر جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے سارے خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرمادی تھیں، اس کے گھر کی یہ کیفیت تھی کہ زندگی کی آخری رات میں چراغ میں تیل نہیں تھا۔ حضرت صدیقہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنا چراغ اپنی ایک پڑوسن کی طرف بھیجا اور کہا کہ اپنی تیل والی کپی سے چند قطرے اس چراغ میں ڈال دو تاکہ آج کی رات گزر جائے۔(1)

حیات طیبہ کے آخری دنوں میں حضور نے پچھتر سیر جو، ایک یہودی سے بطور قرضہ لئے تھے اور اس کی قیمت کے عوض اپنی زرہ اس کے پاس بطور رہن رکھی ہوئی تھی۔ انہی دنوں حضور نے چالیس غلام آزاد فرمادیئے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے سنا ہوا تھا کہ نبی اس وقت تک وفات نہیں پاتا جب تک اس کو دنیا و آخرت میں سے کوئی چیز پسند کرنے کا اختیار نہ دیا گیا ہو۔ چنانچہ حضور کے آخری مرض میں، میں نے رحمت عالم ﷺ کو یہ آیت پڑھتے سنا:

أُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا۔ (2)

"اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی۔"

میں سمجھ گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا ہے اور حضور سرکار دوعالم ﷺ نے ان گروہوں کو قبول کیا ہے۔ حضرت صدیقہ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے ان گنت احسانات ہیں۔ ان میں سے بڑا احسان یہ ہے کہ حضور نے میرے حجرے میں اور میری باری کے دن میرے سینے اور گردن کے درمیان وصال فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے لعاب دہن اور حضور کے لعاب دہن کو آپس میں ملادیا۔ وہ اس طرح کہ اس دن میرے بھائی حضرت عبدالرحمٰن میرے گھر آئے، ان کے ہاتھ میں مسواک تھی، میں حضور ﷺ کو اپنے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ میں نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام حضرت

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 164

2۔ سورہ النساء: 69

عبدالرحمٰن کی طرف غور سے دیکھ رہے ہیں۔ میں سمجھ گئی کہ حضور مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ ارشاد ہو تو میں حضور کیلئے عبدالرحمٰن سے مسواک لے لوں۔ آپ نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا۔ چنانچہ میں نے اپنے بھائی سے مسواک لی۔ میں نے دیکھا کہ وہ سخت تھی۔ میں نے عرض کی، ارشاد ہو تو میں اس کو حضور کیلئے نرم کر دوں؟ حضور انور نے اپنے سر مبارک سے اشارہ کیا کہ ہاں۔ پس میں نے اس کو اپنے دانتوں میں چبا کر نرم کیا اور حضور نے وہ لے لی۔ حضور کے سامنے پانی کا برتن پڑا تھا، حضور اس پانی میں ہاتھ مبارک ڈالتے تھے اور اپنے چہرے پر پھیر لیا کرتے اور فرماتے "لا الٰہ الا اللہ" پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دست مبارک کھڑا کیا اور یہ فرمانے لگے۔ فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَىٰ

ظاہری حیات مبارکہ کا آخری دن

حسب ارشاد نبوی حضرت صدیق اکبر مسلمانوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے یہاں تک کہ سوموار کے دن صبح کی نماز کا وقت آگیا اور تمام مسلمان صفیں باندھ کر اپنے رب کریم کی عبادت کرنے کیلئے کھڑے ہوگئے۔ رحمت دو عالم ﷺ اپنی چارپائی سے اتر کر دروازے کے قریب تشریف لے آئے۔ دروازے پر پردہ آویزاں تھا، اس کو ایک طرف سرکا دیا۔ اس وقت یہ روح پرور منظر اللہ تعالیٰ کے حبیب نے دیکھا کہ اسلام کا جو درخت حضور نے اپنے دست مبارک سے لگایا تھا وہ حضور کی حیات طیبہ میں ہی ایک تناور درخت بن گیا ہے۔ اس کی جڑیں پاتال تک اور اس کی شاخیں آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی ہیں تو حضور کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ حضور نے تبسم فرمایا۔ صحابہ کو جب معلوم ہوا کہ ان کا آقا انہیں دیکھ رہا ہے تو دیدار کیلئے یوں بے چین ہوئے کہ قریب تھا کہ یارائے ضبط نہ رہے اور وہ نماز توڑ دیں لیکن رحمت عالم ﷺ نے اشارہ کیا أَتِمُّوا صَلٰوتَكُمْ کہ اپنی نماز مکمل کرو۔ حضور پیچھے ہٹ آئے اور پھر اس پردہ کو دروازے پر آویزاں کر دیا۔

اس روز کاشانہ اقدس سے حضرت عباس اور سیدنا علی مرتضیٰ باہر تشریف لائے۔ ایک شخص آپ سے ملا۔ اس نے پوچھا كَيْفَ أَصْبَحَ رَسُولُ اللّٰهِ يَا أَبَا الْحَسَنِ؟ "اے ابو الحسن! حضور کے مزاج مبارک کیسے ہیں؟" آپ نے جواب دیا أَصْبَحَ بَرِيئًا "حضور اب صحت یاب ہیں۔" حضرت عباس نے سیدنا علی مرتضیٰ کو کہا کہ تین دن کے بعد تم ماتحت ہو جاؤ گے۔ پھر

دونوں تنہائی میں چلے گئے۔ حضرت عباس نے سیدنا علی مرتضیٰ کو کہا کہ میں خاندان عبد المطلب کے چہروں کو خوب پہچانتا ہوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس بیماری سے صحت یاب نہیں ہوں گے۔ چلو حضور کی خدمت میں حاضر ہوں اور دریافت کریں کہ اگر اس کام کی ذمہ داری حضور ہمیں سونپنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس بات کا علم ہو جائے اور اگر یہ ذمہ داری کسی اور کو تفویض فرمانے والے ہیں تو پھر اس شخص سے ہماری سفارش فرما دیں کہ وہ ہر طرح ہمارا خیال رکھے۔ سیدنا علی مرتضیٰ نے فرمایا، اگر رحمت عالم ﷺ نے نہ کر دی تو پھر ہم کبھی بھی اس منصب پر فائز نہیں ہو سکیں گے، اس لئے میں تو اس کے بارے میں سرور عالم ﷺ سے کوئی استفسار نہیں کروں گا۔(1)

اس بات سے یہ امر واضح ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی مرتضیٰ کو یا کسی دوسرے شخص کو اپنا وصی مقرر نہیں فرمایا تھا۔ ورنہ اس مکالمہ کی ضرورت ہی نہ تھی۔ حضرت علی مرتضیٰ حضرت عباس کو یہ جواب نہ دیتے۔

امام بخاری حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے ان کو بتایا کہ رسول کریم ﷺ جب بیمار ہوتے تو معوذات کی سورتیں پڑھ کر اپنے دست مبارک پر پھونکتے پھر اپنا دست مبارک اپنے سارے جسم پر پھیرتے۔ اس آخری علالت میں، میں یہ معوذات پڑھ کر حضور کو دم کرتی اور حضور کا دست مبارک پکڑ کر حضور کے جسم پر بطور تبرک پھیرتی۔(2)

نیز مروی ہے کہ جس مرض میں حضور نے وصال فرمایا، اس مرض کے ایام میں حضور نے کبھی اپنی شفا کی دعا نہیں کی۔

حَتّٰی کَانَ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْہِ فَاِنَّہٗ لَمْ یَدْعُ بِالشِّفَآءِ۔ (3)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، آپ نے فرمایا، ایک روز رحمت عالم ﷺ کی تمام ازواج مطہرات حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 165

2۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 4، صفحہ 448

3۔ مصدر سابق، صفحہ 162

اسی اثناء میں حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء آتی ہوئی نظر آئیں آپ کی چال میں اور آپ کے والد بزرگوار کی چال میں ذرا تفاوت نہ تھا۔ حضور نے جب اپنی لخت جگر کو دیکھا، فرمایا مَرْحَبًا یَا بِنْتِیْ "اے میری بیٹی! میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔" پھر حضور نے انہیں اپنی ایک جانب بٹھایا، پھر ان سے سرگوشی کی۔ آپ زار و قطار رونے لگیں، پھر دوبارہ سرگوشی کی، حضرت سیدہ اب ہنسنے لگیں۔ حضرت ام المومنین کہتی ہیں کہ میں نے عرض کی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے آپ سے سب سے علیحدہ ہو کر راز کی بات کی ہے اور آپ رو رہی ہیں۔

تھوڑی دیر آپ حاضر خدمت رہیں۔ جب واپس جانے لگیں تو میں نے پوچھا کہ اے اپنے پدر بزرگوار کی نور نظر! حضور نے آپ سے کیا سرگوشی کی ہے؟ آپ نے فرمایا، میں اللہ کے رسول ﷺ کے راز کو افشاء نہیں کر سکتی۔

پھر حضور کا وصال ہو گیا۔ میں نے ایک مرتبہ پھر درخواست کی کہ وہ حق جو میرا آپ پر ہے، اس کا واسطہ دے کر آپ سے پوچھتی ہوں کہ مجھے بتائیے اس روز رحمت عالم ﷺ نے آپ سے کیا سرگوشی کی تھی۔ آپ نے جواب دیا، ہاں اب میں اس راز سے پردہ اٹھانے کیلئے تیار ہوں۔

آپ نے بتایا کہ پہلی بار جب سرکار دو عالم نے میرے ساتھ سرگوشی کی تو فرمایا اے فاطمہ! جبرئیل اس سے پہلے ہر سال میرے ساتھ ایک بار قرآن کریم کا دور کیا کرتے تھے اس سال انہوں نے دو مرتبہ میرے ساتھ قرآن کریم کا دور کیا ہے اور میرا خیال ہے اب میرے وصال کی گھڑی قریب آگئی ہے۔ اے میری نور نظر! اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہنا اور اس مصیبت پر صبر کرنا، میں تمہارے لئے بہترین پیشرو ہوں۔

علامہ دیار بکری نے "تاریخ الخمیس" میں مزید لکھا ہے:

وَاِنَّكِ اَوَّلُ اَهْلِ بَيْتِيْ لُحُوْقًا بِيْ وَنِعْمَ السَّلَفُ اَنَا لَكِ (1)

"اور اے فاطمہ! تم میرے تمام اہل بیت سے پہلے مجھ سے ملو گی اور میں تمہارے لئے بہترین پیشرو ہوں۔"

یہ فراق کی خبر سن کر میں رونے لگی۔ دوبارہ میرے آقا نے میرے کانوں میں راز سے

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 1، صفحہ 162

ایک بات کہی فرمایا:

أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُونِيْ سَيِّدَةَ نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ أَوْ سَيِّدَةَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ فَضَحِكْتُ۔ (1)

"اے فاطمہ! کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو تمام اہل ایمان کی خواتین کی سردار بنادی جائے یا فرمایا اس امت کی تمام خواتین کی سردار بنادیا ہے یہ مژدہ جانفزا سن کر میں ہنس پڑی۔"

اثنائے مرض نبی رحمت ﷺ نے صدیقہ امت کو فرمایا۔

يَا عَائِشَةُ لَمَا أَزَالُ أَجِدُ أَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِيْ أَكَلْتُ بِخَيْبَرَ وَهٰذَا أَوَانٌ وَجَدْتُ انْقِطَاعَ أَبْهَرِيْ مِنْ ذٰلِكَ السُّمِّ (2)

"اے عائشہ! خیبر کے روز جو زہریلا کھانا مجھے کھلایا گیا تھا اس کا درد میں ہمیشہ محسوس کرتا رہا اور اس وقت اس زہر سے میری شہ رگ کٹ رہی ہے۔"

اس لئے بعض صحابہ نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کیلئے دونوں سعادتیں جمع فرمادیں تھیں۔ آپ کو منصب نبوت پر بھی سرفراز فرمایا اور سعادت شہادت سے بھی بہرہ ور کیا۔

حضرت سیدۃ النساء کو مژدۂ ملاقات سنانے کے بعد ان کیلئے بارگاہ خداوندی میں یہ دعا مانگی:

اے خدا! میری جدائی میں میری نور نظر کو صبر کرنے کی توفیق عطا فرمانا۔

پھر حضور نے حضرت سیدہ کو فرمایا کہ حسن و حسین کو میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ معصوم شہزادے حاضر ہوئے اور اپنے محبوب جد کریم کو تکلیف میں دیکھا تو انہوں نے گریہ وزاری شروع کر دی۔ ان کا گریہ اتنا دردناک تھا کہ انہیں دیکھ کر سارے گھر والے گریہ کرنے لگے۔ حضور نے اپنے ان دونوں پھولوں کو بوسہ دیا اور صحابہ کرام اور تمام امت کو وصیت کی کہ وہ ان شہزادگان کا ادب واحترام ملحوظ رکھیں۔ اپنے شہزادوں کو یوں روتا دیکھ کر حضور پر بھی گریہ طاری ہو گیا۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور سے رونے کی

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 4، صفحہ 448

2۔ ایضاً، صفحہ 449

وجہ پوچھی تو حضور نے فرمایا، میں اپنی امت کیلئے گریہ کناں ہوں کہ میرے بعد ان کا کیا حال ہوگا؟

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی "مدارج النبوۃ" میں رقمطراز ہیں:

"کہ آخری دن سرکار دو عالم ﷺ نے تمام ازواج مطہرات کو یکے بعد دیگرے الوداع فرمایا اور سپرد خدا کیا۔ نیز انہیں پند و نصائح سے مشرف کیا۔ پھر فرمایا میرے بھائی علی کو بلاؤ۔ آپ حاضر ہوئے تو آپ نے حضور کے سر مبارک کو اپنے زانو پر رکھا۔ سرور عالم ﷺ نے سیدنا علی کو فرمایا کہ میں نے فلاں یہودی سے اتنے درہم قرضہ لیا تھا تاکہ اسامہ کے لشکر کی تیاری میں صرف کروں۔ تم وہ رقم اس یہودی کو ادا کر دینا خبردار! بھول نہ جانا۔ پھر انہیں خطاب فرمایا، حوض کوثر پر سب سے پہلے تو میرے پاس پہنچے گا۔ پھر فرمایا، کاغذ اور دوات لے آؤ تاکہ تمہارے لئے وصیت قلمبند کروں۔ سیدنا علی فرماتے ہیں کہ مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں قلم دوات لینے جاؤں اور حضور رحلت فرما جائیں۔ میں نے عرض کی، یارسول اللہ! حضور جو وصیت فرمانا چاہتے ہیں وہ ارشاد فرمائیں میں اسے یاد رکھوں گا۔ سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ نے آخری وصیت سیدنا علی کو جو فرمائی وہ یہ دو جملے تھے۔ اَلصَّلٰوةُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ "نماز کی پابندی کرنا اور اپنے غلاموں کے آرام و آسائش کو ملحوظ رکھنا۔ (1)

علامہ ابن کثیر نے حضور کی آخری وصیت یوں درج کی ہے:

اُوْصِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (2)

"میں تمہیں نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کی وصیت کرتا ہوں اور ان غلاموں کے بارے میں جن کے تم مالک ہو۔"

حضرت جبرئیل کی بارگاہ نبوت میں حاضری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور کی علالت کے دنوں میں ایک رات جبرئیل امین نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:

1۔ "مدارج النبوۃ" جلد 2۔ 430-432

2۔ مصدر سابق، صفحہ 472

إِنَّ اللّٰهَ يُقْرِءُكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ كَيْفَ تَجِدُكَ؟

"اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور پوچھتا ہے کہ آپ کا کیا حال ہے۔"

حضور نے جواب دیا مجھے درد کی شدید تکلیف ہے۔ دوسری رات پھر جبرئیل امین حاضر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام پہنچایا اور مزاج پرسی کی۔ حضور نے وہی جواب دیا جو گذشتہ رات عرض کیا تھا۔ تیسری رات سوموار کی رات جبرئیل امین پھر حاضر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام پہنچایا اور مزاج پرسی کی۔ اس اثناء میں ملک الموت در اقدس پر حاضر ہوئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ جبرئیل امین نے بارگاہ رسالت میں عرض کی، یارسول اللہ! ملک الموت دروازے پر حاضر ہے اور اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔ ساتھ ہی عرض کی کہ ملک الموت نے اندر آتے ہوئے آج تک کسی سے اجازت طلب نہیں کی اور نہ حضور کے بعد وہ کسی سے اجازت طلب کرے گا۔ حضور نے فرمایا، ملک الموت کو اندر آنے کی اجازت ہے۔ آپ حجرہ شریف میں داخل ہوئے اور حضور کے سامنے دست بستہ باادب کھڑے ہو گئے۔ عرض کی، یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے حضور کی خدمت میں بھیجا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ کے ہر فرمان کی تعمیل کروں، اگر حضور مجھے روح قبض کرنے کی اجازت دیں گے تو میں روح قبض کروں گا اور اجازت نہیں دیں گے تو میں روح اطہر کو جسد اقدس میں ہی چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ حضور نے پوچھا کہ واقعی تم ایسا ہی کرو گے؟ انہوں نے عرض کی، مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں حضور کے ہر ارشاد کو بجالاؤں۔ جبرئیل امین بولے یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کے لئے بڑا مشتاق ہے۔ حضور نے ملک الموت کو اجازت دیدی کہ حضور کی روح مبارک کو قبض کرلیں۔(1)

آخری لمحات

آخرت لمحات میں حضرت صدیقہ نے اپنے آقا کا دست مبارک پکڑا ہوا تھا اور حضور کے جسم پر پھیر رہی تھیں اور یہ جملے دہرا رہی تھیں جو حضور بیماری کے اوقات میں اکثر دہرایا کرتے تھے:

أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا

1۔ "تاریخ الخمیس"، جلد 2، صفحہ 165-166

شِفَآءً اِلَّا شِفَآءُكَ شِفَآءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا۔

(متفق علیہ)

"اے سب لوگوں کے پروردگار اس تکلیف کو دور فرمادے۔ اے شفا دینے والے مجھے شفا دیدے۔ تیری شفا کے بغیر کوئی شفا نہیں ایسی شفا جو بیماری کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔"

حضور نے اچانک دست مبارک میرے ہاتھ سے کھینچ لیا پھر زبان اقدس سے کہا :

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَاَلْحِقْنِيْ بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى

"اے میرے پروردگار مجھے بخش دے اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملادے۔"

ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں، جس وقت رحمت عالم ﷺ کی روح مبارک جسم اطہر سے نکل کر سوئے رفیق اعلیٰ روانہ ہوئی تو میں نے ایسی خوشبو سونگھی جو میں نے آج تک کبھی نہیں سونگھی تھی۔(1)

حضرت ام المومنین ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور کے سینہ مبارکہ پر اس روز اپنا ہاتھ رکھا۔ کئی ہفتوں تک میرے ہاتھ سے خوشبو آتی رہی، کئی ہفتے مجھے نہ بھوک لگی نہ کھانا کھایا اور نہ وضو کی ضرورت محسوس ہوئی۔(2)

صاحب مواہب اللدنیہ یہاں رقمطراز ہیں :

کہ جب انوار الٰہی اور تجلیات ربانی کا ظہور ہوا تو عالم محسوسات کے ساتھ حضور کا تعلق ضعیف ہونے لگا اور حضور کے احوال و درجات میں مزید ترقی اور علو ہونے لگا۔ اسی لئے سرور کائنات ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا :

كُلُّ يَوْمٍ لَا اَزْدَادُ فِيْهِ قُرْبًا مِّنَ اللّٰهِ فَلَا بُوْرِكَ لِيْ فِيْ طُلُوْعِ شَمْسِهٖ۔

"ہر وہ دن جس میں اللہ تعالیٰ سے پہلے سے زیادہ قرب حاصل نہ کروں اس روز سے سورج کے طلوع ہونے میں میرے لئے کوئی برکت نہ ہو۔"

جب حضور نچلے درجے سے ارفع و اعلیٰ درجہ کی طرف عروج فرماتے تھے تو حضور کو

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 4، صفحہ 472

2۔ ایضاً

پہلا مقام ناقص نظر آتا تھا۔ حضور محبت کے مرکب پر سوار ہو کر قرب کی یہ منزلیں طے فرماتے رہے اور محبت سے بہتر اور کوئی مرکب نہیں ہے۔ یہ مرحلے، یہ مقامات اور یہ احوال صرف محبت کے مرکب پر سوار ہو کر ہی طے کیے جاسکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عظمت کا یہ سفر صرف اسی سواری کے ذریعے طے ہوتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کا ظہور زیادہ ہونے لگا تو عالم محسوسات کے ساتھ تعلق میں ضعف پیدا ہوتا گیا۔ حضور کا ہر حال گزشتہ احوال سے اعلیٰ وارفع ہوتا تھا اسی لئے سرور دو عالم ﷺ سے یہ ارشاد گرامی مروی ہے۔

كُلُّ يَوْمٍ لَا أَزْدَادُ فِيهِ قُرْبًا مِّنَ اللّٰهِ فَلَا بُورِكَ لِي مِنْ طُلُوعِ شَمْسِهٖ۔

"ہر وہ دن جس میں اللہ تعالیٰ کے قرب میں اضافہ نصیب نہ ہو اس سورج کے طلوع ہونے میں میرے لئے کوئی برکت نہیں۔"

حضور نے صحابہ کرام کو اپنے گھر میں جمع کیا اور آخری پندو نصائح سے مشرف فرمایا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رحمت عالم ﷺ کے مرض میں شدت ہوگئی تو سرور عالم ﷺ نے ہم سب کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر جمع فرمایا اور ہماری طرف الوداعی نظروں سے دیکھا یہاں تک کہ حضور کی چشمان مبارک اشک آلود ہوگئیں۔ پھر ہمیں ارشاد فرمایا کہ فراق کی گھڑی نزدیک آگئی۔

پھر فرمایا:

مَرْحَبًا بِكُمْ حَيَّاكُمُ اللّٰهُ هَدَاكُمُ اللّٰهُ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ، نَفَعَكُمُ اللّٰهُ، وَفَّقَكُمُ اللّٰهُ سَدَّدَكُمُ اللّٰهُ وَقَاكُمُ اللّٰهُ اَعَانَكُمُ اللّٰهُ، قَبِلَكُمُ اللّٰهُ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ، وَاُوْصِي اللّٰهَ بِكُمْ وَاَسْتَخْلِفُهٗ عَلَيْكُمْ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ، اَلَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ فِيْ عِبَادِهٖ وَبِلَادِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ قَالَ لِيْ وَلَكُمْ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ

لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔

(1)

"میں تمہیں مرحبا کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ و سلامت رکھے، تمہیں ہدایت ارزانی فرمائے، ہر قدم پر تمہاری مدد فرمائے، تمہیں نفع سے بہرہ ور کرے، تمہیں راہ راست پر چلائے، اللہ تعالیٰ تمہیں ہر شر اور ہر تکلیف سے بچائے، اللہ تعالیٰ ہمیشہ تمہاری مدد فرمائے، تمہارے نیک اعمال کو قبول فرمائے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔ میں اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہوں کہ وہ تمہارا نگہبان ہو۔ میں تم پر اسے اپنا خلیفہ بناتا ہوں۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ خبردار! اللہ تعالیٰ کے بندوں اور ان کے شہروں میں کبر و غرور نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اور تمہیں بھی یہ فرمایا ہے کہ دار آخرت ہم ان لوگوں کو عطا کریں گے جو زمین میں تکبر نہیں کرتے اور فساد برپا نہیں کرتے اور نیک انجام پرہیز گاروں کیلئے ہے۔"

ہم نے عرض کی یارسول اللہ! حضور کا وصال کب ہوگا؟ فرمایا، مقررہ گھڑی بالکل قریب آرہی ہے۔ میں اللہ کی طرف لوٹ کر جانے والا ہوں اور سدرۃ المنتہیٰ میری منزل ہوگی۔

ہم نے عرض کی یارسول اللہ! حضور کو غسل کون دے گا، فرمایا، میرے اہل بیت میں سے جو مرد اور میرے قریبی رشتہ دار ہوں گے، ان کے ساتھ کثیر تعداد فرشتوں کی ہوگی جو تمہیں دیکھیں گے لیکن تم ان کو نہیں دیکھ سکو گے۔

پھر عرض کیا ہم حضور کو کفن کن کپڑوں میں دیں گے؟

فرمایا، اگر تم چاہو جو لباس میں نے پہنا ہوا ہے، اس میں کفن دے دیں یا یمن کی چادروں میں یا مصر کے سفید کپڑوں میں۔

پھر عرض کی، یارسول اللہ! حضور کی نماز جنازہ کون پڑھائے گا؟

1۔ ایضاً، صفحہ 502

حضور کی چشم مبارک میں آنسو چھلکنے لگے اور ہم پر بھی گریہ طاری ہو گیا۔ فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے اور اپنے نبی کے ساتھ جو جاں نثارانہ اور مخلصانہ برتاؤ تم نے کیا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ جب تم مجھے غسل دے چکو اور خوشبو لگا کر کفن پہنا چکو تو میری قبر کے کنارے پر میری چارپائی رکھ دینا۔ پھر ایک ساعت کیلئے میرے پاس سے باہر چلے جانا۔ سب سے پہلے میرے دو دوست اور ہم نشین میری نماز جنازہ پڑھیں گے یعنی جبرئیل و میکائیل۔ اس کے بعد حضرت اسرافیل پھر ملک الموت ملائکہ کے لشکر جرار سمیت یہ سعادت حاصل کرے گا۔ ان کے بعد میرے اہل بیت کے مرد میری نماز جنازہ پڑھیں گے، پھر ان کی مستورات یہ سعادت حاصل کریں گی، پھر یکے بعد دیگرے فوج در فوج مجھ پر داخل ہونا اور نماز جنازہ پڑھنا۔ کوئی رونے والی، کوئی چلانے والی اور فغاں کرنے والی مجھے اذیت نہ پہنچائے۔ میرے صحابہ میں سے جو آج یہاں موجود نہیں، انہیں میرا اسلام پہنچانا اور میں تمہیں اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ میں ہر اس شخص کو سلام دے رہا ہوں جو اسلام میں داخل ہوا۔ جس نے میرے دین میں میری پیروی کی، آج سے روز قیامت تک۔

پھر عرض کی گئی، یا رسول اللہ! مرقد انور میں حضور کو کون داخل کرے گا؟

فرمایا-- میرے اہل بیت کے مرد، جتنا کوئی میرے قریب ہو۔ ان کے ہمراہ ان گنت فرشتے ہونگے جو تمہیں تو دیکھ رہے ہوں گے لیکن تم انہیں نہیں دیکھ سکو گے۔ (1)

وفات شریف کا وقت، دن، مہینہ اور سال

حضرت صدیق اکبر نے حضرت صدیقہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کس روز انتقال کیا۔ فرمایا، سوموار کے دن۔ حضرت ابو بکر نے یہ سن کر فرمایا، مجھے بھی امید ہے کہ میں اسی روز وفات پاؤں گا۔ چنانچہ آپ نے سوموار کے روز ہی داعی اجل کو لبیک کہی۔ (2)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا، اے مسلمانو! تمہارے نبی کریم

1۔ ایضاً، صفحہ 503-505، ابو بکر البیہقی، "دلائل النبوۃ"، جلد 7، صفحہ 231

2۔ ایضاً

علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی پیدائش بھی سوموار کے دن ہوئی، آپ کی بعثت بھی سوموار کو ہوئی۔ مکہ مکرمہ سے ہجرت بھی سوموار کے دن ہوئی۔ مکہ مکرمہ کی فتح بھی سوموار کے دن ہوئی اور سورۂ مائدہ کی یہ آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ بھی سوموار کو نازل ہوئی اور حضور کریم ﷺ نے اسی مبارک دن رفیق اعلیٰ کی طرف رحلت فرمائی(1)

الیوم اکملت لکم کی آیت کے نزول میں حضرت فاروق اعظم کا قول یہ ہے کہ یہ آیت جمعہ کے روز نازل ہوئی۔ محمد ابن اسحاق سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماہ ربیع الاول شریف کی بارہ تاریخ کو اس عالم فانی سے عالم بقاء کی طرف رحلت فرمائی۔(2)

عمر شریف

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ نبی رحمت ﷺ کی عمر مبارک وصال کے وقت تریسٹھ سال تھی۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بھی تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور نے بعثت کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ میں اور دس سال مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا اور تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

اگرچہ عمر شریف کے بارے میں اور اقوال بھی ہیں لیکن صحابہ کرام کی کثیر تعداد نے حضرت ابن عباس سے عمر شریف تریسٹھ سال بتائی ہے یہی زیادہ صحیح، اوثق اور اکثر راویوں کی روایت ہے۔

سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

آخر وہ جاں فرسا لمحہ آہی گیا جب حضور ﷺ دلوں کو سوگوار، روحوں کو بے قرار اور دیدہ ہائے شوق کو اشکبار چھوڑ کر عالم فانی سے منہ موڑ کر عالم بقاء کی طرف روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کیلئے یہ لمحے قیامت سے کم نہ تھے۔ جس ہستی کو ایک لمحہ دیکھے بغیر ان کو قرار نہیں آتا تھا، کیا وہ روئے زیبا انہیں پھر کبھی نظر نہ آئے گا۔ یہ تصور کر کے وہ کانپ جاتے۔ ان

1۔ ایضاً، صفحہ 233 و ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 4، صفحہ 505

2۔ ایضاً، صفحہ 507 و حوالہ سابقہ، صفحہ 235

کے دلوں پر کلہاڑے چلنے لگتے اور بعض تو اپنے ہوش و حواس بھی فرط غم سے کھو بیٹھے تھے۔

سخ، مدینہ طیبہ کے نواح میں ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ حضرت صدیق اکبر اپنے اہل خانہ کے ہمراہ وہاں رہائش پذیر تھے۔ بارہ ربیع الاول سنہ 11 ہجری صبح کی نماز مسجد نبوی میں ادا کی۔ اس روز حضور کا مزاج گرامی سنبھلا ہوا تھا۔ آپ واپس اپنے گھر چلے گئے۔ چاشت کے وقت سانحہ ارتحال پیش آیا۔ ایک صحابی دوڑتے ہوئے گئے اور جا کر آپ کو اس روح فرسا حادثہ کی اطلاع دی۔ آپ فوراً واپس آئے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ صحابہ کی حالت غیر ہے، حضرت عمر خاص طور پر اپنے آپ میں نہیں ہیں۔ حجرہ مبارکہ میں حاضر ہوئے جہاں رحمت عالم ﷺ کا جسد اطہر رکھا ہوا تھا۔ چہرہ مبارک سے چادر ہٹائی، جبین سعادت پر بوسہ دیا، دل نیاز کیش کی طرف سے بارگاہ جمال میں ہدیہ نیاز و عقیدت پیش کیا اور باہر آ گئے۔ صحابہ کے مجمع میں ایک مختصر سی تقریر فرمائی جس سے صحابہ کرام کو کچھ صبر و قرار نصیب ہوا۔ دین کے غیر محفوظ مستقبل کے بارے میں جو اندیشے انہیں پریشان کر رہے تھے، ان میں تخفیف ہو گئی۔ اسی اثناء میں ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا جس نے آ کر یہ خبر سنائی کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار جمع ہیں اور سعد بن عبادہ کو (جو قبیلہ خزرج کے رئیس ہیں) اپنا امیر بنانے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور اب سب ان کی بیعت کرنے والے ہیں۔

آپ ہی بتائیے کہ کیا ابو بکر اور عمر یہ سن کر وہاں بیٹھے رہتے اور سقیفہ میں نہ جاتے اور انصار کو اپنی من مانی کرنے دیتے۔ اگر اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنا دیا جاتا اور حضرت سعد کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تو اس کے نتائج کتنے تباہ کن ہوتے۔ شاید آپ میں یہ ہمت ہو کہ آپ باد صرصر کے تند جھونکوں کو گلشن اسلام کی بیخ کنی کی اجازت دے دیں اور اس منظر کا بخوشی مشاہدہ کرتے رہیں لیکن ابو بکر و عمر یقیناً ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ یہ باغ، جو ان کے محبوب آقا نے لگایا تھا، اپنے خون ناب سے، اپنے پاک آنسوؤں سے اس کی آبیاری کی تھی اور اسے جواں کیا تھا۔ اپنے مرشد کی معیت میں انہوں نے بھی اپنی زندگیاں، اپنی توانائیاں اور جملہ صلاحیتیں اس دین حق کو پروان چڑھانے میں صرف کی تھیں۔ ان کا ایمان مجبور کر رہا تھا کہ یہاں مت بیٹھو بلکہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس خطرے کے مقام پر پہنچو جہاں نوزائیدہ اسلامی ریاست کو خطرہ در پیش ہے۔ اسلام سے قلبی تعلق اور اپنے آقا سے جو عہد وفا انہوں نے باندھا تھا، وہ ان دونوں کو کشاں کشاں وہاں لے گیا۔ آپ کا قطعاً ارادہ نہ تھا کہ آپ اپنی

خلافت کی بیعت لوگوں سے لیں۔ آپ نے تو فتنہ کی آگ بھڑک اٹھنے کی وحشت ناک خبر سنی تھی، اس کو بجھانے کیلئے وہاں تشریف لے گئے تھے۔ حالات نے اچانک ایسا رخ اختیار کیا کہ اس کے بغیر اور کوئی چارہ کار نہ رہا کہ آپ لوگوں کی بیعت کو قبول کریں۔ ایک لمحہ کی تاخیر کئی محشر بپا کر سکتی تھی۔

پندرہ صدیاں گزرنے کے بعد آج یہ الزام لگانا کہ آپ حضور کو یوں ہی چھوڑ کر چلے گئے، انہیں خلافت کا لالچ تھا، حضور سے محبت نہ تھی۔۔ یہ الزام انتہائی غیر ذمہ دارانہ ہے۔ جس شخص نے اپنا تن من دھن سب کچھ اپنے ہادی برحق کے قدموں پر نثار کر دیا ہو، جس نے ہر پر خطر موقع پر اپنے آقا کا ساتھ دیا ہو، دنیا میں کوئی بھی جس کے صدق و وفا کا مقابلہ نہ کر سکتا ہو، ایسی ہستی کے بارے میں اس قسم کا تصور بھی دل میں پیدا ہو تو اسے شیطان کی وسوسہ اندازی پر محمول کرنا چاہئے۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں جو کچھ ہوا، حالات نے جس تیزی کے ساتھ کروٹ لی اور اس پر جو انمٹ نتائج مرتب ہوئے، ان کی تاریخی اہمیت ناقابل انکار ہے اور اس تاریخی حیثیت نے اس واقعہ کو ایک چیستان بنا کر رکھ دیا ہے۔ طرح طرح کی روایات کا ایک طومار ہے جس میں حق کو باطل سے جدا کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ یہاں سنبھل سنبھل کر قدم اٹھاتے ہوئے ہم آگے بڑھیں گے۔ ہر قول اور حکایت کو روایت و درایت کی کسوٹی پر پرکھیں گے تاکہ حقیقت کا رخ زیبا نکھر کر سامنے آجائے۔ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا

اس بحث کو شروع کرنے سے پہلے ایک حقیقت کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ ہر زمانہ کا تالیف و تصنیف کا انداز جدا جدا ہوتا ہے۔ اگر ان خصوصیات کو پیش نظر نہ رکھا جائے تو ان کتب سے صحیح استفادہ نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ دیگر علوم کتب کی طرح تاریخ کی کتب جو مختلف زبانوں اور زمانوں میں مرتب کی گئی ہیں، ان کا اسلوب نگارش بھی جدا جدا ہے۔ آج کل تاریخ کی کتب لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر ایک واقعہ کے بارے میں مختلف اقوال مروی ہیں تو مصنف ان میں سے اپنا پسندیدہ قول نقل کر دیتا ہے اور دیگر اقوال نقل کرنا اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتا لیکن قدماء مورخین کا یہ اسلوب نہ تھا۔ انہیں ایک واقعہ کے بارے میں جتنے اقوال ملتے، وہ ان سب کو ضبط تحریر میں لاتے اور اس کو وہ اپنی علمی دیانت سمجھتے۔ لیکن اس کے ساتھ وہ ہر روایت کی

سند بھی بتمامہ نقل کر دیتے اور قاری سے یہ توقع کرتے کہ وہ خود فیصلہ کرے کہ ان میں سے کون سا قول صحیح اور کون سا غلط ہے۔ ہمارے طلبہ جو آج کل کے مورخین کی تصنیفات کے عادی ہیں وہ اس صورت حال سے واقف نہیں۔ ہر وہ قول جو وہ کسی کتاب میں دیکھتے ہیں، اسے مصنف کے سر تھوپ دیتے ہیں کہ طبری نے اپنی تاریخ میں یا ابن اثیر نے "الکامل" میں یا ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں یوں لکھا ہے۔ بے شک لکھا ہے لیکن ساتھ اس کے سند بیان کر کے اس نے اپنی مؤرخانہ ذمہ داری پوری کر دی۔ اب یہ فرض ہم پر عائد ہوتا ہے کہ ہم سوچیں اور صحیح و سقیم میں امتیاز کریں۔

اب چلئے ہم آپ کو سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف لے چلتے ہیں، وہاں جو واقعات رونما ہوئے ان کے بارے میں مختلف روایات آپ کے گوش گزار کرتے ہیں، پھر آپ کی عقل سلیم کو زحمت دیں گے کہ وہ خود فیصلہ کرے کہ ان میں سے کون سی بات قابل اعتماد ہے۔

پہلے ہم آپ کی خدمت میں طبری کی روایت کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جس کی ابتداء انہوں نے یوں کی ہے :

حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي مِخْنَفٍ الخ

"یہ واقعہ بیان کیا ہم سے ہشام بن محمد نے اور اس نے ابو مخنف سے روایت کیا۔"

اس کا خلاصہ درج ذیل ہے :

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع ہوا جس میں سعد بن عبادہ نے بھی شرکت کی اور بیماری کے باعث اپنے بیٹے کو اپنا متکلم (ترجمان) بنایا۔ تقریر میں انصار کا طویل تذکرہ کرنے کے بعد بتایا کہ انصار خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ حضور ان کی خدمات سے ہمیشہ خوش ہوئے اور جب یہاں سے رخصت ہوئے تو بھی ان سے خوش تھے۔ سب نے ان کی تائید کی اور فیصلہ کن انداز میں کہا کہ ہم تمہیں اپنا خلیفہ مقرر کرتے ہیں۔ ابھی گفتگو کا سلسلہ شروع تھا تو اس امکان پر بحث چھڑ گئی کہ اگر مہاجرین نے اسے نہ مانا تو پھر کیا ہو گا؟ بعض نے کہا، اس صورت میں ہم کہیں گے إِذًا مِنَّا أَمِيرٌ وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ کہ "ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے ہو۔" سعد نے کہا، یہ پہلی کمزوری ہے۔

ایک آدمی بھاگا ہوا حضرت عمر کے پاس آیا اور سارا ماجرا سنایا۔ انہوں نے حضرت صدیق

اکبر کو باہر بلایا اور سقیفہ کے حالات سے آگاہ کیا۔ دونوں بڑی سرعت سے ادھر روانہ ہوئے۔ راستہ میں ابو عبیدہ بھی مل گئے، ان کو بھی ہمراہ لے لیا۔ وہاں پہنچے تو حضرت عمر نے تقریر کرنا چاہی لیکن صدیق نے فرمایا، پہلے مجھے کچھ کہہ لینے دو۔ آپ نے مہاجرین کے حقوق کا تذکرہ کیا، انصار کے مناقب بھی بیان کئے اور فرمایا: فَنَحْنُ الْاُمَرَاءُ وَاَنْتُمُ الْوُزَرَاءُ "ہم مہاجرین امیر ہیں اور تم ہمارے وزیر ہو۔"

یہ سن کر حضرت حباب بن منذر اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے انصار کو خوب بھڑکایا کہ وہی امامت کے مستحق ہیں، انہیں چاہئے کہ وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہیں، یہ شہر ان کا ہے۔ ان زمینوں اور باغات کے وہ مالک ہیں، یہاں تعداد میں وہ زیادہ ہیں، مہاجرین غریب الدیار ہیں، تم نے انہیں اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ اگر یہ اقتدار میں حصہ دار بننے پر اصرار کریں تو مِنَّا اَمِیْرٌ وَّمِنْهُمْ اَمِیْرٌ "تو پھر ایک امیر ہم سے ہو اور ایک امیر ان سے۔" حضرت فاروق اعظم نے فرمایا، دو تلواریں ایک نیام میں نہیں سما سکتیں۔ بخدا! اہل عرب تمہاری امامت کو ہرگز تسلیم نہیں کریں گے جبکہ ان کے رسول قریش میں سے ہیں۔

حضرت حباب پھر اٹھے اور انصار کو مہاجرین کے خلاف بھڑکایا اور یہاں تک کہہ دیا کہ اگر مہاجرین نے تمہارے اس دعویٰ کو تسلیم نہ کیا تو انہیں مدینہ طیبہ سے جلاوطن کر دیں۔ حضرت فاروق نے بھی جواباً دھمکی دی۔ حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اِنَّكُمْ اَوَّلُ مَنْ نَصَرَ وَاٰزَرَ فَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ مَنْ بَدَّلَ وَغَيَّرَ۔

"اے گروہ انصار! تم نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے رسول کی مدد کی اور اعانت کی۔ پس اب اس کو تبدیل کرنے کا آغاز تم سے نہیں ہونا چاہئے۔"

یہ سن کر بشیر بن سعد کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔۔اے گروہ انصار! ہم نے جو خدمات انجام دی ہیں، ہم ان سے دنیوی مفاد ہرگز حاصل نہیں کرنا چاہتے۔ ہمارا ارادہ تو فقط یہ تھا کہ ہمارا پروردگار ہم سے راضی ہو جائے اور حضور کے حکم کی اطاعت کی توفیق مل جائے (یہاں یہ بھی ذکر کیا) کہ اوس نے خزرج کی برتری سے بچنے کیلئے آپ کی بیعت کی۔

انہی دو صاحبان (ہشام اور ابو مخنف) نے ایک دوسری روایت میں کہا ہے کہ حضرت سعد اپنی ہٹ پر پکے رہے۔ اور کہا بخدا! میں بیعت نہیں کروں گا جب تک میری ترکش کا

آخری تیر بھی ختم نہ ہو جائے۔ یہاں یہ بھی مذکور ہے :

وَكَانَ سَعْدٌ لَا يُصَلِّي بِصَلٰوتِهِمْ وَلَا يُجَمِّعُ مَعَهُمْ وَلَا يَحُجُّ وَلَا يُفِيضُ مَعَهُمْ (1)

"سعد نہ مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، نہ ان کے ساتھ جمعہ ادا کرتے تھے، نہ حج کرتے تھے اور نہ ان کے ساتھ افاضہ کرتے۔"

ان روایات کے مطالعہ سے قارئین کے دل میں انصار کے بارے میں بالعموم اور حضرت سعد بن عبادہ کے بارے میں اور حباب بن منذر کے متعلق بالخصوص طرح طرح کی غلط فہمیوں کا پیدا ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔ یعنی سب صحابہ اقتدار کے بھوکے تھے۔ اس کے لئے مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے۔ حباب نے مہاجرین کو مدینہ طیبہ سے نکال باہر کرنے کی بھی بار بار دھمکیاں دیں اور اپنی قوم کو ان کے خلاف خوب بھڑکایا۔ حضرت سعد نے بھی پورا پورا زور لگایا کہ وہ خلیفہ بن جائیں اور جب اس مقصد میں کامیاب نہ ہوئے تو ساری عمر الگ تھلگ بسر کر دی۔ غصہ اور ناراضگی کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر باجماعت نماز ادا کرنے اور جمعہ پڑھنے کے بھی روادار نہ تھے۔

قبیلہ اوس نے بیشک حضرت صدیق کی بیعت کی لیکن اس لئے نہیں کہ وہ اس منصب جلیل کے اہل تھے بلکہ بنو خزرج کے حسد کے باعث انہیں گوارا نہ تھا کہ خلافت کا منصب انہیں ملے۔ اسی طرح کے کئی وسوسے دل میں پیدا ہو سکتے ہیں اور اگر صورت حال در حقیقت ایسی ہی تھی تو پھر ان لوگوں کو تلاش کرنے میں ہماری مدد کیجئے جن کے مناقب رفیعہ اور اوصاف جمیلہ سے قرآن کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ جن کی للّٰہیت، جن کی خدا شناسی، جن کے جذبہ ایثار و خلوص پر نہ صرف امت مسلمہ کو بلکہ پوری انسانیت کو ناز ہے۔

لیکن جو اہل علم، ابن جریر طبری اور ان کے ہم عصر مؤلفین کے انداز تالیف کو جانتے ہیں، وہ اس قسم کی غلط فہمیوں کا شکار نہیں ہوتے۔ انہیں علم ہے کہ ابن جریر نے اس روایت کو سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم راویوں کے بارے میں تحقیق کریں کہ ان کی مرویات پر کہاں تک اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

اس روایت کے پہلے راوی ہشام بن محمد ہیں۔ یہ کون ہیں اور ان کے استاد مکرم ابو مخنف

1۔ ابن جریر الطبری، "تاریخ الامم والملوک" جلد 3، صفحہ 210

کون ہیں؟ یہ علم ہو جائے تو غلط فہمی کی بدلیاں از خود چھٹ جائیں گی اور حقیقت عیاں ہو جائے گی۔

حافظ شمس الدین الذہبی اپنی کتاب "میزان الاعتدال فی نقد الرجال" میں لکھتے ہیں کہ ان کا پورا نام ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ہے۔ علماء جرح و تعدیل نے ان کے بارے میں یوں اظہار خیال کیا ہے:

قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ إِنَّمَا كَانَ صَاحِبَ سَمَرٍ وَّ نَسَبٍ مَا ظَنَنْتُ أَنَّ أَحَدًا يُحَدِّثُ عَنْهُ قَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ غَيْرُهُ مَتْرُوكٌ قَالَ ابْنُ عَسَاكِرَ رَافِضِيٌّ لَيْسَ بِثِقَةٍ (1)

"امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ قصہ گو اور نسب بیان کرنے والا تھا۔ میں یہ خیال نہیں کرتا کہ کوئی شخص اس سے روایت کرتا ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں کہ وہ متروک ہے۔ ابن عساکر کی رائے ہے کہ وہ رافضی ہے، غیر ثقہ ہے۔"

اب ان کے استاد کے بارے میں سنئے۔ ابو مخنف کا نام لوط بن یحیی ہے۔

وَقَدْ كَانَ شِيْعِيًّا وَهُوَ ضَعِيْفٌ عِنْدَ الْأَئِمَّةِ۔ (2)

"یہ شیعہ تھا اور ائمہ فن کے نزدیک یہ ضعیف الحدیث ہے۔"

جس روایت کے دو راوی اس قسم کے ہوں وہ روایت کیونکر قابل اعتناء ہو سکتی ہے۔

اسی کتاب کے صفحہ نمبر 199 پر ایک دوسری روایت ہے جو صورت حال کا بالکل نیا نقشہ پیش کرتی ہے۔ روایت کی ابتداء میں تقریباً وہی حالات مذکور ہیں جب حضرت ابو بکر کو سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے اجتماع کی خبر ملی تو آپ حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ کی معیت میں فوراً وہاں پہنچے۔ حضرت عمر اس مجمع سے خطاب کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت صدیق خود گویا ہوئے۔ آپ نے اس خطاب میں انصار کے حق میں جو آیات نازل ہوئی تھیں اور جو ارشادات حضور کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے تھے، انہیں ذکر کیا اور فرمایا کہ تمہیں علم ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اگر سارے لوگ ایک وادی

1۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (م 784ھ)، "میزان الاعتدال فی نقد الرجال"، جلد 4، صفحہ 304

2۔ ایضاً

میں چلیں اور انصار دوسری وادی میں چلیں تو میں انصار کی وادی کو اختیار کروں گا۔
پھر فرمایا:

لَقَدْ عَلِمْتَ يَا سَعْدُ! أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَأَنْتَ قَاعِدٌ قُرَيْشٌ وُلَاةُ هٰذَا الْأَمْرِ فَبَرُّ النَّاسِ تَبَعٌ لِبَرِّهِمْ وَفَاجِرُهُمْ تَبَعٌ لِفَاجِرِهِمْ۔ (1)

”اے سعد! تم خوب جانتے ہو۔ تم اس وقت وہاں بیٹھے ہوئے تھے جب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خلافت کے حق دار قریش ہیں۔ نیک لوگ قریش کے نیک لوگوں کے فرمانبردار ہوں گے اور بدکار لوگ قریش کے بدکاروں کے تابعدار ہوں گے۔“

یہ سنتے ہی جیسے حضرت سعد کو ہوش آگیا اور ان کی آنکھیں کھل گئیں، آپ نے کہا:

صَدَقْتَ فَنَحْنُ الْوُزَرَاءُ وَأَنْتُمُ الْأُمَرَاءُ (2)

”اے ابو بکر! تو نے سچ کہا (جو قول رسالت مآب تو نے سنایا ہے، یہ سچ ہے۔ (میں اپنے دعوای سے دستکش ہوتا ہوں)۔ چنانچہ تم امراء ہو اور ہم تمہارے وزیر ہیں۔“

اس روایت میں نہ حضرت حباب کی دھمکیاں ہیں اور نہ حضرت سعد کی ہٹ دھرمی اور ضد کا کہیں ذکر ہے۔ ابتداء میں انصار کو یہ خیال گزرا کہ وہ خلافت کے زیادہ حق دار ہیں، اسی لئے یہ اجتماع انعقاد پذیر ہوا لیکن حضرت صدیق کی بروقت مداخلت سے یہ شرر، شعلہ بننے سے پہلے ہی بجھ گیا۔ جب انصار نے اپنے آقا کا ارشاد سنا کہ خلیفہ قریشی ہونا چاہئے، اسی وقت وہ اپنے ہر قسم کے مطالبے سے دست بردار ہوگئے۔ نہ تو تو، نہ میں میں، نہ کوئی جھگڑا اور نہ اظہار انانیت۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب نے بڑی جانفشانیوں سے جو امت تیار کی تھی، اس سے اسی قسم کے رویہ کی توقع کی جاسکتی تھی۔ جس امت کے سر پر خود خداوند عالم نے خیر الامم کا تاج سجایا، اس کی یہی شان ہونی چاہئے تھی۔ جس امت کی تعریف میں قرآن کریم کے صفحات جگمگا رہے ہیں، اس سے اس کے بغیر کسی چیز کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔

1۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (م 784ھ)، ”میزان الاعتدال فی نقد الرجال“، جلد 4، صفحہ 199

2۔ ایضاً

علامہ ابن خلدون نے بھی اس رائے کی بایں الفاظ تائید کی ہے :

لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَ کَانَ اَمْرُ السَّقِیْفَۃِ کَمَا قَدَّمْنَاہُ اَجْمَعَ الْمُھَاجِرُوْنَ وَ الْاَنْصَارُ عَلٰی بَیْعَۃِ اَبِیْ بَکْرٍ وَلَمْ یُخَالِفْ اِلَّا سَعْدٌ اِنْ صَحَّ خِلَافُہٗ لَمْ یُلْتَفَتْ اِلٰی شُذُوْذِہٖ۔ (1)

"اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے جب رحلت فرمائی اور سقیفہ کا واقعہ ہوا جیسے ہم نے پہلے بیان کیا ہے، تو تمام مہاجرین اور تمام انصار نے حضرت ابو بکر صدیق کی بیعت پر اتفاق کیا اور سعد کے علاوہ کسی نے مخالفت نہیں کی بشرطیکہ سعد کا اختلاف صحیح سند سے ثابت ہو جائے۔"

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں یہی روایت مخصوص سند کے ذریعہ سے نقل کی ہے کہ حضرت صدیق نے انصار کی تعریف کے بعد حضرت سعد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

لَقَدْ عَلِمْتَ یَا سَعْدُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ وَاَنْتَ قَاعِدٌ قُرَیْشٌ وُلَاۃُ ھٰذَا الْاَمْرِ فَبَرُّ النَّاسِ تَبَعٌ لِبَرِّھِمْ وَفَاجِرُھُمْ تَبَعٌ لِفَاجِرِھِمْ۔ فَقَالَ لَہٗ سَعْدٌ صَدَقْتَ فَنَحْنُ الْوُزَرَاءُ وَاَنْتُمُ الْاُمَرَاءُ۔

یہ بعینہ وہی الفاظ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے ہیں ان کا ترجمہ وہی ملاحظہ فرمالیں۔

طبقات ابن سعد میں جو روایت ہے اس میں بھی ان امور کا تذکرہ تک نہیں جو ہشام اور ابو مخنف کی مہربانی سے اس روایت کا حصہ بن گئے ہیں۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے دونوں قبیلوں (اوس و خزرج) نے نیز جو مہاجرین وہاں جمع ہو گئے تھے، ان سب نے حضرت صدیق اکبر کے دست مبارک پر خلافت کی بیعت کی۔ پھر آپ مسجد نبوی میں واپس آئے، جن لوگوں نے سقیفہ میں بیعت نہیں کی تھی انہوں نے یہاں حاضر خدمت ہو کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس طرح حضرت صدیق اکبر، حضور سرکار دو عالم ﷺ کے جانشین اور امت مسلمہ کے سربراہ چن لئے گئے۔ اس طرح سیاست کے میدان میں جن انقلاب آفرین تعلیمات کا ذکر حضور نے بار بار فرمایا تھا، آج وہ حقیقت

1۔ "تاریخ ابن خلدون"، جلد 3، صفحہ 856

بن کر دعوت نظارہ دے رہی تھیں۔

یہاں یہ امر تصفیہ طلب ہے کہ کیا سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے بیعت کی یا نہیں؟ اگر بیعت کی تو برضاء ورغبت کی یا جبر واکراہ سے، اسی وقت کی یا کچھ عرصہ گزرنے کے بعد۔ ان استفسارات کا جواب سننے کیلئے ہر شخص بے چین ہے۔

اگر ایک لمحہ کیلئے ہم ہر قسم کی روایات سے صرف نظر کرلیں، محض سیرت مرتضوی کی روشنی میں ان سوالات کا جواب تلاش کریں تو ہم بڑی آسانی سے اس فیصلہ پر پہنچ جائیں گے کہ آپ نے بیعت کی، اپنی خوشی سے کی اور اسی وقت کی۔ آپ کی للّٰہیت، دین کیلئے آپ کا خلوص، امت مسلمہ کیلئے آپ کا جذبہ خیر اندیشی، آپ کی بے عدیل شجاعت، مزید برآں آپ کی ہمہ صفت موصوف شخصیت-- ان تمام خرافات کے ابطال کیلئے کافی ہے۔ لیکن ہم ان روایات سے کلیتہً صرف نظر بھی نہیں کرسکتے۔ روایات کے اس ڈھیر سے نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ ہر قول کو روایت ودرایت کی کسوٹی پر پرکھا جائے، جو بات کھری ثابت ہو اسے قبول کرلیا جائے اور جو پایہ اعتبار سے ساقط ہو اس کو نظر انداز کردیا جائے۔

سب سے پہلے قارئین کی خدمت میں وہ روایت پیش کرتا ہوں جس کو شیعہ مصنفین نے بڑی شدومد سے اپنی کتب میں بیان کیا ہے اور ہر ایک نے اسے مزید رنگین بنانے کی پوری سعی کی ہے۔ بخدا! جی نہیں چاہتا کہ ایسے خرافات کا ذکر کرکے اپنا وقت بھی ضائع کروں اور قارئین کے اوقات عزیز کو بھی غارت کروں۔ لیکن محبت کا نقاب اوڑھ کر ناموس اہل بیت کو پامال کرنے والوں نے جو اودھم مچا رکھا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ حقیقت حال خواہ وہ انتہائی تلخ اور کربناک ہو، قارئین کو اس سے باخبر رکھا جائے۔

"ناسخ التواریخ" کے حصہ "تاریخ الخلفاء" کی جلد اول کے صفحہ 83 سے یہ حکایت شروع ہوتی ہے اور کئی صفحات پر پھیلتی چلی گئی ہے۔ کہ

> "دوسرے روز مسجد نبوی صحابہ کرام سے کھچا کھچ بھری ہے۔ حضرت عمر کے کہنے پر حضرت ابوبکر قنفذ کو بھیجتے ہیں کہ وہ حضرت علی کو حاضر دربار کریں۔ وہ جاتا ہے۔ پیغام پہنچاتا ہے، حضرت علی اسے جھڑک دیتے ہیں، وہ واپس آجاتا ہے۔ اسے دوبارہ سختی سے حکم دیا جاتا ہے کہ وہ حضرت علی کو پکڑ کر لائے۔

حضرت علی پھر اسے دھتکار دیتے ہیں۔ حضرت عمر ایک جتھہ آپ کو گرفتار کرنے کے لئے روانہ کرتے ہیں، وہ بھی ناکام لوٹتا ہے۔ حضرت عمر غصہ سے بے قابو ہو کر خود جاتے ہیں اور خاتون جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے یوں کہتے ہیں :"

یا علی بیرون شود با خلیفہ رسول خدا بیعت کن وگرنہ ایں خانہ را بآتش پاک بسوزم۔ فاطمہ برخاست

وَقَالَتْ يَا عُمَرُ! مَالَنَا وَلَكَ، قَالَ افْتَحِي الْبَابَ وَإِلَّا أَحْرَقْنَا عَلَيْكُمْ بَيْتَكُمْ، فَقَالَتْ يَا عُمَرُ أَمَا تَتَّقِي اللهَ تَدْخُلُ فِي بَيْتِي۔ الخ (1)

"اے علی! باہر آؤ اور خلیفہ رسول خدا کی بیعت کرو، ورنہ اس گھر کو جلا کر راکھ کر دوں گا۔ حضرت سیدہ اٹھیں، فرمایا، اے عمر! ہمارا تیرا کیا واسطہ ہے؟ آپ نے کہا دروازہ کھولو۔ ورنہ تمہارے گھر کو تم پر جلا کر راکھ کر دوں گا۔ سیدہ نے فرمایا، اے عمر! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے ہو، میرے گھر میں داخل ہوتے ہو؟"

حضرت عمر نے جب دیکھا کہ حضرت علی دروازہ نہیں کھولتے تو حکم دیا کہ آگ اور لکڑیاں لائی جائیں۔ آپ نے دروازہ کو آگ لگادی۔ جب کچھ حصہ جل گیا تو پاؤں کی ٹھوکر مار کر اسے گرادیا اور گھر میں گھس آئے۔

حضرت سیدہ نے فریاد کرنا شروع کر دی اور کہا یَا أَبَتَاهُ! یَا رَسُوْلَ اللهِ "اے ابا جان! یا رسول اللہ! پھر خطاب کے بیٹے نے سیدہ کے پہلو پر تلوار سے ٹھوکر لگائی۔ آپ نے دوبارہ فریاد کی۔ حضرت عمر نے آپ کے بازو مبارک پر زور سے تازیانہ مارا۔

حیرت ہے کہ شیر خدا یہ سب کچھ دیکھتے رہے اور چپ رہے اور ٹس سے مس نہ ہوئے۔ اتنی توہین اور ضرب شدید کو دیکھ رہے ہیں اور ذوالفقار حیدری کو جنبش تک نہیں دیتے۔ انسان اپنے اوپر تو سختیاں بھی برداشت کر لیتا ہے لیکن اپنی اہلیہ کے بارے میں ناممکن ہے خصوصاً جبکہ

1۔ "ناسخ التواریخ"، جلد 1، صفحہ 83

وہ حضور کی لخت جگر سیدۃ النساء ہو۔

مصنف "ناسخ التواریخ" اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں :

"پھر حضرت سیدہ التجاء کرتی ہیں۔ اب حضرت علی کی آتش غضب بھڑک اٹھتی ہے۔ آپ حضرت عمر کو گریباں سے پکڑ کر زمین پر پٹخ دیتے ہیں۔ حضرت ابو بکر کو پتا چلتا ہے۔ وہ آپ کی امداد کیلئے چند آدمی بھجوا دیتے ہیں۔ آتے ہی یہ لوگ حضرت علی کے ہاتھ سے تلوار چھین لیتے ہیں، پھر ان کو دبوچ لیتے ہیں، پھر آپ کے گلے میں رسی ڈال لیتے ہیں اور آپ کو کشاں کشاں حضرت صدیق کی خدمت میں لے جاتے ہیں۔ حضرت سیدہ مدافعت کیلئے اٹھ کھڑی ہوتی ہیں، قنفذ آپ پر حملہ کر دیتا ہے اور تازیانہ کی ایک ایسی ضرب بازو پر لگاتا ہے کہ اس کا سیاہ داغ وفات کے بعد بھی بازو مبارک پر باقی رہتا ہے۔ حضرت علی کو پکڑ کر حضرت صدیق کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس وقت آپ بصد حسرت کہتے ہیں، اگر میری تلوار میرے ہاتھ سے گر نہ پڑتی تو تم مجھے یوں کھینچ کر نہ لا سکتے۔ خدا اس قوم پر لعنت کرے جنہوں نے میری بیعت کی پھر میرا ساتھ چھوڑ دیا۔(1) اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ثُمَّ الْعِیَاذُ بِاللّٰہِ

خطرہ کے وقت تو بزدلوں کے ہاتھ کانپتے ہیں اور ان کی تلواریں گر پڑتی ہیں۔ سیدنا علی تو شیر خدا ہیں جن کی ضرب حیدری سے خیبر کی سنگین دیواریں پاش پاش ہو گئیں۔ جن کی گرج سے بڑے بڑے بہادروں کے دل پھٹ جایا کرتے تھے۔ احد اور حنین کے مشکل اوقات میں ان کے ہاتھ سے تلوار نہ گری۔ خندق کے دن عمرو بن عبدود کا مقابلہ کرتے ہوئے آپ کے ہاتھ سے تلوار نہ گری۔ آپ کی تلوار نے مرحب کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ آج اللہ اور رسول کے اس شیر پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ان کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ گویا دوسرے لفظوں میں آپ کو بزدلی کا طعنہ دیا جا رہا ہے۔ ایسی باتیں گھڑتے وقت اور آپ کی ذات والا صفات کی طرف منسوب کرتے وقت کچھ تو خدا کا خوف کرنا چاہئے۔ اسی پر بس نہیں۔ تین جان نثار ابوذر غفاری، مقداد اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کی زبان سے ایسے جملے کہلواتے ہیں جنہیں سن کر بچے بھی ہنسی ضبط نہ کر سکیں۔ یوں اس دوستی کے رنگ میں اسلام دشمنی کا حق ادا کیا جا رہا ہے اور ان سب نفوس قدسیہ کی عظمت کو داغدار کرنے کا منصوبہ بنایا جا رہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں -- اس وقت ابوذر نے کہا :

1۔ "ناسخ التواریخ"، جلد 1، صفحہ 83

لَيْتَ السُّيُوْفَ قَدْ عَادَتْ بِأَيْدِيْنَا ثَانِيَةً

"اے کاش! دوبارہ تلواریں ہمارے ہاتھوں میں لوٹ آئیں۔"

مقداد نے کہا:

لَوْشَاءَ دَعَا عَلَيْهِ رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ

"اگر علی مرتضیٰ چاہتے تو ابو بکر کیلئے بد دعا مانگتے۔"

سلمان نے کہا:

مَوْلَايَ اَعْلَمُ بِمَا هُوَ فِيْهِ

"میرا آقا جن مشکلات میں مبتلا ہے وہ خود ہی ان کو بہتر سمجھتا ہے۔"

یہ کردار بنی اسرائیل کے حیلہ سازوں کے کردار سے بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے۔ یہ تین بزرگ جو بقول ان کے ایمان پر ثابت قدم رہے، ان کی قوت ایمانی کا تو یہ حال ہے، باقی رہے دوسرے صحابہ تو ان کو بیک جنبش قلم مرتد قرار دے کر خارج از اسلام کر دیا گیا۔

از ابی جعفر حدیث کنند قَالَ كَانَ النَّاسُ اَهْلَ رِدَّةٍ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا ثَلَاثَةً

"حضرت امام باقر سے مروی ہے کہ حضور کے وصال کے بعد ان تین حضرات کے علاوہ باقی سب لوگ مرتد ہو گئے۔"

اسی پر دل کی حسرت پوری نہیں ہوئی بلکہ مزید رقمطراز ہیں:

"رات کی تاریکی میں حضرت علی نے حضرت سیدہ کو گدھی پر سوار کیا اور حسنین کریمین کی انگلیاں اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہر انصاری کے گھر لے جاتے ہیں، ان سب سے بیعت کرنے کی درخواست کرتے ہیں، لیکن کہیں کامیابی نہیں ہوتی۔ مایوس ہو کر خانہ نشین ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کو زبردستی گھر سے نکال کر جبراً بیعت کیلئے پیش کر دیا جاتا ہے۔" (1)

معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ محققین بھی ان ہرزہ سرائیوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ "نہج البلاغہ" کے شارح میثم بن علی بن میثم بحرانی لکھتے ہیں۔

1۔ ایضاً

وَاعْلَمْ اَنَّهُ قَدْ اِخْتَلَفَ النَّاقِدُوْنَ بِكَيْفِيَّةِ حَالِهٖ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَرَوَى الْمُحَدِّثُوْنَ مِنَ الشِّيْعَةِ وَغَيْرِهِمْ اَخْبَارًا كَثِيْرَةً وَبِمَا خَالَفَ بَعْضُهَا بَعْضًا بِحَسْبِ اِخْتِلَافِ اَهْوَائِهِمْ۔

"جان لو کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا علی کی حالت کے بارے میں نقل کرنے کے اقوال میں بڑا اختلاف ہے شیعہ محدثین اور غیر شیعہ محدثین نے متضاد روایات بکثرت نقل کی ہیں جن سے ان کی ذاتی خواہشات جھلک رہی ہیں۔"

علامہ مذکور نے جہاں یہ واقعہ ذکر کیا ہے وہاں ان خرافات کو بیان نہیں کیا، صرف یہ کہا ہے کہ

بَايَعَ مَعَهُمْ عَلٰى اِكْرَاهًا

"یعنی بنو ہاشم نے جب حضرت صدیق اکبر کی بیعت کی تو حضرت علی نے بھی بیعت کی لیکن مجبوراً"

اور دوسرا قول یہ منقول ہے:

اِنَّ عَلِيًّا اِعْتَصَمَ بَيْتَ فَاطِمَةَ فَعَلِمُوْا اَنَّهُ مُفْرَدٌ وَتَرَكُوْهُ (1)

"یعنی حضرت علی نے حضرت سیدہ فاطمہ کے گھر میں پناہ لے لی۔ صحابہ کرام کو معلوم ہوا کہ وہ تنہا ہیں تو انہوں نے آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔"

"فروع کافی" میں صرف اتنا درج ہے۔

جَاءُوْا بِاَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مُكْرَهًا فَبَايَعَ۔ (2)

"امیر المومنین کو جبراً پکڑ کر لے آئے تو آپ نے حضرت صدیق اکبر کی بیعت کر لی۔"

بہر حال علامہ میثم اور علامہ کلینی کی تصریحات سے یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ آپ نے صدیق اکبر کی بیعت فرمائی۔ ان کا یہ اضافہ کہ حالت مجبوری میں آپ نے بیعت کی، کم از کم ہر اس شخص کیلئے ناقابل تسلیم ہے جو حضرت اسد اللہ الغالب کی جرأت، بسالت اور آئین

1۔ ابن میثم "شرح نہج البلاغہ"، جلد 2، صفحہ 26

2۔ علامہ کلینی، "کتاب الروضہ"، جلد 2، صفحہ 85

جوانمردی کی حقیقت کو سمجھتا ہے اور صدق دل سے اسے تسلیم بھی کرتا ہے۔ ان خود ساختہ روایات کیلئے یہ واقعہ کافی ہے کہ جب تمام لوگ حضرت صدیق اکبر کی بیعت پر متفق ہو گئے تو ابو سفیان بن حرب کو یارائے صبر نہ رہا اور اس نے حضرت علی اور حضرت عباس کو طعن و تشنیع سے بھڑکانا چاہا، کہنے لگا:

فِيمَ أَبُو بَكْرٍ مِنْ أَمْرِكُمْ أَيْنَ الْمُسْتَضْعَفَانِ؟ أَيْنَ الْأَذَلَّانِ يَعْنِي عَلِيًّا وَالْعَبَّاسَ؟ مَا بَالُ هٰذَا الْأَمْرِ فِي أَقَلِّ حَيٍّ مِنْ قُرَيْشٍ؟

"ابو بکر کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ تمہارا سربراہ اور امیر بنے، وہ دونوں کمزور کہاں ہیں، وہ دونوں ذلیل کہاں ہیں یعنی علی اور عباس۔ کیا وجہ ہے کہ قریش میں جو سب سے چھوٹا قبیلہ ہے، اس کا ایک فرد تمہارا حاکم بن جائے۔"

پھر وہ حضرت علی کے مکان پر آیا اور آکر کہنے لگا کہ ہاتھ آگے بڑھایئے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں:

وَاللّٰهِ إِنْ شِئْتَ لَأَمْلَأَنَّهَا عَلَى أَبِي فَصِيلٍ يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ خَيْلًا وَرَجِلًا

"بخدا! اگر آپ حکم دیں تو میں ابو بکر سے مقابلہ کرنے کیلئے اس میدان کو شہسواروں اور پاپیادہ سپاہیوں سے بھر دوں۔"

سیدنا علی مرتضیٰ نے اس کی یہ باتیں سننے کے بعد اسے جھڑکتے ہوئے فرمایا:

یا ابا سفیان! ہرگز تو بے غرض جنبش نکنی وجز بر ضرر اسلام کوشش نہ فرمائی من ہرگز بکلمات تو مغرور نشوم وہرگز فریب تو در من نگیرد

"اے ابو سفیان! تو بغیر غرض کے حرکت نہیں کرتا۔ تیرا مقصد صرف اسلام کو ضرر پہنچانا ہے۔ میں تیری باتوں سے ہرگز مغرور نہیں ہوں گا اور تو مجھے اپنے دام فریب میں پھنسا نہیں سکتا۔"

آپ کا ابو سفیان کی اس پیشکش کو مسترد کر دینا اور اس کی حرکت کو اسلام دشمنی پر محمول کرنا۔۔ اس امر کا کھلا ثبوت ہے کہ آپ نے صدق دل سے حضرت ابو بکر صدیق کی بیعت فرمائی تھی۔

سید امیر علی جو مشہور قانون دان، نامور مورخ اور بنگال ہائی کورٹ کے سب سے پہلے مسلمان جج تھے، اپنی شہرہ آفاق کتاب "سپرٹ آف اسلام" میں رقمطراز ہیں :

"With his usual magnonimity and devotion to the Faith, scrupulously to avoid the least discord among the disciples of the Master, Ali at once gave in his adhesion to abu' Bakr. Three times was he set aside, and on every occassion he accepted the choice of electoes without demur. He himself had never stood forth as a candidate for the suffrages of the electors, and whatever might have been the feeling of his partisams, he had never refrained from giving to the first two Caliph his help and advice in the governance of commonwealth: and they on their side had always deferred to his counsel and his exposition of the Master's teachings." (1)

"حضرت علی مرتضیٰ نے اپنی اولوالعزمی اور دین سے بے پناہ وابستگی اور اپنے آقا کے ماننے والوں کو ہر قسم کے انتشار سے بچانے کیلئے فوراً حضرت ابو بکر صدیق کی بیعت کی۔ آپ کو تین بار نظر انداز کیا گیا اور آپ نے ہر بار کسی اعراض کے بغیر رائے دہندگان کے انتخاب کو صدق دل سے قبول کر لیا۔ آپ نے اپنے کو کبھی بھی خلافت کیلئے امیدوار کی حیثیت سے پیش نہیں کیا۔ آپ کے احباب کے جذبات کچھ بھی ہوں، آپ نے اسلامی مملکت کے کاروبار حکمرانی کو چلانے میں پہلے دو خلیفوں کی ہر طرح امداد بھی کی اور انہیں بہترین مشوروں سے بھی نوازا۔ خلفاء نے بھی ہمیشہ آپ کے مشورے کو عزت اور قدر کی

1- Syed Ameer Ali "The Spirit of Islam", Karachi, Elite Publishers, 1988, p. 240-241

نگاہ سے دیکھا اور احادیث نبوی کی جو تشریح آپ نے کی، اس کو تسلیم کیا۔"

قارئین کرام کو یہ علم تو ہو گا کہ سید موصوف شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی اس وضاحت کے بعد ہر قسم کے شکوک و شبہات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ نیز ان روایات کی لغویت آشکارا ہو جاتی ہے جن میں رحمت عالم ﷺ کے صحابہ کرام کی عظمت کو داغدار کرنے کیلئے دانستہ یا نادانستہ ناپاک کوششیں کی گئی ہیں۔

کتب اہل سنت میں جو روایات ثقہ اسناد سے مروی ہیں، میں اس جگہ پر ان کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں اور ان کو پڑھ کر دل بے ساختہ تسلیم کرتا ہے کہ یہی حق ہے اور یہی بات سیدنا علی مرتضی کی شان رفیع کے شایان ہے:

عَنْ حَبِيْبِ اِبْنِ اَبِيْ ثَابِتٍ قَالَ كَانَ عَلِيٌّ فِيْ بَيْتِهٖ اِذْ اَتٰى وَقِيْلَ لَهٗ قَدْ جَلَسَ اَبُوْبَكْرٍ لِلْبَيْعَةِ فَخَرَجَ فِيْ قَمِيْصٍ مَا عَلَيْهِ اِزَارٌ وَلَا رِدَاءٌ عَجِلًا كَرَاهِيَةَ اَنْ يُبْطِئَ عَنْهَا فِيْ بَيْعَتِهٖ ثُمَّ جَلَسَ اِلَيْهِ وَبَعَثَ اِلٰى ثَوْبِهٖ فَاَتَاهُ فَتَجَلَّلَهٗ وَلَزِمَ مَجْلِسَهٗ۔ (1)

"یعنی حبیب بن ثابت سے مروی ہے کہ علی مرتضی اپنے گھر میں تشریف فرما تھے، ایک آدمی آیا، اس نے عرض کی کہ حضرت ابو بکر بیعت لینے کیلئے مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ اس وقت آپ نے صرف ایک لمبی قمیص زیب تن فرمائی ہوئی تھی۔ جلدی اٹھ کھڑے ہوئے، مبادا بیعت کرنے میں تاخیر ہو جائے، آکر بیعت کی۔ اور وہیں بیٹھ گئے۔ کسی آدمی کو کپڑے لانے کیلئے بھیجا، وہ گھر سے کپڑے لے آیا، آپ نے انہیں پہن لیا اور اسی مجلس میں تشریف فرما ہو گئے۔"

اس سے بھی واضح وہ روایت ہے جو حافظ ابو بکر البیہقی نے اپنے جلیل القدر اساتذہ حدیث کے واسطہ سے حضرت ابو سعید الخدری سے روایت کی:

وَصَعِدَ اَبُوْبَكْرٍ الْمِنْبَرَ وَنَظَرَ فِيْ وُجُوْهِ الْقَوْمِ وَلَمْ يَرَ

1۔ "تاریخ الامم والملوک"، جلد 3، صفحہ 201

الزُّبَيْرَ قَالَ دَعَا بِالزُّبَيْرِ فَجَاءَ قَالَ قُلْتُ إِبْنُ عَمَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَوَارِيِّهِ أَرَدْتَ أَنْ تَشُقَّ عَصَا الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ لَا تَثْرِيْبَ يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَقَامَ فَبَايَعَهٗ ثُمَّ نَظَرَ فِيْ وُجُوْهِ الْقَوْمِ وَلَمْ يَرَ عَلِيًّا فَدَعَا بِعَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ فَجَاءَ فَقَالَ قُلْتُ ابْنَ عَمِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَتَنَهٗ عَلٰى إِبْنَتِهٖ أَرَدْتَ أَنْ تَشُقَّ عَصَا الْمُسْلِمِيْنَ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَبَايَعَهٗ۔

(1)

"حضرت ابو بکر منبر پر تشریف فرما ہوئے، حاضرین میں اکابر قوم کا جائزہ لیا، حضرت زبیر نظر نہ آئے۔ انہیں بلانے کیلئے آدمی بھیجا۔ جب وہ آئے تو فرمایا، اے اللہ کے رسول کی پھوپھی کے فرزند! اور اے اللہ کے رسول کے حواری! کیا تم مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہو؟ آپ نے عرض کی، اے خلیفہ رسول اللہ! ناراض نہ ہوں۔ یہ کہہ کر آپ اٹھے اور بیعت کرلی۔ آپ نے حاضرین پر دوبارہ نظر ڈالی۔ سیدنا علی دکھائی نہ دیئے، آپ کی خدمت میں بلانے کیلئے آدمی بھیجا۔ آپ فوراً تشریف لائے۔ ابو بکر صدیق نے فرمایا۔ اے اللہ کے رسول کے چچا کے فرزند! اور اے حضور کے پیارے داماد! کیا آپ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں؟ آپ نے بھی جواب میں کہا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول کے خلیفہ! اس تاخیر پر آپ ناراض نہ ہوں۔ یہ کہہ کر اٹھے اور آپ نے بھی بیعت کرلی۔"

علامہ ابن کثیر نے اس مفہوم کی کئی روایات بھی نقل کی ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

وَهٰذَا احَقٌّ فَإِنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ لَمْ يُفَارِقِ الصِّدِّيْقَ فِيْ وَقْتٍ مِّنَ الْأَوْقَاتِ، وَلَمْ يَنْقَطِعْ فِيْ صَلٰوةٍ مِّنْ

1۔ "البدایہ والنہایہ"، جلد 5، صفحہ 249

الصَّلَوَاتِ خَلْفَهُ وَخَرَجَ مَعَهُ إِلَى ذِي الْقَصَّةِ لَمَّا خَرَجَ الصِّدِّيقُ شَاهِرًا سَيْفَهُ يُرِيدُ قِتَالَ أَهْلِ الرِّدَّةِ (1)

"یہی حق ہے کیونکہ سیدنا علی مرتضیٰ ایک لمحہ کیلئے بھی صدیق اکبر سے کسی وقت بھی جدا نہیں ہوئے، ساری نمازیں آپ کی اقتداء میں ادا کرتے رہے اور جب مرتدین کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے حضرت صدیق اکبر اپنی تلوار لہراتے ہوئے نکلے تو حضرت علی مرتضیٰ آپ کے ساتھ تھے اور ذی القصہ کے مقام تک ساتھ رہے۔"

غسل مبارک

حضرت عبداللہ بن زبیر کے صاحبزادے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا، جب رحمت دو عالم ﷺ کو غسل دینے کا وقت آیا تو صحابہ کہنے لگے ہمیں علم نہیں ہے کہ ہم اللہ کے حبیب کو کس طرح غسل دیں؟ کیا جس طرح ہم دوسری میتوں کو کپڑے اتار کر غسل دیتے ہیں، اس طرح کریں یا حضور کو کپڑوں سمیت غسل دیں؟ یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں پر نیند مسلط کر دی۔ سب اونگھنے لگے، ان کی ٹھوڑیاں ان کے سینوں کو ٹکرانے لگیں۔ اس وقت انہوں نے حجرہ مبارکہ کے ایک کونے سے یہ کہتے ہوئے سنا، وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ کون آدمی بول رہا ہے؟ کوئی یہ کہہ رہا تھا:

أَنْ غَسِّلُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثِيَابُهُ۔ (2)

"حضور کو کپڑوں سمیت غسل دو۔"

چنانچہ حضور کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا۔

سرکار دو عالم ﷺ کو غسل دینے کی سعادت حضرات سیدنا علی مرتضیٰ، اسامہ، فضل بن عباس رضی اللہ عنہم کو نصیب ہوئی۔ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اپنے آقا کو غسل

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 4، صفحہ 495

2۔ ایضاً

بھی دے رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہے تھے بِأَبِي وَأُمِّي طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا

"میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ زندگی میں بھی طیب وپاکیزہ تھے اور وصال کے بعد بھی طیب وپاکیزہ ہیں۔"

حضور کے غسل کیلئے پانی غرس نامی کنوئیں سے لایا گیا جو قبا کے قریب تھا اور یہ سعد بن خیثمہ کی ملکیت تھا۔ حضور کریم علیہ السلام اکثر اس کنویں کا پانی نوش فرمایا کرتے تھے۔ حضور نے ارشاد فرمایا:

نِعْمَ الْبِئْرُ بِئْرُ غَرْسٍ هِيَ مِنْ عُيُوْنِ الْجَنَّةِ وَمَاءُهَا أَطْيَبُ الْمِيَاهِ۔ (1)

"غرس کا کنواں بہترین کنواں ہے یہ جنت کے چشموں میں سے بہترین چشمہ ہے۔ اس کا پانی نہایت پاکیزہ ہے۔"

اس پانی میں بیری کے پتے ملائے گئے تھے۔

قبر مبارک

جب قبر کھودنے کا وقت آیا تو حضرت عباس نے دو آدمیوں کو بلایا اور کہا کہ تم میں سے ایک حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو بلا کر لائے اور دوسرا حضرت ابو طلحہ بن سہل انصاری کو بلا لائے۔ حضرت ابو طلحہ، لحد والی قبر کھودنے کے ماہر تھے اور حضرت ابو عبیدہ بغیر لحد کے قبر کھودا کرتے تھے۔ وہ دو آدمی انہیں بلانے کیلئے گئے تو حضرت عباس نے دعا مانگی اَللّٰهُمَّ خِرْ لِرَسُوْلِكَ "اے اللہ! تو ان دونوں میں سے جس کو اپنے رسول کیلئے پسند کرتا ہے اس کو بھیج دے۔" حضرت ابو عبیدہ کو بلانے کیلئے جو آدمی گیا تھا، وہ اسے نہ مل سکے اور وہ واپس آ گیا۔ حضرت ابو طلحہ کو دوسرا آدمی اپنے ہمراہ لے آیا۔ چنانچہ رسول اللہ علیہ السلام کیلئے لحد والی قبر تیار کی گئی۔(2)

کفن مبارک

سرکار دو عالم علیہ السلام کو تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ یہ تینوں کپڑے یمن کے ایک موضع سحول کے بنے ہوئے تھے۔ اسی نسبت سے انہیں سحولیہ کہا جاتا تھا۔ ان پارچات میں

1۔ ایضاً، صفحہ 521 و "البدایہ والنہایہ"، جلد 7، صفحہ 244-245

2۔ مصدر سابق، صفحہ 519

نہ قمیص تھی نہ عمامہ۔(1)

نماز جنازہ کی کیفیت

سرکار دو عالم ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے غسل دینے اور کفن پہنانے کے بعد میری مرقد کے کنارے مجھے رکھ دیا جائے اور پھر کچھ وقت کیلئے تمام لوگ میرے حجرے سے باہر نکل جائیں۔ محمد بن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضور کی وصیت کے مطابق، حضور کے وصال کے بعد کفن مبارک پہنا کر، حضور کے جسد اطہر کو حجرہ شریف میں رکھ دیا گیا اور تمام لوگ حجرہ شریف سے باہر نکل آئے۔ پھر اہل بیت اطہار کے مرد اور خواتین داخل ہوئے اور صلوٰۃ و سلام عرض کیا۔ ان کے بعد حضرت سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما چند مہاجرین و انصار کے ساتھ حجرہ شریف میں داخل ہوئے، انہوں نے اس طرح سلام عقیدت و نیاز پیش کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

ان مہاجرین و انصار نے بھی شیخین کی اقتداء کی۔ پھر سب نے صفیں بنائیں اور بغیر کسی امام کے نماز جنازہ ادا کرتے رہے۔ حضرت ابو بکر صدیق اور فاروق اعظم پہلی صف میں حضور کے روبرو کھڑے ہوئے۔ انہوں نے بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّهٗ قَدْ بَلَّغَ مَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ وَنَصَحَ لِاُمَّتِهٖ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى اَعَزَّ اللّٰهُ دِيْنَهٗ وَتَمَّتْ كَلِمَتُهٗ وَاُوْمِنَ بِهٖ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ فَاجْعَلْنَا اِلٰهَنَا مِمَّنْ يَّتْبَعُ الْقَوْلَ الَّذِيْ اُنْزِلَ مَعَهٗ وَاجْمَعْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهٗ حَتّٰى تُعَرِّفَهٗ بِنَا وَتُعَرِّفَنَا بِهٖ فَاِنَّهٗ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفًا رَّحِيْمًا لَا نَبْتَغِيْ بِالْاِيْمَانِ بِهٖ بَدَلًا وَلَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا اَبَدًا۔ (2)

"اے اللہ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ تیرے محبوب نے وہ پیغام پہنچا دیا جو

1۔ ایضاً، صفحہ 522

2۔ ایضاً، صفحہ 528

آپ پر نازل کیا گیا تھا اور اپنی امت کو نصیحت کر دی۔ اللہ کے راستہ میں
جہاد کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو عزت عطا فرمائی اور آپ
کی دعوت درجہ کمال تک پہنچی اور تیری ذات کے ساتھ ایمان لائے جو
وحدہ لاشریک ہے۔ اے ہمارے معبود برحق! ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم
اس قول کی پیروی کریں جو تو نے ان پر نازل فرمایا اور روز قیامت ہمیں
حضور کے ساتھ اکٹھا کر اور حضور کو ہماری پہچان کرا اور ہمیں حضور سے
روشناس کرا۔ بیشک تیرا محبوب مومنین کے ساتھ رؤف رحیم تھا۔
ہم آپ پر جو ایمان لائے ہیں اسے کسی قیمت پر تبدیل کرنے کیلئے تیار
نہیں اور اس کے بدلے میں کوئی گراں بہا چیز لینے کیلئے تیار نہیں۔"

حضرت صدیق اکبر یہ دعا مانگ رہے تھے، دوسرے لوگ یہ دعائیہ کلمات سن کر آمین آمین
کہہ رہے تھے یعنی الٰہی اس دعا کو قبول فرما۔ اس التجاء کو منظور فرما۔ پھر یہ لوگ باہر چلے گئے۔
نئی جماعت اندر داخل ہوئی یہاں تک کہ تمام مرد نماز جنازہ پڑھنے سے فارغ ہو گئے تو
مستورات کو اندر جانے کی اجازت ملی تو وہ باری باری نماز جنازہ ادا کرتی رہیں۔ پھر بچوں کی
باری آئی، وہ حاضر ہو کر نماز جنازہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ بچوں کے بعد غلاموں کو
حجرہ شریف میں جا کر نماز جنازہ پڑھنے کا اذن ملا۔ الغرض تمام لوگوں نے باری باری گروہ در
گروہ یہ شرف حاصل کیا، کوئی آدمی بھی اس نماز جنازہ کی امامت نہیں کرا رہا تھا۔

اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ تمام لوگوں نے امام کے بغیر نماز جنازہ ادا کی اور بغیر
امام کے نماز جنازہ پڑھنے کی متعدد حکمتیں لکھی ہیں:

سرکار دو عالم خود امام الاولین والآخرین تھے۔ حضور زندہ تھے اور امام الاولین والآخرین کی
موجودگی میں اور کون امام بن سکتا ہے؟

نیز اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ ہر مسلمان علیحدہ علیحدہ اپنے آقا علیہ السلام کی بارگاہ اقدس
میں ہدیہ صلوٰۃ و سلام عرض کرے اور اس شرف سے اسے سرفراز کیا جائے۔

تدفین کا بیان

صحابہ کرام کو اس بات کا علم نہ تھا کہ رحمت دو عالم ﷺ کی قبر مبارک کہاں بنائی جائے۔
لوگ اسی مسئلہ پر غور و فکر کر رہے تھے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گویا ہوئے:

يَقُوْلُ لَمْ يُقْبَرْ نَبِيٌّ إِلَّا حَيْثُ يَمُوْتُ

"میں نے نبی کریم علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہر نبی اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کی وفات ہوتی ہے۔"

یہ ارشاد نبوی سننے کے بعد اس بارے میں ساری تشویش ختم ہوگئی۔ لوگوں نے بستر مبارک کو لپیٹا اور جہاں بستر مبارک تھا وہاں قبر کھودی گئی۔ جب قبر تیار ہوگئی تو پہلے زمین پر ایک سرخ رنگ کا کمبل بچھایا گیا۔ پھر قبر شریف میں سیدنا علی بن ابی طالب، فضل اور قثم فرزندان سیدنا عباس اور شقران جو حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے آزاد کردہ غلام تھے، چاروں اترے۔ اوس بن خولی نے عرض کی، اللہ کے واسطے ہمیں بھی رحمت عالم علیہ السلام کی تدفین میں حصہ لینے کی سعادت مرحمت فرمائیے۔ آپ نے انہیں بھی قبر شریف میں اترنے کی اجازت دی۔(1)

امام بیہقی حضرت سعید بن مسیب کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے اپنے والد بزرگوار سیدنا ابو بکر صدیق کی خدمت میں اپنا ایک خواب عرض کیا کہ تین چاند میری گود میں آکر گرے۔ آپ نے فرمایا، اگر تیرا یہ خواب سچا ہوا تو تیرے گھر میں ساری دنیا سے تین بہترین آدمی دفن ہوں گے۔ جب رسول اللہ علیہ السلام کا وصال ہوا حضرت ابو بکر نے فرمایا، اے عائشہ! یہ ان تین چاندوں سے افضل ترین چاند ہے۔ صحیح بخاری میں اور مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا:

تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِيْ وَفِيْ يَوْمِيْ
وَبَيْنَ سَحْرِيْ وَنَحْرِيْ وَجَمَعَ اللهُ بَيْنَ رِيْقِيْ وَرِيْقِهٖ
فِيْ اٰخِرِ سَاعَةٍ مِّنَ الدُّنْيَا وَاَوَّلِ سَاعَةٍ مِّنَ الْاٰخِرَةِ (2)

"نبی کریم علیہ السلام کی وفات میرے حجرے میں ہوئی اور میری باری کے دن ہوئی اور حضور نے میرے سینہ اور گردن کے ساتھ تکیہ لگایا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی آخری گھڑی اور آخرت کی پہلی گھڑی میں میرے لعاب دہن کو اپنے حبیب کے لعاب دہن سے جمع فرمایا۔"

1۔ ایضاً، صفحہ 531
2۔ ایضاً، صفحہ 533

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم سب اکٹھے تھے اور رحمت عالم ﷺ کے فراق میں ہم رو رہے تھے اور ہم میں سے کسی نے اس رات کو آنکھ تک نہ جھپکی۔ ہم سب سرور عالم ﷺ کے رخ انور کی زیارت میں محو تھے کہ سحری کے وقت ہم نے کدالوں کی آوازیں سنیں تو ہماری چیخیں نکل گئیں۔ جتنے لوگ مسجد میں جمع تھے ان کی آہ و فغاں کی آوازیں بھی بلند ہونے لگیں۔ سارا مدینہ طیبہ اس گریہ وزاری سے لرز گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح کی اذان دی۔ جب انہوں نے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا تو آپ پر گریہ طاری ہو گیا اور سسکیاں لے لے کر رونے لگے۔ اس چیز نے ہمارے حزن وملال میں مزید اضافہ کر دیا۔ لوگوں نے حجرے شریف میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن دروازہ بند کر دیا گیا اور حضور کا یہ فراق ہم سب کیلئے الم انگیز اور روح فرسا تھا کہ دنیا کی کوئی مصیبت اس سے زیادہ المناک نہ تھی۔ ہم پر جب بھی کوئی افتاد پڑتی تو ہم سرکار دو عالم ﷺ کی جدائی کے روح فرسا صدمہ کو یاد کر کے اپنے دلوں کو تسلی دیتے۔ (1)

حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سوموار کے دن ہوئی اور تدفین بدھ کی رات ہوئی۔ متقدمین اور متاخرین علماء امت نے اسی قول کی تائید کی ہے۔ ان میں سے حضرت امام جعفر صادق، ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ اور سلیمان بن طرخان تیمی کے اسماء گرامی زیادہ مشہور و معروف ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے زوال آفتاب سے پہلے سوموار کے دن رحلت فرمائی اور منگل کے دن حضور کی تدفین عمل میں لائی گئی۔ لیکن علامہ ابن کثیر ان اقوال کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

فَهُوَ قَوْلٌ غَرِيْبٌ وَالْمَشْهُوْرُ عَنِ الْجُمْهُوْرِ مَا أَسْلَفْنَاهُ مِنْ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ تُوُفِّيَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَدُفِنَ لَيْلَةَ الْأَرْبِعَاءِ (2)

"یہ دوسرا قول غریب ہے مشہور قول وہی ہے جو ہم نے جمہور علماء سے پہلے نقل کیا ہے کہ حضور کا وصال پر ملال سوموار کے دن ہوا اور تدفین بدھ کی رات کو عمل میں لائی گئی۔"

1۔ ایضاً، صفحہ 538

2۔ ایضاً، صفحہ 539

حضور کی تدفین کے بعد حضرت بلال بن رباح نے پانی کا مشکیزہ لیا اور اس سے سرور عالم ﷺ کے مزار پر انوار پر چھڑکاؤ کیا۔ حضرت بلال نے چھڑکاؤ کا آغاز سر مبارک کے دائیں طرف سے کیا یہاں تک کہ قدمین شریفین تک سارے مرقد انور پر چھڑکاؤ کر دیا۔(1)

اپنے ہادی و مرشد کی وفات حسرت آیات پر صحابہ کرام کا حزن والم

اس روح فرسا سانحہ کی اطلاع آناً فاناً دور و نزدیک ہر جگہ پہنچ گئی۔ ہر شخص غم واندوہ کے باعث حیران و سراسیمہ تھا۔ صحابہ کرام بیان کیا کرتے تھے کہ یہ دن مدینہ کی تاریخ کا تاریک ترین دن تھا، جس طرح حضور ہجرت کر کے جب مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے تھے وہ دن مدینہ کی تاریخ کا روشن ترین دن تھا۔ ہر شخص اپنی اپنی حیثیت کے مطابق رنج و غم سے نڈھال تھا۔ وہ چودھویں کا چاند ہمیشہ کیلئے آنکھوں سے اوجھل ہو گیا جس کی خنک کرنیں غمزدوں کو جرأت و حوصلہ سے بہرہ یاب کیا کرتی تھیں۔ وہ آفتاب عالمتاب آنکھوں سے اوجھل ہو گیا جس سے ان کا ظاہر و باطن اکتساب نور کیا کرتا تھا۔ حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا جب اس حادثہ فاجعہ سے آگاہ ہوئیں تو بے ساختہ آپ کی زبان پاک سے یہ کلمات نکلے جو آپ کے رنج و غم کی شدت کی عکاسی کر رہے تھے:

يَا اَبَتَاهُ ! اَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ

اے میرے پیارے ابا جان! آپ نے اپنے رب کی دعوت کو قبول کر لیا۔

يَا اَبَتَاهُ ! اِلٰى جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ مَاْوَاهُ

اے ابا جان! آپ جنت الفردوس میں تشریف فرما ہو گئے۔

يَا اَبَتَاهُ اِلٰى جِبْرِيْلَ نَنْعَاهُ ۔

اے ابا جان! آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر جبریل کو کون پہنچائے گا۔

حضور کے بعد کس پر وحی اترے گی۔ اب جبرئیل کس کے پاس آئے گا۔

اے پروردگار! فاطمہ کی روح کو اپنے حبیب کی روح کے پاس پہنچا دے۔

اے خداوند عالم! مجھے اپنے پیارے رسول کا ہم نشین بنا دے۔

اے میرے رب! مجھے اپنے حبیب کی جدائی کے غم کے ثواب سے محروم نہ فرمانا، مجھے روز

1۔ ایضاً، صفحہ 540

محشر اپنے محبوب کی شفاعت سے محروم نہ کرنا۔

مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے وصال پر ملال کے بعد کسی نے حضرت سیدہ زہراء کو ہنستے نہیں دیکھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ اپنے محبوب کریم ﷺ کے اس اچانک فراق پر اپنے رنج والم اور اپنی عقیدت و محبت کا یوں اظہار کر رہی تھیں :

صد حیف! وہ نبی جس نے فقر کو غناء پر، درویشی کو تونگری پر اختیار کیا۔

صد حیف! وہ دین پرور راہبر جو اپنی گنہگار امت کے گناہوں کو بخشوانے کے لئے ساری ساری رات بے چینی میں گزار دیا کرتا تھا۔

صد حیف! وہ مرشد کریم جس نے بڑی جرأت و استقامت کے ساتھ مجاہدہ کیا۔

صد افسوس! وہ رسول جس نے ممنوع چیزوں کی طرف کبھی نگاہ التفات نہ کی۔ کفار کی ایذا رسانیوں کے باعث جس کا قلب منیر کبھی متاثر نہ ہوا۔ اور ان کو دعوت حق دینے میں کبھی بیزاری اور تھکاوٹ کا اظہار نہ کیا۔

جس نے مفلسوں اور محتاجوں کیلئے اپنے انعام و احسان اور فضل و سخاوت کا دروازہ کبھی بند نہ کیا۔

وہ نبی، جس کے موتیوں جیسے دانت پتھر مار کر توڑے گئے۔

وہ نبی، جس کی نورانی پیشانی کو زخمی کیا گیا۔

وہ راہبر، جس نے دو روز پے در پے جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہ کھائی۔

صد حیف! کہ آج وہ کریم آقا دنیا سے رخصت ہو گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

اس وقت کاشانہ اقدس کے ایک کونہ سے آواز سنائی دی۔ آواز سنائی دے رہی تھی لیکن جس کی آواز تھی وہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس سروش غیب نے کہا :

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ

”اے اہل بیت! تم پر اللہ کی طرف سے سلام ہو۔ اور تم پر اس کی طرف سے رحمتوں و برکتوں کا نزول ہو۔ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور قیامت کے روز تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔“

اور جان لو کہ ہر مصیبت کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی ہوتی ہے اور ہر فوت ہونے

والی چیز کا کوئی قائم مقام ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین رکھو اور اس کی طرف توجہ کرو۔ جزع فزع سے باز رہو، بے صبری نہ کرو۔ در حقیقت مصیبت زدہ وہ شخص ہے جس کو ثواب سے محروم کر دیا گیا۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ

حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ آواز سنی تو حاضرین کو بتایا کہ یہ خضر علیہ السلام تھے جو تمہاری تعزیت کے لئے آئے تھے۔(1)

اس جانکاہ سانحہ سے عاشقان بارگاہ رسالت پر جو گزری کوئی قلم اس کی ترجمانی نہیں کر سکتا۔ حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے "مدارج النبوۃ" میں صحابہ کرام پر وارد ہونے والی کیفیات کا جو تذکرہ کیا ہے اسی کے ترجمہ پر اکتفا کروں گا۔ آپ لکھتے ہیں:

"سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی وفات حسرت آیات کے صدمہ نے تمام صحابہ کرام کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، سارے حیران و ششدر ہو کر رہ گئے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ان کی عقلیں سلب ہو گئی ہیں اور حواس ناکارہ ہو گئے ہیں۔ بعض صحابہ ایسے تھے کہ شدت غم سے ان کی قوت گویائی سلب ہو گئی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انہی لوگوں سے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر وہاں سے ہوا جہاں یہ بیٹھے تھے۔ انہوں نے سلام دیا، آپ نے سنا بھی لیکن زبان میں یارائے تکلم نہ تھا۔ بعض کے اعصاب ناکارہ ہو کر رہ گئے، ان کے بدن میں جنبش کی طاقت نہ رہی، چنانچہ سیدنا علی مرتضیٰ کی بھی یہی کیفیت تھی۔ حضرت فاروق اعظم کی کیفیت تو سب سے جدا تھی۔ بعض صحابہ کرام نے تو یہ دعا مانگنا شروع کر دی، یا اللہ! ہماری آنکھوں کی بینائی سلب کر لے تاکہ جن آنکھوں نے تیرے حبیب کریم کے روئے زیبا کو دیکھنے کا شرف حاصل کیا وہ کسی اور چہرہ کو نہ دیکھیں۔"

منافقین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اگر حضور نبی ہوتے تو وفات نہ پاتے۔ اپنے محبوب کریم ﷺ کی جدائی کا صدمہ اور اس پر شماتت اعداء، حضرت عمر فرط اندوہ و غم سے بے قابو ہو گئے، اپنی تلوار بے نیام کر لی اور اعلان کرنا شروع کیا۔ اگر کسی نے یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی ہے تو میں اس تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ حضرت عمر کے اس

1۔ "مدارج النبوۃ"، جلد 2، صفحہ 432

اعلان کے بعد لوگ خاموش ہوگئے۔ حضرت ابو بکر صدیق اپنے گھر میں تھے جو سنخ کے محلہ میں تھا۔ جب آپ کو یہ المناک خبر پہنچی تو فوراً سوار ہو کر اس حجرہ مقدسہ کی طرف روانہ ہوئے جہاں حضور استراحت فرماتے تھے۔ آپ تیزی سے آرہے تھے اور زاروقطار رو رہے تھے۔ ان کی زبان سے یہ فریاد نکل رہی تھی وَا مُحَمَّدَاہُ اے میرے محبوب آقا! میرے محبوب آقا! جب مسجد شریف میں پہنچے تو لوگوں کو پریشان حال دیکھا، کسی کی طرف متوجہ نہ ہوئے، بات تک نہ کی، سیدھے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں پہنچے۔ روئے مبارک پر جو چادر ڈالی گئی تھی اس کو روئے مبارک سے ہٹایا اور حضور کی نورانی پیشانی پر اور اپنا منہ حضور کے روئے اقدس پر رکھا، پھر سر اٹھا کر فرمایا وَا نَبِیَّاہُ "اے ہمارے جلیل القدر نبی۔" پھر دوبارہ چادر ہٹا کر روئے اقدس کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا رواں ہوگئے۔ پھر فرمایا وَا صَفِیَّاہُ "اے میری جان سے پیارے محبوب!" کئی بار چادر کو سرکایا، بوسہ دیا اور اشکوں کا نذرانہ پیش کیا۔ پھر بوسہ دیا اور کہا وَا خَلِیْلَاہُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ طِبْتَ حَیًّا وَّمَیِّتًا "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اے میرے خلیل! آپ زندگی میں بھی پاکیزہ تھے اور اب بھی پاکیزہ ہیں۔" آپ کی شان اس سے بڑی بلند ہے کہ آپ پر آہ وفغاں کی جائے۔ اگر زمام اختیار ہمارے ہاتھ میں ہوتی تو ہم حضور پر اپنی جانیں نچھاور کر دیتے۔ حضور نے اگر ہمیں مرنے والوں پر آہ وبکاء سے منع نہ کیا ہوتا تو میں اتنا روتا کہ میری آنکھوں سے اشکوں کے چشمے جاری ہو جاتے۔ پھر عرض کی "بار خدایا از ما سلام برساں ویا محمد مارا نزد پروردگار ما خود یاد دار"

اے اللہ! ہمارا سلام اپنے محبوب کی بارگاہ میں پہنچانا اور یا رسول اللہ! ہم غلاموں کو اپنے خداوند قدوس کی بارگاہ میں یاد کرنا۔

پھر حضرت صدیقہ کے حجرہ سے باہر آئے۔ دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان کھڑے یہ اعلان کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے اور اس وقت تک فوت نہ ہوں گے جب تک منافقین کو تہ تیغ نہیں کر دیں گے۔

حضرت صدیق نے حضرت عمر کو کہا، آپ بیٹھ جائیں۔ لیکن انہوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ حضرت صدیق نے انہیں کہا، اے شخص! تم جانتے نہیں ہو کہ رسول اللہ ﷺ وفات پاچکے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں خود فرمایا:

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَّإِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (1)

"بے شک آپ نے بھی (دنیا سے) انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے۔"

نیز یہ بھی ارشاد الٰہی ہے:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۔ (2)

"اور نہیں مقدر کیا ہم نے کسی انسان کے لئے جو آپ سے پہلے گزرا (اس دنیا سے) ہمیشہ رہنا، تو اگر آپ انتقال فرما جائیں تو کیا یہ لوگ (یہاں) ہمیشہ رہنے والے ہیں۔"

آپ سے پہلے کسی کو ہمیشہ زندہ رہنے والا نہیں بتایا۔ اگر آپ وفات پا جائیں تو کیا وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے؟ پھر صدیق اکبر قبر پر تشریف لائے، لوگوں کا جو جمگھٹا حضرت عمر کے ارد گرد تھا وہ سب حضرت عمر کو چھوڑ کر صدیق اکبر کے پاس پہنچ گئے اور آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر سرور عالم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں صلوۃ و سلام پیش کیا، پھر یہ آیت تلاوت کی:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِئْنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى أَعْقَابِكُمْ۔ (3)

"اور نہیں محمد (مصطفیٰ) ﷺ مگر (اللہ کے) رسول، گزر چکے ہیں آپ سے پہلے کئی رسول تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید کر دیئے جائیں پھر جاؤ گے تم الٹے پاؤں (دین اسلام سے)۔"

تمام لوگوں نے ان آیات کو حضرت صدیق سے سنا تو انہیں یوں محسوس ہوا گویا یہ آیتیں آج ہی نازل ہوئی ہیں۔ پھر حضرت فاروق اعظم نے بھی اپنی اس غلط فہمی کا ازالہ کیا اور حضرت ابو بکر صدیق کی تصدیق فرمائی۔ (4)

1۔ سورہ الزمر :30

2۔ سورہ الانبیاء :34

3۔ سورہ آل عمران :144

4۔ "مدارج النبوۃ"، جلد 2، صفحہ 432

اس موقع پر بعض کتب تاریخ میں ایک روایت مذکور ہے جس سے طرح طرح کی غلط فہمیاں اور شکوک پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔ اس لئے علمی دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ اس روایت کو درج کیا جائے اور اس کے بارے میں علماء جرح و تعدیل کی بے لاگ رائے بیان کی جائے اور تاریخ کی معتبر کتب کے مصنفین نے اس کے بارے میں جو لکھا ہے وہ ہدیہ قارئین کیا جائے۔

علامہ ابن کثیر اپنی کتاب "السیرۃ النبویہ" میں روایت کرتے ہیں :

قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ حَدَّثَنَا أَبِي عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ زُبَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَبَّادٍ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا تَقُولُ مَاتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ سَحْرِي وَنَحْرِي وَفِي دَوْلَتِي وَلَمْ أَظْلِمْ فِيهِ أَحَدًا وَمِنْ سَفَهِي وَحَدَاثَةِ سِنِّي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ فِي حَجْرِي ثُمَّ وَضَعْتُ رَأْسَهُ عَلَى وِسَادَةٍ وَقُمْتُ أَلْتَدِمُ مَعَ النِّسَاءِ وَأَضْرِبُ وَجْهِي۔ (1)

"امام احمد نے کہا کہ عبداللہ بن زبیر نے اپنے باپ عباد سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حال میں وصال فرمایا کہ حضور نے میری گردن اور سینے کے ساتھ تکیہ لگایا ہوا تھا۔ اور یہ دن میری باری کا تھا، میں نے اس سلسلہ میں کسی کا حق نہیں مارا تھا۔ پس میری نادانی اور کم عمری تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے جب میری گود میں وصال فرمایا تو میں نے حضور کا سر مبارک تکیہ پر رکھ دیا اور میں دوسری عورتوں کے ساتھ کھڑی ہو گئی اور رخساروں پر طمانچے مارنے لگی۔"

اس روایت سے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تو اپنی تمام حیات طیبہ میں مصائب و آلام پر صبر کی تلقین فرمائی اور اپنی امت کو نوحہ کرنے، پیٹنے اور گریباں چاک کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا۔ جبکہ اس روایت میں ہے

1۔ ابن کثیر، "السیرۃ النبویہ"، جلد 4، صفحہ 477

کہ حضور کی مقرب ترین زوجہ محترمہ حضرت عائشہ حضور کے سانحہ ارتحال کے بعد اٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنے منہ پر طمانچے مارنے شروع کر دیئے اور صرف اکیلی آپ ہی نہیں بلکہ جتنی مسلمان خواتین اس وقت وہاں موجود تھیں، سب نے اپنے چہروں پر طمانچے مارنے شروع کر دیئے اور کبار صحابہ موجود تھے لیکن کسی نے ان کو اس فعل سے نہ روکا۔

انسان یہ خیال کر کے لرز جاتا ہے کہ ہادی برحق کا ابھی ابھی وصال ہوا ہے۔ حضور کا جسد طاہر ابھی چارپائی پر دراز ہے اور اتنی جلدی حضور کے فرمان واجب الاذعان کی خلاف ورزی ہونا شروع ہوگئی۔ یہ خلاف ورزی کرنے والے کوئی انجان لوگ نہ تھے بلکہ حضور کی تمام صحابیات مع ام المومنین کے اس حکم عدولی میں جوش و خروش سے حصہ لینے لگیں۔

میں خود بھی یہ روایت پڑھ کر ایک دفعہ تو ٹھٹھا گیا لیکن جب اس روایت کے رجال کی تحقیق کیلئے کتب جرح و تعدیل کی طرف رجوع کیا تو ساری غلط فہمی دور ہوگئی۔

علامہ ابن حجر اپنی کتاب "تہذیب التہذیب" میں اس کے ایک راوی یعقوب کے بارے میں رقمطراز ہیں:

قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ اَبِیْہِ حَرَّقْنَا حَدِیْثَہٗ مُنْذُ دَھْرٍ وَکَانَ مِنَ الْکَذَّابِیْنَ الْکِبَارِ وَکَانَ یَضَعُ الْحَدِیْثَ (1)

"حضرت امام احمد کے فرزند عبداللہ اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اس یعقوب کی حدیثوں کو تو ہم نے عرصہ دراز سے نذر آتش کر دیا ہے۔ یہ شخص بہت بڑے جھوٹوں میں سے تھا اور خود حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔"

دیگر علماء جرح و تعدیل نے بھی اس مقام پر اس کے خبث باطن سے پردہ ہٹایا ہے لیکن میں طوالت سے دامن بچاتے ہوئے اسی ایک جملہ کے نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

جو لوگ مزید تحقیق کرنا چاہیں تہذیب التہذیب کے اس مقام پر اس کے حالات کا مطالعہ کریں علامہ تقی الدین احمد بن علی المقریزی کی تصنیف لطیف "امتاع الاسماع" کی جلد اول کے صفحہ 393 کے حاشیہ پر مرقوم ہے:

لَمْ یَثْبُتْ مِنْ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنَّھُنَّ قَدْ قُمْنَ بِشَیْءٍ

1۔ ابن حجر العسقلانی، "تہذیب التہذیب"، جلد 11، صفحہ 398

مِنْ لَطْمِ الْخُدُوْدِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْأَفْعَالِ الْمَنْهِيِّ عَنْهَا شَرْعًا عَلٰى لِسَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-(1)

"یہ بات قطعی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی کہ حضور کی رحلت کے بعد امہات المومنین نے اپنے رخساروں پر طمانچے مارے یا کوئی ایسی حرکت کی جو ہادی برحق ﷺ نے حرام قرار دی تھی۔"

بلکہ علامہ ابن سعد اپنی تصنیف "طبقات" میں حقیقت حال سے پردہ اٹھاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حَتّٰى إِذَا فَرَغَتِ الرِّجَالُ دَخَلَتِ النِّسَاءُ وَكَانَ مِنْهُنَّ صَوْتٌ وَجَزَعٌ بِبَعْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْهُنَّ فَسَمِعْنَ هَدَّةً فِي الْبَيْتِ فَفَرِقْنَ فَسَكَتْنَ- (2)

"جب مرد حضور کے جنازہ سے فارغ ہوئے تو پھر حجرہ مبارکہ میں خواتین داخل ہونے لگیں۔ ان میں سے کسی کی چیخ نکل گئی اور جزع فزع کرنے لگی تو اس وقت حجرہ شریف میں ایک تھرتھراہٹ سی محسوس ہوئی جس سے سب خواتین پر خوف طاری ہو گیا اور وہ خاموش ہو گئیں۔"

ایک اور مستند حوالہ سماعت فرمائیں--

علامہ ابن اثیر اپنی تاریخ "الکامل فی التاریخ" میں رقمطراز ہیں کہ آخری دن حضور نے فرمایا:

دَنَا الْفِرَاقُ وَالْمُنْقَلَبُ إِلَى اللّٰهِ وَسِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى وَ الرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى إِلٰى أَنْ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ ادْخُلُوْا عَلَيَّ فَوْجًا فَوْجًا فَصَلُّوْا عَلَيَّ فَلَا تُؤْذُوْنِيْ بِتَزْكِيَةٍ وَلَا رَنَّةٍ- (3)

"جدائی کی گھڑی نزدیک آ گئی۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف اور سدرۃ المنتہیٰ کی

1۔ "امتاع الاسماع"، جلد 1، صفحہ 393

2۔ "طبقات ابن سعد"، جلد 2، صفحہ 289

3۔ ابن اثیر، "الکامل فی التاریخ"، جلد 2، صفحہ 320

طرف رفیق اعلیٰ اور جنت الماوی کی طرف لوٹ کر جانے کا وقت آگیا...... پھر میری نماز جنازہ ادا کرنے کیلئے گروہ در گروہ حجرہ شریف میں داخل ہونا اور میری نماز جنازہ پڑھنا۔ لیکن مجھے بے جا تعریف کر کے اور آہ و فغاں کر کے اذیت نہ پہنچانا۔"

آہ و فغاں سے ممانعت

اپنے جنازہ کے بارے میں دیگر ہدایات کے علاوہ حضور نے ارشاد فرمایا:

سب سے پہلے میرے اہل بیت کے مرد میرا جنازہ پڑھیں۔ پھر ان کی خواتین یہ شرف حاصل کریں۔ پھر عام لوگ گروہ در گروہ حجرہ مبارکہ میں داخل ہو کر میری نماز جنازہ پڑھنے کا شرف حاصل کریں۔ لیکن خیال رہے کہ وَلَا تُؤْذُوْنِیْ بِبَاکِیَةٍ وَلَا بِرَنَّةٍ وَلَا بِصَیْحَةٍ (1) "کوئی بھی خاتون رو کر، آہ و فغاں کر کے، بلند آواز سے بین کر کے میرا دل نہ دکھائے۔" (2)

محبوب رب العالمین ﷺ کی جدائی کا زخم ہمیشہ عشاق جمال مصطفیٰ کو رلا تا رہتا تھا۔

حضرت ام ایمن حضور کی دایہ تھیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی اچانک وفات کے بعد آپ نے ہی انہیں ابواء میں دفن کیا۔ پھر سرور عالم ﷺ کو گود میں لئے اونٹ پر سوار ہو کر حضور کو مکہ مکرمہ واپس لے آئیں۔ سرکار دو عالم ﷺ ان کا بڑا احترام کرتے تھے اور آپ بھی حضور پر سو جان سے فدا ہوتی تھیں۔

سرکار دو عالم ﷺ کی وفات حسرت آیات کے بعد ایک روز صدیق اکبر نے حضرت فاروق اعظم کو فرمایا، چلو آج ام ایمن کے پاس چلیں اور ان کی زیارت کا شرف حاصل کریں۔ چنانچہ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو وہ ہمیں دیکھ کر رونے لگیں۔ ان دونوں حضرات نے ان سے پوچھا، آپ کیوں رو رہی ہیں؟ اللہ کے رسول کیلئے جو نعمتیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ حضور کیلئے بڑی طمانینت کا باعث ہیں۔ آپ نے فرمایا، بخدا! اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو جن انعامات و احسانات سے نوازا ہے، وہ دنیا کی نعمتوں سے ہزارہا مرتبہ اعلیٰ وارفع ہیں۔ میں اس حقیقت کو خوب جانتی

1۔ ابن کثیر، "السیرة النبویہ"، جلد 4، صفحہ 503

2۔ ایضاً

ہوں وَلٰكِنْ أَبْكِي أَنَّ الْوَحْيَ انْقَطَعَ مِنَ السَّمَاءِ "میرے رونے کی وجہ یہ ہے کہ آسمان سے نزول وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔"

حضرت ام ایمن کے اس ارشاد سے ان حضرات پر بھی گریہ طاری ہو گیا اور دیر تک وہاں بیٹھ کر اپنے محبوب کو یاد کر کے روتے رہے اور اشک افشانی کرتے رہے۔

حضرت ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ جب کسی امت کے ساتھ رحمت کا ارادہ فرماتا ہے تو ان کے نبی کو ان سے پہلے اپنے پاس بلا لیتے ہیں، اور وہ نبی ان کے لئے بہترین پیشرو ہوتا ہے، ان کے ایمان اور اعمال حسنہ کی گواہی دیتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی امت کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ان کے نبی کو زندہ رکھتے ہیں، جب اللہ کا عذاب ان کو ہلاک کرنے کیلئے نازل ہوتا ہے تو ان کا نبی دیکھ کر خوش ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے ساری عمر اس کی تکذیب کی تھی اور اس کی نافرمانی کرتے رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ يُبَلِّغُونِي عَنْ أُمَّتِي السَّلَامَ

"اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ہیں جو آفاق عالم کی سیاحت میں مصروف رہتے ہیں اور جب میرا کوئی امتی میری بارگاہ میں سلام عرض کرتا ہے تو وہ میرے اس امتی کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود ہی روایت کرتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ حَيَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ تُحَدِّثُونَ وَيُحَدَّثُ لَكُمْ وَفَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ فَمَا رَأَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُ اللّٰهَ عَلَيْهِ وَمَا رَأَيْتُ مِنْ شَرٍّ اِسْتَغْفَرْتُ لَكُمُ اللّٰهَ۔

"حضور نے فرمایا کہ میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے، جب میں تمہارے اعمال حسنہ کو دیکھتا ہوں تو اس پر اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جب میں تمہارے گناہوں کو دیکھتا ہوں تو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔"

درود پاک بندۂ مومن کا وہ بہترین عمل ہے جو اس کا رابطہ اپنے آقا و مولا ﷺ کے ساتھ ہمیشہ تازہ رکھتا ہے۔ اس کے بارے میں رحمت عالم علیہ السلام کے ارشادات سماعت فرمائیں:

عَنْ أَوْسِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَأَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ۔ فَإِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ۔

"اوس بن انس رحمت عالم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا، تمہاری زندگی کے دنوں میں سے افضل ترین دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اسی دن ان کا انتقال ہوا، اسی دن حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے، اور اسی دن لوگوں پر مدہوشی طاری ہو گی۔ اس روز مجھ پر کثرت سے درود پاک پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔"

حضور کا یہ ارشاد سن کر صحابہ نے عرض کی يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! كَيْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرِمْتَ "اے اللہ کے پیارے رسول! ہمارے درود حضور پر کیسے پیش کیے جائیں گے حالانکہ حضور کا جسم مبارک بوسیدہ ہو گیا ہو گا؟"

حضور نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ۔

"اے میرے صحابہ! اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے اجساد طاہرہ کو کھائے۔"

اس سے بھی ایک واضح ترین حدیث پاک ملاحظہ فرمائیں جس کا مطالعہ کرنے سے بفضلہٖ تعالیٰ عصر حاضر کے شرپسندوں نے جو حیات النبی ﷺ کے بارے میں شور و غل مچا رکھا ہے وہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔

سرور عالم ﷺ کے ایک نامور صحابی حضرت ابودرداء سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْثِرُوا الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّہٗ مَشْہُوْدٌ تَشْہَدُہُ الْمَلٰئِکَۃُ وَاِنَّ اَحَدًا لَنْ یُّصَلِّیَ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُہٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْہَا۔

"آپ نے فرمایا کہ جمعہ کے روز کثرت سے مجھ پر درود شریف پڑھا کرو کیونکہ فرشتے اس روز حاضر ہوتے ہیں اور کوئی آدمی بھی مجھ پر درود شریف نہیں پڑھتا مگر اس کا درود شریف میری خدمت میں پیش کر دیا جاتا ہے اس سے پہلے کہ وہ درود شریف پڑھنے سے فارغ ہو۔"

حضرت ابو درداء کہتے ہیں-- میں نے عرض کی یا رسول اللہ! جب تک آپ زندہ اس دنیا میں تشریف فرما ہیں اس وقت تک تو بیشک فرشتے پیش کرتے رہیں گے لیکن موت کے بعد کیسے پیش کریں گے؟

رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ نَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ۔ (1)

"بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے اجساد طاہرہ کو کوئی نقصان پہنچا سکے، اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔"

1۔ ایضاً، صفحہ 547-548

قرآن کتاب ہدایت ہے۔
مکمل ضابطہ حیات ہے۔
قرآن ہماری دنیوی اور اُخروی کامیابی کا ضامن ہے۔
قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔
پیر محمد کرم شاہ صاحب ازہری کی معرکہ آرا تفسیر
خوبصورت ترجمہ ! بہترین تفسیر
ضیاء القرآن
فہم قرآن کا بہترین ذریعہ ہے
ترجمہ: جس کے ہر لفظ سے اعجاز قرآن کا حسن نظر آتا ہے
تفسیر: اہل دل کے لیے درد و سوز کا ارمغان
ضیاء القرآن پبلی کیشنز
گنج بخش روڈ لاہور